ہفت روزہ
خدام الدین کا
علامہ بنوری نمبر

بسم الله الرحمن الرحيم
ہفت روزہ خدام الدین لاہور
کا
علامہ بنوری نمبر
ٹیلی فون : ۶۷۵۴۵
قیمت : ۱۸ روپے
داخلہ نمبر 14105
تاریخ 17-05-13
KI-361
20-9-17
Al Nadwa Library
الندوۃ
Chattar Islamabad 46001
0333-83 83 336-7
Al Nadwa Educational Trust
بانی ادارہ :-
حضرت امام لاہوری قدس سرہ
رئیس ادارہ :-
حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی
مدیر منتظم :-
میاں محمد اجمل قادری
مدیر :-
محمد سعید الرحمٰن علوی
مدیر معاون :-
صالح محمد حضروی
کتابت :-
عبدالحمید، محمد افضل، سعید احمد ساجد
یکے از مطبوعات
انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور
مولانا عبید اللہ انور نے پریمیئر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کیا
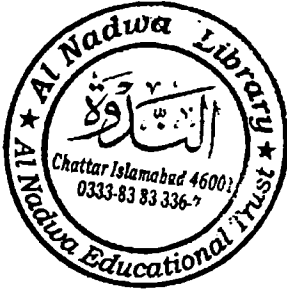
تمام مکاتبِ فکر کے جیّد اور مستند علماء کا مصدقہ و پسندیدہ
ترجمہ قرآن مجید
جو حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ ایک عرصہ بعد آفسٹ کی خوبصورت
کتابت و طباعت کے ساتھ بہترین سفید کاغذ پر شائع ہوگیا ہے۔ ہدیہ ۵۰ روپے
علاوہ ازیں
آپ کے ملفوظات، خطبات و مجالس ذکر اور آپ کی سوانح حیات نیز آپ کے فرزند رشید اور جانشین
مولانا عبید اللہ انور کے خطبات و مجالس ذکر کا بہترین مجموعہ
بنام
اسلامی تعلیمات
قیمت -/۱۲ روپے دستیاب ہے
اس کے علاوہ
علماء ہند کا شاندار ماضی، دینی تعلیم کے رسائل، متحدہ قومیت اور اسلام، مجالس سبعہ، تاریخ مدینہ منورہ، اسلام
میں سربراہ حکومت کا معیار، کاروانِ احرار، محسنہ کائنات اور عرفان و ایقان جیسی نادر و نایاب کتابیں ہمارے یہاں فوری
طور پر دستیاب ہیں ہر اچھی کتاب کے لیے ہمیں لکھیں۔
مکتبہ خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

اداریہ ۷

وفیات الاکابر — مولانا محمد عبدالجلیل کوٹ ادو ۱۵

مرثیہ شیخ الاسلامؒ — مولانا بنوری قدس سرہٗ ۱۷

پیغامات — زعماء ملّت ۱۹

مقالات و مضامین ۳۳

شیخ آدم بنوریؒ — مولانا سید زوّار حسین شاہ ۳۴

علامہ انور شاہ کاشمیریؒ — حافظ عبدالرشید ارشد ۳۷

علامہ انور شاہؒ (نظم) — محمد ضیاء الرحمٰن بھاگل پوری ۶۲

مولانا بنوریؒ — مہتمم دارالعلوم دیوبند ۶۳

سوانحی خاکہ — مولانا ایوب جان بنوری ۶۴

پیر دست میرا ساتھی — مولانا محمد لطف اللہ صاحب جہانگیرہ ۶۶

وقفۂ تامل — شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک ۷۵

لمحۂ فکریہ — ترجمہ مولوی محمد ہارون اسلام آباد ۷۷

وارثِ علوم انوریؒ — مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ۷۹

علامہ کشمیریؒ کی تصویر — مولانا شمس الحق افغانی ۸۱

ایک دعوت ایک تحریک — مولانا بنوریؒ ۸۲

طبقۂ قائدین کی ممتاز شخصیت — مولانا عبید اللہ انور ۸۳

مشفق استاد — مولانا خان محمد صاحب کندیاں ۸۹

چند یادیں — مولانا عبدالقدوس پشاور ۹۱

مولانا کی یادیں — مولانا عبدالکریم بیر شریف لاڑکانہ ۹۴

ایک مصلح — مولانا محمد سرفراز خان صفدر ۹۶

علامہ بنوریؒ — مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ۹۸

دین و دانش کا مہر انور — دکتور تقی الدین ندوی ابوظبی ۱۰۰

دو شاہکار — سید محمد انظر شاہ دیوبند ۱۰۳

تذکرہ دوست — مولانا سید احمد رضا بجنوری ۱۰۸

ایک شخصیت ایک تذکرہ — مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کراچی ۱۱۴

المحدث الکبیر — مولانا سید حامد میاں لاہور ۱۲۰

یوسف عصر — مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی ۱۲۹

ذکر مولانا محمد یوسف صاحب — مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی ۱۳۴

جامع شخصیات — مولانا فیض احمد صاحب ملتان ۱۳۵

جامع الکمالات — مولانا لطافت الرحمٰن جامعہ اسلامیہ بہاولپور ۱۳۷

حیات بنوریؒ کی چند جھلکیاں — مولانا محمد طاسین کراچی ۱۴۱

حضرت بنوریؒ کی حق پسندی — حافظ ریاض احمد اشرفی راولپنڈی ۱۵۳

علامہ بنوری — مولانا حبیب اللہ شاہ جامعہ بہاولپور ۱۵۵

مردِ حق آگاہ — مولانا محمد رمضان علوی راولپنڈی ۱۶۰

علامہ بنوریؒ — احسان دانش لاہور ۱۶۳

عظیم شخصیت — سید نور الحسن شاہ بخاری ملتان ۱۶۴

حضرت بنوری — مولانا محمد تقی عثمانی ۱۶۶

بیاد علامہ عصر — حکیم محمد اختر صاحب کراچی ۱۷۷

عالم با عمل — ثناء الحق صدیقی ایم اے ۱۸۲

..... چراغ اور بجھا — حکیم عزیز الرحمٰن حیدر آباد ۱۸۵

دورِ حاضر کی عظیم شخصیت — قاری سعید الرحمٰن راولپنڈی ۱۸۸

عنوان	مصنف	صفحہ
آخری چار دن	قاری سعید الرحمٰن، راولپنڈی	۱۹۲
حضرت شیخ کا سفر افریقہ	ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر	۱۹۵
شیخ کیساتھ سفر حج	مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک	۲۰۶
موت العالم	مولانا محمد اجمل خان	۲۱۴
قافلہ سالار سید بنوری	مولانا تاج محمود	۲۱۶
زمانہ طالبعلمی کے تاثرات	ڈاکٹر احمد حسن، اسلام آباد	۲۱۷
تابندہ گوہر	ڈاکٹر رشید احمد جالندھری	۲۲۱
سراپا خلوص	مولانا حمید الرحمٰن، لاہور	۲۲۳
مولانا بنوری	مولانا سعید الدین، شیرکوٹ	۲۲۶
یوسف بنور	حکیم محمد سعید، کراچی	۲۲۷
واردات و مشاہدات	حافظ عبدالرشید ارشد	۲۲۹
یا اسفیٰ علی یوسف	مفتی سیاح الدین کاکاخیل	۲۴۲
نگہ بلند....	حافظ عزیز الرحمٰن خورشید بھیرہ	۲۴۷
ایک مصلح ایک رہنما	اعجاز الحسن سنگھانوی، کراچی	۲۴۹
ایک مجاہد عالم	مولانا شبیر احمد حامد، رحیم یار خاں	۲۵۷
شعراء کا نذرانۂ عقیدت	مختلف شعراء	۲۶۷
مولانا ابوالکلام آزاد	ملک نصر اللہ خان عزیز	۲۸۷
مکتوب بنام....	مولانا بنوری	۲۸۹
تصویری جھلکیاں	......	۲۹۱ تا ۳۱۰
مولانا بنوری کی طرزِ تحریر	......	۳۱۱
تاثرات	ایڈیٹر	۳۲۳
پریس کا خراجِ عقیدت	مختلف اخبارات و رسائل	۳۴۳
مکاتیب بنام مولانا بنوری	حضرت مدنیؒ	۳۷۱
مکتوب....	حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری	۳۷۵
مکاتیب بنام مولانا عبدالحق	حضرت بنوریؒ	۳۷۷
رفتید ولے نہ از دلِ ما	مولانا بنوریؒ	۳۸۰
علوم و معارف	〃	۳۸۷

ضروری

— آئندہ پرچہ انشاء اللہ، ارمارچ کو حسب پروگرام شائع ہوگا۔

— حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ کی نادر تحریرات کا حسین گلدستہ صفحات کی کمی کے پیشِ نظر شامل اشاعت نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ وہ صفحات مسلسل آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔ اسی طرح بعض مضامین شامل نہ ہو سکے۔ جن میں مولانا محمد موسیٰ صاحب کا طویل قصیدہ بھی شامل ہے۔ وہ بھی وقتاً فوقتاً شائع ہو جائیں گے۔ ہم مضامین نگار حضرات سے معذرت خواہ ہیں۔

— سید مشاہد حسین صاحب رضوی اور ان کے شاگرد کاتب صاحبان ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی محنت بہت کام آئی۔

ادارہ

دردِ دل

حضورِ نبی کرم ، رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال کے دن ہم یہ سطور سپردِ قلم کر رہے ہیں۔ واقعات و تصوّرات کی دنیا میں یہ حادثہ اپنی نوعیّت کا منفرد حادثہ ہے ۔ آپ کے سچے عقیدت مند اور جان نثار صحابہ علیہم الرضوان نے جس شدّت سے اس صدمہ کو محسوس کیا اس کا اندازہ جماعتِ صحابہؓ میں مضبوط اعصاب کی مالک شخصیّت سیدنا عمر فاروق اعظم کی حالت سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ننگی تلوار لے کر فرما رہے تھے کہ جس نے یہ کہا کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اس کا سر قلم کر دوں گا ——— اللہ تعالیٰ نے صاحبِ عزم و استقامت سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو توفیق دی ، انھوں نے دنیا کو سمجھایا کہ بقا صرف ربِّ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ہے ۔ اور پھر آپ نے جس طرح موقعہ و محل کی مناسبت سے سورۃ آلِ عمران کی آیات کی تلاوت کی اس سے آہ و بکا اور نالہ و شیون کا طوفان تھم گیا اور حضراتِ صحابہ کرام اپنی محبوب ترین شخصیت اور اپنے آقا و مالک کی تدفین سے فارغ ہو کر اشاعتِ اسلام اور تعمیرِ ملّت کے فرائض میں مشغول ہو گئے ——— ان ذواتِ قدسیہ نے پیغامِ مصطفوی کو چار دانگ عالم میں پھیلانے اور اس آئینِ رحمت سے سارے دنیا کو سیراب کرنے کے لیے جو سعی و جد و جہد کی وہ تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک ایسا باب ہے جس کی مثال صفحاتِ تاریخ میں مشکل سے ملے گی ۔

**

وحی الٰہی کے ان عینی گواہوں اور درسگاہِ نبوی کے ان طالب علموں نے جو ذات و پیغامِ رسالت پر جانیں نچھاور کرتے تھے ۔ ایسی "افسانوی عقیدت و محبت" کا قطعاً مظاہرہ نہیں کیا جس کا آج کے دور میں کیا جا رہا ہے اور پھر یہ سب ڈھونگ اس دن رچائے جاتے ہیں ۔ جو ارتحالِ نبوی کا دن ہونے کے ناطے سے اپنے جلو میں کرب و اضطراب کے ہزاروں ہزار پیغام لے کر آتا ہے ۔ اس لیے کہ ۱۲ ربیع الاوّل ارتحالِ نبوی کا دن ہے اور ولادت باسعادت ۹ ربیع الاوّل کو ہوئی ——— لیکن کوتاہ بین و کوتاہ اندیش اور عمل کی صلاحیتوں سے عاری افراد و طبقات نے اسی میں عافیت سمجھی کہ "جلوس" کا اہتمام کر لیا ، اس میں فلمی طرز کے نعتیہ اشعار گا لیے اور حقوق اللہ (از قسم نماز وغیرہ) اور حقوق العباد کو پس پشت ڈال دیا ، ذخیرہ اندوزی ، بلیک مارکٹنگ اور ملاوٹ جیسے سنگین معاشرتی جرائم میں مبتلا افراد اپنی "نیک کمائی" سے آرائش و زیبائش اور چراغاں کا اہتمام کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے سب کچھ معاف کروا لیا انہیں تکفیر و تفریق بین المسلمین کا فریضہ سرانجام دینے والے علم کے بیوپاری سند دیتے ہیں کہ تم نے خوب حق ادا کیا ۔

اس قسم کے جرائم پیشہ افراد کو جرائم سے روکنے کی توفیق نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی کو معاشرہ کے لا تعداد مفلوک الحال ستم رسیدہ یتیم بچے اور بیوہ عورتیں کسی کو نظر آتی ہیں کہ ولادت کے جلوس سے لے بزرگوں کے عرسوں پر اُٹھنے والی رقم جو لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں ہوتی ہے ان پر خرچ کر کے ان کی دعائیں لی جائیں اور روحِ مصطفوی کی طمانیت کا سامان کیا جاتے ۔

**

حضور نبی کرم علیہ السلام "آتشیں شریعت" دے کر اور نبوّت کا دروازہ بند کر کے رُخصت ہوتے تو آپ نے اشاعت و خدمتِ اسلام کے لیے ایک جماعت کی خبر دی۔ جسے مٹانے کے لیے ہر کوئی دانت تیز کریگا۔ لیکن "امرِ الٰہی" تک وہ جماعت مشغولِ عمل رہے گی۔

صحابہ علیہم الرضوان اس جماعت حقہ کی ابتدائی کڑی تھے جنھیں لسانِ نبوّت سے "نجوم ہدایت" قرار دیا گیا تھا اور جن کی توہین کو نبوّت نے اپنی توہین قرار دے کر ان کی عظمت پر پیغمبرانہ مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس جماعت کی تعلیم و تربیّت کے نتیجہ میں جو دوسری کڑی سامنے آئی وہ تابعین علیہم الرحمۃ کی تھی اور پھر "اتباع تابعین" حتیٰ کہ یہ سلسلہ اسی طرح رواں دواں رہا اور آج بھی جاری وساری ہے۔

**

لیل و نہار کی گردشیں اسی طرح رواں دواں رہیں اور "دینِ حق" کا "محافظِ حقیقی" اس کی حفاظت وصیانت کے لیے اپنے بندوں سے خدمت لیتا رہا، ائمہ مجتہدین، محدّثین، مفسّرین، فقہا و صوفیا اور اربابِ دعوت و ارشاد کے علاوہ حضرات مجددین علیہم الرحمۃ کا ایک سلسلہ دُنیا کو ایمان و ایقان کے نور سے منوّر کرتا رہا، کتاب و سُنّت کے حقائق سے انہیں آگاہ کرتا رہا، ان کے جذبۂ عمل کو بیدار کر کے بے عملی و بد عملی کے مہلک اثرات و نتائج سے متنبہ کرتا رہا۔ اور یوں "انا لہ لحافظون" کا وعدہ پورا ہوتا رہا۔

**

یہ بلانوشان محبت اور خدام دینِ نبوی شرق میں بھی تھے تو غرب میں بھی! شمال بھی ان سے فیض حاصل کر رہا تھا تو جنوب بھی! عرب ان سے استفادہ کر رہا تھا تو عجم بھی۔ البتہ ایک طویل عرصہ تک اس قافلہ حق آگاہ کی مرکزی شخصیات و افراد "برصغیر" سے ادھر رہیں۔ تاہم جب حضرت الامام المجدد السیّد سرہندی قدس سرہٗ رونق افروز عالم ہوتے تو یوں لگا جیسے اقوام عالم کی فکری قیادت اسی خطّہ سے متعلق ہو گئی اور پھر یہ خطّہ اپنے عظیم فرزندوں کے کارناموں سے جگمگا اٹھا۔ اور یہ روشنی برصغیر کے طویل و عریض قصبہ سے باہر کی دُنیا کو بھی روشن کرنے لگی۔

**

اگر حضرت مجدد سرہندی کے اثراتِ تربیّت دور دراز علاقوں تک نہ پہنچے ــــــــ لیکن ان کے بعد ان کے فرزندوں اور خلفاء کی سرگرمیاں تو مرکز اسلام تک پھیل گئیں۔ حتیٰ کہ آپ کے خلیفہ اجل و اعظم حضرت السیّد آدم بنوری قدس سرہٗ (مولانا بنوری مرحوم کے مورثِ اعلیٰ) کی آخری آرامگاہ مدینہ طیّبہ زادھا اللہ شرفا میں بنی۔

**

اور پھر حکیم الامّت حضرت الامام العارف دھلویؒ کا دور تو خدمت قرآن و حدیث اور اصلاح احوال کے اعتبار سے اپنی نوعیت کا منفرد دور تھا۔ آپ نے فکر و شعور انسانی کی جلاء کے لیے قرآن و سُنّت کے چشمہائے صافی سے جو سامان فراہم کیا اس کا اعتراف بیگانے یگانے سبھی کو ہے۔ آپ کی کتابوں میں منتشر اور بکھرے ہوتے جواہر پاروں کو آپ کے فرزندانِ گرامی بالخصوص فرزند رشید شاہ عبدالعزیز نے جس طرح نظم و ترتیب کے ساتھ دُنیا کے سامنے رکھا وہ انہیں جیسے مردانِ کار کا کام تھا اور بات تیسری نسل تک پہنچی تو حضرت سیّد اسمٰعیل دہلوی نے اپنے امیر و امام اور اپنے بزرگوں کے خادم امیر بریلوی کی قیادت میں خون کا نذرانہ دیکر جریدۂ عالم پر اپنا نقش ثبت کروا دیا۔

**

معلوم ہوتا ہے کہ قائدین (فکری رہنما) کے فکر رسا سے ساری دنیا کو نفع پہنچانے کے لیے اللہ تعالٰے نے بعض حضرات کے دل میں ہجرت کا داعیہ پیدا کر دیا اور وہ حرمین شریفین کی عطر بیز فضاؤں میں جاکر بس گئے اور مابقی

حضرات اپنی منتشر قوتوں کو مجتمع کرکے "دیوبند" کے قصبہ میں بیٹھ گئے۔

—*—

سطحی فہم کے لوگوں لیے "قیام دارالعلوم دیوبند" کا دن محض ایک مکتب و مدرسہ کے قیام کا دن تھا، لیکن حقیقت میں حضرات محسوس کر رہے تھے کہ "قاسم العلوم والخیرات" اور ان کے عالی مرتبت رفقاء کا سوزِ دروں جہاں پوری دنیا میں علم و عرفان کا نور پھیلاتے گا۔ وہاں مجاہدین و غازیانِ دین کی ایک ایسی جماعت تیار کرے گا جو نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام کو استبدادی قوتوں کے پنجہ سے آزاد کراتے گا۔

—*—

تعصب و عناد اور ہٹ دھرمی کا کوئی شکار ہوتو اس کے لیے "پیغمبرانہ نصیحت" بھی کارگر نہیں ہو سکتی (جس کا اندازہ حضور نبئ مکرم کی زندگی میں مکہ و مدینہ کی سرزمین میں قدم قدم پر لگایا جا سکتا ہے) لیکن جو خدا سے قلب سلیم لے کر آیا ہو اور جسے مالکِ حقیقی نے امراضِ قلب سے محفوظ رکھا ہو وہ۔ اس مکتبہ و مدرسہ کے اثرات کا کسی طور پر انکار نہیں کر سکتا۔

آج عرب و عجم کا کون سا ملک و شہر ہے (بشمول حرم مکی و مدنی زادھما اللہ کرما) جہاں "قاسم العلوم" کے لگاتے ہوئے شجر ثمر دار کی چھاؤں اور سایہ نہیں پہنچا —— رہ گئی استبدادی قوتوں سے عالم اسلام کی آزادی کی بات تو جو تحریک ریشمی رومال اور اس سے قبل و بعد کی تحاریک ملیہ کا ذرا سا بھی علم و شعور رکھتا ہے وہ یقین کرے گا کہ ساری روشنی انہیں چراغوں کی ہے جنھیں نا انصاف اور ہٹ دھرم لوگوں نے "بے نور" ثابت کرنے کی کوشش شروع کر رکھی ہے۔

—*—

استخلاصِ وطن کے بعد دنیا کی ہر قوم اپنے رہنماؤں اور پیروؤں کو شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کرنے کا سامان کرتی ہے لیکن ہمارے یہاں اس قسم کے مادر و پدر آزاد اور بے ننگ و نام لوگ پیدا ہوتے جنھوں نے بدر واحد کی عزیمت و استقامت کے وارثوں کو رگیدنا اور برا بھلا کہنا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔

—*—

ان لوگوں میں مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کے مریدانِ اشقیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ فداہ ارواحنا وانفسنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایک بدکردار کو اپنے عقیدتوں کا مرکز بنا لیں۔ ان کی نظر میں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا قدر ہے؟ اور پھر جب کہ وارثانِ علوم نبوت نے تصنیف و تالیف، تقریر و مناظرہ اور عدالت و آیئن میں ہر جگہ ان کو "نکو" بنایا ہو تو ان کا جوش غضب میں آنا اور یہ کچھ کرنا ایسی بات نہیں جس پر تعجب کا اظہار کیا جاتے۔

ایسے بد باطن طبقات میں قدیم و جدید رفض و باطنیت کے حواری اور خوشہ چیں بھی ہیں جو اپنی بدقسمتی اور بدبختی کے سبب وحی الٰہی کے عینی گواہوں، خود وحی الٰہی اور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تک کے معاملہ میں نہیں شرماتے، وحی الٰہی کی تحریف اور ان مقدس طبقات سے نفرت جب ان کا سرمایہ حیات ہے تو پھر یہ لوگ قرآن کے سچے خادموں اور ابتدائی حاملان قرآن و ازواجِ نبوی کی عزت و ناموس کے محافظوں اور منادوں کو کیونکر بخشیں گے؟

اس حمام میں وہ لوگ بھی ننگے ہیں جنھیں فرمانہاتے رسالت سے بیر ہے اور وہ انہیں زمانہ رسالت کے بعد کی عجمی سازش سے تعبیر کرتے ہوتے حیا و شرم محسوس نہیں کرتے۔ ایسے افراد اگر حدیثِ نبوی کے حاملین و ناشرین پر ناک منہ چڑھائیں تو یہ ان کی کج فطرت کا لازمی تقاضا ہے۔

اور یہاں وہ لوگ بھی منہ سے جھاگ بہاتے نظر آئیں گے جن کے "اعلحضرت" نے انہیں ہفتہ میں دو تین بار انواع و اقسام کے کھانوں کی "فاتحہ" کی "تلقین" کی۔ اور انہیں یہ سبق پڑھایا کہ ہمارے بغیر یہاں نہ کوئی جماعت مسلمان ہے نہ لیڈر، "تجانب اھل السنہ" "مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری" "قھر القادر علی الکفار اللیاڈر" اور "حسام الحرمین"

جیسی کتابوں اور رسائل کو سینہ سے لگا کر ملّت کے ہر خادم ، ہر مصلح قوم اور ہر حامل دینِ متین کو کافر قرار دینے والے اور "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" جیسی کتابیں لکھ کر انگریز کے ظلم وجور کے لیے شرعی سند مہیّا کرنے والے ، انگریز بہادر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور اس کے ہر چیلنج کا غیرت مندانہ جواب دیکر اس کی سطوت کو یورپ میں دھکیلنے والوں پر دانت نہیں پیسیں گے تو اور کیا کریں گے ؟ تحریکِ پاکستان کے یہ نئے نویلے وارث جنھوں نے اس تحریک کے ہر لیڈر کو "کافر" قرار دینے میں بھرپور چابکدستی کا مظاہرہ کیا ۔ وہ آج عوام کی اجتماعی طاقت کو اپنا کارنامہ سمجھ کر اپنے مخالفین کو "شاتم رسول" کی گالی تک دینے سے نہیں شرماتے ؟ اور اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ یہ لفظ کتنا سنگین ہے اور اس کا ردِّ عمل کتنا سخت ہوتا ہے ؟ -

اس مرحلہ پر نامناسب نہ ہوگا کہ ہم عبوری حکومت کے سربراہ جنرل ضیاء الحق صاحب سے عرض کریں کہ وہ کراچی کے ماہنامہ "ترجمان اہلسنت" کی اشاعت مجریہ دسمبر ۱۹۷۷ء میں شاہ احمد نورانی صاحب کے ان ارشادات کی وضاحت فرمائیں جن میں نورانی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رفقاء سمیت ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو جنرل صاحب سے ملاقات کی تو انھوں نے ہماری رواداری کی تعریف کی اور اس کا سبب یہ بتلایا کہ آپ لوگوں نے سہالہ کی نظر بندی کے دوران فلاں (مراد مفتی محمود صاحب) کے پیچھے نماز پڑھی ؟ - تو ہم نے کہا کہ رواداری بالکل صحیح اور اپنی جگہ درست ! لیکن کسی گستاخِ رسول کے لیے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اور پھر نورانی صاحب نے جوش میں آکر گستاخی کے لفظ کو "شاتم" میں تبدیل کر دیا" ۔ موصوف نے جوشِ خطابت میں بہت کچھ کہا جسے ترجمان اہلسنّت نے نقل کیا ہے لیکن ہم جنرل صاحب موصوف سے صرف یہ گذارش کریں گے کہ وہ اگر اس کی وضاحت فرما سکیں تو ان کا کرم ہوگا کہ یہ گفتگو ہوئی یا نہیں ؟ اور اگر یہ بات صحیح ہے کہ مفتی محمود صاحب اور ان کا قبیلہ معاذاللہ ثم معاذاللہ واقعی "شاتم رسول" ہے تو پھر آپ نے اس قسم کے لوگوں سے نمٹنے کا کیا طریق اپنایا ؟ اس قسم کے افراد کا قومی قیادت جیسے اہم مناصب پر سرفراز ہونا تو بڑی بات ہے ۔ ایسے افراد کو اس "جرم" کی سنگین سزا ملنی چاہیئے ۔ کیا جنرل صاحب اس کی وضاحت فرمائیں گے اور کیا وہ اس سلسلہ میں اعلیٰ اختیاراتی کورٹ قائم کرکے اس مسئلہ کا فیصلہ کروائیں گے ؟

جہاں تک نورانی صاحب کے اس الزام کا تعلق ہے جنرل صاحب کوئی وضاحت فرمائیں یا نہیں اور اس پر کوئی کاروائی کریں یا نہ کریں لیکن ہم یہ بات کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ اور کھلا الزام ہے "سبحانک ھذا بہتان عظیم" ۔ ساتھ ہی ہم نورانی صاحب اور ان کے حواریوں سے کہیں گے کہ انگریزی دور میں جو فتنہ سامانی آپ کے بڑوں نے "خفیہ ہاتھ" کے اشارہ سے شروع کی اس پر آپ کو نظر ثانی کرنی چاہیئے اور اس کھلے الزام اور دنیا کے سب سے بڑے جھوٹ سے اپنی برأت کا اظہار کر دینا چاہیئے ۔ بصورتِ دیگر "رب محمد" کے حضور ہمارے استغاثہ کا آپ کو جواب دینا ہوگا جہاں کوئی رشوت و سفارش اور چرب لسانی کام نہیں آتے گی ۔ دنیا میں تنور شکم کے لیے بھولے بھالے اور سیدھے سادے عوام کو اس طرح بھڑکا کر "قیادت" کی ہوس شاید پوری ہو جاتے لیکن داورِ محشر کے حضور تو کوئی عزیز رشتہ دار ، پارٹی وجماعت کام نہ آتے گی ۔

اور ہاں یہاں وہ لوگ بھی سرگرم عمل ہیں جو اپنے آپ کو صحافت کی جان و روح سمجھتے ہیں اور اس شعبۂ حیات کی تازگی اپنے دم قدم سے وابستہ قرار دیتے ہیں ۔

یہ لوگ "نوائے وقت" ، "طلوع اسلام" اور "اسلامی جمہوریہ" جیسے اخبارات و جرائد کے ذریعہ کبھی قومیت و اسلام کی ان بحثوں کے ذریعہ اپنے دلوں کی تاریکی کاغذوں پر بکھیرتے نظر آتے ہیں جن کے ابجد سے بھی یہ واقف نہیں واقف ہوں یا نہ ہوں اسطرح انہیں قافلہ سالار اہلِ حق شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اور ان کے رفقا

و معتقدین پر کیچڑ اچھالنے اور ان کے معاملہ میں اپنے بغض کا اظہار کرنے کا موقع ضرور ملتا ہے۔
یہ عقل و دیانت سے بے بہرہ لوگ حضرت مدنیؒ و علامہ اقبال کے درمیان ایک طے شدہ بحث کو سیاق و سباق سے الگ کرکے جس طرح بار بار اخبارات و رسائل میں اچھالتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخلاقی قدروں سے محروم ہو چکے ہیں اور جوارِ رسولؐ میں بیس سال تک بیٹھ کر حدیثِ رسولؐ کا درس دینے والے محدثِ عصر سے بغض نے ان کا اندرونی نور سلب کر لیا ہے۔ بندگانِ خدا کے معاملہ میں بدباطنی اور کورچشمی کا مظاہرہ کرنے والے یہ عناصر "حدیث قدسی" کی اس وعید تک سے ناآشنا ہیں جس میں فرمایا گیا کہ "میرے بندوں سے دشمنی مول لینے والوں کو میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔"
ان "نزدیکان بے بصر" نے سیاسی اختلافات کو ایسا رنگ دے دیا گویا یہ اسلام اور کفر کی کوئی بحث تھی۔
اے کاش کہ "مقربانِ بارگاہ الست" کا نام سن کر ناک منہ چڑھانے والے یہ قلمکار وطن عزیز کی تعمیر کا مثبت فریضہ سرانجام دیتے اور وارثانِ علومِ نبوت کو بُرا بھلا کہہ کر خدا کے غضب و قہر کو دعوت نہ دیتے۔ ہم اپنے مخدوم حضرت مولانا السید بنوری قدس سرہ کے اس ارشاد کو ایک الہامی حقیقت سمجھتے ہیں کہ "اس وطن کے باسیوں پر آفات کا نزول شیخ مدنی کی توہین کے باعث ہے۔"
کورچشموں کے اس قافلہ کے ایک فرد پر جس کی شام بھی شام ہے تو صبح بھی شام، ایک ہندو قلمکار کے توسط سے اب انکشاف ہوا کہ امام الہند، مفسرِ قرآن اور بقول آغا شورش کاشمیری "ہندوستان میں ابن تیمیہ" یعنی مولانا ابوالکلام آزاد شراب پیتے تھے۔ مولانا آزاد کے کم ظرف مخالفین نے ان کو بڑی سے بڑی گالی دی۔ حتیٰ کہ "شو بوائے" تک کہا لیکن کسی پر یہ انکشاف نہ ہوا جو آج یار لوگوں پر ہوا ہے۔ اگر ہماری شرافت و غیرت اجازت دیتی تو پاکستان اور ملتِ پاکستان کی رسوائی و بربادی کا باعث ان "صحافیوں" کو بتاتے کہ ابوالکلام شراب نہیں پیتا تھا بلکہ.......
اور تمہاری غلاظتیں آج تمہارے سامنے آگئی ہیں جن کی عکاسی ایک ہندو قلمکار نے کی اور تم اسے لے اڑے۔
جو شخص "ابوالکلام" کو تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ لکھ کر تاریخ کے حقائق کو جھٹلائے اور ایک کاتب سے محض اس لیے دشمنی مول لے کہ اس نے سید مدنیؒ کے نام پر "رح" کا نشانِ رحمت کیوں لگا دیا۔ اس...... کو ہم یہی کہیں گے کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس زند میلش اندر طعنہ نیکاں زند

تم یقین کر لو کہ تم خدائے قادر و قہار کے عتاب سے نہیں بچ سکتے کیونکہ تمہارا ہاتھ ان کے دامن تک اٹھا ہے جو رب کائنات کی تخلیق کا حسین شاہکار ہیں۔

محترم قارئین! جماعت حقہ کی پہچان اور اس کے مخالفین کے "چہرے" آپ کو دکھانے کے لیے یہ سلسلہ دراز ہوگیا جسے ہم ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ کہ حضرت الشیخ السید بنوری قدس سرہٗ بھی اسی جماعت حقہ کے ایک فرد تھے بلکہ قائد و رہنما! اور ہم نے ان کے حضور یہ خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اس "نمبر" کا بیڑا اٹھایا — اپنی عدم صلاحیتوں کے باوجود جو ہو سکا وہ پیش خدمت ہے۔ ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف
اس میں جو خوبی نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم اور اس جماعت صادقہ کے اکابر و اصاغر دنیا میں موجود اور دنیا سے جانے والے اہل حق کی دعاؤں اور توجہ کا فیض سمجھیں۔ رہ گئیں خامیاں تو ان کا ذمہ دار میں ہی ہوں اور اصلاح و نیک مشوروں کا متمنی!
آئیں ۱۲ ربیع الاول کی غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی گھڑیوں میں اپنے رب کے حضور دعا کریں کہ وہ ہمیں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور ہم سے بیش از بیش اپنے دین کی خدمت لے۔ اللّٰھم آمین بحرمۃ النبی الکریم الامین۔

علی ۱۲ ربیع الاول ۹۸

"رفع علم" کا ماتم
اور
ارباب علم کیلئے لمحۂ فکریہ

جناب "زاھد الراشدی" نے مختصر مضمون میں ایک اہم مسئلہ کیطرف توجہ دلائی ہے اس لیے وہ بطور شذرہ شامل ہے!

جناب رسالتِ مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ رب العزت دنیا سے علم کو یوں نہیں اٹھائیں گے کہ کتابوں سے سلب کر لیا جائے، بلکہ علم اس طرح اٹھے گا، کہ اہلِ علم یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھتے چلے جائیں گے۔ ان کے بعد جہال ان کے جانشین بنیں گے، جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

حضرت السید مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے وصال نے "رفعِ علم" کے اس احساس کو شدید تر کر دیا ہے اور اہلِ علم کی یکے بعد دیگرے رخصتی کے ساتھ ساتھ مدارس و مکاتب کے بانجھ پن کا تقابل کیا جائے تو مستقبل کا ایک ہولناک نقشہ سامنے آتا ہے۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تر زندگی علم کی اشاعت و ترویج میں گذاری ہے اور وہ صرف اور صرف علم ہی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں، اگرچہ راقم الحروف کو ان کی خدمت میں زیادہ مرتبہ حاضری اور شرفِ نیاز حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تاہم تحریک ختم نبوت کے دوران ایک جلسۂ عام کے موقع پر جب پہلی بار اس مردِ درویش کی زیارت کی تو ذہن میں غزالی، رازی، ابنِ رشد، ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم، ابنِ کثیر رحمہم اللہ اجمعین اور ان جیسے اساطینِ علم و فضل کے ہیولیٰ تازہ ہو گئے جن کے علم و فضل سے دنیا صدیوں سے فیض یاب ہوتی چلی آ رہی ہے اور ہوتی چلی جائے گی۔

سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف علم کی ترویج و اشاعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا، بلکہ اعتقادی محاذ پر کفر و ارتداد اور الحاد و زندقہ کے فتنوں کا بھی جرأت مندانہ تعاقب کیا، قادیانیت کا فیصلہ کن محاسبہ، غلام احمد پرویز کے فتنۂ انکار حدیث کی سرکوبی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ افکار کی بیخ کنی، اور جناب مودودی صاحب کے تجدد پسندانہ خیالات پر کامیاب علمی گرفت سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے اہم ترین کارنامے ہیں اور نئی نسل ان اعتقادی فتنوں کی بروقت نقاب کشائی پر سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ سپاس گذار رہے گی۔

آج سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں، ان کی زندگی ہمارے سامنے ہے، انکا مقدس مشن اور جد و جہد ہم سے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا تقاضا کر رہا ہے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں "رفع علم" کی اس تیز رفتاری میں اپنے کردار کا جائزہ لینا ہے۔ ہمارے پاس مدارس، مکاتب اور علمی اداروں کی کمی نہیں، لیکن تدریس، تحقیق، تبلیغ، اصلاح و ارشاد اور تحریر جیسے ناگزیر عملی شعبوں کو ... "رجالِ کار" نہیں مل رہے۔ ہر طرف سناٹا ہے، نئی نسل میں علم و تحقیق میں وقت "ضائع" کرنے کی بجائے ظاہری نمود و نمائش اور شارٹ راستوں سے "منزل" تک پہنچنے کی ہوس، وبا کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ تعلیم کا معیار روز افزوں دگرگوں ہے اور تربیت سرے سے عنقا ہو گئی ہے اور سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ ہم میں ہر شخص اپنی ڈگر پر قائم رہتے ہوئے حالات کی تبدیلی کے لیے کسی "معجزہ" کا منتظر ہے۔

سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے ہمیں ان کی جدائی کو اس پس منظر میں بھی ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے کہ اس سے بہت سے مخفی گوشے سامنے آئیں گے، نظر و فکر کو نئی جولانگاہیں ملیں گی، اور سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ یعنی "علم و فضل اور جرأت و استقامت" کی جدائی کو محنت اور عمل کے ساتھ کم کرنے کا احساس پیدا ہو گا۔

کیا ہمارے ارباب علم و فضل سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کے اس پہلو پر غور کرنا پسند فرمائیں گے ....؟

اعتذار و تشکر

*

حضرت علامہ بنوریؒ کی وفات سے تیسرے روز مدیر خدام الدین نے میری وساطت حضرت مولانا جمیل اللہ انور مدظلہ العالی کی خدمت میں ایک تجویز پیش کی۔ جس میں عرض کیا گیا تھا کہ اس موقع پر ختم نبوت کے قافلہ سالارؒ کی زندگی اور دینی و علمی خدمات پر مشتمل ایک خاص اشاعت ترتیب دی جائے، چنانچہ آپ نے اس کی منظوری دیدی۔ جس کے بعد ابتداء ان تمام شخصیات کو خطوط روانہ کیے گئے جن سے حضرت کا کچھ بھی تعلق رہا۔ اس پر متعلقہ حضرات نے جس طرح ہماری حوصلہ افزائی کی اس پر ہمیں احساس ہونے لگا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس خدمت کی توفیق دی ہے اور ہمیں چُن لیا ہے۔

شروع میں ہمارا ارادہ تھا کہ یکم جنوری کو یہ اشاعت منظرِ عام پر آجائے۔ لیکن یہ سلسلہ کچھ اتنا طویل ہو گیا کہ ابتدائی تخمینہ ۱۵۰ صفحات سے ۴۰۰ صفحات تک نوبت پہنچ گئی۔ اور یوں یہ نمبر ایک ضخیم کتاب میں تبدیل ہو گیا۔

اس نمبر کی تیاری میں ہفت روزہ "خدام الدین" کا تمام عملہ اور خاص طور سے مدیر محترم نے جس محنت و جانفشانی سے کام کیا اس کا بہترین صلہ اور جزاء اللہ تعالےٰ ہی عطا فرمائیں گے، میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اسی لگن اور محنت کا آئندہ بھی مظاہرہ کرنے کی وہ ہمیں توفیق بخشے!

علوی صاحب نے لاہور سے پشاور اور پھر کراچی کا سفر کیا، اور اس کے بعد ۱۴ فروری کو اس نمبر میں شامل تصاویر کے حصول کیلئے مجھے کراچی جانا پڑا جہاں روزنامہ "صداقت" کے مدیر رانا بشیر احمد اور ان کے فوٹو گرافر، بھائی عبدالسمیع نے مثالی تعاون کیا، اس علمی و مالی تعاون پر میں صمیمِ قلب سے مشکور ہوں۔

ہمارے چار مستقل کاتب صاحبان جناب عبدالحمید، محمد افضل، محمد ساجد سعید اور محمد انور صاحبان کے علاوہ چند دوسرے کاتب صاحبان نے بھرپور تعاون کیا۔ میں سب کا شکرگزار ہوں۔

اسکے ساتھ ہی مدیرِ معاون مولوی صالح محمد حضروی، مینجر گلزار احمد، سرکولیشن مینجر احسان الواحد، کلرک مولوی انتظار حسین اور محمد رفیع صاحبان نے خوب خوب تعاون فرمایا جس پر وہ بجا طور پر مستحق شکریہ ہیں۔ جناب الطاف حسین صاحب نے اپنے طور پر اشتہارات وغیرہ کے حصول میں ہاتھ بٹا کر کرم کیا (جزاہ اللہ) اس مرحلہ پر دفتر کے چپڑاسی معراج دین کا شکریہ ادا نہ کرنا ناانصافی ہو گی۔ لہٰذا ادارہ ان کا بھی ممنون ہے۔ رہ گئی قیمت کی بات! تو یقین کریں کہ کمر توڑ مہنگائی نے ہر فرد کی طرح ہمیں بھی سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ موجودہ قیمت ۱۸/۰ روپے اخراجات کے عین مطابق ہے۔ یعنی اتنی رقم ایک کاپی پر خرچ آئی۔ رہ گیا ڈاک خرچ اور ایجنٹ حضرات کا کمیشن تو وہ ادارہ برداشت کر رہا ہے۔ امید کہ یہ چند سطور ہماری پریشانیوں اور مجبوریوں کا ازالہ کر دیں گی۔

نقص و عیب سے پاک اللہ کی ذات ہے۔ اپنے طور پر امکانی محنت کے باوجود جو کمی محسوس ہو آگاہ فرمائیں کہ اس کی تلافی ہو سکے اور پسندیدگی کی صورت میں بھی اپنی رائے لکھیں جسے ہم آئندہ شامل اشاعت کر دیں گے۔

ہم قارئین کرام سے شرمندہ ہیں کہ حسب وعدہ ہم ۲۴ فروری تک یہ خصوصی نمبر آپ حضرات تک نہ پہنچا سکے۔ بہرحال چند روز کی اس تاخیر کے ساتھ ساتھ ہم نے پورے ۱۰۰ صفحات کا اضافہ کر دیا ہے کہ شاید ہم اپنی اس تاخیر کا یہ جواز پیش کر کے آپ کو مطمئن کر سکیں۔

محمد اجمل قادری

۲۸ فروری ۷۸ء

مدرسہ عربیہ نعمانیہ (رجسٹرڈ) کمالیہ ضلع فیصل آباد

بیادگار قاری لطف اللہ شہید ختم نبوت

پُرسکون ماحول، اعلیٰ اخلاق، محنتی اساتذہ اور معیاری تعلیم مدرسہ کا امتیاز ہے !
مدرسہ ضلع فیصل آباد کی مشہور و معروف دینی درسگاہ ہے۔ حفظ و ناظرہ سے موقوف علیہ تک طلباء کو نہایت محنتی، مستند اساتذہ تعلیم دیتے ہیں۔ بیرونی طلباء کے رہائش و خوراک کا بہترین انتظام ہے۔ اس کے علاوہ درجات کے لحاظ سے طلباء کو وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔

اکابرین کے تأثرات

قطب دوراں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے مدرسہ کو دو صد روپیہ عطیہ عطا فرماتے ہوئے فرمایا کہ "مدرسہ میں آکر مجھے سکون و سرور حاصل ہوا ہے"۔

مفکرِ اسلام مجاہدِ ملت مفتی اعظم صدر پاکستان قومی اتحاد معائنہ کے بعد فرماتے ہیں "مولانا محمد اختر صدیقی مہتمم مدرسہ کے حسن انتظام اور باسلیقہ نظم و نسق کا بخوبی عرصہ سے معترف ہوں۔ مدرسہ ہذا مولانا موصوف کے زیر اہتمام یقیناً تعلیم و تدریس کے لحاظ سے رُو بہ ترقی ہے"۔

جسٹس محمد افضل چیمہ حال چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان فرماتے ہیں کہ "اس درسگاہ کا وجود فی الحقیقت کمالیہ شہر کے لیے باعث فخر ہے"۔

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد جالندھری سابق مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ "طلبہ، اساتذہ، مہتمم صاحب میں شرعی وضع و اخلاص کی جھلک دیکھ کر دعا نکلی"۔

حضرت مولانا محمد شریف کشمیری مدظلہ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان فرماتے ہیں "قلیل مدت میں مدرسہ کا عروج، طلبہ کی کتابوں میں امتیازی کامیابی، طلبہ کی کثرت، عمدہ ماحول، تہذیب اخلاق مہتمم مدرسہ اور معاون اساتذہ کی محنت کی بین دلیل ہے۔

شعبہ نشر و اشاعت : مدرسہ عربیہ نعمانیہ (رجسٹرڈ) کمالیہ ضلع فیصل آباد،

وفیات الاکابر

مولانا محمد عبدالجلیل - کوٹ ادو

نام	ولادت	وفات	ایام زندگی
شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی	۴ر شوال ۱۱۱۴ھ	۲۹ر محرم ۱۱۷۶ھ	۲ ۱ ۷ ۳ ۲
	۲۱ر فروری ۱۷۰۳ء بدھ	۱۲ر اگست ۱۷۶۲ء ہفتہ	
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بن شاہ ولی اللہ	۲۵ر رمضان ۱۱۵۹ھ	۷ر شوال ۱۲۳۹ھ	۲ ۸ ۳ ۶ ۱
	۱۲ر اکتوبر ۱۷۴۶ء	۵ر جون ۱۸۲۴ء ہفتہ	
شاہ محمد اسحٰق بن محمد افضل محدث دہلوی	۸ر ذوالحجہ ۱۱۹۶ھ	۲۷ر رجب ۱۲۶۲ھ	۲ ۳ ۲ ۵ ۸
	۱۵ر نومبر ۱۷۸۲ء جمعہ	۲۰ر جولائی ۱۸۴۶ء پیر	
شاہ عبدالغنی بن ابی سعید محدث دہلوی	۲۵ر شعبان ۱۲۳۵ھ	۶ر محرم ۱۲۹۶ھ	۲ ۱ ۰ ۳ ۸
	۷ر جون ۱۸۲۰ء بدھ	یکم جنوری ۱۸۷۹ء بدھ	
مولانا احمد علی محدث سہارنپوری بن لطف اللہ	۱۲۲۵ھ	۶ر جمادی الاول ۱۲۹۷ھ	
	۱۸۱۰ء	۱۷ر اپریل ۱۸۸۰ء ہفتہ	
مولانا محمد قاسم نانوتوی بن اسد علی	شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ	۴ر جمادی الاول ۱۲۹۷ھ	
	جنوری ۱۸۳۳ء	۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ء جمعرات بعد ظہر	
مولانا محمد یعقوب نانوتوی بن مولانا مملوک علی	۱۳ر صفر ۱۲۴۹ھ	۳ر ربیع الاول ۱۳۰۲ھ	
	۲ر جولائی ۱۸۳۳ء منگل	۲۲ر دسمبر ۱۸۸۴ء پیر	۱ ۸ ۸ ۰ ۲
مولانا رشید احمد گنگوہی بن مولانا ہدایت اللہ	۶ر ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ	۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ	
	۱۱ر مئی ۱۸۲۹ء پیر بوقت چاشت	۱۱ر اگست ۱۹۰۵ء قبل نماز جمعہ	۲ ۷ ۸ ۵ ۱
مولانا امیر باز خاں سہارنپوری بن نامدار خاں	۱۷ر جمادی الثانی ۱۲۵۷ھ	۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ	
	۵ر اگست ۱۸۴۱ء جمعرات	۲۰ر جولائی ۱۹۰۷ء ہفتہ	۲ ۴ ۰ ۹ ۰
مولانا عبدالرحیم رائپوری بن راؤ اشرف علی	۱۲۷۳ھ	۲۶ر ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ	
	۱۸۵۷ء	۲۹ر جنوری ۱۹۱۹ء بدھ ۱۱ بجکر ۱۵ منٹ	
شیخ الہند مولانا محمود حسن بن مولانا ذوالفقار علی	۱۲۶۸ھ	۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ	
	۱۸۵۲ء	۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء منگل آٹھ بجے صبح	
مولانا محمد اشرف علی تھانوی بن عبدالحق	۵ر جمادی الثانیہ ۱۲۸۰ھ	۱۷ر رجب ۱۳۶۲ھ پیر منگل کی	
	۱۸ر نومبر ۱۸۶۳ء بدھ صبح	۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء درمیانی شب	۲ ۹ ۰ ۹ ۸

مولانا محمد انور شاہ کشمیری بن سید معظم شاہ	۲۷ رشوال ۱۲۹۲ھ ۲۷ نومبر ۱۸۷۵ء ہفتہ	۳ رصفر ۱۳۵۲ھ ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء	۲۱۰۰۳
مولانا حسین احمد مدنی بن مولانا حبیب اللہ	۲۰ رشوال ۱۲۹۶ھ ۷ راکتوبر ۱۸۷۹ء منگل ۱۱ بجے شب	۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ ۵ ردسمبر ۱۹۵۷ء جمعرات بوقت ظہر	۲۸۵۴۹
مولانا خلیل احمد سہارنپوری بن مجید علی	صفر المظفر ۱۲۶۹ھ نومبر ۱۸۵۲ء	۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ ۱۲ راکتوبر ۱۹۲۷ء بدھ	
مولانا احمد علی لاہوری بن شیخ حبیب اللہ	۴ ررمضان ۱۳۰۴ھ ۲۷ رمئی ۱۸۸۷ء جمعہ	۱۷ ررمضان ۱۳۸۱ھ ۲۳ رفروری ۱۹۶۲ء جمعہ	۲۷۳۰۱
مفتی کفایت اللہ صاحب بن عنایت اللہ	۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء	۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ یکم جنوری ۱۹۵۳ء جمعرات	
مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بن ضیاء الدین	ربیع الاول ۱۳۱۰ھ اکتوبر ۱۸۹۲ء	۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ ۲۱ راگست ۱۹۶۱ء پیر	
مولانا شبیر احمد عثمانی بن فضل الرحمٰن	۱۰ رمحرم ۱۳۰۵ھ ۲۸ رستمبر ۱۸۸۷ء بدھ	۲۱ رصفر ۱۳۶۹ھ ۱۳ ردسمبر ۱۹۴۹ء منگل	۲۲۷۲۲
مولانا خیر محمد جالندھری بن الٰہی بخش	۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء	۲۰ رشعبان ۱۳۹۰ھ ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۰ء جمعرات	
مولانا مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین دیوبندی	۲۱ رشعبان ۱۳۱۵ھ ۱۵ رجنوری ۱۸۹۹ء ہفتہ	۱۱ رشوال ۱۳۹۶ھ منگل بدھ ۶ راکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب	۲۸۳۸۹
مولانا محمد یوسف بنوری بن مولانا محمد زکریا	۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ ۸ رمئی ۱۹۰۸ء بروز جمعہ	۳ رذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ ۱۷ راکتوبر ۱۹۷۷ء پیر	۲۵۳۶۵

تاریخ المیلاد والوصال

از نتیجہ فکر:
احقر یوسف عفی عنہ جامعہ اشرفیہ

تاریخ میلاد

تَطِیبُ بَعْدَ هُبُوْبِهِ اَخْبَارُهٗ

۱۳۲۶ھ

یَفْنیٰ لُجَّتُهٗ وَ تَبْقیٰ مِنْهُ آثَارُهٗ

۱۹۰۸ء م

اچھی ہیں ان کے جانے کے بعد ان کی خبریں ۔ ختم ہوگئی (بزرگوں کی) ایک بڑی جماعت اور باقی رہ گئے ان کے آثار

تاریخ وصال

فَقِیْهٌ، اِمَامٌ، کَشَّافٌ، مُحَدِّثٌ وَ نَقِیًّا

۱۹۷۷ء

حَکِیْمٌ یُوْسُفُ بِنُوْرِیِّ تِلْمِیْذُ اَنْوَرْشَاہ

۱۳۹۷ھ

فقیہ، پیشوا، کاشف حقائق، محدث اور پرہیزگار دانا ۔ یوسف بنوری انور شاہ کے شاگرد۔

الفاضل العلام مولانا محمد یوسف البنوری

حار الفؤاد ودمع العين قد سكبا　　اذ جاءنا نبأ للعقل مستلبا

نعى الامام الذى فاق الانام علاً　　من لا نظير له فى الدهر قد ذهبا

خطبٌ عظيم لها الاسلام زعزعه　　رزءٌ كبيرٌ فما للصبر مجتلبا

قضى الحياة الذى تحيي القلوب به　　قضى الحياة ملاذُ القوم والنُجُبا

من كان يطفي لهب النار لحظته　　من كان يسلي عميد القلب مضطربا

من كان يروى غليل الوجد زورته　　من كان يشفي غليلاً هائماً وَصِبا

من يجلي مرير العيش صحبته　　من كان يجلي ظلام الليل اذ وقبا

من كان يتلو كتاب الله فى دلج　　من يسهر للتحديث منتصبا

حسين احمد غيث القوم نجعتهم　　فى ارض هند كعين الفيض قد نضبا

حنادس الزيغ من ارشاده مُحِيت　　والشمس تكشف من اشراقها الحجبا

منابر الوعظ من تذكيره حُليت　　من فيضه قد جلاء الاوهام والريبا

معاهد العلم من تدريسه نضرت　　والغيث ينبت بالفيضان مجتدبا

مرابع الرشد من ارشادہ عمدت　　والبدر یجلو الدجی من کل ما احتجبا
این الجبین الذی سیما السجود بہ　　کانہ البدر اذ یبدو وفوا عجبا
این العظیم الذی فی الدھر ھمتہ　　تعلقت بالثریا جاوز القطبا
من للمفاخر او من للماثر او　　من للمکارم والاخلاق منتدبا
من للشریعۃ او من للطریقۃ او　　من للحقیقۃ والعرفان منتسبا
من للنزاھۃ او من للتقی مثلا　　خلو الشمائل بالاخلاص محتسبا
من للطائف والتاریخ راویۃ　　من للمواعظ والارشاد منتصبا
من للسیاسۃ او من للقیادۃ او　　من للھدایۃ فینا سائق رتبا
اوصافہ الغر اضحت فی الوری مثلا　　تلک الماثر قد شاعت فلا کذبا
فالصبر والعزم والتقوی وھمتہ　　من یستطیع لامثال لھا طلبا
شیخ عجائبہ لم تبق فی سیر　　ولا عجائب شخص بعدہ عجبا
تکدرت بعدہ الدنیا وساکنھا　　فالعین عبری واضحی القلب منتحبا
والنفس فی عمد والروح فی کمد　　والطرف فی سھد والصبر قد نھبا
یا قلب دع ھذہ الدنیا وبھجتھا　　فما قضی احد شوقا ولا اربا
اللہ یبقی دواما سرمدا ابدا　　والکل یفنی بھا والموت قد قربا
یا رب انزل علیہ صوب غادیۃ　　من فیض رحمتک الھطلاء والسحبا
وارزقہ فی جنۃ الفردوس منزلۃ　　علیاء قد جاوزت من کل ما احتسبا

ثم الصلاۃ علی خیر الوری ابدا
ما ناح طیر بغصن البان وانتحبا

تمت

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند
(فروری ۱۹۵۸ء)

پیغامات
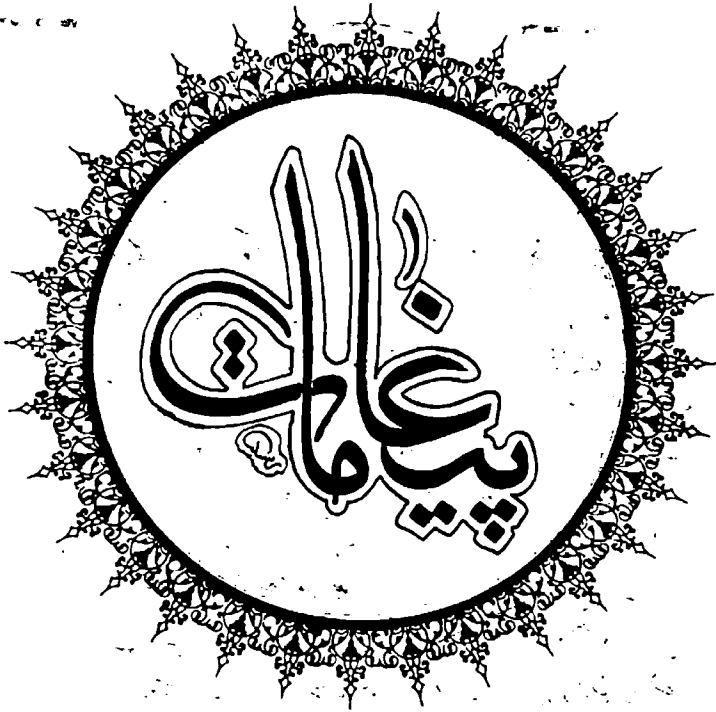
مکتوب گرامی

محدث عصر
حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی دامت برکاتہم
نزیل مدینہ منورہ

باسمہ

مکرم و محترم زید فیوضکم بعد سلام مسنون، گرامی نامہ مورخہ ۱۹ نومبر کئی دن ہوئے پہنچا تھا، میری طبیعت کچھ زیادہ خراب ہے اسلئے ڈاک کا لکھنا اور سننا سب بند ہے، حضرت مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی یاد میں خدام الدین کا خصوصی نمبر نکالنے کی خبر سے مسرت ہے اللہ تعالیٰ نہایت سہولت کے ساتھ حضرت نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی شایان شان نمبر نکالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں دل سے دعا کرتا ہوں اللہ جل شانہ حضرت رحمہ نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی شایان شان نمبر نکلوائے جو امت کیلئے مثمر ثمرات و برکات ہو یہ ناکارہ تو مستقل مضامین لکھنے کا عادی نہ ایسے مضامین سے مناسبت ہے، بینات کا بھی حکم آیا تھا یہی معذرت میں نے انہیں بھی کردی تھی، حضرت مدنی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ، حضرت رائپوری اور میرے چچا جان کے وصالوں پر بہت سے دوستوں نے فرمائشیں کیں مگر یہ ناکارہ اپنی نااہلیت سے معذرت ہی کرتا رہا، دعا سے دریغ نہیں فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ

۲۳ دسمبر ۷۷ء

(مدینہ طیبہ)

***

شیخ طریقت، مخدوم العلماء حضرت میاں عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ عالیہ راشدیہ قادریہ دین پور شریف

۱۱ فروری ۱۹۷۸ء کو جمعیتہ طلباء اسلام پنجاب کے تربیتی اجتماع (خانپور) کے موقعہ پر میاں محمد اجمل قادری خلف الرشید حضرت مولانا عبیداللہ انور زید مجدہم نے حضرت میاں صاحب قبلہ سے خدام الدین کے بنوری نمبر کا تذکرہ کیا اور پیغام و دعا کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا:

خدام الدین

میرے شیخ و مخدوم حضرت لاہوری کی یادگار رہ گئے مولانا بنوری! تو وہ ہم سب کی متاع تھے، اس کے لیے دعا نہیں کروں گا تو کس کے لیے کروں گا؟

اللہ تعالیٰ کے حکم و قانون کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ اپنی خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائیں، اُن کی اصل یادیہ ہے کہ ان کی علمی و ملی یادگاروں کے معاملے میں اپنے فرائض کو پہچانا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کا پابند بنائے۔

(آمین)

۱۱ فروری ۱۹۷۸ء کو جمعیۃ طلباء اسلام پنجاب کے تربیتی اجتماع (خانپور) ہی کے موقع پر اجل میاں نے حضرت مرشد درخواستی زید مجدہم سے درخواست کی تو آپ نے جو ارشاد فرمایا ذیل میں درج ہے۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ

امیر جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان

مولانا بنوری حضرت امام العصر علامہ کاشمیری قدس سرہٗ کے حقیقی معنوں میں جانشین تھے، انہوں نے بلادِ عرب تک اپنے شیخ اور اپنی درسگاہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا جس طرح تعارف کرایا وہ ان کی عظمت اور اپنے استاذ و درسگاہ سے سچی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مرحوم نے مسئلہ ختمِ نبوۃ کے تحفظ کے لیے عمرِ عزیز کے آخری سالوں میں جس جرأت و بے خوفی اور تدبر و دانشمندی کے ساتھ کام کیا وہ ان کی زندگی کا روشن باب ہے، افسوس کہ اہلِ حق وانصاف تیزی سے اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں: اور ان کا خلا شدت سے محسوس ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس خلا کو پورا فرمانے والے ہیں، ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جانے والوں کے حالات و واقعات کو محفوظ کریں: تاکہ عمل کرنے والوں کے لیے آسانی ہو!

خدام الدین کی تازہ کوشش قابلِ قدر ہے،
اللہ تعالیٰ قبول فرمائے

پیغام

مفکرِ اسلام حضرت مولانا

مفتی محمود صاحب زید مجدہم

صدر پاکستان قومی اتحاد

"حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ میرے مخلص اور بزرگ دوست تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا، جرأت و بے خوفی، دیانت و صداقت، دین و علم دین کی اشاعت کا سچا جذبہ اپنے اسلاف و اساتذہ سے سچی عقیدت ان کی نمایاں خصوصیات تھیں: ان کے مخلصانہ مشورے اور دعائیں ہمارا سرمایہ تھیں؛ حالیہ سفرِ قاہرہ میں اکٹھے ہی جانے کا پروگرام تھا۔ لیکن یہاں اسلامی مشاورتی کونسل کے اہم ترین اجلاس کے سبب وہ نہ جا سکے۔ افسوس کہ اس مرحلے پر ملاقات مجھ سے نہ ہو سکی: البتہ فون پر بات چیت ہوئی اس کے بعد وہ کراچی سے اسلام آباد کے لیے چلے تو میں قاہرہ کے لیے اُدھر روانہ ہوا۔ معلوم نہیں تھا کہ یہ سانحہ اس طرح رونما ہوگا۔ قاہرہ میں خبر سنی تو عجب حالت تھی۔ دنیا بھر کے اہلِ علم موجود تھے، ان میں سے اکثر سے مولانا کے ذاتی تعلقات تھے، اور کسی حد تک شناسائی تو سب سے تھی، سب نے شدت سے اس صدمے کو محسوس کیا۔ چاہتا تھا کہ تفصیلاً کچھ لکھوں، لیکن بیماری و نقاہت مانع ہے اس لیے ان ہی سطور پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خدام الدین کا خصوصی شمارہ ادارہ اور مرحوم کی شایانِ شان ہو اور اس سے جذبۂ عمل رکھنے والے حضرات بھرپور استفادہ کر سکیں۔"

****
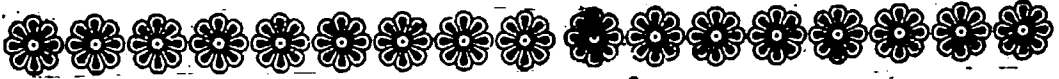
مکرمی ومحترمی جناب علوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ۱۳ دسمبر کا گرامی نامہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا یوسف بنوری مرحوم ومغفور کے متعلق خدام الدین کی ایک خصوصی اشاعت زیر ترتیب ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے کیوں کہ قوم کو اپنے محسنوں اور رہنماؤں کی خدمات سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

حضرت مولانا بنوری صاحبؒ نے جو معیاری دینی درسگاہ کراچی میں قائم کی ہے، محض وہی ان کی یاد کو دوام بخشنے اور ان کے فیوض کو عام کرنے کے لیے کافی ہے۔ مجھے تحریک ختم نبوتؐ کے دوران حضرت مولانا بنوری صاحب کی رہنمائی اور قیادت میں کام کرنے کا مختصر موقع نصیب ہوا جس کامیابی اور تدبر کے ساتھ انھوں نے نہایت مشکل اور صبر آزما حالات میں اس تحریک کو نہایت کامیابی کے ساتھ چلایا، اس نے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا پورے ملک سے منوالیا۔ مولانا محترم نہایت خود دار تھے۔ اگر انھیں یہ شبہ بھی لاحق ہو جاتا کہ کوئی شخص متکبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہے تو وہ اس کے کبر کی دھجیاں بکھیر دیتے خواہ وہ کسی مرتبہ کا شخص ہو۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ مدرسہ کی اعانت بھی کسی ایسے فرد سے وصول کرنے کے روادار نہ تھے، جو احسان جتانے کی کوشش کرتا، لیکن ایک طرف خود داری کا یہ عالم اور دوسری طرف تحریک کے دوران میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ مقصد کے حصول کے لیے اس راہ میں وہ اپنے اوپر شدید سے شدید بلکہ بغیر کسی ادنٰی جواز کے سخت ترین ناقابل برداشت تنقید کو جو بھرے اجلاس میں کھلے عام کی جائے، بڑے صبر سے برداشت کرلیتے تھے، اس سے مقصد کے ساتھ ان کی لگن کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی یہی خوبی تھی، جس نے مختلف الخیال دینی اور سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد رکھا اور تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے، آمین:

والسلام

غفور احمد

پیرِ طریقت حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب

خانقاہ قادریہ راشدیہ امروٹ شریف ضلع سکھر

"مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہفت روزہ خدام الدین کا خصوصی نمبر بیادِ مخدوم العلماء سید محمد یوسف بنوری شائع ہو رہا ہے، حضرت مولانا ملتِ اسلامیہ کے بے باک اور نڈر رہنما تھے، ہم سب کا فرض ہے کہ ان کے چھوڑے ہوئے اداروں کی بھرپور سرپرستی کریں اور ان کی جلائی ہوئی قندیل کو روشن رکھیں: یہ خصوصی اشاعت اس سلسلہ میں بڑی ممد و معاون ثابت ہوگی: اللہ تعالیٰ آپ کے عزائم میں برکت دے"

پیغام سفیر متحدہ عرب جمہوریہ مصر متعینہ پاکستان

وزارة الخارجية

بسم الله الرحمن الرحيم

سفارة جمهورية مصر العربية

فى ذكرى المغفور له الشيخ محمد يوسف البنورى

فقد الباكستان والعالم الاسلامى فضيلة الشيخ محمد يوسف البنورى رحم الله الفقيد رحمةً واسعةً
فقد كان عالما كبيرًا من علماء باكستان وكان له نظر عميق وبحوث نافذ فى
جميع العلوم التشريعية فى الفقه والحديث والكلام والاصول .
وقد كان رحمه الله مولعا بالحديث الشريف وقام بخدمته سواء فى
التاليف اوالتدريس عنه طوال عمره
وقد قام رحمه الله بتصنيف شرح بسيط ضخيم "معارف السنن"
لجامع الترمذى فى ست مجلدات.
وقد كان الشيخ البنورى اديبا بارعا وشاعرا مغوها فى اللغة العربية
وان اللغة العربية لغة القرآن الكريم .
ولغة العلوم الدينيه ولغة اهل الجنة . كما بذل جهودًا جبارة
فى سبيل نشر هذه اللغة فى باكستان ، واسس المدرسة العربيه
الاسلامية فى كراتشى والقى فيها الدروس على مئات من الطلاب
الدارسين من باكستان والاقطار الاجنبية حوالى ٢٨ دوله كما
يوجد فى هذه المدرسة عالمان من جمهورية مصر العربيه .
وقد كان الشيخ البنورى رئيس لجمعية ختم النبوة فى باكستان
وبذل جهودًا كبيرة فى محاربة الانحرافات والبدع
فى الاسلام .

رحم الله الفقيد رحمة واسعة وادخله فسيح جناته

سفير

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی، دہلی

Ref No. SE/JUH/504/78   Dated 9 FEB 1978

محترم المقام زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرشدی ومولائی حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم صدر جمعیۃ علماء ہند کے لئے آپ کا گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ شکریہ، جزاک اللہ!

حضرت مدظلہ بنگلہ دیش تشریف لے گئے ہیں۔ موصوف علی الترتیب بنگلہ دیش، آسام، بہار اور مشرقی اتر پردیش کا دورہ مکمل فرما کر ۱۲ مارچ کو دہلی واپس تشریف لائیں گے۔ ان شاء اللہ اس وقت آپ کا مکتوب گرامی حضرت مدظلہ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا جائے گا۔

دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

محمد اسرار الحق قاسمی

ناظم جمعیۃ علماء ہند

باسمہ تعالیٰ

اسلام آباد
21.11.77

GOVERNMENT OF PAKISTAN
ADVISORY COUNCIL OF ISLAMIC IDEOLOGY
Islamabad

GRAM: IDEOLOGY
PHONE:

مکرمی و محترمی جناب علوی صاحب دام لطفکم

سلام مسنون۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ افسوس ہے کہ آپ تشریف لائے اور میں ملاقات کی سعادت سے محروم رہا۔ جس پر میں ناگزیر تاخیر کی بنا پر معافی چاہتا ہوں۔ کل شام کو یورپ سے فارغ ہوا ہوں اور اب کونسل وقت میں آپ سے مخاطب ہوں۔

حضرت مولانا بنوری مرحوم و مغفور کے متعلق اپنے تاثرات کیا عرض کروں۔ ان کے رخصت ہونے سے عالم اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر ہونا عرصہ تک ممکن نہیں ہوگا۔ مولانا کا تبحر علمی، بصیرت، تفقہ فی الدین اور دینی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ سارا عالم اسلام اس کا معترف تھا۔ میرے لئے اسلامی کونسل میں ان کی موجودگی انتہائی تقویت اور حوصلہ افزائی کا باعث تھی۔ چونکہ کونسل مختلف اذہان

وسعت کے ارکان پر مشتمل ہے بعض مسائل ومباحث میں اختلاف
رائے ناگزیر ہوتا تھا۔ مگر مولانا مرحوم ہمیشہ اپنے استدلال، تدبر اور حکمت
سے اتفاق کا رشتہ تلاش کر لیتے۔

کونسل کے افتتاحی اجلاس کی کارروائی کے بعد راقم الحروف
کے متعلق
نے بکمال شفقت ایسے کلمات فرمائے کہ
تحدیث نعمت کے طور پر بھی ان کے اظہار میں تامل محسوس کرتا ہوں۔

کراچی کے دوروزہ اجلاس میں ہم سب جناب قائد اسحاق
صاحب کے ہاں رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ مولانا کسی ضروری کام سے بعجلت تشریف لے گئے
اسکے بعد آخری اجلاس میں شرکت کے لئے اسلام آباد تشریف لائے تو میرے کمرے میں میرے
سخت اصرار کے باوجود اس وقت تک تشریف فرما نہ ہوئے۔ جب تک کہ کراچی میں
بلا اجازت وملاقات رخصت ہونے کی معذرت نہ فرمائی۔ میں شرمسار ہو رہا تھا
مگر مولانا معذرت پر اصرار فرما رہے تھے۔ تبحر علمی کے ساتھ اخلاق حسنہ کا
یہ منظر میرے لئے ناقابل فراموش ہے۔ دنیا میں ایسی نادر روزگار ہستیاں
کب روز روز پیدا ہوتی ہیں۔ "بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"
اللہ کریم انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ لعلہ یہی ایسے
بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

دعا گو
محمد [illegible]
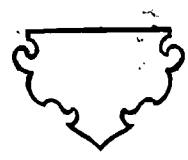
عبد القدوس الهاشمی
Abdul Qaddus Hashmi
A/448 - ڈی بلاک ، شمالی ناظم آباد - کراچی ۳۳

۱۶ نومبر ۱۹۷۷ء

بہ گرامی خدمت جناب مولانا محمد سعید الرحمن علوی صاحب مدیر خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ ، لاہور

مکرم و محترم ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

گرامی نامہ ملا - آپ نے ہفت روزہ خدام الدین کے خصوصی شمارہ مولانا بنوری نمبر میں مجھے شرکت دی ہے - یاد آوری کے لیے دل سے شکر گذار ہوں - لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً سے میری ملاقات قدیم ہونے کے باوجود مجھے ان کی خدمت میں حاضری کا شرف بہت ہی کم حاصل ہوا - میں اکثر تو کراچی سے دور رہا - اور کبھی کبھی کراچی آیا بھی تو حضرت مولانا مرحوم سے اتفاقی ہی ملاقات حاصل ہوئی - اس لیے میں مولانا مرحوم کے متعلق کچھ لکھنے کا اہل نہیں ہوں - البتہ :-

مجھے ان کی وفات پر بڑا صدمہ ہوا - وہ ایک بہت بڑے عالم ، دیندار مسلمان اور نامی گرامی مدرس تھے ، جن کی تعلیم کے فیض سے بہت سے لوگ عالم ہوگئے - میں نے انکے مضامین پڑھے ہیں - انکی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا بنوری مرحوم اپنے جلیل القدر استاد حضرۃ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح عربی ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے ، ان کو عربی کی عبارت نویسی پر قابلِ تعریف قدرت حاصل تھی - انھوں نے حدیث و روایات جو کتابیں تالیف کی ہیں وہ ان کے عمیق مطالعہ پر دلالت کرتی ہیں وہ فن حدیث و روایات میں بلند درجہ رکھتے تھے - قومی و ملی کاموں میں ان کا یہ حصہ کوئی بھول نہیں سکتا جو انھوں نے قادیانیوں کے خارج از اسلام قرار دینے میں لیا تھا - اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں میں جگہ دے ، ایسے علماء روز روز نہیں پیدا ہوا کرتے - وہ ہمارے زمانہ کے ایک بڑے عالم اور فیض رساں مدرس تھے -

اللّٰھم اغفرہٗ مغفرۃ تامۃ لاتغادر صغیرۃ ولاکبیرۃ ،

والسلام

حقیر

عبد القدوس ہاشمی

مکتوب

ڈاکٹر مظہر بقا صاحب صدر شعبہ عربی

جامعہ کراچی

کراچی
۲۱/۱/۷۸ء

مخدوم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ —

میری عدم موجودگی میں آپ کا ایک لفافہ اور ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوا۔ میں سعودی عربیہ گیا ہوا تھا ۱۸ جنوری کو واپسی ہوئی — مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں خدام الدین کے خاص نمبر کی اشاعت کا پروگرام [illegible] اگر مجھے ایک ماہ یا ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر دوبار سعودی عربیہ واپس نہ جانا ہوتا تو میں حسب استطاعت اس سلسلہ میں حصہ لینے کو اپنی سعادت سمجھتا۔ میرا پاکستان میں قیام کا یہ عرصہ بھی شدید مشغولیت میں گذرے گا — امید ہے کہ آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔

والسلام

محمد مظہر بقا

بی-۱۰، یونیورسٹی کیمپس کراچی ۳۲

مولانا بنوری

شخصیت و خدمات
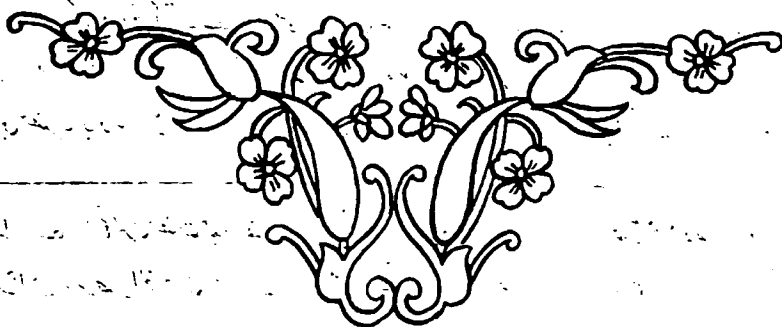
مورث اعلیٰ

حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید زوار حسین
— کے قلم سے —
مولانا بنوری کے جد اعلیٰ کا تذکرہ

شیخ عارف، ولی کبیر، حضرت آدم بن اسمٰعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن الحسین حسینی کاظمی بنوری سادات صحیح النسب سے تھے[۱]۔ آپ کا اصل وطن روم ہے۔ آپ کے بزرگ کسی وجہ سے ترک وطن کرکے ہندوستان آئے اور قصبہ بنور (مضافات سرہند) میں سکونت اختیار کر لی تھی[۲]۔ حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میرے والد ایک شب خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر کوئی چیز میرے والد ماجد کو عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا اس کو کھالو۔ چنانچہ انہوں نے کھا لی۔ بعد ازاں میری والدہ حاملہ ہوئیں اور میں پیدا ہوا۔ اب مجھ کو بتایا گیا ہے کہ وہ عطیۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میرا وجود تھا[۳]۔ نقل ہے کہ آپ ابتدا میں شاہی لشکر میں ملازم ہوئے۔ لشکر کشی کے دوران اتفاقاً شاہی لشکر کا فوجوں کے گاؤں پر حملہ ہوا۔ آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا گیا۔ آپ ان کی عبادت گاہ میں گئے اور اسے مسمار کرنا چاہا تو دیکھا کہ وہاں بت کے سامنے ایک شخص پرستش میں مشغول ہے اور ایسا مستغرق ہے کہ اسے قتل کا کوئی خوف و ہراس نہیں۔ آپ نے اس کے سامنے ہو کر اسے تلوار دکھائی اور کہا "یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ ابھی سر اڑا دوں گا"۔ اس نے آپ کی بات کی ذرا پرواہ نہ کی حتیٰ کہ قتل ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر آپ نے شاہی ملازمت ترک کر دی اور فقراء کی خدمت اختیار کی۔

اس زمانے کے بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا لیکن کسی سے باطنی کشائش نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ ایک روز آپ نے ایک گوشہ نشین فقیر سے دریافت کیا کہ میں کوشش تو بہت کرتا ہوں لیکن کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا تمہارا حصہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی خدمت میں ہے جو اس وقت تمام اولیاء امت سے افضل ہیں ان سے تم کو کشائش باطنی نصیب ہوگی اور انہی کی توجہ سے بہت سی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آپ نے خوشخبری سن کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بارگاہ عالم پناہ کا رخ کیا۔ اثنائے راہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خلیفہ حاجی خضر خاں افغان سے ملتان میں ملاقات ہوگئی آپ کو چونکہ باطنی سلوک حاصل کرنے کا غایت درجہ شوق تھا اس لئے انہی سے طریقۂ عالیہ کے خواستگار ہوئے اور کچھ مدت حاجی خضر خاں افغان کی خدمت میں رہ کر مقامات عالیہ سے مشرف ہوئے۔ چونکہ آپ کی استعداد کہیں زیادہ تھی اس لئے حاجی صاحب سے پوری طرح تسکین نہ ہوئی تو حاجی صاحب نے آپ کو سنہ ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں اجمیر بھیج دیا کیونکہ ان دنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اجمیر میں تشریف فرما تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کو قبول کیا اور توجہ نسبت خاصہ کے القاء سے مشرف فرمایا جس سے شیخ کو پوری طرح تسکین و تشفی ہوگئی اور اس طریقہ کی فنا و بقا سے مشرف ہوئے[۴]۔ صاحب "نزھۃ الخواطر" نے "خلاصۃ المعارف" کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو شیخ طاہر لاہوری سے بھی جذبات ربانیہ کا کچھ حصہ حاصل ہوا تھا[۵]۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت آدم بنوری علیہ الرحمۃ نے کچھ بلند حالات حاجی خضر خاں سے بیان کئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو اس سے زیادہ حاصل نہیں اس لئے اب تم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حالات بیان کئے تو حضرت نے فرمایا یہ ابتدائی حالات ہیں ابھی کمال حاصل نہیں ہوا۔ یہ سن کر آپ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حضرت نے میرا شوق بڑھانے کے لئے ایسا فرمایا ہے ورنہ اس سے زیادہ کمالات اور کیا ہو سکتے ہیں! مگر چونکہ عقیدت پختہ تھی اس لئے حضرت کی خدمت اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ واقعی گذشتہ احوال موجودہ حالات کی نسبت سے ابتدائی بھی نہ تھے۔ پھر چند ماہ بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر "ارشاد" کی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے وطن "بنور" جانے کی اجازت دیدی[۶]۔

شیخ آدم بنوری علیہ الرحمۃ محض امی تھے۔ فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علوم ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اتباع سنت و دفع

۱۔ نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱ ۔ ۲۔ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ ص ۱۱۳ ۔ ۳۔ حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۴ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۲۸
۴۔ روضۃ القیومیہ ص ۲۱۴ ۔ ۵۔ نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱ ۔ ۶۔ حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۵ و حالات مشائخ نقشبندیہ ص ۲۲۹

بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا۔ ہزاروں طالبان، خدا کو خدا رسیدہ کیا۔ آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے[1]۔ نزہتہ الخواطر میں آپ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار اور مریدین کی تعداد چار لاکھ درج ہے۔

"نکات الاسرار" میں شیخ آدم بنوریؒ لکھتے ہیں کہ شیخ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی آخری توجہ ہمارے ہزار سالہ سلوک سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے اسی نے ہمیں قرب پروردگار کے انتہائی مقامات پر پہنچایا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا کہ "تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر واجب ہے کہ تو ان کمالات کو پہنچ گیا۔ آج کل شاذ و نادر ہی کوئی ایسے مقامات پر پہنچتا ہے۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی توجہ کی برکت سے ہے۔ اجمیر میں حضرت نے مجھے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت سے سرفراز فرمایا اور اجمیر میں ہی حقیقت قرآن کی بھی خوشخبری عنایت فرمائی۔ سرہند شریف میں خلافت سے مشرف فرمایا۔ بعد ازاں حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا اور مہجوروں کے سینہ پر داغ مفارقت دے گئے[2]۔

شیخ آدم بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے مزار فائز الانوار پر دو سال تک رہا۔ بعد ازاں آنجناب نے ظاہر ہو کر رخصت فرمایا اور جو میرا مقصود تھا پورا ہوا جس قسم کا باطنی افادہ بحالت زندگی حضرت سے ہوا کرتا تھا ویسا ہی آپ کے مزار سے ہوا[3]۔ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے شیخ آدم بنوری کو مخدوم زادوں کے لئے بہت سے تحفے دے کر سرہند شریف بھیجا اور احتیاطاً اپنے مرید "دریا خان" کے سو سوار شیخ کے ہمراہ کر دیئے جب شیخ صاحب سرہند سے واپس آئے تو شیخ کی گرمئ مجلس کا اثر ان لوگوں پر ہوا تو وہ اس وقت تک مرید نہ تھے لیکن شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھے اور بہت معتقد ہو گئے اور دریا خان سے شیخ کی بہت تعریف کی۔ چنانچہ دریا خان بھی شیخ صاحب کا معتقد ہو گیا۔ پہلے پہل جو شیخ صاحب کے مرید ہوئے وہی سو سوار تھے۔ شیخ صاحب زیادہ تر دریا خان کے لشکر میں رہتے اور جو پٹھان اپنے وطن سے آتے وہ دریا خان کے پاس ٹھہرتے اور چند دن کے بعد شیخ صاحب کے معتقد و مرید ہو جاتے اس طرح شیخ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی پہلے شیخ کا نام آدم خان تھا۔ جب حضرت نے خلافت عنایت فرمائی تو خان کو حذف کر کے شیخ آدم مقرر فرمایا[4]۔

آپ کی مجلس میں کسی امیر کو کسی فقیر پر فضیلت نہ تھی۔ نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا آپ کا خاص شیوہ تھا۔ بالخصوص دنیاداروں کو ایسی سختی سے تنبیہ فرماتے کہ اس طرح کہنے کی کم لوگوں کو جرأت ہوتی ہے اور آپ کی نصیحت باثر ہوتی تھی سننے والا فوراً تائب ہو جاتا تھا[5]۔

"تذکرہ آدمیہ" میں ہے کہ آپ ۱۰۵۲ھ میں لاہور کا سفر کیا تو آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ واکابر تھے[6]۔ اس وقت وہاں شاہ جہاں بادشاہ بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ کہیں یہ لوگ فساد برپا نہ کر دیں اس لئے سعد اللہ خاں وزیر کو آپ کے پاس حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ نے وزیر کی جانب کچھ التفات نہ کیا اور اس نے جو بات کی اس کا بھی بہت لاپرواہی سے جواب دیا۔ اس پر وزیر برافروختہ ہو گیا اور بادشاہ کو ورغلایا چنانچہ بادشاہ نے آپ کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا۔ آپ پہلے ہی سے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشتاق تھے اس لئے آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ لاہور سے وطن ہوتے ہوئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حرم میں اجازت اربعین حاصل کی۔ ان ممالک میں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی[7]۔

حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ میں ہے کہ جب آپ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ روضہ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مرقد اطہر سے دونوں دست مبارک ظاہر ہوئے اور شیخ نے ہزار شوق بڑھ کر مصافحہ کیا اور بوسہ دیا۔ یہ معاملہ حاضرین نے بھی مشاہدہ کیا۔ اور جب آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ہوئی کہ "یا ولدی انت جواری" (اے میرے فرزند تم میرے پڑوس میں رہو) چنانچہ آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ اور ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار کے قریب ہے[8]۔

صاحب نزہتہ الخواطر لکھتے ہیں کہ حقائق و معارف میں آپ کے چند رسائل بھی ہیں جن میں سے ایک کا نام خلاصتہ المعارف بھی ہے جو دو جلدوں میں بزبان فارسی ہے اس کی شروع عبارت اس طرح ہے "الحمد للہ رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمائہ وآلائہ"۔ وہ لکھتے ہیں کہ الحمد للہ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے اور آپ کا ایک رسالہ نکات الاسرار ہے[9]۔

حضرت آدم بنوریؒ امی تھے شروع میں علوم ظاہری حاصل نہ تھے کہ ایک روز آپ نے واقعہ میں دیکھا کہ ہاتف غیب نے ندا کی "اے شیخ آدم قرآن

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص۲۲۳ ۔ ص۲ ج ۵ ۔ [2] روضتہ القیومیہ ص۲۱۵ ۔ [3] روضتہ القیومیہ ص۲۷۸ ۔ [4] روضتہ القیومیہ ص۲۷۸ ۔
[5] حضرات القدس ص۳۵۲ [6] نزہتہ الخواطر ص۲ ج ۵ ۔ [7] حضرات القدس دفتر دوم ص۵۵-۲۵۶ ۔ حالات مشائخ نقشبندیہ
[8] حالات مشائخ نقشبندیہ ص۲۲۳ ۔ [9] نزہتہ الخواطر ج۵ ۔ ص۲

نہیں پڑھتے"۔ عرض کیا یا الٰہ! تو قادر مطلق ہے۔ اب بھی تعلیم فرما سکتا ہے اسی وقت ایک نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور اس نے آپ کے سینہ بے کینہ کو مس کیا۔ قرآن شریف حفظ ہو گیا اور ظاہری علوم بھی حاصل ہو گئے۔[1]

تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ شیخ محمدؒ جو شیخ آدمؒ کے دوستوں میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ قحط سالی کے دنوں میں جب کہ گندم نایاب تھی خانقاہ کے فقرا غلہ کی غیر موجودگی اور خرچ کی زیادتی کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ آخر شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا غلہ دان میں جسقدر غلہ ہے اس کا منہ اوپر سے بند کر دو اور اس کے نیچے سوراخ کر کے ہر روز بقدر ضرورت اس سے غلہ نکالتے رہو۔ انشاء اللہ برکت ہو گی۔ چنانچہ مریدوں نے ایسا ہی کیا اور ہر روز بقدر ضرورت اس سوراخ سے نکال کر کام چلاتے رہے حتیٰ کہ ۶ ماہ اسی طرح گذر گئے اور غلہ کم نہ ہوا۔ جب نئے غلہ کا موسم آیا اور غلہ ملنے لگا تو غلہ دان کا منہ کھول کر دیکھا معلوم ہوا کہ غلہ اس قدر موجود تھا جتنا کہ غلہ دان کا منہ بند کرتے وقت تھا۔[2]

نقل ہے کہ سرہند شریف کے ایک نوجوان نے کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا اور رشتہ کرنے کی ایک مجلس منعقد کی جس میں حضرت شیخ آدم بنوریؒ کو بھی دعوت دی اور رسومات رشتہ طلبی منگنی آپ کے سامنے ادا ہوئی۔ اس کے بعد کسی وجہ سے اس نوجوان نے وہ منگنی فسخ کر کے کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لی پہلی لڑکی کے والد نے یہ ماجرا حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا فکر مت کرو وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ غرض کہ جب وہ جوان اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے صحبت کرنا چاہی تو اس نے اپنے آپ کو نامرد پایا۔ سمجھ گیا کہ حضرت کی ناراضگی کی وجہ سے یہ بلا مجھ پر نازل ہوئی۔ آخر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت عاجزی و زاری کی مگر حضرت شیخ نے قبول نہ فرمائی۔ لہٰذا مجبور ہو کر اس نے پہلی لڑکی سے نکاح کیا اور نامردی کی بلا سے نجات پائی۔[3]

نقل ہے کہ بنور میں ایک لڑکی جن کے آسیب میں مبتلا تھی جب وہ لڑکی اپنے خاوند کے پاس جاتی تو وہ جن اس کو نہ چھوڑتا اور اس کے خاوند کو بھی ستاتا تھا آخر لڑکی کا باپ عاجز ہو کر شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کیا۔ آپ نے فرمایا "اب جب بھی جن آئے تو اس کے کان میں کہہ دینا کہ شیخ آدم کا فرمان یہ ہے کہ یہاں سے چلا جا ورنہ شیخ تجھ کو جلا دے گا۔ لڑکی کے والد نے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت جن بھاگ گیا اور لڑکی کو صحت حاصل ہو گئی۔[4]

شیخ صالح نقشبندیہ فرماتے ہیں کہ جب میں طریقہ آدمیہ نقشبندیہ میں داخل ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ متقدمین کے طریقے بہت متبرک اور بزرگ تھے اور افسوس کہ پرانے مشائخ کے وقت میں پیدا نہ ہوا اور اب میں طریقہ مجددیہ آدمیہ میں داخل ہوا جو سب طریقوں کے بعد میں ہے دیکھئے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے! اسی دن خواب میں دیکھا کہ مشائخ اپنے اپنے مریدوں کی کثیر جماعت کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے۔ میرے ساتھ مصافحہ کیا اور فرمایا تو بہت سعادت مند شخص ہے کہ طریقہ مجددیہ آدمیہ میں مرید ہوا ہے کہ یہ آخری طریقہ متقدمین کے طریقوں میں سے بہتر ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو بہت خوش ہوا. اور اسی وقت خوشی خوشی شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی میں کچھ بھی عرض نہ کرنے پایا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اے صالح الحمد للہ کہ تیرے دل نے تسلی پائی۔

شیخ محمد شریف اور شیخ ابو النصر جو کہ حضرت آدم بنوری کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک مدت تک ہم آپ کی پیشانی پر لفظ مبارک اللہ لکھا ہوا دیکھتے اور دوسرے اصحاب نے بھی ایسا ہی دیکھا۔ ایک روز ہم نے آپ سے اس معاملہ کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس بات کے اظہار سے منع فرمایا اور اسی وقت اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر پھیر کر اس لکھے ہوئے کو پوشیدہ کر دیا۔[5]

آپ کی اولاد میں ۴ صاحبزادے اور ۲ صاحبزادیاں تھیں۔ شیخ محمد اولیاء محمد عیسیٰ، شیخ محمد محسن۔ شیخ غلام محمد۔[6] مکتوبات شریف میں آپ کے نام کوئی مکتوب نہیں ہے۔

*

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج۱ ص۶۳۰ = [2] خزینۃ الاصفیاء ج۱ ص۶۳۱ = [3] ایضاً ص۶۳۲-۳ = [4] ایضاً ص۶۳۴ = [5] ایضاً ص۶۳۲-۴ [6] ایضاً ص۶۳۳ = [7] ایضاً ص۶۳۵ —

مسلک اہل سنت اور صحابہ کرامؓ پر
روافض کے تمام اعتراضات کا
معتبر کتب فریقین سے علمی اور تحقیقی جواب
از مولانا مہر محمد میانوالوی
تحفۃ الاخیار
مکتبہ عثمانیہ
۱۔ نور باوا
گوجرانوالہ

رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری

حافظ عبدالرشید ارشد کے قلم سے مولانا بنوری کے استاذِ محترم کا تذکرہ

ولادت، سلسلۂ نسب و تعلیم

حضرت علامہ انور شاہ صاحب محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ مسعود نروری رح کشمیری سے ملتا ہے۔ جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے ملتان آئے۔ لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ نے خود اپنا سلسلۂ نسب اپنی تصانیف نیل الفرقدین وکشف الستر کے آخر میں اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ حیدر بن شاہ محمد عارف بن شاہ علی بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعود نروری رح اور شیخ مسعود نروری کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابن شاہ جنید بن اکمل الدین ابن میمون شاہ بن ہرمان شاہ ہرمز۔ اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم رح کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے۔

آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال بمقام موضع دودھوان (علاقہ لولاب کشمیر) میں پیدا ہوئے ۴½ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب (صوفی پورہ) سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور ابھی آپ کی عمر ۱۳-۱۴ سال کی تھی ۱۳۰۵ھ میں شوق تعلیم نے لولاب کے مرغزاروں اور سبزہ زاروں پر غریب الوطنی کی علمی زندگی کو ترجیح دی۔ حضرت علامہ "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" کے مصداق بچپن ہی میں بے حد ذہین ذکی اور فطین تھے۔ سچ ہے کہ جس نے آگے چل کر وقت کا رازی و غزالی بننا تھا۔ اس کی اعلیٰ علمی و عملی صلاحیتوں اور استعداد کا ظہور بچپن میں ضروری تھا۔

آپ کے والد مولانا محمد معظم شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب انھوں نے مجھ سے مختصر القدوری شروع کی تو مجھ سے بعض ایسے مسائل دریافت کرتے تھے کہ مبسوط کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ان کا جواب دینا مشکل ہوتا تھا۔ میں انھیں ان موشگافیوں سے اکثر منع کیا کرتا تھا۔ اخیر میں اس قوت و ذہانت سے پریشان ہو کر میں نے انھیں ایک دوسرے عالم کے سپرد کیا۔ مگر دوسرے استاذ کو بھی یہی شکایت پیش آئی۔

آپ کے والد آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی یٰسین شاہ مرحوم کو کشمیر کے پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کے پاس حصول برکت کے لیے لے گئے۔ عارف نے جب اس ہونہار بچے کو دیکھا تو والد سے پوچھا کہ یہ تمہارا بچہ ہے؟ پھر کہا کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم ہوگا اور مستقبل میں اس کی علمی عظمت مسلّم ہوگی۔

ایک دفعہ منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آ گئے۔ ان عالم نے ان کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا۔ کتابوں پر خود حضرت مرحوم کے حواشی لکھے ہوئے تھے۔ بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت، تیزی طبع، جودت فہم اور طبیعت کی دور رسی کا اندازہ کر کے بے اختیار انھوں نے کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانہ کا غزالی ہوگا۔

علمی مذاق اور ذکاوت و ذہانت کے ساتھ سلامتیٔ طبع، حسن اخلاق اور اعمال صالحہ کی دولتیں بھی شروع سے آپ کو وافر مقدار میں ملی تھیں۔ آپ کے غیر معمولی احوال کو دیکھ کر کشمیر کے عوام عام طور پر یہ شبہ کرتے تھے کہ کہیں آپ مہدی موعود نہ ہوں۔ آپ کے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کو عوام کی اس غلط فہمی کی تردید کرنا پڑتی تھی۔

آپ نے خود ایک دفعہ فرمایا کہ میں بارہ سال کی عمر میں فتاویٰ دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ و نحو کی مطولات کا مطالعہ کر چکا تھا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تین سال تک آپ ہزارہ (سرحد) کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے پھر جب علوم و فنون کی پیاس وہاں بھی بجھتی نہ نظر آئی تو ہندوستان کے مرکز علوم دینیہ دارالعلوم کی شہرت سن کر آپ ۱۳۰۶ھ یا ۱۳۰۸ھ میں بعمر سولہ سترہ سال ہزارہ سے دیوبند آگئے۔ دیوبند میں آپ نے چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت و یکتائے روزگار علماء سے فیوض علمیہ و باطنیہ کا بدرجۂ اتم استفادہ کیا اور ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں نمایاں شہرت و عزت کے ساتھ سند فراغ ۱۳۱۲ھ میں حاصل کی۔ جن علماء سے آپ کو شرف تلمذ رہا ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مرشد عالم حضرت مولانا محمود حسن، شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب امرتسری مہاجر مدنیؒ
حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ۔

دیوبند سے فارغ ہو کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کیے۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور تین چار سال تک مدرسہ امینیہ کے مدرس اول رہے۔

دہلی میں کئی سال قیام کے بعد بعض ضرورتوں اور مجبوریوں کے باعث آپ کشمیر تشریف لے گئے اور ۱۳۲۳ھ میں آپ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ سفر حجاز میں طرابلس، بصرہ اور مصر و شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد و بے نظیر لیاقت و استعداد دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔ جن میں آپ کا نام "الفاضل الشیخ محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ الکشمیری" لکھا گیا ہے۔

سفر حجاز سے واپس آکر خواجگان قصبہ بارہ مولا (کشمیر کا ایک مشہور مقام)، خصوصاً خواجہ عبدالصمد ککرو رئیس اعظم کے اصرار پر آپ نے اسی قصبہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک آپ وہاں خلق اللہ کو فیض یاب فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مشہور جلسہ دستاربندی میں مدعو کیا گیا اور آپ دیوبند تشریف لے گئے۔ دارالعلوم میں آپ نے استفادۂ علوم و فنون کیا تھا اور وہیں سے سند فراغ حاصل کی تھی۔ اب اسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے۔ سنن ابوداؤد شریف اور صحیح مسلم شریف کا درس سالہا سال تک بغیر کسی تنخواہ کے دیتے رہے۔ چند سال کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی وجہ سے پھر کشمیر جانا پڑا لیکن دارالعلوم کی طرف سے شدید تقاضا ہوا۔ اس لیے آپ جلد ہی واپس تشریف لے آئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا نکاح

حضرت مولانا انور شاہ صاحب پر شان یحییٰ کا کچھ عکس اور پرتو پڑا تھا۔ عالم شباب گزار کر عالم کہولت میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر نکاح نہیں فرمایا تھا۔ تجرد اور عزلت کو اپنے لیے پسند فرماتے تھے اور بار بار ارض حرم کی طرف ہجرت کا ارادہ فرماتے تھے۔ تاکہ ازدواجی تعلق اس راہ میں حائل نہ ہو۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ثانی تھے۔ وہ اس ارادہ سے پریشان تھے کہ مبادا اگر یہ آفتاب علم دیوبند سے ہجرت کر جائے تو فقط دیوبند ہی نہیں سارا ہندوستان ظلمت میں رہ جائے گا۔ اس لیے شاہ صاحب کے روکنے کے لیے انہوں نے وہ تدبیر اختیار فرمائی جو اہل یمن نے حضرت معمرؒ کے روکنے کے لیے کی تھی۔ معمرؒ بصرہ کے رہنے والے تبع تابعین میں سے ہیں۔ بڑے جلیل القدر عالم اور حافظ حدیث ہیں۔ سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، شعبہؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ جیسے اکابر معمرؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

معمر (بصرہ کے رہنے والے تھے) جب یمن میں داخل ہوئے تو اہل یمن نے یہ گوارا نہ کیا کہ معمر یہاں سے چلے جائیں۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر ان کو روکنا چاہتے ہو تو معمر کو یہاں قید کر لو۔ یعنی ان کا نکاح کر دو۔

لما دخل معمر الیمن کرھوا ان یخرج من بینھم فقال رجل قیدوہ فزوجوہ (شرح الامام النووی علی البخاری ص ۱۴ ج ۱)

حضرت شاہ صاحب کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب نے یہی کیا کہ حسن تدبیر سے گنگوہ کے سادات میں شاہ صاحب کا نکاح

کرا دیا تاکہ عمر کی طرح شاہ صاحب دیوبند میں مقید ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے شاہ صاحب کے وجودِ مسعود کو اس طرح محفوظ فرمایا۔ نکاح کے ایک دو سال بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے بچے پیدا ہوئے تو ذمہ داریاں بڑھتی گئیں اور ہجرت کا ارادہ سُست پڑتا گیا۔ جو بالآخر ترک کر دینا پڑا اور حضرت علّامہ با طمینانِ خاطر دارالعلوم میں مسند نشین درس ہو کر علمی افادات میں مشغول ہو گئے۔ تجرد کی زندگی میں دارالعلوم سے انھیں معاوضہ لینے سے انکار رہا۔ حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے باصرار اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھایا کریں اور یہ صورت دس برس تک قائم رہی۔ اسی دوران میں مولانا عبید اللہ سندھی رح کو حضرت شیخ الہند رح نے دیوبند بلوا لیا تھا۔ اور وُہ بھی حضرت مولانا محمد احمد رح کے مہمان کی حیثیت سے رہے۔ حضرت مہتمم صاحب مولانا محمد احمد رح حضرت علّامہ کشمیری، حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رح، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح حضرت سندھی رح یہ تمام حضرات مل کر کھانا کھاتے اور عجیب علمی اور تحقیقی باتیں ہوتی رہتیں۔

نکاح اور اولاد کے بعد منتظمین مدرسہ کو موقع ملا کہ وُہ حضرت شاہ صاحب کو دارالعلوم کی طرف سے کچھ مشاہرہ دلوائیں۔ چنانچہ باصرار حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر راضی ہوئے۔

اسی دوران میں حضرت شیخ الہند رح نے حجازِ مقدس کا قصد فرمایا تو ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت شاہ صاحب رح نے قائم مقام صدرِ مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس سنبھال لیا۔ اور طلباءِ علوم کو یہ محسوس تک نہ ہوا کہ وہ علم کے ایک بحرِ ذخار (حضرت شیخ الہندؒ) سے محروم ہو گئے ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ صاحب رح کے درس میں بعض ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو عام طور پر دوسرے حلقوں میں نہیں تھیں۔ اور حضرت علّامہ رح کا اندازِ درس درحقیقت دنیائے درس و تدریس میں ایک انقلاب کا باعث ہوا۔ درس کی یہ امتیازی خصوصیات اور انداز پھر انشاء اللہ اپنی جگہ پر ذکر ہو گا۔

۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس و جانشین شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ درسِ حدیث دیتے رہے۔ اس کے بعد جب منتظمین دارالعلوم سے بعض اصلاحات کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو آپ نے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم سے قطع تعلق فرما لیا اور آپ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی رح، علامہ شبیر احمد عثمانی رح حضرت مولانا سراج احمد رشیدی رح، مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی رح، مولانا سید محمد بدرِ عالم میرٹھی رح اور دیگر کئی علماء اور بہت سے طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل جامعہ اسلامیہ تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک آپ نے جامعہ میں درسِ حدیث دیا ——————

۲ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ کو شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

تبحرِ علمی

حضرت علّامہ رح کے علمی و عملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران و اعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی تھی۔ وُہ آپ کی جامعیت و تبحرِ علمی ہے۔ علومِ عقلیہ و شرعیہ میں سے ایک بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل نہ ہو اور شاید یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا۔ کہ علمائے متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علومِ عقلیہ و نقلیہ ہستیاں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔

آپ سینکڑوں علماء و فضلاء کے مجمع میں بیٹھ کر ہر ایک علم و فن کے مسائل پر اس طرح تقریر فرمایا کرتے تھے کہ گویا آپ کو تمام مسائلِ فن مستحضر اور کالنقش فی الحجر ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ خیال ہوتا تھا کہ اپنے ارادہ سے کلام نہیں کر رہے ہیں بلکہ الہامات و واردات سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ اور یہ تو بیشتر ہوتا تھا کہ اکابر علماء وقت سے جب بعض دقیق و لاینحل یا مختلف فیہ مسائل کے متعلق پوچھا جاتا تھا تو وہ حضرت سے استفسار کرنے کو فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر علماء عصرِ حاضر کو جب کسی علمی مسئلہ میں کوئی دقت پیش آتی تھی تو وہ خود بھی حضرت علّامہ رح سے مراجعت فرماتے تھے۔ ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے ایک مکتوبِ گرامی کا پہلا اور آخری حصہ مندرج ہے جو انھوں نے حضرت علّامہ مرحوم کو ارسال فرمایا تھا۔ جس میں انھوں نے ان سے کسی مسئلہ پر تحقیق چاہی ہے۔

نفحۃ العنبر حضرت علّامہ محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک طویل اور جامع تاریخ حیات ہے جسے عربی زبان میں حضرت رح کے شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری نے مرتب اور مجلس علمی نے ڈابھیل سے شائع کیا ہے۔ نفحۃ العنبر کا بیان ہے کہ حکیم الامت رح نے اکثر مسائل میں علّامہ مرحوم سے استفادہ فرمایا ہے۔

از ناکارہ آوارہ اشرف علی بخدمت بابرکت جامع الفضائل العلمیۃ العملیۃ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب دامت الطافہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ، تحقیق سابق کے متعلق بضرورت مکرر تکلیف دینا پڑی۔ امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ ایک حادثہ خود مجھ کو پیش آیا۔ اس کے متعلق جداگانہ تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ الخ وقال خاتمۃ اس میں روایت و درایت سے کچھ حکم فرمائیں (حیاتِ انور)

اور بروایت زعیم احرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رح حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ:-

"میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل حضرت مولانا انور شاہ صاحب کا امت مسلمہ میں وجود ہے اگر دین اسلام میں کسی قسم کی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے" (حیات انور)

میں نے یہ روایت استاذی حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس سے بھی سنی ہے کیونکہ اس وقت حضرت ممدوح بھی مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رح کے ساتھ تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے حضرت کی وفات پر جامعہ ڈابھیل کے ایک جلسہ میں فرمایا۔

"مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے۔ کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے۔ ورنہ اگر حضرت علامہ انور شاہ بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد بھی اوراق تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہوتے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا انتقال آج ہوا ہے" (حیات انور)

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔

"واقعی حضرت شاہ صاحب آیۃ من آیات اللہ تھے"

زعیم احرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ایک دفعہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو جامعہ اسلامیہ کے طلبہ نے تقریر کی درخواست کی اور یہ بھی چاہا کہ حضرت علامہ کے حالات پر تبصرہ کریں۔ تو بخاری صاحب نے فرمایا کہ:

"میرے جیسا کم علم ان کے حالات کیا بیان کر سکتا ہے۔ البتہ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ رض کا قافلہ جا رہا تھا یہ پیچھے رہ گئے تھے"

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے حضرت علامہ رح کے جلسۂ تعزیت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی۔ لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم نقلیہ و عقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رح نے حضرت علامہ رح کے انتقال پر ایک مضمون میں تحریر فرمایا کہ:-

"آہ قدرت کے زبردست ہاتھ نے حضرت مولانا العلامۃ الفاضل الکامل، اکمل العلماء، افضل الفضلاء، النحریر المقدام، البحر الطمطام رحلۃ العصر، قدوۃ الدھر، استاذ الاساتذہ، رئیس الجہابذہ، محدث وحید، مفسر فرید، فقیہ یگانہ، ماہر علوم النقلیہ والعقلیہ مولانا سید انور شاہ قدس سرہٗ کو آغوش رحمت میں کھینچ لیا اور ہم سے ظاہری طور پر ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات بلاشبہ وقت حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے۔ جن کا نظیر مستقبل میں متوقع نہیں۔ طبقۂ علماء میں حضرت شاہ صاحب کا تبحر، کمال فضل، ورع و تقویٰ و جامعیت، استغنا مسلّم تھا۔ موافق و مخالف ان کے سامنے تسلیم و انقیاد سے سر جھکاتا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رح نے شاہ صاحب مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر "معارف" میں کس قدر بلیغ بات کہی تھی۔

"مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن گہرائی موتیوں سے لبریز ہو"

ہم نے ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے "بیس بڑے مسلمان" کتاب کے بڑے بڑے انسانوں کے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ ورنہ ان حضرات کے علاوہ ہند و بیرون ہند کے تمام جید علماء نے حضرت علامہ کے متعلق جس عقیدت و تاثر کا اظہار کیا ہے۔ اگر اس کو نقل کیا جائے تو اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ اب یہاں دنیائے اسلام کے چند نامور مفکروں کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں۔ جن کی علمی قابلیت و استعداد پر دیوبندی مکتب فکر کے علاوہ تمام مسلمان مبصرین و مفکرین کا اتفاق ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ مندرجہ بالا تاثرات میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس میں مکتب فکر کی جانبداری نہیں ہے۔ دوسروں کا بھی یہی حال ہے۔

علامہ سید رشید رضا جو مصر کی ایک معروف شخصیت اور علمی حلقوں میں ایک نادرۂ روزگار انسان سمجھے جاتے تھے۔ جب دیوبند تشریف لائے

ہیں۔ تو انھوں نے حضرت علامہ سید انور شاہ رحمۃ اللہ کی ایک تقریر سُنی جو عربی میں ان کی آمد پر ارتجالاً کی گئی تھی اور حنفیت کے بعض ایسے گوشے زیر بحث آگئے جن پر علماء محققین کی نظر تک نہ تھی تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانی و بحوالہ نظام تعلیم و تربیت، سید رشید رضا بار بار اپنی کرسی سے اٹھتے تھے اور فرماتے تھے۔

" واللہ ما رأیت مثل ہذا الرجل قط　　خدا کی قسم! میں نے ان جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا

آپ کے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے آپ کو جو سند اجازت عنایت فرمائی تھی۔ اس میں تحریر فرمایا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم، عمل، سیرت، صورت، ورع، زہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب جمع کر دیا ہے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب کو علامہ جیسے وقیع لفظ سے یاد فرماتے اور مسائل علمیہ میں جب کوئی دقیقہ سامنے آتا تو حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے۔ کہ علامہ! اس مسئلہ میں سلف کا کوئی قول یاد ہے۔ علامہ صاحب جواب دیتے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مسرت و اطمینان کا اظہار فرماتے۔ استاد کا شاگرد کو علامہ سے یاد کرنا۔ حضرت علامہ کے کمال علمی پر دلالت کرتا ہے

علامہ علی مصری حنبلیؒ حافظ حدیث مصر سے سوات آئے وہاں سے دہلی اور دہلی سے دیوبند آئے اور حضرت شاہ صاحب کے درس بخاری شریف میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے علامہ کی رعایت کرتے ہوئے بلیغ عربی میں تقریر فرمائی۔ علامہ نے سوالات کئے۔ ادھر سے جوابات دیئے گئے۔ درس ختم ہوا تو علامہ نے سینکڑوں طلبہ کے ہجوم میں فرمایا۔

میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علماء و اکابر سے ملاقات کی ہے۔ خود مصر میں سالہا سال درس حدیث دے آیا ہوں۔ میں نے شام سے لیکر ہند تک اس شان کا کوئی محدث اور عالم نہیں پایا۔ میں نے ان کو ساکت کرنے کی ہر طرح کوشش کی۔ لیکن ان کے استحضار، تیقظ، حفظ، واتقان، ذکاوت و ذہانت اور وسعت نظر سے میں حیران رہ گیا اور آخر میں کہا۔ "و حلفت انہ اعلم بابی حنیفۃ لما حنثت" یعنی اگر میں قسم کھاؤں کہ یہ ابو حنیفہ کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ تو میں اس دعوے میں جھوٹا نہ ہوں گا"

ہندوستانی علماء کو اعجام قرار دینے والے علامہ علی مصری کا یہ اعتراف اور تاثر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان علمی، جامعیت اور تبحر کی ایک مضبوط شہادت ہے، اور علامہ علی مصری کا یہ اقرار اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ علم کسی کی میراث نہیں۔ علم اپنے محل کے اعتبار سے عربی و عجمی کی قید سے بے نیاز ہے۔

علامہ زاہد الکوثری کی محیر العقول شخصیت سے اہل علم سے کون ناواقف ہوگا۔ علامہ ترکی کی ایک زبردست علمی شخصیت اور اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایک نادر حیثیت کے مالک تھے۔ قاہرہ میں جلاوطنی کے ایام گزار رہے تھے۔ وہیں حضرت شاہ صاحب مرحوم کی بعض تصانیف و تالیفات کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ: " احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کے بعد ایسا محدث و عالم امت میں نہیں گزرا اور یہ کوئی کم زمانہ نہیں ہے۔

ترکی کے ایک دوسرے عالم سابق شیخ الاسلام جو قاہرہ میں جلاوطنی کے بعد مقیم تھے اور ملاحدین و دہریین کے رد میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ صاحب کے رسالہ مرقات الطارم کا مطالعہ کیا تو فرمایا۔

" میں نہیں سمجھتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا۔ اب بھی کوئی دنیا میں موجود ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے لاہور کے اس تعزیتی جلسے میں جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

" اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

ابھی اوپر گزرا کہ علامہ کوثری نے شاہ صاحب کو ابن ہمام رح کا نظیر ٹھیرایا۔ اور علامہ اقبال رح کا یہ کہنا کہ اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور ابن ہمام پانچ صد سال قبل کے محققین سے ہیں۔ علامہ اقبال اور علامہ کوثری کے رائے کا یہ توافق یا توارد کس قدر حیرت انگیز ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، ایم اے مدیر برہان نے اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر اقبال اور علامہ کشمیری کے مابین چند واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جو ان کے

علم میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے:۔

علامہ کشمیریؒ اور علامہ اقبالؒ

علامہ اقبالؒ ایک نامور مفکر اور مشہور شاعر ہونے کے علاوہ فلسفہ کے دقیق النظر عالم تھے۔ فلسفہ یونانی، فلسفہ عہد حاضر و مغرب پر ان کی خوب نظر تھی۔ اس کے علاوہ ان کا اسلامیات کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ان کی شاعری خطبات اور تصانیف سے اس کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے انگریزی زبان کے چھ لکچروں (RECONSTRUCTION OF RELIJEOUS THOUGHT) کی تیاری میں حضرت علامہ کشمیری رح سے کافی مدد لی ہے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ کا حدوث عالم پر منظوم رسالہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس مسئلہ (حدوث عالم) پر سارے قدیم و جدید فلسفہ کا عطر اور اس پر تنقید ہے۔ یہ رسالہ جب چھپا تو اس کا ایک نسخہ حضرت کشمیری رح نے ڈاکٹر اقبال رح کے پاس تحفۃً ارسال فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب جس ذوق اور جس استعداد کے بزرگ تھے۔ اس کے اعتبار سے ان کے لیے کوئی تحفہ اس چند ورقی رسالہ سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑے خوش ہوئے اور پورا رسالہ بڑی توجہ اور غور و فکر سے پڑھا۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی اس پوری عبارت کے ناقل و راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ :۔ "میں ان دنوں بسلسلۂ طالب علمی لاہور میں مقیم تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم تھا کہ مجھ کو حضرت شاہ صاحب کے ادنیٰ درجہ کے تلامذہ میں سے ہی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اس بارگاہ علم و عقل میں شخصی تقرب و اختصاص کا مرتبہ بھی میسر ہے۔ اس بنا پر ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ میں تو مولانا انور شاہ کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ و قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک و بصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالہ میں انھوں نے جو کچھ لکھدیا ہے۔ حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہ رسالہ میرے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس میں چار شعر ایسے ہیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے ان پر نشان لگا دیا ہے۔ آپ دیوبند جائیں تو یہ نسخہ ساتھ لیتے جائیں اور شاہ صاحب سے ان اشعار کا مطلب دریافت کرتے آئیں میں نے دیوبند آکر وہ رسالہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے ڈاکٹر صاحب کا پیام پہنچایا۔ لیکن حضرت الاستاذ نے مجھ کو ان اشعار کا مطلب سمجھانے کے بجائے یہی مناسب خیال فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کو فارسی میں ایک طویل خط لکھیں اور اس میں ان اشعار کا مطلب بھی تحریر فرمادیں۔ یہ خط میں ہی دستی لے کر لاہور آیا اور ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیا۔

یہ حکیم الامت ڈاکٹر اقبال وہ ہیں جنھوں نے خود اپنے متعلق کہا تھا۔

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

ان کے دل میں حضرت الاستاذ کی کس قدر درجہ عظمت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں اختلافات کے باعث جب حضرت الاستاذ نے اپنے عہدہ صدر الاساتذہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد میں ایک دن ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا۔ فرمانے لگے کہ آپ کا یا دوسرے مسلمانوں کا جو بھی تاثر ہو۔ میں بہر حال شاہ صاحب کے استعفے کی خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ میں نے بڑے تعجب سے عرض کیا کہ "آپ کو دارالعلوم دیوبند کے نقصان کا کچھ ملال نہیں ہے؛ فرمایا کیوں نہیں ؟ مگر دارالعلوم کو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی۔ لیکن اسلام کے لیے اب جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد انھوں نے اس اجمال کی تفصیل یہ بیان کی کہ آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے جس میں زندگی کے ان سینکڑوں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو۔ جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی، سیاسی، معاشی اور سماجی احوال و ظروف نے پیدا کر دیا ہے۔ مجھ کو پورا یقین ہے کہ اس کام کو میں اور شاہ صاحب دونوں مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس وقت عالم اسلام میں ایسا نظر نہیں آتا جو اس عظیم الشان ذمہ داری کا حامل ہو سکے۔ پھر فرمایا "یہ مسائل کیا ہیں ؟ اور ان کا سر چشمہ کہاں ہے۔ میں ایک عرصہ سے انکا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ سب مسائل میں شاہ صاحبؒ کے سامنے پیش کرونگا اور ان کا صحیح اسلامی حل کیا ہے ؟ یہ شاہ صاحب بتائیں گے۔ اس طرح ہم دونوں کے اشتراک و تعاون سے فقہ جدید کی تدوین عمل میں آجائے گی" چنانچہ باخبر اصحاب کو معلوم ہے کہ اسی جذبہ کے تحت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح شاہ صاحب دیوبند کی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد لاہور تشریف لے آئیں اور وہیں مقیم ہو جائیں۔ لیکن افسوس ! حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ ایسا نہ ہو سکا اور حضرت شاہ صاحبؒ لاہور کی بجائے ڈابھیل تشریف لے گئے جس

کا ڈاکٹر صاحب کو بڑا ملال اور صدمہ ہوا۔[1]

باخبر حضرات جانتے ہیں کہ پنجاب کے خصوصاً اور ہندوستان کے عموماً انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں قادیانی فتنہ کی شر انگیزی اور اسلام کشی کا جو احساس پایا جاتا ہے۔ اس میں بڑا دخل ڈاکٹر اقبال مرحوم کے اس لیکچر کا ہے جو ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اس مقالہ کا ہے۔ جو انگریزی میں قادیانی تحریک کے خلاف شائع ہوا تھا لیکن یہ شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ دونوں تحریروں کا اصل باعث حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ ہی تھے۔[2]

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب خود ملاقات کے لیے حضرت موصوف کی قیام گاہ پر آئے اور پھر ایک دن اپنے ہاں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا صرف بہانہ تھا۔ ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ تھا۔ چنانچہ کھانے سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ جس میں کامل ڈھائی گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر صاحب کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالب علمانہ انداز سے کرتے تھے۔ مسئلہ کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس پر اپنے شکوک و شبہات کو بے تکلفانہ بیان کرتے تھے۔ چنانچہ اب اس وقت بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے شکوک و شبہات اور ایرادات و اعتراضات کو بڑے صبر و سکون کیساتھ سنا اور اسکے بعد ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کو ان دونوں پر کلی اطمینان ہو گیا اور کچھ خلش انکے دل میں تھی وہ جاتی رہی اور اسکے بعد انھوں نے ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا کہ جو ان کے چھ لیکچروں کے مجموعہ میں شامل ہے اور قادیانی تحریک پر وہ ہنگامہ آفریں مقالہ سپرد قلم فرمایا جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔

بہرحال یہ دو تین واقعات صرف اس غرض سے لکھے گئے ہیں کہ جن لوگوں کو براہ راست یا تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ حضرت الاستاذ کے بحر ناپید اکنار علم سے خوشہ چینی کا موقعہ نہیں ملا۔ وہ ایک جوہر گرانمایہ کی قدر و قیمت کا اندازہ اسی سے کر سکیں کہ دنیا کے جوہریوں کی رائے اس کے متعلق کیا تھی؟[3]

حافظہ، ذکاوت، ذہن

حضرت علامہؒ کو قدرت نے بے نظیر حافظہ عطا فرمایا تھا۔ کسی فن کی کسی کتاب کو شروع سے آخر تک ایک دفعہ مطالعہ کر لیا اور جب کبھی سالہا سال کے بعد اس کے متعلق کوئی بات چھڑی تو اس کتاب کے مندرجات کو اس طرح حوالوں کیساتھ بیان فرمایا کہ سننے والے ششدر و حیران رہ گئے۔ ایک کتاب کے اگر پانچ پانچ یا دس دس حواشی بھی تھے۔ تو وہ آپ کو یاد ہوتے تھے۔ حوالہ ہائے کتب صحیحہ بقید جلد و صفحات آپ کو ایک ہی دفعہ مطالعہ سے محفوظ ہو جاتے تھے اور جس وقت کسی اہم علمی مسئلہ پر تقریر فرماتے تھے تو بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف دیتے چلے جاتے تھے آپ کی قوت حافظہ ان منکرین حدیث کا گویا جواب تھا جو محدثین کے حافظہ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولینا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ:۔

"جب میں کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ ہو جاتے ہیں۔"

سرعت مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ مسند احمد (مطبوعہ مصر) کے روزانہ دو سو صفحات کا مطالعہ فرمایا اور وہ بھی اس شان سے کہ اس عظیم الشان ذخیرہ میں سے احناف کی تائید میں جس قدر احادیث ہو سکتی تھیں۔ وہ بھی منتخب اور محفوظ کر لیں اور پھر جب کبھی درس میں مسند احمد کی احادیث کا حوالہ دینا ہوتا تھا تو بغیر مراجعت دے دیتے تھے۔ اور رواۃ و طبقات پر بھی بے تکلف بحث فرماتے تھے۔ صرف آخر عمر میں ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے متعلق احادیث کو جمع کرنے کے لیے مسند کا مطالعہ دوبارہ فرمایا تھا

شیخ ابن ہمامؒ کی فتح القدیر معہ تکملہ (۸ جلد) کا مطالعہ بیس روز میں کیا تھا۔ اس طرح کہ کتاب الحج تک اس کی تلخیص بھی فرمائی۔ اور ابن ہمام نے

---

[1] مرتب نے مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند سے خود سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب علامہ شاہ صاحب نے دارالعلوم سے استعفیٰ دیا۔ میں اُن دنوں لاہور آسٹریلیا جامع مسجد میں خطیب تھا ڈاکٹر صاحب نے دیوبند ایک تفصیلی تار دیا جس میں شاہ صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ اب آپ لاہور تشریف لے آئیں اور یہیں قیام فرمائیں۔ جوابی تار تھا جس کا کوئی جواب آیا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب نے مجھ کو (مولانا ہزاروی کو) دیوبند بھیجا کہ تم جا کر زبانی عرض کرو۔ میں گیا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو وہ تار اسوقت دیا گیا جب ڈابھیل والوں نے اصرار کر کے وہاں تشریف لے جانے پر رضامند کر لیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو افسوس! کہ آپکا پیغام بعد میں ملا اور میں ڈابھیل والوں سے وعدہ کر چکا۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے جو بعض ثقہ حضرات نے بیان کی کہ ڈاکٹر صاحب نے شاہ صاحب کی متوقع آمد کے پیش نظر متمول دوستوں سے پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کے وعدے لے لیے تھے کہ حضرت علامہؒ کیلئے شایان شان کوٹھی تعمیر کی جائے جہاں وہ قیام فرما ہوں (مرتب)

[2] ڈاکٹر اقبال مرحوم قادیانی تحریک کے بعض بظاہر افادی قسم کے پہلوؤں سے کچھ متاثر تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ڈاکٹر صاحب کو تحریک قادیانی کے مضرات سے آگاہ کرنے کیلئے دو تین دفعہ لاہور کا سفر فرمایا جسکے بعد وہ کام کیا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے (مرتب) جس وقت یہ سطور تحریر کی گئیں، مولانا ہزاروی بقید حیات تھے مگر آج ہم میں موجود نہیں ہیں۔ بہت مخلص انسان تھے۔ غفرلہٗ

صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کیے ہیں۔ اپنے خلاصہ میں ان کے مکمل جوابات بھی تحریر فرمائے۔ اور پھر مدت العمر فتح القدیر سے مذاہب و مباحث نقل کرنے میں مراجعت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ایک دفعہ خود بھی درس میں بطور تحدیث نعمت فرمایا کہ ۲۶ سال قبل فتح القدیر دیکھی تھی۔ الحمد للہ اب تک مراجعت کی ضرورت نہیں ہوئی جو مضمون اس کا بیان کرونگا۔ اگر مراجعت کروگے تو تفاوت بہت کم پاؤ گے۔

سنن بیہقی قلمی کا مطالعہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں کیا تھا۔ تیس سال بعد ڈابھیل میں ایک روز فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے ایک جگہ کچھ دلائل حنفیہ کے خلافیات بیہقی سے جمع کیے ہیں۔ میں نے جو نسخہ بیہقی کا گنگوہ میں دیکھا تھا۔ اس میں وہ چیزیں نہ تھیں۔ پھر جب سنن بیہقی حیدر آباد سے چھپ کر آئی تو اس میں وہ چیزیں موجود تھیں۔ لیکن اب میں اس نظریہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت گنگوہی رح والا قلمی نسخہ زیادہ صحیح تھا اور اس کے شواہد و دلائل میں اپنی یادداشت میں جمع کر رہا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی قوت حافظہ کے سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی رح کی یہ تحقیق بھی قابل ذکر ہے کہ مجموعی طور سے حضرت شاہ صاحب کو کم سے کم چالیس پچاس ہزار عربی کے ایسے اشعار یاد تھے کہ جس وقت چاہتے ان میں سے سنا سکتے تھے۔ فارسی اشعار بھی بکثرت یاد تھے۔ بلکہ اردو کے بھی اونچے شعرا کا کلام یاد تھا ایک دفعہ غالب کے بہت سے اشعار سنائے۔

آپ کے وسعت مطالعہ پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے کہ کشمیر میں ایک دفعہ علماء کے درمیان اختلاف ہوا اور ہر ایک کا جواب دوسرے کے مخالف رہا۔ اس دوران میں حضرت شاہ صاحب بھی کشمیر تشریف لائے۔ فریقین شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور دونوں نے مختلف فیہ مسئلہ کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا کہ میں نے فتاوی عماریہ کے "مخطوطہ" کا دارالعلوم کے کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت ہرگز موجود نہیں۔ یہ لوگ تصحیف کر رہے ہیں یا تدلیس۔ اس پر حاضرین متحیر ہوئے اور مستدلین مبہوت ہو کر رہ گئے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح فرماتے تھے کہ فوائد التنزیل العزیز لکھتے وقت مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق صحیح روایات حاصل نہ ہو سکیں۔ پندرہ روز تک اس چھان بین میں لگا رہا کہ کوئی ایسی حدیث ہاتھ آئے جو انبیاء کے شایان شان ہو۔ لیکن میری کوشش بیکار گئی۔ اس کے بعد میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ میں نے اس پیش آئی ہوئی الجھن اور دشواری کا اظہار کیا۔ حضرت نے بلا تامل فرمایا کہ حاکم نے مستدرک کے اندر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اثر نقل کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کی تمام الجھن ختم ہو جائے گی۔ حضرت مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں نے حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق مطالعہ کیا تو میری تمام الجھنیں دور ہو گئیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا بیان ہے کہ تیرہ دفعہ آپ نے صحیح بخاری شریف کے صرف متن کا مطالعہ فرمایا تھا۔ جب کہ اس کے حاشیہ اور بین السطور پر بالکل نظر نہ تھی۔ ہر دفعہ ایسے علوم و حقائق کا انکشاف ہوتا کہ اس سے پہلے قلب میں گزرے ہی نہ تھے۔

حضرت شاہ صاحب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بے حد مداح تھے ابن تیمیہ رح کو حافظ الدنیا اور جبال علم کے معزز القاب سے یاد کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رح کے مقابلہ میں حافظ بدرالدین عینی رح شارح بخاری کے علوم اور ان کی تحقیقات کو زیادہ دقیق سمجھتے تھے۔ درس میں ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے خواب میں حافظ بدرالدین عینی رح کو دیکھا اور ان سے بطور شکایت کے کہا کہ ابن حجر کے مقابلہ میں جو طرز آپ نے اختیار کیا ہے۔ اس سے علماء کو بہت دقت ہوتی ہے حافظ عینی نے جواب دیا کہ حافظ ابن حجر سے دریافت کرو کہ انھوں نے یہ طرز کیوں اختیار کیا تھا؟ حافظ عینی کہنا چاہتے تھے کہ میں نے صرف مدافعت کی ہے ابتداء ابن حجر سے ہوئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں عینی کے اس جواب پر خاموش ہوا۔ ان مقامات پر عینی کے جوابات سے شاہ صاحب مطمئن نہ تھے۔ آپ تفسیر حدیث شرح الفاظ اور نقول کبار میں زیادہ مکمل سمجھنے کے باوجود نظم و ترتیب میں پسند نہ کرتے تھے۔

کئی ایک بزرگوں سے سنا کہ حضرت شاہ صاحب بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کر رہا تھا کہ خداوند تعالیٰ مجھے ابن حجر کا حافظہ عطا فرما۔ اس کی دعا قبول کی گئی۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ منٹگمری نے فرمایا کہ یہ شخص خود شاہ صاحب رح تھے۔ یہ بات بطور تحدیث نعمت ان کی زبان پر آجاتی تھی مگر اپنے نام کا اخفا کر جاتے تھے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن رح مہتمم دارالعلوم دیوبند ہمیشہ حضرت شاہ صاحب کو چلتا پھرتا۔ کتب خانہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبندی رح فرمایا کرتے تھے کہ:۔

" مجھے جب مسئلہ فقہ میں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اگر کوئی چیز مل گئی

توفبہا ورنہ پھر حضرت شاہ صاحب سے رجوع کرتا ہوں۔ شاہ صاحب جو جواب دیتے اسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا۔ اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا۔"

مولانا محمد ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سُن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا کہ اپنے زمانہ کے زہری تھے۔ امام زہریؒ جب مدینہ منورہ کے بازار سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے کانوں میں جو داخل ہو جاتا ہے۔ وہ نکلتا نہیں۔ اس لیے بازار سے گزرتے وقت کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں۔ تاکہ بازار کی یہ خرافات میرے کانوں میں داخل نہ ہو سکیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک دفعہ دیوبند کے قبرستان میں پھر رہے تھے۔ فرمایا کہ میں علم کی قبر کے پاس پھر رہا ہوں۔ یہ قبر حضرت شاہ صاحب کی تھی۔ مطالعہ کے سلسلہ میں فنونِ عصریہ، فلسفہ جدید، ہیئت جدید حتیٰ کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑا۔

حضرت شاہ صاحب کے درس کی خصوصیات

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت کے درس کی شان عجیب تھی جسے اب دکھلانا تو ممکن نہیں۔ البتہ بتلانا ممکن ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

۱۔ درس حدیث میں سب سے اوّل اور زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مُراد باعتبار قواعد عربیت و بلاغت واضح ہو جائے۔ حدیث کی مراد کو علمی اصلاحات کے تابع بنانے کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً و رتبۃً مقدم ہے، حدیث کو اصطلاح کے تابع کرنا خلافِ اَدب ہے۔

۲۔ خاص خاص مواضع میں حدیث نبوی کا ماخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلات قرآنیہ کا حل فرما دیتے تھے۔

۳۔ حسب ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہوتا تو اس جرح و تعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنی طرف سے ایک قولِ فیصل بتلا دیتے کہ یہ راوی کس درجہ میں قابلِ قبول ہے۔ اس کی روایت حسن کے درجہ میں ہے یا صحیح کے، قابلِ رد ہے، یا قابلِ اغماض یا لائق مسامحت؟ اور اغماض و مسامحت میں جو فرق ہے۔ وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ زیادہ تر فیصلہ کا طریقہ یہ بھی رکھتے کہ جب کسی راوی کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہوتا تو یہ بتلا دیتے کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذیؒ نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔

۴۔ فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اوّلاً ائمہ اربعہؒ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر اُن کے وہ دلائل بیان فرماتے جو ان مذاہب کے فقہا کے نزدیک سب سے قوی ہوتے پھر ان کا جواب اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے تھے۔ حنفیت کے لیے استدلال و ترجیح میں کتاب و سنّت کے تبادر اور سیاق و سباق کو پُورا ملحوظ رکھتے اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتے کہ شریعت کا منشا و مقصد اس بارے میں کیا ہے اور یہ حکم خاص شریعت کے احکام کلیہ کے تو خلاف نہیں۔ شریعت کے مقاصد کلیہ کو مقدم رکھتے اور احکام جزئیہ میں اگر بے تکلف توجیہ ممکن ہوتی تو کرتے ورنہ قواعد کلیہ کو ترجیح دیتے جو طریقہ فقہائے کرام کا ہے۔

۵۔ نقل مذاہب میں قدماء کی نقل پیش فرماتے اور ان کو متاخرین کی نقول پر مقدم رکھتے۔ ائمہ اجتہاد کے اصل اقوال پہلے نقل فرماتے پھر مشائخ کے اقوال ذکر فرماتے تھے۔

۶۔ مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے۔ گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لیے موجب طمانیت ہوتا۔

۷۔ درس بخاری میں تراجم کے حل کی طرف خاص توجہ فرماتے۔ اوّلاً بخاری کی غرض و مُراد واضح فرماتے۔ بہت سے مواقع میں حلِ تراجم میں شارحین کے خلاف مراد منقح فرماتے تھے۔ ثانیاً یہ بھی بتلاتے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحؒ نے ائمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار کیا ہے اور پوری بخاری شریف آپ سے پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا کہ سوا مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری رحؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک رحؒ کی موافقت کی ہے۔

۸۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحؒ چونکہ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں۔ اس لیے امام شافعی رحؒ کی تائید میں جا بجا امام طحاویؒ کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس امر کی پُوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاویؒ کا جواب ضرور ہو جائے جیسے امام طحاوی کا جواب دیئے بغیر حافظ عسقلانیؒ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادا نہیں کیا۔ درس میں حضرت شاہ صاحب کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مسائل فقہیہ میں حافظ کا جواب دیئے بغیر نہ گزریں۔

۹۔ اسرار شریعت میں شیخ محی الدین بن عربیؒ اور شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کا کلام زیادہ نقل فرماتے تھے۔

۱۰۔ درس کی تقریر موجز و مختصر مگر نہایت جامع ہوتی تھی (جس سے ذی علم مستفید ہو سکتے تھے) ہر کس وناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح دیوبند تشریف لائے۔ بڑے مہتمم صاحب یعنی حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے یہاں تھے۔ بڑے مہتمم صاحب نے فرمایا:۔ مولانا آپ مدرسہ کے سرپرست ہیں۔ آپ ہمارے صدر مدرس کا درس تو سُنیں۔ فرمایا! بہت اچھا۔ درس میں تشریف لے گئے۔ فراغت کے بعد حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ درس کا ہر ہر جُملہ اس قدر موجز اور مختصر تھا کہ ہر جملہ کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ درس کو دیکھ کر محدثین کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ جب متونِ حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ بخاریؒ و مسلمؒ بول رہے ہیں اور جب فقہ الحدیث پر کلام فرماتے تو محمد بن حسن شیبانیؒ معلوم ہوتے اور جب حدیث کی بلاغت پر آتے تو تفتازانیؒ اور جرجانیؒ معلوم ہوتے اور جب شریعت کے اسرار بیان کرتے تو ابن عربیؒ اور شعرانیؒ معلوم ہوتے۔

(بروایت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم) صاحب زادہ آفتاب احمد خاں جو کسی زمانہ میں علی گڑھ کالج کی روحِ رواں اور غیر معمولی عنصر سمجھے جاتے تھے جن دنوں علی گڑھ اور دیوبند کے درمیانی خلیج کی وسعت کم ہو رہی تھی تو صاحبزادہ مرحوم کبھی کبھی دیوبند تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحیح مسلم کے درس میں آکر وُہ بھی شریک ہُوئے واپس ہو کر میں نے خود اُن سے سُنا کہ آج تو آکسفورڈ اور کیمرج کے لکچر ہال کا منظر میرے سامنے آگیا تھا۔ یورپ کی ان یونیورسٹیوں میں پروفیسروں کو جیسے پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا۔ آج ہندوستان میں میری آنکھوں نے اسی تماشے کو دیکھا۔

علامہ سید رشید رضا مرحوم مُدیر "المنار" جانشین مفتی محمد عبدہٗ (مصر) کا شاہ صاحب کے متعلق مختصر تاثر پیچھے گزر چکا ہے۔ ان کی دیوبند آمد۔ دارالعلوم کا معائنہ اور حضرت شاہ صاحب کی تقریر کا مفصل واقعہ حضرت مولانا محمد صاحب انوری خلیفہ حضرت رائے پُوری قدس سرہٗ کی زبانی سنیئے۔ وُہ تحریر فرماتے ہیں۔:۔
"۱۳۳۰ھ میں علامہ رشید رضا مصری مدیر المنار و صاحب تفسیر مشہور بتقریب صدارت اجلاس دارالعلوم ندوۃ لکھنؤ ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر یہاں بھی تشریف لائے۔ ان کے لیے خیر مقدم کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہُوا۔ اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ بھی موجُود تھے۔ اتفاقاً علامہ رشید نے جلسہ سے قبل کسی استاذ دارالعلوم سے دریافت کیا کہ یہاں درس حدیث کا طرز کیا ہے؟ تو بتلایا کہ پہلے قاری حدیث پڑھتا ہے اور استاد اس حدیث سے متعلق تمام مباحثِ علمیہ اور حقائق و نکات بیان کرتا ہے۔ پھر اگر حدیث احکام سے متعلق ہوتی ہے تو استاد متبوعین کے دلائل بھی بیان کرتا ہے اور امام اعظمؒ کا مذہب بظاہر حدیث کے مخالف ہوتا ہے تو استاد توفیق، تطبیق یا ترجیح راجح کے اصول پر تقریر کرتا ہے (یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جن دوسری احادیث سے مستند ہوتا ہے۔ ان احادیث کو بطور دلائل پیش کرتا ہے۔) اور حنفی مسلک کو مویّد و مدلّل کرتا ہے۔ یہ بات علامہ کو بہت عجیب معلوم ہُوئی۔ کہنے لگے کہ کیا ہر حدیث میں ایسا ہوتا ہے۔؟ کہا۔ ہاں! اس پر علامہ نے کہا۔" کیا حدیث حنفی ہے۔
یہ بات تو اسی طرح یہاں ختم ہو گئی۔ اور جلسہ کی شرکت کے لیے حضرت شاہ صاحب تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں علامہ کی اس گفتگو کا حال سُنا۔ حضرت شاہ صاحب کا ارادہ علامہ کو خوش آمدید کہنے اور دارالعلوم کی تاریخ و دیگر عام امُور پر تقریر فرمانے کا تھا۔ مگر اس گفتگو کا حال سن کر ارادہ بدل گیا اور راستے ہی قلیل وقفہ میں کہ جلسے میں پہنچے اور کچھ دیر بیٹھے۔ دارالعلوم کے اسی مذکورہ بالا طرز درس حدیث پر مضمون ذہن میں مرتب فرما لیا۔ اور پھر وُہ مشہور و معروف خالص محققانہ محدثانہ تقریر نہایت فصیح و بلیغ عربی میں فرمائی کہ اس کو سن کر علامہ اور تمام شرکار اجلاس علمار و طلباء حیران رہ گئے۔
اس تقریر میں آپ نے فقہاء محدثین کے اصولِ استنباط، تحقیق مناط، تنقیح مناط، تخریج مناط کی وضاحت و تشریح احادیث و احکام سے فرما کر حضرت شاہ ولی اللہ رح سے لے کر اپنے اساتذہ دارالعلوم تک کے مناقب اور طرز و طریق خدمتِ علم و دین پر روشنی ڈالی۔ علامہ آپ کی فصاحتِ تقریر اور سلاستِ بیان و قوتِ دلائل سے نہایت متاثر تھے۔ ایک دفعہ سوال کیا کہ اے حضرت الاستاذ! آپ حدیث قلتین کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ایک بار کہا۔ حضرۃ الاستاذ آپ مسئلہ قرأۃ خلف الامام میں کیا فرماتے ہیں؟ اسی طرح بہت سے مسائل کو بے تکلف سوال میں لائے اور حضرت شاہ صاحب بھی نہایت انبساط و شرح صدر کے ساتھ کافی و شافی جواب دیتے رہے۔ مولانا مناظر حسن گیلانی کی روایت سے پیچھے گزر چکا ہے کہ علامہ بار بار کرسی سے اٹھتے تھے اور کہتے تھے:۔

وَاللہ مَا رَأَیْتُ مِثْلَ ھٰذَا الرَّجُلِ قَطُّ۔ خُدا کی قسم! میں نے اس جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحب کی تقریر مذکور کے بعد علامہ موصُوف نے تقریر فرمائی اور اس میں حضرت شاہ صاحب کے غیر معمُولی علم و فضل تبحر، وسعتِ مطالعہ، اور بے نظیر استحضار و حافظہ کی داد دی۔ نیز اعتراف کیا کہ جو طریقہ آپ کے یہاں درس حدیث کا ہے یہی سب سے اعلیٰ و افضل و انفع طریقہ ہے اور فرمایا کہ اگر میں ہندوستان

اگر اس جامعہ علمیہ کو نہ دیکھتا اور اس کے اساتذہ و علمائے اعلام سے نہ ملتا تو یہاں سے غمگین واپس جاتا۔ پھر مصر جاکر یہ سب حالات اپنے رسالہ المنار میں شائع کیے اور اس میں یہ بھی اضافہ کیا کہ" میں نے ازہر الہند دیوبند میں وہ نہضت دینیہ علمیہ جدیدہ دیکھی ہے جس سے نفع عظیم کی توقع ہے۔ مدرسہ دیوبند دیکھ کر جس قدر میرے دل کو مسرت بے پایاں حاصل ہوئی وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوئی"

مجھ سے بہت سے لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے فضائل و مآثر بیان کیے تھے اور کچھ لوگوں نے علماء دیوبند پر جمود و تعصب کا بھی نقد کیا تھا۔ مگر میں نے اُن کی اس ثنا و نقد سے بہت بلند پایا اور میں نے حضرت شاہ صاحب جیسا جلیل القدر کوئی عالم نہیں دیکھا" وللہ الحمد

حضرت شاہ صاحب کی تقریر اور علامہ سید رشید رضا کی تقریر و بیانات دارالعلوم میں موجود ہیں۔ فاضل محترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دام فیضہم نے کافی حصہ" نفحۃ العنبر من ہدی الشیخ الانور" میں نقل فرما دیا ہے کہ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

فقہ حنفی اور حضرت شاہ صاحبؒ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان ہے کہ جس سال ہم نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھا تھا یہ سال حضرت کا دارالعلوم میں آخری سال تھا۔ ایک روز بعد عصر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہم نے اپنی زندگی کے پورے تیس سال اس مقصد کے لیے صرف کیے۔ کہ فقہ حنفی کے موافقِ حدیث ہونے کے بارے میں اطمینان حاصل کیا جائے۔ الحمد للہ اپنی اس تیس سالہ محنت اور تحقیق کے بعد میں اس بارے میں مطمئن ہوں کہ" فقہ حنفی" حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں مخالفین احناف جس درجہ کی حدیث سے استناد کرتے ہیں۔ کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس مسئلہ کے متعلق حنفی مسلک کی تائید میں ضرور موجود ہے اور جس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس حدیث نہیں ہے۔ اور اس لیے اجتہاد پر اس کی بنیاد رکھتے ہیں۔ وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں ہے۔

فقہ میں آپؒ کا ایک خاص اصول

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ ہی رقمطراز ہیں۔ کہ ایک موقع پر فرمایا۔ اکثر مسائل میں فقہ حنفی میں کئی کئی اقوال ہیں اور مرجحین و اصحاب فتاویٰ مختلف وجوہ و اسباب کی بنا پر ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتے اور ترجیح دیتے ہیں۔ میں اس قول کو زیادہ وزنی اور قابلِ ترجیح سمجھتا ہوں جو از روئے دلائل زیادہ قوی ہو یا جس کے اختیار کرنے میں دوسرے مجتہدین کا اتفاق زیادہ حاصل ہو جاتا ہو۔ پھر فرمایا کہ میرا اپنا پسندیدہ اصول تو یہی ہے لیکن دوسرے اہل فتاویٰ جو اپنے اصول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ان کی بھی تصدیق اس لحاظ سے کر دیتا ہوں کہ از روئے فقہ حنفی وہ جواب بھی صحیح ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص ذہن یہ تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہوں تو اس پہلو یا مسئلہ کو ترجیح دی جائے۔ جس میں اُمت کو آسانی اور سہولت ہو۔ اور اس ذہن کی تائید قرآن پاک اور احادیث نبوی سے ہوتی ہو۔ یہ بات مولانا محمد منظور نعمانی نے ۱۹۶۲ء میں سفر حج کے موقعہ پر منیٰ میں احقر کے ایک مسئلہ کے پوچھنے کے دوران بتائی۔

بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں محدثانہ رنگ غالب ہوتا تھا اور حدیث کو فقہ حنفی کے مؤید کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے منشار کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا اور ہاتھ در ہاتھ اس کے دلائل و شواہد سے اس دعویٰ کو مضبوط کیا جاتا تھا۔ متون حدیث کی معتمد کتابوں کا ڈھیر آپ کے سامنے ہوتا تھا اور تفسیر الحدیث بالحدیث کے اصول پر کسی حدیث کے مفہوم کے بارہ میں آپ جو دعویٰ کرتے۔ اُسے دوسری حدیث سے مؤید اور مضبوط کرنے کے لیے درس ہی میں کتب پر کتب کھول کر دکھاتے جاتے تھے اور جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح تفسیر سے مفہوم متعین ہو جاتا تھا تو نتیجۃً وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حدیث فقہ حنفی کو پیدا کر رہی ہے۔ یہ نہیں تھا کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ احادیث کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے یعنی گویا اصل تو مذہب حنفی ہو جسے مؤیدات کے طور پر روایات حدیث سے مضبوط بنانے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ نہیں بلکہ یہ کہ اصل حدیث ہے۔ لیکن جب بھی اس کے مفہوم کو اس کے فحویٰ اور سیاق و سباق نیز دوسری احادیث باب کی تائید و مدد سے اسے مشخص کر دیا جائے تو اس میں سے فقہ حنفی نکلتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس لیے طلبائے حدیث حضرت ممدوح کے درس سے یہ ذوق لے کر اُٹھتے تھے کہ ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے حقیقتاً حدیث پر عمل کر رہے ہیں۔ اور حدیث کا جو مفہوم ابو حنیفہؒ نے سمجھا ہے وہی درحقیقت شارع علیہ السلام کا منشا ہے۔ جس کو روایت حدیث ادا کر رہی ہے۔ بلکہ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ اس روایت حدیث سے امام ابو حنیفہؒ اپنا کوئی مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ صرف پیغمبر علیہ السلام کا مفہوم پیش کر رہے ہیں اور خود اس حدیث میں محض ایک جریا اور ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جو اس مقام کے مناسب حال ہے اور وہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ایک مناظرہ میں جو حضرت

ممدوح اور ایک اہلِ حدیث کے مابین ہوا۔ اہلِ حدیث عالم نے پوچھا۔ کیا آپ ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں اُس نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی ہی کی تائید کر رہے ہیں پھر مجتہد کیسے؟ فرمایا۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد کلیۃً ابوحنیفہ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے۔ اس طرز جواب سے سمجھانا یہی منظور تھا کہ ہم فقہ حنفی کو خواہ مخواہ بنانے کے لیے حدیث کو استعمال نہیں کرتے بلکہ حدیث میں سے فقہ حنفی کو نکلتا ہوا دیکھ کر اس کا استخراج سمجھا دیتے ہیں۔ اور طریقِ استخراج پر مطلع کر دیتے ہیں۔ بہرحال اکابر دیوبند کے مذاق کے مطابق حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقلد بھی تھے۔ مگر اس تقلید میں محقق بھی تھے۔ وُہ مسائل میں پابند فقہ حنفی بھی تھے۔ مگر اس پابندی کو مبصرانہ تحقیق سے اختیار کیے ہوئے تھے۔ جیسے مسئلہ تقدیر میں اہلِ سنت کا مذہب بندہ کے جبر و اختیار کو جمع کر کے یہ کہنا ہے کہ وہ مختار ضرور ہے۔ مگر مجبور فی الاختیار ہے۔ اسی طرح مسائل فقہیہ میں۔ حضرت شاہ صاحب کا رنگ یہ تھا کہ وہ مقلد ضرور ہیں۔ مگر محقق فی التقلید ہیں اور تمام اجتہادی مسائل میں جہاں تقلید کرتے ہیں۔ وہاں مسائل کو تمام حدیثی اور قرآنی بنیادوں کے ساتھ بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔

ایک امریکن مصنف نے اپنی معروف کتاب "ماڈرن ان انڈیا" میں زیرِ عنوان "دیوبندیوں کا اسلام" اہلِ دیوبند کا یہی جامع اضداد طریقہ اپنے مختصر عنوان میں اس طرح ادا کیا ہے۔

"حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ لوگ (اہلِ دیوبند) اپنے کو مقلد کہتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہر مسئلہ کو پورے محققانہ انداز سے کہتے ہیں اور مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ایسی تنقیح و تحقیق کرتے ہیں کہ اس دعوائے تقلید کے ساتھ وُہ بے ساختہ مجتہد بھی نظر آنے لگتے ہیں۔" (انتہیٰ بمعناہ)

حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ یہ حضرات مجتہد فی التقلید اور محقق فی الاتباع ہیں۔ کورانہ تقلید یا جامد اتباع کے جال میں پھنسے ہوئے نہیں اور لم یخروا علیہا صما وعمیانا کے سچے مصداق ہیں۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحرِ ذخّار ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علومِ حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا۔ اس میں استطراداً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم و فن کی بحث آتی تھی۔ اگر معانی و بلاغت کی بحث آجاتی تو یُوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم معانی کا یہ مسئلہ اسی حدیث کے لیے واضع نے وضع کیا تھا۔ معقولات کی بحثیں آجاتیں اور معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لیے قلبِ نبوی پر وارد ہوئی تھی۔

غرض اس نقلی اور روایتی فن (حدیث) میں نقل و عقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ علاوہ بحثِ حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہٖ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔

بہرحال حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فقہ، تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی اور سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ و قدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا اور اسی لیے جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم و فن کا مذاق لے کر اٹھتا تھا۔ اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی تھی کہ وُہ بقول کلام خدا اور رسُول ہر فن میں محققانہ انداز سے کلام کر جاتے اور یہ درحقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر الاستاذ الامام الکشمیری نے اختیار فرمایا۔ چنانچہ کبھی کبھی تحدیث بالنعمتہ کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔ کہ "بھائی اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہو سکا ہم نے سامان جمع کر دیا ہے۔ بالخصوص فقہ حنفی کے ماخذ و مناشی کے سلسلہ میں حدیثی ذخیرہ کافی ہی نہیں۔ کافی سے زائد جمع فرما دیا ہے۔"[۱]

تائید مذہب حنفی کے اس غیر معمولی اہتمام کی توجیہہ کرتے ہوئے گاہ بہ گاہ فرماتے کہ عمر بھر ابوحنیفہ کی نمک حرامی کی ہے۔ اب مرتے وقت جی نہیں چاہتا کہ اس پر قائم رہوں۔ چنانچہ کھل کر ترجیح مذہب کے سلسلہ میں ابھرتے اور نادرِ روزگار علوم و معارف اور نکات و لطائف ارشاد فرماتے جس سے یُوں محسوس ہوتا تھا کہ من جانب اللہ آپ پر مذہب حنفی کی بنیادیں منکشف ہو گئیں تھیں۔ اور ان میں شرح صدر کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے اظہار پر گویا آپ مامور و مجبور

---

۱ علامی مرحوم جو فارسی کے گرامی شاعر۔ گرامی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی منقبت کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں۔

تھے۔ ان علوم و معارف کے ذخیرہ کو حضرت ممدوح کے دو رشید شاگردوں، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے الواح و اوراق میں جمع کرکے اہل علم پر ایک ناقابلِ مکافاۃ احسان فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ ان دونوں محقق فاضلوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے ان کی نسبت کو اور زیادہ قوی فرمائے"

حضرت ممدوح کا یہ جملہ کہ عمر بھر ابوحنیفہ کی نمک حرامی کی شاید اس طرف مشیر ہے کہ حضرت ممدوح جہاں روایاتِ حدیث میں تطبیق و توفیق روایات کا اصول اختیار فرمائے ہوئے تھے۔ وہیں روایاتِ فقہیہ میں بھی آپ کا اصول تقریبًا تطبیق و توفیق ہی کا تھا۔ یعنی مذاہبِ فقہا کے اختلاف کی صورت میں حنفیہ کا وہ قول اختیار فرماتے جس سے خروج عن الخلاف ہو جائے اور دونوں فقہا باہم جڑ جائیں۔ اگرچہ یہ قول مفتیٰ بہ بھی نہ ہو اور مسلکِ معروف کے مطابق بھی نہ ہو۔ نظر صرف اس پر تھی کہ دو فقہی مذہبوں میں اختلاف جتنا کم سے کم رہ جائے وہی بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بعض مواقع پر خود امام کا قول بھی چھوٹ جاتا اور صاحبین کا قول زیرِ اختیار آجاتا تھا۔ یعنی فقہ حنفی کے دائرے سے تو کبھی باہر نہ جاتے تھے مگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ قول سے کبھی کبھی باہر نکل جاتے تھے۔ خواہ وہ بواسطہ صاحبین ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول ہو شاید اس کو حضرت نے ابوحنیفہ کی نمک حرامی کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اس توسع سے رجوع کرکے کھلے طور پر مذہب کے معروف و مفتیٰ بہ حصے بلکہ اقوال ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار و ترجیح کی طرف طبیعت آچکی تھی اور بلاشبہ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات کے بارے میں حق تعالیٰ نے انھیں شرح صدر عطا فرما دیا تھا اور وہ بالآخر اسی راہ پر جم کر چلنے لگے تھے۔ جس پر اُن کے شیوخ سرگرم رفتار رہ چکے تھے۔

میں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ متفرد ہوتے ہیں اور ائمہ ثلٰثہ میں سے کوئی ان کی موافقت نہیں کرتا اس میں میں ضرور بالضرور پوری قوت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ضرور کوئی ایسا دقیقہ ہے جس تک امام ہی کی نظر پہنچ سکی ہے اور پھر حق تعالیٰ اس دقیقہ کو منکشف بھی فرما دیتا ہے۔ یہ مقولہ امام ابوحنیفہ کے اس مسلک کے ذیل میں فرمایا کہ قضائے قاضی ظاہرًا و باطنًا نافذ ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ اس مسئلہ میں میں بالضرور ابوحنیفہ ہی کی پیروی کروں گا۔ کیوں کہ اس میں صرف امام ہی متفرد ہیں اور یہ تفرد اس کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی ایسی دقیق بنیاد ان پر منکشف ہوئی ہے جہاں تک دوسروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکی ہیں۔

اس قسم کا مضمون حضرت نانوتوی قدس سرہ کے بارے میں میں نے حاجی امیر شاہ خان صاحب سے سنا کہ حضرت مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی (اہلحدیث) سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں۔ صاحب ہدایہ اور درمختار کا مقلد نہیں ہوں۔ اس لیے میرے مقابلہ میں بطورِ معارضہ جو قول

خامہ بگیرد رہ باوج مہر و ماہ — شیخ ما آں مہر شد عالیمقام
در مدیح شیخ انور مردِ راہ — شیخ ما آں نائب خیرالانام

۲

آسمان معرفت را آفتاب — خاک دیو بند از و نور گشت
شیخ انور شاہ آں عالیجناب — بلکہ از نورش جہاں معمور گشت

۳

نور چشم شیخ محمود الحسن — آسماں چشت را بدر منیر
واقفِ اسرار ہر نو و کہن — مرشدِ ما شیخ ما روشن ضمیر

۴

یک جہاں از حلقہ در گوشان او — از تصرف فنائی آں عالی گہر
جانِ پاکاں بستۂ دامانِ او — شد عزیز الدین عظامی باخبر

مولانا عظامی

بھی آپ پیش کریں وہ ابوحنیفہ کا ہونا چاہیئے۔ دوسروں کے اقوال کا یہ جواب دہ نہیں ہوں گا۔ اس سے بھی یہی نکتہ نکلتا ہے کہ فقہ حنفی میں اصل بنیادی قول ان

حضرات کے نزدیک خود امام کا ہوتا تھا اور وہی درحقیقت فقہ حنفی کی اساس ہونے کا حق بھی رکھتا تھا۔

پس ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ پر آخری عمر میں یہی نکتہ منکشف ہوا جو ان کے شیوخ پر منکشف ہوا تھا اور اس کے خلاف توسع کو وہ ابوحنیفہ

سے نمک حرامی کرنے کی تعبیر سے اس مقصد کو ظاہر فرما رہے ہیں۔

اس کے ساتھ درس حدیث کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی مناظرانہ صورت حال بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ ان مناظرانہ مباحث اور فرعیاتی اختلافات سے کتاب وسنت کے ہزارہا پوشیدہ علوم وا شگاف ہوتے تھے جو اس اختلاف کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہ تھے اور پھر ان فرعیات کا تزاحم اور تزاحم کے بعد قول فیصل حضرت ممدوح کے قلب و لسان سے ظاہر ہوتا تو طرف کی خصوصیات لگ جانے سے عجیب وغریب اور نئے نئے علوم پیدا ہوتے پھر ان تزاحمات میں محاکمہ اور ترجیح کے سلسلہ میں جو تنقیحات بیان ہوئیں۔ وہ خود مستقل علوم ومعارف کا ذخیرہ ہوتی تھیں۔

بعض مواقع پر مثلاً حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات کا ذکر آتا تو پہلے ان کے علم وفضل اور تفقہ تبحر کو سراہتے ان کی عظمت وشان بیان فرماتے اور پھر انکے کلام پر بحث ونظر سے تنقید فرماتے جس میں عجیب رنگ برنگ کیفیات جمع ہوتی تھیں۔ ایک طرف ادب وعظمت اور دوسری طرف رد و قدح یعنی بے ادبی اور جسارت کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی بچتے اور راجح اور صواب میں کتمان صواب سے بھی دور رہتے کبھی کبھی علمی جوش میں آکر برنگ مزاح بھی رد وقدح فرماتے تھے۔ جو بجائے خود ہی ایک مستقل علمی لطیفہ ہوتا تھا۔

(ماخوذ از نور الانوار قاری محمد طیب صاحب)

زہد وتقویٰ اور تصوف وسلوک

علمی اشتغال میں غیر معمولی انہاک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباع سلف کے اہتمام میں ذرہ بھر کمی اور کوتاہی نہیں ہوتی تھی ملنے والے بہت سی سنتوں کو حضرت شاہ صاحب کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے، سنت نبوی علیہ التحیۃ والسلام کے مطابق کھانا اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے۔ بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اُسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے۔ لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔ زہد وتقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھلے ہوئے چہرے پر برستا تھا۔ ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر حضرت ممدوح کا سرخ وسفید رنگ کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ نیز چہرہ کی مجموعی وجاہت وعظمت دیکھ کر کہا تھا کہ "اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے۔ جمعہ کے لیے جاتے تو فاسعو الی ذکر اللہ کا منظر سب کو نظر آتا۔ حَسْبُنَا اللہ تکیہ کلام تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اکثر وبیشتر حسبنا اللہ فرماتے اور ایسے ہی موقعہ بموقعہ اللہ اَجَلّ فرماتے رہتے تھے۔ درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی۔ جسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انشاد قصائد اور وعظ میں خوف وخشیت کے اشعار اکثر تر آنکھوں کے ساتھ پڑھتے۔ جس سے چہرہ مظہر خشیت الٰہی نظر آتا تھا اور سامعین کی آنکھیں تر ہو جاتی تھیں۔ ٹھیک طریقۂ نبوی کے مطابق کن انکھیوں سے نہ دیکھتے اور جدھر متوجہ ہوتے پورے متوجہ ہوتے تھے۔

ادب علم کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمایا کہ میں کتاب کو مطالعہ کے وقت اپنا تابع کبھی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کتاب پر حاشیہ ٹیڑھا چھپا ہے تو بجائے اس کے کہ کتاب کو حاشیہ کے مطابق پھیر لیں۔ کتاب کو بغیر ہلائے آپ اس طرح گھوم جاتے تھے۔ چنانچہ کبھی نہیں دیکھا

لہ غالباً مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا یہ مذاکرہ حضرت نانوتویؒ سے فاتحہ خلف الامام پر ہوا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور حدیث سے جو فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ کے بارے میں اہل حدیث حضرات پیش فرماتے ہیں۔ مولانا محمد حسین مرحوم کے پیش فرمانے پر اسی حدیث کے جملہ طرق اور مباحث ومعانی پر بحث فرماتے ہوئے ایسی تقریر کی کہ مولانا بٹالوی دنگ رہ گئے اور حیران ہو کر کہنے لگے کہ مولانا مجھے ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ آپ جیسا محقق، فقیہ اور صاحب علم ونظر انسان جو خود مجتہدانہ بصیرت رکھتا ہے۔ وہ امام اعظم کی تقلید کیوں کرتا ہے۔ اس پر حضرت مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ مجھے بھی ایک اشکال ہے وہ یہ کہ آپکے فرمان کے مطابق جب میں باوجود اس علم ونظر کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کو ضروری خیال کرتا ہوں تو آپ جیسے لوگ تقلید کیوں نہیں کرتے۔

گزشتہ اوراق میں گزرا کہ علامہ علی مصری حنبلی حافظ حدیث نے حضرت شاہ صاحب کے متعلق یہ کہا کہ اگر "میں قسم کھاؤں کہ علامہ انور شاہؒ امام اعظمؒ کے سب سے بڑے عالم ہیں تو حانث نہیں ہونگا"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب ایسے عظیم انسان تقلید کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ تو پھر عامیوں کے لیے تو تقلید نہایت ضروری ہوگی اور اس سے حضرت امام اعظمؒ کی جلالت قدر کا بھی ہلکا سا اندازہ ہو جاتا ہے۔ (ارشد)

حضرات! ان صاحب نے غلط کہا ہے ہم ایسے نہیں ہیں۔ بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے۔ ہم اس سے گئے گذرے ہیں یعنی وہ اپنی گلی اور محلے کا حق نمک خوب ادا کرتا ہے۔ مگر ہمارے ہوتے لوگ ناموس پیغمبر پر حملہ کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! انکسار اور تواضع کی حد ہوگئی۔

حضرت مولانا انوری مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ

اسی سفر کے دوران لاہور میں دو روز قیام فرمایا تھا۔ آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا۔ علماء، فضلاء بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوتے تھے۔ بیان ہوتا تھا حضرت نے خطبہ شروع فرمایا۔ وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے۔ احقر کے دل میں وسوسہ گزرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوءِ ادب ہو۔ حضرت نے فوراً خطبہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ سائل کا جواب دینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے۔ غالباً لوہے کے تھے۔ مصلے کے قریب رکھی گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بیٹھ کر جوابات دیئے۔ یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرمادیا۔ احقر ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اخلاق وشمائل کتب حدیث میں روایت کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک عادت مبارکہ یہ بھی نقل کی گئی کہ آپ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے (گویا بلا ضرورت بولتے ہی نہ تھے) حدیث کے الفاظ ہیں:۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طویل الصمت۔

حضرت شاہ صاحب اس عادتِ مبارکہ کا کامل نمونہ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف علمی ودینی استفادہ و افادہ کے لیے اور ناگزیر ضروری باتوں ہی کے لیے زبان دی گئی ہے[1]

اور اس خاموشی میں تنفس کی منضبط کیفیت اور ایک خاص نوعیت سے محسوس کرنے والے صاف محسوس کر لیتے تھے کہ پاس انفاس کے شغل میں برابر مشغول ہیں۔ (صوفیہ کے اشغال میں سے صرف پاس انفاس کے متعلق آپ کا خیال تھا کہ اس کی اصل حدیث وسنت سے کچھ معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے خود اپنا شغل بھی تھا اور رجوع کرنے والے نیازمندوں کو تلقین بھی فرماتے تھے)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ میں صحابہ کرامؓ ذکر فرماتے ہیں کہ:۔

"مسکرانے کی تو بہت زیادہ عادت تھی۔ مگر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا"

یہی حال حضرت شاہ صاحبؒ کا تھا۔

اس زمانہ میں غیبت کی بیماری کس قدر عام اور متعدی ہوگئی ہے اور اس سے اس کے اڑتے ہوئے جراثیم سے محفوظ رہنا مشکل ہوگیا ہے۔ اس کا اندازہ بہت سے حضرات کو شاید نہ ہو اور بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچتے ہوں اور اس دور میں جو بندہ غیبت سے محفوظ ہو وہ اللہ کی خاص حفاظت میں ہے اور یہ اس کی بڑی کرامت ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا محفوظ فرمایا تھا کہ کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی غیبت کی کسی قسم کی کوئی بات کبھی کسی نے ان سے نہیں سنی۔ بلکہ ایسا تھا کہ اگر حضرت کے سامنے کسی نے غیبت کی کوئی بات کی تو حضرت نے فوراً روک دیا۔ اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنے آتا تو اس کا جواب دیتے۔ اور اس کے بعد اگر وہ بیٹھا اور باتیں کرتا تو یہ فرماتے۔ جاؤ بھائی آرام کرو۔ آرام بہت اچھی چیز ہے۔ یعنی مالایعنی سے احتراز میں دنیا اور آخرت دونوں کی راحت ہے۔

بروایت حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی:۔

نورِ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی دیکھتا۔ وہ اولِ نظر میں یقین کر لیتا کہ یہ خدا کا کوئی نیک بندہ ہے حق یہ ہے کہ نورِ تقویٰ اجلیٰ بدیہیات میں سے ہے مگر حقیقت کی تنقیح بہت دشوار ہے اور درجہ انصاف کی دشواری کو تو پوچھو ہی مت۔ وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون۔ شاہ صاحب اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی اجنبی مجلس میں داخل ہوتا تو یہ دیکھتے ہی سمجھ لیتا تھا کہ اس مجلس میں سب سے بڑا عالم اور متقی یہی شخص ہے۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور! کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور!

---

[1] بروایت مولانا محمد منظور نعمانی [2] ایضاً

یہ ناچیز مولانا محمد ادریس کاندھلوی جب بھی حضرت شاہ صاحب کو دیکھتا تو یہ شعر زبان پر آتا ہے

اَلْمُسْلِمُوْنَ بِخَیْرٍ مَابَقِیْتَ لَهُمْ　　　وَلَیْسَ بَعْدَكَ خَیْرٌ حِیْنَ تَفْتَقِدُ

جب تک آپ زندہ ہیں۔ اس وقت تک مسلمان خیر و برکت میں ہیں اور تیرے گم ہونے کے بعد کوئی خیر نہیں۔ طبقات شافعیہ میں ہے کہ یہ شعر کسی نے امام بخاری کو دیکھ کر پڑھا تھا۔ شاہ صاحبؒ چونکہ اس زمانے کے امام بخاریؒ ہی تھے۔ اس لیے یہ ناچیز ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتا تھا۔

شکل و صورت اور لطافتِ طبع

قدرت نے جس طرح حضرت شاہ صاحب کو اقلیم علم و عمل میں تاجداری عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح جسمانی ہیئت اور قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا۔ مولانا سعید احمد ایم اے اکبرآبادی کا بیان ہے کہ مجھ کو ہندوستان، مصر و حجاز اور دوسرے ممالک عربیہ کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ لیکن جو وجاہت، جو وقار و متانت جو دلکشی اور جاذبیت میں نے حضرت الاستاذ میں پائی۔ وہ کہیں کسی اور جگہ نظر نہیں آئی۔ ہزار علماء میں بھی بیٹھتے تو سب سے الگ اور سب سے نمایاں رہتے۔ دیکھنے والوں کی نگاہ ادھر ادھر گھومنے کے بعد وہیں پر جاکر ٹھیرتی اور پھر جمتی تو اس طرح کہ وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتی۔ کشمیری النسل تھے۔ اس لیے خوب کھلا ہوا۔ سپید رنگ، کشیدہ و دراز قامت چوڑا چکلا سینہ، دوہرا اور گداز جسم بڑی بڑی مگر رسیلی اور شرمیلی نگاہیں۔ کشادہ و فراخ پیشانی طویل مگر ستواں بینی، بڑے بڑے کان پر گوشت اور فربہ چہرہ ابریشم اور حریر کی مانند نرم و سبک جلد چلتے تھے تو معلوم ہوتے تھے کہ علم کا ایک کوہ گراں سبک گامی کر رہا ہے۔ بیٹھتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ علم و فضل کا ایک آفتاب نظام شمس سے وابستہ ستاروں کو اپنے گرد لیکر بیٹھ گیا ہے۔ کبھی سفید اور کبھی سبز سر پر عمامہ اور قامت بالا پر سبز قبا! دیکھنے والے ڈر ڈر کے دیکھتے تھے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے کہ فرمانِ نبوی ہے۔ العین حق۔ غرض کوئی ایک ادا ہو تو اس کا ذکر کیجئے۔ کوئی ایک خوبی ہو تو اس کو بیان کیا جائے۔ جہاں یہ عالم ہو کہ:-

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم!　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

وہاں خاموشی کو ہی ترجمانیٔ دل کا منصب تفویض کر دینے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

اسی حسن و جمال ظاہری و باطنی کے باعث طبیعت میں لطافت بھی بہت زیادہ تھی۔ بہت صاف اور اُجلے کپڑے پہنتے تھے۔ غذا میں سادگی پسند تھے۔ البتہ تازہ پھلوں اور طیور کے عاشق تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ بیس سال میری زندگی میں ایسے گذرے ہیں کہ میں نے پرندوں کے علاوہ اور دوسرا گوشت کھایا ہی نہیں۔ میٹھے خربوزوں کے بہت شوقین تھے۔ اگر میٹھے خربوزے میسر آجائیں تو اور کھانا بہت کم کھاتے تھے۔

ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے بہت معترف تھے۔ ان کے علم کی عظمت و شان کو بہت وقیع اور عقیدت بھرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ حافظ ابن تیمیہؒ جبال علوم میں سے ہیں۔ ان کی رفعت شان اور جلالت قدر کا یہ عالم ہے کہ اگر میں ان کی عظمت کو سر اٹھا کر دیکھنے لگوں تو ٹوپی پیچھے سے گر جائیگی۔ لیکن بایں ہمہ مسئلہ استواء علی العرش میں اگر وہ یہاں آنے کا ارادہ کریں گے تو درس گاہ میں نہیں گھسنے دوں گا۔

ایک دفعہ عصر مغرب کے درمیان بخاری شریف کا درس زور و شور سے ہو رہا تھا کہ اچانک کتاب بند کر دی اور فرمانے لگے کہ جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہو گئے تو اب درس کا کیا لطف رہا۔ جاؤ تم بھی گھر کا رستہ لو۔ طلبہ حیران ہوئے کہ بھائی شمس الدین کون اور کب آئے اور کب رخصت ہو گئے؟ حیرانی دیکھ کر فرمانے لگے۔ جاہلین! دیکھتے نہیں۔ وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں۔ اب کیا اندھیرے میں پڑھو گے؟ کیا وہ لطف کا سبق ہو گا؟

ایک بار پہلی صف میں سے کسی طالب علم نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے۔ فرمایا کہ جاہل تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں۔ جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ مار دوں گا۔ وہ اپنے پاس والے کو تھپڑ مارے گا اور وہ اپنے پاس والے کو تھپڑ رسید کریگا۔ یہانتک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا۔

ایک دفعہ مسائل فقہیہ کے ذیل میں نابالغ کی امامت کا ذکر آگیا کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ فرمانے لگے مسئلہ تو یہی ہے مگر بعض نابالغوں کے پیچھے ہو بھی جاتی ہے (اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحب ہی مسجد دارالعلوم میں امامت کرتے تھے) فرمانے لگے تم نے کبھی پیر نابالغ بھی دیکھا ہے؟ جو چالیس برس کا بھی ہو اور نابالغ بھی؟ جاہلین وہ ۴۰ برس کا نابالغ میں ہوں (اس وقت تک حضرت کی شادی نہیں ہوئی تھی) اشارہ اسی طرف تھا۔

ایک دفعہ ملا علاؤالدین میرٹھی قلفی کا برف لیکر آئے۔ حضرت مہتمم صاحب مولانا محمد احمد مرحوم نے اس کو بلایا اور شاہ صاحب سمیت دوسرے اکابر کھانے لگے۔ کھانے کے دوران شاہ صاحب نے پوچھا کہ ملا جی! اس برف میں کتنا کما لیتے ہو؟ کہا کہ ساٹھ روپے۔ مسکرا کر فرمانے لگے کہ تو پھر تمہیں دارالعلوم

گیا کہ لیٹ کر مطالعہ کرتے ہوں۔ یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں۔ بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مودب انداز سے بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔ گویا مشہور مقولہ کے مطابق کہ علم اپنا بعض بھی کسی کو نہیں دیتا۔ جب تک اپنا کل اس کے حوالہ نہ کر دیا جائے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔ سبحان اللہ کہنے کو تو یہ بات چھوٹی سی نظر آتی ہے لیکن اس پر استقامت اور دوام ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہی کر سکتا ہے جسے حق تعالیٰ نے ایسے کاموں کے لیے موفق و میسر کر دیا ہے اور وہ گویا بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس سے دینی آداب کے عملی نمونے پیش کرائے جائیں کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ ۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اورا در دلش انداختند

ادب شیوخ و اکابر کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے کبھی آنکھ اٹھا کر یا آنکھ ملا کر گفتگو نہ فرماتے۔ حضرت شاہ صاحب اپنے باطنی کمالات کو ہمیشہ چھپائے رکھتے تھے اور یہ بھی بات ہے کہ علمی کمالات حضرت کے ساتھ ایسے خیرہ کن تھے اور علم کا حضرت پر ایسا غلبہ تھا کہ مجسمہ علم معلوم ہوتے۔ لیکن بقولے قرآن پاک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

آپ صحیح معنوں میں خدا ترس انسان تھے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات اور زندگی کے دوسرے پہلو اس کے نیچے بالکل دبے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو بھی جس کو سلوک و تصوف سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ اس علمی کمال اور شغف علمی سے دبا ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ یقیناً آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز تھے۔ لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔ ایک دفعہ واقعہ سنایا اور اس سلسلہ میں جو کچھ جوش آ گیا تو ایک آدھ بات کا پتہ چل گیا۔ فرمایا کہ :

"ایک دفعہ میں کشمیر سے یہاں کے لیے چلا۔ راستہ کی کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنا پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے۔ یہ مجھ سے اپنے پیر کے کمالات و کرامات کا تذکرہ کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں بھی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لیے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے۔ ان بزرگ نے اطلاع پا کر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لیے بھیجا۔ اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے باقی سب مریدین و طالبین نیچے فرش پر تھے۔ مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ، تخت پر بٹھایا۔ کچھ باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر بھی توجہ فرمائیں۔ انھوں نے توجہ دینا شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی۔ لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کچھ دیر بعد انھوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت نے یہ واقعہ اتنا ہی نقل فرمایا اور اس کے بعد ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا :۔

"یہ کچھ نہیں ہے لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں۔ معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں"۔

پھر اسی سلسلہ میں اور اسی جوش کی حالت میں فرمایا :۔

"اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت[1] اور شریعت و سنت پر استقامت ہے"[2]

حضرت علامہ اپنی اس جلالت قدر اور رفع منزلت کے باوجود اکابر دیوبند کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ایک دفعہ فرمایا :۔

---

[1] یہ اشارہ پیغمبر علیہ السلام کے اس ارشاد کی طرف ہے۔ جس میں آپ نے اس سوال کے جواب میں ما الاحسان۔ احسان کیا ہے؟ فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری) کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ یقین ہو کہ وہ (خدا) مجھے دیکھ رہا ہے۔

[2] بالکل یہی اہل دیوبند کا مسلک ہے کہ اصل چیز اتباع شریعت ہے (ارشد)

"ہم یہاں آئے (یعنی کشمیر سے ہندوستان)، تو دین حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھا۔ اس کے بعد حضرت استاذ (یعنی شیخ الہندؒ) اور حضرت رائپوری (یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا چاہے تو وہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے یہاں جا کر دیکھے"

> اندازہ کیجئے جن حضرات کی تعریف و توصیف انور شاہؒ جیسے محدث و فقیہہ کی زبان سے ہو رہی ہو۔ انکا مقام کتنا بلند ہوگا۔ اس کا مجھ جیسے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر اسی کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آرہا ہے۔ حضرت رائپوری علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے پیر و مرشد تھے۔ انکا ذکر شیخ عبدالقادرؒ کے حالات میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوری فرماتے تھے کہ کچھ دنوں میں نے بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہے۔ میں ایک دفعہ سنہری مسجد مدرسہ امینیہ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب ایک حجرے میں دروازہ بند کئے ذکر دو ضربی جہر کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اللہ، اللہ، اللہ، اللہ، دیر تک اسم ذات کرتے رہے۔ اس وقت عمر اکیس بائیس سال کی ہوگی۔ نیز فرمایا جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بازار نکلتے تو سر پر رومال ڈال کر آنکھوں کے سامنے پردہ کر کے نکلتے۔ مبادا کسی عورت پر نظر پڑ جائے۔

عارف باللہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت شاہ صاحب کا نام اور شہرت سُنی۔ دعا فرمایا کرتے کہ زندگی میں شاہ صاحب کی زیارت ہو جائے۔ ایک دفعہ لاہور حضرت کی تشریف آوری کی خبر سُن لی۔ کار بھیج کر دعوت دی۔ حضرت نے پہلے تو انکار فرما دیا۔ لیکن مولانا احمد علیؒ کے اصرار پر منظور فرما لیا۔ شرق پور پہنچے اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرق پور کو مشرف فرمایا۔ حضرت میاں صاحب بہت ہی ممنون ہوئے۔ حضرت کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھے اور کہا کہ آپ نائب رسول ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جناب کے چہرۂ مبارک پُر انوار کو دیکھتا ہی رہوں۔ گفتگو فرماتے رہے اور حضرت شاہ صاحب خاموش سنتے رہے۔ کہیں کہیں کچھ ارشاد فرماتے رہے۔ میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے نجات کی انشاء اللہ توقع ہو گئی ہے۔ حضرت جب واپس ہونے لگے تو نہر یا پُختہ سڑک تک ساتھ مشایعت کے لیے تشریف لائے۔ جب موٹر چلنے لگی تو پچھلے پاؤں واپس ہوئے فرمانے لگے کہ

"دیوبند میں چار نوری وجود ہیں۔ ایک ان میں سے حضرت شاہ صاحب بھی ہیں"[1]

دیوبند میں شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ شرقپور گئے تھے۔ میاں صاحب کو کیسے پایا۔

فرمایا:۔

"میاں صاحب عارف ہیں اور صحیح معنیٰ میں عارف ہیں۔ ("حیات انور" بروایت مولانا محمد انوری)

حضرت مولانا محمد انوری ہی رقمطراز ہیں کہ:

بہاول پور شہر میں جامع مسجد و دیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے لیے علماء کو بھیجتے رہتے تھے۔ دو دفعہ احقر کو بھی بھیجا۔ ان ایام میں اس قدر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارکہ پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرما رہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں۔ حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔ بہاولپور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ پڑھایا کرتے تھے بعد نماز کچھ بیان بھی ہوتا تھا۔ ہزاروں ہزار کا مجمع رہتا تھا پہلے جمعہ میں فرمایا کہ

"حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لیے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکایک مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لیے بہاولپور آ جیئے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاولپور کا سفر کیا۔ یہ خیال کیا کہ ہمارا نامۂ اعمال تو سیاہ ہے ہی۔ شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانب دار ہو کر بہاول پور میں آیا تھا"

بس اس فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ و پکار پڑ گئی۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔ ایک مولوی صاحب نے اختتام وعظ پر فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کی شان ایسی اور آپ ایسے بزرگ ہیں۔ وغیرہ۔ حضرت فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا:۔

---

[1] یہ روایت حضرت میاں صاحب کے اخص اصحاب صوفی محمد ابراہیم صاحب نے حضرت میاں صاحب کی سوانحعمری خزینۂ معرفت میں بھی لکھی ہے۔ بہت افسوس کا مقام ہے کہ شرقپور کے موجودہ صاحبزادوں نے خزینۂ معرفت کی نئی اشاعت میں اس روایت کو حذف کر دیا ہے۔

کارکنوں کے حوصلے بڑھا دیئے اور یہ لوگ کھل کر سامنے آنے لگے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جیسا محب رسول عالم اور نور بصیرت و دانش سے بہرہ مند انسان اس پر تلملا اٹھا اور حضرت شاہ صاحب نے اس سلسلے میں سب سے جامع کام کیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً ــــ "بے شک ابراہیم امت تھے" یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے تو ایک فرد تھے۔ لیکن کام کے لحاظ سے ایک امت کے برابر انھوں نے کام کیا۔ بعینہٖ اسیطرح شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اس امت محمدیہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ والسلام کے ان جامع افراد میں سے ایک تھے۔ جنھوں نے بیک وقت مختلف محاذوں پر کام کیا اور جن کے نور معرفت نے ہر شعبہ زندگی میں برقی لہر دوڑا دی۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہم اجمالی طور پر مختصراً ختم نبوت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ختم نبوت کے سلسلہ میں کام کرنے کے کئی تھے۔ ایک تو یہ تھا کہ خالص علمی انداز میں ردّ مرزائیت کیلئے ایک جماعت ہو۔ جو نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کام کو سرانجام دے۔ ایک صورت یہ تھی کہ شعلہ نوا مقرروں کی ایک کھیپ تیار کی جائے۔ جو اپنی شعلہ نوائی اور آتش بیانی سے عوام کو اس تحریک کے خفیہ مقاصد سے آگاہ کرے اور حسب ضرورت قربانی سے بھی گریز نہ کرے۔ ایک پہلو کام کرنے کا یہ تھا کہ کسی ایک بڑی شخصیت کو ردّ مرزائیت کا مبلغ بنا دیا جائے۔ جس کا ایک ایک لفظ خرمن قادیانیت کے لیے صاعقۂ برق ثابت ہو۔ ایک انداز کام کرنے کا یہ تھا کہ اگر مرزائی متکلمین تحریر کے ذریعے تبلیغ کریں تو ان کے مقابلہ کرنے والے تحریر میں ان کا جواب دیں۔ ایک شعبہ کام کرنے کا یہ تھا کہ مناظروں میں انکو شکست دی جائے۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حضرت شاہ صاحب نے ان تمام محاذوں پر بطور خود سالار اعلیٰ کے فرائض انجام دے اور ہر موقعہ و جگہ کے لیے کام کرنے والے افراد کی تربیت کی اور انکو آگے لائے۔

علمی میدان میں شاہ صاحب نے علماء کے لیے عربی اور فارسی میں مختلف رسائل لکھے۔ جو ردّ مرزائیت میں اصولی انداز پر حرف آخر ہیں اور اسی طرح علماء کی تربیت کی کہ وہ اس محاذ پر علمی رنگ میں کام کریں۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب میرٹھی۔ مہاجر مدنی جیسے یگانہ روزگار اہل قلم کو اس طرف متوجہ کیا۔ عوامی سطح پر کام کرنے کے لیے مجلس احرار اسلام کو متوجہ کیا اور لاہور انجمن خدام الدین کے جلسہ پر اردو زبان کے سب سے بڑے عوامی خطیب اور شعلہ نوا جادو بیان مقرر مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو اس بارے میں امیر شریعت کا خطاب دیا اور سب سے پہلے خود ان کی بیعت کی اور اسی مجلس میں پانچ سو جید علماء نے حضرت کی اقتداء میں بخاری علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دنیا جانتی ہے کہ حضرت امیر شریعت کی قیادت میں مجلس احرار نے ردّ مرزائیت پر جو کام کیا۔ وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ اسی طرح فلسفی شاعر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو مرزائیت کے خدوخال سے آگاہ کیا اور انھوں نے جیسا کہ مولانا سعید احمد ایم۔ اے اکبر آبادی کے حوالہ سے گزشتہ سطور میں گزر چکا ــــ ردّ مرزائیت پر جو کام کیا۔ وہ حضرت علامہ کشمیری کی توجہ کا اثر تھا۔ خود حضرت شاہ صاحب کا اس مسئلہ پر خصوصی توجہ فرمانا علماء و خواص کے لیے کافی تھا۔ مزید برآں علامہ اقبال، جیسے عظیم مفکر و شاعر کی توجہ خصوصی اس طرف مبذول کر دینے نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ آخری کام یہ تھا کہ اگر کہیں مرزائی مبلغ مناظرہ کا کھیل کھیلیں۔ تو اس میدان میں بھی ان کی سرکوبی کی جائے۔

فیروز پور میں مرزائیوں کے ساتھ ایک مناظرہ طے پایا اور عام مسلمانوں نے جو فن مناظرہ سے ناواقف تھے۔ مرزائیوں کے ساتھ بعض ایسی شرائط پر مناظرہ طے کر لیا۔ جو مسلمان مناظرین کے لیے خاصی پریشان کن ہو سکتی تھیں۔ دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے صدر مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحب کے مشورہ سے مناظرہ کے لیے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری، حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی تجویز ہوئے۔ یہ حضرات جب فیروز پور پہنچے تو مرزائیوں کی شرائط کا علم ہوا۔ کہ انھوں نے کس طرح دجل سے من مانی شرائط سے مسلمانوں کو جکڑ لیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں کہ یا تو ان شرائط پر مناظرہ کیا جائے یا پھر انکار کر دیا جائے۔ پہلی صورت مضر تھی۔ دوسری صورت مسلمانان فیروز پور کے لیے سبکی کا باعث ہو سکتی تھی کہ دیکھو تمہارے مناظر بھاگ گئے۔ انجام کار انہی شرائط پر مناظرہ کرنا منظور کر لیا گیا اور حضرت شاہ صاحب کو تار دیدیا گیا۔ اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا اور عین اسی وقت دیکھا گیا۔ کہ حضرت شاہ صاحب بنفس نفیس حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ انھوں نے آتے ہی اعلان فرمایا کہ جا یئے ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرائط مسلمانوں سے منوالی ہیں۔ اتنی شرائط اور من مانی لکھوالو۔ ہماری طرف سے

کوئی شرط نہیں۔ مناظرہ کرو اور اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔ چنانچہ اسی بات کا اعلان کر دیا گیا۔ اور مفتی صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سید بدر عالم صاحب نے مناظرہ کیا۔ اس میں مرزائیوں کی جو درگت بنی۔ اس کی گواہی آج بھی فیروزپور کے در و دیوار دے سکتے ہیں۔ مناظرہ کے بعد شہر میں جلسۂ عام ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے تقریریں کیں۔ یہ تقریریں فیروزپور کی تاریخ میں یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے لوگ جو قادیانی دجل کا شکار ہو چکے تھے۔ اس مناظرہ اور جلسے کے بعد اسلام پر واپس لوٹ آئے۔

علامہ کشمیری کا دورۂ پنجاب

۱۳۴۳ھ میں حضرت شاہ صاحب نے پنجاب کا ایک وسیع دورہ کیا۔ تاکہ مختلف مقامات پر قادیانیوں نے قادیانی منطق کا جو جال پھیلا رکھا ہے۔ اس کا تار و پود بکھیرا جائے۔ چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید محمد بدر عالم صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی معیت میں حضرت شاہ صاحب پنجاب کے دورے پر نکلے۔ یہ علم و عمل کے پہاڑ اور فضل و ولایت کے سمندر لدھیانہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات اور راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ، ہزارہ اور کوئٹہ وغیرہ میں جلسوں میں مرزائیوں کو للکارتے پھرے۔ مرزائی دجال جو آئے دن اہل اسلام کو مناظروں کے چیلنج کرتے پھرتے تھے۔ ایسے چھپے کہ کہیں ایک جگہ بھی چہرہ نہ دکھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔

بہاولپور کا معرکۃ الآرا تاریخی مقدمہ

بہاولپور ———— ۱۹۲۶ء میں احمدپور شرقیہ بہاولپور کی ایک مسلمان عورت نے کی ایک عدالت میں دعویٰ کیا کہ اس کا شوہر مرزائی ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کا نکاح فسخ کیا جائے۔ سات سال تک یہ مقدمہ بہاولپور کی ادنیٰ عدالتوں میں پیش ہوتا رہا۔ بالآخر دربار معلیٰ میں پہنچا۔ ۱۹۳۳ء میں دربار معلیٰ سے یہ طے ہو کر کہ اس مسئلے کی دونوں طرف کے علماء کی شہادتیں لے کر تنقیح کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے۔ پھر نچلی عدالت میں آیا۔ مدعیہ غریب عورت تھی۔ اس کے بس کی بات نہ تھی کہ اتنا لمبا چوڑا کام کرے۔ درآں حالیکہ دوسری طرف قادیان کا بیت المال اور رجال کا رسب کچھ اس کیلئے وقف ہو گیا۔ لیکن الحمد للہ بہاولپور کے غیور مسلمانوں کی انجمن موید الاسلام نے اسکا بیڑا اٹھایا اور شیخ الجامعہ بہاولپور کی زیر سرپرستی تمام مشاہیر علماء کو شہادت کے لیئے دعوت دی۔ حضرت شاہ صاحب ان دنوں ڈابھیل میں صدر مدرس تھے۔ مگر بوجہ علالت دیوبند میں فروکش تھے۔ لیکن جب اس مسئلہ کا علم ہوا تو اپنی صحت اور دیگر مصروفیتوں کی پرواہ کئے بغیر دیگر مشاہیر کی معیت میں تاریخ مقدمہ سے کئی روز پیشتر بہاولپور میں تشریف لائے اور تقریباً ۲۵ روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔

حضرت علامہ کشمیری کا تین دن مسلسل بیان ہوتا رہا۔ ناظرین و سامعین کا بیان ہے کہ حضرت کے بیان کے وقت احاطۂ عدالت میں سکتہ طاری رہتا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا سوائے قدرت باری تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں۔ بیان ۶۰ صفحات پر قلمبند ہوا۔ لیکن سارا از اول تا آخر نہیں۔ صرف اتنا طبع ہوا۔ جو حضرت جج صاحب کو لکھواتے تھے۔ جو جو عبارات اثنار بیان میں تشریحات و تفسیرات کے ساتھ پیش کی جاتی تھیں وہ قلم بند نہیں ہوئیں۔ نیز حوالہ جات میں حرف اول اور آخر لفظ لے لیا گیا۔ حالانکہ حضرت پوری عبارت مع تشریح و تفسیر سناتے تھے۔ اگر پورا بیان مفصل شائع کیا جاتا تو تقریباً ایک سو ساٹھ صفحات پر پھیل جاتا۔

بہرحال حضرت علامہ کشمیری رح اور دوسرے محقق علماء کے بیانات ہوئے اور مقدمہ کا فیصلہ ۱۹۳۵ء، فروری کو سنایا گیا جو ایک سو باون صفحات پر اردو زبان میں شائع ہوا اور ڈسٹرکٹ جج نے مرزائی کو مرتد قرار دیتے ہوئے نکاح فسخ کر دیا۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ عدالتی سطح پر اہل اسلام کی اتنی بڑی فتح یہ حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی قدر کی بدولت ہوئی۔ اس مقدمہ کی مفصل کارروائی مطبوعہ ملاحظہ کی جائے۔ یا پھر حیات انور نامی کتاب میں حضرت مولانا محمد انوری صاحب کا مضمون پڑھا جائے۔ جس میں اس روداد کا اجمالی سا خاکہ آگیا ہے

قادیان میں اعلان حق

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ہے کے مصداق حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اعلان حق کرنے کے لیے نیز تصفیۂ زمین بر سر زمین کی خاطر کئی دفعہ قادیان تشریف لے گئے اور وہاں پبلک جلسہ کر کے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ مرزائیوں نے حکام سے مل کر بہت کوشش کی کہ ان جلسوں پر پابندی لگا دی جائے۔ مگر یہ جلسے جس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس کی بنا پر پابندی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب قادیانی جلسے بند کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر جلسہ سے قبل حضرت شاہ صاحب کو دھمکی آمیز خطوط لکھا کرتے کہ اگر تم یہاں آئے تو قتل کر دیئے جاؤ گے اور واپس نہ جا سکو گے اور یہ صرف دھمکی ہی نہ ہوتی تھی بلکہ کئی ایک دفعہ عملاً کوشش کی گئی مگر۔

کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں (ان دنوں حضرت کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی)

بہر حال شاہ صاحب علمی وعملی کمالات رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش طبع بھی تھے۔ مگر اس کے باوجود مجلس شرعی آداب سے بھر پور ہوتی تھی جس میں غیر متعلق فضول اور لایعنی باتوں کا کوئی وجود نہ ہوتا تھا۔ اگر کسی نے کسی کی برائی یا فضول بات شروع کی تو منع فرماتے کہ بھائی ہمیں اس کی فرصت نہیں ہے۔ کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو پوچھیے ورنہ جاؤ۔ ہمارا وقت ایسی باتوں کے لیے فارغ نہیں۔ وقت کی بہت زیادہ قدر اور حفاظت کرتے تھے۔

اوقات کا بڑا حصہ مطالعہ کتب میں گزرتا تھا۔ ذوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ طبعی اور شرعی ضروریات کے علاوہ کوئی وقت کتب بینی یا افادہ سے خالی نہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ فتح الباری کا (جو تیرہ جلدوں کی کتاب ہے) تیرھویں دفعہ مطالعہ کر رہا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ میں درس کے لیے کبھی مطالعہ نہیں دیکھتا۔ مطالعہ کا مستقل سلسلہ ہے اور درس کا مستقل۔ اس لیے ہر سال درس میں نئی نئی تحقیقات آتی رہتی ہیں۔

اخلاق

علم وفضل کی بلندی کے تناسب سے اخلاق بھی نہایت بلند اور پاکیزہ تھے۔ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کوئی سائل حضرت کے پاس آیا ہو اور نامراد گیا ہو۔ جیب میں جو کچھ ہوتا۔ اٹھنی یا روپیہ سائل کے حوالہ کر دیتے۔ ایسی بات کرنے سے احتراز کرتے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ ایک دفعہ امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں کے ایک نامی گرامی بیرسٹر بربنائے عقیدت حاضر ہوئے۔ لیکن داڑھی مونچھ صاف ہونے کی وجہ سے جھینپے جھینپے سے بیٹھے۔ شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ آپ نے بھانپ لیا اور فرمایا بیرسٹر صاحب آپ کیوں خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں کا فعل اگرچہ مختلف ہے۔ لیکن غرض وغایت دونوں کی ایک ہی ہے یعنی دنیا کمانے میں اگر مولوی ہو کر داڑھی نہ رکھوں تو کوئی مجھے کھانے کو نہ دے۔ اور اسی طرح اگر آپ بیرسٹر ہو کر داڑھی صاف نہ کرائیں تو ہر کوئی کہے کہ ابلے ان کو بیرسٹر کس نے بنا دیا۔ یہ تو ملا جی ہیں۔ تو پھر آپ کو بھی بیرسٹری کے نام پر روٹی نہ ملے۔ جب ہم دونوں کی غرض ایک ہے، تو محض اختلافِ فعل پر آپ شرمندہ کیوں؟

خودداری

عام اخلاق وفضائل کے ساتھ حضرت شاہ صاحب میں خودداری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ برار کے قضیہ کے سلسلہ میں نظام حیدر آباد دہلی آئے ہوئے تھے کہ خود نظام کی خواہش پر حضرت شاہ صاحب بھی دیوبند سے دہلی تشریف لائے اور وقت مقررہ پر نظام کی قیام گاہ پر پہنچے۔ خبر ہوتے ہی نظام نے اندر بلا لیا۔ حضرت شاہ صاحب پہنچے تو عام آداب وشرائط کا لحاظ اور نہ کسی شاہی دستور وآئین کی پابندی۔ روبرو ہوتے ہی شاہ صاحب نے پیش قدمی کی اور خالص اسلامی طریقہ پر السلام علیکم کہا۔ نظام پیشوائی کے لیے آگے بڑھے اور وعلیکم السلام کہہ کر شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ایک کرسی پر لیجا کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد جو گفتگو ہوئی وہ زیادہ تر دائرۃ المعارف کے کام سے متعلق تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے حدیث کی چند اہم کتابوں اور ان کے قلمی نسخوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر آپ ان کو بھی حاصل کر کے دائرۃ المعارف کی طرف سے شائع کر دیں تو بلاشبہ علم حدیث کی اور اس کے واسطے سے اسلام کی یہ بڑی خدمت ہوگی۔ اس زمانہ میں دیوبند سے ایک ہفت روزہ اخبار "مہاجر" نکلتا تھا ــــ اس کے ایڈیٹر نے اس ملاقات کی خبر چھاپنے کا ارادہ کیا تو عام ذہنوں کے مطابق "بارگاہ خسروی میں حضرت علامہ کشمیری کی باریابی"، یا اس مفہوم کی کوئی اور عبارت بطور عنوان خبر لکھی۔ چھپنے سے پہلے اتفاق سے شاہ صاحب کو خبر ہو گئی تو حد درجہ خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں ہر چند ایک امردِ بے مایہ و بے بضاعت ہوں لیکن اتنا منکسر المزاج بھی نہیں کہ یہ عنوان گوارا کر لوں۔ کیسی بارگاہ خسروی اور کیسی اس میں باریابی؟ صاف لکھیے کہ نظام اور انور شاہ کی ملاقات

ایک مرتبہ حیدر آباد کے مولوی نواب فیض الدین صاحب ایڈووکیٹ نے حضرت شاہ صاحب کو اپنی لڑکی کی شادی میں بلایا۔ چونکہ نواب صاحب اور ان کے خاندان کو علمائے دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا۔ دوران قیام میں بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحب اور نظام کی ملاقات ہو جائے حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ مجھ کو ملنے میں عذر نہیں ہے۔ لیکن اس سفر میں نہیں ملوں گا۔ کیونکہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت تھا اور بس۔ اور میں اس کو خالص ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام کا بھی ایما تھا مگر شاہ صاحب رضامند نہیں ہوتے

اسی قیام حیدر آباد کے زمانہ میں ایک روز سر اکبر حیدری کا فون آیا (جو بعد میں آسام کے گورنر بنے) کہ میں مولانا انور شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں فرمایا کہ انھیں کہہ دو میں یہیں ہوں آ جائیں۔ حیدری صاحب کو پیام پہنچا یا گیا تو انھوں نے کہا۔ بہت اچھا میں حاضر ہوتا ہوں۔ مگر میرے آنے پر حاضرین مجلس کو اٹھا دیا جائے۔ میں تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت کو پیام دیا گیا تو فوراً ارشاد فرمایا کہ ناممکن ہے کہ میں حیدری صاحب سے باتیں کرنے کے لیے حاضرین مجلس کو چھوڑ کر الگ جا بیٹھوں یا ان لوگوں سے میں کہوں کہ چلے جائیں۔

اسلامی غیرت وحمیّت

حضرت علامہ کشمیری طبعاً بڑے حلیم اور بردبار تھے۔ لیکن اسلامی اور دینی معاملات میں وہ کسی طرح کے تساہل یا غفلت شعاری کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

مقدمہ بہاولپور میں مرزائی وکیل ایک دفعہ کہنے لگا کہ فلاں بزرگ مرزا غلام احمد کو کافر نہیں کہتے۔ آپ نے فرمایا نہ کہتے ہوں گے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس نے اس بات کی تکرار کی۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس بزرگ سے نواب بہاول پور کا روحانی تعلق تھا۔ مرزائی وکیل چاہتا تھا کہ شاہ صاحب کوئی سخت بات کہیں جس سے مقدمہ پر کوئی اثر پڑے۔ شاہ صاحب سمجھ گئے تھے۔ اس لیے نرمی سے کہتے رہے کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب اس نے تکرار کی تو شاہ صاحب جلال میں آگئے اور تن کر فرمایا۔ "اللہ کی جہنم بہت وسیع ہے اس میں (اس بزرگ کا نام لے کر) وہ بھی جا سکتا ہے۔ فبہت الذی کفر۔ مرزائی حیران دیکھتا رہ گیا۔

ایک دفعہ ڈابھیل سے دیوبند جا رہے تھے۔ دہلی سٹیشن پر گاڑی بدلنا تھی۔ کافی دیر رکنا پڑا۔ دوران گفتگو حضرت کو معلوم ہوا کہ دہلی میں قادیانیوں کا تین دن تک جلسہ ہوتا رہا جس میں ہر قسم کی تقریریں کی گئیں۔ لیکن علمائے اسلام میں سے کسی شخص نے جلسہ میں پہنچ کر ان کو مناظرہ کی دعوت نہیں دی۔ حضرت علامہ غصہ میں اگر مولانا سعید احمد ایم اے اکبرآبادی سے فرمانے لگے۔ "مولوی صاحب! کسی شریف آدمی کی توہین گالی سننے ہی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر وہ کوئی اپنے مرتبہ سے گرا ہوا کام کرے تو اس سے بھی اس کی توہین ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی کہ گالی وغیرہ سے۔

اس پر ایک واقعہ سنایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے پاس ایک متمول اور باعزت آدمی نے ایک شخص زبرقان نامی کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ایک شعر میں اس کی بڑی شدید ہجو کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے شاعر سے جواب طلب کیا تو اس نے کہا، امیر المؤمنین میں نے تو اس کی مدح کی ہے نہ کہ مذمت۔ دیکھئے میں کہتا ہوں:۔

دع المکارم لا ترحل لبغیتہا   واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

ترجمہ:۔ تو چھوڑ بزرگیوں اور بڑی طاقتوں کو۔ مت سفر کران کی طلب میں۔ تو بیٹھا بھی رہ (اپنے گھر کے اندر) کیونکہ تو کھانے والا بھی ہے اور پہننے والا بھی۔ ماشاء اللہ خوب کھاتا پیتا آدمی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے یہ شعر سنا تو فرمایا۔ استغاثہ بالکل صحیح ہے۔ درحقیقت ایک شریف آدمی کی اس سے زیادہ توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ حصول مکارم کو غیروں کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

زبان اردو و انگریزی کی اہمیت

ایک دفعہ دورہ حدیث شریف کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں نے اپنے عربی و فارسی ذوق کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ اردو پڑھنے لکھنے سے احتراز کیا۔ یہاں تک کہ عام طور سے اپنی خط و کتابت کی زبان بھی میں نے عربی فارسی ہی رکھی۔ لیکن اب مجھے اس پر بھی افسوس ہے۔ ہندوستان میں اب دین کی خدمت اور دین کا دفاع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اردو میں مہارت پیدا کی جائے اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے میں اس بارے میں آپ صاحبان کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں۔"

ختم نبوّت اور حضرت شاہ صاحب

اس صدی کے دو چار عظیم فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کاذبہ کا فتنہ ہے اور یہ فتنہ اس لحاظ سے اور بھی شدید تھا کہ اس کو اس وقت حکومت کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا جس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ اللہ کی شان ہے کہ آج دوپہر کے وقت بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ انگریز کی اب موثر حکومت صرف اپنے ہی ملک پر ہے اور وہاں سورج سال میں کبھی کبھار ہی نظر آتا ہے۔ اور یہ بات صرف ہمارا قیاس ہی نہیں۔ خود متنبیّ قادیان نے کہا ہے کہ وہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اور یہ بات اور بھی نمایاں ہو کر اس وقت سامنے آگئی۔ جب سقوط بغداد پر مرزائیوں نے قادیان میں گھی کے چراغ جلائے۔

غلام احمد قادیانی کی نبوت مذہبی سے زیادہ سیاسی تحریک تھی۔ مگر اس کو مذہبی رنگ میں پیش کیا گیا اور قادیانی اسلامی اصطلاحوں اور علمی مغالطوں کے ذریعے مسلمان کی دولت ایمان کو لوٹنے لگے۔ اسلامیان ہندوستان اس سے برافروختہ ہوئے اور ہر مسلک و خیال کے سرآوردہ حضرات نے اس سلسلہ میں کافی کام کیا اور حق یہ ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اور ابوالوفا مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ اجمعین نے ردّ مرزائیت میں خوب کام کیا۔ جنگ عظیم میں سقوط بغداد پر قادیان میں گھی کے چراغ جلنے اور اس جنگ میں مرزائیوں کے علی الاعلان انگریزوں کی حمایت نے اس جماعت کے

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تصانیف

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کی تربیت سے ایسے متبحر اور عظیم عالم پیدا ہوئے۔ کہ جن کی نظیر کم از کم اس برصغیر میں ملنا مشکل ہے۔ حضرت کے حافظہ، فہم و ذکا، اور جودتِ ذہن کے متعلق سابق میں گزر چکا ہے کہ حضرت اس بارے میں آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اگر چاہتے تو ایک ہی نشست میں جس موضوع پر قلم اٹھاتے بیش قیمت کتاب ترتیب دے لیتے مگر اس کے باوجود حضرت کی افتادِ طبع کچھ اس طرح کی واقع ہوتی تھی کہ انہوں نے تصنیف و تالیف کی طرف کم توجہ دی اور کسی بڑے عالم کی تصانیف نہ ہونا یا کم ہونا۔ اس کی عظمت و جلالت میں کمی نہیں کرتا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ قدر و فضل و علم سے کون ناواقف ہے کہ آج دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت امام کی تصانیف نہ ہونے کے برابر ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کی طرف چلئے تو حضرت ابوہریرہ رض کی روایات سب صحابہ رض سے زیادہ نظر آئیں گی مگر حضرت صدیق اکبر رض اور فاروق اعظم رض کی مرویات انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔ کیا یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے صدیق اکبر رض اور فاروق اعظم رض کم تھے۔ کیونکہ ان کی مرویات کم ہیں۔ ان کی دوسری مصروفیات اور شغل حل و تدبیر نے ان کو اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ اس بارے میں بھی توجہ کر سکیں۔

حضرت مولانا سید محمد بدر عالم نے ایک دفعہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی شرح تالیف فرما دیتے تو پسماندگان کے لیے سرمایہ ہوتا۔ غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھا کر پیٹ پالا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی حدیث کی خدمت بکتی رہے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اس کے باوجود علمی اور دینی تقاضوں کی وجہ سے چند رسائل ایسے یادگار چھوڑ گئے جن کی رہتی دنیا تک قدر ہوتی رہے گی۔ اور

زمانہ جسے لے کر آفتاب کرتا ہے انہی کی رگ میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

کے مصداق علماء کو مشعل راہ کا کام دیں گے۔

حضرت کی یہ چند مایۂ ناز تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام	۲۔ تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسٰے علیہ السلام
۳۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح	۵۔ خاتم النبیین (فارسی)
۴۔ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین	۶۔ فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب
۷۔ خاتمۃ الخطاب فی فاتحۃ الکتاب (فارسی)	۸۔ نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین ھداللمعہ فی صلوۃ الجمعہ
۹۔ بسط الیدین لنیل الفرقدین	۱۰۔ کشف الستر عن صلاۃ الوتر ۱۹۔ خزائن الاسرار
۱۱۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم	۱۲۔ مرقاۃ الطارم لحدوث العالم
۱۳۔ ازالۃ الرین فی الذب عن قرۃ العینین	۱۴۔ سہم الغیب فی کبد اہل الریب

ان کتابوں کے علاوہ حضرت کی وہ تقریریں جو درس کے وقت املا کرتے تھے اور جن کو حضرت کے اجلہ تلامذہ نے تحریر کیا ہے۔ ان میں مشہور ترین تقریر فیض الباری کے نام سے جو مولانا سید بدر عالم میرٹھی نے تحریر کی ہے۔ چار جلدوں میں چھپ چکی ہے اور تمام علماء کے حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ بخاری کی تقریر ہے۔ اسی طرح العرف الشذی درس جامع ترمذی کی املا ہوئی ہے جس کو مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ نے اور انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد جس کو مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے منضبط کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم کی املائی شرح منضبط کردہ مولانا مناظر احسن گیلانی اور حاشیہ سنن ابی داؤد منضبط کردہ مولانا سید محمد ادریس صاحب سکروڈوی غیر مطبوعہ ہیں۔ اور اب اردو میں شرح بخاری بنام انوار الباری حضرت شاہ صاحب کے افادات ۲۲ حصوں میں ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہو رہے ہیں۔ ان سب شرحوں کو دیکھا جائے تو یہ شرحیں بے شمار نئی پرانی شرحوں سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جو حضرت کے شاگردانِ رشید میں سے ایک ہیں۔ نے حضرت کی حیاتِ طیبہ پر ایک کتاب بنام نفحۃ العنبر بزبان عربی لکھی ہے۔ اس میں حضرت کی خصوصیات نیز ان کے علمی شہ پاروں کی مکمل تفصیل بیان فرمائی ہے شائقین اس طرف مراجعت فرمائیں۔ نیز حیاتِ انور کے نام سے ایک کتاب اردو میں شائع ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت کے اجلہ تلامذہ نے حضرت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مطالعہ کے قابل ہے۔

حمیدایں قصۂ عشق است در دفتر نے گنجد

اجلۂ تلامذہ دارالعلوم کے تقریباً ۱۰ سالہ قیام میں کم ازکم دو ہزار طلبہ حضرت شاہ صاحب سے بلاواسطہ مستفید ہوئے۔ ان کی مکمل فہرست کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو گوشۂ گمنامی میں خدمتِ دین میں مصروف ہیں اور وہ بھی ہیں جو علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور چمک رہے ہیں۔ مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ
۲۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۳۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیوہاروی
۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان
۶۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۷۔ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رح
۸۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۹۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب مصنف علماء کا شاندار ماضی وغیرہ
۱۰ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب بانی وناظم ندوۃ المصنفین
۱۱ حضرت مولانا فخرالدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
۱۲ حضرت مولانا محمد انوری صاحب لائل پور
۱۳ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی شیخ الحدیث
۱۴ حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب سلکی بانی مجلس علمی
۱۵ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی
۱۶ مولانا سعید احمد ایم اے اکبر آبادی
۱۷ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
۱۸ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ
۱۹ مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی
۲۰ حضرت مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی رح
۲۱ 〃 〃 مولانا میرک شاہ صاحب
۲۲ 〃 〃 مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی
۲۳ 〃 〃 مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رح
۲۴ 〃 〃 مولانا مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث
۲۵ 〃 〃 مولانا مفتی محمد یوسف صاحب میر واعظ کشمیر رح
۲۶ 〃 〃 مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی رح
۲۷ 〃 〃 مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی
۲۸ 〃 〃 مولانا عبدالرحمان صاحب کیمبلپوری رح
۲۹ 〃 〃 مولانا حامد الانصاری غازی
۳۰ 〃 〃 مولانا مصطفٰے احسن علوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی
۳۱ 〃 〃 مولانا فیوض الرحمان صاحب
۳۲ 〃 〃 مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری
۳۳ 〃 〃 مولانا عبداللہ صاحب رح خانقاہ سراجیہ کندیاں
۳۴ 〃 〃 مولانا سلطان محمود صاحب رح سابق صدر مدرس شیخ الحدیث فتح پور دہلی
۳۵ 〃 مولانا قاضی شمس الدین گوجرانوالہ
۳۶ 〃 مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رح
۳۷ 〃 مولانا محمد وجیہ اللہ صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
۳۸ 〃 مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب بی ایس سی ایم بی بی ایس
۳۹ 〃 مولانا طفیل احمد صاحب قادری بانی دارالتصنیف کراچی
۴۰ 〃 مولانا عبدالحق صاحب نافع
۴۱ 〃 مولانا شمس الحق صاحب افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور
۴۲ 〃 مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مکی خطیب چاٹگام
۴۳ 〃 مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری
۴۴ 〃 مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی
۴۵ 〃 مولانا اسماعیل یوسف گارڈی ڈابھیلی
۴۶ 〃 مولانا سید جمیل الدین انسپکٹر آف سکولز بہاولپور رح
۴۷ 〃 مولانا اطہر علی صاحب سلہٹ
۴۸ 〃 مولانا خواجہ عبدالحی صاحب سابق استاد جامعہ ملیہ رح
۴۹ 〃 مولانا محمد امین صاحب حسن ابدالہ
۵۰ 〃 مولانا شبیر علی صاحب تھانوی
۵۱ 〃 مولانا لطف اللہ صاحب پشاوری
۵۲ 〃 مولانا انوار الحسن شیرکوٹی
۵۳ 〃 مولانا مفتی ابراہیم صاحب سنبھلوی
۵۴ 〃 مولانا ڈی ای - بیرا صاحب
۵۵ 〃 مولانا محمد اسماعیل صاحب کاچھوی

۵۶ • مولانا صالح محمد منگیرا ۵۸ • مولانا موسیٰ عجام جی

۵۷ • مولانا محمد الحبیلدایا صاحب ڈابھیلی ۵۹ • مولانا نعمانی

آخری سات حضرات نے افریقہ میں بہت زیادہ علمی دینی کام کیا ہے۔ مندرجہ بالا حضرات وہ گرامی قدر شخصیات ہیں جنکی علمی دینی تبلیغی خدمات سے پوری علمی دنیا متعارف ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک ادارہ۔ ایک انجمن ایک جماعت ہے۔ اور خود ان کے مسترشدین اور تلامذہ لاکھوں کی تعداد میں دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

علامہ کشمیری کی اولاد و اعزہ

حضرت مولانا محمد معظم شاہ صاحب کے سات صاحبزادے اور پانچ صاحب زادیاں تھیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے مولانا یٰسین شاہ صاحب تھے۔ وہ بڑے ذکی، فہیم، عالم و شاعر تھے۔ انکا انتقال بعمر ۲۳ سال حضرت شاہ صاحب کے قیام مدرسہ امینیہ کے زمانہ میں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ ۱۳۲۰ھ میں دہلی سے کشمیر واپس ہو گئے تھے۔ دوسرے بھائیوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ مولانا عبداللہ شاہ صاحب، مولانا سلیمان شاہ صاحب، محمد نظام الدین شاہ صاحب، مولانا سیف اللہ شاہ صاحب فاضل دیوبند، محمد شاہ صاحب حضرت شاہ صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ بعد حضرت والد ماجد کی وفات ایک سو کچھ سال کی عمر میں ہوئی۔ پھر چند سال بعد مولانا سلیمان شاہ صاحب کا وصال ہوا۔ اب الحمد للہ باقی بھائی اور ایک دو بہن بھی زندہ ہیں۔

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔ ان سب میں بڑی صاحب زادی عابدہ خاتون تھیں۔ انکا اور منجھلے صاحب زادے محمد اکبر شاہ کا بعمر جوانی انتقال ہوا۔

بڑے صاحب زادے حافظ محمد ازہر شاہ صاحب قیصر عرصہ سے دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ کامیاب اور کہنہ مشق صحافی ہیں۔ قلم میں خوب جولانی و روانی ہے۔ ان کے تین صاحبزادے محمد اطہر، محمد راحت، محمد نسیم، اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ سلمہم اللہ تعالیٰ

چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد انظر شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند میں لائق استاد اور فاضل محقق و مصنف ہیں۔ ان کے ایک صاحبزادے احمد اور دو صاحب زادیاں ہیں۔ سلمہم اللہ تعالیٰ

چھوٹی صاحب زادی راشدہ خاتون مولانا سید احمد رضا بجنوری مولف "انوار الباری" کے عقد میں ہیں اور ان سے پانچ بچے اور دو بچیاں ہیں سلمہم اللہ تعالیٰ

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اس مضمون کی ترتیب و تدوین
ہماری ہے۔ لیکن اس کے تمام تر مشتملات
حضرت علامہؒ کے ارشد تلامذہ مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ
قاری محمد طیب صاحب مدظلہ۔ مولانا سید احمد اکبر آبادی۔ مولانا
محمد انوری، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی
مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا سید محمد میاں صاحب حضرات کے
مضامین سے ماخوذ ہیں۔ جو حیات انور کے نام سے چھپ چکے
ہیں۔ انوار الباری سے بھی استفادہ کیا
گیا ہے!

محمد ضیاء الرحمٰن ضیاؔ بھاگلپوری

حضرت علّامہ انور شاہ کشمیریؒ

گلستانِ وادیٔ لولاب کا تازہ گلاب ۱ چہرۂ انوؔر تھا شرحِ آئینہ نور و کتاب

تھا جبینِ پاک پہ سیمائے من اثر السجود ۲ دیکھ کر حلقہ بگوشِ دیں ہوئے اہلِ جحود

سلکِ قرنِ اوّلیں کا گم شُدہ دُرِّ فرید ۳ جانِ محمود الحسنؒ، نورِ دلِ احمد رشیدؒ

دین کی حقانیت کا حجت و برہاں رہا ۴ تھا فرشتہ اور گمانِ حضرتِ انساں رہا

چلتا پھرتا وہ کتب خانہ تھا مثلِ زیلعیؒ ۵ نکتہ دانِ فقہ و میرِ اذکیاء و ترمذی

فلسفی و آشنائے رمزِ قرآنِ مبین ۶ شارحِ علمِ حدیثِ پاک و نکتہ آفریں

بوعلیٔ وقت فخر الدین رازیؒ زماں ۷ شہ ولی اللہ دوراں و غزالیٔ زماں

قالبِ روحِ بخاریؒ، ہمسرِ ابن الحجرؒ ۸ جانشینِ بوحنیفہؒ، رشکِ یعقوبؒ و زفرؒ

تھا لبیدؒ و سعدیؒ پُرگو نظیرِ بونواس ۹ خوش ادا و خوش مزاج و باجمال و خوش لباس

قولِ مرداں جان میدارد، کی جو تفسیر تھی ۱۰ فرقۂ باطل کے آگے وہ زبان شمشیر تھی

بے نیازِ خانۂ و جاہ و جلال و سیم و زر ۱۱ محو تھا درس و بیان و وعظ میں شام و سحر

تھا دلِ شیشہ میں انوارِ جمالِ کبریا ۱۲ اشرف و اورع سراپا دانشِ حلم و حیا

علم کے چرخِ چہارم پر ضیا افشاں رہا ۱۳ ہر ستارہ کا سبب انوار لیے پایاں رہا

نفحۃ العنبر مکمل داستاں ہے آپ کی ۱۴ فیض بادیٔ بارگاہِ جاوداں ہے آپ کی

آپ ہی کی ذات تو صد نازشِ کشمیر ہے ۱۵ فخر کے قابل ازل سے آپ کی تقدیر ہے

اے خوشا دیوبند جلوہ زارِ حسنِ عالماں ۱۶ مکّۂ ہندی، زیارت گاہِ اربابِ دلاں

بوئے علمِ آسمانی تجھ سے آتی تھی کبھی ۱۷ چھتۂ مسجد میں شانِ دلربائی تھی کبھی

آج بھی دار العلوم پُر شکوہ سینہ پہ ہے ۱۸ بارشِ انوار و رحمت جس کے ہر زینہ پہ ہے

تیرے دامن میں گلاب و لالہ چیدہ چیدہ ہیں ۱۹ قاسمؒ محمودؒ انوؔر جیسے آرامیدہ ہیں

مرکزِ نورِ الٰہ و وارثانِ مصطفیٰ گویا ظلمت گاہ میں خورشیدِ انوؔر کی ضیاء

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نظر میں

آپ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ہیں، حضرت شاہ صاحب کے علوم کے امین ہیں، جن کی ذات سے حضرت کے علوم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی، علمی دنیا میں آپ کا ایک خاص درجہ اور مقام ہے ۔ ادبیت اور عربی فارسی کی ادبی قوت بے مثال ہے ۔ عربی زبان میں بے تکان اور بے تکلف بولتے ہیں ۔ جس میں پختگی اور روانی ہوتی ہے ۔ عربی تحریر اور انشاپردازی میں ایک بے نظیر صاحب طرز ہیں ۔ متعدد اعلیٰ کتب کے مصنف ہیں ۔ ترمذی شریف کی نہایت ہی جامع اور بلیغ شرح لکھی ہے ، جس میں محدثانہ اور فقیہانہ انداز سے کلام کیا گیا ہے ۔ اس کی عربیت اور طرز ادا معیاری ہے اور ذخیرہ معلومات بہت کافی ہے ۔ اس سے تبحر اور تفقہ دونوں نمایاں ہیں ۔

آپ نے مصر، بیروت، شام، حجاز، عراق اور افغانستان وغیرہ کے سفر کیے ۔ مصر میں علماء دیوبند کا سب سے پہلے آپ نے تعارف کرایا اور وہاں کے اخبارات اور رسائل نے آپ کے بلیغ مضامین نہایت ذوق و شوق سے شائع کیے ۔ جس سے مصر و شام میں آپ کی علمیت کا چرچا ہی نہیں ہوا بلکہ دھاک بیٹھ گئی اور معیاری علماء کی مجلسوں میں آپ کو نہایت توقیر اور احترام کے ساتھ طلب کیا جانے لگا۔ علامہ طنطاوی مصری صاحب تفسیر طنطاوی پر آپ نے مصنف کے روبرو نقد و تبصرہ کیا ۔ جس سے خود مصنف متاثر ہوئے اور بہت سی تنقیدات کو انصاف پسندی کے ساتھ انھوں نے قبول کیا اور "یا استاد" کے الفاظ سے خطاب فرمایا ۔ عربی میں برجستگی اور ید طولیٰ حاصل ہے ۔ مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ (مصر) میں رئیس پاکستان کی حیثیت سے آپ کو بلایا گیا اور وہاں آپ نے مسلک علمائ دیوبند کے مطابق مسائل پر نقد و تبصرہ فرمایا ۔ بعض مسائل کے متعلق آپ کے مقالہ کو اہمیت دی گئی اور کتابی صورت میں شائع کیا گیا ۔ آپ نے کراچی میں ایک مثالی دارالعلوم قائم فرمایا اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر نیوٹاؤن کی عظیم مسجد میں ابتداءً زہد و قناعت اور بے سروسامانی کے ساتھ تعلیم دینی شروع کی ۔ فقر و فاقہ تک برداشت کیا مگر کار تعلیم جاری رکھا ۔ بالآخر سنت الٰہیہ کے مطابق ، آخر میں لوگوں کا رجوع ہوا اور یہ دارالعلوم کئی لاکھ کی عمارت ہے ۔ جس میں پندرہ بیس کے قریب اساتذہ کار تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں ۔ حدیث و فقہ میں ممدوح کی استعداد و لیاقت ممتاز حیثیت رکھتی ہے ۔ جسے ان کے ہم عصر بھی بلوغ و اعتراف تسلیم کرتے ہیں ۔ آپ فضلاء دیوبند میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور ملک میں معروف ہیں ۔ صوبہ سرحد مغربی پاکستان (اب پاکستان ۔ مدیر) آپ کا وطن ہے ۔ اور اس وقت بحیثیت ناظم اعلیٰ دارالعلوم نیوٹاؤن کراچی میں قیام فرما ہیں ۔

مولانا بنوری — سوانحی خاکہ

مولانا ایوب جان بنوری

ضلع مردان میں رسکئی اسٹیشن کے قریب "مہابت آباد" ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ولادت ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ اسی گاؤں میں ہوئی۔ قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر (گڑھی میر احمد شاہ پشاور) اپنے والد ماجد اور اپنے ماموں مولانا فضل صمدان بنوری مرحوم سے حاصل کی۔ صرف و نحو اور منطق کے ابتدائی رسائل مولانا عبداللہ پشاوری سے پڑھے۔ پھر کابل تشریف لے گئے اور وہاں قاضی القضاۃ مولانا عبدالقدیر، مولانا صالح محمد تلیغوی افغانی اور دیگر جید اساتذہ سے فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابوں کا درس لیا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دو سال میں دینی علوم کی تکمیل کی اور دورۂ حدیث ڈابھیل میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اکابر اساتذہ سے پڑھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کافی وقت حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں رہے اور دن رات سفر و حضر میں ان کے خصوصی خادم رہے اور خوب خوب استفادہ کیا۔ اسی اثناء میں والد ماجد کی خواہش و اصرار پر مولوی فاضل کا امتحان دیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ حالانکہ یہ امتحان آپ کو طبعاً ناگوار تھا اور اس کی تیاری کا موقعہ بھی نہیں ملا تھا۔ بعد ازاں چند سال اپنے وطن پشاور میں رہے اور مدرسہ رفیع الاسلام بھانہ ماڑی میں (جس کے مہتمم آپ کے ماموں مولانا فضل صمدان بنوری مرحوم تھے) تدریس کے فرائض انجام دیئے اور خوب تحقیق سے کتابیں پڑھائیں۔ میں ان دنوں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھتا تھا۔ ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ء) میں حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال ہوا تو حضرت بنوری تعزیت کے لئے تشریف لائے اور چند دن دیوبند رہ کر واپس ہوئے۔ اس کے بعد ڈابھیل سے تدریس کی دعوت آئی تو آپ ڈابھیل تشریف لے گئے اور حدیث کی کتابیں آپ سے متعلق ہوئیں۔ طلبہ میں آپ کے درس حدیث کی مقبولیت کا اندازہ اس لطیفہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ترمذی شریف کے سبق کے متعلق سوال ہوا کہ کس کے پاس رکھا جائے۔ اس وقت ڈابھیل میں حدیث کے تین اعلیٰ استاذ تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہی، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا بنوری۔ مشورہ ہوا کہ فیصلہ کے لئے طلبہ کی رائے معلوم کی جائے۔ چنانچہ حضرت بنوری کے حق میں ۲۷، اور دوسرے دونوں بزرگوں کے حق میں علی الترتیب اور ۳ ووٹ آئے۔

قیام پاکستان تک ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر رہے اور پاکستان بننے کے بعد دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے اکابر کی دعوت پر یہاں چلے آئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد ٹنڈو اللہ یار سے کراچی تشریف لے آئے اور یہاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔

ڈابھیل آنے سے پہلے جمعیۃ العلماء صوبہ سرحد کے ناظم اعلیٰ رہے اور سیاسیات میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ڈابھیل میں رہتے ہوئے بھی سیاست سے دلچسپی لیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد سیاست سے قطع تعلق کر لیا اور کلیۃً تعلیم و تدریس اور اصلاح امت میں مصروف رہے۔ الحمد للہ حضرت مولاناؒ کو سب اکابر دیوبند سے عقیدت و نیازمندی کا تعلق رہا۔ مولانا مرحوم جب پہلے حج پر تشریف لے گئے اور وہاں سے فیض الباری اور نصب الرایہ کی طباعت کے لئے مصر کا سفر کیا تو اس سفر میں حضرت مولانا شفیع الدین نگینوی مہاجر مکی (خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ) سے بیعت کی۔ حضرت نگینوی نے فرمایا کہ ہندوستان میں دو حضرات ہیں ان میں سے جس سے دل چاہے استفادہ کرو۔ ایک حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دوسرے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا مرحوم نے حضرت مدنیؒ کی جانب میلان ظاہر کیا۔

مولانا مرحوم مصر میں دس مہینے رہے اور وہاں کے رسائل و مجلات میں دارالعلوم دیوبند کے تعارف پر گراں قدر مقالے شائع کئے۔ ان دنوں وہاں علامہ زاہد الکوثری بھی مقیم تھے۔ مولانا مرحوم کو ان سے خصوصی تعلق رہا۔ ان کے علوم سے خوب خوب استفادہ کیا۔ اور اپنے اکابر دیوبند کے علمی مقام سے ان کو متعارف کرایا۔ چنانچہ شیخ کوثریؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے حدیث کی اجازت طلب کی اور حضرت حکیم الامتؒ نے انہیں سند اجازت عطا فرمائی۔

مولانا مرحوم مصر سے واپس ہوئے تو حضرت حکیم الامت کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت ان سے بہت متاثر ہوئے۔ اور بعد میں حضرت نے مولانا مرحوم کو مجاز صحبت میں شامل فرمایا۔ میرا معمول تھا کہ فراغت کے بعد ہر سال شعبان میں دیوبند جایا کرتا تھا اور ختم بخاری شریف کے بعد پشاور واپس آتا۔

مولانا مرحوم مصر سے آچکے تھے کہ میں نے شعبان میں دیوبند جانے کا ارادہ کیا تو ایک خط حضرت شیخ الاسلام مدنی رح کی خدمت میں بیعت کے لئے مولانا نے مجھے لکھ کر دیا اور مجھ سے فرمائش کی کہ میں یہ عریضہ حضرت مدنی رح کی خدمت میں پیش کردوں، اور اس کا جواب، جو حضرت عنایت فرمائیں، ساتھ لاؤں۔ چنانچہ میں دیوبند پہنچا۔ حضرت مولانا کا خط حضرت مدنی رح کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کا بیعت کا تعلق تو حضرت تھانوی رح سے ہے، میں انہیں کیسے بیعت کر سکتا ہوں۔ لیکن میں نے تفصیل سے وضاحت کی تو فرمایا کہ جب فرصت ہو تو یاد کریں۔ (حضرت ان دنوں دن رات بخاری شریف کے درس میں مشغول رہا کرتے تھے) چنانچہ ۲۹ شعبان کو رات ڈھائی بجے بخاری شریف ختم ہوئی اور حضرت نے سلہٹ جانے کے لئے اسی وقت سفر باندھ لیا۔ میں حضرت کے ساتھ سہارنپور گیا۔ اور حضرت کو خط کا یاد دلایا تو آپ نے پلیٹ فارم پر جواب لکھ کر میرے حوالے کر دیا اور میں نے مولانا بنوری کو پہنچا دیا یہ خط چند مہینے پہلے "بینات" میں شائع ہو چکا ہے۔

مولانا مرحوم کو تصنیف و تالیف کا خصوصی ملکہ تھا اور ان کا اسلوب تحریر بالکل منفرد اور یکتا تھا۔ وہ ہر موضوع پر بے تکلف اور بے تکان لکھتے تھے اور بسا اوقات لکھ کر انہیں دوبارہ دیکھنے اور نظر ثانی کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی تھی انہیں اردو سے زیادہ عربی تحریر پر قدرت تھی۔ "بینات" کے "بصائر و عبر" اور چند اردو مقالات کے سوا ان کی ساری تصنیفات عربی میں ہیں۔

۱۔ معارف السنن شرح ترمذی ٦ ضخیم جلدوں میں۔
۲۔ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن (غیر مطبوعہ)
۳۔ بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب
۴۔ نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانور
۵۔ یتیمۃ البیان فی شئ من علوم القرآن۔ ان کے علاوہ حسب ذیل کتابوں کے پر مقدمے ہیں۔

مقدمہ فیض الباری، مقدمہ نصب الرایہ، مقدمہ عبقات، مقدمہ عقیدۃ الاسلام مقدمہ مقالات کوثری۔ حضرت مولانا بڑے جری اور حق گو تھے وہ ہر دور حکومت میں بلاخوف و جھجک اپنے زریں خیالات کا اظہار کرتے رہے کہ ڈر صرف قادر مطلق سے ہونا چاہیئے۔ بینات کے اداریے "بصائر و عبر" ان کی حق گوئی کی صاف اور روشن مثالیں ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

شہادت عثمان رض
تصنیف و ترتیب: جمیل الرحمن اختر بی اے
مولانا محمد اسحاق صاحب فاضل دیوبند مدظلہ
صرف ٦٠ پیسے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں۔ تعداد محدود ہے۔
پتہ: قریشی پبلی کیشنز ۲۸۵ جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور
۲۲٦٠

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ
کا مرتب کردہ
اصلاحی نصاب
شخصی اور جماعتی اصلاح
اور
دینی رہنمائی
کے لئے
اپنی نوعیت کا منفرد شاہکار

شیخ الحدیث سہارنپوری، قاری محمد طیب قاسمی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا السید محمد یوسف بنوری، مولانا ڈاکٹر عبدالحی، مولانا مسیح اللہ جلال آبادی، مولانا ابرار الحق ہردوئی اور مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک جیسے نادرۂ روزگار اہل علم و فضل نے اس کتاب کے مطالعہ کی زبردست سفارش کی۔
مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور جو تفسیر روح المعانی (عربی) اور تفسیر مواہب الرحمن (اردو) جیسی دو عظیم تفاسیر قرآن کی اشاعت کا لازوال شرف حاصل کرنے کے علاوہ اہل حق کی تصانیف شائع کرنے کا ممتاز ادارہ ہے، نے روایتی آب و تاب کے ساتھ یہ کتاب شائع کی۔
قیمت صرف -/۳۹ روپے
اس کے علاوہ
بین بڑے مسلمان، الرشید کا دارالعلوم دیوبند نمبر، تاریخ حدیث، سوانح حضرت رائے پوری رح، مقدمات و بیانات اکابر، مباقیات فن مباحثہ، مذہب و سائنس، مقدمہ تدوین فقہ شریعت و جہالت، سوانح حضرت نانوتوی رح جیسی کتابیں ہر وقت دستیاب ہیں۔
مکتبہ رشیدیہ ۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب مدظلہ العالی ڈابھیل و کراچی میں مدتوں حضرت الشیخ بنوری قدس سرہ کے رفیق کی حیثیت سے مصروف عمل رہے اس طرح کے دوسرے بزرگ حضرت مولانا نافع گل قدس سرہ تھے جو اسیر مالٹا، یادگار اسلاف حضرت مولانا عزیر گل مدظلہم العالی کے بھائی تھے انہیں دار علمی دارالعلوم دیوبند میں بھی تدریس کا موقعہ ملا۔ اور وہ اپنے دور کے عظیم المرتبت شیخ و مدرس اور مثالی انسان تھے۔

ان اصحاب "ثلاثہ" میں سے دو دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ فرما گئے رحمہما اللہ اور تیسرے بقید حیات ہیں (اللہ تعالیٰ انکو تا دیر سلامت رکھے)

موصوف عظمت رفتہ کی نشانی ہیں علم و ایقان کا نور چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے خوش پوش بزرگ ہیں۔ ملیں تو راحت ہوتی ہے اور مجلس میں تو احساس ہوتا ہے کہ سامنے علم کا بحر بیکراں ہے)

میں نے درخواست کی کہ "یوسف عصر" کے متعلق کچھ لکھیں۔ تو چند ہی روز بعد یہ مقالہ آگیا، موصوف نے حق دوستی ادا کر دیا ——— لیکن حق دوستی میں ایسی بات آپ کو کہیں نظر نہ آئے گی جو خلاف حقیقت ہو اور یہی اہل حق کی پہچان ہے۔

آپ کے صاحبزادہ گرامی قدر الحافظ ہدایت اللہ مدظلہ نے مقالہ کے ساتھ جو گرامی نامہ تحریر فرمایا وہ بندہ اور پورے ادارے کے لئے موجب طمانیت تشکر اور باعث سعادت ہے ——— اسے ملاحظہ فرمائیں پھر حضرت مولانا کی "لطف فرمائی"

مکرم بندہ زادکم اللہ مجداً و سیادۃ!

السلام علیکم ——— گرامی نامہ موصول ہو کر باعث افتخار ہوا۔ والد صاحب (حضرت مولانا محمد لطف اللہ مدظلہ) کی طبیعت کمزور ہے لیکن آپ کے خط میں کچھ ایسا خلوص (یہ محض حسن ظن ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حقیقت کا جامہ پہنائے تو زہے قسمت ——— مدیر) تھا کہ آپ کی فرمائش پر کچھ لکھنے پر آمادہ ہو گئے وقت بہت تنگ ہے اور فرصت نہیں ہے لہذا دو گھنٹے کی ایک مجلس میں قلم برداشتہ جو کچھ ہو سکا۔ وہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، نہ نظر ثانی کے لئے وقت ہے اور نہ مضمون کو صاف کرنے کے لئے فرصت، اگر نظر ثانی ہو جاتی۔ تو شاید نقش ثانی کچھ بہتر ہی ہوتا۔ لیکن سردست یہی کچھ "بضاعۃ مزجاۃ" ہے جو پیش خدمت ہے میں نے کھڑے کھڑے کچھ عنوانات لگا دیئے ہیں اگر مناسب معلوم ہوں تو مضمون میں شامل کر لیں ورنہ سقط المتاع کے لئے ردی کی ٹوکری مناسب جگہ ہے (ان شاء اللہ نہیں ——— مدیر) امید ہے آپ بعافیت ہوں گے فقط والسلام

حافظ ہدایت اللہ مقام جہانگیرہ ضلع مردان

اب حضرت والا کا مضمون صاحبزادہ محترم کے عنوانات سمیت ملاحظہ فرمائیں ——— (مدیر)

انتساب

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا انتساب اپنے جد امجد حضرت سید آدم بنوری مدفون مدینہ منورہ کی طرف ہے جو حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اول تھے آپ کی اولاد سکھا شاہی کے زمانہ میں صوبہ سرحد منتقل ہوئی افغان قبائل نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی آپ کے دادا سید احمد شاہ بنوری نے پشاور امداسی بازار کے قریب ایک محلہ بسایا جو آج تک گڑھی میر احمد شاہ کے نام سے مشہور ہے۔

بنور

بنور ریاست پٹیالہ میں سرہند شریف کے قریب ایک قصبے کا نام ہے۔

آپ کے والد

مولانا بنوری کے والد ماجد السید زکریا قدس سرہ بھی ابتدائی زمانہ میں فقر و تصوف کا غلبہ ہوا اور آپ گھر بار چھوڑ کر بغداد شریف میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے مزار پر چلہ کشی میں مصروف ہو گئے۔ بعد میں ہندوستان کے ضلع ناسک میں جنگل میں ترک دنیا کر کے ریاضت کرنے لگے آپ کا نام سید زکریا (باچا) تھا۔

مولانا کے اولین استاذ

آپ کے والد ان اشغال کی وجہ سے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ نہ دے سکے، لیکن آپ نے خدا داد ذہانت اور زبردست قوت حافظہ کی برکت حافظ عبداللہ مرحوم آف لنڈی ارباب ضلع پشاور سے علم صرف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ افغانستان تشریف لے گئے آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ درانی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اور امیر حبیب اللہ خان والیٔ نے ان کے خاندان کو جلال آباد (کابل) کے پاس کچھ جا عطا فرمائی تھی۔

کابل میں استفادہ

آپ نے کابل میں بعض علماء سے استفادہ کیا مشہور اساتذہ میں سے مولانا عبدالقدیرؒ آپ کے استاذ تھے جو امیر امان اللہ خان کے بھی استاذ تھے آپ نے ان سے منطق کا رسالہ میرزاہد مُلّا جلال پڑھا۔

مادرِ علمی میں داخلہ

١٩٢٧ء میں آپ افغانستان سے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ میرا ان کے ساتھ رفاقت کا سلسلہ یہاں سے قائم ہوا۔ مولانا بنوری فطری طور پر عربی کے بہترین ادیب تھے۔ اور میں بھی جوانی میں عربی ادب کے ساتھ خاص شغف رکھتا تھا مولوی فاضل کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آیا تھا اور تمغہ بھی حاصل کیا تھا یہی ادب کا شغف ہم دونوں کے درمیان دوستی و اخوت کا باعث بنا مولانا بنوری نے مقامات حریری دیوبند میں پڑھا۔

علامہ کاشمیریؒ کا ارشاد

آپ نے حضرت امام العصر، محدث کبیر علامہ السید محمد انور شاہ کاشمیری کو ایک عریضہ عربی میں لکھا آپ نے عریضہ پڑھ کر پوچھا کہ عربی ادب کس قدر پڑھا ہے آپ نے عرض کیا صرف مقامات تک! اس پر حضرت امام العصر نے فرمایا کہ بس تمہارے لئے یہی ادب کافی ہے حضرت شاہ صاحب کا یہ فرمان آپ کے مفاخر میں سے ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ مقامات حریری، عربی ادب کی ابتدائی یا متوسط کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور صرف اس کتاب کو پڑھ کر کوئی شخص ادب عربی کی معمولی شُد بُد ہی حاصل کر سکتا ہے مجھ کو متنبی اور حماسہ کا اکثر حصہ حفظ یاد تھا لیکن ان کی ادبیت کے سامنے میں اپنے آپ کو پست محسوس کرتا رہا تھا۔

امام العصر سے خصوصی تلمذ

اگلے سال مولانا بنوری کا مشکوۃ شریف کا سال تھا اور میں دورۂ حدیث میں حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے حلقہ درس میں شامل تھا لیکن حضرت شاہ صاحب مرحوم نے مولانا کو اپنا نگینہ خاص بنایا تھا۔

سال کے آخر میں دیوبند میں تاریخی انقلاب آیا ادارۂ اہتمام اور امام العصر کاشمیری میں اختلافات پیدا ہو گئے طلبہ نے ہڑتال کر دی۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی مہتمم مدرسہ نے طلبہ پر سختی کی۔ انجام یہ ہوا کہ دیوبند کے اکابر مدرسین امام العصر کاشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سراج احمد اور مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہم مدرسہ دیوبند سے علیحدہ ہو گئے۔ حدیث کے طلبہ میں سے ٩٥ فیصد یا اس سے بھی زائد طلبہ مدرسہ سے نکل کر مہاجر بن گئے اور اکابر علماء دیوبند نے طلبہ کے ساتھ اجتماعی طور پر دیوبند سے ڈابھیل کی طرف کوس رحلت بجا دیا۔

دورۂ حدیث

ان طلبہ میں مولانا بنوری بھی تھے ڈابھیل میں آپ نے علامہ کاشمیری سے دورۂ حدیث پڑھا اور امتحان میں تمام طلبہ سے گوئے سبقت لے گئے۔

سفرِ کشمیر

رمضان کی تعطیل کے زمانہ میں امام العصر کشمیر تشریف لے گئے۔ تو مولانا بھی ہمراہ تھے وہاں آپ نے استاذ مکرم سے خصوصی درس حاصل کئے کشمیر کی سخت سردی میں سحری کے وقت آپ حضرت الاستاذ کے لئے پانی گرم کرتے اس سفر میں آپ نے حضرت امام العصر کاشمیری کے خصوصی علمی مسودات نقل کئے وہاں پر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ کسی حاسد نے چغلی کے ذریعے تعلقات خراب کر دیئے جس کا افسوس مولانا کو تو تھا ہی حضرت الاستاذ کو بھی ہوا اگرچہ بعد میں اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کی تلافی ہو گئی۔

وطن واپسی اور جمعیۃ کا احیاء

وہاں سے آپ اپنے وطن شہر پشاور تشریف لائے اور جمعیت علماء صوبہ سرحد کو زندہ کیا اس وقت جماعت نیم مردنی کا شکار تھی۔

قادیانیوں سے معرکہ

پشاور کی زندگی میں ہم دونوں کا قادیانیوں کے ساتھ ایک معرکہ بپا ہوا جس میں قادیانی ذلیل ہو کر بھاگے ان کے ایک جلسہ پر ہم نے قبضہ کر لیا اور پشاور شہر میں پہلی مرتبہ محمدی بیگم کے قصہ سے عوام محظوظ ہوئے اس جلسہ کے بعد آج تک بحمد اللہ تعالیٰ قادیانیوں نے پشاور میں جلسہ عام کرنے کی جرأت نہیں کی۔ حالانکہ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ ایک شخص غلام حسین قادیانی صبح قرآن شریف کا درس دیتا تھا اور پشاور کے وکلا اس میں شریک ہوتے تھے بدقسمتی سے صاحب زادہ عبدالقیوم مرحوم کے چچازاد بھائی صاحبزادہ عبداللطیف امیر جماعت ہائے احمدیہ تھا اور پروفیسر تیمور اسلامیہ کالج کا وائس پرنسپل مرزا بشیر الدین کا رشتہ دار تھا۔ لیکن اس جد و جہد کے بعد ہوا کا رخ پلٹ گیا اور لوگ قادیانیوں کی حقیقت سے کماحقہ واقف ہو گئے۔

سیاست سے کنارہ کشی اور اس کی وجوہات

مولانا بنوری نے قیام پشاور کے زمانہ میں جمعیۃ علماء سرحد کا احیاء کیا۔ تو

علماء سرحد کی بڑی تعداد اس میں شامل ہو گئی۔ خان عبد الغفار خان اور ان کی جماعت اس اثر و نفوذ کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتی تھی لیکن: مشکل یہ تھی کہ اس چپقلش سے سرکاری ٹوڈی طبقہ اور انگریز حکومت فائدہ اٹھا سکتی تھی اس لئے مولانا نے اس میدان کو چھوڑ دیا تاکہ جمعیت علماء ہند اور کانگرس کے ملکی سطح پر تعلقات متاثر نہ ہوں۔

مولانا کو مجھ سے شکایت تھی کہ میں ان کو سیاست کے کوچہ میں لے گیا ان کی بات صحیح تھی کُلٌّ میسّرٌ لما خلق له اللہ تعالیٰ نے ان کو خدمت حدیث کے لئے پیدا کیا تھا ان کو کسی اور کام کی طرف لے جانا ان کا غلط استعمال تھا۔ لیکن ایک واقعہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کا سنا ہے کہ ان کا زمانہ سلطنت مغلیہ کا دم والپسین تھا ایک دفعہ ایک صاحب فکر انگریز دہلی آیا۔ سیر کے بعد وہ حضرت شاہ صاحب کی ملاقات کو چلا آیا۔ واپسی پر کسی نے انگریز سے دریافت کیا کہ تم نے مسلمانوں کے اس عالم کو کیسا پایا؟ اس نے کہا کہ بہت زیرک اور عقل مند! لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ جو لوگ ان کی قسمت کے ساتھ کھیل رہے ہیں وہ اناڑی اور بے عقل ہیں اور جو لوگ مسلمانوں میں سلطنت کے اہل ہیں وہ گوشوں اور مسجدوں میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔

وہ سیاست کے اہل تھے

میری دیانتدارانہ رائے یہ تھی کہ مولانا بنوری میں شہامت تھی شجاعت تھی عقل تھی تدبر تھا وہ سیاست کے میدان میں واقعی اہل تھے (اس لئے میں انہیں ادھر لے آیا۔ لیکن افسوس کہ وہ جلد ہی ایک طرف ہو گئے)

حضرت شیر آغا کے حلقہ میں شمولیت

بہر حال سیاست سے کنارہ کشی کے بعد مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم ایک نقشبندی کابلی اہل دل بزرگ حضرت شیر آغا کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور کئی ماہ تک نقشبندی طریقہ کے مطابق مراقبے اور دیگر صوفیانہ اشغال میں مشغول رہے پشاور کے پاس ایک بزرگ حضرت عبد الغفور کے مزار پر بیٹھ کر اشغال میں رہتے۔ فرماتے تھے (تحدیث کے طور پر) کہ میرے ساتوں کے ساتوں لطیفے (ایک خاص متصوفانہ اصطلاح) جاری ہو گئے۔۔۔

شادی

اس کے بعد آپ کی شادی بڑی سادگی سے ہوئی آپ کے والد ماجد کئی سال سے کابل میں مقیم تھے اور اس قیام کا سبب ایک قرض کا مطالبہ تھا جو حکومت افغانستان کے لئے ایک ہوائی جہاز خریدنے پر خرچ کیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ قرضہ حکومت کابل ادا نہ کر سکی۔

عسرت کا دور

ادھر قرضہ واپس نہ مل سکا ادھر اندوختہ ختم ہو گیا اور مولانا سخت عسرت کی زندگی بسر کرنے لگے

ڈابھیل میں:

شادی کے بعد آپ دوبارہ ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں اس سے قبل آپ حضرت امام العصر مولانا السید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس سرہ کے ساتھ قیام فرما چکے تھے اور حضرت استاذ سے بھرپور استفادہ کر چکے تھے۔

مجلس علمی کا قیام

ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب کے علوم کی اشاعت کیلئے بعض معتقدین نے ایک ادارہ بنام "مجلس علمی" قائم کیا۔ جس کے اخراجات کا انتظام میاں برادرز فرماتے جو ساؤتھ افریقہ میں مقیم تھے اور جنہیں حضرت شاہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا نیز وہ آپ کے بے پناہ معتقد تھے۔ مجلس علمی مولانا کے سپرد کی گئی اور اس کے تمام تر کام کا نگران مولانا کو بنا دیا گیا تھا

علوم امام العصر پر خصوصی توجہ

حضرت امام العصر کاشمیری دوران درس جو تقریر فرماتے وہ اکثر طلبہ نوٹ کرتے۔ مولانا محمد چراغ صاحب آف گوجرانوالہ نے آپ کی تقریر ترمذی شریف نوٹ کی تھی جو بہت پہلے دیوبند میں "عرف شذی" کے نام سے چھپ چکی تھی اور ہزاروں علماء و طلبہ نے اس سے استفادہ کیا تھا۔

معارف السنن کا قصہ

عرف شذی ایک طالب علم کی طالب علمانہ کوشش تھی مولانا بنوری نے اس کے تمام حوالوں کے لئے چھان پھٹک کی۔ یہ تحقیق و تجسس نہایت عرق ریزی سے کی گئی اور اس کے لئے بے پناہ محنت کرنا پڑی۔ مولانا خود فرماتے کہ صرف ایک حوالہ کے لئے دو سو صفحات کا مطالعہ کیا

دراصل عرف شذی میں تمام علوم و فنون کے حوالے ہیں اصول فقہ، فقہ اور اصول حدیث و حدیث کے علاوہ نحو وغیرہ کے حوالے تھے جس میں علامہ سیبویہ کی کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

چونکہ مولانا بنوری کا حافظہ نہایت ہی اعلیٰ تھا اس محنت و سعی سے ان کے علمی تبحر میں بڑا اضافہ ہوا اور عرف شذی کی شرح معارف السنن چھ جلدوں میں لکھ ڈالی۔ یہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور حکومت مصر نے اسکی طباعت

کے مکمل اخراجات کی ذمہ داری اٹھائی افسوس کے ۶ جلدوں کے بعد کا کام رک گیا اور مولانا سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

مجلس کا ایک اور کارنامہ

مجلس علمی ڈابھیل نے ایک اور علمی کارنامہ سرانجام دیا۔ فقہ کی مشہور و متداول کتاب "الہدایہ" میں جو احادیث ہیں ان کی تخریج کا بے نظیر نمونہ "تخریج زیلعی" کے نام سے مشہور ہے "زیلع" جسے آج کل اریٹریا کہتے ہیں وہاں کے مشہور عالم علامہ جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب لکھی۔ جس میں ہر مسئلہ پر احناف کے مستدلات کو احادیث و آثار صحابہ سے ثابت کرکے جمع کیا گیا ہے اور دیگر آئمہ کے مستدلات کو بھی کمال دیانت داری سے جمع کیا گیا ہے تاکہ اہل علم کو تقابلی مطالعہ میں آسانی ہو اور وہ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے مستدلات کا وزن محسوس کرسکیں۔ حضرت امام العصر کاشمیریؒ کی زبردست خواہش تھی کہ یہ کتاب چھپ جائے تو علم حدیث اور حنفی مذہب کی بڑی خدمت ہوگی سو الحمد للہ کہ مولانا کی محنت و سعی سے یہ کام ہوگیا اور استاذ محترم کی ایک خواہش و آرزو پوری ہوئی۔

تقریر بخاری

ترمذی شریف کی طرح حضرت امام العصر کی تقریر بخاری کی اشاعت کا بھی فیصلہ ہوا۔ جو مولانا بدر عالم میرٹھی قدس سرہ مہاجر مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً نے مرتب کی تھی۔

سیرت انور

اس سے قبل مولانا اپنے استاذ محترم کی سیرت پر "نفحۃ العنبر" کے نام سے ایک انتہائی فاضلانہ کتاب تصنیف فرما چکے تھے جس میں آپ نے حضرت شاہ صاحب مرحوم کی سیرت اور آپ کے علوم پر ایسا سیر حاصل تبصرہ کیا تھا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

مشکلات قرآن

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب نے قرآن کریم کے مختلف مقامات پر اپنی خداداد ذہانت اور بے مثل حافظہ سے جو کچھ ارشاد فرمایا انہیں "مشکلات قرآن" کے نام سے شائع فرما چکے تھے۔

اس کتاب سے شاہ صاحب کے علوم کا اندازہ ہوتا ہے بڑی بڑی ضخیم تفاسیر کے مطالعہ کے باوجود قرآن کریم کے سمجھنے میں جو مشکلات رہ جاتی ہیں اس کو جیسے عالمانہ طریق سے شاہ صاحب نے حل کیا۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔

مصر تشریف لے جانا

بخاری شریف کے متعلق امام العصر کی تقریر جو مولانا میرٹھی نے جمع کی اس کا نام فیض الباری ہے اور علامہ زیلعی کی کتاب کا نام "نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ" ہے۔ یہ دونوں کتابیں طبع کرانے کے لئے مجلس علمی والوں نے مولانا بنوری اور مولانا احمد رضا بجنوری کو مصر بھیجا وہاں مولانا کے جوہر کھلے، مولانا بنوری نے علماء مصر بالخصوص ازہر کے علماء و مشائخ سے علماء دیوبند کا تعارف کرایا اور گذشتہ صدی میں علماء ہند کثر اللہ سوادہم نے علم حدیث کی جو خدمت کی تھی اس سے مصر کے علماء کو روشناس کرایا۔ مصری علماء کو آپ نے امام العصر کاشمیری حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی تصانیف پیش کیں۔ اس موقعہ پر آپ نے علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ سے گہرے تعلقات پیدا کئے کیونکہ امام العصر کے علوم کی گہرائی کا حقیقی اندازہ وہی کرسکتے تھے۔

علامہ الکوثریؒ

یہ مضمون نا تمام رہے گا اگر میں علامہ زاہد الکوثریؒ سے علماء پاکستان کو روشناس نہ کراؤں آپ ترکی کے نائب شیخ الاسلام تھے مصطفیٰ کمال پاشا نے آپ اور شیخ الاسلام ترکیہ "مصطفیٰ صبری" کے لئے سزائے موت تجویز کی کیونکہ ترکی میں علمانی لادینی انظام کی ترویج میں ان دونوں کی ذات بڑی رکاوٹ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو ظالم کے پنجۂ استبداد سے بچایا آپ قاہرہ میں مقیم ہوگئے اور جبکہ شیخ صبری بیت المقدس میں۔

علامہ الکوثری اس صدی میں امام العصر کاشمیری کے بعد "اعلم اہل الارض" تھے آپ ایسے زمانے میں مصر میں تشریف لائے جب حنفی مذہب سلطنت عثمانیہ کی چھتری کے سایہ سے محروم ہوگیا تھا اور مصر میں مذاہب اربعہ سے آزادی کی تحریک اور فسق و فجور اور اباحیت کی آندھی زور شور سے چل رہی تھی۔ آپ نے اس زمانے میں ایک مضمون لکھا جو آپ کے مقالات میں ملتا ہے اس کا مقصد اور عنوان یوں تھا کہ "فقہی مذہب سے آزادی بے دینی کا پل ہے" آپ کے علمی تبحر اور قابلیت کے سامنے نہ کوئی بے دینی کی تحریک ٹھہر سکی اور نہ ہی علامہ رشید رضا ٹائپ کے صحافی جو مذہب اربعہ سے آزادی کے علمبردار تھے وہ ٹھہر سکے آپ نے بغیر کسی سلطنت کے سہارے حنفی مذہب پر بہت سی کتابیں لکھیں قاضی ابویوسف امام محمد بن شیبانی اور امام زفر شاگردان امام اعظم علیہم الرحمہ پر کتابیں لکھیں بہت سے مسائل جو اس زمانہ میں علم کی قلت کی وجہ سے مسلمان علماء میں مروج ہوچکے تھے نیز امام ابن تیمیہ کی کتابوں سے جو مسائل مذاہب اربعہ کے خلاف دنیا میں مروج ہو رہے تھے مثلاً طلاق ثلاثہ اگر دفعۃً دی جائیں تو اس سے عورت مغلظہ نہیں ہوتی اور یہ ایک طلاق سمجھی جاتی ہے اس کے خلاف بہت ہی مدلل اور

ٹھوس مواد جمع کیا۔ دیوبندی علماء نے مذہب حنفی کی جو خدمت کی ہے جب وہ کتابیں مولانا بنوری نے علامہ الکوثری کو پیش کیں تو علامہ کو بڑی خوشی ہوئی۔

ایک علمی مسئلہ

معلوم رہے کہ اللہ کے "ید"، "وجہ" اور قدم" کے متعلق اشاعرہ اور ماتریدیہ نے جو تعبیر اختیار کی ہے اس کے مخالف حنابلہ نے ظاہریت کے غلبہ کی وجہ سے ایک ایسا مسلک اختیار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے کے نظریہ کے بہت قریب ہے قوم یہود کا معاملہ ایسا ہی ہے کہ وہ تجسیم کے معاملہ میں سخت ہے بعد میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، علامہ ابن حزم نے اور بعد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے یہی روش اختیار کی خود حنبلیوں کے علماء متقدین کا یہ خیال نہ تھا لیکن علامہ ابن تیمیہ کے بعد تمام حنابلہ نے اس مسلک کو قبول کر لیا۔ علماء دیوبند اور علماء ترکی کا مسلک اس بارے میں تجسم کے سخت خلاف ہے علامہ الکوثری نے اس سلسلہ میں جہاد کیا اور علماء دیوبند کی کتابوں سے ان کی بڑی ہمت افزائی ہوئی علامہ الکوثری نے بہت سی کتابوں میں بیش قیمت پیش لفظ اور مقدمے لکھے ہیں مولانا بنوری مصر میں سب سے زیادہ استفادہ ان سے کرتے رہے۔

علامہ طنطاوی سے ملاقات

علامہ الکوثری کے علاوہ مولانا بنوری کی ملاقات اچانک علامہ الطنطاوی سے ہو گئی وہ مولانا بنوری سے ایک مجلس میں اتنے متاثر ہوئے کہ تفسیر طنطاوی میں اپنی کئی غلطیوں کا اعتراف کر لیا اور فرمایا "کہ آپ تو ایک فرشتہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے میری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

شبان المسلمین کی کانفرنس اور فقیہ ہند مفتی کفایت اللہ کی نیابت

مولانا کے قیام مصر کے زمانہ میں وہاں کے نوجوانوں کی ایک جماعت "انجمن شبان المسلمین" نے مصر میں مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں مسلمانانِ عالم کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جس میں ہندوستان کی نمائندگی مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیت علماء ہند نے کی۔ حضرت مفتی صاحب جب مصر پہنچے تو آپ نے علماء مصر سے ان کا اس قدر شاندار تعارف کرایا کہ علماء مصر کا ایک عظیم وفد مفتی صاحب کے استقبال کے لئے سویز جہاز پر پہنچا۔ دوران کانفرنس مفتی صاحب بیمار ہو گئے تو مولانا نے مفتی صاحب کی نیابت کی۔ حضرت مفتی صاحب آپ کی قابلیت اور فصیح عربی تقریروں سے ازحد متاثر ہوئے اس کارنامہ کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جو مفتی صاحب کے مقام و مرتبہ ان کی عربی تقریر و تحریر اور ادبی قابلیت سے واقف ہو نیز مختلف سیاسی پلیٹ فارم پر آپ نے جو مدبرانہ کام کیا اس سے بھی آگاہ ہو۔

تذکرہ مشرقی اور مولانا بنوری

مولانا مصر میں مقیم تھے کہ ہندوستان میں علامہ عنایت اللہ خان مشرقی اور ان کی کتاب "تذکرہ" کا چرچا ہوا۔ خاکسار حضرات کہتے تھے کہ علامہ کو یہ خطاب علماء ازہر نے دیا ہے جبکہ علامہ صاحب کے خیالات میں دینی اعتبار سے بہت کمزوریاں تھیں اور یہ سلسلہ امت کے لئے باعث فتنہ تھا مولانا نے "تذکرہ" کے مختلف مقامات علماء ازہر کے سامنے پیش کئے اور مصر کے اس وقت کے مفتی جناب یوسف دجوی (جو نابینا ہونے کے باوجود علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے) نے ایک فتویٰ دیا جو متحدہ ہندوستان میں ہنگامہ خیزی کا باعث بنا۔ خاکسار تحریک کے فکری سرمایہ پر اس فتنہ سے سخت زد پڑی اور اس نے اسے ہلکان کر دیا۔

ترکی کی سیاحت

آپ مصر سے ترکی تشریف لے گئے مقصد وہاں کے کتب خانوں کو دیکھنا اور اہل علم سے ملنا تھا استنبول پہنچے تو زمانہ مصطفیٰ کمال کا تھا اس نے نہ صرف علماء دین بلکہ دینِ اسلام کو بھی ٹھکانے لگانے کا عزم کر رکھا تھا اس لئے وہاں خوبصورت و شاندار مساجد اور کتب کے ذخیروں کے اور کچھ نہ ملا اور آپ واپس مصر تشریف لائے۔

سفر حرمین

اس کے بعد مصر سے حرمین شریفین تشریف لے گئے ہیں آپ سے ایک سال پہلے ۱۹۳۶ء میں سفر حج کر چکا تھا اور حضرت کے حکم سے میدان عرفات میں ان کے لئے خصوصی دعا کر چکا تھا آپ نے ۱۹۳۷ء میں یہ سفر حج کیا اور اس کے بعد پھر ۲۰ مرتبہ حج کے لئے حرمین شریفین گئے اور ہر سال رمضان المبارک میں عمرہ کر کے مدینہ طیبہ حاضری دیتے مسجد نبوی میں اعتکاف کی سعادت حاصل کرتے اس طرح گویا کئی دفعہ سال میں دو مرتبہ حرمین کی حاضری کی نوبت آجاتی۔

سلطان عبدالعزیزؒ سے ملاقات

حرمین شریفین میں آپ نے علماء نجد سے ملاقات کی اور ترکی کے بعض گوشہ نشین علماء سے ملاقات ہوئی اسی موقعہ پر سلطان عبدالعزیز مرحوم سے ملاقات فرمائی۔ انہوں نے امام العصر حضرت علامہ کاشمیری قدس سرہ کی فیض الباری شرح بخاری کے دو سو نسخے خرید کر علماء حجاز و نجد میں تقسیم فرمائے (واہ رے علم کی قدر)

ڈابھیل واپسی

اس مقدس سفر کے بعد واپس ڈابھیل تشریف لائے اور امام العصر علامہ کاشمیری نیز حضرت العلامہ مولانا عثمانی نور اللہ مرقدہما کی نیابت میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا آپ نے سالہا سال وہاں بخاری شریف ترمذی شریف

ابوداؤد کا درس دیا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب فرمایا۔

تقسیم ملک اور ٹنڈوالٰہ یار کا قیام

آپ کو مادر علمی دیوبند میں تدریس حدیث کی پیش کش ہوئی جو مادر علمی کی طرف سے اپنے ایک فرزند کے لئے بڑا اعزاز تھا لیکن تقسیم ملک کے پیش نظر والد صاحب کی خواہش و فرمائش پر پاکستان تشریف لائے۔ پاکستان آمد کا مقصد بھی علمی خدمت تھی اور والد صاحب کی بھی یہی خواہش تھی اس لئے ابتداء میں مولانا احتشام الحق صاحب کے قائم کردہ مدرسہ ٹنڈوالٰہ یار میں درس دیا۔ اس مدرسہ کے لئے ایک قطعہ زمین جو وقف تھا حاصل کیا گیا اس مدرسہ میں وقت کے بہترین اساتذہ کا اجتماع تھا لیکن مولانا احتشام الحق سے بوجہ نباہ نہ ہوسکا اور آپ وہاں سے مستعفی ہوکر کراچی تشریف لائے حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری قدس سرہ بھی مستعفی ہوگئے مولانا بدر عالم میرٹھیؒ بھی علیحدہ ہوکر مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے۔

کراچی کا ابتدائی دور

کراچی میں مولانا محمد طفیل صاحب کے ساتھ کچھ دنوں کام کیا موصوف دیوبند میں کچھ عرصہ کام کر چکے تھے کراچی میں ان کا تعارف ایک مرشد طریقت کی حیثیت سے تھا انہوں نے آپ کو محض درس و تدریس کی طرف متوجہ کیا۔ اور اہتمام و اخراجات کی تمام تر ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔

مولانا مرحوم نے ان کے کہنے پر "حب ندی" کے کنارے لال جیوہ غیر مسموں کی ایک متروکہ زمین اور شکستہ کنویں پر تدریس کا کام شروع کر دیا۔

اس مرحلہ پر حضرت مولانا نافع گل صاحب کاکاخیل علیہ الرحمۃ برادر اسیر مالٹا مولانا عزیز گل مدظلہم اور بندہ راقم الحروف آپ کے رفیق کار بن گئے۔

دور ابتلاء

ابتداء میں صرف دو درجات کا انتظام کیا گیا یعنی دورۂ حدیث کا درجہ اور تکمیل کا درجہ۔ کام شروع ہوا تو اہتمام و انصرام کے سلسلہ میں مولانا محمد طفیل صاحب ساتھ نہ چل سکے۔ طلبہ کو جنگل میں فاقوں کی نوبت آئی ایک دفعہ مدرسہ میں طلبہ کے کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی آپ شہر تشریف لائے اور پانچ چھ میل کے فاصلہ سے طلبہ کے لئے چاول، چینی اور دیگر اشیاء خوردنی لے کر بس میں سوار ہوئے مقام درس سے دو میل ادھر بس کا آخری سٹاپ تھا وہاں سے تمام خوردنیات کا سامان سر پر رکھ کر پاپیادہ مدرسہ تشریف لائے تب طلبہ نے چاول پکا کر گذارہ کیا۔

نقل مکانی

اس اثنا میں مولانا نافع گل وطن تشریف لے گئے مولانا بنوری اس نیت سے حج کے لئے تشریف لے گئے کہ وہاں سے مدرسہ و درس گاہ کے لئے دعا کی جائے نتیجۃً راقم الحروف تنہا رہ گیا۔ عیدالاضحیٰ کے دن طلبہ کے ساتھ کراچی شہر آنا ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ واپسی پر مسجد نیوٹاؤن (جہاں اب پرشکوہ اور خوبصورت مسجد اور عالیشان مدرسہ ہے) میں ہم نے دو رکعت نفل پڑھے (مسجد شکستہ اور بہت چھوٹی تھی) طلبہ کے ساتھ دعا کی کہ اللہ تو اپنے کرم سے ہم کو موجودہ تکلیف دہ مقام سے نجات دلاکر اس مسجد میں ٹھکانہ عطا فرما۔

چند دن کے بعد قبولیت دعا کے آثار ظاہر ہوئے اور جمشید روڈ پر موجودہ مقام پر منتقلی کے اسباب پیدا ہوگئے اور مولانا محمد طفیل صاحب سے قطع تعلق ہو گیا

ارباب توکل کا قافلہ

جہاں اب مدرسہ ہے یہاں اس وقت محض ایک کمرہ تھا جس کی چھت ٹین کی تھی۔ اس میں ہم نے سامان رکھ دیا۔ رات آرام کے لئے ایک مخیر دوست حاجی یعقوب صاحب مرحوم کے گھر جانا ہوتا۔ طلبہ کا آرام و قیام مسجد میں تھا اس طرح موجودہ مدرسہ کی ابتدا ہوئی ہم تینوں رفقاء مولانا بنوری، مولانا نافع گل اور راقم الحروف ابتدا میں توکلاً علی اللہ اور لوجہ اللہ پڑھاتے رہے ایک سال خاصا تکلیف دہ تھا۔ دوسرے سال اللہ تعالیٰ نے کشائش کے سامان کر دیئے والحمد للہ۔

مولانا کا مالی امور میں احتیاط و تقویٰ

دو سال کے بعد مکمل مدرسہ شروع ہوا یعنی ابتدائی درجہ سے آخر تک مولانا نے مالی امور میں انتہائی احتیاط کی روش اختیار کی دو قسم کے فنڈز تھے زکوٰۃ اور غیر زکوٰۃ، زکوٰۃ کا روپیہ نہ تو کبھی تنخواہوں میں صرف کیا نہ کتابوں میں خریداری اور اس قسم کے دوسرے مصارف میں کئی مرتبہ زکوٰۃ کا ہزاروں روپیہ خزانچی کے پاس موجود ہوتا اور غیر زکوٰۃ میں خزانہ خالی! خزانچی تنخواہ وغیرہ ادا کرتے وقت پوچھتے کہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو مدرسین کی تنخواہ وغیرہ زکوٰۃ کی رقم سے قرض لے کر ادا کر دی جائے لیکن آپ کا ارشاد ہوتا کہ ہرگز نہیں جو مدرس صبر نہیں کر سکتا وہ بے شک چلا جائے۔ میں زکوٰۃ کا روپیہ غلط مصرف میں صرف نہیں کر سکتا۔ اور پھر آپ نے اس اصول پر ساری زندگی عمل کیا۔

پاکستان میں تجدد پسندوں کے عزائم کا مقابلہ

پاکستان کی تاریخ میں جب پہلی مرتبہ حکومت میں ایسے لوگ آئے جو علما

سے جان چھڑا کر اپنی مرضی سے اسلام کی تشریح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے

پرویز صاحب کے اشارہ سے سکندر مرزا اور ان کے رفقاء نے پروگرام بنایا۔ اور لاہور میں اسلامی کلوکیم کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔ مصر و شام اور دیگر بلاد عربیہ وغیرہ سے علماء کو دعوت دی گئی۔ مجبوراً آپ کو اور مفتی مولانا محمد شفیع علیہ الرحمہ کو بھی دعوت دی گئی۔ دوسرے حضرات کے علاوہ مشہور مصنف اور ماہر قانون اسلامی سابق وزیر حکومت شام مصطفےٰ زرقار اور مشہور مصری عالم الشیخ ابوزہرہ پرنسپل لا کالج (مصنف حیاتِ امام ابوحنیفہؒ، حیاتِ امام مالکؒ، حیاتِ امام شافعیؒ، حیاتِ امام احمد بن حنبلؒ اور حیاتِ امام ابن حزمؒ) بھی مدعو تھے۔ علاوہ ازیں مہدی علام جو مصر کے فاضل لوگوں میں سے تھے وہ بھی موجود تھے لیکن مولانا بنوری سے ملاقات کے بعد کسی تجدد پسند کو "نیا اسلام" پیش کرنے کی جرأت تک نہ ہوئی۔ صرف مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے کچھ مداہنت فرمائی۔ لیکن حکومت کی یہ کوشش ناکام ہوگئی۔

ربوا (سود) اور مسئلہ ستار (پردہ) میں حکومت کو کوئی مؤید نہ مل سکا۔ حقیقت میں ابوزہرہ اتنے بڑے ماہر عالم اصول فقہ کے ماہر اور افرنگی قانون کے شناسا تھے کہ پاکستانی تجدد پسندوں کی ان کے سامنے نہ چلی۔

فتنہ قادیانیت اور آپ کا اعزاز

قادیانی فتنہ کے خلاف اسی سال تک علماء حق اپنا فرض ادا کرتے رہے پچھلے دور میں علاوہ دوسرے بزرگوں کے امیر شریعت السیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ سبھی نے مردانہ وار جہاد کیا۔ اکابر علماء میں حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری کو اس فتنہ کی تردید و استیصال سے گہری دلچسپی تھی آپ اثنائے درس اپنے شاگردوں کو بڑی شد و مد کے ساتھ اس طرف متوجہ کرتے جس کے نتیجہ میں آپ کے شاگردوں میں اس فتنہ کے خلاف ایک خاص سپرٹ پیدا ہو جاتی۔

شاہ صاحب بڑے زیادہ کرب کے ساتھ فرماتے کہ نہ تو اس قدر دینوی طاقت ہے کہ اس دجال کے ساتھ جہاد کروں نہ خدا تعالیٰ کے یہاں اتنا قرب ہے کہ قادیانیت کے خلاف اس کے دربار اقدس میں تضرع و زاری سے دعا مانگوں اور وہ قبول ہو۔

القاء ربانی

شاہ صاحب فرماتے کہ کشمیر میں جس طرح وکلاء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ قادیانی ہو رہا تھا اس سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لعین ختم نہ کر دے لیکن اللہ کی طرف سے تسلی دلائی گئی کہ یہ لعین کبھی اس میں کامیاب نہ ہوگا۔

بہرحال شاہ صاحب کی دعاؤں اور ان کی تمناؤں کا اثر تھا کہ انکے جانشین نے ختم نبوت کا جھنڈا اٹھایا۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر ان کی قیادت میں اکٹھے ہوئے اور ان کے ہاتھوں ایسی تحریک اٹھی کہ پیپلز پارٹی جیسی جماعت نے مجبور ہو کر قادیانیت کے کفر پر دستخط کئے۔ حالانکہ قادیانی اس پارٹی کو برسر اقتدار لانے کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کر چکے تھے

یہ نہ صرف مولانا بنوری کی کرامت تھی بلکہ علامہ کاشمیری کی دعوات مستجاب کا اثر تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مجبور مسلمانوں نے جابر حکومت کے خلاف فتح پائی۔ بلکہ اس کا اثر موجودہ نظام شریعت کی تحریک پر بھی پڑا کیونکہ جب ایک دفعہ فتح کا دروازہ کھل جاتا ہے تو پھر یہ سلسلہ اللہ کی طرح قائم ہو جاتا ہے موجودہ تحریک میں جنرل محمد ضیاء الحق کا ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار سے علیحدہ کرنا اور پھر ایک با اختیار کونسل بنا کر نظام شریعت و قانون اسلامی کی تدوین کرانا اور اس میں مولانا کو بدقت تمام شریک کرنا سب اسی تحریک کا اثر تھا۔

عالمگیر ماتم

افسوس کہ مولانا بنوری اپنے ہاتھوں اس قصر شریعت کی تکمیل نہ دیکھ سکے۔ لیکن ان کی موت پر پاکستان کے ہر طبقہ نے جس طرح ماتم کیا (سوائے قادیانیوں ان کی حلیف پی۔ پی۔ پی اور چند متعصب و حاسد لوگوں کے) یہ اس کی علامت ہے کہ دنیا ان کی خدمتِ دینی کی معترف و قدردان ہے

خلافت حقہ اور پاکستان

اور کیا عجب کہ اسی کے صدقہ میں اس ملک میں اللہ تعالیٰ خلافت حقہ کے قیام کی بنیاد رکھ دے کیونکہ پورے عالم اسلام میں کسی ملک کے باشندے نظام شریعت کے لئے اس قدر مضطرب و بے چین نہیں جس طرح اسلامیان پاکستان

اس دور میں دوسرے سبھی شاید اپنی ڈیوٹی پوری کر کے اور خدمت سے تھک کر کسی اور ازم کی تلاش میں ہیں۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ
ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ.

عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں خلافت حقہ کی گدی و کرسی خالی ہے اور کسی قوم میں اس کو سنبھالنے کی بحالت موجودہ اہلیت و صلاحیت نہیں شاید یہ اعزاز پاکستان کو نصیب ہو جائے اور جس طرح ترکوں نے ۸۰۰ھ سے ۱۳۳۰ھ تک اسلام کی خدمت کی اب یہ موقع اہل پاکستان کو نصیب ہو جائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

بہرحال اس بہترین رفیق اور دوست کی یاد میں قلم برداشتہ یہ چند سطور لکھوا دیں ساقی نہ رہا تو لکھنے لکھانے کا قدرے کیسے باقی رہے غموں کا بوجھ چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ اللہ تعالیٰ میرے عزیز رفیق اور دوست کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے

آسماں اسکی لحد پر شبنم افشانی کرے ۔۔۔ سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے۔

قائد تحریک نظامِ مصطفیٰ
صدر پاکستان قومی اتحاد
مولانا مفتی محمود مدظلہ
فرماتے ہیں
شہداء تحریک نظامِ مصطفیٰ کے خون کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے زخمیوں کی قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے!
کسان، مزدور اور طلبہ کی شجاعت، بہادری کو صد آفریں کہنے کے لیے!
دانشور، صحافی اور نوجوان نسل کے اسلامی جذبہ کو سراہنے کے لیے!
جیل کی سلاخوں، قلعوں کی کال کوٹھڑیوں اور برستی گولیوں میں مادرِ وطن کے سپوتوں کو آوازِ حق بلند کرنے پر مبارکباد پیش کرنے کے لیے!
اور ——— نظامِ مصطفیٰ کو عملاً نافذ کرنے کے لیے!
۱۹۷۸ء ——— کو ——— سالِ نظامِ مصطفیٰ کے طور پر منائیے۔
ایشیا کی متفقہ پسند
کیپری پنکھے
ٹیبل
پیڈسٹل
اپنے شہر کے ڈیلر حضرات سے طلب فرمائیں
تیار کردہ: اقبال انڈسٹریز (رجسٹرڈ) بیرون لوہاری گیٹ گوجرانوالہ
۵۱۶۵

بسم الله الرحمن الرحيم

التاريخ ١٣٩٨/١/١٨ هـ
الموافق ١٩٧٧/١٢/٢٨ م
الرقم ....

دولة الامارات العربية المتحدة
مكتب رئيس القضاء الشرعي

وقفة تأمل

ليس من شك أنه لا دوام لشيء في هذه الحياة، ولا استمرار أبدى لذات، فكل شيء مهما طال بقاؤه فانه زائل، فالشمس تأفل، والقمر يغيب، والنهار يختفي، والشمع يذوى بعد ان يحرق نفسه ليستضيء به سواه، والزهور تذبل، بعد أن تملأ الدنيا عبيرا، والنفوس بهجة وسرورا، ثم ان الحياة في النهاية زائلة لامحالة، وأهل الحياة وان طالت أعمارهم، وامتدت آجالهم راحلون عن هذه الدنيا، ولن يبقى منهم، الا آثارهم التي يخلفونها، وبصمات أصابعهم التي يتركونها على صفحات الزمن، وآثار اقدامهم التي تبقى على سطح هذه الارض لتقول انهم مروا من هنا، وصدى أفكارهم ورنينها الذى يملأ أعماق الدهر حاضرا ومستقبلا، حيث يكون شاهدا على عظمتهم وعلو مكانتهم، وشموخ الصروح التي يبنونها للأجيال المقبلة، وذلك هو الخلود في الدنيا مادام فيها أناس تولد وأخرى تموت.

ويقينا أن عمر الانسان لا يقاس بعدد من السنوات قضاها فوق سطح كوكبنا هذا، انما العمر في الاثر والظل، اللذين يخلفهما الانسان وراءه.

ومن الناس الذين خلفوا وراءهم آثارا جليلة، وظلالا وارفة، وعلما نافعا، فضيلة العلامة الشيخ محمد يوسف البنورى رحمه الله، الذى فجع العالم الاسلامي، وفجعت شخصيا بفقده، حيث انه رحمه الله الى جانب مآثره وعلمه وفضله، كان صديقا شخصيا لنا، لأنه كان يتصف بكل صفات الرجل المؤمن العالم، الحريص على دينه، الساعي لنهضة أمته، المتوقد نشاطا وحيوية هنا وهناك في كل مجال يرى فيه مصلحة للاسلام والمسلمين.

لقد كان من جنود الله حقا، الذين وقفوا حتى آخر لحظة من حياتهم، يذودون عن حمى الاسلام وأرضه، ودينه، ويكافحون في كل موقع نزل فيه كفر، أو عمت فيه بدعة، أو ظهر فيه زندقة ومن هنا تصدى يكافح الزنادقة (القاديانية) وكذابهم الاكبر (ميرزا غلام احمد) وبقي يصارعهم حتى انتصر عليهم، حينما استصدر قرارا من الحكومة الباكستانية، باعتبار القاديانية اقلية غير اسلامية، علما انها كانت قبل ذلك تعتبر أقلية مسلمة، وكانت لهذا السبب تحتل أعلى المناصب في الدولة.

نعم : لقد كان لجهاده المتواصل الفضل الاكبر في محاربة هؤلاء، وحسر مدهم، وادخالهم في أوكارهم، حيث رد عليهم بما أخرسهم، وعرى معتقداتهم الزائفة.

لقد ظل رحمه الله تعالى ــ مجاهدا حتى سقط وهو في ساحة الميدان، حينما توفاه الله وهو يسعـ

لتحكيم شريعة الله في باكستان ، وكان ذلك اثر الجلسة الثانية للمجلس الاستشارى الاسلامي ، الذى
كان مجتمعا للنظر في القوانين الاسلامية ، لتطبيقها على المجتمع الاسلامي الباكستاني .
لقد كان - رحمه الله - من العلماء الافذاذ ، والمحققين الكبار ، والمحدثين العظام ، انه شيخ
المحدثين بالجامعة الاسلامية بدابهيل ، وله فضل تأسيس المدرسة العربية الاسلامية في باكستان
وفتح فروع للاختصاص فيها ، كالحديث ، والتفسير ومختلف فروع العلوم الاسلامية .
واني لأذكر لصديقي ، لغته العربية الرصينة ، فقد كان يتقنها كأحد ابنائها ، ويقول الشعر فيها .
انه عقلية فريدة في اتزانها ، فقد كان سديد الرأى عميق الفكر ، محبوبا من العامة والخاصة .
نعم : لقد خسره العالم الاسلامي ، في وقت هو في أمس الحاجة الى أمثاله ، لأن الرجال الافذاذ
ليس من السهل ان يتكرروا في تاريخ الامم .
وخسرته أنا شخصيا ، حيث كان صديقا حميما ، ربطتني به محبة لله ورسوله .
واني اسأل الله تعالى جلت قدرته ، أن يتغمده برحمته ، وأن يجعل منزلته مع الصديقين
والشهداء ، وان يفيض للعالم الاسلامي من يقوم مقامه ويحمل الراية بعده .
وعزائي وعزاء الامة فيه قوله تعالى :
(يا ايتها النفس المطمئنة ، ارجعي الى ربك راضية مرضية ، فادخلي في عبادى وادخلي جنتي)

احمد عبد العزيز آل مبارك
رئيس القضاة

[illegible]

محمد ہارون مسلم آبادی
مرکز ... الاسلامی
ابوظبی

شیخ عبدالعزیز آلِ مبارک

رئیس القضاء الشرعی ابوظہبی

ترجمہ :۔ محمد ہارون اسلام آبادی

اس کائنات ہستی میں کسی بھی شے کو بقائے دائمی حاصل نہیں۔ کسی بھی ہستی کی مدت بقا کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو آخر کار وہ فنا کا شکار ہو کر ہی رہیگی یہ آفتاب عالمتاب ہے کہ اپنی ضیا پاشیوں کے بعد افق میں غائب ہو جاتا ہے، یہ ماہتاب شب افروز ہے کہ نور افشانیوں کے باوجود کہیں روپوش ہو جاتا ہے۔ یہ دن ہے، کہ کچھ دیر بعد رات کی تاریکی میں مدغم ہو جاتا ہے، دیکھو یہ شمع فروزاں ہے کہ اپنے اطراف وجوانب کو چمکا کر خود ہی پگھل پگھل کر ختم ہو جاتی ہے، گلستاں میں گلہائے رنگا رنگ کو دیکھو کہ اپنے ماحول کو معطر کرکے خود ہی مرجھا جاتے ہیں ایک زندہ نفس، اس کی مدت عمر کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو آخر کار اسے راہ فنا کا سفر کرنا ہی پڑتا ہے، البتہ وہ آثار جو وہ چھوڑ جاتا ہے، وہ نقوش قدم جو وہ کرہ ارضی پر ثبت کرجاتا ہے جن سے کسی رہگذر کا پتہ ملتا ہے وہ ہی باقی رہتے ہیں، اس کے ان نظریات وافکار کی صدائے بازگشت دیر تک سنی جاتی رہتی ہیں جنہیں وہ زمان حال ومستقبل کی گہرائیوں میں چھوڑ جاتا ہے جن سے ان کی بلندی فکر وعلو شان کی سمت رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اس کی فکری عمارات کے وہ بلند منارے نظر آتے رہتے ہیں جو انہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے تعمیر کئے ہیں، یہی وہ امور ہیں جو گذرے ہوئے انسان کو زندہ جاوید کا درجہ بخشتے ہیں، کرۂ ارضی پر گذارے ہوئے گنے چنے چند سال وماہ کی بنیاد پر کسی انسان کی حیات کو جانچا نہیں جاتا۔ بلکہ ان آثار ونشانات کی بنیاد پر اسے تولا جاتا ہے جنہیں اس نے آنے والوں کے لئے پیچھے چھوڑا ہے۔

حضرت علامہ شیخ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار انھیں نفوس قدسیہ کی صف اول میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے اپنے پیچھے انمٹ آثار اور علوم نافعہ کے چشمے بہائے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے پوری اسلامی دنیا کو درد و کرب میں مبتلا کر دیا اور راقم الحروف شخصی طور پر مبتلائے غم واندوہ ہے کہ مولانا کی ذات بالاصفات اپنے علمی کمالات اور محاسن علیا کے مالک ہونے کے علاوہ ہمارے [illegible]ی دوست تھے۔

مولانا مرحوم مومن کامل الایمان اور عالم متبحر تھے اپنے دین کے معاملے میں بڑے ہی غیور اور حریص تھے، تادم زیست امت اسلامیہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے، ہر شعبۂ زندگی اور مواقع حیات میں امت کی ہمہ گیر بہبود کی فکر ان کے رگ وریشے میں رواں دواں تھی بیشک مولانا صحیح معنوں میں مجاہد فی سبیل اللہ تھے، وہ مجاہد جس نے اپنی آخری سانس تک جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اسلام کے دفاع کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی، جہاں کفر کی آہٹ سنی وہاں بجلی بن کر گرے، جہاں بدعت نے سر اٹھایا وہاں تیغ براں بن کر کوندے جہاں کسی زندیق نے آواز دی تو وہاں قہر خدا بن کر ٹوٹ پڑے، چنانچہ قادیانی زندیقوں اور ان کے کذاب رہبر میرزا غلام احمد کا یہاں تک پیچھا کرتے رہے کہ خدا نے انھیں اپنے جہاد میں فتح ونصرت سے نوازا اور حکومت پاکستان کیجانب سے وہ تاریخ ساز قرار داد صادر کروائی جس کی رو سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا حالانکہ اب تک اس فرقے کو مسلم اقلیتی فرقہ کہا اور سمجھا جاتا رہا اور اس کی بدولت وہ مملکت پاکستان کے اعلیٰ حکومتی عہدوں پر چھائے جاتے رہے۔ مولانا رح کے جہد مسلسل نے اس فرقہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور انھیں اپنے بلوں میں پناہ لینے پر مجبور کرنے میں زبردست رول ادا کیا۔ مولانا رح نے ان کے ملحدانہ عقائد پر تابڑ توڑ حملے کئے جن کی وہ تاب نہ لاسکے اور ان کی مکاری، فریب بازی اور عقائد فاسدہ کو طشت از بام کر کے رکھ دیا۔

مولانا کی شان مجاہدانہ دیکھئے کہ خالق حقیقی سے ان کا وصال ایسے وقت میں ہوا کہ وہ میدان جہاد میں معروف تھے، چنانچہ اسلامی مشاورتی کونسل جسکی حال ہی میں تشکیل نو ہوئی ہے جس کے مولانا رح ایک رکن رکین تھے اور جس کے ذمے پاکستان کے موجودہ قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالنا اور پاکستانی معاشرے میں انھیں نافذ کرنا تھا، اس کے دوسرے اجلاس کے بعد ہی مولانا رح کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔

مولانا مرحوم یکتائے زمانہ تھے ان کا شمار چوٹی کے محققین اور عظیم محدثین میں ہوتا ہے وہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مسند شیخ الحدیث کی عرصہ دراز تک زینت بنے

خدام الدین لاہور

رہے وہ کراچی میں شہرہ آفاق المدرسۃ اسلامیہ کے موسس تھے اس مدرسہ میں حدیث تفسیر اور دوسرے علوم اسلامیہ کے لئے درجات تخصیص کا خاص اہتمام کیا گیا جو اس مدرسہ کا طرہ امتیاز ہے۔

میں اپنے جانی دوست کو ان کی عربی دانی کے لئے بھی خاص طور سے یاد کرنے پر مجبور ہوں، عربی زبان پر ان کی قدرت کا موازنہ کسی بھی اچھے سے اچھے عرب کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، عربی نظم و نثر میں برابر کا ملکہ رکھتے تھے۔

خالق جل وعلا نے ان کی عقل میں ایک نرالا توازن عنایت فرمایا تھا وہ ایک طرف عمیق الفکر اور دوسری طرف سدید الرائے تھے، خاص و عام میں ان کی مقبولیت بے نظیر تھی۔

ہاں، ہاں! عالم اسلام آج ان پر ماتم کر رہا ہے اور وہ اسے داغ مفارقت ایسے وقت میں دے گئے، جب کہ ان جیسی ہستیوں کی اسے شدید ضرورت ہے ایسی شخصیتیں تاریخ کے کوکھ سے بار بار جنم نہیں لیتیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت رفع درجات اور صدیقین و شہداء کے ساتھ ان کی معیت کے لئے دست بدعا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے کسی بدیل کو پیدا فرمادے۔ امین

میری طرف سے خاص طور پر اور امت کی جانب سے عام طور پر بھی تعزیت پیش کرتا ہوں یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

حضرت مولانا العلامہ الشیخ السید

محمد یوسف بنوری

قدس سرہٗ

کی

دینی، علمی، عملی، مجاہدانہ اور فقیہانہ خدمات

ہمارے لیے مشعل راہ ہیں ——— اور

ہم ادارہ خدام الدین کو ان کی یاد میں شاندار اشاعت

کا اہتمام کرنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

قاری محمد اکبر ساقی، ملک مرید حسین

حوالدار ملک محمد نواز۔ ہٹی، نزد تلہ گنگ

۲۲۵۲

نپن بابن کمپنی پاکستان لمیٹڈ ساہیوال کے

"بابن"

بہترین سوت کی تیاری کے ضامن ہیں۔

یہ بابن مشہور عالم نپن بابن کمپنی لمیٹڈ جاپان کے اشتراک سے ماہر جاپانی انجینئروں کے زیر نگرانی تیار کئے جاتے ہیں

منجانب: چوہدری جمیل احمد، مینیجنگ ڈائریکٹر ——— فون: ۲۷۹۷

نپن بابن کمپنی پاکستان لمیٹڈ جی، ٹی روڈ ساہیوال

۲۲۵۷

حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک

> راولپنڈی میں حضرت اقدس مولانا بنوری مرحوم کی نماز جنازہ پڑھانے سے قبل شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ اکوڑہ خٹک نے حاضرین کے اصرار پر مختصراً خطاب فرمایا۔ اس وقت حضرت مرحوم کا جسدِ اطہر سامنے کمرہ میں رکھا ہوا تھا۔ حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ جو ضعف و نقاہت کے علاوہ صدمہ سے نڈھال تھے، نے حسب ذیل مختصر کلمات سے حضرت اقدس بنوریؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

محترم بزرگو! آج دارالعلوم دیوبند کے علوم خصوصاً حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اسرار و نکات کا حامل ہم سے جدا ہو گیا پاکستان اکابر کی نعمت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ ہم سے چلے گئے تھے اور اب پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے علوم اور ان کے برکات سے محرومی آگئی۔ حضرت مولانا علماء دیوبند کے فیوضات کے خزینہ اور اکابر دارالعلوم کے علوم کے امین تھے۔ تمام علوم پر حاوی تھے۔ خصوصاً احادیث میں انتہائی مہارت تھی۔ خداداد ذہانت اللہ تعالیٰ نے انہیں دی تھی۔ فیض الباری شرح بخاری کی تالیف اور طباعت میں آپ کا بھرپور حصہ ہے۔ آج ہم اور پورا پاکستان حامل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات سے محروم ہو گیا۔

میرے بھائیو! محدث کی وجہ سے بہت سے برکات نازل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم ادھم فرماتے ہیں کہ رحلت یعنی طلبائے احادیث کے نقل و حرکت اور حصول احادیث کے لئے سفر اور نقل مکانی کی وجہ سے زمین آفات و بلیات سے محفوظ رہتی ہے۔ تو جب طلبائے حدیث کا اتنا اونچا مقام ہے تو ایک حافظ الحدیث اور محدث کی وجہ سے کتنی رحمتیں نازل ہوں گی — حضرت امام بخاریؒ کا جب انتقال ہوا تو ایک عالم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ خلفاء راشدین کے کسی کی آمد کا منتظر پایا وہ عالم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ کس کے انتظار میں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ کے انتظار میں ہم کھڑے ہیں۔

اس طرح کے مکاشفات اور مبشرات ہمارے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے بارہ میں بھی منقول ہیں ——

محترم بزرگو! اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر غیرت مند ہے اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غیور ہیں۔ فرمایا۔ وانا اغیرھم۔ تو جس شخص نے اپنی عمر کا کافی حصہ حضور اقدسؐ کے کلام مبارک کے پڑھنے پڑھانے میں خرچ کیا، تو وہ غیور ذات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مکافات دنیا میں بھی اور قبر میں بھی اور قیامت میں بھی دیں گے۔ دنیا کے بارہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم محدثین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

نضر اللہ امرءً اسمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا کما سمعھا (اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے، جس نے میری کوئی بات سن کر اسے اچھی طرح یاد کر لیا اور پھر اسی طرح اسے اوروں تک پہنچا دیا) قبر میں احسان یہ کہ امام بخاری کے واقعہ سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ حدیث کی خدمت کی برکت سے حضور اقدسؐ اس کے آمد کا انتظار فرما رہے ہیں۔ اور اس کے اثرات یہ تھے کہ امام بخاریؒ کی

تربت کی کی خوشبو مہکتی رہی. چھ ماہ تک یہ سلسلہ رہا. خدام نے دعا کی کہ یا اللہ اس کرامت کو مخفی فرما. کیونکہ ان کی قبر مبارک کو روزانہ مٹی سے بھر دیتے اور مٹی لوگ تبرکاً لے جاتے رہے. قبر میں گڑھا پڑ جاتا تھا اور قیامت کے دن حضورؐ اپنے سایہ کے نیچے اپنے خدام کو جگہ دیں گے. خدام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تشریف لے جائیں گے.

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ معلوم ہے کہ خواب میں حضور اقدسؐ کے ساتھ ساتھ ان سے کچھ آگے آگے بطور خادم جنت میں جا رہے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں حضرت بلالؓ کو یہ خوشخبری دی. حضرت مولانا بنوریؒ نے فتنہ قادیانیت کی قلع قمع میں ہماری سرپرستی فرمائی. وہ نہ صرف ایک محدث اور ایک مدرس تھے بلکہ بین الاقوامی مسائل، مشکل اور پیچیدہ مسائل پر بھی اسلامی نقطہ نگاہ پیش کر سکتے تھے. چنانچہ اس وقت بھی اسلامی مشاورتی کونسل کے سلسلہ میں کہ قوانین کو اسلامی بنایا جائے. آج کونسل ملکی و بین الاقوامی مسائل پر شرعی حیثیت سے روشنی ڈالنے والے بزرگ سے محروم ہو گئی. اگرچہ اسلامی کونسل میں شامل حضرت مولانا مرحوم کے رفقاء بھی علماء ہیں مگر حضرت بنوریؒ تو اکابر علماء میں سے تھے. اپنے دور میں علماء کے سربراہ تھے. تو آج ہم سب اور عالم اسلام ایسی مبارک ہستی سے محروم ہو گیا، جس کا بدل فی الحال نہیں ملتا. علم حدیث میں مولانا کی تصانیف کو دیکھ کر ان کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے. مولانا مرحوم کی ترمذی شریف کی شرح معارف السنن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اسرار و لطائف کی کثرت ہے کسی اہم مسئلہ کے متعلق کتب احادیث میں بکھرا ہوا مواد ایک جگہ مل جاتا ہے. بے شمار کتابوں کے حوالے اور مواد یکجا ہوتا ہے اور طول طویل شروح کے ڈھونڈھنے سے انسان بچ جاتا ہے.

ہماری بدقسمتی ہے، پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ علماء کے سربراہ سے محروم ہو گیا، حامل حدیث سے محروم ہوا اور علوم دیوبند کا امین اٹھ گیا اور خصوصاً حضرت علامہ کے علوم سے محرومی ہوئی.

اللہ تعالیٰ اُمّت کو حضرت مرحوم کے برکات سے مالا مال فرماتا رہے اور حضرت مولانا صاحبؒ کو اعلیٰ علیین کے بہترین مقامات پر فائز فرما دے.

ترکی کی تحریک اسلامی کے بانی بدیع الزمان سعید نورسیؒ کی مختصر سوانح

روحِ سعید

قیمت ۳/ روپے

اخوان المسلمون مصر کے بانی حسن البنا شہیدؒ کے روح پرور مقالات

حسن البنا شہید سرِ محفل قیمت -/۹

عالمی شہرت کے حامل نامور مصری قانون دان عبدالقادر عودہ شہید کی

قانون الٰہی یا انسانی قیمت -/۶

ظالم حکمرانوں کے روبرو کلمۂ حق کہنے کی لازوال داستانیں

حکایات عزیمت قیمت ۳/۶۰

اکبر کے نام نہاد دین الٰہی کی جڑوں پر پہلے وار کی حیثیت رکھنے والے

مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات قیمت ۹/

اور

گھریلو اور بیرون خانہ زندگی میں کامیابی کی راہ دکھانے والے خوبصورت اور دلچسپ اقوال پر مشتمل نئی چھپنے والی کتاب

لعل و گہر قیمت ۴/۵۰

جیسی

عمدہ اور معیاری کتابوں کے ناشر
دس روپے یا اس سے زیادہ قیمت کی کتب
یک مشت منگوانے پر ڈاک خرچ خود برداشت کرتے ہیں

مکتبہ چراغِ اسلام

۴۰۔ بی۔ اردو بازار، لاہور

غریب مریض صبح ۸ بجے دوا مفت حاصل کریں

دمہ، کالی کھانسی، تبخیر معدہ، خارش، ذیابیطس
اعصابی کمزوری

لقمان الہند حکیم قاری حافظ محمد طیب

۲۷۔ نکلسن روڈ۔ لاہور : فون ۶۵۵۶۷

علامہ کشمیری کی تصویر گم ہوگئی

مولانا شمس الحق افغانی

مولانا مرحوم میرے ہم وطن تھے اور ان کے والد ماجد مولانا محمد زکریا صاحب (مرحوم) سے بھی احقر کا تعلق رہا. مولانا سید محمد یوسف (مرحوم) عمر میں مجھ سے تقریباً دس سال چھوٹے تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں جب مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں مشغول ہوئے تو احقر کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اپنا قائم مقام بنایا۔ ان ایام میں مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم مجلس علمی میں حضرت علامہ کشمیری کے علوم مدون کرنے کے کام میں مصروف تھے۔ چونکہ ڈابھیل اور مجلس علمی باہم پیوست ہیں۔ اس لئے فراغت کے اوقات میں مرحوم اکثر جامعہ ڈابھیل تشریف لاتے اور علمی مجلس گرم رہتی تھی۔ طبقاتی تقدم کی وجہ سے حضرت مرحوم اگرچہ حسبِ عادت احقر کا بہت احترام کرتے تھے۔ لیکن میں ان سے کہتا تھا کہ تم نے حضرت شیخ الاسلام کشمیریؒ کا پکا پھل کھایا ہے اور ہم نے کچا پھل کھایا ہے۔ وہ ہنس کر فرماتے تھے۔ والفضل للمتقدم۔

مولانا مرحوم اپنے علامہ کشمیریؒ سے ان اُمور میں کافی مشابہت رکھتے تھے۔

(۱) ترکِ دنیا خشیۃ اللہ (۲) تواضع (۳) انسدادِ فتنۂ دینیہ کے لئے جذبۂ جہاد، خواہ قادیانیت ہو یا پرویزیت یا نیچریت۔

حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ کسی بلند ترین مشہور تر شخصیت کے اندر بھی کوئی دینی نقص ہو، اس کو برملا تقریر اور تحریر سے ظاہر کر کے اس کی اشاعت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مولانا ابوالکلام آزاد پر بھی سخت تنقید کی۔ اظہارِ حق میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔ حضرت مرحوم کی بہتر یادگار یہ ہے کہ جس نہج پر انہوں نے اسلام کی خدمت کی ہے۔ اس کی تکمیل کی جائے۔

۱۔ ان کی شرح ترمذی معارف السنن جس کی چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اگر اُن کی قلم سے لکھی ہوئی کوئی اور جلد ہو اس کو بھی چھاپ کر اشاعت کی جائے میں پیرانہ سالی اور ہجوم امراض کی وجہ سے اس خدمت سے عاجز ہوں۔ لہٰذا علماء کا ایک بورڈ قائم کیا جائے جن کو فنِ حدیث، فنِ رجال، فنِ اصولِ حدیث اصولِ فقہ اور فقہ حنفی فقہ جامع پر عبور حاصل ہو۔ اور اکابر علماء دیوبند کے ذوقِ علمی سے مناسبت رکھتے ہوں، وہ حضرات معارف السنن کی تکمیل کر دیں۔ تاکہ پوری شرح مولانا مرحوم کے انداز پر علماء کے سامنے آجائے۔

۲۔ کل جدید فتنۂ دینیہ کے لئے مولانا مرحوم کی طرح تصنیف و تحریر کے ذریعہ مساعی جاری رکھیں۔

۳۔ عربی مدارس کے لئے توکل علی اللہ اور قناعت کے رنگ میں احیاء علوم اسلامیہ کی کوشش جاری رکھیں کہ نہ سالانہ جلسوں کی نمائش ہو نہ اشتہارات نہ سفیروں کا ہجوم۔ بلکہ تقویٰ اور اعتماد علی اللہ کے سرمایہ سے مدارس کا کام چلایا جائے۔

میرے مؤتمر اسلامی میں شرکت کے لئے ملائشیا کوالالمپور جانے کے لئے جب ملتان سے کراچی کے ہوائی اڈہ پر اترا تو دیگر علماء کے علاوہ مولانا مرحوم بھی ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ آپ کے ہاں رات کی دعوت میں احقر کی ملاقات کے لئے مختلف حضرات بھی کھانے میں شریک تھے۔ دسترخوان پر مولانا مرحوم نے مجھے دیکھ کر مسکرا کر کہا کہ میرے ہاں مدرسہ کی طرف سے مہمانی کا کوئی شعبہ نہیں ہے۔ یہ سب میرے جیب خاص کا خرچ ہے۔

ہزاروں روپے کے چیک بمد زکوٰۃ مولانا واپس کرتے تھے کہ ہمارے مدرسہ میں مصرفِ زکوٰۃ نہیں۔ پھر وہ حضرات چیک واپس اس تحریر کے ساتھ بھیجتے۔ کہ آپ حسبِ صوابدید خود مصارف شرعیہ کسی اور جگہ مستحق لوگوں میں تقسیم کریں۔ مولانا پھر واپس کرتے کہ آپ خود تقسیم کریں۔ یہ بوجھ ہم پر کیوں ڈالتے ہو۔

ایک دعوت ایک تحریک

ھدیۃ المھدیین فی آیۃ خاتم النبیین

حال ہی میں "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" کی طرف سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رح (بانی دار العلوم کراچی) کا عربی رسالہ ھدیۃ المھدیین فی آیۃ خاتم النبیین شائع کیا گیا، جو موصوف نے حضرت الاستاذ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رح کے حکم سے حضرت رح کی نگرانی میں مرتب فرمایا تھا، اس میں مسئلہ ختم نبوت پر ۳۳ آیات - ۱۶۵ احادیث، صحابہ و تابعین کے آثار، علمائے امت کے ارشادات اور کتب سابقہ کی شہادتوں کا بے نظیر ذخیرہ جمع کیا گیا ہے، یہ رسالہ عربی میں اپنے موضوع پر جامع ترین کتاب ہے جس پر حضرت امام العصر رح نے حضرت مؤلف کو بہت داد دی تھی۔

"مجلس تحفظ ختم نبوت" کی جانب سے اس کی اشاعت اس مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے کہ نہ صرف اندرون ملک ہر عالم اور عربی داں اس سے مستفید ہو بلکہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ان تمام ممالک کے اہل علم تک یہ کتاب پہنچائی جائے جہاں قادیانی فتنۂ ارتداد کے اثرات ہیں، اور جہاں عالمی زبانوں میں مستند اور ٹھوس لٹریچر کا تقاضا شدت سے ہو رہا ہے، ارادہ ہے کہ سردست اس کتاب کا ایک لاکھ نسخہ بھجوانے کا بندوبست کیا جائے، اور اس کی شکل یہ تجویز کی گئی ہے کہ وہ تمام اہل خیر جنہیں دین اور اس کے عالمی تقاضوں کا احساس ہے انہیں اس صدقہ جاریہ کی طرف توجہ دلائی جائے کہ وہ حسب استطاعت اس کی سو سو، ہزار ہزار نسخے خرید کر خود بھجوائیں، یا یہ کام "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے سپرد کر دیں۔ جو حضرات اس صدقہ جاریہ کی تحریک میں حصہ لینگے انہیں کتاب اصل لاگت پر مہیا کی جا رہی ہے، یعنی فی سینکڑہ ۲۴۰/۰۰ تین صد روپے اور فی ہزار ۲۴۰۰/۰۰ چوبیس سو روپے - اس چھوٹی سی کتاب کے ایک لاکھ نسخے بھجوا دینا قومی سطح پر معمولی بات ہے - مگر اس کے اثرات انشاء اللہ دنیا و آخرت میں خیر و برکات کا موجب ہونگے - میں تمام احباب و مخلصین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قومی و ملی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس تحریک میں بیش از بیش حصہ لیں -

واللہ الموفق لکل خیر و سعادۃ -

(تمام خط و کتابت درج ذیل پتہ پر کی جائے: "ناظم شعبہ نشر و اشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان - تغلق روڈ - ملتان")

(حضرت مولانا) محمد یوسف بنوری عفا

امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان (کراچی)

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

مولانا بنوری

طبقہ قائدین کی ممتاز شخصیت

مولانا عبید اللہ انور سے

مدیر خدام الدین کا خصوصی انٹرویو

حضرت الامام مولانا لاہوری قدس سرہٗ کے فرزند وجانشین مولانا عبید اللہ انور ملک کے ان معدودے چند اہل علم میں سے ایک ہیں جنھیں حضرت حکیم الاسلام الشیخ العارف امام ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے علوم و معارف پر سند و اتھارٹی تصوّر کیا جاتا ہے۔

وسعتِ معلومات و مطالعہ میں مولانا کا بلند مقام ہے اور جب آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کی جاتی ہے تو آپ جوئے رواں کی طرح بولتے چلے جاتے ہیں اور معلومات کا ایک ذخیرہ سامعین کو نصیب ہو جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ جرأت و حق گوئی، استقلال و استقامت اور بلند نظری و وسعتِ قلبی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ طبیعت میں شفقت و محبّت اور خلوص و رواداری کا یہ عالم ہے کہ باید و شاید ؟ ایک معصوم فطرت انہیں پکڑ کر کھڑا ہو جائے تو جب تک وہ خود علیحدہ نہیں ہو گا آپ اسے مایوس نہیں کریں گے۔ اپنے عقیدت مندوں اور ارادت کیشوں کی خلافِ طبع باتوں اور امور کو برداشت کرنا اور حکمت و دانائی کے ساتھ ان سب کی اصلاح کرنا آپ کا ہی کام ہے۔

اور یہ سب کچھ آپ کو اپنے والد بزرگوار حضرت لاہوری قدس سرہ سے ورثہ میں ملا ہے۔ حضرت لاہوری کی ایک ایسی خوبی تھی جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ یعنی آپ اپنے اساتذہ و مشائخ کے علاوہ اپنے اقران و ہم عصر اہلِ علم و فضل کا بھی بہت احترام فرماتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ہر ایک کے محبوب نظر اور ہر ایک ان کی عظمت کا معترف تھا۔ مولانا بھی ایسی پُر کشش و جاذب نظر شخصیت کے حامل ہیں۔ وقت کے تمام مشائخ، اکابر اور اہلِ علم سے ان کے مثالی تعلقات ہیں اور وہ ہر کسی کے ساتھ انتہائی احترام و مروت اور تعلق و شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ بڑوں کے لیے بچھ جانا، چھوٹوں کے لیے سراپا شفقت ان کی خوبی ہے۔

"خدام الدین" کے سید بنوری نمبر کیلئے میری درخواست پر انھوں نے جس طرح میری حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمت بندھائی اسی نے مجھے اتنے بڑے کام پر آمادہ کیا۔ قدم قدم پر ان کی دعائیں اور توجہ شاملِ حال رہی۔ اسی اثنا میں میں نے مولانا بنوری قدس سرہ کے متعلق ان سے انٹرویو کی درخواست کی تاکہ اس طرح باہمی عقیدت و احترام اور تعلق کی ایک داستان محترم قارئین کے سامنے آسکے۔ تو انھوں نے بکمالِ شفقت ۱۷، فروری ۷۸ء جمعہ کے دن بعد از عشا وقت مرحمت فرمایا۔

میں وقتِ مقررہ پر حاضر ہوا۔ اتفاق سے میرے ساتھ میرے مخلص دوست اکبر برکی آف جہلم اور ظہیر میر صاحب ناظم نشریات جمعیۃ طلباء اسلام بھی تھے۔ مولانا کو اطلاع دی گئی تو مدرسہ قاسم العلوم میں بیٹھنے کا حکم فرمایا، یہ عظیم عمارت جس کو حضرت دین پوری قدس اللہ سرہ العزیز سے لے کر حضرت درخواستی اور مفتی محمود مدظلہما جیسے اکابر نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا، اس کا

افتتاح حضرت امام العصر کاشمیری اور حضرت العلام عثمانی سرہما نے کیا تھا۔ ہم انتظار میں بیٹھ گئے کہ چند منٹ بعد حضرت اقدس تشریف لاتے۔ چال میں وقار و تمکنت گفتگو میں شیرینی و حلاوت اور نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کے مصداق۔ آپ کے بڑے لڑکے اجمل میاں اور خادم حاجی بشیر احمد بھی موجود تھے اور چند منٹ بعد چائے لوازمات سمیت گھر سے لے کر چھوٹے صاحبزادے عزیز اکمل میاں آ گئے، چائے بھی چل رہی تھی اور سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ میں نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کی ملاقات و مراسم کا سلسلہ کب سے شروع ہوا تو فرمایا :-

نام تو بہت پہلے سُنا۔ البتہ باقاعدہ تعلق ۱۹۵۱ء میں ہوا۔ بعض حکومتی مناصب پر فائز لوگوں نے علماء کے فروعی اختلاف کو بنیاد بنا کر یہ پھبتی کسی کہ ہم کس کا اسلام نافذ کریں تو ہر مکتبۂ فکر کے ۳۱ علماء کراچی میں جمع ہوتے اور دستور اسلامی کے سلسلہ میں ۲۲ بنیادی نکات مرتب کر کے غلط رو اور گمراہ فکر نام نہاد قائدین کے چیلنج کا جواب دے دیا۔

ان علماء میں حضرت لاہوری بھی تھے اور مولانا بنوری بھی۔ میں حضرت کے ساتھ بحیثیت خادم کراچی گیا تھا۔ حاجی مولا بخش صاحب سومرو کے مکان پر اجتماع تھا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو سب نے حضرتؒ کو مصلیٰ پر کھڑا کر دیا حضرت نے مڑ کر دیکھا تو مولانا ابو الحسنات مرحوم پر نظر پڑی۔ خود ہٹ کر انھیں مصلیٰ پر کھڑا کر دیا، اہلِ حق کی روایتی وسعتِ قلبی کا یہ عظیم مظاہرہ تھا جو آئندہ چل کر مختلف تحریکات میں یہی روح کار فرما رہی۔ افسوس یہ ہے کہ فریقِ ثانی اس قسم کی وسعتِ قلبی سے محروم ہے۔

مولانا بنوری اِن دنوں ٹنڈو الہ یار میں تھے۔ رات کا قیام میزبان کی کوٹھی پر تھا۔ صبح کی نماز کے لیے حضرتؒ اور مولاناؒ نے ایک دوسرے کو آگے بڑھانا چاہا۔ لیکن پھر دونوں نے مجھے آگے کر دیا۔ اس موقعہ پر مولانا نے مجھے فرمایا کہ کراچی میں اہلِ حق کے شایان شان مدرسہ نہیں۔ اس کے لیے حضرت سے دعا کروانا۔ مزید فرمایا کہ میں آپ کی ترقی درجات اور حسنِ خاتمہ کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔ آپ مجھ سے ایسا ہی وعدہ کریں۔ میں نے وعدہ کر لیا اور الحمد للہ کہ ہمیشہ ایفا کیا۔ ویسے مولانا جب ملتے تو وعدہ یاد دلاتے اور جب حضرت لاہوریؒ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ایک مرتبہ وعدہ کی یاد دہانی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ پہلے تو ہم برابر تھے۔ اب تو آپ شیخ ہیں ہم زیادہ محتاج ہیں۔ اور بقول مولانا انور یہ مرحوم کی بزرگانہ شفقت تھی۔

حضرت لاہوریؒ سے تعلقات کی بات آئی تو فرمایا کہ مولانا کو آپ سے بہت زیادہ تعلق تھا۔ اسکا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت سے ایک شایان شان مدرسہ کی دعا کروائی۔ اس کے علاوہ ایک واقعہ میرے سفر حج (غالباً ۱۹۵۵ء) کا ہے۔ کراچی میں ایک مخلص نے دعوت کا اہتمام کیا۔ وقت غالباً ۹ بجے کا تھا۔ اس میں مولانا کو بھی بلایا اور میری اطلاع بھی دی۔ تو حضرت مولانا کمالِ شفقت کے ساتھ تشریف لاتے۔ فرمایا بہت سے معمول چھوڑ کر اس لیے آیا ہوں کہ آپ کا پتہ چلا تھا۔ میں نے شکریہ بھی ادا کیا اور معمول چھوڑ کر آنے پر معذرت بھی کی۔ فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں، اصل میں آپ کے والد صاحب کا میرے قلب پر بہت اثر ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب دیوبند میں اختلاف ہوا اور اساتذہ کی ایک جماعت ڈابھیل چلی گئی تو اس اختلاف کے باوجود تمہارے والد صاحب ایسی شخصیت تھے جو فریقین کے لیے قابلِ احترام تھے۔ ان کی ہر بات کی فریقین قدر کرتے اور ان کی فرمائش پوری کرتے، اس موقعہ پر مجھے حضرت کی عظمت کا اندازہ ہوا، اور برابر تعلق رہا۔ یہی باتیں ذہن میں ہیں۔ اس لیے آپ سے بھی ملنے کو جی چاہتا ہے اور سُن کر چلا آیا ہوں۔

علاوہ ازیں کئی بار لاہور تشریف لاتے تو غریب خانہ کو رونق بخشی، ما حضر تناول فرمایا اور دعائیں دیں۔ ایک مرتبہ تحریک ۱۹۵۳ء کے دوران مکرم عبد الحمید صاحب بٹ

کے مکان پر فروکش تھے کھانا گھر سے بھجوا کر گئے۔ کھایا
تو بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ تمہارے گھر میں ذکراللہ
کی جو کثرت ہے اس کے انوار کھانے سے معلوم ہو
رہے ہیں۔ اسی طرح جب میں کراچی جاتا تو ضرور ملتا
کبھی کبھار وہاں ٹھہرنے کا بھی موقع ملا، مولانا اکثر فرماتے
کہ آپ ادھر اُدھر ملنا جلنا آنا جانا رکھیں۔ قیام یہاں کریں
رفقا جتنے ہوں فکر نہیں، مجھے بہت خوشی ہو گی۔
اور پھر مولانا انور نے جوش میں آکر فرمایا واقعہ یہ ہے
کہ میں نے شیخ مدنی قدس سرہٗ کے بعد مولانا جیسا
مہمان نواز نہیں دیکھا۔

میرے استفسار پر مولانا انور نے بتلایا کہ حرمین
شریفین میں کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ چونکہ مولانا کا سالانہ
معمول حج کا تھا۔ ساتھ ہی رمضان میں عمرہ اور مسجد
نبوی کا اعتکاف ان کی عادت مستمرہ تھی۔ جس کا
سبب ان کے شیخ جناب حاجی محمد شفیع الدین نگینوی
قدس سرہٗ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ
تعالیٰ کا ارشاد تھا کہ تمہارا سلوک حج و عمرہ سے طے ہو
گا۔ اس لیے وہ بکثرت تشریف لے جاتے اور میں نے
ان پر وہاں خاص کیفیت دیکھی۔ والہانہ انداز سے عبادت و
بندگی میں مشغول رہنا اور گریہ کی کیفیت، ملتزم سے
چمٹنا، تکلیف کے باوجود طواف پر طواف اور روضۂ
نبوی اور مسجد نبوی میں وجدانی کیفیت، یہ سب باتیں
مشاہدہ کی ہیں اور ان سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا
تھا۔

میرے سوال پر مولانا نے فرمایا کہ اہل علم میں اختلاف
کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔ لیکن یہ اختلاف ان کے باہمی
احترام کے درمیان کبھی حائل نہیں ہوتا، اختلاف کی بنیاد
دلائل ہوتے ہیں اور وہ خلوص سے اپنی اپنی رائے قائم
کرتے ہیں۔ لیکن کم ظرفی کا مظاہرہ کر کے ایک دوسرے
کی توہین و تکفیر یا تفسیق و تضلیل نہیں کرتے۔ جہاں
تک مولانا سندھی سے مرحوم کے اختلافات کا تعلق
ہے اس کی بنیاد خالص علمی ہے۔ رہ گیا مسئلہ توہین
کا تو مولانا کی ذاتِ گرامی اس سے بہت ارفع تھی اور اس
کا ان کے اخلاقِ کریمانہ سے تصور بھی مشکل ہے۔ جو

شخص ہر سال روضۂ انور کے پڑوس میں اعتکاف کرے اور
جسے حدیث نبوی سے عشق ہو اور جو بیگانوں کو بھی عزت
سے نوازے اور ان کا احترام کرے۔ وہ اپنے اساتذہ
کے ساتھی کے متعلق اس قسم کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔
بلکہ مجھے دو واقعات مولانا نے خود بتلاتے جن سے اندازہ
ہوتا ہے کہ مرحوم، مولانا سندھی سے کیسا تعلق رکھتے تھے؟
ایک تو یہ کہ جب مولانا اور ان کے رفیق محترم مولانا
احمد رضا بجنوری مصر سے "فیض الباری" اور "نصب الرایہ"
طبع کروا کر حجاز پہنچے تو مولانا سندھی رباطِ بھوپال
مکہ معظمہ میں اپنی طویل جلا وطنی کے دن گذار رہے تھے
ان حضرات نے دونوں کتابوں کا ایک ایک نسخہ آپ کی
خدمت میں پیش کیا تو مولانا سندھی بے حد خوش ہوتے
انتہائی مسرت میں بہت دعائیں دیں اور خاص طور پر
"نصب الرایہ" کے سلسلہ میں ان کی خوشی اور دعائیں تو
عجیب تھیں اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کے علماء بھی
حنفیت کے معاملہ میں بہت سخت واقع ہوتے تھے اور
انہیں حضرت الامام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے سلسلہ میں
یہ اعتراض کہ وہ قیاس پر زیادہ عمل کرتے ہیں احادیث
کا سلسلہ ان کے یہاں نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صحیح نہ تھا
اور اس سلسلہ میں علامہ زیلعی علیہ الرحمۃ کی کتاب
"نصب الرایہ" لاجواب کتاب ہے کہ اس میں فقہ ابی
حنیفہؒ سے متعلق ایک ایک مسئلہ کے لیے دلائل موجود
ہیں اور احادیث کا قیمتی ذخیرہ اس میں ہے۔ اس وجہ
سے مولانا بہت خوش ہوتے اور فرمایا کہ اب ہم ان
لوگوں کو یہ کتاب دکھائیں گے اور اپنے شاگردوں کو
پڑھائیں گے۔ وجہ یہ تھی کہ مولانا کو حنفیت سے بہت پیار تھا۔ اور
اس میں انہیں انسانی مسائل کا حل بسہولت و آسانی نظر
آتا تھا۔

دوسرا واقعہ مولانا نے یہ فرمایا کہ مجھے کسی اہم مسئلہ
میں اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ تو میں نے مولانا سندھی
اور علامہ عثمانی کی طرف رجوع کیا۔ اور انھیں عریضے لکھے
تیسرا نام مرحوم نے کسی مصری عالم کا بتلایا جو مولانا انور
کے ذہن سے نکل گیا۔ غالباً علامہ زاہد الکوثری تھے یا
شیخ جبالی (واللہ اعلم) افسوس کہ یہ مسئلہ اور اس کے

جوابات محفوظ نہیں ۔ اگر مولانا کے نوادراتِ علمی میں یہ ریکارڈ موجود ہو تو جہاں ان حضرات کے باہمی تعلق پر روشنی پڑے گی وہاں ایک اہم علمی مسئلہ پر اہلِ علم کے نگارشات بھی سامنے آ جائیں گے ۔

مولانا کے مدرسہ کے متعلق بات کی تو مولانا انور نے فرمایا کہ وہ ایک عظیم ادارہ ہے اور بلاشبہ اہلِ حق کے شایانِ شان ۔ جیسا کہ پہلے گذرا کراچی جیسے مرکزی شہر میں اس کمی کو مولانا محسوس فرماتے اور اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے دعا کی درخواست میرے ذریعہ سے کی اور باقی اہلِ فضل و کمال سے بھی دعائیں کرائیں ۔

ان بزرگوں کی دعاؤں اور مولانا کے خلوص اور جوشِ عمل نے آج اس مدرسہ کو مثالی حیثیت دے دی ہے اور اس کا نظم و انتظام ، طریقِ تعلیم و تربیت سب ہی مثالی ہے ۔

ورنہ اس شہر میں اور لوگ بھی ہیں جنکے ادارے تو کجا وہ خود بھی آج دنیا کی نظروں سے گر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مثال تو مولانا احتشام الحق تھانوی کی ہے جن کا ادارہ ٹنڈو الہ یار میں تھا اور وہاں وقت کے اکابر اساتذہ بشمول مولانا بنوری تھے لیکن آج وہ ادارہ جس حال میں ہے وہ بھی معلوم ، اور خود مولانا کا قصہ بھی معلوم ۔ اصل میں اس کا سبب یہ ہے کہ مولانا بنوری میں جو خلوص و جوشِ عمل تھا اور اس کے ساتھ تواضع و انکساری ، وہ یہاں معدوم ہے ۔ میرے سامنے کا قصہ ہے کہ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کراچی میں تھے ، استاذِ محترم مولانا عبدالحق اکوڑوی حج کے لیے جا رہے تھے ، میرا قیام کراچی میں تھا ۔ ابا بزرگوار کی ہدایت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جاتے کی تھی ، میں روزانہ جاتا ، مولانا اکوڑوی کو ملانے گیا تو وہاں مولانا احتشام الحق بھی آ گئے ۔ حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ بھائی تم نے تو "ٹنڈو الہ یار" میں "چھانٹ" اکٹھی کر دی ۔ اس پر مولانا نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اور ان اہلِ علم کا شکر گذار ہونے کے بجائے ایسا جواب دیا جو علم کی شان کے منافی ہے۔ حضرت رائے پوری کے چہرہ کی ناگواری مجھے محسوس ہو رہی تھی ۔ پھر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ "چھانٹ" بکھر گئی اور یہ "یوسفِ بےکارواں" ہو کر رہ گئے اور اب تو حد ہی ہو گئی ۔

اسی طرح سیٹھ باوانی نے مہتمم دارالعلوم دیوبند کے توسط سے عظیم ادارہ بنانا چاہا ، اسباب و وسائل کی کمی نہ تھی حضرت قاری صاحب آ بھی گئے لیکن انہیں تو مولانا مدنی قدس سرہٗ اور دوسرے حضرات کی توجہ و اصرار سے واپس جانا پڑا اور سیٹھ صاحب محض دولت کے بل بوتے پر کچھ نہ کر سکے جب کہ سید بنوری نے ایک مثال قائم کر دی ۔

مولانا کے علم و فضل کی بات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ دیوبند میں ایک بات مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح شاگرد عطا فرمائے جس طرح حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کو ۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بات مشہور تھی کہ شیخ الہند قدس سرہٗ کا علم حدیث امام کاشمیری کو ، تفقہ حضرت مفتی کفایت اللہ کو ، استقلال و استقامت حضرت مدنی کو ، سیاسی فکر مولانا سندھی کو اور زبان و کلام علامہ عثمانی کو نصیب ہوا ۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

مولانا کا ان اعاظم رجال میں سے تین بزرگوں سے گہرا رابطہ اور تعلق تھا اور وہ مختلف دوائر میں ان حضرات کے حقیقی وارث بنے ۔ جہاں تک علامہ کاشمیری کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ حضرت محدث کاشمیری اور مولانا بنوری لازم و ملزوم ہیں ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی جرأت و استقامت اور استقلال سے آپ کو حصہ وافر ملا ۔ کیونکہ آپ کا روحانی تعلق آپ سے تھا اور "بینات" میں شائع شدہ خطوط (جو اس نمبر میں شامل ہیں) اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں ۔ رہ گئے مولانا عثمانی تو ان کا باہمی تعلق بھی مکاتیب سے ظاہر ہے ، جو چھپ رہے ہیں ۔ مولانا عثمانی سے آپ نے یہ فن اخذ کیا کہ سینکڑوں صفحات کے خلاصے چند سطور میں اس طرح سمو دیتے کہ عقل دنگ رہ جاتی ۔ مولانا بنوری کا اس فن میں کمال "معارف السنن" کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور مولانا عثمانی

کے متعلق ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الہند کا ترجمہ شدہ قرآن مجید حضرت العلام کے حواشی سے مزین پہلی مرتبہ مولانا مجید حسن بجنوری کے اہتمام سے شائع ہوا تو مولانا حبیب اللہ صاحب مہاجر مکی (برادر اکبر) اور میں آپ سے ملے، آپ نے ایک نسخہ ابا جان کے لیے دیا۔ بھائی جان نے بہت تعریف کی، تو علامہ نے فرمایا کہ بھائی میں نے ایک ایک حاشیہ کے لیے سینکڑوں تفاسیر کو دیکھا اور پھر ان کا خلاصہ پورے مطالب کے ساتھ دو یا اس سے کم و بیش صفحات میں لکھا لیکن ناشر صاحب کی خواہش بالکل اختصار کی تھی کہ ان کے سامنے عوام کا نفع تھا، اس لیے میں نے پھر ان صفحات کو سطروں میں سمویا۔ البتہ یہ انداز مولانا بنوری کا ہے اور اس طرح گویا وہ اپنے شیوخ میں سے بالخصوص ان تین حضرات کے علم و عرفان اور ان کے ذوق علم و جرأت کا "چہار آتشہ" تھے تغمدہ اللہ بغفرانہ

میں نے مناسب جان کر اکابر کا قصہ چھیڑا تو آپ نے بتلایا کہ مولانا انور شاہؒ یہاں تشریف لائے۔ (سنہ ۲۶) انجمن کا جلسہ تھا۔ آپ نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو امیر شریعت منتخب کیا اور سب سے پہلی بیعت خود کی، تیسری بیعت کرنے والے مولانا بنوری تھے۔ اس موقعہ پر علامہ عثمانی کی تقریر سے علامہ اقبال، سر فضل حسین وغیرہ بہت متاثر ہوئے۔

علامہ اقبال نے دعوت کی۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کی خواہش پر وہاں جانا ہوا۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہمراہ تھے۔ میاں صاحب نے اپنے خادم میاں ابراہیم صاحب سے دیوبند کے چار نوری وجودوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان میں سے ایک "انور شاہ" ہیں۔ یہ بات آپ کے ملفوظات میں تھی جس کے جدید ایڈیشن سے ورثا نے یہ روایت نکال کر اپنے بزرگوں کی روح کو پریشان کیا اور اپنی دیانت کو مجروح کر لیا۔

اس موقعہ پر حضرت شاہ صاحب نے احرار پارک دہلی دروازہ میں تقریر کی جس میں کسی نے بریلوی حضرات کے متعلق سوال کر ڈالا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟

فرمایا کہ اختلافات فروعی ہیں، ہمارے نزدیک وہ اہل قبلہ اور مسلمان ہیں اور ہمیں جو کافر کہتے ہیں تو اس کا خمیازہ قیامت کو خود بھگتیں گے۔

اس تقریر کو عمل بالحدیث کے مدعیان نے سخت ناپسند کیا ان کا خیال یہ تھا کہ جواباً سخت بات کہی جائے گی لیکن خلاف توقع جواب پا کر انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے خلاف سخت جملے کہے، گو کہ شاہ صاحب اس سے بہت بلند تھے۔

رہ گئے بریلوی حضرات تو افسوس یہ ہے کہ وہ آج تک اپنے قول و عمل کے اعتبار سے روا داری کا مظاہرہ نہیں کر رہے اور اہل حق کی تکفیر و تفسیق کے مکروہ مشغلہ میں خوف خدا و جواب آخرت کے احساس سے محروم ہو چکے ہیں۔

مولانا ظفر علی خان مرحوم نے اس تقریر کو چھاپنا چاہا تو حضرت لاہوری نے انہیں تقریر دیدی کیونکہ آپ نے نقل کی تھی اور پھر وہ تقریر "زمیندار" میں چھاپ دی۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو اساتذہ کی تقاریر لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ مولانا سندھی کی تقریریں اس طرح لکھیں کہ ۷۵ فیصد اصل الفاظ محفوظ کر لیے جس پر مولانا سندھی مسرور ہوئے اور یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے لکھی دیکھی تو بہت خوش ہوئے۔

میں نے اہل علم میں مولانا بنوری کے مقام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ طبقہ قائدین کی صف کے ممتاز فرد ہیں جن کا کام ملت کی رہنمائی ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے بتلایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک قائدین و عاملین کی تقسیم ہے یعنی رہنمائی کرنے والے اور آگے بڑھ کر کام کرنے والے، حضرت شاہ صاحب کا دور افراتفری کا دور تھا۔ سیاسی ابتری کے علاوہ فکری ہنگامہ آرائی بہت تھی۔ خاص طور پر رفض کا زور تھا اور یہ سلسلہ ہمایوں کے دور سے چل کر اب

جوان ہو چکا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے فکر کو مختلف کتابوں میں پھیلا دیا کہ ایک ہی جگہ مجتمع ہونے میں اس کتاب کے ضائع ہونے کا احتمال تھا۔ جودت ذہنی کے مالکوں کے لیے ان منتشر موتیوں کو اکٹھا کرنا مشکل نہ تھا، چنانچہ آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب شکل میں فکر پیش کی اور اس فلسفہ کو بے نقاب کیا اور گمراہ فرقوں بالخصوص رفض کی قلعی کھولی، عملی شکل دینے والے آپ کے پوتے سید اسمٰعیل شہید الدہلوی تھے جنہوں نے حضرت الامیر بریلوی کی قیادت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

جب سے ہی یہ سلسلہ یونہی چلا آ رہا ہے کہ فکری رہنمائی کرنے والا گروپ اور عاملین کا طبقہ۔ بقول مولانا سندھی، شاہ صاحب کے فلسفہ میں "پارٹی" بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ یہ موقعہ ملتے ہی انقلاب بپا کر سکتی ہے، اس لیے حضور علیہ السلام نے ابتداء میں پارٹی بنائی جس کو خلافتِ باطنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے بعد خلافتِ ظاہرہ کا ظہور آتا ہے۔

مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک ایک فرد کو اسی وجہ سے انقلابی قرار دیتے اور فرماتے کہ ایک انقلابی اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ اس کے لیے سینکڑوں غیر انقلابی قربان کیے جا سکتے ہیں۔ بہر حال شاہ صاحب کے فیصلہ کے مطابق جو قائدین و عاملین کی جماعتیں ہیں ان میں مولانا پہلے طبقہ کے ممتاز فرد ہیں اور انہوں نے فکری رہنمائی کا قابلِ قدر فریضہ سر انجام دیا جبکہ زندگی کے آخری سالوں میں عملی اعتبار سے بھی مثالی کام کیا جس کی ایک جھلک تو انٹی کادیانی تحریک میں نظر آ سکتی ہے۔

حضرت مولانا انور کے لفظ لفظ سے غم و اندوہ کی کیفیت محسوس ہو رہی تھی اور آپ کو حضرت والا کے انتقال کے صدمہ کا شدید غم تھا، بار بار ان کی عظمت کو سراہتے، دعائیں دیتے۔ آخر میں آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ رب العزت انہیں دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے اور ان کے مدرسہ اور دوسرے یادگار اداروں کو قائم و دائم رکھے۔

امیر شریعت حضرت بخاریؒ کا حضرت بنوریؒ کو خراجِ تحسین

شرکاءِ مجلس میں سے کسی نے حضرت مولانا بنوریؒ صاحب کے درسِ قرآن کا ذکر کیا جو اسی صبح مدرسہ قاسم العلوم میں ہوا تھا۔ شاہ جی فرمانے لگے "مجھے پتہ دیا ہوتا تو گرتا پڑتا حاضر ہو جاتا آخر میں بھی تو چھابڑی فروش ہوں۔ جب تک زندگی کی رمق باقی ہے یہ دھندا بھی باقی ہے۔ ان ہی حضرات کے ہاں سے مال حاصل کر کے اپنی چھابڑی میں رکھ کر صدا لگا لیتا ہوں۔"

ہمارے دور کے چند علماء حق
از محترم امین گیلانی صاحب ص ۱۰۱

عمدہ سلائی ✻ مناسب دام
وعدہ کی پابندی ✻ با اخلاق عملہ
شرٹ اینڈ پینٹ سپیشلسٹ ✻
کرتا شلوار کے ماہر ✻
یہ کچھ سب خصوصیات
شاہین ٹیلرز کی ہیں
اس پتہ پر تشریف لائیے
۴۶۱۔ مین بازار سید مٹھا نزد مزار سید مٹھا
اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔ پروپرائٹر ۰ شوکت علی

مشفق استاذ

حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں

خانقاہ سراجیہ

۷۸۶

بعد الحمد والصلوٰۃ الفاضل اللبیب المحترم ۔۔۔ جناب ایڈیٹر

صاحب ہفت روزہ خدام الدین لاہور مطالعہ فرمادیں والانامہ نے

سرفراز فرمایا خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی ۔ یاد فرمائی کا شکریہ

آپ کو معلوم ہے کہ فقیر اہل قلم میں سے نہیں نہ کبھی اس طرح

کی تحریروں کا بالعموم اتفاق ہوتا ہے ۔ لیکن حضرت مولانا بنوری

فقیر کے مشفق استاد بھی تھے اور محسن و محترم بزرگ بھی اس لئے

چند سطور پیش خدمت ہیں ۔ پسند آجائیں تو درج رسالہ فرمادیں

ورنہ " کالائے بد بریش خاوند "

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری بن حضرت سید محمد زکریا بنوری رحمہم اللہ تعالیٰ فقیر کے مشفق استاذ تھے اور شفقت و محبت سے اپنا خادم اور ساتھی بھی تصور فرماتے تھے۔

وہ ہنس مکھ نورانی چہرہ اور میٹھی میٹھی رس بھری باتیں جو کانوں میں شیرینی گھول دیتی تھیں اور دل و دماغ کو تری و تازگی بخشتی تھیں تو ان کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنے سے دکھ ہوتا ہے ۔ لیکن جب سب نے اسی راستے پر چلنا ہے تو اس شعر میں کوئی جدت اور ندرت باقی نہیں رہ جاتی کہ

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجام دہر مئے کل من علیہا فان

بہر حال دعا ہے کہ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ ۔

فقیر کو شوال ۱۳۶۰ھ سے شعبان ۱۳۶۱ھ تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں حضرت مولانا مرحوم سے سبعہ معلقہ ۔ مقامات حریری ۔ اور ادبی متوسطات پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء میں حضرت سیدی و مرشدی مولانا محمد عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ ۔ جانشین قیوم زمان حضرت مولانا ابو السعد احمد خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ ، بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی کے وصال کے بعد خانقاہ سراجیہ کی خدمت کا بوجھ جب فقیر کے کندھوں پر آپڑا تو اس کے بعد ایک دفعہ حضرت مولانا مرحوم خانقاہ شریف رونق افروز ہوئے ۔ سوئے قسمت سے فقیر ہری پور ہزارہ کے سفر پر تھا ۔ خانقاہ شریف سے واپسی پر حضرت مولانا بھی اپنے محترم داماد مولانا محمد طاسین صاحب کو ملنے ہری پور ہزارہ تشریف لائے تو وہاں ہری پور کے موضع قاضی محمد شمس الدین صاحب کے مکان پر فقیر کو ملنے تشریف لائے اور بڑی محبت و دلچسپی سے خانقاہ شریف کے پُرسکون ماحول اور عظیم کتب خانے کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ :۔

" جی چاہتا ہے کہ علمی کام کے لئے آدمی خانقاہ شریف میں آجائے کیونکہ ہر طرح کا

سکون اور یکسوئی جس طرح وہاں میسّر ہے کراچی جیسے مصروف شہر میں اس کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا، پھر جبکہ اتنا عظیم اور جامع کتب خانہ بھی دسترس میں ہو۔

پاکستان کے اہلِ علم بلکہ عوام تک کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا بنوری رح پورے عالمِ اسلام کی چند اہم شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ بڑے بڑے عظیم علمی اور تصنیفی و تدریسی کام انجام دیئے۔ عجمی ہونے کے باوجود عربی پر وہ دسترس تھی کہ دمشق و قاہرہ بلکہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے ادیب علماء مولانا کی روان عربی تقریروں کو بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنتے تھے اور مولانا کے ایک ایک جملے پر بے ساختہ جھوم جھوم کر داد دیتے تھے۔

اور با این عظیم کمالاتِ قابلیت و مقبولیت مولانا کی خاص بات یہ تھی کہ کوئی دنیادی جائیداد نہیں چھوڑی اور کمال بے نفسی کی حد یہ ہے کہ جامعہ اسلامیہ اور جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی کی عظیم عمارات کے بانی تے ان عمارات پر تو لاکھوں روپے خرچ کرڈالے مگر اپنا ذاتی جھونپڑا تک بنانے کی نہ فرصت ملی نہ وسعت! مدّت العمر ایک اینٹ پر دوسری اینٹ تک رکھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ تقریباً ۶ فٹ چوڑا اور ۸ فٹ لمبا کمرہ مولینا کا کمرہ طعام (ڈائننگ روم) بھی پھر یہی کمرہ ملاقات (ڈرائینگ روم) بھی تھا اور پھر یہی کمرہ دار التصنیف بھی تھا۔ عظیم علمی تصنیفات اسی مختصر کمرے میں انجام پائیں۔

دین اور خدمت دین حضرت مولانا کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ حتیٰ کہ سفر آخرت بھی ایک دینی سفر کے سلسلے میں ہی پیش آیا کہ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شمولیت کے لئے راولپنڈی تشریف لائے تھے اور دین کی راہ میں غریب الوطنی کی وفات حسرت آیات سے دوچار ہوئے۔

ہزاروں اشکبار آنکھوں نے راولپنڈی میں نمازِ جنازہ ادا کی اور لاکھوں جگر فگار سینوں نے کتاب و سنّت کی اس امانت کو سینۂ زمین کے اندر مستور کیا۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

زندگی کے دو عظیم کارنامے

حضرت مولانا مرحومؒ کی آخری زندگی کے دو عظیم کارنامے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

پہلا عظیم عملی کارنامہ

انگریز کی خود کاشتہ جھوٹی نبوت کا نوّے سالہ پرانا فتنہ قادیانیت تھا ۱۹۷۴ء میں حضرت مولانا کی سرکردگی میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی تحریک پر مسلمانانِ پاکستان نے یک زبان ہوکر جس طرح اس فتنے کے خاتمے کی جدّوجہد کی وہ حضرت مولانا کی پوری زندگی کے عظیم سُنہری کارناموں میں سے ہے۔

اس عظیم تحریک کی وجہ سے گذشتہ اسلام دشمن حکومت نے مجبوراً انگریز کے اس نوّے سالہ پرانے فتنے کو ختم کیا۔ مرزائی غیر مسلم اقلیّت قرار پائے۔ اور ہر مسلمان کے لئے عقیدۂ ختم نبوّت کا اظہار و اقرار ضروری ٹھہرا۔

دوسرا عظیم علمی کارنامہ

اور حضرتِ مولانا کی زندگی کا آخری عظیم اور زندۂ جاوید کارنامہ تھا۔ کہ پاکستان جس قسم کے دینی اور اعتقادی فتنوں کی زد میں ہے ان سب میں "رفض جلی" کی دھوم دھام کے ساتھ "رفض خفی" نے بھی اپنی پوری توانائیوں کو مصروفِ کار کر رکھا ہے۔ اور نئی منصوبہ بندی اور خاص علمی تکنیک سے تجدید سبائیت کی مساعیٔ نامشکور زور و شور سے بروئے کار آ رہی ہیں۔

پاکستان کے اہلِ علم "رفضِ خفی" کے فتنے کے بانی صاحب" کے علمی حدود اربعہ سے تو واقف تھے ہی، لیکن دوسرے اہلِ علم کے عربی ترجموں سے مرتب شدہ کتابوں پر اپنا نام چھاپنے سے عرب دنیا میں یہ تاثر پھیل گیا تھا کہ الاستاذ المودودی بھی کوئی عبقری ہستی ہے۔

لیکن حضرت مولانا مرحوم نے کتاب الاستاذ المودودی و شیء من حیاتہ و افکارہ" کے نام سے دو حصے لکھ کر اس طلسم کو عرب دنیا میں پاش پاش کرکے رکھ دیا۔ اور فتنہ کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ عرب علماء کی آنکھیں کھل گئیں۔ کہ وہ کیا سمجھتے تھے؟ اور اندر کی حقیقت کیا تھی؟ فجزاہ اللّٰہ خیرا

حضرت مولانا نے پہلے حصے کے ابتدائیے میں صاف صاف لکھ دیا کہ اس تحریر کو میں اپنا زادِ آخرت اور نجات تصوّر کرتا ہوں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی دوست الاستاذ المودودی حصہ اوّل کے ابتدائیہ کا ترجمہ کرکے "خدام الدین" میں شائع کردے۔ وللّٰہ عاقبۃ الامور۔

تاریخ وفات

بامداد از ہاتفے آمد ندا
کز شنیدش آہ من بر آہ رفت
ہائے شیخ الاسلام بنوریٔ ما

۱۳۹۷ھ

یادگار شیخ انور شاہ رفت

(مولوی ولی محمد، درجۂ تخصیص فی الفقہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا بنوری

چند یادیں

مولانا حافظ محمد عبدالقدوس فاضل دیوبند، سابق صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

از محمد عبدالقدوس
سابق صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی
پولیس روڈ کوہاٹ ... پشاور
27/12/77

محترمی مولانا ... صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے دو گرامی نامے پہونچے۔ پہلے گرامی نامہ کے وقت مدیر الزمتی اتنی تھی کہ جواب دینے کی نوبت بھی نہ آئی دوسرا گرامی نامہ ... پہنچا اور مجھ کو ... دہ پہلے مل سکا۔ از راہ کرم آئندہ کوئی خط بھیجنا ہو تو کوہاٹ کے پتہ پر بھیجا کریں جو مندرجہ عنوان ہے۔

"شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری طیب اللہ ثراہ کے محامد و مناقب کے بارے میں لکھنا میرے قلم کی بس میں نہیں ان کی سیرت کا ایک اجمالی خاکہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے بینات ماہ ذی الحجہ کے لعاشر میں کھینچا ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ انہوں نے حق ادا کر دیا ہے۔ تاہم سکون قلب کے لئے رثاء و عزاء کا مناسب سامان مہیا کر دیا ہے سوانح حیات کا ایک تفصیلی خاکہ مرحوم و مغفور کے قدیم ترین رفیق و محب و محبوب مولانا لطف اللہ مدظلہ نے رسالہ الحق میں کھینچنا شروع کیا ہے حضرت بنوری مرحوم کے ساتھ راقم الحروف کے تعارف و عقیدت کا رابطہ تقریباً ۵۰ سال سے قائم تھا۔ لیکن یہ رابطہ کسی دور میں بھی اتنا قریبی نہیں رہا کہ ان حضرات کے تاثرات پر کوئی معتدبہ اضافہ کر سکوں۔ بہر حال آپ کے ارشاد کی تعمیل میں چند سطور حوالۂ قرطاس کئے دیتا ہوں یہ ان کلمات کا ترمیم شدہ حصہ ہے جو میں نے حضرت شیخ بنوریؒ کی تعزیتی جلسہ میں شعبۂ عربی و اسلامیات پشاور یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ کے سامنے عرض کئے تھے"

حضرت الشیخ مرحوم کی شخصیت جن عناصر سے بنی تھی وہ تھے ذہانت، محنت خدمت، قدر دانی، خلق حسن، بشاشت۔ مجلس آرائی، سخاوت، مہمان نوازی، انابت الی اللہ تعالیٰ، محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تصلب فی الدین اور اخلاص ذہانت کی صرف ایک مثال عرض ہے، فرمایا کرتے تھے کہ مقامات حریری کے کچھ مقالے پڑھے تھے اور کچھ کا مطالعہ کیا تھا، حضرت مولانا کشمیریؒ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی زبان میں لکھ کر پیش کیا کہ چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ بطور ایک خادم وابستہ ہو جاؤں، حضرت شاہ صاحبؒ نے پوچھا کہ عربی طرز تحریر کہاں سے سیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ مقامات حریری پڑھی ہے اس کی مدد سے یہ عریضہ لکھا ہے۔ حضرت کشمیریؒ نے فرمایا کہ بس اتنا ادبی سرمایہ تمہارے لیے کافی ہے۔

فصاحت و بلاغت کے متعلق ادبا کا نظریہ یہ ہے کہ الفاظ و اسالیب کا معیار ذوق سلیم ہے۔ حضرت بنوریؒ اس ذوق سلیم کے مالک تھے انہوں نے ابتدائی دور میں (مقاماتِ حریری کے تتبع میں) مقفی و مسجع عبارت میں بھی تحریریں لکھیں مگر ادائے مافی الضمیر کی ضرورت اور تقفیہ و تسجیع کے محاسن میں توازن قائم رکھا اور کبھی مطالب کو قافیہ و سجع کے بوجھ میں دبنے نہ دیا۔ بعد میں جب تحریر میں مزید سلاست پیدا ہوا اور سنجیدگی اور متانت کا عنصر بڑھ گیا تو تحریر تقفیہ و تسجیع کے قیود سے آزاد ہو گئی۔

خدمت سے متعلق ایک واقعہ عرض ہے۔ بیان فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ طلب علم حضرت کشمیریؒ کے ساتھ بطور خادم خاص ان کے آبائی مسکن "لولاب" جایا کرتا تھا۔ حضرت کشمیریؒ کے والد بزرگوار اور ان کے برادرِ خورد اس وقت بقیدِ حیات تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کچھ مسودات اور کچھ عبارات میرے (مولانا بنوریؒ کے) حوالہ کر دیا کرتے تھے کہ ان کو صاف کر دیں فرمایا کہ میں رات کے گیارہ بجے تک اس کام میں معروف رہا کرتا تھا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ مسرت کے انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ سیف اللہ شاہ (حضرت کے برادر خورد) اس کے نصف کے برابر بھی کام کرے گا تو صبح اٹھے گا" حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ رات کو ڈیڑھ بجے تہجد کے لئے اٹھ جایا کرتے تھے۔ حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں ٹائم پیس کی مدد کے بغیر ان سے پہلے اٹھ کر ان کے لیے گرم پانی کا انتظام کر لیتا تھا اور کسی دن بھی اس میں ناغہ نہیں کیا"

فرمایا کہ "اس کے نتیجہ میں صبح کی نماز کے بعد مجھ پر نیند کا غلبہ رہتا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ صبح کی نماز کے بعد نیند مناسب نہیں۔ آخر جب کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے لیے صبح کی نماز کے فوراً بعد ایک سبق مقرر کر دیا کہ وہ وقت درس میں معروف رہے"

حضرت بہت قدردان تھے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ حضرت کا وسیع حلقۂ احباب اسی قدر دانی کا نتیجہ ہے ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک ایک مثال پیش خدمت ہے۔ میرا تعلق حضرت بنوریؒ سے جن وسائط کی بنا پر قائم ہوا ان میں سے ایک مؤثر واسطہ استاذ مرحوم و محترم حضرت مولانا عبدالحق نافع مدرس دارالعلوم دیوبند کی ذات تھی۔ استاذ مرحوم میرے آبائی مسکن زیارت کاکا صاحب کے باشندے تھے۔ ان کی مجلس علماء و فضلاء کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ حضرت بنوریؒ بھی اس مجلس کے رکن رکین تھے۔ جہاں تک مجھے علم ہے حضرت کو اپنے شیخ معارف و علوم حضرت مولانا کشمیریؒ اور اپنے شیخ طریقت شیخ الاسلام) مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سب سے زیادہ قلبی تعلق ان سے تھا۔ دونوں کے باہمی مراسلات سے (جن میں سے حضرت بنوریؒ کے اکثر خطوط محفوظ ہیں) بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت بنوریؒ حضرت نافع سے عمر میں چھوٹے تھے۔ تعلق استاذی و شاگردی نہیں بلکہ دوستی کا تھا۔ مگر قدر دانی کا یہ عالم تھا کہ دونوں حضرات کسی وقت آس پاس کے دیہات و قصبات کے سفر پر جایا کرتے تھے تو حضرت بنوریؒ حضرت نافع مرحوم کا سامان سفر اپنے ہاتھ میں لیے چلتے تھے۔

بشاشت اور مجلس آرائی وسیع حلقۂ احباب کے لوازمات میں سے ہیں۔ حضرت بنوریؒ کو قدرت کلام ایسی حاصل تھی کہ گویا ہر شے کے محاسن و معایب کی پوری فہرست ہر وقت ان کے دماغ میں حاضر رہتی تھی۔ عادت مبارکہ یہ تھی کہ ضرورت کے وقت محاسن کی گردان دہرا لیتے تھے راقم الحروف نے ایک مجلس میں بعض معاشرتی برائیوں کے ضمن میں کراچی شہر کی مذمت کی تو حضرت نے کراچی کے محاسن اتنے گنائے کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر کراچی شہر نہ ہوتا تو شاید پاکستان کے وسائل خیر تمام کے تمام مسدود ہوتے۔

ان کے زمانۂ فراغت تحصیل سے لے کر ملازمت ڈابھیل (غالباً ۱۳۵۰ھ تا ۱۳۵۴ھ) کا وقفہ اور کراچی کے قیام کا ابتدائی عرصہ بہت تنگدستی میں گذرا۔ لیکن ان کے دو تین رازداروں کے سوا اور کسی کو یہ اندازہ نہیں لگتا تھا کہ حضرت کسی ضیق یا تشویش میں گھرے ہوئے ہیں۔ مہمانوں کی خدمت بدستور جاری رہتی تھی۔ کچھ اوقات ایسے بھی آئے کہ اس وضعداری کو قائم رکھنے کے لئے گھر کا کچھ اثاثہ بھی خفیہ طور پر فروخت کرنا پڑا۔ تاہم دوسروں کو اپنے فقر و غنا میں فرق ہونے نہ دیا۔

انابت الی اللہ ان کا اپنا موضوع تھا۔ اس موضوع میں انہوں نے کسی کو اپنے ساتھ شریک نہیں کیا۔ اسی وجہ سے غالباً انہوں نے کسی شیخ سے خلافت بھی حاصل نہیں کی اور اگر حاصل کی تھی تو اسے خفیہ رکھا تھا کسی کو بیعت کے ذریعہ حلقۂ ارادت میں شامل نہیں کیا۔ اگرچہ کئی فاضل اصحاب کا تعلق ان کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے مرید و شیخ کا ہوا کرتا ہے۔ فاضل تلامذہ کا وسیع دائرہ تھا جو ان کے اسی طرح حلقہ بگوش تھے جس طرح مرید اپنے شیوخ کے ہوتے ہیں۔ طلوع آفتاب تک معمولات سے فارغ ہو چکے ہوتے۔ دن کے اوقات تدریس و تصنیف فتویٰ اور مہمان نوازی کے لیے مخصوص تھے۔

ان کی انابت الی اللہ کا خاص نقشہ زیارت حرمین کے موقع پر نظر آتا تھا۔ برادر عزیز مولانا عبدالسبوح قاسمی اس وقت مکہ مکرمہ میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں۔ حضرت بنوریؒ کے ان کے ساتھ بھی اچھے مراسم تھے۔ قیام مکہ کے دوران بسا اوقات ان کے مکان پر ٹھہرا کرتے تھے۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ رات کے معمولات تو مکان پر ہی مکمل فرما لیتے تھے اور پھر دن کے اوقات میں حرم شریف میں بڑا وقت گذارا کرتے تھے۔ عموماً حطیم کے آس پاس کسی چھوٹے سے سایہ کی آڑ لے کر کعبۃ المبارک کے قرب میں معروف اوراد ہوتے۔

مدینہ منورہ میں ہوتے تو مسجد نبوی کے شمال مغربی گوشہ میں عموماً وقت گذارا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے علماء و طلبا کا ہر وقت مجمع رہتا تھا۔ اس سال عشرۂ آخیرہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ اوقات حسب معمول مسجد نبوی میں ہی گذارے۔ لیکن اعتکاف کی نیت نہیں کی۔ اس لیے کہ وضو کا انتظام قریب نہیں تھا اور گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے دور آنے جانے میں دقت ہوتی تھی۔ اور اعتکاف کی فقہی پابندیوں کو نباہنا مشکل تھا۔ وفات سے ایک ہفتہ پہلے پشاور تشریف لائے تھے تو لطیفہ سنجی کے طور پر فرمایا کہ "اب کے ہم نے خالص مہمان بن کر دربار نبوی کی حاضری دی۔ اور حضور نبوی میں عرض کیا کہ ہم سے محنت نہیں ہوتی۔ بغیر محنت کے مہمان ہیں"

حضرت کو دربار نبویؐ سے بہت گہری محبت تھی۔ کئی نعتیہ قصائد عشق و محبت

میں ڈوبے ہوئے عربی زبان میں منظوم فرمائے تھے۔ جو الفاظ و اسالیب پر قدرت کے اچھے نمونہ ہیں۔ محبت نبوی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت رح کے نزدیک مرقدِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیم کو باقی بقاع پر اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ جسد مبارک کا خمیر (دلائل و آثار کی بنا پر) اسی سرزمین سے بنا تھا۔ زیارت مرقد نبوی کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کرنے پر ابن تیمیہ رح اور ان کے متبعین نے قدغن لگایا ہے اور حدیث لا تشد الرحال سے استدلال کیا ہے۔ حضرت بنوری رح نے معارف السنن میں اس مسئلہ پر کافی تبصرہ فرمایا ہے اور دلائل جواز دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ علماء و صلحاء ہمیشہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ زیارت کے لیے گئے ہیں۔ یہ سفر مسجد نبوی کی زیارت کے لیے نہیں ہوا کرتا تھا اس لئے کہ ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کی فضیلت کو چھوڑ کر ایک ہزار نمازوں کا ثواب حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا مستبعد ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

اچھی اونٹنیاں اور سواریاں تیزی کے ساتھ صرف اس مقدس بقعہ زمین کی زیارت کی طرف دوڑائی جاتی ہیں جس میں محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین، پیغمبروں کے امام اور تمام اولادِ آدم کے سردار مقیم ہیں۔

اس بقعۂ مبارک کی طرف جس میں انوار الٰہیہ چمکتے ہیں اور جسے تجلیات ربانی نے گھیرا ہوا ہے۔

تو اے اللہ رحمت اور سلام بھیج اور برکت نازل فرما اس پاکیزہ مقدس روح پر جو تمام مخلوق میں سے برگزیدہ اور قدس والوں (انبیاء و صلحاء) کے امام اور تمام مخلوق کے سردار ہیں۔

اور ہمیں ان کی محبت عطا کر اور ان کی شفاعت اس دن نصیب فرما جب انسانوں کو نہ مال کوئی فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ اولاد۔

آمین یارب العالمین

(معارف السنن ج ۳ ص ۳۳۳۔ اس موضوع کے لیے معارف السنن کے ص ۳۲۲ تا ۳۳۵ مستحق مطالعہ ہیں)

حضرت رح کی شخصیت کا ایک عنصر ان کا تصلب فی الدین اور اخلاص تھا جسے ہم الحب فی اللہ والبغض للہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ حضرت امور دین میں سلف صالحین کے جادہ مستقیم پر گامزن تھے اور علمائے سلف خصوصاً فقہائے احناف کے مسلّمہ مسلک سے سرِ مو انحراف ان کو گوارا نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے چکڑالیوں اور قادیانیوں کے کفریات کے خلاف جہاد کرنے کے علاوہ بعض ایسے اشخاص پر بھی تنقید فرمائی جن کے بارے میں بعض دوسرے اہل علم نسبتہً صلح پسند ہیں۔ مثلاً مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا سندھی اور مولانا مودودی

اس مناسبت سے ایک مجلس کا واقعہ ذکر کرتا ہوں حضرت شاہ صاحب کشمیری رح کے علمی کمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا عثمانی رح فوائد قرآن کریم کو ترتیب دیتے وقت ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا عثمانی رح نے حضرت کشمیری سے کہا کہ سورۃ ص میں فتنا کی تشریح میں تسلی بخش تو جیہ نہ ملی حضرت کشمیری رح نے برجستہ فرمایا کہ مستدرک حاکم میں ابن عباس کی ایک روایت ہے اسے دیکھ لیجئے"

راقم الحروف نے پوچھا کہ کیا سوال فَتَنَّا سُلَيْمَانَ سے متعلق تھا حضرت بنوری رح نے فرمایا "نہیں یہ سوال حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں فَتَنَّاهُ سے متعلق تھا فَتَنَّا سُلَيْمَانَ سے متعلق اشتباہ مودودی صاحب کو ہوا ہے" اس مختصر گفتگو میں ایک طویل مضمون کا اجمال ہے۔ بہرحال اس سے حضرت بنوری رح کی وسعت اطلاع اور سلیقۂ تنقید کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

وہ اجتہاد کے قائل تھے۔ مگر ان کا اجتہاد کتاب و سنت اور فقہ (خصوصاً فقہ حنفی) کے دائروں میں محدود تھا اس لئے ان کو ایسے "روشن خیال" علماء سے چڑ تھا جو ضرورت وقت اور تغیر حالات کی آڑ لے کر بعض فقہی مسائل میں ترمیم کے قائل ہیں۔ (اس سلسلے میں ان کا مختصر عربی مقالہ جو انہوں نے جشن نزول قرآن کریم ۱۳۸۸ھ کے موقع پر سنایا تھا قابل توجہ ہے)

حضرت بنوری کے حسن اخلاق اور وسعت قلب کا یہ عالم تھا کہ کسی دوست کو کسی اجنبی کو ان سے شکایت کا موقع کبھی نہ ملا۔ دوستوں کا تفقد احباب کی زیارت، ہدایا و تحف کا تبادلہ ان کا بے تکلف معمول تھا۔ مال کے ساتھ محبت بالکل نہ تھی۔ جس طرح خدا دیتا تھا اس طرح خرچ کرتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بعض مستحقین تک ارباب اموال کے صدقات و عطایا پہنچانے کے لیے ان کو واسطہ بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا فرمایا تھا اور حسن سیرت نے اس حسن صورت کو چار چاند لگائے تھے۔ طبیعت دوستوں کے ساتھ اور مخلصین و معتقدین کے مجمع میں ہمیشہ ہشاش بشاش رہتی تھی۔ اور حسن سیرت کا یہ ملکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے عطا فرمایا تھا کہ وہ اسے دین کے فروغ کے لیے کام میں لائیں۔ اس حسن اخلاق کی بدولت انہوں نے اپنے گرد نامور علماء و فضلا کا اچھا حلقہ جمع کیا۔ اور نیو ٹاؤن کے عربی مدرسہ کو عالمگیر شہرت کا ایک وسیع دینی اور علمی مرکز بنایا۔ اور اس حسن اخلاق کی بدولت پاکستان کے مسلمان ہر طبقہ اور ہر گروہ کے ان کی ذات کے گرد اکھٹے ہوئے اور تحریک ختم نبوت کو کامیاب بنایا۔

حضرت بنوری رح کی ذات میں تین پہلوؤں کے کمالات مجتمع تھے روحانی علمی اور دینی سیاسی۔ ان کے روحانی یا سیاسی کمالات سے استفادہ کی استطاعت راقم الحروف میں نہ تھی۔ اس لیے زیادہ تر ان کے علمی کمالات سے استفادہ کیا۔ وہ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھرے۔ ہر طبقہ و ملک کے علما سے واقفیت پیدا کی اور ان کو اپنے علمی کمال سے متاثر کیا۔ ان کے پاس قدیم و جدید علمی سرمایہ سے متعلق معلومات بیش بہا تھیں۔ اس بارے وہ حضرت انور شاہ کشمیری رح کے حقیقی جانشین تھے وہ نوادر کتب کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور ان کے قدردان بھی تھے اس لیے ان

باقی ۲۹۰ پر

حضرت بنوریؒ کی یاد میں

مولانا عبدالکریم صاحب بیر شریف (لاڑکانہ)

۴ جمادی الاولیٰ ۸۷ء
بیر ۔ تحصیل قمبر

جناب حضرت مولانا مفتی صاحب دام برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آپ نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ
کے متعلق کچھ لکھنے کیلئے فرمایا ۔ اس شخصیت کیلئے میں
کیا لکھوں گا مشک آنست کہ خود ببوید نہ ۔ بس یہ نہ
ہو کہ میں نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ اس بنا پر چند حروف
لکھ رہا ہوں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری لغزشوں کو معاف کرے اور
توفیق مع الابرار نصیب فرمائے (آمین)　　والسلام
خادم العلماء واقم محمد عبدالکریم

۱۳۶۸ھ کی بات ہے جب مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں تعلیم کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رہتا تھا، ایک مجلس میں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنا ایک خواب بتایا ہے کہ عنقریب علماء پر سخت آزمائش کا دور آئے گا، اللہ تعالیٰ ان کو استقامت اور کامیابی عطا فرمائے۔ اس عرصہ سے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے نیو ٹاؤن میں بڑا تعلیمی ادارہ قائم کیا اور اپنے فضائل اور فواضل کی بناء پر شہرہ آفاق بنتے چلے گئے۔

۱۳۸۱ھ ہالیجی شریف تحصیل پنو عاقل سکھر کی بات ہے جب میں قطب الارشاد حضرت مولانا استاد نا الشیخ حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ یہ حضرت کی علالت کا زمانہ تھا گیارہ ماہ گھر میں رہتے اور ہم لوگ زیارت کے لیے ایک دو دفعہ روزانہ اندر جاتے تھے۔ وہاں ایک باوقار شخصیت نے بہت احترام اور ادب کے ساتھ حضرتِ اعلیٰ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضرت ہم کو نبی، صدیق، شہید اور صالح کے درمیان فرق سمجھا دیں۔ اس سوال پر اول سائل کی طرف اور بعد میں جواب سننے کے لیے ہم متوجہ ہو گئے۔ حضرت صاحب فرمانے لگے، مولانا صاحب، نبی منزلگاہ وحی ہوتا ہے کیوں کہ وحی ان پر اترتا ہے اور صدیق وعاء الوحی ہے یعنی وہ شخص جس کا قلب برتن کے مانند ہو اس کے اندر وحیٔ الٰہی محفوظ رہتا ہے : شہید اس شخص کا لقب ہے جس نے نبی کے بتائے ہوئے اور صدیق کے محفوظ کیے ہوئے دستور پر قربانی کا شرف حاصل کیا ہو۔ صالح وہ ہے

جو اس انتظار میں رہتا ہے کہ کبھی میری جان قربان ہوتی ہے مگر اس کو بسترے کی موت آ جاتی ہے۔

اس کے بعد مجلس برخواست ہوئی۔ زائرین کا ہجوم تھا، لوگ مصافحہ کرتے نکلتے چلے گئے۔ وہاں کسی نے مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ:

"اس قسم کی عجیب وغریب تشریح ہم نے کسی تفسیر میں نہیں دیکھی"

اس سے قبل مولوی عبد اللہ مرحوم بلوچستانی کی بات ہے کہ ایک دن ہم نالیجی شریف حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں موجود تھے اچانک مولانا بنوری صاحب وہاں تشریف لائے اور ان کا یہ آنا شاید پہلی بار تھا۔ حضرت سے السلام علیکم کرنے کے بعد مصافحہ کیا اور حضرت کے دونوں ہاتھوں کو جھٹکے سے ہلایا اور خیر و عافیت کے بعد حضرت نالیجوی سے سوال کیا کہ مولانا صاحب! یہ تو بتائیں کہ قومِ قریش نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسد کیوں کی اور باوجود اتنی برکات کے محروم کیوں رہے؟ بس یہ سوال کرنا تھا اور حضرت نے جواب بیان فرمایا۔ اس وقت حضرتِ اعلیٰ کی آنکھیں بند تھیں اور جواب فرماتے جا رہے تھے۔ مجمع پر ایسی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی کہ مولانا محمد یوسف صاحب جو چہار زانو بے تکلف تشریف رکھتے تھے دو زانو بیٹھ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہو گئے اس حد تک کہ آپکا گریبان بھی تر ہو گیا اور اعلیٰ حضرت نے بھی تقریر ختم کی۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور اذکار حاصل کیے۔ بعد میں رخصت ہو کر جب جانے لگے تو پس پاؤں مسجد کے صحن سے باہر تک پیچھے چلتے گئے۔

اس پر ایک بیت یاد آگیا۔

ع قدر در درگر بداند قدر جوہر جوہری

راقم کے ساتھ حضرت مولانا بنوری صاحب کی شفقتوں کا معاملہ از حد زیادہ تھا اور ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے مہربان تھے اور میں جب کراچی جاتا تو لبا اوقات ان کی ملاقات کے لیے وہاں نیو ٹاؤن جایا کرتا تھا، اور آپ بہت مہربان تھے۔ کئی جلسوں میں ان کے ساتھ شریک رہا۔ اللہ تعالیٰ نے جو ان سے کام لینا تھا بہت کام لیا۔

پس ماندگان کو اللہ تعالیٰ اپنے سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلائے۔ (آمین)

قطعہ تاریخ وفات

حضرت علامہ شیخ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

از سرور میواتی، واہگہ بارڈر

(۱)

یوسفِ دوراں، امام العصر بنوریؒ بھی آج
اپنے پہلو میں لیے صدہا فضیلت چل دیے
جب جنازہ شیخؒ کا اٹھا تو سرورؔ نے کہا
جانبِ گلزارِ جنت "فخرِ ملت چل دیے"

۱۳۹۷ھ

ولہٗ (۲)

آیتے از شاہئ تیموری و غوری نماند
اندکے از شبلی و چیزے ز لاہوری نماند
اطلاع جاں گداز امروز در گوشم رسید
یشخ شرق و غرب "سید شیخ بنوری نماند"

۱۳۹۷ھ

عرفان وایقان

یعنی

اللہ کی پہچان

عرفان وایقان میں امام غزالیؒ، امام بخاریؒ، علامہ ابن کثیرؒ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے اقتباسات سے خصوصاً استفادہ کیا گیا ہے۔ طباعت آفسٹ ضخامت ۱۳۶ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت: ۵/۲۵ روپے

اسلام میں امیر یا وزیر اعظم کا معیار۔ قیمت صرف ۵ پیسے

ملنے کے پتے: ۱- مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
۲- رسول پورہ گلی ۳ صدیقی مسجد حافظ محمد اشرف گوجرانوالہ

ایک مصلح

مولانا محمد سرفراز خان صفدر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ٹھیک اسی وقت سے حق وباطل انصاف وظلم اور صدق وکذب کی ٹکر برابر چلی آرہی ہے اگر ایک طرف باطل کی تائید کرنے والے افراد موجود ہیں تو دوسری طرف حق کی حمایت کرنے والے بھی اپنا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں سنۃ اللہ کا یہ دتیرہ تاہنوز جاری وساری ہے اور تاقیامت رہے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی دینی امانت کو اس امت مرحومہ کے سرفروشوں نے جس طرح محفوظ رکھا ہے دنیا کی کسی قوم میں اسکی نظیر موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال کا عرصہ گذر چکنے کے بعد بھی مذہب اسلام اپنی اصلی شکل وصورت میں عمل کرنے والوں کے لئے موجود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

لایزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتیٰ یأتی امر اللہ وھو علی ذالک (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ صفحہ ۵۸۳)

کہ میری امت میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گا۔ اس کو رسوا کرنے والا اور اس کی مخالفت کرنے والا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا وہ حق پر ہی قائم رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچے۔

شراح حدیث نے حتیٰ یاتی امر اللہ کا یہ معنی بھی کیا ہے کہ یہاں تک کہ اس گروہ کے موت کا وقت آپہنچے۔ یعنی اس طبقہ کا ہر فرد تادم زیست حق کی حمایت ہی میں اپنی مستعار زندگی کا وقت بسر کرتا رہے گا۔ اور مذہب اسلام کی نصرت ہی میں اس کی زندگی کے لمحات گذریں گے اس دور میں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ (المتولد ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ یوم الخمیس درپشاور والمتوفی ۳ ذوالقعدہ یوم الاثنین ۱۳۹۷ھ در راولپنڈی) اسی مبارک اور سعادت مند طائفہ کے ایک فرد ہیں حضرت مرحوم کی ساری زندگی ہی اسلام کی نشر واشاعت میں صرف ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو فطری طور پر غضب کا حافظہ مرحمت فرمایا تھا۔ اور فہم وبصیرت کی عظیم دولت سے نوازا تھا اور اپنے دور کے یگانہ زمانہ اساتذہ کرام سے شرف تلمذ عنایت فرمایا تھا جن میں خاتم المحدثین آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) اور شیخ الاسلام غزالی وقت حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح (المتوفی ۱۳۶۹ھ) جیسی شخصیتیں شامل ہیں اور ان حضرات کے علمی کارناموں کو اقصائے عالم تک پہنچانے میں حضرت مرحوم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہزاروں کی تعداد میں ان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ شاگرد تمام اسلامی ممالک میں دینی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ان کا ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے جس سے دور دراز کے تشنۂ علم اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے کشاں کشاں چلے آتے ہیں تحریری انداز میں حضرت مرحوم نے جو علمی جواہر پارے بکھیرے ہیں وہ نفحۃ العنبر بغیۃ الاریب اور معارف السنن وغیرہ کتابوں میں ہر ایک صاحب ذوق اور بصیرت والے کے لئے انمول موتیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کو احقاق حق اور ابطال باطل کا ایسا سلیقہ عطا فرمایا تھا کہ چند جملوں اور چند لمحات میں منکر کو علمی اور تحقیقی طور پر قائل کر لیتے تھے اور بالآخر اس کو اپنے باطل سے رجوع کرنا پڑتا تھا اور جوابات کرتے باحوالہ اور ٹھوس علمی انداز سے کرتے اور حاضر جوابی میں حضرت مرحوم اپنی نظیر آپ تھے۔ رسالہ بینات میں بصائر وعبر کی شہ سرخی سے جو مضامین آپ کے قلم سے نکل کر صفحۂ قرطاس پر آئے ہیں وہ نہ صرف عوام کے لئے بلکہ علماء کرام اور خواص کے لئے بھی متن کی حیثیت رکھتے ہیں اس مادر پدر آزاد دور میں جس احسن طریقہ پر آپ نے برملا حق گوئی سے اہل حق کے ایمان کو تازہ کیا اور ان کے لئے ناساعد حالات میں بھی حق گوئی کا سبق پیش کیا ہے وہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اور حضرت مرحوم نے پاکستان کے ہر دور کے برسراقتدار طبقہ کی اصلاح کی جو کوشش فرمائی اور ان کے سامنے دور حاضر کے اسلامی مسائل جس خوبی کے ساتھ پیش کئے وہ اس دور میں معقول اور ٹھوس طریقہ پر حق گوئی کا ایک الگ باب ہے اسلام کے بنیادی مسائل میں سے مسئلہ ختم نبوت بھی جس کے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا مگر ہندوستان میں مسلمانوں میں انتشار پھیلا کر اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے ابلیس سیاست برطانیہ نے ایک کاشتہ پودا لگایا اور ہر طریقہ سے اسکی آبیاری کی اور کچھ بندگان حرص وہوی اس کے دام ہمرنگ میں الجھ بھی گئے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے اسی وقت سے اس کے خلاف محاذ قائم کیا۔ تالیفات وتصنیفات اور مناظروں کے ذریعہ اس خالص کافرانہ نظریہ کی تردید کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی دنیا میں کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے اس سلسلہ میں حضرت مرحوم کی اپنے پیش رو اکابر کی طرح خاص خدمات ہیں بلکہ انہی کی قیادت میں یہ نوے سالہ پرانا مسئلہ بفضلہ تعالیٰ حل ہوا۔ یہ واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت مرحوم کی شخصیت غیر متنازع فیہا ہے کیونکہ پاکستان کے سب مکتبۂ فکر کے لوگوں نے حضرت مرحوم کی قیادت کو تسلیم کیا اور ان پر کلی اعتماد کیا جس سے یہ مسئلہ حل ہوا۔ اس کے بعد سب سے بڑھکر بڑا مسئلہ پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ کا اجراء ہے افسوس ہے کہ جو ملک محض بنایا ہی اس لئے تھا کہ اس میں خالص اسلام نافذ ہوگا وہ ہر دور کے حکمران طبقہ کی بے دینی کی وجہ سے ان کی عیاشیوں اور من مانی کارروائی کی بھینٹ چڑھ گیا برائے نام اسلامی مشاورت کونسل بھی بنتی رہی اور اس میں منظور نظر اصیل گاؤں کو بھرتی بھی کیا جاتا رہا مگر معاملہ جوں کا توں رہا اب کی بار برسراقتدار حکومت کی اسلام پسندی اور حضرت مرحوم جیسی شخصیت کے اسلامی مشاورتی کونسل میں شمولیت سے امید قائم ہوگئی تھی (اور خدا تعالیٰ اپنے

باقی ۱۳۳ پر

علامہ بنوری

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی

باسمہ

مکرم و محترم - [illegible]

[illegible] موصول ہوا۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مضمون ارسال کر رہا ہوں -
[illegible] - تاکہ
[illegible] - آپ کو [illegible] ہوں -
ایک مختصر [illegible] ارسال خدمت ہے - [illegible]
[illegible] - اس طرف [illegible] ضرورت ہے - والسلام
[illegible]

محمد اسحٰق سندیلوی
۶ جنوری ۱۹۷۸ء

موت برحق ہے اور جو آیا ہے اسے جانا ہے مگر ہر ایک کے جانے کا اثر یکساں نہیں ہوتا بلکہ پسماندگان پر اس کا اثر جانے والے کی عزیز زندگی پر منحصر ہوتا ہے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے بہت ایجاز و ابلاغ کے ساتھ اس اثر کے تنوع اور اس کے سبب کو بیان فرمایا ہے۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بدند و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

علامہ بنوری مرحوم کی وفات "ہمہ گریاں بوند و تو خنداں" کا واقعاتی مظہر تھی۔

ان کی وفات پر ان کے گھر والے، اعزاء اقارب، دوست احباب، شاگرد گریاں نہ ہوئے بلکہ پوری قوم گریاں ہوئی۔ اور پورا عالم اسلامی گریاں ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان یاد نہیں آتا بلکہ اس کے اخلاق و شمائل یاد آتے ہیں اور اگر اس میں کوئی کمال ہو تو وہ کمال یاد آتا ہے کیونکہ اخلاق و عادات سے دوسروں کو واسطہ پڑتا ہے اور کمال کی قدر کرنا فطرت انسانی کا تقاضہ ہے مولینا موصوف اپنے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے بھی مقبول انام تھے اور اپنے کمالات کی وجہ سے بھی۔ ان کے چند محاسن اخلاق کا تذکرہ کرتا ہوں جو عوام و خواص سب کو ان کا گرویدہ بنا دیتے تھے مولینا مرحوم بہت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ عجب و پندار کا نام و نشان ہی ان میں نہ تھا یہ وصف ایسا ہے جو صاحبان کمال میں کم یاب ہے حالانکہ یہ خلق ایسا ہے جو راس الاخلاق ہے۔ پھر اس کے ساتھ کمال یہ تھا کہ تذلل سے بھی احتراز کامل تھا۔ یہ چیز بھی کم یاب ہے عموماً تواضع اور تذلل کے فرق سے لوگ بے خبر ہیں اس لئے تواضع کے دھوکہ میں تذلل کا شکار ہو جاتے ہیں مولینا اس فرق کو خوب سمجھتے تھے۔ اور خود داری کے ساتھ تواضع ان کا حال نہیں بلکہ مقام بن چکا تھا۔ آنے جانے والوں سے خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس کے لئے تعب و تکلیف بھی اٹھاتے تھے یہی وجہ تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ ملتا تھا دوبارہ ملنے کی خواہش دل میں لے کر جاتا تھا گویا اس معاملے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "یَسِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا" پر پوری طرح عامل تھے

استغناء اور توکل علی اللہ مرحوم کے ایسے نمایاں اوصاف تھے کہ کوئی دشمن بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کے وہ بانی ہیں اور برسوں سے لاکھوں روپے سالانہ اس پر خرچ ہو رہے ہیں۔ گو مولینا مرحوم نے نہ کبھی اس کے لئے کسی سے چندہ مانگا نہ امداد طلب کی اس توکل کا اجر آخرت میں تو اب انہیں مل

رہا ہوگا۔ اور مزید ملے گا۔ گو اس کا اجر اس عالم میں اس طرح ملا کہ اللہ تعالےٰ نے غیب سے مدرسہ کا انتظام فرمایا اور جنہیں مدرسہ کی خدمت و اعانت کی سعادت میسر ہوئی انہوں نے مولینا کی خوشامد کر کے رقمیں پیش کیں۔ اور پیش کرتے رہے اس سلسلہ میں ایسی بشارتیں بھی ہوئیں جن سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ بارگاہِ الٰہی میں مولانا مرحوم کا یہ عمل یعنی مدرسہ مقبول ہے ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے فرمایا تھا کہ ایک متمول اور دیندار شخص کو خواب میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور آنحضور ارواحنا فداہٗ نے اس مدرسہ کے بارے میں فرمایا کہ اتنی رقم ماہانہ اس کے لئے مقرر کر دو۔ اس قسم کے منامات صالحہ اور بھی ہیں مگر ان کا تذکرہ بخوف طوالت ترک کرتا ہوں۔

مولینا سراپا اخلاص تھے۔ کسی دینی کام میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ ہوتی تھی ان کے اخلاص کا اثر تھا کہ انہیں مخلصین کی پوری جماعت مل گئی جس نے مدرسہ کے کام میں ان کا ہاتھ بٹایا اس مجمل کی شرح یہ ہے کہ اس مدرسہ میں خلوص وللہیت کی جو فضا ملتی ہے۔ وہ محض فضل الٰہی ہے اس مدرسہ سے میرے تعلق کو سات سال ہو گئے ہیں نے یہاں کے اساتذہ و منتظمین سے لے کر چپڑاسی تک میں جو اخلاص وللہیت کا جذبہ دیکھا وہ دینی اداروں میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے مخلص اساتذہ و منتظمین بکثرت مدارس دینیہ میں پائے جاتے ہیں مگر پورا مدرسہ اخلاص کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہو یہ بہت کم یاب چیز ہے۔

تقویٰ اور دینداری مولینا کا مزاج تھا شوق عبادت کے ساتھ اتباع سنت کا بھی اہتمام تھا ذوق علمی تھا اس لئے مطالعہ و تصنیف و تالیف کے بغیر چین نہ آتا تھا مگر اس کے ساتھ احباب کے ساتھ محبت و اخلاص اور ان کی خاطر داری میں کوئی فرق نہ آیا تھا میں بر بناء بے تکلفی بعض اوقات ان کے یہاں پہونچکر ان کے مطالعہ یا شغل تصنیف و تالیف میں مخل بھی ہوتا تھا۔ مگر مولینا کی جبیں پر کبھی شکن نہ پڑتی تھی اور حسب عادت خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔

حمیت دینی: مولینا مرحوم کا ایک وصف جو مجھے سب سے زیادہ پسند تھا ان کی دینی حمیت تھی قوم میں کوئی دینی فتنہ پیدا ہوتا تو بے چین اور مٹانے کے لئے کمر بستہ ہو جاتے۔ صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی پر ان کا خون کھول اٹھتا تھا اور اس کے سد باب کی امکانی کوشش فرماتے رہتے تھے چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت کے بعد یہ تجویز مرتب کر کے اس کے اجلاس میں پیش کرنے کے لئے لے گئے تھے کہ کسی صحابیؓ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم اس تجویز کے پیش کرنے کا موقع ملا یا نہیں کیونکہ وہی سفر سفرِ آخرت ہوگیا۔

علمی مقام: مولینا کے علمی مقام کے بارے میں کچھ کہنا روز روشن میں آفتاب کا تعارف کرانا ہے ان کے علمی مقام کی بلندی صرف ہند و پاک میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں ایک مسلمہ حقیقت تھی مرحوم کی تصانیف اسکی شاہد اور ان کے شاگردان رشید جو پوری دُنیائے اسلام میں پائے جاتے ہیں اس کے گواہ ہیں۔

ذہانت خداداد اور قوی قوت حافظہ کے ساتھ علمی ذوق اور مطالعہ کے شوق نے انہیں نمایاں اور امتیازی شان کا صاحب علم بنا دیا تھا حدیث تفسیر اور ادب عربی سے تو انہیں خاص شغف تھا اور ان علوم و فنون میں انہیں بہت ممتاز درجہ حاصل تھا لیکن ان کے علاوہ دوسرے علوم متداولہ میں بھی ان کا علم و ادراک بہت اچھا تھا اس طرح ان میں ایک جامعیت کی شان نظر آتی تھی۔ یہ بھی لکھ دوں کہ موصوف اگرچہ سیاست سے دور رہتے تھے مگر سیاسی بصیرت بہت اچھی رکھتے تھے اور حالات کو خوب سمجھتے تھے۔

تصوف و سلوک: مولینا صرف "اہل دماغ" اور دانشور ہی نہ تھے بلکہ اہل دل بھی تھے سیدی و مرشدی حکیم الامت حضرت مولینا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے مجاز صحبت تھے دل کی باتیں کبھی زبان پر آجاتیں تو بعض اوقات بہت کیف آفریں ہوتی تھیں کبھی غلبۂ حال میں حال قال کی صورت اختیار کر لیتا تو سننے والوں پر بھی بعض اوقات حال طاری ہو جاتا۔ یہ کیف آور باتیں عموماً خاص احباب کے مجمع میں ہوتی تھیں مجمع عام میں صبر و ضبط ہی ان کا شعار تھا۔

یہاں تک پہنچا تھا کہ ایک ایسے عالم ربانی صاحب کمال مخزن علوم اور مخلص دوست کی صورت سامنے آگئی جو اتباع سنت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے منور ہیں یہ ہیں مولینا بنوری رحمۃ اللہ۔ اب اس صورت کو دیکھوں یا لکھوں۔

***

حسرتا رفت آں ماہر قرآں و آں شیخ حدیث
آں علم و عمل تقویٰ و ورع آں مرد عظیم
اے مایہ و سرمایہ ما، از رحمتِ حق یک آیۂ ما
رفتی اے پدریں سایۂ ما کردی ہمہ را باز یتیم
اے دہر چیاں کردی، خانۂ دل ویران کردی
کارے بود گراں کردی، از زخم تو بس گشتیم کلیم
صیدِ ہژبراں کردی، بے رحم مشو بما چہ کنیم
برگوش دلم آواز آمد کہ چہ شد کن ہوش و ادب
گر گلدستہ بالا وصل شود با جنّات نعیم

۱۳۹۷ھ

آہ دین و دانش کا مہر انور جو نصف صدی تک اپنی ضیا پاشیوں سے ایک عالم کو منور کر رہا تھا وہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو غروب ہوگیا یعنی محدث فرید و فقیہ یگانہ جامع علوم نقلیہ و عقلیہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ظاہری طور پر ہزاروں انسانوں کو سوگوار چھوڑ کر اس عالم سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا کا سانحہ درحقیقت اس دور کا عظیم ترین حادثہ ہے وہ مجلس علماء کی رونق و تشنگان علم کا مرجع و گم گشتگاں راہ کے راھبر و تھے ان کا کمال و تبحر اہل علم میں مسلّم تھا ان کا فیض ہند و پاک و عالم اسلامی ہر جگہ جاری تھا مشکل علمی مسائل میں طبقہ علماء کے وہ مرجع و ماوی تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کے استاد حضرت علامہ کشمیری کی وفات پر معارف میں لکھا تھا مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو اور اندر کی گہرائیاں گرانقدر موتیوں سے معمور ہوں۔" بالکل یہی حال حضرت مولانا مرحوم کا تھا ان کے مشائخ بالخصوص علامہ کشمیری نے جو علمی امانت ان کے سپرد کی تھی اس کی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برا ہوئے۔ پوری طرح درس و تدریس علم و تحقیق کے میدان میں گذاری ان کی درسگاہ علم سے سینکڑوں جید علماء تیار ہوئے جو کسی نہ کسی جگہ درس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ہندوستانی علماء کے پچھلی صدیوں میں علم حدیث میں تبحر و کمال کا تمام عالم اسلامی میں اعتراف کیا جاتا رہا ہے بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ رح اور ان کی اولاد و تلامذہ نے علم حدیث کا منارہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ کوئی دوسرا ملک اس میں ہندوستان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور اس مبارک سلسلہ میں ہر دور میں علماء و محدثین کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوتی رہی۔ اس آخر دور میں اس ولی اللّٰہی درسگاہ کے حضرت مولانا درخشاں تارے تھے۔ بلکہ اپنی بعض خصوصیات میں ممتاز و منفرد تھے۔ جن میں ان کا ثانی ملنا مشکل ہے ان کی زندگی علم و عمل زہد و تقویٰ اور حب رسولؐ و اتباع رسول کا بہترین نمونہ تھی ان کے قلب میں حب الٰہی و حب رسولؐ کی جو آگ بھڑک رہی تھی اس کی تسکین حرمین شریفین کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتی تھی ادھر عرصہ سے تقریباً ہر رمضان میں مدینہ منورہ حاضری دیتے اور مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتے تھے۔ اس ناچیز کو بھی ایک مرتبہ وہاں پر دیکھنے کا موقع ملا ہے وہاں پر حضرت مولانا پر جو سکینت و وقار کا عالم ہوتا وہ ان کے منور چہرے سے نمایاں تھا اسی موقع پر اس ناچیز نے ان سے بخاری شریف کی اجازت کی درخواست کی چنانچہ بخاری شریف کے اوائل پڑھائے پھر جملہ کتب حدیث کا اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ شروع میں ایک مختصر تقریر بھی فرمائی، آنکھیں اشک بار تھیں۔

؎ پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیئے ہوئے

اس طرح تقریباً ہر سال حج بیت اللہ کے لئے بھی تشریف لاتے اور بڑی تعداد ان سے فیض یاب ہوتی۔ جب کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے خواہ وہ علم حدیث کا ہو یا فقہ کا علم کلام کا ہو یا ادب و نحو و بلاغت کا اس میں متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کا خلاصہ نچوڑ پیش کر دیتے اپنی اگر کوئی خاص تحقیق ہوتی تو اس کو بھی بیان فرماتے۔

میں نے مصر و شام و حجاز کے اکثر علماء و مشائخ سے ملاقات کی ہے ہندوستانی علماء کا جب ذکر آتا تو حضرت مولانا کا ذکر سرفہرست رہتا۔ اور انہیں ان کے علم و تحقیق کا معترف و مدح خواں پایا۔ بالخصوص "معارف السنن" کو اس دور کی اہم ترین کتابوں میں سمجھتے ہیں بلکہ یہ نادر تحفہ ہے جس کو حضرت مولانا نے عالم اسلامی کے لئے پیش فرمایا، حضرت شاہ صاحب کے علوم کی ترجمانی اور متقدمین کی کتابوں سے اخذ و استفادہ اور اس سے کام کی بات جس طرح حضرت مولانا نے نکالی ہے وہ انہیں کا حصہ تھا۔

اسی طرح مقدمہ مشکلات القرآن' و یتیمۃ البیان" بھی اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں جو شخص تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے یا اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بہتر رہبر ہیں یہ کتابیں حضرت مولانا کی شخصیت کو ہمیشہ زندہ جاوید رکھیں گی ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دل زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مولانا نے مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل سوات میں عرصہ تک قیام فرمایا تھا اور وہاں پر درس و تحقیق کا ایک زمانہ گزارا ہے مدرسہ میں ایک اچھا کتبخانہ بھی ہے آج سے چند سال پیشتر میں نے رسالہ " الفرقان' لکھنؤ میں ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان پر مقالات کا ایک سلسلہ لکھا ہے عام طور پر غلط فہمی ہے کہ ہندوستان کی ابتدائی صدیوں میں فقہ و تصوف اور منطق و فلسفہ کے ائمہ فن تو اس ملک میں موجود تھے مگر علم حدیث سے اس کا دامن خالی تھا میں نے اس کی تردید کی ہے کہ بلا شبہ یہ علوم اس ملک میں غالب تھے بلکہ ہندوستان کی سرزمین پر ان صدیوں میں بھی متعدد محدثین کا تذکرہ ملتا ہے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں دیکھیں وہاں کے کتب خانہ میں "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' جو علامہ بلگرامی کی مشہور کتاب ہے اس میں علامہ صغانی کے ترجمہ میں حضرت مولانا بنوری رح کے قلم سے حاشیہ پر جا بجا لکھا ہوا ملا ہے حضرت مولانا نے اس میں علامہ صغانی کے اساتذہ میں متعدد ہندوستانی محدثین کا ذکر فرمایا ہے اس کو پا کر بیحد مسرت ہوئی اس سے حضرت مولانا کی تاریخ پر نظر کا اندازہ ہوا اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر ان کے بڑے قیمتی حواشی تھے۔

کمال، جامعیت، تبحر علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مولانا صاحب کی ذات گرامی کو انکساری، تواضع کا پیکر بنایا تھا وہ اپنے چھوٹوں پر جس طرح شفقت اور اپنے تلامذہ کی جس طرح خاطرداری فرماتے تھے اس کی مثالیں اس دور میں عنقاء ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں جرأت، ہمت حق کی حمایت و نصرت کا ایسا جذبہ ودیعت فرمایا تھا کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی وہ کسی باطل تحریک اور کسی ایسی بات کا تحمل نہیں فرما سکتے تھے جو کتاب و سنت کی شاہراہ سے ہٹی

ہوئی ہو یا سلف صالحین کے مسلک پر نہ ہو اس سلسلہ میں وہ زبان وقلم دونوں طاقتوں کو استعمال فرماتے تھے اس ناچیز نے اپنی آخری ملاقات، جولائی ۱۹۷۷ء کو عرض کیا کہ حضرت آپ کی ہر کتاب کو بہت غور سے پڑھتا ہوں اور ہر صفحہ پر نئی بات ملتی ہے اور بہت سے ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہیں مجھے یقین ہے کہ اگر غور سے کوئی انصاف پسند پڑھے گا تو راہ راست پر آجائے گا عجب ہے کہ جس تحریک کی گمراہیوں وغلطیوں کا پردہ جناب نے فاش کیا ہے اس میں بہت سے لوگ اپنے غلط خیالات سے تائب ہو جائیں یہ سب کچھ ہے مگر لہجہ بہت تیز ہے فرمایا آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں لکھنوی انداز میں لکھتا میں نے جو بات حق سمجھی بلا خوف لومۃ لائم لکھ دی ہے اور آئندہ مزید لکھوں گا اس سلسلہ میں مجھے کسی ملامت کی پرواہ نہیں۔ سلف صالحین میں بھی ایک جماعت کا یہی مسلک رہا ہے کہ دین میں کسی مفسدہ کے جب پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو بڑی شدت سے اس کی تردید فرماتے۔ اور بعض لوگوں کا حال یہ تھا کہ اس مفسدہ کی شناعت اسی درجہ کی ان کے نزدیک بھی تھی مگر اس کو رفع کرنے کے لئے دوسرا انداز اختیار فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ اپنی آخری زندگی میں نابینا ہو گئے تھے ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوئے وہاں پر انہوں نے سنا کہ اقامت واذان کے درمیان لوگوں کو نماز کے لئے بلند آواز سے دعوت دی جارہی ہے خادم سے فرمایا کہ اس مسجد سے نکل چلو دوسری مسجد میں نماز پڑھیں گے حالانکہ نفس الامر میں یہ بات حرام کے درجے کی نہیں تھی بلکہ کراہت کے درجے کی بدعت تھی مگر اس کو بھی گوارا نہ فرمایا اور جب اس سے بڑا مفسدہ ہو اس کے لئے تحریر میں تیزی کا آجانا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اس ملت کا ایک خاص مزاج ہے ؎

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

حضرت امام مالک کا مشہور مقولہ ہے کہ اس امت کی اصلاح اسی راستہ پر چل کر ہوگی جس پر سلف صالحین گامزن تھے۔

ان کے کارناموں میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ہے جسکے حضرت مولانا موسس و بانی ہیں اس مدرسے کے قیام کی مدت ۲۵ سال سے بھی کم ہے اس قلیل عرصہ میں اپنے بے سروسامانی کے باوجود حضرت مولانا کی مخلصانہ کوششوں سے اس قدر ترقی ہوئی کہ وہ اب نہ صرف پاکستان کی مرکزی درسگاہ ہے بلکہ عرب ممالک میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا ابھی اس کو بہت ترقی دینا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کا غیب سے انتظام فرمائے۔

ادھر آخری دور میں خصوصیت سے حضرت استاذنا الکبیر برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے خصوصی تعلق ہو گیا تھا اور اس میں روز افزوں اضافہ تھا حضرت بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے حضرت کی فرمائش پر ان کی بخاری کی شرح "لامع الدراری" اور موطا کی شرح "اوجز المسالک" پر بڑے فاضلانہ مقدمے تحریر فرمائے ہیں جو ان دونوں کتابوں کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مقدمے علمی وتحقیقی نوادر پر مشتمل ہیں ادبی حیثیت سے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے حضرت مولانا کی عربی زبان وادب پر غیر معمولی قدرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جولائی ۱۹۷۷ء کو ہندوستان سے واپسی پر تین دن حضرت مولانا کے مدرسہ میں قیام رہا۔ اور ان کی شفقتوں سے محظوظ ہونے کا موقع ملا۔ ۷ر جولائی کو ناشتہ ان کے دسترخوان پر کیا اس کے بعد رخصت فرمایا آنکھوں سے آنسو جاری تھے مجھے تعجب ہو رہا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے اب اس بہار کو دیکھنے کا موقع ملے گا ہی نہیں۔ اور وہ اتنی جلدی ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے پاکستان ریڈیو سے اور اس کے بعد یہاں کے اخبار "الانحا" سے اس سانحہ کی اطلاع ہو کر بہت ہی رنج وقلق ہے یہاں کے علماء ومشائخ سب نے رنج کا اظہار کیا۔ بالخصوص یہاں کے قاضی القضاۃ شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک جو یہاں کے سب سے بڑے عالم ہیں حضرت مولانا سے عقیدت وتعلق رکھتے تھے ابوظبی آنے کی دعوت بھی دے چکے تھے، انہوں نے بہت ہی رنج وغم کا اظہار کیا اور بار بار یہ کہتے رہے کہ اب ان کا بدل کہاں ملے گا اور یہاں سے تعزیتی تار ارسال کیا اور ایک مقالہ لکھ کر خدام الدین والبینات میں روانہ کر رہے ہیں خدام الدین کے خصوصی نمبر کا انتظار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے فیوض کو ہمیشہ جاری رکھے اور پوری امت کو فیض یاب فرمائے۔ اور ان کو جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے آمین

؎ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
گلدستہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وفاتِ شیخ

۱۳۹۷ھ

دیدۂ نمناک مولانائے بنوری کی ذات !
علم اور کردار کی اک بے بہا تاریخ ہے
ایک ہی مصرعہ میں ہجری اور میلادی ہیں سال
روز دوشنبہ "وفاتِ شیخ" کیا تاریخ ہے

۱۹۷۷ء

ضیاء الحسن موسوی روزنامہ جنگ کراچی
۶ ذی قعدہ ۹۷ھ

دو شاہکار

مسعودی انظر شاہ
استاذ تفسیر و حدیث دارالعلوم دیوبند

ابن الانور سید محمد انظر شاہ کاشمیری دارالعلوم دیوبند

Date ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

مخدومی گرامی قدر حضرۃ المحترم مولانا عبید اللہ انور صاحب زید مجدہ

سلام مسنون

"خدام الدین" کی جانب سے مولانا بنوری مرحوم پر آپ کے مضمون کی فرمائش موصول ہوئی جس پر یہ ایک شکستہ ہیچ و پوچ تحریر پیش خدمت ہے۔ اگر ترمیم کا پورا حق ہے۔ اور یہ بھی اگر پسند نہ ہو تو ضائع کر دیا جائے۔ لیکن یہ درخواست بہرحال ہے کہ "خدام الدین" کا بنوری نمبر احقر کو ضرور بھیجا جائے۔ مخدوم مولانا بنوری صرف والد مرحوم کے مخصوص تلامذہ ہی میں نہیں بلکہ صف علماء میں اختصاص و امتیاز کے مالک تھے دین و دانش کی یکجائی کے ساتھ ان کا دینی اور مخلصانہ جذبہ جیسا تھا وہ اب نایاب ہے۔ انکی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، خدائے تعالیٰ اسکو پُر فرمائے۔ اس عاجز کو ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے سفر کی سعادت نصیب ہوئی تھی اس وقت بھی لاہور میں قیام ممکن نہ ہوا تھا حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی مرحوم سے اس زمانہ میں شرف نیاز حاصل ہوا تھا جب احقر اپنی والدہ کے ساتھ ۱۹۴۰ء میں لاہور مقیم تھا۔ ایک روز والدہ مرحومہ کی معیت میں آپ کے دسترخوان سے زلہ ربائی کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی، یہ حقیر آپکی مخلصانہ و بزرگانہ دعاؤں کا بیحد محتاج ہے۔

اعزہ و متعلقین سے نیازمندانہ سلام پہونچا دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ امید کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا

والسلام

انظر
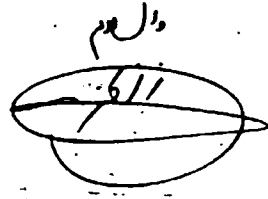
شاعر مشرق اقبال مرحوم نے کس قدر سچی بات کہی ہے کہ ؎

ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

کائنات ہست و بود کی ابھی ابتدار ہی تھی کہ قابیل کی خون فشار اور غضبناک آنکھوں نے ہابیل کے نرم و گداز قلب کو ہلکے ہلکے خوفزدہ کرنے کی جدوجہد شروع کی بات یہیں کہاں رکی۔ بلکہ اچانک قابیل کے جوشِ انتقام نے ہابیل کا کام کر ڈالا — یہ کیا تھا؟ کیا۔ صرف ایک معصوم انسان کا کشت و خون؟ نہیں! بلکہ ابتدار سے جہانِ رنگ و بو میں ظلم و عدوان جور و تعدی کی ایک نہ ختم ہونے والی داستان اس طرح

شروع ہوتی جس کا ہر منظر خونچکاں ہی نظر آتے گا، دوسری طرف دیکھتے تو حق و باطل کی آویزشیں، غلط صحیح کے معرکے جابجا اپنے بھیانک و مہیب چہروں سے دنیا کو ڈراتے اور سہاتے ہوتے نظر آئیں گے۔ حضرت نوحؑ کا اپنی سرکش قوم سے مجادلہ، ابراہیمؑ و نمرود کی آویزشیں، موسیٰؑ و فرعون کے مقابلے، عیسیٰؑ اور یہود کی رستا خیزی اور آخر کار روحی فداہ ابی و امی محمد ابن عبد اللہ البطحائی" کی نرمی و ملاطفت اور اس کے جواب میں بولہبی و بوجہلی چیرہ دستیاں تاریخ عالم کی ایک مدہش و حیرت زا داستان پاستان ہیں۔ یہاں قدم قدم پر فرعون کے بھیانک چہرے، بولہب کے بھیانک نعرے موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی دلپذیر نصیحتیں اور خاتم النبیینؐ کے ملائم انداز و صلح جو اداؤں کی گرم بازاری ہے، منظر سامنے سے ہٹتا ہے یہ۔ ابوبکر الصدیقؓ کا پر وقار و حلیم عہد میموں ہے اور یہیں مسیلمہ کذاب کی وہ خوفناک سازشیں جو دامنِ ختم نبوت کی عفت و تقدس کو تار تار کرنے کے ساتھ انوارِ نبوت پر غارت گری کے لیے آمادہ و مستعد ہیں۔ حضرت وحشی کے مبارک و مسعود ہاتھ اگر ان وحشت سامانیوں کا بڑھ کر خاتمہ نہ کر دیتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے جو جہنم دنیا میں دھکایا تھا۔ اس کی لپٹیں اس کائنات کو بھسم نہ کر ڈالتیں، فتنہ کا استیصال اس عہد میں تو ہو گیا لیکن کذابیت جو مسیلمہ کی تیرہ و تار زندگی کا سیاہ عنوان ہے اپنے تاریک دروں سے اسودِ عنسی کو جنم دینے میں کامیاب ہو گئی، کذب و بطلان کی کچھار سے غرانے والا یہ شیر دلوار اپنی ہی کچھار میں ہمیشہ کے لیے سلا دیا گیا۔ مگر رباح بنت خویلد، متنبی اور خدا جانے کتنے مکر و فریب اور دجل و بطلان کے تودے صراطِ مستقیم میں جابجا حائل نظر آتے ہیں جن کا بظاہر سلسلہ پنجاب کے اس نامبارک اور مسعود ہستی پر ہوا جسے دنیا غلام احمد قادیانی کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔

پھر یہ تو حق و باطل کی طویل داستان کا ایک ہی حصہ تھا، اس سے آگے بڑھتے تو "وضع حدیث کا فتنہ، قرآن میں باطنیت کو درآمد کرنے کا منصوبہ، ہنگامۂ اعتزال، جبر و قدر کی تلخ مباحث، سیدھے سادھے، صاف اور سچے عقائد میں زلزلہ افگنی کی ناپاک کوششیں، اسلام کی مقدس تاریخ میں حق ناشناس بلکہ سفاک حلقے کی جانب سے مسلسل ہوتی رہیں۔ خود ہندوستان میں بدعت و سنت، بریلویت یا دیوبندیت کی معرکہ آرائی شروع ہونے کے بعد آج تک ختم نہ ہونے پائی، حالانکہ قرآن نے جس ذاتِ گرامی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا تھا اور جس کی مقدس زندگی کا ایک ایک لمحہ حدیث کے مجموعوں میں دست برد زمانہ سے بچ بچا کر آج تک محفوظ ہے اور جس کو پاکیزہ طریق پر سنت کے حسین عنوان کی زیبائش اور اصحاب النبی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھرپور عمل کی مضبوط توثیق بھی حاصل ہے اس کے ہوتے ہوتے پٹی پٹائی اور شرک کی سنڈاسوں میں ملوث قوم کی نقل و حکایت اس امت پر کہاں تک جائز و روا ہے جو اس جہان رنگ و بو میں توحید کا علم بلند کرنے کے لیے کھڑی کی گئی تھی اور پھر ذرا سوچئے تو کہ کائنات انسانی کا وہ مقدس طائفہ جسے النبی الجلیل کی کی صحابیت کا شرف حاصل ہے اور جنھیں اس جیتی جاگتی دنیا میں رضاءِ رب کا مژدہ جانفزا بھی سنا دیا گیا جن سے عقیدتیں استوار کرنے کا مطالبہ تھا۔ اور ان کے باب میں کفِ لسانی کا اعلان، انھیں سے نفرت و بعد، دوری و بیگانگی پیدا کرنے کے لیے شیعت کا کا جواز کیا کسی سچے مسلمان کے لیے موجود ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ اس عالم رنگھا رنگ میں جہاں ایمان و یقین کے گلزار وہیں کفر و انکار کے خس و خاشاک، سنت اور اس کی اتباع کے شگوفے بھی چٹک رہے ہیں اور اختلاف و انکار کے نوکیلے کانٹے بھی، اجالا بھی اندھیرا بھی، زہر بھی تریاق بھی سچ بھی اور جھوٹ بھی، پر اس رستا خیز میں مردانِ کار کا کیا شیوہ رہا۔ کچھ سن چکے، کچھ دیکھ چکے، کچھ سننے دیکھنے کے لیے تیار رہیئے۔

اسلام کی پوری تاریخ میں کسی بھی قد آور شخصیت کو دیکھ جائیے کہ اس کے فضائل و مناقب کی داستان میں یہ سراغ ضرور لگ جاتے گا کہ کسی دینی فتنہ کا قلع و قمع، اس کی ہی مبارک و خوشگوار جد و جہد کا ثمرہ ہے۔ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کے کارناموں میں جلی شاہکار صرف مسیلمہ کذاب کے وجودِ پاک کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہی نہیں بلکہ

ارتداد کی جو زبردست آندھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک کے بند ہونے کے ساتھ ہی بادیۂ عرب میں تیز رفتاری سے دوڑ کر دانا و بینا حلقوں کی آنکھ کے لیے دھول بن رہی تھی۔ اس آندھی کو دبانے، ہٹانے، کچلنے اور ختم کرنے کا پُرعزیمت اقدام ان ہی ثانی اثنین فی الغار کا کارنامہ ہے اور ٹھیک اسی انداز میں جب حضرت فاروقؓ کے عہدِ بابرکت میں اٹھانے والے نے تقدیر کے مسئلہ کو ہوا دینا چاہی تھی تو فاروقی جلال ہی پُشتہ بن کر اس متعفن نکاس کے لیے کھڑا ہو گیا تھا جو ایک شوریدہ سر سے رِس رِس کر بحرِ مردہ بننے والا تھا، اور یہی نہیں عجم کے نئے نئے تمدن سے عرب کی سادہ و صاف تہذیب کو جو دھچکا پہونچنے کا اندیشہ پیدا ہو چلا تھا اس کا سدِّباب حضرت فاروقؓ ہی فرمارہے تھے۔ غرض یہ کہ عثمان و علی ہوں یا تابعین کے مقدس طائفہ کے نیک نہاد اشخاص ہر ایک کے یہاں ایسے تابدار و آبدار کارناموں کی کمی نہیں۔ عظمت و رفعت کے ان بلند آسمانوں سے ذرا نیچے آکر نظر دوڑائیے تو نامور علماء، گرامیقدر فضلاء کی تاریخ بھی ان تابناک واقعات سے مزیّن و مرصع ہی دکھائی دے گی۔ خود آپ کے ہندوستان میں "فیضی" "ابوالفضل" نے جو عقائد کو تہ و بالا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور جس میں براہِ راست "اکبر" کی فرمانروائی کی شوکت و حشمت بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ اس کے مقابلہ کی توانائی "شیخ احمد سرہندی" مجدد ہزارۂ دوم علی مضجعہ شابیب الرحمۃ والرضوان کو ہی میسر آئی۔ آج اس فیصلہ کرنے میں کیا کوئی دشواری یا تاریکی الجھنیں ہیں کہ ہندو پاکستان سے لے کر تا افغانستان، ادھر پنجاب شروع کرکے تا کشمیر مجدد ہی کے جلاتے ہوتے چراغ ان بھٹکے ہوتے قافلوں کے لیے کارِ خضر انجام دے رہے ہیں۔ جنھیں اکبری الحاد نے تیرہ و تار راہوں میں گرنے پڑنے اور قدم قدم پر اُلجھنے کے لیے بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا۔ اس فہرست میں حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر مولانا محمد یوسف البنوریؒ تک، ایسے اربابِ عزیمت کو بے تکلف داخل کیا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب کے پورے خانوادہ نے جن مضبوط بنیادوں پر الحاد و ابتداع، شیعیت و رافضیت کا کامیاب مقابلہ کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ پھر امام ثانی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحی بڈھانویؒ، علماء صادق پور، سب ہی اس کشتی کے کھویّا ہیں جو ہندوستان کے سمندر میں ان مومن مسافروں کو لے کر سفر کر رہی تھی۔ جو صحیح عقائد اور سچے افکار کی دولت اپنے سینہ سے لگاتے ہوتے تھے، ـــ آگے بڑھیے ـــ تو اعلیٰ حضرت الحاج امداد اللہ، رفقاء میں حضرت حافظ ضامن شہید، مسترشدین میں حضرت نانوتویؒ و حضرت گنگوہیؒ اور ان کے تلامذہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور موصوف کے باختصاص حلقۂ تلمذ میں حضرت مولانا انور شاہ الکشمیریؒ، مفکر اسلام مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مجاہد اعظم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، فقیہ العصر مولانا مفتی کفایت اللہ اور سحبان الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے اپنے دائرہ عمل میں اختصاصی حیثیتوں کے مالک ہیں۔ آریہ سماجی فتنہ، عیسائی مشنریوں کی مذموم حرکت، بریلویت کا قضیۂ نامرضیہ، نبوت باطلہ کا تعفن، شاطرانِ یورپ کے سیاسی مکر و فریب، ہر ایک کا گندا پانی جو اسلامی افکار و نظریات کے پُرسکون سمندر میں گھسنا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے بند کی حیثیت سے یہی اولوالعزم کھڑے ہوتے تھے جو کچھ عرض کر رہا ہوں۔ غالباً لب و لہجہ ادعائی ہو لیکن واقعات و حقائق شواہد و وثائق کا کہاں تک انکار کیجئے گا۔ ادھر ہندوستان کی سو سالہ تاریخ جو علماء امت کی پر عزیمت کارناموں کی ہمالہ سے بھی بلند و بالا کھڑی ہوتی ہے ایسے ہزاروں لاکھوں شوریدہ سر فرہاد کاٹ کاٹ کر زمین کے برابر نہیں کر سکتے۔

واقعی وراثت

یوسف کنعانی، بے پناہ حسن و جمال کے لیے صفِ انبیاء میں شہرۂ آفاق حیثیت کو اپناتے ہوتے ہیں۔ اس معجزانہ جمال و زیبائی کا کچھ استیلاء اس انداز میں ہوا کہ اس جلیل پیغمبر کے دوسرے کمالات مثلاً کردار کی نزہت، اخلاق کی بلندی، روایات کی رفعت مغلوب ہوکر رہ گئی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سیدنا یوسف کا اصل کمال ان کا جہانِ جمال و عالمِ زیبائش نہیں ہے بلکہ یوسف وہاں سے بنے جب ایک نازک دست ہوس کو ان کے اتفاقی آہنی پنجہ نے توڑ کر

رکھ دیا تھا۔ گویا کہ بات وہی جو فارسی کے نغز گو شاعر نے کہی ہے سے

آوازۂ خلیل ز تعمیر کعبہ نیست
مشہور شد ازاں کہ در آتش نکو نشست

یعنی براہیمی عظمتیں، کعبۃ اللہ کی رفعتوں میں تلاش نہیں کی جا سکتیں بلکہ ان کی نمود عظمت اس آتشیں کرہ میں بر سکون بیٹھنا ہے جو ایک طاغی و سرکش نے تیار کیا تھا۔ ٹھیک اسی انداز میں یوسفی جاہ و جلال، حسن و خوبی کے کائنات میں معلوم نہیں ہو سکے گا بلکہ اس انسان کامل کے کمال کا سراغ اس فتنۂ ہوا و ہوس کی داستان میں بکھرا ہوا نظر آئے گا جو ایک عورت کے قلب میں اچھل کود رہا تھا۔ اور مرتعش ہونٹوں سے یہ طالبانہ نعرہ در و دیوار اور بند دروازوں کا ماحول سن رہے تھے۔ جس کی حکایت بلہجۂ قرآن : غلقت الابواب وقالت هيت لك ۔

زلیخا کا اضطراب اور اس کی بے چینیاں شاہ عبدالقادر المغفور کے دربار زبان ہی سے کھل سکیں گی۔ فرمایا :۔

"دروازہ بند کر لیا اور بولی کہ شتابی کر"

اردو ترجمہ میں فارسی کے اس لفظ "شتابی" نے کیا سماں دکھایا، کچھ اہل ذوق ہی انداز کر سکیں گے۔ اس شتابی اور مستعجلانہ مطالبہ ہوا و ہوس یا تڑپنے والی اور بیقرار ہونے والی ہستی کو جو جواب سننا پڑ رہا تھا قرآن ہی نے وہ سب کو سنا ڈالا جواب یہی تھا۔

معاذ الله إنه ربي احسن مثواى انه لا يفلح الظالمون ۔

ترجمہ :۔ کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا، اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو، البتہ بھلا نہیں پاتے جو لوگ بے انصاف ہوں۔

سبحان اللہ! پیغمبرانہ باعظمت و باحقیقت طرز افہام و تفہیم کہ زلیخا کو اولاً ایک ایسی قریبی شخصیت کا حوالہ دیا جو اس کا شوہر اور اس جلیل پیغمبر کا محسن و مربی تھا۔ اور پھر رب حقیقی کی اس شدید گرفت کی بھی اطلاع دے ڈالی جو غرق عصیاں و تر دامنوں کے لیے تیار ہے ——— بہرحال مولانا یوسف بنوری کا کمال، انکا وفور علم، گہرائی و گیرائی، دین و دانش کے عمیق سرچشمے، ذکاوت و ذہانت کی بہاریں، ذاکرہ و حافظہ کے لہلہاتے ہوتے مرغزار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا حقیقی کارنامہ اس عظیم باقیماندہ کارنامہ کی تکمیل ہے جو ان کے جلیل استاد حضرت مولانا انور شاہ الکشمیریؒ نے اپنی الم انگیز موت سے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ یعنی ایک باطل نبوت کے اٹھائے ہوتے تودے کو اپنے علم و فن کے تیشہ سے پاش پاش کرنے والی شخصیت مولانا بنوری ہی کی ہے۔ زندگی کے آخری چند سال جن میں وہ اپنی ناسوتی زندگی کے مرحلے بعجلت طے کرتے ہوتے جاودانی عالم سے اپنے روابط بسرعت قائم کر رہے تھے، درحقیقت یہ عرصہ ان کی ناپائدار حیات کا حاصل اور حیات طیبہ کا لب لباب ہے۔ وہ نعرہ جو آج سے نصف صدی پہلے بصورت مطالبہ بہاولپور کی زمین پر ایک عالم ربانی کے مرمریں ہونٹوں سے نکل کر قادیانیت کے شیش محل کے لیے تباہ کن بن رہا تھا۔ یعنی قادیانیوں کو کافر قرار دے کر امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ سے جدا طائفہ طاغیہ بنا دیا جائے تکمیل اس مطالبہ کے پچاس سال کی طویل گردشوں کے بعد اسی بھرپور شخصیت کے لیے طرۂ امتیاز تھی جو امام العصر کے تلامذہ کی صف میں خصوصیت کا پہلے ہی سے مالک اور اختصاص و امتیاز کا اب مستحق ٹھہرا۔ تفصیلات سے قطع نظر اس مطالبہ کے لیے زمین ہموار کرنے میں حائل پیچ و خم سے نمٹ نمٹا کر آسودۂ منزل ہونے کی سعادت اسی فیروزہ بخت کے حصہ میں آئی۔

شیخ طریقت کی جہد کی تکمیل

طاغیہ قادیان کے کلی استیصال کے بعد مولانا یوسف بنوریؒ نے ایک ایسی جماعت کے فکر و نظر پر تیشہ زنی فرمائی جو ہند و پاکستان ہی کیا بلکہ عرب و یورپ کے دور دراز علاقوں میں اپنا تعارف پیدا کر چکی ہے۔ اس جماعت پر مرحوم کی تنقید اور بے لاگ تبصرے کے مختلف مراحل جو ان کی دیانت و انصاف پسندی، حزم و احتیاط اور فقہی حدود کی بھرپور رعایت کے اجلے نشانات ہیں۔ احقر کے علم میں ہیں۔ میں اپنے استاد حضرت مولانا مدنیؒ سے اس جماعت کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا، بلکہ بدو فطرت سے عقائد و نظر میں استحکام و اعتدال

کی جو دولت نصیب حقیر ہوتی اس کی بنار پر خود اس کے
بعد کی تمام منزلیں اپنے لیے طے تھیں پھر بھی ایک ایسے
دین پرور دانشور سے جماعت کے بارے میں بلا واسطہ
کچھ سننے کا آرزومند تھا جیسے پاکستان میں اس جماعت کے جزو و کل
سے قریبی اطلاع اور اس کے افکار و نظریات پر بلا واسطہ
واقفیت ہو ، چنانچہ حجاز میں شفاہی ملاقات پر جیسے ہی
مرحوم کو کچھ فرصت میسر آئی تو میں نے جماعت کے بارے
میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی - محسوس ہوا کہ وہ اکابر دیوبند
کے تنقیدی فکر سے اتفاق رکھنے کے باوجود ابھی اپنی رائے
میں اس شدید مرحلہ میں داخل نہیں ہوتے جہاں وہ
جماعت کے فکر و نظر کے جھول پر بے لاگ تنقید ضروری سمجھتے
ہوں ، یہی ان کا تاثر پاکستان کے میرے اس سفر میں
بھی تھا جو ۱۹۶۵ء میں کیا گیا تھا - لیکن اچانک ان کے
معتدل فکر و نظر میں جو زبردست تبدیلی پیدا ہوئی اس
کا احساس حجاز کے دوسرے سفر میں ہوا -

مدینہ وعلیٰ دفینھا الف الف تحیۃ پہونچنے کے بعد
مجھے معلوم ہوا کہ مولانا یہاں تشریف فرما ہیں - میں
پوچھتا ہوا ان کی فرودگاہ میں پہنچا تو مابین المغربین وہ
کچھ مخصوص احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے —
حسبِ دستور علمی سوالات ان سے کیے جا رہے تھے -
اور ہر سائل کو وہ شافی جواب سے شاد کام کر رہے تھے
میں نے بھی اس جماعت کے بارے میں پھر ان سے سوال
کیا جس کے امیر کی ایک تازہ تالیف پر ہند بشمول پاکستان
میں مخالفت و انکار اور تنقید و تبصروں کی آندھی چل
رہی تھی - سوال کے ساتھ ہی مولانا کے شدید رنج و
غم کے جذبات آنسوؤں میں منتقل ہو گئے ، فرمایا کہ :

" اس تازہ فتنہ انگیز تالیف کے مؤلف کے لیے مجھے
اب سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے - صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے ساتھ عثمانؓ مظلوم پر اعتراض و تنقید ناقابلِ عفو
جرم ہے "

انھوں نے نہ صرف اس بے لاگ تبصرہ پر اکتفا کیا
بلکہ جماعت کے پورے فکری ضلال پر ایک مفصل و
متوازن بات بھی کہہ ڈالی - چند روزہ رفاقت کے
بعد مرحوم پاکستان روانہ ہو گئے ، اور راقم الحروف دیوبند

اچانک گذشتہ سال ان کی ایک مختصر تصنیف " الاستاذ
...... " نام سے آئی - میں نے اس کا مطالعہ کیا تو
مولانا کے وہ تاثرات جو میرے کانوں اور حافظہ میں
تھے اس مفصل کتابچہ میں موجود تھے - بظاہر تو یہ
ایک مختصر تحریر تھی ، لیکن درحقیقت جماعت پر تنقیدی
لٹریچر کا لب لباب بلکہ ٹھیٹھ اردو میں " اس کے تابوت
کی آخری کیل تھی " اس کتابچہ نے کیا کام کیا ، مختصر
یہ کہ — بعض اہلِ نظر سے میں نے براہ راست سُنا
ہے کہ جماعت سے بُعد ضرور تھا مگر اس کا ضلال مشخص
نہیں تھا - لیکن مولانا بنوری کی اس تالیف نے اس
کے ضلال کو متعین و مشخص کر دیا - افسوس کہ ان
کی موت نے اس جماعت کے فکری ضلال اور اس
کی ناروا اشاعت پر تابڑ توڑ حملوں کا دروازہ بظاہر بند
کر دیا - حجاز سے تازہ وارد ایک معتبر شخصیت نے
مجھ کو بتایا ہے کہ مرحوم اس جماعت کے خلاف اپنی
تعاقبی جدوجہد کو تسلسل سے جاری رکھ کر انتہائی منزلوں
کی سمت رواں دواں تھے - اب خدا ہی کو علم ہے کہ
وہ اس طرح کی تالیفات سے اپنے قلم کو فارغ کر کے امت
کے عقائد و افکار کے تحفظ کا وقیع کام بھی انجام دے
چکے تھے یا ان کے سانحہ پر لاکھوں حسرتوں میں یہ
حسرت دائمی بن کر رہے گی - اگرچہ ان کا تیار کردہ پہلا
عجالہ بجائے خود نافع اور قامت کہتر و بقیمت بہتر کا
واقعی مصداق ہے -

غرضیکہ اس طرح مرحوم مولانا بنوری نے اپنے شیخِ علم
حضرت مولانا انور شاہ الکشمیری کے ادھورے کام کی اگر
تکمیل کی تو دوسری جانب اپنے شیخِ طریقت حضرت مولانا
حسین احمد مدنیؒ کے مومنانہ و مجاہدانہ مشن کی تکمیل بھی ان ہی
کے مسعود عزائم و مبارک کوششوں کا نتیجہ ہیں - اور
ان شاء اللہ یہی دو شاہکار ان کی نجات و مغفرت بلکہ
رضائے رب کا موجب ہوں گے اور دنیا اس پُر عزیمت تاریخ
میں ان کے تذکار کو سمونے میں متامل نہ ہوگی - جو امتِ
مرحومہ کے صحیح افکار کو بدستور محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ
تیار ہوتی رہی -

مرحوم کا علم و کمال ، ان کی دین و دانش ، فراست و

باقی ۱۱۹ پر

صاحب مضمون مولانا سید احمد رضا بجنوری' بجنور کے خاندانِ سادات کے گلِ سرسبد ہیں' ان کی پیدائش ۱۹۰۷ء میں بجنور میں ہوئی۔ والد محترم کا اسم گرامی پیر جی شبیر علی صاحب تھا۔

ابتدائی تعلیم بجنور میں حاصل کی' دس سال کی عمر میں مدرسہ فیض عام سیوہارہ تشریف لے گئے۔ مجاہدِ ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن مرحوم و مغفور اس وقت وہاں فوقانی درجات کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور مولانا بشیر احمد بھٹہ علیہ الرحمہ بھی وہیں مقیم تھے۔ ۱۸ھ تک وہیں رہے ۱۹ھ تا ۲۲ھ مدرسہ عربیہ قادریہ حسن پور جا کر تعلیم جاری رکھی۔ وہاں اس وقت مولانا ولی احمد صاحب کیمبلپوری تلمیذ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ قیام فرما تھے۔ ان سے خوب استفادہ فرمایا۔ ۲۳ھ سے ۲۶ھ تک مادر علمی دارالعلوم دیو بند میں قیام رہا۔ اس دوران زیادہ تعلق۔ امام العصر محمد انور شاہ کشمیری' حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا اعزاز علی امروہی علیہم الرحمہ سے رہا۔ ۴۵' ۴۶ ہجری میں دورۂ حدیث پڑھا' اسی سال اصلاحی تحریک کے سلسلہ میں طلبہ نے دو بار مقاطعہ کیا جس میں اساتذہ کرام بھی شریک ہوئے۔ چند ماہ بعد امام کاشمیری مستعفی ہو کر بعض دوسرے اساتذہ سمیت ڈابھیل تشریف لے گئے اور طلبہ کی اکثریت بھی وہیں چلی گئی۔ باقی عرصہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ نے حدیث پڑھائی۔ مولانا سید احمد رضا نے تکمیل دیو بند میں ہی کی۔ دورہ کے بعد تبلیغ کالج کرنال تشریف لائے' وہاں تین سال چند ماہ قیام رہا۔ تبلیغی ضرورت کے لیے انگریزی بھی سیکھی۔ عربی ادب میں تخصص وہیں کیا۔ ۲۹ھ میں مجلسِ علمی کے لیے ڈابھیل تشریف لے گئے اور ۴۵ھ تک وہیں رہے' پھر مجلس کراچی منتقل ہو گئی آپ کو بھی دعوت ملی لیکن بوجوہ تشریف نہ لا سکے۔ ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں شاہ صاحب کی وفات تک ان سے خوب استفادہ فرمایا جبکہ ۳۸' ۳۹ء میں فیض الباری اور نصب الرایہ وغیرہ کی طباعت کے لیے مصر اور حرمین کا دورہ کیا' مولانا بنوری رحمتہ اللہ علیہ ہمراہ تھے۔ نو ماہ تک مصر رہنا ہوا' اس دوران علامہ زاہد الکوثری جیسے بلند پایہ اہلِ علم سے خوب تعلقات استوار ہوئے اور خوب علمی مذاکرات!

۴۶ھ سے ۵۲ھ تک بجنور میں مطب کا مشغلہ رہا اس کے علاوہ یتیم خانہ اسلامیہ بجنور سے بھی تعلق رہا۔ ۵۳ھ سے ۵۹ھ تک روزنامہ الجمعیۃ اور الجمعیۃ پریس سے انتظامی تعلق رہا۔

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ۴۷ھ میں حضرت علامہ کاشمیری کی چھوٹی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا' علامہ عثمانی مرحوم نے نکاح پڑھایا۔

آج کل "انوار الباری" کے نام سے بخاری شریف کی مبسوط شرح زیرِ ترتیب ہے جو دراصل علمائے دیو بند کے حدیثی افادات بالخصوص علومِ انوری کا گنجینہ ہے' ۱۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ آپکا ارادہ اسے ۶۶ جلدوں میں مکمل کرنے کا تھا لیکن علماء ہند کے اصرار پر ۳۶ جلدوں میں اختصار کیا وہ حضرات انہی کے ہاتھوں تکمیل کرانا چاہتے ہیں۔ مولانا موصوف کی تازہ خواہش یہ ہے کہ پاکستان میں اسکی طباعت کا انتظام ہو جائے۔ اس سلسلہ میں آپ سفر فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اسکا انتظام فرما دے' ہماری خواہش ہے کہ خدا یہ کام ہمارے ہاتھوں کرا دے' موصوف کا روحانی تعلق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا خان محمد صاحب آف کندیاں ضلع میانوالی سے ہے۔ (ادارہ)

۱۳۴۵ ہجری میں مولانا بنوری رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم دیو بند میں متوسطات کا درس لے رہے تھے اور احقر دورۂ حدیث سے قبل زائد فنون کی تکمیل میں مصروف تھا۔ ایک ہی درسگاہ کے فیلو ہوتے ہوئے بھی اس وقت ہم میں کوئی باہمی تعارف نہ ہو سکا تھا۔ ۱۳۴۶ ہجری میں میرا دورۂ حدیث کا سال تھا اور

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے چند ماہ ترمذی شریف کے اسباق پڑھے تھے کہ بڑی اسٹرائک ہوگئی جس میں اکابر اساتذہ بھی شریک ہوئے اور طلبہ کی تو عظیم تعداد تھی اس بڑے مقاطعہ میں احقر بھی شریک تھا۔ پھر جب دارالعلوم کے اربابِ حل و عقد نے طلبہ کے جمِ غفیر اور اکابر اساتذہ کے مطالباتِ اصلاح ماننے سے انکار کر دیا تو دوسری بار اسٹرائک ہوئی۔ اس میں طلبہ کے ساتھ مولانا بنوری مولانا حمید الدین وغیرہ قابل و ہونہار طلبہ شریک ہوئے اور ایسے طلبہ کی بڑی تعداد حضرت شاہ صاحب، حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہ اکابرؒ کے ساتھ جامعہ ڈابھیل چلے گئے اور وہیں رہ کر تکمیل کی۔

افسوس کہ راقم الحروف نے اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے دوسری اسٹرائک میں شرکت نہ کی، اور باقی سال دارالعلوم میں رہ کر دورۂ حدیث پورا کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔

مولانا بنوری نے تکمیل کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی معیت و رفاقت اختیار فرمائی اور اس عرصہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کشمیر کا سفر بھی کیا، مگر وہ اس کے بعد اپنے وطن پشاور چلے گئے تھے۔

تقریباً تین سال کے بعد میں جب تبلیغ کالج کرنال سے فارغ ہو کر "مجلسِ علمی" کے لیے ڈابھیل پہنچا تو مجھے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو سال سے زیادہ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اور مجلس کے کاموں کے ساتھ ہی دو سال حضرتؒ رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ بخاری شریف میں شرکت کی اور دونوں سال حضرتؒ کے درسی افادات و ملفوظات قلم بند کرتا رہا۔

اس عرصہ میں میری خط و کتابت مولانا بنوری سے رہی اور غائبانہ تعارف و تعلق بڑھتا رہا۔ پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد میں نے مہتمم صاحب جامعہ سے تحریک کی کہ موصوف کو جامعہ کی درسی خدمات کے لیے بلایا جائے اور انہوں نے اس کام کو میرے سپرد کیا۔ میں نے مولانا موصوف کو ۳۵ روپے کے مشاہرہ پر وہاں بلا لیا اور ان سے مجلسِ علمی کے تالیفی و نشری کاموں میں بھی مشورے لیتا رہا۔

اسی زمانہ میں میں نے "مشکلات القرآن" کی ترتیب اور حوالوں کی تخریج کا کام کیا، اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس پر مقدمہ لکھوایا، اور اس کو مجلسِ علمی سے شائع کیا۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے "نصب الرایہ" کی تصحیح و تحشیہ کا کام کرایا اور مولانا محمد بدر عالم صاحبؒ سے "فیض الباری" مرتب کرائی۔ یہ دونوں کام حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجلسِ علمی کے مصارف پر پورے کرائے گئے۔ اگرچہ فیض الباری کی طباعت پھر جمعیۃ علماء ٹرانسوالی کے مصارف سے انجام پائی۔

ان دونوں کتابوں کی طباعت کے لیے مصر جانے کا پروگرام طے ہوا اور راقم الحروف، مولانا بنوری کے ساتھ عازمِ حرمین شریفین ہو گئے۔ وہاں ہم دونوں نے حج سے قبل و بعد کافی دن قیام کیا اور وہاں کے علماء اور کتب خانوں سے استفادہ کرتے رہے۔ نجدی علماء میں سے شیخ سلیمان الصنیع مدیر ھیئۃ الامر المعروف والنہی عن المنکر کی یاد کبھی نہ بھولے گی۔ جب ہم دونوں کی ان سے ملاقاتیں اور علمی مذاکرے گھنٹوں ہوا کرتے تھے۔

وہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند کے علوم و کمالات کے انتہائی معتقد ہو گئے تھے اور بہت سے اہم مسائلِ اصول و فروع میں اپنے علماء کی تنگ نظری اور ہمارے اکابر کی وسعتِ نظری کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے، خود ان کا مطالعہ بہت عمیق و وسیع تھا۔ الا تعصب و تنگ نظری سے جتنا دور ہم نے ان کو پایا اور کسی نجدی عالم کو نہیں پایا۔ کئی اہم مواقع پر بھی ان کے مخلصانہ مشوروں سے بڑی مدد بھی

ملی، جن کی داستان طویل ہے اور اس وقت قابلِ ذکر بھی نہیں۔

حرمین شریفین سے ہم دونوں مصر گئے اور ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے کر نو دس ماہ کیلئے مقیم ہو گئے۔ پھر نصب الرایہ، فیض الباری اور لغیتہ الاریب کی طباعت کرائی۔ وہاں نصب الرایہ کے تلازم، پروف وغیرہ کی نگرانی احقر کے ذمہ تھی ... اور فیض الباری کا سب کام مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس کی عربیت و مضامین کی اصلاح بھی کرتے رہیں۔ اگرچہ اس مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ اتنے بڑے کام کے لیے وقت بہت کم تھا، رات دن ہم دونوں اور ہمارے ساتھ دو مصری علماء تلازم و پروف کی دیکھ بھال اور طباعت کے مراحل طے کرانے میں غیر معمولی طور سے مصروف رہتے تھے۔

مولانا بنوری نے اس وقت محسوس کیا اور مجھے بھی محسوس کرایا کہ فیض الباری میں علاوہ نقائصِ عربیت کے فہم مراد اور ضبط کی بھی مسامحات ہو گئی ہیں۔ اور حوالوں کی مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے بھی خامیاں رہ گئی ہیں۔ طباعت کے دوران ان سب کا تدارک ناممکن تھا۔ اسی لیے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں ان فروگذاشتوں کی طرف اشارات کیے ہیں تاکہ اغلاط کی نسبت حضرت شاہ صاحب کی طرف نہ ہو سکے۔

درحقیقت مولانا بدر عالم صاحب بھی معذور تھے۔ ان کے پاس جو دوسرے حضرات کی تقاریرِ درس تھیں، وہ بھی ناقص تھیں اور اپنے متعلقہ متعدد اسباقِ جامعہ کی وجہ سے اتنا فرصت کا وقت بھی ان کو نہ مل سکا تھا کہ حوالوں کی مراجعت کر کے مضامین کی تصحیح کرتے، نتیجہ یہ ہوا کہ العرف الشذی کی طرح فیض الباری بھی کافی تسامحات کے ساتھ شائع ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں سے بہتر انوار المحمود منصۂ شہود پر آئی، کیونکہ مولانا محمد صدیق نجیب آبادی کو اس کے لیے زیادہ وقت صرف کرنے کا موقع ملا۔ اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی "معارف السنن" اس سے بھی بہتر صورت میں آ سکی کیونکہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بھی ہو سکا اپنا دوسری اہم مصروفیات کے باوجود اس کام پر اپنی جان لڑا دی تھی اور خود بھی ان کے مزاج میں بلا کی تحقیق و ریسرچ کا جذبہ حق تعالیٰ نے ودیعت رکھا تھا۔ میری مولانا موصوف سے چونکہ دیرینہ رفاقت اور بے تکلفی تھی۔ میں ان کو ہمیشہ کہتا تھا کہ آپ مدرسہ کا اہتمام بلکہ درس وغیرہ کا کام بھی ترک کر کے صرف تصنیف و تالیف پر پورا وقت صرف کریں مگر افسوس کہ میری یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور موصوف اپنا خاص کام معارف السنن وغیرہ کی تکمیل کا ناقص چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

یہ مزدور ہے کہ دو تین سال قبل افریقہ سے واپسی میں جب میں ایک دن اور دو رات کے لیے مولانا مرحوم کے پاس مقیم ہوا اور ان کا مدرسہ دیکھا تو میں معارف السنن کے لیے سب کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکا، کیونکہ میں نے مدرسہ کی صورت میں وہ سب کچھ دیکھا جس کی مجھے کسی طرح توقع نہ تھی۔

مولانا مرحوم ڈابھیل کے زمانہ میں بے تکلف نجی مجلسوں میں کہا کرتے تھے کہ میں اپنے معیار پر ایک مدرسہ بناؤں گا اور ایسی عمدہ تعلیم و اہتمام کا نظم کروں گا کہ باید و شاید...... مگر ہم اس کو شیخ چلی کی سی بات ہی سمجھا کرتے تھے کیونکہ دارالعلوم دیوبند کا زمانہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تھا اور وہاں جو کچھ اکابر اہلِ علم کے ساتھ واقعات دیکھے تھے ان کی وجہ سے کسی معیاری دارالعلوم کی توقع ذہن سے نکل چکی تھی ایسی حالت رہی اچانک مولانا کا مدرسہ دیکھ کر حیران رہ گیا، اور چونکہ میرے دل کی بات مولانا محمد منظور صاحب

نعمانی ممبر شوریٰ دارالعلوم دیو بند نے بھی کہہ دی ہے اس لیے اس کو نقل کیے دیتا ہوں۔ آپ نے "الفرقان" ماہ دسمبر ۷۷ء میں بہ ضمن تذکرہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۳ پر لکھا:

"راقم سطور کو اپنی اس رائے بلکہ اپنے اس علم کے ظاہر کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ کا قائم کیا ہوا اور پروان چڑھایا ہوا کراچی کا مدرسہ عربیہ اسلامیہ جس کی عمر ابھی ۲۵ سال بھی نہیں ہے، علمی اور تعلیمی لحاظ سے اپنے سرچشمہ دارالعلوم دیو بند سے آگے جا چکا ہے۔ اولاد اگر کمالات میں آگے بڑھ جائے تو ماں باپ کو رنج و حسد نہیں ہوتا، خوشی ہی ہوتی ہے اور گویا ان کی مراد پوری ہوتی ہے۔"

میں نے مولانا کی رائے اس لیے بھی نقل کر دینی مناسب سمجھی کہ خیر الکلام ما قل و دل کے مترادف ہیں اور وہ دارالعلوم کے بڑے ذمہ دار رکن بھی ہیں اور شاید کوئی میری اس رائے کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کی وجہ سے متہم بھی کرتا۔ علمی و تعلیمی اعلیٰ معیار کے علاوہ جن چیزوں سے میں زیادہ متاثر ہوا، وہ یہ ہیں۔

مولانا بنوری مرحوم رقوم زکوٰۃ صرف طلبہ کے لیے لیتے تھے، باقی سارے مصارف تنخواہ ملازمین و مدرسین و تعمیرات وغیرہ کے لیے خالص کھری امداد لیتے تھے۔ مال کا میل کچیل قبول نہیں کرتے تھے۔

دوسرے عام مدارس عربیہ کی طرح کھانا تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ایک عالی شان ہال میں طلبہ کو بٹھلا کر اعلیٰ ظروف میں کھلایا جاتا ہے پھر کھانا بھی نہایت عمدہ قسم کا تیار کرایا جاتا ہے۔

اساتذہ کی تنخواہیں اتنی زیادہ رکھی گئی ہیں کہ وہ مستغنی ہو کر گذارہ کریں اور دوسرے طریقوں سے مال کی طمع نہ کریں۔

بہت سے مدارسِ عربیہ میں یہ بھی دیکھا کہ آمدنی کا زیادہ حصہ دفاتر و تعمیرات وغیرہ پر صرف کیا جاتا ہے اور طلبہ و اساتذہ کی ضروریات پر کم سے کم خرچ کیا جاتا ہے، مولانا بنوری کے مدرسہ میں اس کے برعکس ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے!

تخصص کے درجات بھی بڑے اہتمام کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں اور راقم الحروف نے درجاتِ تخصص کے طلبہ کے کمروں کو دیکھا کہ ان میں مطالعہ کے لیے کتابوں کی اتنی وافر تعداد ہے جو بعض بڑے مدارس کے اساتذہ کے یہاں بھی نہیں دیکھی، وغیرہ۔

ان باتوں کو دیکھ کر میں اتنا متاثر ہوا کہ "معارف السنن" کے کام کے سلسلہ میں مولانا پر کچھ بھی زور نہ دے سکا اور ان کے ضعف و نقصِ صحت کو دیکھ کر بھی خاموش ہی رہنا پڑا۔ مولانا مرحوم نے وعدہ لیا تھا کہ میں دو تین ہفتہ کے لیے جلد ہی پھر کراچی آؤں اور ان کے پاس رہوں۔ ظاہر ہے ایسا ہو سکتا تو ہم دونوں ڈابھیل اور حرمین و مصر کی طرح بہت سی اہم چیزوں کے لیے تبادلۂ خیالات کرتے، بلکہ ان کا اصرار کئی سال سے مجھے اپنے پاس مستقل طور سے بلانے کا بھی تھا مگر کیا کیجیے!

آں قدح بشکست آں ساقی نماند!

ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے، خاص طور سے یہ بھی کہنا تھا کہ ہم دونوں نے شروع سے ہی ایک الگ راہ اپنائی تھی اور جرأتمندانہ احقاقِ حق بلا خوف لومۃ لائم کے جس ڈگر پر زمانۂ ڈابھیل سے اب تک چلے تھے، اس میں وہ میرے صرف ایک ہی رفیق تھے۔ اور نہایت رنج و ملال میں آج میں ان کی رفاقت سے محروم ہو کر اب خود ہی قابلِ تعزیت ہو گیا ہوں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

معارف السنن کا ذکرِ خیر

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم علمی کارنامہ "معارف السنن" شرح ترمذی شریف کی تالیف ہے جس کی ابتداء موصوف نے احقر کی درخواست پر ڈابھیل ہی میں "مجلسِ علمی" کی طرف

سے کر دی تھی اور کافی کام ہو بھی چکا تھا پھر زیادہ کام انہوں نے پاکستان کے قیام میں کیا مگر دوسرے کثیر مشاغل کے سبب سے وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے۔

ولا راد لقضائہٖ

مجھے محترم مولانا عبدالحلیم چشتی، کراچی کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے امالی درسِ حدیث جمع کرنے والوں میں جن صفاتِ اربعہ کی نہایت ضرورت تھی (دقیق ذکاوت محنت، علوم و فنون میں تبحر و جامعیت اور وسعتِ نظر و مطالعہ) وہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اکثر تلامذہ کو میسر نہ تھی اور اسی لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و کمالات کی ترجمانی پوری طرح نہ ہو سکی۔ مولانا بنوری مرحوم میں چونکہ یہ چاروں صفات موجود تھیں، اس لیے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خاص تحقیقات کا سب سے زیادہ مستند ذریعہ بھی ان کی معارف السنن ہی قرار پاتی ہے۔ وکفیٰ لہ فضلا و فخرا۔

جرأتمندانہ احقاقِ حق

رفیقِ محترم مولانا بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ وصفِ خاص بھی میرے نزدیک حضرت الاستاذ الکبیر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہی سے بطورِ علمی وراثت کے ملا تھا جس کو محترم مولانا محمد منظور نعمانی دام ظلہم نے ... الفرقان ماہِ دسمبر ۱۹۷۷ء میں مندرجہ ذیل الفاظ سے ادا کیا ہے:-

"مولانا کے مزاج میں "شدت فی امراللہ" بھی بدرجۂ کمال تھی۔ جس بات کو دین کے خلاف اور جس فکر و خیال کو ناقابلِ درگزر زیغ و ضلال سمجھتے، اس کے خلاف جنگ کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے اور کوئی مصلحت اور کسی کی ملامت کا خوف اور اپنی شخصیت و مقبولیت کو سخت سے سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ بلکہ یقین بھی ان کو اس اقدام سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس سلسلہ کی مولانا کی تحریروں میں کبھی کبھی اعتدال اور حکمت کی کمی بھی محسوس ہوتی تھی۔ آخر میں اب سے صرف سال ڈیڑھ سال پہلے مولانا مودودی کے بعض افکار و نظریات پر بھی سخت تنقید کی ... کسی کو ان کی بعض رایوں اور طریقِ کار سے خواہ اتفاق نہ ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ یہ سب کچھ ادائے فرض کی نیت سے اور اس احساس کے ساتھ کرتے تھے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو جرمِ مداہنت کا مجرم ہوں گا اور آخرت میں خداوندِ ذوالجلال کے سامنے مجھے اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

(الفرقان ص ۵۶)

ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی درسی و تالیفی افادات کا یہ وصفِ خاص تھا کہ وہ جب بھی کسی اہم اصولی و فروعی مسئلہ پر بحث فرماتے تھے تو ان کے سامنے تمام اکابرِ امت سلف و خلف کی آراء مع دلائل کے سامنے ہوتی تھیں اور ان پر علیٰ وجہ البصیرت تبصرہ و تنقید فرماتے تھے خواہ کوئی ان کے اس طریقِ کار کو اعتدال و حکمت اور مصلحت کے خلاف ہی سمجھے، وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر فروعی مسائل میں اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر اصولی مسائل میں دیوبند میں بھی اور پھر ڈابھیل میں بھی بعض مرتبہ کئی کئی روز تک تحقیق و تدقیق کا حق ادا کرتے اور کھری تنقید بھی پورے ادب و احترام کے ساتھ کرتے تھے۔

آج تو شاید کوئی روشن خیال حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طرز و طریقِ کار کو بھی اعتدال و حکمت کے خلاف کہہ سکتا ہے، لیکن مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہماری آنکھیں نہ کھولتے، تو ہم اپنی کم علمی، بے بضاعتی اور خاص طور سے وسعتِ نظر و مطالعہ کی کمی کے باعث صرف مصلحتوں اور مداہنتوں کی ہی پناہ ڈھونڈنے پر اکتفا کرتے اور احقاقِ حق کی راہ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتے۔

باقی ۱۱۹ پر

ایک شخصیتؒ - ایک تذکرہ

مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کراچی

ادارۂ مجددیہ

Idara-e-Mujadidia
2-5-4 III Nazimabad, Karachi (Pakistan)

مورخہ ۱۳ جمادی الثانی
حوالہ

مکرم و محترم جناب لدھیانوی صاحب مدیر خدام الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - نامہ گرامی - قبل ازیں ایک مضمون ارسال خدمت کرچکا ہوں امید ہے ملاحظہ سے گزرا ہوگا - مضمون بھیجنے میں بہت تاخیر ہوگئی ہے لیکن حالات نے مجبور کر دیا -
بہرحال جیسا کچھ لکھا جا سکا ارسال خدمت ہے - ضرورت کے مطابق کم و بیش کر سکتے ہیں
حضرت ... کی جانب سے اجازت ہے -
مسلسل خدام الدین کا ادارہ پرچہ بھی موصول ہوا تبصروں کا شکریہ - بہت عمدہ ہیں
جزاک اللہ فی الدارین خیرا -

فقط والسلام

طالب دعا احقر محمد ...

***

دوشنبہ ۲ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی رات کیسی کربناک اور کس قدر مصیبت کی رات تھی کہ اس رات میں دو بزرگ ہستیاں اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے ہمیں داغ مفارقت دے گئیں. اس رات کی صبح کو مدرسہ یعقوبیہ کراچی کے استاد مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہ نے یہ جانکاہ و غم اثر خبر سنائی کہ حضرت مولانا قاری محمد یعقوب صاحب نقشبندی مجددی بانی و مہتمم مدرسہ یعقوبیہ کراچی اس رات کو اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں. اور ان کی نماز جنازہ گیارہ بجے مدرسہ اسلامیہ عربیہ دار العلوم لانڈھی میں پڑھی جائے گی. اور وہیں دار العلوم ہی کے قبرستان میں آپ کی تدفین ہوگی. یہ عاجز محترمی حاجی محمد علی صاحب مدظلہ کے ہمراہ دار العلوم لانڈھی پہنچا. اور قاری صاحب موصوف کی تدفین میں شرکت کی. تو وہاں محترمی الحاج حافظ فریدالدین احمد الوحیدی. جب مدظلہ العالی نے یہ جانکاہ و غم انداز و المناک خبر سنائی کہ اسی رات کو طلوعِ فجر کے قریب حضرت مخدوم ومناؤ مولانا محمد یوسف صاحب البنوری الحسینی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ بھی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں. انا للہ وانا الیہ راجعون. اس جانگداز المیہ کی اطلاع نے اور زیادہ غمزدہ کر دیا. کان اس خبر کو سننے اور دل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن یہ خبر مصدقہ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک تھی. اس لئے سرِ تسلیم خم کرنے اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا. حضرت قاری صاحب مرحوم کی تدفین سے فارغ ہو کر جب گھر پہنچا. اور ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں گیا. تو نماز کے بعد امام مسجد نے بھی اعلان کیا کہ حضرت مولانا بنوری صاحب مرحوم کی میت رات کو عشاء کی نماز کے بعد راولپنڈی سے کراچی لائی جائے گی. نماز جنازہ جامع مسجد نیوٹاؤن میں ادا ہوگی. اور وہیں مسجد کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوگی. چنانچہ اس عاجز نے عشاء کی نماز جامع مسجد نیوٹاؤن میں ادا کی. نو بجے کے قریب میت بھی وہاں پہنچ گئی. نماز جنازہ سے پہلے حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی نے حضرت مولانا بنوری صاحب مرحوم کی علالت و وفات کے حالات مختصر طور پر بذریعہ لاؤڈ سپیکر لوگوں کو بتلائے. اس کے بعد مسجد کی قبلہ والی جانب میں مسجد سے باہر میدان میں نماز جنازہ کے لئے صفیں بنائی گئیں اور میت کو صفوں کے آگے لاکر رکھا گیا. مولانا صاحب موصوف کی وفات کی خبر غم اثر شہر کراچی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی. اس لئے اس مختصر سے وقت میں کسی پبلسٹی کے بغیر ہی آپ کے عقیدتمند ہزاروں لوگ آپ کی نماز میں شرکت کے لئے جامع مسجد نیوٹاؤن پہنچ گئے تھے میدان کی جگہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں بھی کئی صفیں بن گئیں. نماز جنازہ عارف باللہ حضرت مولانا محمد عبدالحیٰ مدظلہ العالی خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے پڑھائی. نماز جنازہ کے بعد حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہٗ کی میت کو دار الحدیث کے ہال کمرہ میں لوگوں کو آخری زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے رکھ دیا گیا لیکن لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ اس وقت نظم و نسق قائم رکھنا دشوار ہو گیا. اور تمام لوگوں کے لئے آخری زیارت کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں بہت خلل واقع ہو گیا. آخر مجبور ہو کر اس پروگرام کو ختم کر کے آپ کی میت کو دفن کے لئے قبر کی جگہ پر لے جایا گیا. اور قبر میں اتارنے کے بعد تمام حاضرین نے منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ بطریق مسنون پڑھتے ہوئے مٹی ڈالی اور اس طرح حضرت مولانا موصوف ہمیشہ کے لئے ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے لیکن خیال کی نظروں میں وہ

اب بھی ہمارے سامنے ہر وقت موجود ہیں اور اُن کا خیال کبھی بھی ذہن سے دُور نہیں ہوتا حضرت مولانا مرحوم کی تدفین جامع مسجد نیو ٹاؤن کے والان کے قریب بائیں جانب خارج از مسجد افتادہ قطعۂ زمین میں واقع ہوئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ع آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ اس عاجز کو بھی مرحوم موصوف کی نماز جنازہ اور دفن کے بعد مٹی ڈالنے کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

الحمد للہ علی منہ واحسانہ،

مرنا کوئی نئی بات نہیں ہے اس دنیا میں جو آتا ہے وہ جانے ہی کے لئے آتا ہے۔ اس سرائے عالم کا ہر مسافر منزلِ عدم کا راہ رو ہے۔ موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی۔ اور نہ کوئی بادشاہ یا فقیر مستثنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کل نفس ذائقۃ الموت دوسری جگہ ارشاد ہے۔ کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربك ذو الجلال والاکرام ؂

ہر آنکہ زیست بنا چار بایدش نوشید
ز جامِ دہر مئے کل من علیہا فان۔

و للہ در القائل ؂

له ملك ینادی کل یوم		لدوا للموت وابنوا للخراب۔

لیکن بعض ایسی ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں جن کی جدائی ایک عالم کو بے چین و بیقرار کر دیتی ہے۔ جن سے انسانیت رہنمائی حاصل کرتی۔ اور اُن پر شرافت فخر کرتی ہے۔ جو قوم کی امیدوں کا مرکز اور مخلوقِ خدا کی راحت و سکون کا مرجع و مادی ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہٗ کی شخصیت بھی ایسے ہی گنے چنے چند حضرات میں سے ایک تھی۔ جن کے اس عالمِ فانی سے رحلت فرما جانے کی وجہ سے تمام عالم اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔ بقیر ملت میں کہرام برپا ہے مدارسِ عربیہ کی تنظیم، مجلس تحفظ ختم نبوت، اسلامی نظریاتی کونسل، علماء و صلحاء اور اساتذہ و طلباء مدارس عربیہ بلکہ عوام و خواص تمام مسلمانوں میں غم و اندوہ اور اضطراب و بیقراری کا طوفان اُمنڈا ہوا ہے۔ صبر و سکون رخصت ہے بے چینی و بے صبری طاری ہے لیکن یہ ایک ایسا حکم الٰہی ہے جس سے کسی کو مفر نہیں ہے اور سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ دنیا ہمیشہ حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ کے علم و فضل، دینی خدمات، اخلاق و کمالات، شرافت و نجابت اور دیگر اوصافِ جمیلہ کو یاد کرتی رہے گی۔

آپ خاندان ساداتِ بنوریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور حضرت آدم بنوری قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ جو کہ صحیح النسب حسینی کاظمی بنوری سادات میں سے تھے، جو اپنے وقت کے شیخ کامل، صاحبِ سلسلہ بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے۔ حضرت آدم بنوری قدس سرہٗ کے مورثِ اعلیٰ حسین کاظمی بنوری کا اصلی وطن روم تھا جو کسی وجہ سے وہاں سے ترک وطن کر کے ہندوستان تشریف لے آئے اور سرہند کے مضافات میں قصبہ بنور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت آدم بنوری قدس سرہٗ کے متعلق حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ میں لکھا ہے کہ جب آپ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں روضۂ انور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مرقدِ اطہر سے دونوں دست مبارک ظاہر ہوئے اور شیخ نے بہزار شوق بڑھ کر مصافحہ کیا اور بوسہ دیا۔ یہ معاملہ حاضرین نے بھی مشاہدہ کیا اور جب آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ہوئی۔ کہ یا ولدی انت جاری (اے میرے فرزند تم میرے پڑوس میں رہو) چنانچہ آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ اور ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے قریب قبلہ کی جانب ہے۔ تذکرہ مجدد الف ثانی میں ہے کہ آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ لیکن نزہۃ الخواطر میں آپ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار اور مریدین کی تعداد چار لاکھ درج ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ اسی خاندان بنوری کے چشم و چراغ ہیں۔

مولانا موصوف کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا سید محمد زکریا المعروف بہ آغا صاحب بڑے جید عالم اور کئی اعلیٰ درجہ کی علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کی پیدائش ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو ضلع مردان میں رشکئی اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں مہابت آباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم یعنی قرآن کریم گھر پر اپنے والد ماجد اور اپنے ماموں مولانا فضل صمدان بنوری مرحوم و مغفور سے حاصل کی صرف و نحو اور منطق کے ابتدائی رسائل مولانا عبداللہ پشاوری سے پڑھے۔ پھر کابل تشریف لے گئے۔ اور وہاں قاضی القضاۃ مولانا عبدالقدیر و مولانا صالح محمد افغانی اور دیگر جید علماء کرام سے فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابوں کا درس لیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ اور وہاں دو سال میں دینی علوم کی تکمیل کی۔ بعد ازاں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اپنے والد ماجد کی خواہش اور اصرار پر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اول پوزیشن حاصل کر کے پاس ہوئے۔ حالانکہ یہ امتحان آپ کو طبعاً ناگوار تھا۔ اور اس کی تیاری کا موقع بھی نہیں ملا تھا تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے وطن میں قیام پذیر رہے اور مدرسہ رفیع الاسلام بھانہ ماڑی میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس مدرسہ کے مہتمم آپ کے ماموں مولانا فضل صمدان صاحب تھے۔ جو آپ کے استاد بھی تھے۔ یہاں آپ نے خوب تحقیق سے کتابیں پڑھائیں ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ء) میں حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوا۔ تو حضرت مولانا بنوری صاحب مرحوم تعزیت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ اور چند دن قیام کر کے واپس آ گئے۔ اس کے بعد ڈابھیل سے تدریس کی دعوت آئی۔ تو آپ ڈابھیل

تشریف لے گئے۔ اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ طلبہ میں آپ کے درس حدیث کی بہت مقبولیت ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کے ایماء و اصرار پر پاکستان تشریف لے آئے اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار سے منسلک ہوگئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ٹنڈوالہیار سے کراچی تشریف لے آئے۔ اور یہاں نیوٹاؤن میں ایک مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور اس راستہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو صبر و عزیمت اور ثبات و استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ آپ کی مساعی جمیلہ اور اخلاص کی برکت سے آج یہ مدرسہ پاکستان کا ایک معیاری دارالعلوم ہے اور اصلها ثابت و فرعها فی السماء کا منظر پیش کر رہا ہے، آپ نے تدریس کے علاوہ اس مدرسہ کے اہتمام، نظم و نسق اور تعمیر کے سلسلہ میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اس کی مثال مشکل سے کہیں ملتی ہے، ظاہری علوم کے ساتھ آپ کو باطنی کمالات میں بھی بہت بڑا مقام حاصل ہوا ہے آپ نے عنفوان شباب میں ہی اپنے وطن میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک شیخ سے تعلق قائم کر لیا تھا۔ اور مجاہدہ و مراقبہ کی منزلیں اس سرعت سے طے کیں کہ بہت جلد لطائف جاری ہو گئے اور آپ کے ہر رگ و پے سے اللہ کے ذکر کی آواز آنے لگی، اس طرح آپ سب سے پہلے اپنے جد اعلیٰ کے سلسلہ مجددیہ کے افکار سے فیضیاب ہوئے۔ یہ راستہ آپ کے لئے کوئی اجنبی راستہ نہیں تھا اور آپ کے جدِ اعلیٰ کی نسبت سے آپ کو طبعاً بھی حاصل تھا اس کے بعد آپ کا روحانی تعلق حضرات اکابر دیوبند سے بھی بدرجہ اتم رہا ہے جب مولانا مرحوم پہلی بار حج بیت اللہ شریف و زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا شفیع الدین نگینوی مہاجر مکی قدس سرہٗ سے بیعت کی جو کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت نگینوی نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں دو حضرات ہیں، ان میں سے جس سے آپ کا دل چاہے استفادہ کریں۔ ان میں سے ایک حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ ہیں اور دوسرے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ہیں۔ حضرت مولانا موصوف نے حجاز مقدس سے واپسی پر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دی اور ایک مدت تک حضرت تھانوی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت تھانوی آپ سے بہت ہی متاثر ہوئے بالآخر موصوف نے آپ کو اپنے مجازین صحبت میں شامل فرمالیا۔ پھر ایک عرصہ بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ سے بیعت کر کے اُن کے فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ سے آپ کو غایت درجہ کی عقیدت و ارادت تھی۔ اور آپ ان کے بیحد مداح تھے۔ حضرت مولانا مرحوم کی تعمیر شخصیت میں سب سے بڑا حصہ شیخ الوقت امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کا تھا۔ حضرت کشمیری قدس سرہٗ سے بکثرت علماء نے استفادہ کیا اور شرف تلمذ حاصل کرنے والے تقریباً سب ہی علم کی معراج کو پہنچے بعض حضرات تو کئی کئی سال حضرت شاہ صاحب کے صحیح بخاری کے درس میں شامل رہے لیکن حضرت بنوری قدس سرہٗ نے استاد موصوف کے علوم و افادات ہی کو نہیں بلکہ ان کی پوری شخصیت کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ استاد موصوف کے ساتھ آپ کی عقیدت عشق کے درجہ کی تھی، جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی، اسی عشق و جذب کا نتیجہ تھا کہ آپ کے قلم اعجاز رقم نے استاد موصوف کی سوانح "نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانور" نہایت علمی و ادبی معیار کے ساتھ تحریر کی جس نے نہ صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما جیسے علمائے ہند سے خراجِ عقیدت حاصل کیا۔ بلکہ علمائے عرب نے بھی اس کی ادبیت اور فصاحت و بلاغت کو تسلیم کیا۔ اور آپ کی عربیت کو جاحظ کی زبان کے ہم رنگ قرار دیا۔ حضرت مرحوم قدس سرہٗ اس سلسلہ میں ایک عجیب لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ مصر میں ایک بہت بڑے عالم نے اس سوانح حیات نفحۃ العنبر کے مطالعہ سے یہ تاثر قائم کیا ہوا تھا کہ سرزمین ہند میں حضرت انور شاہ صاحب قدس سرہٗ سے زیادہ بڑا عالم پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ پر فوقیت دیتے تھے۔ جب مولانا بنوری صاحب مرحوم سے پہلی مرتبہ ان کی ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے اس خیال کا اظہار فرمایا۔ وہ عالم یہ نہیں جانتے تھے کہ نفحۃ العنبر کا مصنف یہی شخص ہے مولانا مرحوم نے جواباً فرمایا کہ یہ تو آپ کا ایک طرفہ فیصلہ ہے۔ جس قلم نے شیخ انور کی سوانح لکھی ہے اگر اس نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کی سوانح لکھی ہوتی۔ اور آپ نے دونوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ان دونوں حضرات کا موازنہ کر کے یہ فیصلہ کیا ہوتا تب تو آپ کا فیصلہ محققانہ ہو سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ جس قلم نے انور شاہ کی سوانح لکھی ہے اس نے شاہ عبدالعزیزؒ کی سوانح نہیں لکھی۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ یا شیخ اتدری من تفاوض؟ انت تفاوض صاحب النفحۃ (اے شیخ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس سے گفتگو کر رہے ہیں؟ آپ کا مخاطب خود نفحۃ العنبر کا مصنف ہے)، یہ سننا تھا کہ وہ عالم آپ سے لپٹ گئے۔ اور آپ کے سحر آفرین قلم سے بڑھ کر آپ کی نکتہ رسی مرتبہ شناسی اور حاضر جوابی کی داد دینے لگے۔

حضرت مولانا مرحوم کی محفل میں حضرت امام العصر محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر چھڑ جاتا تو حضرت پر ایک وجد و وارفتگی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، شاہ صاحب کا ذکر شروع کرنے کے لیئے بس معمولی سی تقریب ہی کافی ہو جاتی تھی پھر کیا تھا ان کے کمالات و اخلاق و اوصاف کا تذکرہ گھنٹوں فرماتے اور اکثر ان کے الفاظ میں ہی ان کی بات کو بیان فرماتے تھے اور فرماتے تھے۔ واللہ ھذا لفظہٗ واللہ ھذا لفظہٗ، شاہ صاحب موصوف کے ذکر سے مولانا بنوری مرحوم پر ایک بیخودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو کے چشمے اُبل پڑتے تھے۔ سوز جگر میں اور اضافہ ہو جاتا اور بے اختیار فرماتے واللہ لم یر مثلہ ولم یر ھو مثل نفسہ اور کبھی فرماتے واللہ کان و کان حج

بھی حضرت شاہ صاحب موصوف کا ذکر فرماتے تو اس انداز سے فرماتے کہ گویا ان کے نزدیک اس وقت میں بس ایک ہی عالم پیدا ہوا ہے اور وہ انور شاہ ہے مگر اس عشق و فرط عقیدت کے باوجود آپ فرق مراتب کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے آپ بارہا فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے مقام پر نظر کرتا ہوں تو انور شاہ صاحب قدس سرہٗ صفر نظر آتے ہیں اور جب حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مقام پر نظر کرتا ہوں تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ صفر نظر آتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد سے آپ کی مرتبہ شناسی کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات متقدمین کے مقابلہ میں متاخرین کے علوم کی کیا حقیقت ہے اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ علم کا یہ بحر محیط یعنی مولانا بنوری قدس سرہٗ اپنے شیخ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علمی دنیا مولانا بنوری قدس سرہٗ کے مقابلہ میں صفر نظر آئے گی۔ الا ماشاء اللہ۔

اپنے استاد حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی طرح آپ بھی علم حدیث و تفسیر و فقہ اور دیگر علوم و فنون میں نہایت امتیازی شان رکھتے تھے تمام عمر علم حدیث کی تدریس میں بسر کی۔ آپ کا حافظہ مثالی تھا۔ ایک دفعہ کتاب دیکھ لیتے تو یاد رہتی تھی۔ آپ پاکستان کی واحد شخصیت تھے جو علم و فضل اور تصنیف و تالیف کے مشاغل کی وجہ سے تمام عرب ممالک بلکہ بلاد اسلامیہ و غیر اسلامیہ میں متعارف تھے۔ تمام عرب میں اکابر علماء و صلحا اور ارباب اقتدار کے ہاں آپ کے لئے بیحد عقیدت و احترام پایا جاتا تھا۔ آپ کو مجلس عمل کا صدر منتخب کیا گیا تو اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ علم و فضل کے اعتبار سے آپ کی شخصیت نہ صرف پاکستان بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں مشہور و مقبول تھی۔ زندگی کے آخری ایام میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن کی حیثیت سے پاکستانی معاشرے کو اسلامی اقدار میں ڈھالنے کے عظیم الشان کام میں شامل تھے۔ اور کونسل آپ کے قیمتی مشوروں سے بہرہ یاب ہو رہی تھی آپکے یکایک اس دار فانی سے رحلت فرما جانے کی وجہ سے اس اہم مشن میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مشن کو بطریق احسن سرانجام دینے کے لئے موجودہ ارباب کونسل کو پوری پوری توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا مرحوم کو تصنیف و تالیف میں بھی خصوصی ملکہ حاصل تھا اور ان کا اسلوب تحریر نہایت پختہ، جامع اور منفرد تھا۔ آپ ہر موضوع پر جس طرح بے تکلف و فی البدیہہ بولتے تھے۔ اسی طرح بے تکلف اور فی البدیہہ لکھتے بھی تھے۔ بسا اوقات لکھ کر دوبارہ دیکھنے اور نظر ثانی کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی تھی۔ آپ کو عربی تحریر پر اردو سے زیادہ قدرت تھی۔ بینات کے بصائر و عبر اور چند اردو مقالات کے علاوہ آپ کی ساری تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) معارف السنن شرح ترمذی شریف چھ ضخیم جلدوں میں کتاب الحج تک طبع ہو چکی ہے۔ یہ آپ کی بیش بہا تصنیف ہے۔ اندازہ تھا کہ یہ کتاب بارہ جلدوں میں مکمل ہو جائے گی۔ لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور دوسری اہم مصروفیات بھی اس کی تکمیل کی راہ میں مانع رہیں۔ (۲) عوارف المنن مقدمہ معارف السنن (غیر مطبوعہ) (۳) بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب (۴) نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ انور (۵) یتیمۃ البیان فی شئی من علوم القرآن: ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں پر مقدمے ہیں (۱) مقدمہ فیض الباری (۲) مقدمہ نصب الرایہ (۳) مقدمہ عبقات (۴) مقدمہ عقیدۃ الاسلام (۵) مقدمہ مقالات کوثری۔

آپ نے دارالعلوم نیوٹاؤن میں ایک درجہ تخصص کا بھی قائم کیا اور اس میں مقالات نویسی اور تصنیف و تالیف کا شعبہ رکھا۔ جس میں آپ کی سرپرستی اور دوسرے اساتذہ کی راہنمائی میں متعدد کتب کی تالیف و تدوین وغیرہ کا کام ہوا اور ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کام کے نگران کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی کو مقرر فرمایا اور وہ اس کام کو بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا بنوری مرحوم شریعت مقدسہ اور حق بات کی تبلیغ میں کسی قسم کے رعب و دبدبہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہہ دیتے تھے۔ آپ کی تمام زندگی اس بات کی مظہر رہی ہے۔ آپ کے تبحر علمی اور بلا خوف ملامت و ناراضگی حق بات کہنے کے بکثرت واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ماضی قریب میں مصر میں ایک مایہ ناز عالم علامہ طنطاوی ہوئے ہیں انہوں نے عربی زبان میں قرآن کریم کی ایک ضخیم تفسیر جواہر القرآن کے نام سے تحریر کی ہے جو کہ ہزارہا صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ طنطاوی مرحوم و مغفور نے سائنسی اور مادی علوم میں فلسفہ جدیدہ پر بحث کرتے ہوئے اکثر جگہ لکھا ہے کہ ان تمام علوم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ اور بعض دوسرے حضرات کی طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا کا ہر علم قرآن مجید میں موجود ہے۔ مولانا بنوری موصوف نے جب یہ تفسیر پڑھی تو ان کو علامہ موصوف کے ان تاثرات و خیالات پر افسوس ہوا کہ اتنا بڑا آدمی ایسی فاش غلطی میں مبتلا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا موضوع انسانی ہدایت سے متعلق ہے اور وہ اپنی الیانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ خالق و مخلوق کے اس رشتہ کے متعلق بحث کرتا ہے۔ جو ایک عابد و معبود کے درمیان ہونا چاہیئے نہ کہ مادی علوم میں راہنمائی کے متعلق اگر کائنات یا شمولات کائنات شمس و قمر کواکب و جبال اور بحر و بر کے متعلق آیات آئی ہیں۔ تو اس سے بھی رب العلمین کی ربوبیت اور خالق و مالک ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے نہ کہ کچھ اور۔ اور غرضیکہ مولانا بنوری صاحب مرحوم نے قصد فرمایا کہ علامہ طنطاوی سے بالمشافہ گفتگو کر کے ان کے غلط نظریات سے آگاہ کیا جائے۔ چونکہ علامہ طنطاوی موصوف

عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے۔ اس لئے ایک عجمی عالم کا ان کو ان کی غلطی پر آگاہ کرنا ایک دشوار امر تھا۔ اس لئے جب مولانا بنوری صاحب مصر جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو غلافِ کعبہ پکڑ کر اور ملتزم سے لپٹ کر رو رو کر انشراحِ صدر کی دعا مانگی۔ کہ یا اللہ تیرے قرآن پاک کے بارے میں علامہ طنطاوی سے بات کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے یہ صلاحیت واستطاعت عطا فرما۔ وہ اہل زبان اور بڑے متبحر عالم ہیں مجھے یہ توفیق دے کہ انہیں صحیح بات سمجھا سکوں۔ اس کے بعد جب مولانا بنوری صاحب نے قاہرہ پہنچ کر علامہ موصوف سے بات چیت کی اور اپنے تمام اعتراضات جو ان کی تفسیر پر وارد ہوتے تھے ان کے سامنے بیان کئے تو علامہ طنطاوی مرحوم اپنے قصورِ فہم کا اعتراف کرتے ہوئے بحث کے دوران کبھی کبھی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بہت ہی تعجب کے لہجہ میں فرماتے الآن افہم منك معنی ھذا الحدیث یعنی میں اس وقت آپ سے اس حدیث کا معنی سمجھ رہا ہوں آخر میں فرمایا ما انت عالم ھندی انما انت ملك نزل من السماء لاصلاحی۔ تم ایک ہندی عالم نہیں ہو۔ بلکہ درحقیقت فرشتہ ہو جو آسمان سے میری اصلاح کے لئے اترا ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ میں شاید ہندوستان کے بہت بڑے عالم سے محوِ گفتگو ہوں مولانا نے جواباً عرض کیا کہ نہیں بلکہ ہندوستان میں اتنے بڑے بڑے علماء موجود ہیں کہ میں تو ان کے پاؤں کی خاک نہیں ہوں۔ ان دنوں مولانا کے کئی اساتذہ بقیدِ حیات تھے اس لئے مولانا موصوف کا یہ قول انکساری کے باوجود بھی صحیح تھا۔

آپ کا جاری کردہ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن تمام پاکستان میں ایک بلند حیثیت کا حامل ہے نظم ونسق، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، فتاوی نویسی عمارت کی دلکشی وخوبی وخوبصورتی وصفائی اور پاکیزگی کے لحاظ سے پاکستان کے تمام مدارس عربیہ میں نمایاں شان رکھتا ہے اگر کسی اسلامی ملک کی سرکاری و غیر سرکاری نامور شخصیت کی پاکستان میں آمد ہوتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کی جانب سے ان کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کا معائنہ کرایا جاتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں جامعہ الازہر کے شیخ الجامعہ کو مدرسہ عربیہ دکھایا گیا اور امام صاحب مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ جب پاکستان تشریف لائے اور کراچی میں رونق افروز ہوئے تو ان کو بھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کا معائنہ کرایا گیا۔

حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ اپنے علم وعمل اور نیکی وراست گفتاری کے باعث اہل پاکستان بلکہ اہل اسلام کے لئے ایک مینارۂ نور تھے ان کی علمی بصیرت وفراست بے مثال تھی۔ اخلاق حسنہ کے بلند معیار پر فائز تھے، اخلاق نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک جامع نمونہ تھے۔ علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر حامل تھے۔ اسی قدر اُن پر عامل بھی تھے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی تفسیر اور مکمل مصداق تھے۔ آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے مزاج دان اور صحیح جانشین وارشد تلمیذ تھے۔ بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت اور ہمعصروں کی عزت کرنا آپ کا فطری شعار تھا، ناداروں اور غریبوں کی امداد کرنا، دوسروں کو اپنے

آپ پر ترجیح دینا، ایثار، سخاوت، دلجوئی، غمخواری، غرضیکہ تمام اخلاق حسنہ کے آپ مجسم پیکر تھے۔ افسوس صد افسوس کہ علم وعمل اور نیکی وراست بازی کا یہ پیکر مجسم اہل دنیا سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر آغوشِ لحد میں چلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس عاجز کو حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہٗ سے پہلی مرتبہ غالباً ۱۹۵۵ء میں جناب قاری محمد ادریس صاحب جاپان والے دہلوی کی دعوت میں شرفِ زیارت حاصل ہوا۔ اس مجلس میں آپ کے ارشادات وملفوظات سے فیضیاب ہو کر بڑی مسرت ہوئی۔ اور یہ مجلس اس عاجز کی خوش نصیبی کا باعث بنی۔ اس کے بعد آپ کے وصال تک اس عاجز کو آپ کی خدمت میں دارالعلوم نیوٹاؤن میں حاضر ہوتے رہنے کا شرفِ اکثر حاصل رہا۔ اور آپ کی عنایات اور علمی وروحانی فیوضات سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملتا رہا۔ حضرت موصوف اس عاجز کے ساتھ اور اسی طرح ہر شخص کے ساتھ نہایت کریمانہ ومشفقانہ سلوک رکھتے تھے۔ جو شخص ذرا بھی کوئی دینی مثلاً تبلیغ دین یا تصنیف وتالیف وغیرہ کا شغف رکھتا ہوتا اس کی بڑی قدر اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے اس عاجز کی تالیف عمدۃ الفقہ کا حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ مکمل ہو کر جب طباعت کے لئے دیا گیا اور حضرت مولانا مرحوم سے تقریظ لکھوانے کا ارادہ ہوا تو محترمی حاجی محمد اعلیٰ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی ولی حسن خاں صاحب مدظلہ کی وساطت سے حضرت مرحوم کی خدمت میں اس امر کی درخواست کی آپ نے فوراً اس کو منظور فرما کر کتاب کا مسودہ مطالعہ فرمانے کے بعد تقریظ لکھ کر دے دی جو کہ کتاب مذکور میں طبع ہو چکی ہے۔ آج کل کتاب مذکور کا چوتھا حصہ کتاب الحج زیرِ تکمیل ہے۔ اس کے بارے میں اکثر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس قدر باقی رہ گیا ہے۔ آپ کی بہت خواہش تھی کہ جلدی طبع ہو جائے۔ لیکن صد افسوس کہ ان کی زندگی میں تکمیل نہ ہو سکی۔ اور اب یہ کتاب تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔

آپ حد درجہ سخی بھی تھے۔ آپ کی سخاوت کے واقعات بکثرت ہیں آپ نے کتاب معارف السنن اکثر اہل علم حضرات کو مفت عنایت فرمائی اور اس کو دنیا کمانے کی بجائے ذخیرہ آخرت بنایا۔ ایک دفعہ یہ عاجز مدرسہ کے دفتر کے کمرے میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ کو معارف سنن کی جلدیں مل چکی ہیں یا نہیں۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ نہیں ملیں۔ اس وقت تک چار جلدیں چھپ چکی تھیں آپ نے فرمایا پہلی جلد تو ہمارے پاس بھی ختم ہو چکی ہے وہ آپ کہیں اور سے حاصل کر لیں۔ باقی تین جلدیں ہم دے دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت سٹاک سے منگا کر اس عاجز کو عنایت فرما دیں۔ اور فرمایا کہ ہمارا مقصد اس کی اشاعت سے پیسہ کمانا نہیں ہے، بلکہ دین کی خدمت اور آخرت کا ذخیرہ مقصود ہے (او کما قال) پہلی جلد اس عاجز کو حضرت مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ العالی نے عنایت فرمائی۔ جو اس وقت اس مجلس میں موجود تھے اور جب پانچویں اور چھٹی جلد طبع ہوئی۔ تو وہ بھی حضرت مولانا مرحوم نے خود ہی عنایت فرما دی۔ اس طرح چھ جلد کا سیٹ اس

عاجز کے پاس مکمل موجود ہے۔

ایک دفعہ یہ عاجز حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب مدظلہ العالی سے ملنے گیا انہوں نے فرمایا کہ آج حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں بیٹھنے کا ارادہ ہے اس عاجز نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں بھی ساتھ چلوں تاکہ یہ سعادت مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ہم دونوں آپ کی درس گاہ میں داخل ہوئے آپ بخاری شریف کا درس دے رہے تھے ہم دونوں کو اپنے قریب بلا کر بٹھا لیا۔ درس سے فارغ ہو کر مزاج پرسی کی اور مختلف مسائل پر اظہار خیال فرمایا۔ اس وقت کی گفتگو کی ایک بات یاد رہ گئی ہے وہ غالباً اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا بخاری شریف میں ایک جگہ ایسی ہے جہاں امام بخاری رضی اللہ عنہ نے باب نہیں باندھا اور بغیر باب کے حدیث نقل کی ہے۔ وہ نماز میں درود شریف پڑھنے کی حدیث ہے لیکن وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ اس کے لئے باب کیوں نہیں مقرر فرمایا۔ کیا آپ صاحبان کو اس کے متعلق کچھ معلوم ہے اس عاجز کے لئے تو یہ بات بالکل نئی تھی لیکن حضرت مولانا نعمانی صاحب نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں تشریف لے آئے اور ہم دونوں کو بھی اپنے ساتھ آنے کے لئے فرمایا۔ وہاں ہمارے اور حاضرین کے لئے چائے منگائی اور اپنی ایک قلمی بیاض جس میں غالباً بخاری شریف کے متعلق اپنی لکھی ہوئی یادداشتیں اور تشریحات عربی میں تھیں مولانا نعمانی صاحب کو پڑھ کر سناتے رہے اور مولانا نعمانی صاحب داد دیتے رہے آپ کی مجلس میں زیادہ تر علمی گفتگو ہوتی تھی۔ اور حاضرین کو آپ سے نئی نئی معلومات حاصل ہوتیں اور علم میں اضافہ ہوتا۔

اس عاجز کے ساتھ خصوصی سلوک فرماتے تھے۔ جو چھوٹوں پر ان کی بزرگانہ شفقت اور حوصلہ افزائی کرنے کی وجہ سے تھا کچھ عرصہ پہلے اس عاجز نے حصول برکت کے لئے حضرت مفتی ولی حسن صاحب کے ذریعہ مکان پر تشریف لانے کی درخواست کی۔ اگرچہ یہ دعوت بے وقت دی گئی تھی اور حضرت موصوف کا معمول اس وقت کھانا کھانے کا نہیں تھا۔ اس کے باوجود نہایت خندہ پیشانی سے دعوت کو قبول فرما لیا اور فرمایا دعوت کو قبول کرنا اور اس میں حاضر ہونا سنت ہے اگرچہ کھانے میں شامل ہونا سنت ادا ہونے کے لئے لازمی نہیں ہے۔ آپ بیمار بھی رہتے تھے۔ اور اوپر کی منزل میں آپ کے لئے چڑھنا تکلیف کا باعث بھی تھا اس کے باوجود تشریف لائے اور اوپر تک پہنچے اور نہایت خوشی کا اظہار فرمایا۔ دوسرے حضرات کے ساتھ ہماری خوشنودی کے لئے ایک دو لقمے لئے اور مزید کھانے سے معذرت کر کے آخر تک تشریف فرما رہے اور دعائے خیر کر کے تشریف لے گئے۔

جن حضرات کو آپ سے ہر وقت کی وابستگی رہی ہو اور یادداشت بھی اچھی ہو وہ حضرات ہی حضرت موصوف کے حالات کو اچھی طرح بیان کر سکتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ حالات جمع کر سکتے ہیں۔ اس عاجز نے صرف اس سعادت میں حصہ دار بننے کے لئے چند معروضات اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں عرض کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہٗ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کی قبر کو نور سے معمور اور سلامتی اور ٹھنڈک والی بنائے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے آمین۔

خدا رحمت کند ایں بندگان پاک طینت را

بقیہ : سید انظر شاہ

ذہانت، جمال و جلال کی داستانوں میں یہ اضافہ تاریخ کا ایک گنج گرانمایہ اور کاروان جہد کا ایک ناقابل فراموش تتمہ ہے۔

ارتجالاً یہ چند سطور قلم سے تراوش ہوئیں اور خدا کرے کہ ہیچ و پوچ تحریر منزل سے ہٹ کر چلنے والوں کے لیے سوئے منزل واپس لانے کی ایک کامیاب تحریک ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ ۱۲ ذی الحجہ ۹۷ھ

بقیہ : مولانا احمد رضا

اللہ تعالیٰ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو ساری امت مرحومہ کی طرف سے جزائے عظیم عطا کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

رفیق محترم مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خواہش تھی کہ میں انوار الباری کے باقی کام کو ان سے قریب رہ کر اور ان کی امداد و مشوروں کی روشنی میں مکمل کروں۔ اور اس کے لیے کچھ پروگرام بھی بننے والا تھا، مگر میں اُدھر نہ جا سکا اور وہ اس عرصہ میں اِدھر نہ آ سکے اس لیے بھی مجھے ان کی وفات سے جو صدمہ پہنچا ہے وہ بظاہر ناقابل تلافی ہے۔ باقی حق تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے کہ وہ انتہائی مایوسیوں کی حالت میں بھی نجاح و فلاح کی صورتیں پیدا فرما سکتے ہیں۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

المحدث الکبیر

* مولانا سید حامد میاں لاہور *

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ سے میری ملاقات اس زمانہ سے ہے جب آپ نے ٹنڈو والہ یار سے آکر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت صرف دو کمرے بنے تھے۔ باقی پوری جگہ خالی تھی۔ ناہموار بھی تھی چہار دیواری نامکمل تھی۔ یہ دو کمرے موجودہ مسجد کے شمالی مشرقی حصہ میں تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب (جہانگیرہ) مدظلہٗ اور دوسری دفعہ حاضری ہوئی تو حضرت مولانا نافع گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ پھر بارہا حاضری ہوئی تو شرفِ ملاقات حاصل ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی میں برکت دی اور جلد ہی اتنی عظیم مسجد اور بڑا مدرسہ جس کا کتب خانہ بھی بہت اچھا ہے بن گیا — اور بفضلِ خدا بہت سے ممالک بعیدہ کے طلبہ کا مرجع بن گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا المحترم کے لیے اس صدقہ جاریہ کو قائم رکھے۔ اس کا فیض مزید عام ہو۔

یہ مختصر مضمون تاثرات کا ایک خاکہ ہے۔

حضرت مولانا ارشاد فرماتے تھے کہ میرے ساتھ حق تعالیٰ کے معاملات شروع ہی سے عجیب و غریب رہے ہیں۔ اور بالکل آغاز زندگی سے حالات سنایا کرتے تھے۔ جب حصولِ علم کے لیے سفر شروع کیا اور افغانستان تشریف لے گئے۔ ان کی تفصیلات شاید مولانا کے رشتہ دار حضرات جو بچپن کے حالات سے واقف ہوں بتلا سکیں گے۔ لیکن ہم نے جو اپنی آنکھوں سے قدرت کا عجیب معاملہ دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے علم میں ہندو پاک و بنگلہ دیش میں بڑا مدرسہ ایسا کوئی نہیں ہے جہاں ضرورتاً زکوٰۃ کی تملیک کرا کر اسے حوائج مدرسہ پر صرف نہ کیا جاتا ہو۔ لیکن حضرت مولانا کے لیے اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کے لیے دیگر عطیات کا جو محض بمد امداد ہوں ایسا وسیع باب کھولا تھا کہ آپ کے تمام ترقیاتی منصوبے وغیرہ سب ان سے ہی چلتے تھے۔

خداوند کریم نے استغناء بھی بہت بخشا تھا۔ ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ کبھی کبھی معطی حضرات کو آداب بھی سکھاتے تھے کہ زکوٰۃ جس پر واجب ہے۔ وہ خود آکر دے۔ یہ ضروری نہیں کہ مدرسہ کے لیے رقم کے واسطے مدرسہ ہی کا آدمی بھیجا جاتے۔

اسی طرح برسوں سے یہ بھی سنتا آرہا ہوں کہ جب مد زکوٰۃ کا فنڈ بقدر ضرورت مدرسہ پورا ہو جاتا تھا تو آپ دوسرے ضرورت مند افراد یا مدارس کی طرف توجہ دلا دیتے تھے کہ ہمارے یہاں جتنی ضرورت تھی وہ رقم آگئی ہے۔ فلاں جگہ ضرورت ہے انہیں دیں۔

حق تعالیٰ کے عجیب معاملات ہی میں سے ایک یہ معاملہ بھی تھا کہ آپ کو علامہ عصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ سے تلمذ، مناسبت کاملہ اور قرب حاصل ہو گیا۔ آپ کا یہ تعلق عنداللہ مقبول ہوا۔ جو آخر حیات میں قادیانیوں کے خلاف سیاسی تحریک کی شکل میں بھی سامنے آیا۔ آپ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے طریقہ پر مطالعہ علوم کرتے رہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ڈابھیل کے قیام میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایک ایک بات کی تحقیق کے لیے میں نے پانچ پانچ سو، ہزار ہزار، دو دو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا۔ سرسری نظر ڈال کر اگر کتاب دیکھی جاتے تو بہت سے

لوگ ایک ایک رات میں پانچ پانچ سو صفحوں کی کتاب دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر بغور و تعمق مطالعہ کیا جائے تو یہ بہت ہی مشکل کام بن جاتا ہے اور مولانا کی مراد یہی تھی۔

میں نے مولانا کی بعض عربی خاص ادیبانہ تحریرات دیکھی ہیں۔ ان میں بکثرت عربی کے ایسے محاورات استعمال کیے ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ لغت کی کتابوں میں سے یاد کئے گئے ہیں۔

والد ماجد رحمۃ اللہ سے میں نے مقامات پڑھی تھی۔ انھیں فقہ اللغۃ یاد تھی اور حافظہ ایسا قوی تھا کہ مطالعہ کے بغیر بھی اسی طرح پڑھاتے تھے دیگر استعمالات اس کے علاوہ تھے/اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو منجد وغیرہ کے محاورات اَزبَر تھے۔ یہ کبھی جمع فرمائے اور یاد کیے ہوں گے۔

ذوقِ ادب بہت اعلیٰ تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ دیوبند میں مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی (کشمیری) اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا عربی اشعار و قصائد میں مقابلہ رہا کرتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ ان میں کون غالب رہتا تھا، تو فرمایا کہ مفتی شفیع صاحب کے اشعار ان سے بہتر ہوتے تھے۔

خیر المدارس ملتان میں وفاق المدارس عربیہ کے ابتدائی سالوں میں ایک دفعہ علماء سے خطاب فرما رہے تھے کہ درمیان میں مجھے خطاب فرمایا۔ میں متوجہ تو تھا مگر یہ خیال نہ تھا کہ کیوں خطاب فرما رہے ہیں۔ میں نے قدرے دائیں بائیں دیکھا کہ شاید اس نام کے کوئی اور صاحب ہوں۔ اس پر دوبارہ مجھے مخاطب کیا اور عربی کا ایک شعر سنایا۔ اس کے بعد ایک نشست میں فرمایا کہ فلاں رسالے میں تمہارے شعر مامون دمشقی کے اشعار سے اچھے تھے۔ پھر اپنے قصائد میں سے مستحضر اشعار سناتے۔ میں شاعر نہیں ہوں۔ کبھی کبھار کوئی شعر بن جاتے تو یہ شاعری نہیں۔ میں مولانا المرحوم کے حسنِ التفات و انبساط کو قائم رکھنے کے لیے اپنے استاذِ محترم مولانا عبدالحق صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کے منتخب اشعار سناتا رہا۔ ان میں یہ اشعار بھی تھے۔

یا من تباعد عنی غیر مکترث
لکنہ للضنی والسقم اوصی بی
ترکتنی مستھام القلب ذا حرق
اخا الجوی بین بلبال و اوصاب
اراقب النجم فی جنح الدجی کلفا
کاننی راصد للنجم او صابی

حضرت مولانا کا یہ ایک پہلو تھا جو گذرے ہوئے واقعات کے ذیل میں آگیا، ورنہ مولانا کو بفضل خدا تمام علوم مستحضر تھے۔ منطق کی کتابوں کی عبارتیں بھی یاد تھیں

مختلف مجالس میں بہت سی باتیں سامنے آتی رہیں۔ آپ نے اپنے یہاں مدرسہ میں شاید غیر ملکی طلبہ کی رعایت میں ان علوم کی کتابیں نہیں رکھی ہیں۔ اور غالباً اس طرف زیادہ توجہ رہی ہے کہ طلبہ علوم عالیہ میں زیادہ بصیرت حاصل کریں۔ اور ان کی توجہ اور تحریر وغیرہ جیسے مفید تبلیغ امور کی طرف زیادہ ہو۔

غالباً ۸ر جون سنہ ۷۴ء کے قریب کی بات ہے کہ حضرت والا اور حضرت مولانا المفتی محمود مدظلہم دونوں ہی تشریف فرما تھے کہ میں نے منطق کی ایک کتاب کا ذکر کیا کہ وہ مجھے بہت پسند ہے۔ یہ کتاب مدینہ منورہ میں پھوپھی صاحبہ اخت حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہما کے پاس مولانا کی الماری بھر کتابوں میں سے ایک تھی۔ یہ بو علی سینا کی لکھی ہوئی ہے اور انھوں نے منطق کے تمام قواعد منظوم کر دیئے ہیں۔ اشعار طلبہ کو آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب پڑھا کر یاد کرا دی جاتے تو سارے قواعد یاد ہی رہیں گے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اشعار کا ترجمہ اور مختصر شرح اردو میں آ جاتے۔ دونوں حضرات نے اس مختصر کتاب "رسالہ" کو دیکھا اور بہت پسند فرمایا اور فرمایا کہ شرح کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی طبع کرا دیں۔ فرمایا کہ ہم وفاق کے نصاب میں داخل کر دیں گے۔ ان حضرات کی رائے اس قدر قوی دیکھ کر میں نے اس کے پازیٹو بنوا لیے۔ لیکن اب مضمون لکھتے وقت ان باتوں کے ساتھ یاد آیا کہ رسالہ ان کی رائے کے احترام میں ویسے ہی طبع کرا دینا چاہیے۔ اگرچہ میرا خیال اب بھی وہی ہے کہ مبتدی کے لیے اس کا ترجمہ مختصر تشریح تسہیل کے ساتھ ضروری ہے مگر کہنا یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی بلندی علم اسے سہل بتلا رہی تھی۔

حضرت مولانا کو علم طب پر بھی عبور تھا۔ حضرت مولانا جیسے ظاہراً پاکیزہ تھے، اسی طرح دل بھی صاف رکھتے تھے۔ اسی لیے گفتگو اور تقریریں وفورِ جذبات اور رقتِ قلبی وغیرہ کی کیفیت ہو جاتی تھی۔

طبیعت کی صفائی کی وجہ سے آپ کے لیے شاید یہ ممکن نہ تھا کہ کسی سے ناراض ہوں تو اس سے اس کا اظہار نہ کریں، ظاہر و باطن یکساں تھا، معلوم ہوتا ہے بناوٹ کی نہ ضرورت تھی نہ قدرت۔

مولانا کا علمی تفوق جو ہمہ جہتی تھا بالخصوص حدیث پاک میں، پھر استغناء اور قبولیت وھیبۃ دیکھتے ہوتے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آپ کو کسی اور سے عقیدتمندانہ تعلق ہوگا۔ لیکن جو مولانا کے ذرا بھی قریب ہوگا اسے علم ہو گا کہ انہیں ہر اس شخص سے تعلق ہو جاتا تھا۔ جس کے بارے میں انہیں معلوم ہو کہ وہ خدا کا صالح بندہ ہے اور ہر اس بزرگ سے عقیدت ہوتی تھی جو واقعی ان کی نظر میں اہل اللہ ہو۔ اور اس سے ایسا معاملہ فرماتے تھے کہ جیسے اپنا بزرگ تسلیم کر لیا ہو۔ باطنی استفادہ فرما رہے ہوں یا بیعت ہوں۔

مولانا عبدالغفور صاحب عباسی نقشبندی رحمۃ اللہ مدینہ منورہ سے آتے تھے۔ تو شروع شروع میں تو لاہور میں ان کا قیام سینٹرل ہوٹل میں ہوتا تھا (جو لوہاری دروازہ کی طرف انارکلی کی آخری بلڈنگ ہے۔ اور کی مسجد کے زیرِ دیوار ہے)۔

مولانا موصوف مسلم مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور صرف سات آٹھ آدمی ساتھ ہوتے تھے۔

اس وقت اور اس کے بعد ان کے گرد ہجوم کثیر ہونے تک میں ان سے ملتا رہا ہوں۔ پھر مجمع زیادہ ہونے لگا اور پھر بہت زیادہ ہونے لگا۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کراچی میں ان سے ملاقاتیں بہت ہوتی رہیں۔ اور بہت سے لوگوں سے سننے میں آیا کہ مولانا ان سے بیعت ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد ایک دفعہ مولانا سے لاہور ہی میں ملاقات ہوتی تو میں نے اثنائے گفتگو دریافت کیا کہ آنجناب کا تعلق بیعت کن سے ہے۔ مولانا نے کچھ واقعات ذکر فرماتے اور بتلایا کہ مولانا محمد شفیع صاحب نگینوی[1] رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ مولانا نے اپنی بیعت کے سلسلہ میں صرف ان ہی کا اسمِ گرامی ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا تعلق تو ان سے ہی رہا۔ اگرچہ دیگر اکابر کا بے حد احترام فرماتے رہے ہیں۔ میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے واقف نہ تھا۔ بعد میں مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگوں سے سنا کہ ان کی ایک دفعہ عجیب کرامت بھی ظاہر ہوئی تھی۔ وہ ایک مذبوح جانور کا احیاء تھا۔ بالکل ویسا ہی واقعہ جیسا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

اگست ۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ حضرت مولانا نے مولانا عبدالمعبود صاحب کا ذکر فرمایا (جو ایک معمر بزرگ ہیں موتّل کے رہنے والے ہیں جو پاکستان کے شمالی پہاڑوں میں کافرستان کے قریب ایک موضع ہے) ان کے بارے میں کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ وہ میرے دادا جان کے نوعمری کے دور کے ملنے والے ہیں۔ والد صاحب سے ملتے ہیں تو ان کی باتیں سناتے ہیں۔

مولانا عبدالمعبود صاحب کا نام اور ان کی باتیں میں نے پہلے پہل اپنے ایک دوست مولانا عبدالمجید صاحب سے سنی تھیں جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور سکھر میں کاروبار کرتے ہیں۔ ان کی ملاقات مولانا عبدالمعبود صاحب سے بحری جہاز میں ہوئی تھی۔ جب کہ وہ حج کے لیے سفر کر رہے تھے۔

اس کے کچھ دیر بعد ۱۹۶۳ء میں مولانا موصوف لاہور آئے اور خاصا چرچا ہوا۔ اس وقت متعدد بار ملاقات ہوئی اور خود اپنے آپ باتیں کرنے کا موقع

---

[1] نگینہ ضلع بجنور کا ایک قصبہ ہے۔ یو۔پی میں واقع ہے۔ پنجاب کی سرحد سے لے کر وہاں تک فاصلہ سو میل کے قریب ہو گا۔ بڑی ریلوے لائن جو مراد آباد، رامپور، بریلی، لکھنؤ بنارس ہوتی ہوئی کلکتہ جاتی ہے۔ یہاں سے گذرتی ہے۔

ملتا رہا ۔ مولانا سے میں نے ان کی عمر کے بارے میں خود دریافت کیا اور یہ بھی معلوم کیا کہ آپ سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عمر میں بڑے تھے یا آپ؟ انہوں نے فرمایا کہ حاجی صاحب مجھ سے کم از کم دس یا بارہ تیرہ سال بڑے تھے ۔لیکن خود اپنی موجودہ عمر جو مولانا موصوف بتلاتے تھے اس حساب سے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ کی عمرِ مبارک مولانا سے چھوٹی بنتی تھی ۔

مولانا کی بتلائی ہوئی عمر اس وقت چٹان میں چھپی تھی ۔ اس سے اگلے سال پھر چٹان میں موصوف کے بارے میں مضمون چھپا ۔ اس میں ایک سال نہیں بلکہ کتنی سال عمر زیادہ چھپی ۔ نیز حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور تمام اکابر مشائخ دیو بند کے متوسلین کی رائے موصوف کے بالکل خلاف تھی اس لیے مجھے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف عجیب سی لگی، ساتھ ہی یہ نئی بات علم میں آئی کہ مولانا مرحوم کے موصوف سے قدیم جدّی تعلقات بھی نکل آئے ۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مولانا سے اپنے شکوک ذکر کروں ۔

میں نے کہا کہ ان کا معمّر ہونا کوئی ایسی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے ۔ اسی طرح ان کا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونا بعید نہیں ہے کیونکہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۱۷ ہجری میں ہوئی ہے ۔

مراد آباد میں جناب مرزا حسن یار بیگ صاحب[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وفات کے قریب حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے ایک شخص نے اجازت چاہی کہ حضرت مجھے اجازت ہو تو میں لوگوں کو ذکر بتلا دیا کروں، آپ نے اسے اجازت دے دی۔

کچھ دیر بعد ایک اور صاحب نے اجازت چاہی آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی اور فرمایا کہ کیا حرج ہے

---

[1] مراد آباد میں ۱۸۵۷ء سے یا اس سے پہلے سے مغل خاندان آباد ہے اس محلہ کا نام مغلپورہ ہے، مرزا صاحب اس خاندان میں گوہر بے مثل تھے پہلے یہ حال تھا، کہ مصنوعی انگریز تھے انگریزی میں گفتگو کے حد درجہ شوقین تھے ۔ فرماتے تھے کہ انگریزوں کے ساتھ کھیل وغیرہ کے موقع پر میں موازنہ کیا کرتا تھا کہ میں ان سے زیادہ روانی سے انگریزی بول سکتا ہوں یا نہیں؟ میں ان سے زیادہ روانی سے بولتا تھا. بعد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے، پھر تا حیات اتباعِ سنت ہی نقطۂ نظر اور محبوب ترین مشغلہ بنا رہا ۔ سر سے پاؤں تک لباس، چپل اور ہاتھ کی چھوٹی لاٹھی سب ہی علماء سے تحقیق کر کے اسی طرح کی بنائیں جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئیں ۔ وہ مجسمۂ اتباعِ سنت تھے اپنی خاندانی مسجد آباد کی اور خود ہی پانچوں وقت نماز پڑھانے لگے ۔ انگریزی اثرات سے بھی دشمنی ہو گئی ۔ میں نے ان کی زبان سے کبھی کوئی لفظ انگریزی کا نہیں سنا. رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جامعہ قاسمیہ مراد آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی حاضر ہوتے رہتے تھے ۔ اور وہاں کے دوسرے علماء سے بھی مسائل کی تحقیق فرماتے رہتے تھے ۔ مراد آباد میں تفسیر، حدیث، قرأت، فقہ اور منطق و فنون کے ایسے کامل اساتذہ تھے کہ ان میں سے ہر ایک اگر دارالعلوم میں ہوتا تو اپنے اپنے شعبہ کا مدرسِ اعلیٰ بن سکتا تھا۔ ضرورت پڑنے پر حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے شیخ الحدیث دیوبند کے فرائض دو مرتبہ سنبھالے ۔ دوسری مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرضِ وفات سے خود اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہے ۔ جامعہ قاسمیہ مراد آباد حضرت نانوتوی صاحب قدس سرہٗ نے قائم فرمایا تھا۔ رحمہم اللہ ۔

اللہ کا نام بتلا[1] دیا کرو۔ اس طرح اس وقت آپ نے چار آدمیوں کو اجازت دی۔

نیز علمائے کرام کو اجازت[2] دینے میں مشائخ نے توسع سے کام لیا ہے اس لیے مولانا موصوف کا حضرت حاجی صاحب سے مجاز ہونا بھی بعید نہیں۔ (اور چلاس وغیرہ میں ۱۲۵ اور ۱۳۵ سال کی عمر کے لوگ بآسانی مل جاتے ہیں) لیکن یہ باتیں جب مولانا کی دوسری باتوں کے ساتھ ملتی ہیں تو ان میں تردد پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ شریکِ مشورہ اور پھر شریکِ جہاد رہے ہیں۔ بعد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی تعلقات کا اظہار فرماتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، وغیرہ۔

وہ ذکر فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بریلی میں احمد رضا خاں صاحب سے ملانے کے پروگرام سے لے گئے تھے ادھر ہمارے اکابر نے ایسے سب رجالِ کار کا ذکر کر دیا ہے جنہوں نے ذرا بھی ایسے کاموں میں حصہ لیا ہو اور سب منضبطِ تحریر میں آ چکا ہے۔ ایسا اہم شخص جو ان اکابر کے ساتھ شریکِ معرکہ بھی رہا ہو، بقیدِ حیات ہو، سفر بھی بکثرت کرتا رہتا ہو بلکہ سیاح ہو، حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے ان کی ملاقات بھی رہی ہو، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر خدام میں سے کوئی بھی واقف نہ ہو۔ کوئی تو ذکر کرتا یا پہچانتا۔ میں نے حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہم العالی سے دریافت کیا کہ جناب انہیں جانتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا کبھی حضرت شیخ الہند سے یا اپنے کسی بزرگ سے ان کا ذکر سنا ہے یا نہیں؟ تو حضرت کا جواب آیا کہ "نہ میں شخص مذکور سے واقف ہوں نہ ان کے بارے میں کبھی کسی سے کچھ سُنا۔"

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب اور حضرت والد صاحب جو اس قافلۂ مجاہدین بلکہ تحریک ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے مورخ ہیں۔۔۔ ان سے ناواقف ہیں وہ بھی قطعی لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں۔

موصوف کی یہ بے اصل باتیں بہت مشہور ہو گئی ہیں اور باعثِ اعتراض ہیں، تو ایسی غلط باتیں وہ کیوں کرتے ہیں؟

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سوال پر قدرے سکوت کیا، پھر فرمایا کہ "اس عمر میں ایسی باتیں ہو جایا کرتی ہیں"۔

حضرت مولانا عبدالهادی صاحب دام ظلہم سے اسی طرح کی عقیدت بھری محبت تھی۔ حضرت نے مولانا بنوری کو اپنے مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے بلایا۔۔ آپ کراچی سے کسی صاحبِ خیر کا ایک چیک بھی ساتھ لائے جو پچاس ہزار کا تھا، جب آپ نے وہ پیش کیا تو حضرت دین پوری نے انکار فرمایا کہ جناب کو اس خیال سے نہیں بلایا تھا، لیکن مولانا کے اصرار پر اس وقت آپ نے رکھ لیا۔ مولانا کے روانہ ہونے کے بعد پھر حضرت کی طبیعت نہ مانی اور وہ چیک بالآخر واپس کر ہی دیا۔

---

[1]: اس قسم کی اجازت سے خاص اس ذکر کے بتلانے کی اجازت بھی مراد ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیعتِ توبہ کی یا اس ذکر تک اذکار کی تلقین کی اجازت مراد ہو، بہرحال ایسے حضرات کو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء میں شمار نہیں کیا گیا۔

[2]: ہر عالم جو باعمل ہو، چاہے اسے کسی سے اجازت ہو یا نہ ہو بیعتِ توبہ لے سکتا ہے یہ پرانا قاعدہ چلا آرہا ہے، البتہ بیعتِ سلوک جس میں اذکار و مراقبات اور آخری مراقبۂ احسان تک کی تلقین کی جاتی ہے اسے بیعتِ سلوک کہا جاتا ہے اسکی اجازت اسے ہی دی جاتی ہے جس نے خود یہ راستہ طے کیا ہو۔ عرفاً خلافت کے لفظ سے ایسی ہی اجازت مراد ہوا کرتی ہے۔

میں نے یہ واقعہ سنا تو ان صاحب سے کہا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ مولانا بنوری کی امداد قبول فرما لیا کریں کیونکہ مولانا خود مال کے بارے میں مکروہ مال سے اجتناب فرماتے ہیں۔ لیکن ان سے میری یہ گفتگو مولانا کی وفات سے چند ہفتے پہلے ہی ہوئی۔ رحمہ اللہ وجزاہ خیراً

(اس واقعہ کی مزید تفصیل صاحبِ مضمون کے حکم سے حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم سے معلوم کرکے لکھی جا رہی ہے! (ادارہ))

ہوا یوں کہ ۷۳ء کے تباہ کن سیلاب نے دین پور شریف اور خان پور کے تمام علاقے کو متاثر کیا۔ دوسرے مقامات کے علاوہ یہاں بھی پیپلز پارٹی کے لوگوں نے بیّنہ طور پر ظلم و شقاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بند توڑ دیا حضرت درخواستی مدظلہم حیدر آباد رہے کہ تمام مدرسہ نذرِ سیلاب ہو گیا اور حضرت دین پوری ظاہر پیر میں قیام پذیر رہے۔ یہ بلا ٹلی تو واپسی ہوئی۔ یہ یکم رمضان کا دن تھا۔ اسکے بعد مدرسہ کے سنگِ بنیاد کے لیے حضرت نے مولانا عبید اللہ انور کو بلایا، اُدھر سے حضرت مولانا بنوری کو بھی بلایا۔ دونوں حضرات وہاں پہنچے۔ تو حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ پچاس ہزار روپے کا ڈرافٹ ہمراہ لائے اور حضرت کو پیش کیا، حضرت مسلسل انکار کرتے رہے، آخر مولانا بنوری نے مولانا عبید اللہ انور سے بھی سفارش کرائی۔ حضرت دین پوری اس کو بہت بوجھ خیال فرماتے جبکہ مولانا بنوری نے عرض کیا کہ مجھ پر دینے والوں نے اعتماد کیا مجھے اعتماد کی جگہ چاہیئے اور آپ سے بڑھ کر کون ہے؟ بالآخر بصد مشکل ڈرافٹ رکھ لیا گیا ساتھ ہی چونکہ نوٹوں کی تبدیلی وغیرہ کا سلسلہ چل رہا تھا اس لیے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے اسے کیش کروا لیا گیا اور پھر حضرت دین پوری نے مولانا عبید اللہ انور کو لکھا کہ ہم پر بہت بوجھ ہے وہ رقم واپس کرنی ہے، آپ حاجی محمد یوسف صاحب یا حاجی شفیع اللہ صاحب میں سے کسی کو لکھیں کہ وہ آئیں اور یہ رقم لے کر جائیں۔

یہ دونوں حضرات، حضرت لاہوری قدس سرہ، کے خاص عقیدت مند تھے ابتدا میں حضرت سے شناسائی نہ تھی، قرآن عزیز کے لیے جو حضرات پیسے دے گئے وہ یہی تھے بعد میں شناسائی ہوئی۔ حضرت مولانا حبیب اللہ مہاجر مکی مرحوم سے بہت تعلق رہا۔

مولانا عبید اللہ انور ان حضرات سے رابطہ کی کوشش کرتے رہے کہ اچانک حاجی شفیع اللہ صاحب دین پور شریف پہنچ گئے اور وہ رقم ان کے ذریعہ واپس بھیج دی گئی۔

حضرت دین پوری دامت برکاتہم کا یہ استغناء اپنی شان آپ ہے۔ حضرت خلیفہ میاں غلام محمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز (والد بزرگوار) اور آپ کے بعد حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کی حسنِ تربیت کا رنگ آپ کی پوری زندگی میں جھلکتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی زندگی فی الحقیقت قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ حضرت لاہوری قدس سرہٗ کی سوانحِ حیات تو سامنے آچکی ہے جس سے نسلِ نَو بھی ان کی عظمت کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ رہ گئے اعلیٰ حضرت دینپوری قدس سرہٗ تو ان کی سوانح بھی آیا چاہتی ہے جس کا نام "یدِ بیضا" تجویز ہوا ہے سامنے آنے پر اس نام کی موزونیت صاحبِ تذکرہ کی سیرت کی جھلکیاں پڑھ کر معلوم ہو جائے گی۔

صاحبِ مضمون نے اس موقعہ پر ۱۹۲۶ء کے جلسہ کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کی قائم کردہ انجمن خدام الدین کے زیرِ اہتمام ہوا تھا اس میں وقت کے تمام

اکابر اور جید علماء تشریف لائے۔ اسی موقعہ پر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو امیرِ شریعت بنا کر سب سے پہلے بیعت فرمائی اور پانصد جید علماء نے مزید بیعت کی۔ اس موقعہ پر تیسری بیعت مولانا بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے کی جس کا ذکر انہوں نے خود کئی مرتبہ فرمایا (مولانا عبید اللہ انور نے بھی ذکر فرمایا) دوسری بیعت کس نے کی؟ اس کے متعلق صاحبِ مضمون نے مولانا عبیداللہ انور سے معلومات حاصل کرنے کی ہدایت کی، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ وہ مولانا ظفر علی خان تھے۔

صاحبِ مضمون مدظلہم نے علامہ اقبال مغفور کی بیعت کے متعلق بھی مولانا عبید اللہ انور سے تحقیق کا حکم دیا، چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ وہ بیعت میں شامل نہ تھے۔ بیعت صرف علماء کرام نے کی۔ اسی طرح "ختم نبوت و ضرورت" پر تقریر کے متعلق مولانا انور کا ارشاد یہ ہے کہ یہ تقریر حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمائی۔ جلسہ تو یہی تھا البتہ اجلاس کا تعین نہیں ہو سکا۔ ان اجلاسوں میں علامہ اقبال کے علاوہ سر شفیع اور سر فضل حسین وغیرہ اکثر لوگ شریک ہوئے۔ اسی موقعہ پر سر شفیع نے وہ تاریخی جملہ کہا کہ:

"کاش میری ماں مجھے تعلیم کے لیے وہاں بھیجتی، جہاں "شبیر احمد" کی ماں نے انہیں بھیجا تھا"۔

اور علامہ اقبال مغفور نے تقریر سن کر جامع اور بلیغ تبصرہ فرمایا اور کہا کہ:

"اگر میں یہ تقریر نہ سنتا تو ان مسائل کے معاملہ میں ناواقف ہو کر مرتا"۔ (او کما قال)

ایک دفعہ حضرت مولانا سے حضرتِ اقدس مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر آیا، تو آپ نے فرمایا کہ "ان کے علم میں خداوندکریم نے بہت برکت دی تھی کہ بہت قریبی جگہ سے جدھر خیال بھی نہ جاتا تھا استدلال فرما لیتے تھے حالانکہ وسعتِ مطالعہ (مطالعہ کا پھیلاؤ) بھی اتنا زیادہ نہ تھا"۔

آخری بار مدرسہ میں تشریف آوری کے موقع پر حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر آیا تو بہت عظیم کلمات ارشاد فرمائے کہ "وہ اللہ کے ایسے مقبول بندے تھے کہ ان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی اور ان کی خوشنودی خدا کی خوشنودی تھی"۔

میں مولانا کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ اس وقت سواری کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ چند ہی منٹ بعد اٹھ گئے میرے ذہن میں ان کے یہ کلمات گھومتے رہے:

درحقیقت حدیثِ پاک من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب۔

یعنی "جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں"۔

حتیٰ اکون یدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔

یعنی "حتیٰ کہ میں اپنے (مقرب) بندے کا ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہوں وغیرہ"

جو روایات آئی ہیں ان کے اعتبار سے حضرت مولانا نے یہ جملے ارشاد فرمائے کیونکہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ معرفت اور اتباعِ سنتِ نبویہ میں نہایت اعلیٰ مقام پر تھے۔

ایک مرتبہ خیر المدارس میں وفاق کی میٹنگ کے موقع پر باتوں باتوں میں فرمایا کہ میں شرح ترمذی لکھ رہا ہوں، وہ میں نے سفرِ حج میں حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کی۔ آپ نے دیکھ کر یہ ہدایت فرمائی کہ اس میں غیر مقلد حضرات کے جواب میں بہت سخت قلم رکھا ہے، ایسا نہ ہونا چاہیئے، اس سے کتاب کی افادیت پر اثر پڑتا ہے۔ فرماتے تھے میں نے اسی پر عمل کیا اور ایسی عبارتیں بدل دیں۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے بعد حضرت مولانا السید اسعد صاحب مدظلہم سے بہت تعلق رہا اسی داعیۂ محبت کے تحت انہیں دو بار اپنے یہاں بلایا، مولانا السید

ارشد صاحب کے پاکستان آنے کا انتظام فرمایا۔ ان حضرات کو اور محمود حضرت مولانا المرحوم کو حضرت مولانا عزیز گل صاحب دامت برکاتہم العالیہ (سخا کوٹ، مالاکنڈ ایجنسی) سے ان کی قابلِ رشک نسبتہائے عالیہ کی بناء پر عقیدت ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہر دو حضرات کے لیے سخا کوٹ کے ویزا کا اہتمام فرمایا اور ان کی تشنگی بجھائی۔ جزاہ اللہ خیرا

ع نہیں معلوم جاتے کس کے سر یہ دردِ سراپا

حضرت مولانا عزیز گل صاحب دامت برکاتہم العالیہ حضرت شیخ العالم مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان چند جلیل القدر تلامذہ میں ہیں جو حضرت سے ایسے وابستہ ہوئے کہ اسارتِ مالٹا میں بھی ساتھ رہے۔ خداوند کریم کے ہاں ان کی اس نیت کی قبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ انگریز کی اتنی وسیع عملداری کے باوجود ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے استادِ محترم کیساتھ مالٹا ہی میں پہنچا دیا۔

بحمد اللہ سب ہی اسیر جو آپ کے متعلقین میں تھے نہایت حوصلہ سے ثابت قدم رہے۔ ضاعف اللّٰہ اجرھم جمیعا۔

حضرت مولانا عزیز گل صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے حضرت مولانا بنوری نور اللہ مرقدہٗ کو خود اتنی زیادہ عقیدت تھی جسے ناپا نہیں جا سکتا واقعات شاہد ہیں۔

جامعہ مدنیہ میں مولانا کی تشریف آوری سب سے پہلے سنہ ۶۲ء کے قریب ہوئی تھی اس زمانہ میں مدرسہ مسلم مسجد اور نیلا گنبد میں تھا۔ طلبہ کی رہائش ان دونوں جگہ کے علاوہ نیلا گنبد میں ایک کرایہ کے مکان میں بھی تھی، مولانا کو ختم بخاری شریف کے لیے بلایا گیا تھا۔

پھر خدا نے کیا مدرسہ کی اپنی عمارت کریم پارک میں بننی شروع ہوئی۔ فروری ۱۹۶۶ء تین طلبہ و مدرسین یہاں آ گئے۔ اسی سال آغاز موسم سرما میں مفتی محمود صاحب کی دعوت پر حضرت مولانا ایک جلسہ میں لاہور تشریف لائے اور ایک شب جامعہ میں گذاری۔ میں کراچی گیا ہوا تھا، یہ اطلاع ملی تو دلی مسرت ہوئی اس کے بعد متعدد بار تشریف آوری ہوئی۔

مدرسہ کے یہاں آنے کے بعد آپ نے دو مرتبہ ختم بخاری شریف کرایا۔ ایک دفعہ ۲۳ر رجب ۹۴ ہجری (۱۳ر اگست ۷۴ء) کو۔ (اس میں حضرت مولانا خان محمد صاحب دامتِ برکاتہم سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف بھی اچانک تشریف لے آئے) مولانا درخواستی صاحب مدظلہم بھی لاہور میں تھے، آپ سے بعد مغرب درخواست کی تو آپ بھی تشریف لائے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ختم کرانے کے بعد تقریر فرمائی۔

دوسری مرتبہ (یعنی تیسری مرتبہ) ۸ر شعبان ۹۵ھ (۱۷ر اگست ۷۵ء) کو آپ نے ختم بخاری کرایا۔ اسطرح آپ نے جامعہ میں تین بار ختم بخاری شریف کرایا۔ ۷۴ء اور ۷۵ء کی تقاریرِ ختم ملتی جلتی تھیں۔ آپ نے بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث اور سب سے آخری حدیث کی سند میں وجوہ مماثلت بیان فرمائیں اور دونوں ہی دفعہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری اپنی ذاتی تحقیق و کاوش ہے (امید ہے کہ یہ تقریر آپ کے تلامذۂ کرام میں سے کوئی نہ کوئی صاحب اپنے مضمون میں لکھیں گے۔ اس لیے میں اسے نہیں لکھ رہا) یہ حضرت مولانا کی جامعہ میں آخری بار تشریف آوری تھی۔

آپ کے چار عظیم واضح و باہر صدقاتِ جاریہ ہیں:

۱۔ تحریک ختم نبوت کی قیادت میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں کامیابی کہ حکومتِ وقت نے اعلان کرکے فوراً اسے تسلیم کر لیا (خدا کرے اس سلسلہ کے بقیہ قانونی مراحل بھی مکمل ہو جائیں۔)

۲۔ حدیث میں شرح تقریر ترمذی۔

۳۔ مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن۔

۴۔ تحفظ ختم نبوت کے منصوبوں کے لیے اس قدر عظیم فنڈ جمع کر دینا کہ ۳۶ لاکھ میں صرف اس کا تعمیراتی خاکہ وجود میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مرحوم کے لیے ان صدقات کو جاری رکھے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں "لولاک" میں مضمون نہ ارسال کر سکا۔ تعمیلِ حکم میں اس وقت جو چیز یاد آتی گئی لکھتا گیا ہوں......

؎ گر قبول افتد ....

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو مغفرت سے نوازے اور اعلیٰ علیین میں مقامِ عالی نصیب کرے اور امتِ مسلمہ کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔ آمین !

نامناسب نہ ہوگا کہ آخر میں ایک روایت پیش کر دی جائے جس سے اہلِ علم کی عظمت کا اندازہ ہو سکے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلے اکابر یہ کہا کرتے تھے کہ عالم کی موت قصرِ اسلام میں وہ دراز ہے جسے کبھی کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

عن الحسن قال کانوا یقولون موت العالم ثلمۃ فی الاسلام لا یسد ھا شیء ما اختلف اللیل و النہار۔

سنن الدارمی ۹۴ - ج ۱

آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے مشائخ و اساتذہ کی وفات کے بعد یہ کہتے رہے ہوں کہ ان جیسا کوئی نہیں ملا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جیسے ہر آدمی کو شکلاً دوسرے سے مختلف بنایا ہے اسی طرح باطن اور صلاحیت کے اعتبار سے بھی ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لہٰذا اسلام کے قلعہ میں جس جگہ وہ لگا ہوا ہے وہ اسی کی جگہ ہوتی ہے اگر خدا نخواستہ فیوض کی بقاء نہ ہوا کرتی تو دینِ اسلام آگے نہ چلتا۔ امتِ محمدیہ پر خدا کی یہ خاص رحمت ہے کہ اس نے اس امت میں بقاءِ فیوض کا انتظام فرما دیا ہے ورنہ پہلی امتوں کی طرح آگے ہم تک اسلام ہی نہ پہنچتا۔

ضاعف اللہ اجورہٗ و ادام فیضہٗ

حامد میاں

جامعہ مدنیہ۔ کریم پارک۔ راوی روڈ۔ لاہور

جمعہ ۱۷ صفر ۹۸ھ ۲۷ جنوری ۷۸ء

جمعیۃ علماء اسلام کا پیغام

خدا کی زمین پر خدا کا نظام

****

پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کے لیے علماءِ حق کی عظیم جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ مکمل تعاون کیجئے جمعیۃ اپنے شاندار ماضی اور تابناک مستقبل کے لیے حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمود مدظلہم کی قیادت میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اگر آپ جمعیۃ کے آج تک رکن نہیں بنے تو آج ہی فارم رکنیت پُر کیجئے۔

منجانب

قاری محمد اسد اللہ عباسی امیر وارکین جمعیۃ علماء اسلام تحصیل و ضلع راولپنڈی

مدرسہ عربیہ سراج العلوم

ٹیکسلا

مرشد العلماء حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ کی زیر سرپرستی تین سال سے علوم دینیہ کی خدمات میں مصروف عمل ہے۔ حفظ و ناظرہ کے علاوہ درس نظامی کا مکمل انتظام ہے۔ بحمداللہ بیرونی اور مقامی طلبہ کثیر تعداد میں علوم دینیہ سے مستفید ہو رہے ہیں۔ علاقہ بھر میں مشہور اس دینی درسگاہ کے لیے متبادل جگہ نہ ہونے کی بنا پر طلبہ و اساتذہ کے لیے کچھ دشواری ہے۔ جو انشاء اللہ چند اہل خیر کے تعاون سے دور ہو جائے گی۔

(مولانا) عبدالغفور عفی عنہ خادم مدرسہ عربیہ سراج المدارس

مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا، ضلع راولپنڈی

بعض اہلِ اللہ

مخدوم بنوری

کی نظر میں

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی

****

فون : ۲۲

مدرسہ عربیہ نجم المدارس

کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (سرحد پاکستان)

۲۹۶

"خدام الدین" کے مدیر محترم نے مخدوم سید بنوری قدس سرہٗ پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ جہاں تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مثالی علم و عمل قابلِ ہزار رشک دینی جدوجہد اور فوق التصور اخلاص اور دیانت و امانت کا تعلق ہے اس پر کچھ عرض کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے کہ ؎

عنقا را بلند است آشیانہ

شواہد ظاہرہ

یوں بھی عطار اور معمولی پنساری کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ مشک کی مہک خود ہی مشامِ عالم کو معطر کیے ہوئے ہے، میرے نزدیک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اس سے بہت بلند و ارفع ہے کہ ہم جیسے علم و عمل سے تہی دامن اور اخلاص و للّٰہیت سے کورے آپ کی زبانی تعریف میں تو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہیں، لیکن آپ کے جوہرِ خاص خلوص و للّٰہیت، خشیۃ الٰہی خوفِ خداوندی اور انابت الی اللہ و خضوع لامر اللہ سے دُور کا بھی واسطہ نہ رکھیں، ایسی بے وزن اور بے جان تعریف سے حضرت کی رُوح کو خوشی تو کیا ہو گی، مزید صدمہ پہنچے گا، اور بصد حسرت ہم سے بزبانِ حال فرمائیں گے:

؎ ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من

جذبۂ خلوص کا عظیم مینار

مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کو ممکن ہے لوگ آپ کا علمی نشان بتلائیں لیکن احقر کے نزدیک یہ لاثانی ادارہ اپنی مخصوص نوعیت کے ساتھ آپکے خلوص

اور للہیت کا عظیم مینار ہے، فراہمی مالیات کا دھندہ جہاں ثانوی حیثیت سے بھی کم تر نہیں کمترین درجہ رکھتا ہو ہزاروں چندے بلا کسی تردد کے یہ کہہ کر واپس کر دیئے جاتے ہوں کہ اس مد میں اب ضرورت نہیں رہی اور جبکہ چھوٹے بڑے تمام مدارس الا ماشا اللہ کا کام صرف اور صرف زیادہ بھرتی دکھانا رہ گیا ہو ایسے میں بھی طلبہ کی درجہ بندی علمی استعداد اور اخلاقی پابندیوں پر کڑی نظر رکھی جاتی ہو اس کے باوجود بھی مدرسہ کو لاکھوں کے عقیدت مندانہ نذرانے پیش کیے جا رہے ہوں اور قرآن و سنت سے محبت رکھنے والے دو چار نہیں ستائیس ملکوں کے سینکڑوں طلباء کرام کا ہجوم ہمہ وقتی حاضر باش رہتا ہو اس کو آپ کا صرف علمی کارنامہ نہیں بلکہ خلوص اور للہیت ہی کا شاہکار کہنا چاہیئے ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود
ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

علمی شاہکار

آپ کے علم و فضل، وسعتِ معلومات اور تجربے پر کسی جاہل کو لب کشائی کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ معارف السنن شرح ترمذی شریف، یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن مقدمہ عقیدۃ الاسلام اور نفحۃ العنبر و امثالہا آپ کے علم و تبحر کے درخشندہ دلائل موجود ہیں اور جن سے نہ صرف عجم بلکہ عرب میں بھی آپ کے علم و فضل کا لوہا مانا گیا ہے۔

کامیاب جذبۂ جہاد

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت جہاد میں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پانچ معتبر علماء دین میں جس کا تیسرا نمبر ہو، جس نے زندہ باد اور مردہ باد کی گونجوں سے بالکل بے نیاز ہو کر فتنۂ انکارِ حدیث کو ایک ہی ضربِ کلیم اللہی سے ملک میں زندہ درگور کر دیا ہو۔

جس کی بے آواز لاٹھی سے مرزائیت کا صد سالہ پرانا بت پاش پاش ہو گیا ہو، جسے دنیائے اسلام کے مشہور و معروف علامہ طنطاوی مرحوم کے تسامحات پر جذبۂ حق گوئی نے قاہرہ تک سفر کرنے پر مجبور کر کے آخر اسے حق منوا کر ہی دم لیا ہو، اس کے مجاہدانہ کارناموں کو ہم جیسے عدیم الہمتہ طالب علموں کا خراجِ عقیدت پیش کرنا بھی ایک گونہ حقائق کا منہ چڑانا ہے۔

؎ مادح خورشید مداح خود است

بہر حال حضرت کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ کی تعریف و توصیف شہادۃ حسنیٰ کے طور پر تو ہونی ہی چاہیئے۔ فان المسلمون شہداء اللہ فی الارض و قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اذکروا امحاسن موتاکم او اذکروا موتاکم بخیر اوکما قال[۴]

اور در اصل آپ کی معیاری زندگی کے واقعات کی طلباء علماء دانشور سیاسی قائدین نیز متوسّلین، زاہدین عابدین، مہتممین مدارس دینیہ اور امراء مجالس مذہبیہ کو سخت ضرورت ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عام طور پر رسائل جرائد اور اخبارات کے خصوصی نمبر اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ ان میں حالات کم اور تعریفی کلمات زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر اخبارات اخباری کاغذ وغیرہ کے باعث دوسرے دن دوکانداروں کے کام آ جاتے ہیں اور جرائد و رسائل کو ایک تو اپنی ضخامت وغیرہ کی وجہ سے نہ تو ہر کوئی خرید سکتا ہے اور نہ ہی پیٹ کے دھندے میں مبتلا یہ مصروف دنیا اس کے مطالعہ کے لیے وقت نکال سکتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے اکابرین کی زندگی کے صحیح صحیح بالخصوص معاملاتی اور معاشرتی واقعات اور ان حضرات کے تصلب فی الدین کے محیر العقول واقعات کو گھر گھر پہنچایا جائے اور بطور تحدیث بالنعمتہ کے کہا جا سکتا ہے کہ الحمد للہ دیوبند کے تمام اکابر ایسے ہی ہیں فرق ہے تو صرف اتنا ہی کہ کوئی خاص خاص دین کے شعبوں میں اور کوئی تمام شعبوں میں۔

"الجمعیتہ شیخ الاسلام نمبر کا وہ حصہ جو" حضرت شیخ اپنے آئینہ کردار میں" کے عنوان سے لکھا گیا ہے، اگر مختصر پمفلٹ کی شکل میں تقسیم ہو تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی زندگی سنور سکتی ہے۔ عمل جذبۂ عمل کا مقناطیس ہے۔ عمل دیکھ کر جذبۂ عمل خود بخود آپ کے سینہ میں کروٹیں لینے لگے گا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھی بحمد للہ معیاری زندگی گزری ہے اسے بھی گھر گھر پہنچا دینا چاہیئے۔ لیکن یہ کام ان حضرات کا ہے جو سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ رہ چکے ہیں اور جو ظاہر و باطن میں آپ سے استفادہ کر چکے ہیں۔

یہ دور افتادہ اتنا ہی کر سکا ہے کہ درج بالا ذیلی عنوانات میں آپ کے مختلف کمالاتِ علمیہ کی جانب اجمالاً اشارہ کر دیا ہے۔

اب عنوانِ مضمون سے متعلق پانچ واقعات لکھتا ہوں:

الف: دنیائے اسلام کے مایہ ناز عالمِ دین اور ممتاز مفسر قرآن علامہ طنطاوی مرحوم نے جب آپ کے تنبہات سنے تو جذبۂ حق پرستی سے مجبور ہو کر بے اختیار فرمایا:

واللہ ما انت بعالم هندی بل انت ملک انزل اللہ من السماء لهدايتی۔

"خدا کی قسم تم ہندوستان کے کوئی عالم نہیں بلکہ آسمان کا کوئی فرشتہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے میری ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔"

ب: ایک دفعہ وفاق المدارس العربیہ ملتان کی ایک میٹنگ میں ملک کے گوشے گوشے سے اکابر علماء اکٹھے ہوئے اجلاس کی کارروائیوں سے فارغ ہو کر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے سب ہی حضرات تشریف لے گئے۔ احقر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حاضر ہوا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پہچاننے کی کوشش فرمائی تو حضرت مرحوم نے خود ہی مختصراً اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"یوسف بنوری!"

حضرت شاہ صاحب نے دوبارہ انگلی سے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"نہیں، ہرگز نہیں ... انور شاہ!..."

ج: شعبان ۹۷ھ میں سیدی شمس الاولیاء حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک خصوصی مجلس میں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ارشد تلامذہ کا ذکر آیا تو حضرت نے فرمایا:

"ہم لوگوں میں مولوی محمد یوسف صاحب بنوری نے دین کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے"۔

حضرت کا اشارہ فتنۂ پرویزیت کے خلاف ایک ہزار علماء کا فتویٰ مرتب کر کے فتنہ انکارِ حدیث کو دفنانے اور آخر میں مرزائیت کے کفر و ارتداد کا آپ ہی کی امارت میں عالم آشکارا ہو جانے کی طرف تھا۔

وكفى بهم مشهداً لنا عند الله والله حسيبه۔

اللہ والے مخدوم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

اہل اللہ کا خاصہ ہے کہ وہ سلف صالحین، بلکہ صالح معاصرین کے علم و عمل کا بھرے منہ سے اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ انانیت اور نفسانیت کا کانٹا نکل جانے کا نام ہی تو ولایت اور بزرگی ہے۔ برخلاف اہلِ زیغ و اہلِ باطل کے کہ ان کا پہلا کام ہی اسلافِ کرام اور معاصرین ذی احترام کو تنقید کا نشانہ بنا کر انا ولا غیری کا ڈنکا بجانا ہوتا ہے اور چونکہ علمی استعداد اور عملی جہد اور جہاد سے ان کا دامن یکسر خالی ہوتا ہے۔ اس لیے مخالف تعرّف کا ہتھیار لے کر دنیا میں اپنی شہرت کے دھندے میں لگے رہتے ہیں۔ وذالک مبلغهم من العلم

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے طائفہ اولیٰ کے قائدین میں سے بنایا تھا۔ اس لیے نہ صرف اسلاف کرام کی عقیدت سے آپ کا دل ممنون تھا بلکہ اخلافِ عظام کے علم و تقویٰ کا بھی کھلے دل سے اعلان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ذیل کی سطور میں اس کی ایک جھلک بھی نذرِ قارئین ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ

ایک دفعہ آپ نے غالباً ملتان ہی میں وفاق المدارس کے کسی اجلاس سے فارغ ہو کر ایک مختصر سی مجلس میں فرمایا اس تاریک دور اور تاریک ترین ماحول میں

معاملات کے سلسلہ میں صاف دل رہنا بہت ہی مشکل ہے بالخصوص سیاسی معاملات میں پھنس کر قلب کو پاکیزہ رکھنا بہت بڑی کرامت ہے۔

فرمایا کہ یہ حضرت مدنیؒ جیسے ارباب قلب سلیم کا کام تھا چنانچہ ایک بار عصر کے بعد کوئی سیاسی جلسہ تھا۔ مغرب تک حضرت نے تقریر فرمائی جلسہ میں نہ صرف اخلاط الناس بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ہندو اور سکھ بھی شریک تھے۔ اور اسٹیج پر ہی اسی طرح جلسہ میں مردوں کے ساتھ ہندو عورتیں بھی موجود تھیں۔ تقریر خالص سیاسی اور ملکی معاملات سے متعلق تھی۔ تقریر ختم ہوئی اور مغرب کی نماز ادا کی گئی تو حسب معمول بیعت کا سلسلہ جاری فرمایا۔

آپ نے فرمایا غضب کی بات یہ ہے کہ ان تمام عوارضات کے باوجود اندازہ یہی ہوا کہ قلب مبارک پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہے یکسوئی اور توجہ الی اللہ کی کیفیت میں بال برابر فرق نہیں پایا گیا۔ العظمۃ للہ۔

قطب عالم سیدی حضرت نور المشائخ مجددی کابلی قدس سرہٗ

تعجب ہے کہ حضرت مرحوم کے متعلق اس وقت تک جن حضرات کے مضامین میری نظر سے گذرے ہیں ان میں مولائی حضرت نور المشائخ قدس سرہٗ سے آپکے تعلق کا کوئی ذکر نہیں پایا گیا، حالانکہ کابل میں رہ کر جہاں تک معلوم ہوا ہے، مخدوم بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے گھریلو تعلقات تھے۔

عقیدت مندی کا اندازہ آپ کے اس ایک ملفوظ سے ہی لگایا جا سکتا ہے جو ملتان خیر المدارس کے ایک خصوصی مجلس سے احقر نے اچھی طرح سنا، سمجھا اور محفوظ رکھا۔ واللہ علی ما اقول وکیل

کہ حضرت نور المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتِ باطنی بہت اونچی اور بہت ارفع و بلند تھی۔ کابل کے ایک متبحر عالم مولوی غلام الغنی صاحب نے مبالغۃً سہی، فرمایا یہی تھا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے ورنہ حضرت کی استعداد بڑی اونچی ہے۔

گویا حضرت نور المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نسبت فاروقیہ کے حامل تھے اور حدیث لوکان بعدی نبیا لکان عمر مشہور و معروف ہی ہے۔

حضرت مخدوم بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مجلس میں حضرت نور المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، آغا حضرت محمد ابراہیم جان صاحب مدظلہ، مجددی کابلی ضیاء المشائخ کی نسبت باطنی کی بھی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا باپ کے صحیح جانشین ہیں۔

یوسف العلماء حضرت بنوری قدس سرہٗ کی با ایں ہمہ حسنِ صورت و سیرت علو مقام اور بلندئ درجات ظاہریہ و باطنیہ کی خاص شفقتیں رہیں۔ حقیر پُرتقصیر ادنیٰ و اذل من نقیر و قطمیر پر اسی وجہ سے مبذول رہیں کہ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میرا ناپاک ہاتھ بھی کسی وقت اس پاک ہاتھ میں بیعت اور دستگیری کے نام سے ملصق ہو چکا ہے۔

گاہ گاہے ایں سگے در کوئی لیلی رفتہ بود

تصویر کا دوسرا رخ

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی اللہ والوں کی قدر دانی آپ سن چکے ہیں۔ اب تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمادیں۔ جن لوگوں سے یا ان کے مضامین اور تحاریک سے دین کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا، حضرت ان کو کبھی بھی معاف نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آخر حب فی اللہ کی طرح البغض للہ بھی تو اہل اللہ کے خواص میں سے ہے، ایسے مرحلہ پر آپ کی تمام فراخدلیاں یک دم واغلظ علیہم کی قالب میں ڈھل جاتی تھیں۔

بینات کے آخری شماروں میں مودودیت پر چھپتی ہوئی تنقید اور یتیمۃ البیان میں محض معروف و مقبول شخصیتوں پر بے لاگ تبصرہ ہمارے اس دعوی کی کھلی دلیل ہے۔

حضرت کو احقر نے کسی وقت کوئی عریضہ کسی سلسلہ میں لکھا تھا، تعجب ہے کہ ذہن پر زور دے کر بھی یاد نہیں آرہا کہ میں نے کس مضمون کے متعلق یہ عریضہ لکھا تھا اور عجیب اتفاق ہے کہ اس گرامی نامہ پر حضرت کی عادت کے بر خلاف تاریخ بھی نہیں ہے

اس کا جواب بھی اسی سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہے، جو کہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

گرامی نامہ کے طرز سے آپ حضرت کی اصاغر پروری اور ذرہ نوازی کا بھی پورا پورا اندازہ لگا سکیں گے کہ یوسف العلماء نے ایک تبیع الاخلاق طالب علم کی کسطرح ہمت افزائی فرمائی ہے۔ واجرہ علی اللہ تعالیٰ

قمیص یوسف

یہ ہے حضرت مرحوم کے مکتوب کی نقل۔ کیا عجب کہ بعض حق کے متلاشیان کو قمیصِ یوسف کی طرح یہ سطور بھی دیدۂ بینا عطا کر دیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

باسمہ تعالیٰ

گرامئ قدر مخلص محترم نادکم اللہ مجداً وسیادۃً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ نامۂ کرم نے ممنون فرمایا، دینی جذبہ کے لیے شکر گذار ہوں۔۔۔ یہ مضمون بہت ہی آخر میں آیا۔ نہ میں دیکھ سکا تھا بلکہ مولوی .... کی تعریف و توصیف پر اعتماد کر کے طبع کر دیا گیا۔ شائع ہونے پر مجھے بہت صدمہ ہوا اور ...... کو سخت درشت کہا اور مدیر بینات غلام محمد صاحب کو بھی تنبیہہ کی۔ یہ تو واقعہ ہے۔ لیکن یہاں صورتِ حال ذرا مختلف ہے، اور قابلِ غور ہے.....

آپ نے تو اس انداز سے خامہ کو چلایا گیا مجھے مودودی کے خرافات میں شک ہے اور ہمنوائی کر رہا ہوں۔ بہر حال اس موضوع کو چھیڑنا ماہِ رمضان کی حلاوت کو مکدر کر رہا ہے۔ خدا کرے مزاج بخیر ہوں۔ دعوات صالحہ کا میں آپ سے زیادہ محتاج ہوں۔ امید ہے کہ فراموش نہ فرماویں گے۔

والسلام،

محمد یوسف بنوری

بلغض فی اللہ اور ذرہ نوازی کے علاوہ مکتوب کا یہ جملہ کہ "بہر حال اس موضوع کو چھیڑنا ماہِ رمضان کی حلاوت کو مکدر کر رہا ہے"۔ آپ کی نفاستِ باطنی اور نزاکتِ روحانی کی جو غمازی کر رہا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔

اللّٰھم فلا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ، واعف عنا وعنہ وارفع درجاتہ فی اعلیٰ علیین والحقہ بالانبیاء والصدیقین صلوات اللہ وسلام علیہم اجمعین آمین یارب العالمین۔

***

بقیہ: مولانا محمد سرفراز صفدر

خصوصی فضل وکرم سے اس کو پورا کرے) کہ اسلام اپنی اصلی شکل وصورت میں اہلِ پاکستان کے لئے ضرور آئے گا اور وہ بھی خدائی حکومت اور نظام شریعت اور خلافت راشدہ کے زریں اصولوں سے متمتع ہوں گے اور اپنی دنیا وآخرت کو سنوارنے کا موقع ان کو ملے گا اسی مشاورت کے سلسلہ میں مولانا بنوریؒ کی وفات ہوئی اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ مرحمت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

تاریخ وفات

اے زاہدِ اجل، خوش خصال مولانا یوسفؒ ۱۹۷۷ء

بشیخ الاسلام سید محمد یوسفؒ ۱۳۹۷ھ

آہ علامہ یوسف ہوئے ہیں جدا!
ہے ہر اک سمت وحشت زا یہ خبر،
وہ فضیلت مآب اہلِ علم و عمل
مصدرِ معرفت جن کی اک اک نظر!
اشک ریز آنکھ کی ہر نظر ہے اداس
زخم زخم آج ہیں اپنے قلب و جگر
مجھ کو ہاتف نے غازی صدا کل یہ دی
اُن کی تاریخ ہے "عابد مفتخر"!

۱۳۹۷ھ

(مسلم غازی)

ذکر مولانا محمد یوسف صاحب

ذکر	مولانا	محمد	یوسف	صاحب
۹۲۰	۱۲۸	۹۲	۱۵۶	۱۰۱

۱۳۹۷

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی

آہ ایک فاضل اجل ان دنوں دنیا سے رخصت ہوگئے. تمام ملک و قوم کو اس کا غم ہے۔ اور ہونا ضروری ہے. یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے. اس میں ہزاروں میں ایک ہی کام کا مشکل سے نکلتا ہے۔ اور پھر اتنا کام کا، اتنا ماہر اتنا قابل، اتنا منتظم اتناد کی ذہین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے تقریباً ۲ سال ہوئے تھانہ بھون میں ذکر فرمایا تھا. بیس سال سے عالم پیدا ہونا بند ہوگیا ہے مقرر، خطیب، مضمون نگار، ایڈیٹر، لیڈر، شاعر، ادیب ہو جاتے ہیں. مگر عالم دین صحیح معنوں میں صاحب استعداد پیدا نہیں ہو رہے ہیں۔ اور یہ پرانے پرانے اٹھتے جا رہے ہیں، تو آئندہ کیا ہوگا۔ احکام القرآن عربی تصنیف کے وقت جس کا کچھ حصہ ان کے ذمہ، کچھ حضرت مولانا ظفر احمد کے، کچھ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور کچھ احقر کے ذمہ تھا. فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب لکھ تو رہے ہیں مگر آئندہ ان کے سمجھنے والے بھی ہوں گے؟

چند ماہ کے اندر اندر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور اب حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب تشریف لے گئے۔ پورے ملک بلکہ پوری دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو اس پایہ کے عالم نظر نہیں آتے جہاں درخت نہ ہو تو ارنڈ کو ہی درخت شمار کر لیتے ہیں. ان حضرات کے نہ ہونے سے بہت سے لوگ عالم شمار کر لئے جائیں گے مگر جن کو اصل علم کی ہوا لگ چکی ہے ان کی نظر میں تو کوئی عالم کہلانے کے قابل نظر نہیں آئے گا. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سر آنکھوں پر کہ قرب قیامت علم اٹھا لیا جائے گا کہ اہل علم اٹھا لئے جائیں گے اور ایسے نئے نہ ہوں گے. مگر صدمہ کی بات یہ ہے کہ ہمیں بھی اپنی آنکھوں سے یہ دن دیکھنے پڑ گئے۔

مولانا بنوری کی اگر صرف ایک ہی تصنیف معارف السنن شرح عربی ترمذی شریف ہوتی تو ان کے کمالات کا مرقع تھی. پھر کسی اور چیز کی ان کے فضائل میں ضرورت نہ رہتی. مگر بڑے بڑے کارنامے انجام دے گئے. حضرت فخر المحدثین مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ صدر دار العلوم دیوبند کے درس حدیث کی مثال پاکستان و ہند میں تو مل سکتی نہ تھی اطراف عالم میں بھی شاید ہی کوئی اس پایہ کا ہو گو اس قدر فیض اس سے نہ ہو سکا ہو، تو آپ کے درس بخاری کی تقریر حضرت مولانا بدر عالم حضرت بنوری مولانا احمد رضا نے مرتب کر کے چار جلدوں میں عمدہ ٹائپ میں ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں شائع کی. اردو تقریر کو فوری طور پر عمدہ عربی میں لکھنا ان سب کے کمال کی دلیل تھی. شروع میں ۲۴۵ شعر کا عربی قصیدہ بنوری کے ادب و فضل کا نمونہ موجود ہے. پھر ۲۲ صفحات کا علمی مقدمہ اور بعض حواشی بھی ہیں. یہ اس مقدمہ سے پہلے ہے جو مولانا بدر عالم نے ارقام فرمایا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے درس ترمذی کی تقریر بھی "عرف الشذی" کے نام سے شائع ہو چکی تھی اور ظاہر ہے کہ فوری نوشت میں وضاحت طلب باتیں رہ جاتی ہیں مولانا بنوری نے معارف السنن میں ان کی وضاحت فرما کر شبہات کا قلع قمع کر دیا ہے اس کی بہت ضرورت تھی جو اب پوری ہوگئی۔

فقہ حنفی کی اصولی کتابوں میں ہدایہ بھی ہے، اس میں جو احادیث درج تھیں امام زیلعی نے ان کے حوالے درج کئے تھے. مگر صرف نام لکھ دیا. مولانا بنوری نے ان کتابوں کی جلد و صفحات بھی درج کر دیئے اور بعض جگہ اور احادیث بھی جن سے حنفیہ کے مسائل رہ گئے ہوئے تھے درج کر دیں. فتاویٰ و تصنیف والوں کو اور مخالفین کو مسکت جواب ملے گا. بہت عربی رسائل ہیں، شدید ضرورتوں کے ہیں جو اہل علم کے لئے ضرورت کے کام میں گہرے علم والے اردو میں کم لکھتے ہیں جیسے انگریزی دان اردو میں کم دیکھتے لکھتے ہیں. لیکن رسالہ "بینات" ہر ماہ مولانا کے اداریہ کے ساتھ نکلتا رہا.

حدیث شریف میں ہے. من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم۔ جو عمل کرتا ہے ان پر جو علم حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان علوم کا وارث بنا دیتے ہیں جن کو ابھی نہیں سیکھا، اس لئے علم کی ترقی اور حق کی ترجیح میں قلبی شمع ہی کام دیتی ہے مولانا مرحوم علوم کی شدید محنت کے باوجود اس سے یکسو نہیں رہے. آخر شیخ وقت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب سے علم باطن سے فیض حاصل کیا. علم ظاہر میں انتہائی بلند شخصیت حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کیا تھا

باقی ۱۵۲ پر

دورِ حاضر کی جامع شخصیتؒ

مولانا فیض احمد ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ امدادیہ ملتان
پاکستان
MAKTABA IMDADIA, MULTAN.
PAKISTAN.

تاریخ: ۲۸ ذوالقعدہ ۹۷ھ فون: ۷۵۹۶۵
یوم جمعہ

میرا اور مکرمی مولانا سعید الرحمن صاحب زید مجدہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
بندہ سفر پر تھا کہ جناب کا گرامی نامہ صادر ہوا۔
اس لئے تاخیر ہو گئی
گو بندہ کو اس لائن سے مناسبت تو نہیں ہے۔
تاہم ارشاد کی تعمیل کیلئے یہ عریضہ ارسال خدمت
ہے۔ [illegible] اس میں اصلاح
و ترمیم کا جناب کو کلی اختیار ہے۔
والسلام
فیض احمد غفرلہ

****

دورِ حاضر کے محدث فرید، محقق وحید، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ العزیز علم وعرفان کے بادشاہ اور زہد واخلاص کے شہنشاہ تھے۔ اتباعِ سنّت کے مجسمہ اور اخلاقِ نبوت کے پیکر تھے۔

علمی خدمات

موصوف صحیح معنی میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" کی زندہ تفسیر تھے۔ اکابر دیوبند اور سلف صالحین کے علوم کے امین ومحافظ تھے، بالخصوص حجۃ اللہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے دینی علوم ومعارف کے واحد ترجمان تھے۔ حضرت مولانا اپنے دور کے عظیم محدث ومحقق تھے۔ جامع ترمذی کی عظیم الشان عربی شرح معارف السنن جو چھ جلدوں میں ہے (باستثناء مقدمہ) آپ کی محدثانہ ومحققانہ عظمت کا بیّن ثبوت ہے۔ معارف السنن کا قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ حضرت بنوریؒ سے نہیں بلکہ علامہ بدرالدین عینیؒ اور ابن حجرؒ عسقلانی سے پڑھ رہا ہے۔ آپ کا قائم کیا ہوا مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی آپ کے کمالات کا آئینہ ہے۔ کراچی کی مسموم فضاء سے گزر کر مدرسہ عربیہ میں حاضری دینے والا شخص واضح طور پر اطمینان اور سکون قلبی محسوس کرتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جنت کے کسی باغیچہ میں پہنچ گیا ہے۔ عزیز طلبہ نہایت اہتمام اور انہماک سے رات کے ۱۱، ۱۲ بجے تک علمی مذاکرہ ومطالعہ میں مصروف رہتے ہیں۔ بعض طلبہ کو اخیر شب میں تہجد کی نماز پڑھتے بھی دیکھا گیا۔ نماز باجماعت کا خصوصی اہتمام دکھائی دیتا ہے۔ اقامت ہوتے ہی جامع مسجد کی طویل صفیں طلبہ سے پر ہو جاتی ہیں۔ صبح کی جماعت سے قبل ہی مسجد میں ہر طرف ہونہار طلبہ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف نظر آتے ہیں۔

راقم سطور نے ایسا "ایمان پرور" "روحانیت افزا" "منظر" حرمین شریفین" کے بعد صرف "رائے ونڈ" میں دیکھا ہے یا پھر آپ کے مدرسہ میں۔ اس عظیم دانش گاہ میں پاکستان کے علاوہ ایشیا، مشرق اوسط، افریقہ اور یورپ کے متعدد ممالک کے طلبہ اُردو، عربی اور انگلش میں دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

درجہ تخصص

حضرت والا نے دینی علوم کے مروج نصاب کے علاوہ فقہ، حدیث اور دعوت وارشاد وغیرہ میں باکمال علماء پیدا کرنے کے لئے تخصص کے درجات بھی قائم فرما رکھے تھے۔

عربی تحریر وتقریر

حضرت والا کی عربی ادب میں مہارت وسیادت اور آپ کی عربی تحریر وتقریر کی برتری تو مصر وشام کے علماء کے ہاں پہلے ہی مسلم تھی۔ معارف السنن اور نفحۃ العنبر اس پر شاہد عدل ہیں۔ گذشتہ سالوں میں جب جامعہ ازہر کے شیخ پاکستان تشریف لائے اور آپ کے مدرسہ کا معائنہ فرمایا اور آپ کے بعض تلامذہ کی عربی تقریر سنی تو دنگ رہ گئے اور فرمایا "ان طلبہ کی عربی تقریر اور لب ولہجہ سے میں بہت متاثر ہوا ہوں"۔

تصنیف وتالیف

مدرسہ عربیہ کے شعبہ تصنیف وتالیف میں متعدد محاذوں پر اور مختلف لائنوں پر کام ہو رہا تھا۔ آپ کی نگرانی میں امام طحاویؒ کی معانی الآثار کی عربی شرح ترتیب دی

جارہی تھی۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی، حضرت محمد یوسف صاحب لدھیانوی اور دیگر علماء کرام مختلف شعبوں میں تحریری کام سرانجام دے رہے تھے۔

تبلیغی و اصلاحی کام

حضرت والا نے ماہنامہ "بینات" کراچی کے ذریعہ عوام اور حکومت کی اصلاح کا مؤثر انتظام فرما رکھا تھا۔ "بینات" "بصائر و عبر" کے عنوان سے آپ کا ایک مستقل مضمون شائع ہوتا تھا، جس کے ایک ایک لفظ سے قاری محسوس کرتا تھا کہ حضرت والا کے قلب انور میں پورے عالم اسلام کا درد ہے۔ اس کے ایک ایک کلمہ سے ملت اسلامیہ کی ہمدردی و خیر خواہی مترشح ہوتی تھی۔ اس تحریری پروگرام کے علاوہ مدرسہ عربیہ کے اساتذہ اور عزیز طلبہ کی معتدبہ تعداد تبلیغی جماعت کے پروگراموں میں باقاعدہ حصہ لیتی تھی۔

دینی مدارس کا تعاون

حضرت والا نہ صرف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے مہتمم اور اس کی ترقی کے لئے کوشاں تھے، بلکہ پاکستان کے قابل ذکر تمام دینی مدارس کی عظیم تنظیم "وفاق المدارس" کے صدر بھی تھے۔ اس تعلق کی وجہ سے آپ اس تنظیم کے تمام مدارس کی ترقی اور ان کی فلاح و صلاح کے لئے فکرمند رہتے تھے۔ ماہ رمضان میں آپ کا مدرسہ دیگر مدارس کے سفراء کا مرکز بن جاتا تھا۔ آپ کے سفارشی خطوط بلکہ آپ کے مدرسہ کے اساتذہ کرام کے سفارشی خطوط بھی ان مدارس کی مالی امداد کا اہم ذریعہ کی حیثیت اختیار کر جاتے تھے۔ بعض مدارس کو حضرت مولانا موصوف براہ راست غیر معمولی رقم بھجوایا کرتے تھے۔

استغناء و توکل

باایں ہمہ آپ کے استغناء قلبی اور زہد و توکل کی عجیب نرالی شان تھی۔ دیگر مدارس دینیہ کے مصارف ضرورت کے تحت عوام کے صدقات واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ سے پورے ہوتے ہیں، لیکن حضرت والا کے عظیم الشان مدرسہ کی یہ خصوصیت تھی کہ زکوٰۃ کی رقم براہ راست صرف مستحق طلبہ کو دے دی جاتی تھی۔ باقی مصارف صرف عطیات سے پورے کئے جاتے تھے۔

آپ کے مدرسہ کی تعمیر اپنی بلندی اور صفائی ستھرائی میں لاجواب ہے۔ لیکن حضرت والا کی رہائش گاہ مدرسہ کے ایک گوشہ میں واقع ایک مختصر اور معمولی حیثیت کا مکان تھا۔

الہدایا مشترکہ

حضرت والا کو افریقہ و عرب کے تبلیغی دوروں میں جو تحائف ملتے تھے: "الہدایا مشترکہ" کی عملی تفسیر کرتے ہوئے انہیں مدرسہ کے اساتذہ اور دیگر کارکنوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

سفر حج

گوناگوں علمی و عملی مصروفیات کے باوجود حضرت مولانا تقریباً ہر سال پہلے رمضان المبارک میں حرمین زادہما اللہ شرفاً کا سفر کرتے، عمرہ ادا کرتے اور وہیں اعتکاف کی سنت ادا فرماتے۔ عیدالفطر کے بعد واپس پاکستان تشریف لاکر مدرسہ کا کام جاری کرتے۔ ایام حج کے قریب دوبارہ حرمین تشریف لے جاتے اور حج کی سعادت حاصل کرتے۔ آپ کا یہ معمول سالہا سال تک جاری رہا اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس سفر کے لئے کوئی اہتمام و انتظام نہیں کرنا پڑتا۔ بس صرف ایک ٹیلیفون کرتا ہوں تو سارا انتظام ہو جاتا ہے۔

فرق باطلہ کا تعاقب

حضرت مولانا کی یہ واضح کرامت تھی کہ اس قدر علمی مصروفیات کے باوصف انکار حدیث اور قادیانیت جیسے انتہائی خطرناک اور منظم فتنوں کا بروقت اور کامیاب تعاقب کیا۔ خدا داد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ان پر ایسا بھرپور وار کیا کہ انشاء اللہ العزیز عرصہ دراز تک ان فتنوں کو سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔

تحریک ختم نبوت

بالخصوص قادیانی فتنہ جو نوے سال پرانا ناسور تھا، جس سے پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کو شدید خطرہ تھا جو فی الواقع بھارت کا ایجنٹ اسرائیل کا بھی ایڈیشن، مغربی اقوام کے مفادات کا محافظ اور تمام اسلام دشمن طاقتوں کا جاسوس ہے۔ حضرت بنوری فداہ روحی کی فعال قیادت و رہنمائی اور آپ کی دعاء سحرگاہی، آہ و زاری نے خلاف اسباب اس مہیب فتنہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ قادیانی اور اس کے تمام مشرقی و مغربی سرپرست مولانا کے اس غیر متوقع حملہ کا نتیجہ دیکھ کر ہکے بکے رہ گئے۔ بلکہ آج تک پوری دنیا آپ کی اس محیر العقول کرامت پر ششدر و حیران ہے۔

قادیانیت کا تعاقب جاری ہے

مولانا موصوف "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے زیر اہتمام ملتان میں ایک

باقی ۱۵۲ پر

جامع الکمالات

مولانا لطافت الرحمٰن جامعہ اسلامیہ بہاولپور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فہٰذا رثاء من العبد المذنب الخاطی الحیران محمد لطافت الرحمٰن الافغانی بوفات علامہ الجلیل والحبر النبیل "و المغفور لہ" ۱۳۹۷ھ شیخ محمد یوسف البنوری نور اللہ مرقدہ۔

تمہید: یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی مضمون یا مقالے کا موضوع جس قدر بلند اور دقیع ہوگا اس قدر اس میں رفعت وقعت ہوگی۔ اور لکھنے والے کو موضوع کے زیر بحث پہلو پر خاطر خواہ روشنی ڈالنے کے لئے سامان فراہم ہوگا۔ ولذلک قال القائل ؎

اذا وجدت مکان القول ذا سعۃ ۔ وقد وجدت لسانا قائلاً فقل

اب اندریں حالات جب کہ میرے اس مقالے کا موضوع علوم نبوت کا بحر ذخار علامہ روزگار انموذج الاسلاف قدوۃ الاخلاف حضرۃ الشیخ مولانا محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ ہیں تو اس حقیقت کے تحت مجھے اس مضمون کو اسطرح حاوی اور عمدہ لکھنا مناسب تھا جسطرح کہ مرحوم کی زندگی تمام چیدہ خوبیوں پر مشتمل اور بیشمار محاسن وکمالات کا سرچشمہ تھی مگر افسوس کہ میں خود اپنے شوق وارادہ کے علاوہ جناب محمود سعید صاحب مدیر خدام الدین کی دعوت پر بھی ہر چند اس مقصد کے لئے قدم اٹھاتا رہا۔ ذہن ودماغ پر زور دیتا رہا لیکن ہر بار نہ تو قلم میں روانی پیدا ہوسکی اور نہ متعلقہ مواد کی وسعت میسر ہوئی یہی وجہ ہے کہ میں اپنی جامد اور خشک طبیعت پر زور دے کر یہ مضمون لکھنے لگا ہوں جسمیں نہ تو علم وادب ہے اور نہ ہی اس میں مرحوم کی زندگی کا کوئی معمولی سا زاویہ واضح ہوسکا ہے اور میری طرف سے یہ کہنا درست ہے کہ ؎

میرے قلم میں ادیبوں کی آب وتاب نہیں ۔ متاعِ خوں یدۂ خون ناب لے کے آیا ہوں

پھر میں اس مختصر مضمون میں حضرۃ المرحوم کے ان حالات اور واقعات کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا ہوں جس کو بہت سارے اہل قلم لکھتے چلے آئے ہیں بلکہ جب سے میں نے مرحوم کو پہلی دفعہ دارالعلوم دیوبند میں دیکھا تھا اور اس کے بعد دو چار بار ملاقات کا شرف ہوا ہے یا میرے اور ان کے درمیان خط وکتابت ہوئی ہے صرف ان چند یادوں کو قلمبند کروں گا گویا ؎

میں نے اپنے آشیانہ کے لئے ۔ جو چبھے دل میں وہ تنکے چن لئے

پہلی ملاقات: یہ ملاقات دارالعلوم دیوبند میں ہوئی تھی اس سال میں میبذی ہدایہ اولین، مقامات حریری سلم العلوم وغیرہ کتابیں پڑھتا تھا جبکہ میبذی پڑھانے والے الاستاذ المغفور لہ میاں نافع گل رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے ساتھ مرحوم کے دیرینہ مراسم تھے اور ڈابھیل سے دیوبند آکر ان کے یہاں قیام پذیر تھے اور درس کے اوقات میں اکثر میاں صاحب کی درسگاہ میں تشریف لاتے تھے اور فارغ اوقات میں ہم چند طلبہ ان کی علمی پرلطف مجالس سے محظوظ ہوتے تھے۔ ایک روز میرے پاس حضرۃ مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "قصائد الحبیب" تھی اس کو میرے ہاتھ سے لیکر ساتھ لے گئے پھر تیسرے روز مجھے کتاب واپس کردی تو امام العلوم العربیۃ الادبیہ حضرت الشیخ مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہر ایک قصیدہ کے ذیل میں قصیدے کا بحر، شعر کا وزن اور قافیہ لکھ کر تقطیع فرما چکے تھے اس وقت اگرچہ میں نے فن عروض کو مکمل طور پر تو نہیں پڑھا تھا لیکن ابتدا ہی سے میرا ادبی ذوق ادبی تھا اور اس فن کی اہمیت اور اس کے مبادی، بحور، اوزان ارکان وغیرہ کو جانتا تھا اور جب میں نے مرحوم کے قلم سے لکھے ہوئے وہ تمام نوٹ پڑھ لئے تو نہایت خوش ہوکر ان کی علمی وسعت پختگی اور ہمہ گیری کا گردیدہ ہوگیا وکان رحمۃ اللہ کما قیل ؎

فی المہد ینطق عن سعادۃ جدہ ۔ اثر النجابۃ ساطع البرھان

دوسری ملاقات: اس کے بعد مدتوں تک ملاقات نہ ہوسکی تا آنکہ جب مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر وہ ڈابھیل سے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہیار میں تشریف لے آئے اور پھر یہاں سے کراچی چلے گئے جہاں انہوں نے دارالعلوم نیوٹاؤن قائم کیا اور ابھی دارالعلوم کا آغاز کار ہی تھا کہ اس دوران میں کراچی گیا تھا اور مرحوم کی ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوا تھا اس وقت میاں نافع گل صاحب مرحوم اور مولانا لطف اللہ صاحب بھی ساتھ تھے عصر کی نماز پڑھ کر ہم چاروں مرحوم کے کسی دوست حاجی صاحب دہلی والے کی کوٹھی پہ گئے۔ جہاں چائے نوشی کے بعد دیر تک باتیں ہوتی رہیں مدرسہ کے مسائل اور درپیش

مراحل پر مغرب کی اذان تک تبادلۂ خیال ہوتا رہا اور پھر مغرب کی نماز وہیں پر مرحوم نے پڑھا دی اور اس کے بعد ہم وہاں سے واپس ہو گئے۔

تیسری ملاقات: پھر جن سالوں میں میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں تھا اور حضرۃ المرحوم کے ساتھ مراسلت کا رابطہ قائم تھا۔ تو اس دوران میں آپ وہاں تشریف لا چکے تھے۔ اور اپنے پرانے دوست حاجی سومار صاحب کے یہاں مہمان تھے عصر کے بعد ہم چند اساتذہ دارالعلوم حاضر خدمت ہوئے جہاں مولانا محمد مالک صاحب حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور پہلے سے موجود تھے اور اس موقع پر اگرچہ اصل میزبان یعنی حاجی سومار صاحب خود اس کے نوکر چاکر سب خدمت کے لئے موجود تھے لیکن آنے والوں کے لئے شربت بنانے اور ان کو پلانے کا کام مرحوم خود انجام دیتے رہے کیونکہ ایک تو آپ کی حاجی سومار صاحب سے نہایت مخلصانہ اور بے تکلف دوستی تھی دوسری بات یہ تھی کہ اس خدا رسیدہ مرد عظیم کی طبیعت میں علمی وقار متانت اور رعب واستقامت کے ساتھ ساتھ مزاج میں نہایت خاکساری اور فروتنی بھی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ وللہ در من قال ؎

فروتنی است دلیل رسیدگان خدا   سوار چونکہ بہ منزل رسد پیادہ شود

پھر مغرب کی اذان ہونے پر جب ہم مسجد میں گئے وہاں نماز کے بعد انہوں نے اپنے مخصوص انداز یوسفی میں بیٹھ کر درس قرآن دیا جس میں علمی اور معلوماتی مواد اس کثرت اور عجلت سے بکھیرتے رہے کہ اس وقت کے سامعین درس میں حافظ عبداللہ اجمیری نے مجھ سے کان میں کہا کہ "مولانا کے قلب میں علوم ومعارف کی اس قدر بہتات ہے کہ وہ بے قابو ہو کر خود ہی باہر نکل آتے ہیں پھر اگلے روز جب دارالعلوم میں تشریف لائے تو دفتر دارالعلوم میں جناب مولانا ظفر احمد صاحبؒ سے ملاقات کے بعد میری اس درس گاہ میں تشریف لائے جو میری قیام گاہ بھی تھی کیونکہ میں مجرد تھا یہاں بھی نہایت بے تکلفی سے چائے کا اہتمام خود فرماتے رہے یہاں تک کہ چائے کے پتوں کو کپڑا میں لپیٹ کر رنگ نکالا اور اپنی نفاست طبع کے مطابق مجھے بھی اس طرح صفائی اور چائے کے صلاح کار کی تلقین کی مگر میں کب اس تلقین پر عمل کرنے والا تھا کیونکہ ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا،

بہر کیف اپنی راہ نمائی میں وہ نفیس اور عمدہ چائے بنوادی کہ حاضرین میں سے مولانا وجیہ اللہ صاحب موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈوالہ یار اور مولانا جمشید علی خان صاحب حال امیر تبلیغ رائے ونڈ سب حیران اور مرحوم کی نفاست مزاج کے مداح تھے۔

خط وکتابت: میرے اور مرحوم کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ اردو عربی دونوں زبانوں میں رہا ہے مگر ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو جن خوبیوں سے نوازا تھا ان میں ان کی تحریر کی پختگی خوشخطی غرض ہر پہلو مایۂ ناز اور طرۂ امتیاز تھا عربی خطوط میں سے میرے نام آپ کا صرف ایک خط دستیاب ہو گیا ہے جس کا متن ذیل میں درج کر رہا ہوں جو مشتے نمونہ از خروارے اور ؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا، کا مصداق ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الی صاحب الفضل والکمال أدیب دارالعلوم الاسلامیة وشیخها
حفظه الله ورعاه ووفقه لما یحبه ویرضاه

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته تحیة من عند الله مبارکة طیبة
اسلمت خطابکم الکریم بیا المترقب والاهتزاز فاشکر لفضیلتکم تلك العواطف الرقیقة الکریمة واتمنی لکم کل خیر وسعادة وحسنى وانی والحمد لله بخیر وعافیة محفوفا بالاشغال العلمیة وغیر العلمیة هل فوعا الی اکثر ملاء دیه من الاعمال والاشغال ولکن الامر بید الله سبحانه وتعالى۔ وهو الموفق لکل خیر وبذل وقبول ونرجوکم الدعوات الصالحة المیمونة بظهر الغیب لقضاء آمال وآراب ؎

وفی القلب آمال ونرجو نجاحها   بیانی سکوت والجواب جواب

والسلام ختام الکلام
محمد یوسف البنوری عفا الله

نوٹ: لفظ آمال اور مرحوم کی آرزو کی وضاحت یہ ہے کہ مرحوم اس ناچیز کو اپنے مدرسہ نیو ٹاؤن میں لے جانا چاہتے تھے مگر میرے بعض دوستوں کی درپردہ اس ریشہ دوانی سے کہ "لطافت الرحمٰن جماعت اسلامی سے وابستہ ہے" ایسا نہ ہو سکا۔ ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ایک اور ضائع شدہ خط اس سلسلے میں تھا کہ میں نے اپنے ایک دوست مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی ازہری حال پروفیسر پیپلز اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے مصر جانے کے بارے میں مرحوم سے رابطہ قائم کیا تھا اور وہ پوری مہم ان کی وساطت اور مداخلت سے بحسن وخوبی انجام پذیر ہو گئی تھی اور جو ایک ہزار روپے بطور زر امانت آپ کے پاس تھے۔ وہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو مصر روانہ ہوتے وقت دیدیئے تو میرے نام اس خط میں تحریر فرمایا تھا کہ اس بات سے خوشی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوست کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور ساتھ ہی اس کی امانت بھی اس کو بروقت ادا ہو سکی۔

عربی کا ذوق: ایک بار نیو ٹاؤن میں مرحوم سے ملاقات کے دوران میرا چھوٹا بچہ کفایت اللہ بھی میرے ساتھ تھا حضرت نے بچے سے شفقت کا اظہار اور پیار فرمایا تو وہ ہنستا رہا۔ اس پر آپ نے فرمایا "طفل بسّام"، شگفتہ مزاج بچہ ہے مولانا مرحوم کا علمی مقام جو کچھ تھا اور جہاں وہ بین الاقوامی مقبولیت اور عظمت وقابلیت

کے اوصاف کے حامل تھے وہاں قدیم وجدید عربی میں ان کی تحریر وتقریر نظم ونثر تصنیف وتالیف کا انداز بھی نہایت ارفع واعلیٰ تھا۔ اور ان کی تمام کتابیں معارف السنن، نفحۃ العنبر، بغیۃ الاریب، یتیمۃ البیان وغیرہ سب کی عبارت کی روانی سلاست وفصاحت بے مثال ہے اور اگرچہ یہ بات بھی درست ہے کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ علوم وحقائق کے سمندر اور خاص طور پر فنی حضرات اپنی فنی عظمتوں اور وسعتوں کے حامل اور ہر طرح کے کامل ہوتے ہیں لیکن اس یوسف ثانی کی تو شان ہی اور تھی ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

غرض یہ کہ وہ عظیم انسان کمالات کا ایک بحر ذخار اور نادرۂ روزگار تھے اور علوم عربیہ اسلامیہ میں ان کی مہارت کا اندازہ لگانا بھی مجھ جیسے بے بضاعتوں کا کام نہیں۔ ہے بلکہ بلند وبرتر علماء وفضلاء ہی ان کے فضل وکمال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

؎ انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ

عربی ادب: آپ جہاں علم حدیث میں اپنے استاذ معظم حضرۃ انور شاہ صاحب رح کی طرح ایک بحر ناپیدا کنار تھے وہاں وہ دیگر علوم اسلامیہ اور عربی ادب کے بھی بادشاہ تھے ان کے ذوق واستعداد ملکۂ استحضار اور ان کی زبان اور قلم سے نہایت شستہ اور صحیح وفصیح عربی کی روانی اور عمدگی صرف ان کا خاصہ تھا کیونکہ فی زمانہ اس قسم کی جامع شخصیت کا ملنا محال ہے اور جیسا کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ نے حضرۃ انور شاہ صاحبؒ کی بابت کہا تھا کہ وہ قافلہ صحابہ میں سے کوئی بچھڑی ہوئی شخصیت معلوم ہوتے ہیں اس طرح میرے خیال میں مرحوم بھی علماء سابقین وکاملین کا ایک بقیہ اور نمونہ تھے جو اپنا دور چھوڑ کر ہم جیسے نکموں کے زمانے میں آگئے تھے۔ ان کے ادب قدیم کے بارے میں ان کے بلند وبالا قصائد عربیہ کے علاوہ صرف نفحۃ العنبر فی ہدی الشیخ الانور کی ایک ایک سطر اور ہر ہر سطر کا ایک جملہ آسمان ادب کے آفتاب وماہتاب ہیں۔ وحق ان یقال فی حق ذلک الکتاب

ففی کل سطر منہ روض من المنیٰ
وفی کل لفظ منہ عقد من الدر

۔ ادب جدید کے بارے میں مرحوم کا "مقدمہ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام" کی عبارت اس حقیقت مثلی کا شاہد عدل ہے کہ مرحوم بے نظیر کمالات کے مالک تھے اور عنایات الٰہیہ کا ایک مجموعہ اور منبع تھے۔

تصنیفات المرحوم: افسوس کہ اس مضمون کی ترتیب کے وقت میرے سامنے مرحوم کی تصنیفات میں سے جن کتابوں کا موجود ہونا ضروری تھا ان میں سے معارف السنن کے علاوہ دوسری کتاب موجود نہ تھی کیونکہ یہ کتابیں نہ تو اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کے عظیم الشان کتب خانہ میں موجود ہیں اور نہ ہی مجھے سنٹرل لائبریری بہاولپور سے مہیا ہو سکیں۔ حالانکہ یہ دونوں کتب خانے ملک کے عظیم کتب خانوں میں سے ہیں اور دونوں میں کافی ذخیرہ کتب موجود ہے لیکن اگر مفقود ہے تو اس قسم کے علمی جواہر پارے جبکہ ملک کے اکثر کتب خانوں میں یہ کتابیں موجود ہیں اور خود میرے پاس بھی ان میں سے چند ہیں مگر وہ میرے گھر (روزنیال سوات) میں ہیں بہرصورت جو کچھ مواد قلمبند کیا گیا ہے اس سے مرحوم کے بلند ترین مقام ومنزل اور اس کے سانحۂ وفات پر مناسب آہ وبکاء کا حق پورا نہیں ہوا۔ اور ان کی کتابوں سے کچھ مناسب حال نوٹ لے کر تفصیل وتشنگی کا سامان مہیا نہ ہو سکا۔ اور یوں جی چاہنے کے باوجود مضمون ناکافی اور تشنہ رہا اور کچھ یہی صورت بن گئی کہ ؎

وسعتِ دل ہے بہت وسعتِ صحرا کم ہے
اس لئے دل کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

علم حدیث: شرح حدیث کے فن میں آپ نے اپنی کتاب شرح ترمذی "معارف السنن" کے ذریعہ جو علم حدیث کی خدمت کی ہے اور درایت وروایت کا ایک گنجینۂ امت مسلمہ کو دیا ہے انشاء اللہ مرحوم کا یہ عمل صالح ان کا عظیم ذخیرۂ عقبیٰ ثابت ہوگا وا حسن من قال ؎

واذا افتقرت الی الذخائر لم تجد
ذخرا یکون کصالح الاعمال

اس کتاب کے بارے میں میں مولانا حسن جان صاحب استاذ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی اس تحریر کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں جو مجلہ الحق شمارہ ماہ نومبر ۱۹۷۰ء کے صفحہ نمبر ۴۰ پر اس کتاب کی چند خصوصیات کے بارہ میں لکھا ہے تحریر کا متن یہ ہے۔

میں خود مرحوم کی مجلس میں موجود تھا اتنے میں سابق وزیر امور مذہبیہ مولانا کوثر نیازی کا فون آیا کہ وزیر اعظم صاحب کراچی میں ہیں اور آپ کو ملاقات کے لئے بلا رہے ہیں مولانا مرحوم نے جواب میں کہا کہ میں بحیثیت خادم مجلس تحفظ ختم نبوت حد درجہ مصروف ہوں اور پرسوں اسلام آباد میں حکومت کے ساتھ قادیانیت کے مسئلہ پر جو دیگر رفقاء کی ہمراہی میں مذاکرہ ہوگا اس کی تیاری میں لگا ہوا ہوں۔ وزیر اعظم سے ملاقات کے لئے نہ تو میرے پاس وقت ہے اور نہ ہی میں اپنی مجلس کی جانب سے اس طرح الگ ملاقات کا مجاز ہوں لیکن اس جواب کے بعد دوبارہ فون آیا کہ وزیر اعظم صاحب آپ سے صرف پانچ منٹ ملاقات کے لئے خود آپ کے پاس آپ کے مکان پر تشریف لانے والے ہیں مگر اس پر بھی آپ نے نہایت سختی سے انکار کا جواب دیا اور اس خطرہ سے کہ کہیں وزیر اعظم چلے آئے اپنی قیام گاہ چھوڑ کر کسی نامعلوم جگہ چلے گئے۔ اور اس طرح اس شہنشاہ فقیر نے دل کے امیر ہونے کا ثبوت پیش فرمایا وما احسن ما قیل ؎

امیر وہ نہیں جس کا کہ دل فقیر نہیں
فقیر وہ نہیں جس کا کہ دل امیر نہیں

مرحوم کی وفات: مرحوم کے سانحۂ وفات کو جہاں ملکی اور غیر ملکی اردو وعربی

وغیرہ زبانوں کے جرائد و مجلات نے شائع کیا ہے اور جہاں ہر طرح پر حزن و ملال اور رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے ان میں "اخبار العالم الاسلامی مکہ مکرمہ سعودی عرب" کا وہ طویل نوٹ سرفہرست ہے جس کا متن یہ ہے۔

وفاة الشيخ البنوري خسارة العلم والعلماء

انتقل الى رحمة الله تعالىٰ يوم الاثنين الماضي الموافق ١٧ اكتوبر ١٩٧٧م بالباكستان فضيلة العلامه المحقق الشاعر الشيخ محمد يوسف البنوري (بكسر الباء وضم مع الشديد) موسس ومدير المدرسه العربية الاسلامية بينوتاون كراتشي - وعضو المجلس الاستشاري الاسلامي بالباكستان وذلك اثر نوبة قلبية حادة اودت بحياته - انا لله وانا اليه راجعون - وقد كان الشيخ محمد يوسف احد العلماء المجاهدين والمومنين المحققين والزعماء الاسلاميين في تلك البلاد وصاحب تصانيف عديدة في مختلف العلوم وله جولات وصولات مانمه مرئية في الدفاع عن الاسلام ورفع كلمته وكان فضيلة قد ولد عام ١٣٠٦ھ في بشاور واشتغل في تحصيل العلوم ومكث في دار العلوم ديوبند من عام ١٣٤٥ھ الى عام ١٣٤٧ھ فاخذ العلوم الدينية عن الشهر فضلا تها واساتذ تها العلماء ثم عين شيخا للتفسير في دار العلوم الاسلامية في بلدة تندواله يار - ثم استقر في كراتشي فاسس المدرسة العربية الاسلامية التي تيلقي فيها العديد من طلاب الدول العربية والاسلامية والاوربية علومهم منذ ثلاث وعشرين سنة - والف رحمة الله شرحا لسنن الترمذي سماه "معارف السنن" الذي طبع في ستة مجلدات و "نفحة العنبر" في ترجمة شيخه العلامه الشيخ محمد انور شاه الكشميري و "يتيمة البيان لمشكلات القرآن" بجانب ما كان يكتب من مواضع ومقالات في مجلة الشهرية "بينات" التي اصلاحها تحت اشرافه وادارته من قبل مدرسته قبل خمس عشرة ستة وبجانب ما كان يقوم به من القتاء مختلف الدروس لى مدرسة - واشتهر رحمة الله تعالىٰ بشيخ الحديث وكان ضليعا في الغة العربية بجانب الدودرية ولغة اهل بشاور - كما كان فضيلة يتولى وكاسة مجلس تحفظ ختم النبوة واتفق العلماء بتعاونهم وقيادته الحكيمة على اعلان القاديانية اقلية غير مسلمة وصدر على ذلك القرار لفضل من قبل جميعة الشعب العمومية وكان فضيلة شاعرا فاضلا خطيبا وينظر في البلاد العربية والاسلامية نظرة فضل واحترام واشترك في العديد من المؤتمرات والاجتماعات وقررت الحكومة العسكرية العرفية الحالية بالباكستان تاسيس مجلس استشاري اسلامي فعين الشيخ محمد يوسف اول عضو به كما يتمتع به من افكار وآراء صافية وحينما عقد المجلس المذكور دورته الاولى احيب الشيخ بالنوبة القلبية ثلاث مرات فتوفى بعد الجلسة الثانية بمستشفى راولبندي وصلى عليه هناك - ثم نقل جثمانه بالطائرة الى كراتشي فصلى عليه ثانية ودفن في فناء مدرسته التي انشاها وقام بادارتها والتدريس فيها وافنى حياته في سبيل النهوض بها وحضر تشييع جثمانه - عدد هائل من اهل العلم والفضل في ارجاء باكستان - وقد اهتزت الباكستان باسرها بوفاة هذا المجاهد الفاضل والذي امضى حياته في خدمة الاسلام والعلم والسنة - رحمه الله تعالىٰ واسكنه فراديس جنانه وعوض المسلمين خيرا فجزاه نالاهله واسوة وابنه الاستاذ محمد - جعله الله خير خلف لخير سلف - آمين -

احمد سعید -

اخبار العالم اسلامی مکہ مکرمہ سعودی عرب ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء

رسالہ بینات: ام القریٰ مرکز الاسلام بلد البیت الحرام مکہ مکرمہ کے اس عالمی اخبار کے اس عزائی نوٹ میں رسالہ "بینات" کا بھی ذکر ہے جس کی سرپرستی اور ادارت مرحوم فرماتے تھے اور اکثر و بیشتر اس کا اداریہ بعنوان بصائر و عبر" ان کے قلم جواہر رقم سے ہوتا تھا۔ اور وہ عبرتوں بصارتوں اور حالات حاضرہ پر ایک بھرپور تبصرہ اور گنجینہ رشد و ہدایت بھی ہوتا تھا جس کا ایک ایک جملہ پڑھ کر آدمی حیران ہو جاتا تھا۔ کہ یا اللہ اس نیک بخت اور پاکیزہ انسان پر تیرے کس قدر معاطف و مکارم اور عنایات بے غایات ہیں کہ اس کو ہر فن کا بادشاہ بنا دیا ہے اور یہ مرد درویش وہی تاجدار ہے جس کا ذکر حافظ شیرازی نے یوں کیا ہے کہ

خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند
غلام نرگسِ مستِ تو تاجدار انند

مرحوم کی زبان اور قلم کے لئے عربی، اردو، فارسی اور پشتو چاروں السنہ میں کوئی فرق نہ تھا بلکہ مادری اور ملکی زبان (پشتو) سے زیادہ تر عربی اور اردو سے اس قدر وابستہ ہو گئے تھے کہ ماہ مئی ۱۹۷۶ء کو دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں پشتو میں تقریر کرتے وقت معذرت فرمائی تھی کہ میں اب اس میں آزادی سے تقریر نہیں کر سکتا ہوں۔

مرحوم کی ایک کرامت: مضمون کے آخر میں میں مرحوم کی ایک کرامت عرض کرتا ہوں۔ وہ اس طرح ہوا کہ یہ جو بحساب ابجد بزرگوں کے سن وفات وغیرہ کا چکر ہے جس کا کہ اکابر بھی اہتمام فرما گئے ہیں اور بعض حضرات تو اس سلسلہ میں اس قدر بیمار ہیں کہ کسی مناسب موقع و حال لفظ کے بجائے کتنے ہی رطب و یابس الفاظ کا ڈھیر لگاتے ہیں تو اس مضمون کے اختتام پر میں بھی کسی مناسب لفظ کے لئے سوچنے لگا۔ جو مرحوم کی سن وفات (۱۳۹۷ھ) سے عین مطابق بھی ہو اور نہایت

باقی ۱۸۴

مولانا محمد طاسین کراچی

Cable : " PANISAMIC "

Phone : 236863

المجلس العلمی
کراچی - پاکستان

MAJLIS-E-ILMI.
KARACHI — PAKISTAN.

P. O. BOX 1 JOHANNESBURG TRANSVAAL SOUTH AFRICA

SIMLAK P. O. DABHEL GUJRAT INDIA

المجلس العلمی
۱ البعث الثقافة الاسلامية علماً وعملاً
۲ النشر آثار السلف الصالحين وتراثهم العلمية
۳ تصنيف الكتب العلمية وبيان ما يحتاج اليها المسلمون
۴ الترجمة بقسم الحاجة اليه في العصر الحاضر
والله هو الموفق

P. O. BOX 4883
OLD ALLIANCE BUILDING
NEAR MEREWEATHER TOWER
KARACHI-2.

پوسٹ بکس ۴۸۸۳
اولڈ الائنس بلڈنگ
نزد میری ویدر ٹاور کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷ رجب ۱۳۹۷ھ

اخی المحترم مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب زادکم اللہ لطفاً !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ !

امید ہے بفضلہ تعالیٰ آپ بہمہ وجوہ بخیر و عافیت اور صحت و سلامتی سے ہوں گے اور زندگی مرضیات الٰہیہ کے مطابق کامیابی سے گزر رہی ہوگی !

متاسف اور شرمندہ ہوں کہ ایفاء وعدہ میں خاصی تاخیر ہوئی جس کا سبب وقت کی کمی اور کچھ طبیعت کی ناسازی بنی، بہرحال اس تاخیر پر معذرت خواہ ہوں !

جناب کے دو کرمنامے ملے جن میں یاددہانی فرمائی گئی تھی، ادھر بینات والوں کا بھی تقاضا تھا لہٰذا ایک کاپی انہیں دے رہا اور ایک آپکو بھیج رہا ہوں، آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیں لفظی معنوی رد و بدل کریں۔

میں سمجھتا ہوں مضمون طویل اور بوجھل ہو گیا ہے لیکن امید کہ پڑھنے والوں کو کچھ ملے گا اعلیٰ ادبی مضامین کے ساتھ کچھ اس قسم کے علمی مضامین کی بھی ضرورت ہے۔

آپ سے مختصر ملاقات رہی لیکن اس کے اثرات دل و دماغ پر خاصے گہرے ہیں بارک اللہ فیکم !

میرے لائق یہاں کی کوئی خدمت ؟

والسلام

اخوکم فی اللہ محمد طاسین عفی عنہ

شرفِ مصاہرت سے مشرف ہونے کے بعد تقریباً بائیس سال، سایۂ شفقت اور ظلِ عاطفت میں گزارے، اس عرصہ میں مجھے اپنے نسبتی باپ اور مشفق و مہربان خسر، حضرت مولینا بنوری قدس اللہ سرہ کی شخصیت اور سیرت کا جلوت میں بھی اور خلوت میں بھی، اندرونِ خانہ بھی اور بیرونِ خانہ بھی، بہت قریب سے مشاہدہ کرنے اور خصوصی توجہ کے ساتھ دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا اچھا خاصا موقع ملا چنانچہ اس طویل مدت میں جمال العلم والعلماء حضرت مولینا بنوری نور اللہ مرقدہ کے جو اوصاف و کمالات، جو شمائل و فضائل، جو محاسن و مکارم، جو عادات و خصائل جو عواطف و مشاعر اور جو خصائص و مزایا میرے مشاہدہ اور علم و ادراک میں آئے ناممکن ہے کہ میں اُن کا عشر عشیر بھی ضبطِ تحریر میں لا سکوں، چند جزئیات پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے پہلے اجمالی طور پر یہی کہہ سکتا ہوں:

کہ حضرت مولینا بنوری اعلی اللہ مقامہ ان نادرۂ روزگار اور اعجوبۂ زمان ہستیوں میں سے ایک تھے جو اتفاق سے کبھی کبھی صفحۂ دہر پر جلوہ گر ہوتیں ہیں اور اپنی آب و تاب اور چمک دمک سے دنیا کو حیران و ششدر کر کے رکھ دیتی ہیں اور جو اپنی غیر معمولی عظمت و رفعت کی بنا پر آیات من آیات اللہ کا مصداق ہوتی ہیں۔

حضرت مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان عظیم تاریخی شخصیتوں میں سے ایک تھے جو قوموں کی تاریخ میں اہم رول ادا کرتی اور اپنے شاندار تاریخی کارناموں کی وجہ سے تاریخ میں بلند مقام پاتی ہیں جنہیں قومیں اپنے لئے سرمایۂ عز و افتخار سمجھتی ہیں اور ان کے تعلق پر فخر و ناز کرتی ہیں اور جن کے کام اور نام ہمیشہ تاریخ میں روشن و تابندہ رہتے اور قومیں ان سے ہدایت اور روشنی حاصل کرتیں اور ان کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھتی ہیں

حضرت بنوری تغمدہ اللہ بغفرانہ ان جلیل القدر علماء و فضلاء میں سے ایک تھے جو کبھی کبھی آسمانِ علم و فضل پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے اور اپنی علمی شعاؤں و ضیاء پاشیوں سے اذہان کی ایک دنیا کو روشن و منور کر کے رکھ دیتے ہیں جن کے بحرِ علم سے بے شمار تشنگانِ علم کو اپنی پیاس بجھانے اور ٹھنڈک و سکون حاصل کرنے کا موقعہ ملتا اور جن کے گوہر ہائے علم سے انسانیت کے علمی خزانوں میں گرانقدر اضافہ ہوتا ہے جن کی عظیم الشان علمی خدمات کا دنیا اعتراف کرتی اور فیاضی کے ساتھ ان کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے اور جو اپنی عبقریت اور علمی عظمت کے ایسے نقوش اور نشان قائم کر جاتے ہیں جو کبھی مٹائے مٹ نہیں سکتے۔

حضرت مولینا بنوری نور اللہ مرقدہ ان اہل اللہ، خاصانِ خدا اور مقربینِ بارگاہ رب العزت میں سے ایک تھے جو شعائر اللہ کی طرح ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا اور ایمان تازہ ہوتا ہے جن کے فیضانِ صحبت سے بگڑے نفوس کی اصلاح ہوتی ہے اور مضطرب دلوں کو سکون و اطمینان ملتا ہے جن کی توجہ سے ایمانی عقائد میں حرارت و گرمی پیدا ہوتی اور جذبات عمل میں جوش و ہیجان پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مولینا بنوری برّد اللہ مضجعہ ان عاشقانِ دین اور والہانِ حق میں سے ایک تھے جو ناموسِ دین پر مر مٹنے اور غیرتِ حق پر قربان ہو جانے میں مسرت محسوس کرتے ہیں جنہیں ہر وہ حرکت اور ہر وہ بات تڑپا دیتی ہے جسے وہ دین کے لئے مضر اور حق کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہوں اور جو دین کی حفاظت اور حق کی حمایت میں سر بکف اور کفن بدوش رہتے اور اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔

حضرت مولینا بنوری رحمہ اللہ ان مردانِ خدا میں سے ایک تھے جو اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے کلمۂ حق کہنے سے انہیں دنیا کی کوئی جابر سے جابر طاقت بھی باز نہیں رکھ سکتی جو اظہارِ حق کے معاملہ میں نہ کسی لومۃ لائم کی پرواہ کرتے اور نہ کسی مخالفت کو خاطر میں لاتے ہیں اور نہ کوئی ذاتی مصلحت ان کے آڑے آتی اور نہ کوئی لالچ انہیں اس راہ سے ہٹا سکتی ہے اور جو باطل کا ڈٹ کر مردانہ وار مقابلہ کرتے اور کبھی اس کے سامنے نہیں جھکتے، باطل کے مقابلہ میں ان کی گردن کٹ تو سکتی ہے لیکن جھک نہیں سکتی۔

غرضیکہ حضرت مولینا بنوری قدس اللہ سرہ کی شخصیت اپنے ظاہری باطنی اوصاف و کمالات اور اپنے معنوی صوری محاسن و فضائل کے لحاظ سے واقعی اور صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم اور خال خال ہی ملتی ہیں بلاشک اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کے تحت آپ کی ذاتِ گرامی کے اندر بہت سے وہ فضائل و محاسن یکجا جمع فرما دیئے تھے جو شاذ و نادر کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں۔

اگر حضرت مولینا بنوری قدس اللہ سرہ کی شخصیت کو ایک حسین و جمیل گلدستے سے تشبیہ دی جا سکتی ہو تو پھر اس میں اعلیٰ ایمان و ایقان کے ساتھ اللہ کی معرفت محبت خشیت اور اطاعت کے پھول بھی تھے اور شدید محبت و عشق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی احترام اور اتباعِ سنت کے پھول بھی تھے۔ اونچے تقویٰ و اخلاص کے ساتھ حسنِ عبادت، حسنِ خلق اور حسنِ عمل کے پھول بھی تھے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسنِ معاشرت، حسنِ معیشت اور حسنِ سیاست کے پھول بھی، پاکیزہ ذوق کے ساتھ حسنِ لطافت، حسنِ نفاست اور حسنِ لطافت کے پھول بھی تھے۔ اور فطری انداز میں خندہ جبینی، شگفتہ روئی اور خوش مزاجی کے پھول بھی، دینی جذبہ کے تحت دیانت، امانت، شجاعت اور سخاوت کے پھول بھی تھے۔ اور اظہارِ حق کی خاطر حق گوئی، صداقت اور استقلال و استقامت کے پھول بھی۔ اعلیٰ درجے کی عفت و پاکبازی اور نجابت و شرافت کے پھول بھی تھے اور غیر معمولی شرم و حیا، غیرت اور خودداری کے پھول بھی۔ اعلیٰ وقار، سنجیدگی، متانت اور وجاہت کے پھول بھی تھے اور مسرت بخش ظرافت، حسنِ مزاح اور خوش طبعی کے پھول بھی، اولوالعزمی، عالی ہمتی اور جفاکشی کے پھول بھی تھے اور استغناء، قناعت اور سیرچشمی کے پھول بھی، قرابتداروں سے صلہ رحمی، مسکینوں سے ہمدردی کے پھول بھی تھے اور دوستوں سے دلنوازی اور محسنوں سے احسان مندی اور شکر گزاری کے پھول بھی، چھوٹوں پر شفقت و مہربانی اور بڑوں کی توقیر و تعظیم کے پھول بھی تھے اور خدا کے رضا کے لئے خلق

خدا کی خیر خواہی اور نفع رسانی کے پھول بھی، صوفیان باصفا اہل اللہ حضرات سے قلبی محبت اور اصحاب کشف و کرامت سے گہری عقیدت کے پھول بھی تھے اور رقت قلب، سوز و گداز، آہ و بکاہ اور وجد و حال کے پھول بھی تھے وسیع اور راسخ علم کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم و تدریس کے پھول بھی تھے اور عقل و دانش کے ساتھ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور اعلیٰ فہم و فراست کے پھول بھی، بہترین حافظے کیساتھ وسیع مطالعے، غور و فکر، استحضار اور تیقظ کے پھول بھی تھے اور موثر خطابت و دلکش تحریر، مہارت تصنیف و تالیف اور حکیمانہ دعوت و ارشاد کے پھول بھی۔

پھر جس طرح قسما قسم اور رنگا رنگ پھولوں سے سجے ہوئے گلدستہ میں بعض پھول حسن اور نکھار میں بڑھے ہوئے اور ان کے اندر دوسرے پھولوں کی نسبت رنگینی، رعنائی اور جاذبیت زیادہ ہوتی ہے اسی طرح حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں جو اوصاف و محاسن اور جو فضائل و کمالات مجتمع تھے ان میں سب سے نکھرا ہوا، اجاگر اور نمایاں وصف، علم کا وصف تھا لہٰذا گو اہل نہیں لیکن جی چاہتا ہے پہلے اس کی چند جھلکیاں پیش کر دوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کا مولانا بنوری سے تعلق غیریت کا نہیں عینیت کا تھا مولانا عالم نہ تھے بلکہ سراپا علم تھے علم آپ کی ذات میں ایسا رچا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ و بو، یا ہیرے کے اندر چمک دمک، علم آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل و حرکت سے جھلکتا تھا۔ آپ علم کا ایک بلند و بالا پہاڑ اور ایک بحر ناپیدا کنار تھے ایک سلیم العقل حقیقت شناس اجنبی جب آپ کو دیکھتا تو اس کا دل بول اٹھتا کہ یہ ضرور عالم دین ہیں مجھے وہ جملہ یاد ہے جو ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بانی ندوۃ المصنفین دہلی نے فرمایا تھا جب وہ کافی عرصہ پہلے کچھ دنوں کے لئے کراچی تشریف لائے تھے ایک گفتگو کے دوران مولانا بنوری کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کا عالم ہونا ان کی صورت شکل اور وضع قطع سے خود بخود ظاہر ہوتا ہے بخلاف ہم لوگوں کے کہ جب تک کوئی ہمارا تعارف نہ کرائے دوسرے کو ہمارے عالم ہونے کا پتہ نہیں چلتا، میں نے حضرت مفتی صاحب موصوف کی یہ بات اس لئے نقل کی ہے کہ آپ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اقران و معاصرین میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں لہٰذا آپ کی یہ بات مولانا بنوری کے کمال علمی پر وزنی شہادت کی حیثیت رکھتی ہے والفضل ما شهدت به الاقران۔

حضرت مولانا بنوری رح علم کا ایک گرانمایہ خزینہ اور بیش بہا گنجینہ، ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا اور ایک پُر بہار گلستان تھے۔ اور بلاشبہ لفظ علامہ کے صحیح اور کامل معنوں میں مصداق۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جس کی ظاہری اور عادی اسباب کی روشنی میں توجیہہ نہیں ہوسکتی لہٰذا اسے خارق عادت اور وہبی ہی کہا جاسکتا ہے مثلاً عربی ادب کو لیجئے مولانا اس کے بلند پایہ عالم اور ایک عظیم ادیب تھے لیکن آپ نے عربی ادب کسی سے نہیں پڑھا تھا جن اساتذہ کے پاس مولانا کی ابتدائی تعلیم ہوئی وہ صرف و نحو، منطق و معقول اور فقہ و کلام کے عالم تو تھے لیکن عربی ادب میں عام طور پر ان کا یہ حال تھا کہ چند سطریں بھی نہ لکھ سکتے تھے جبکہ مولانا بنوریؒ کافیہ پڑھتے وقت اچھی عربی لکھتے تھے آپ کے کافیہ پر کئی جگہ عربی حاشیے لکھے ہوئے موجود ہیں جو آپ نے پڑھتے وقت لکھے اور یہ چیز حضرت مولانا کے والد ماجد حضرت آغاجی قدس سرہ کے اندر بھی خارق عادت کے طور پر موجود تھی انہوں نے بھی عربی ادب کسی سے نہیں پڑھا تھا لیکن بہترین عربی لکھتے تھے نہایت شستہ اور فصیح و بلیغ عربی میں اُن کی بکثرت تحریریں اب بھی موجود ہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت بے تکلف عربی لکھتا تھا جبکہ صوبہ سرحد کے بڑے بڑے علماء دو سطریں بھی صحیح نہ لکھ سکتے تھے۔

حضرت مولانا بنوریؒ کے اپنے بیان کے مطابق جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے تو چند روز بعد کسی ضرورت یا مناسبت سے اپنے محبوب اُستاذ اور مشفق شیخ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مفصل خط عربی میں لکھا حضرت شاہ صاحب نے خط پڑھا تو عربی تحریر سے بہت متعجب ہوئے۔ چنانچہ جب حاضر خدمت ہوا تو سب سے پہلے یہ پوچھا۔ عربی ادب کہاں پڑھا ہے؟ میں نے جواب دیا کہیں نہیں اور اب آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں اس پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا آپ ادب میں غنی ہیں آپ کو اب کسی سے مزید ادب پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ بعد میں مولانا جب فیض الباری اور نصب الرایۃ چھپوانے کے لئے مجلس علمی کی طرف سے مصر تشریف لے گئے۔ تو وہاں قیام کے دوران آپ نے جدید مصری اسلوب میں متعدد مضامین لکھے جو چوٹی کے علمی و ادبی رسالوں میں شائع ہوتے اور مصری علماء و ادباء نے داد تحسین دی اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو جس طرح عربی تحریر و انشاء پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی اسی طرح آپ کو عربی تکلم میں بڑی قدرت نصیب تھی آپ بے تکلف اور نہایت روانی کے ساتھ عربوں کی طرح عربی بولتے تھے اور بغیر کسی تیاری کے جس موضوع پر چاہتے برجستہ تقریر کرتے اور کر سکتے تھے میں نے پہلے کراچی میں عرب سفارتخانوں کی متعدد تقریبات میں دیکھا کہ مولانا جب عرب سفیروں سے بات چیت کرتے اور ان کے ہر سوال کا جواب برجستہ ان کے لب و لہجہ میں دیتے تو وہ خوش بھی ہوتے اور اس پر حیران بھی کہ ایک عجمی نہ صرف یہ کہ عربوں کی طرح بلکہ عالمانہ انداز میں ان سے بہتر عربی بولتا ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ شامی سفیر جناب جواد المرابط نے جو بڑا عالم فاضل شخص تھا فرط مسرت میں مولانا سے کہہ دیا بخدا آپ عجمی نہیں عرب ہیں پھر حرمین شریفین کے تین سفروں میں دیکھا کہ مولانا علماء حرمین کی ہر مجلس میں ہر مسئلہ پر فراٹے سے عربی بولتے اور کہیں ذرہ برابر لکنت اور رکاوٹ پیدا نہ ہوتی۔ اور ایک موقعہ پر تو مجھے بہت ہی تعجب ہوا جب ہم طائف گئے اور وہاں کے بخاری علماء نے مولانا سے درخواست کی کہ روحانیت اور تصوف کے موضوع پر کچھ بیان فرمائیں مولانا فوراً کھڑے ہوئے اور عربی میں ایسی تقریر فرمائی کہ میں حیران رہ گیا گویا کہ اس کے لئے ہفتوں سے تیاری کی گئی تھی بعد میں میں نے عرض کیا کہ حضرت آج کی تقریر ہر لحاظ سے نہایت عمدہ تھی اور آپ نے اس مشکل موضوع پر بہت اچھا بیان فرمایا ہوا

دیا کر بھی اللہ کی توفیق سے ایسا ہوا۔

غرضیکہ حضرت مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو عربی زبان وادب میں جو کمال اور اعلیٰ مقام حاصل تھا وہ کسبی سے زیادہ وہبی تھا یعنی واہب العطایا کے خاص لطف وکرم کا نتیجہ تھا اور چونکہ عادی اسباب کی رو سے وہ سمجھ میں نہیں آتا لہٰذا خارق عادت کا مصداق تھا۔

دراصل علم کے لئے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک فہم کی عمدہ صلاحیت اور دوسری اچھی قوت حافظہ، سو اللہ تعالےٰ نے یہ دونوں چیزیں مولینا کو پیدائشی طور پر اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھیں خود حضرت مولینا بنوری قدس اللہ سرہٗ کی زبان مبارک سے میں نے متعدد مرتبہ سُنا کہ ان کی عمر جب چار یا پانچ سال کی تھی کہ گھر میں کسی سے ایک برتن گرا اور اس میں جو کھانے کی چیز تھی ضائع ہوگئی اس پر والدہ ماجدہ نے فرمایا اسی میں خیر ہوگی جو ہوا سو اچھا ہوا۔ اس کے جواب میں والد ماجد نے فرمایا کہ یہ معتزلہ کا مذہب ہے اہلسنت والجماعت کا نہیں اور اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ مولینا فرماتے تھے کہ مجھے اس گفتگو کا ایک ایک حرف یاد ہے حالانکہ ساٹھ سال سے زیادہ گزر گئے اور یہ کہ اس گفتگو کا جو مطلب اس وقت سمجھا تھا آگے چل کر جب علم الکلام میں یہ بحث خود پڑھی تو بچپن کے سمجھے ہوئے مطلب میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوا۔

حضرت مولانا بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو اعلیٰ درجے کی بے پناہ علمی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اگر زندگی میں حالات موافق اور ساز گار ہوتے اور وہ پوری طرح بروئے کار آتیں تو بقول مولینا کے والد بزرگوار حضرت آغا جی رحمۃ اللہ علیہ مولیناؒ آسمان پر پہنچتے۔ لیکن افسوس کہ زندگی میں قدم قدم پر انہیں مسلسل مشکلات اور پریشانیوں اور خلاف طبیعت حالات کا سامنا رہا اور ان کی خدا داد فطری صلاحیتیں مکمل طور پر بروئے کار نہ آسکیں اور چونکہ اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا اور جو ہوتا ہے اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہوتی ہے لہٰذا اس میں بھی ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہوگی۔

حضرت مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں وسعت کے ساتھ بڑی جامعیت بھی تھی وہ بیک وقت منقولات کا علم بھی رکھتے تھے اور معقولات کا بھی، وہ ظاہری علوم کیساتھ باطنی، قدیم علوم کے ساتھ جدید اور دینی حقائق و معارف کے وسیع علم وعرفان کے ساتھ دنیوی امور و معاملات سے بھی حیرت انگیز حد تک آگاہی و واقفیت رکھتے تھے لیکن علم کے جس شعبے میں انہیں معراج کمال حاصل ہوا اور علم کے جس میدان کے وہ شہسوار بنے وہ شعبہ اور میدان قرآن اور حدیث کے علم کا تھا اور دراصل اس میں بڑا دخل اس شدید محبت کا تھا جو مولینا کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے تھی ظاہر ہے جس سے محبت ہو اس کے کلام سے محبت ہونا ایک فطری بات ہے مولینا پورا یقین رکھتے تھے کہ جس ہدایت پر انسان کی اُخروی اور دینی سعادت اور فلاح وکامیابی کا دارومدار ہے اس کا منبع اور سرچشمہ قرآن وحدیث اور کتاب وسنت ہے اور دوسرے علوم کی جو اہمیت اور قدر وقیمت ہے وہ قرآن وحدیث سے تعلق کی بنا پر ہے جتنا جس علم کا قرآن وحدیث سے تعلق ہے اتنا ہی وہ اہم اور قابل قدر ہے لہٰذا آپ کی اصل اور بنیادی توجہ قرآن وحدیث کے علم کی طرف ہوگئی اور تقریباً نصف صدی آپ نے اس مقدس و مبارک علم کی تحصیل، نشر واشاعت اور تعلیم وتدریس میں صرف کئے اور آخر دم تک اسی میں مشغول رہے۔

مولینا بنوریؒ کے اندر علم کی جو شدید حرص اور تڑپ تھی اس نے انہیں ہر وہ ذرائع علم اختیار کرنے پر آمادہ کیا جن سے ان کے علم میں ازدیاد اور اضافہ ہوسکتا تھا چونکہ مطالعۂ کتب اس کا بہترین ذریعہ تھا لہٰذا زندگی بھر وہ ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ مولینا رحمۃ اللہ علیہ کو کتابی دنیا کا نہایت وسیع علم تھا وہ جانتے تھے کہ کس علم وفن پر کیا کتابیں اور کس کس نے لکھی اور تصنیف وتالیف کی ہیں دیوبند آنے سے پہلے جب وہ پشاور میں طالبعلمی کے درمیانی دور سے گزر رہے تھے انہوں نے اپنے والد ماجد کے کتبخانہ میں کشف الظنون اور اس کے ذیل کا مطالعہ کیا جو اسلامی علوم وفنون پر لکھی ہوئی کتابوں کی معرفت کا ایک آئینہ اور بڑا ذریعہ ہے اسی طرح پشاور میں آپ نے اپنے مشفق ماموں حضرت مولینا فضل صمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا کتبخانہ بھی تفصیل کیساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھا جس میں ہر اسلامی علم وفن پر مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا کافی اچھا ذخیرہ تھا اور پشاور میں اپنی نوعیت کا ایک نہایت قیمتی اور ممتاز کتبخانہ تھا بلکہ مولیناؒ نے اس کی فہرست بھی مرتب فرمائی جس میں ہر کتاب کو کچھ نہ کچھ پڑھنے کا موقعہ ملتا ہے لہٰذا اس سے بھی کتابی دنیا کے متعلق آپ کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ پھر جب آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تو جن فاضل اساتذہ کرام سے آپ کو پڑھنے اور استفادہ کرنے کا موقعہ ملا ان میں ایک وہ بھی تھے جنھیں اسلامی علوم وفنون کا ایک چلتا پھرتا کتبخانہ کہا جاتا تھا اور جو دوران تدریس اپنے طلباء کو زیر بحث موضوع و مسئلہ کی معلومات کے ساتھ ساتھ اس موضوع و مسئلہ پر لکھی ہوئی کتابوں کی معلومات سے بھی مالا مال کر دیتے تھے یعنی علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، لہٰذا اس سے بھی مولینا کی کتابی دنیا کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے بعد مولینا نے ہندوستان، ترکی، مصر، شام اور حجاز کے بڑے بڑے کتبخانے باقاعدہ سفر کر کے دیکھے اور ان سے استفادہ کیا دیکھنے کا مطلب یہ کہ آپ ہر کتبخانہ کی وہ کتابیں دیکھتے جو دوسرے کتب خانوں میں نہ دیکھی ہوتیں اور پھر اپنے ذوق کی کتابوں کی یادداشت مرتب فرماتے جسے عربی میں مذکرہ کہا جاتا ہے ایسے کچھ مذکرے مولینا کے علمی سرمائے میں اب بھی محفوظ ہیں

کتابی دنیا کے متعلق مولینا بنوریؒ کی جو وسیع معلومات تھیں وہ ایسی نہ تھیں جو ایک لائبریرین کی ہوتی ہیں بلکہ ایسے محقق عالم کی معلومات تھیں جس نے ہر علم وفن کی بکثرت کتابوں کا غور اور ناقدانہ نظر سے مطالعہ کیا ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ کس علم وفن میں کس کتاب اور کس مصنف کا کیا درجہ ہے۔ مولینا کی رفتار مطالعہ اپنے محبوب شیخ حضرت شاہ صاحب کی طرح بہت تیز تھی چار پانچ سو صفحے کی کتاب کا ایک دن رات میں مطالعہ کر لینا ایک معمولی بات تھی اور چونکہ ذہن رسا اور حافظہ نہایت قوی تھا لہٰذا آپ جو مطالعہ فرماتے صحیح مفہوم و مطلب کے ساتھ محفوظ اور اس طرح یاد ہو جاتا کہ جب چاہتے بیان فرما دیتے۔

کتب خانہ مجلس علمی میں مختلف علوم وفنون پر مستند اور معیاری کتابوں کا جو اچھا ذخیرہ ہے اس کا بڑا حصہ اس وقت مولینا کے مطالعہ میں آیا جب آپ ڈابھیل میں مجلس علمی سے متعلق اور عرف الشذی کی تخریج وتشریح میں مصروف تھے جو آگے چل کر معارف السنن کے نام سے چھ جلدوں میں کراچی میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی مجلس علمی جب کراچی منتقل ہوئی تو یہاں بھی مولینا اس کے سرپرست رہے اور تمام امور آپ کے مشورہ سے طے پاتے۔ کتابوں کا جو ذخیرہ ڈابھیل سے آیا وہ مولینا کی پسند اور ضرورت سے خرید اگیا تھا یہاں کراچی میں اس کے اندر مزید چار گنا اضافہ ہوا، لہذا نئی اضافہ شدہ کتابوں میں سے بھی آپ نے اپنے مذاق اور مطلب کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ فرمایا چونکہ مجھے مذاق معلوم تھا لہذا جب کوئی اچھی کتاب آتی تو میں تعریف کے ساتھ اس کا ذکر کرتا تو منگوا کر مطالعہ فرماتے۔ اور پھر اتفاق کی باتوں سے اتفاق اور اختلاف کی باتوں سے اختلاف ظاہر کرتے اس طرح اس کتاب پر ناقدانہ تبصرہ ہو جاتا۔

مولینا بنوری کے مطالعہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ کہ آپ جس کتاب کا مطالعہ فرماتے اس احتیاط سے فرماتے کہ کیا مجال کہ اس کا کوئی ورق یا جلد وغیرہ ذرہ بھی خراب ہو جائے۔ مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ گویا اسے کسی نے چھوا تک نہیں یہ خوبی مولینا کی اُن کتابوں میں بھی نظر آتی ہے جو طالب علمی میں پڑھتے وقت آپ کے استعمال میں رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کتابوں کے حسن استعمال میں مولینا بنوریؒ اپنی مثال آپ تھے۔ دوسری خصوصیت یہ کہ مطالعہ فرماتے وقت کتابت یا طباعت کی کوئی غلطی دیکھتے تو حاشیے پر اس کی تصحیح کر دیتے اسی طرح جب کسی کتاب میں کوئی ایسی بات دیکھتے جو صریح طور پر غلط اور گمراہ کن ہوتی تو حاشیے پر مختصراً اس کو تغلیط لکھ دیتے تاکہ پڑھنے والا متنبہ ہو جائے۔ نیز کبھی یہ بھی کرتے کہ اس کتاب میں کوئی خاص اور اہم بحث ہوتی تو شروع کے سادے صفحہ پر تحریر فرما دیتے کہ یہ بحث فلاں صفحہ پر ہے تاکہ قاری اس بحث سے فائدہ اٹھا سکے۔

مولینا بنوری نور اللہ مرقدہ کو چونکہ عربی ادب سے فطری اور طبعی لگاؤ تھا لہذا آپ نے علاوہ درسی کتابوں اور ان کے شروح وحواشی کے دیگر بنیادی اور معیاری کتابوں کا مطالعہ فرمایا جو عربی ادب نثر ونظم سے تعلق رکھتی تھیں اور جو آپ کو کہیں بھی میسر آسکیں مثلاً جاحظ کی البیان والتبیین، کتاب الحیوان اور کتاب البخلاء وغیرہ مبرد کی الکامل، ابن عبد ربہ کی عقد الفرید، ابو علی القالی کی الامالی، شریف المرتضیٰ کی الامالی، ابن قتیبہ کی المعانی الکبیر، الشعر والشعراء، ادب الکاتب اور عیون الاخبار وغیرہ شریف الرضی کی مرتب کردہ نہج البلاغۃ الثعالبی کی فقہ اللغۃ وسر العربیۃ، سحر البلاغۃ، ثمار القلوب، خاص الخاص لطائف المعارف، المنتحل، اور یتیمۃ الدھر وغیرہ، ابن درید کی کتاب الاشتقاق، المجتنیٰ، المقصورہ اور الجمھرۃ وغیرہ، ابن رشیق کی العمدۃ فی صناعۃ الشعر، ابن السکیت کی اصلاح المنطق، تہذیب الالفاظ اور الاضداد، ابن المقفع کی الادب الکبیر اور الادب الصغیر، العسکری کی کتاب الصناعتین عبد القاہر الجرجانی کی دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ الموصلی کی المثل السائر الابشیہی کی المستطرف، القلقشندی کی صبح الاعشیٰ، ابو الفرج الاصبہانی کی الاغانی، النویری کی نہایۃ الارب، الزمخشری کی اطواق الذھب، اساس البلاغۃ اور الفائق، راغب الاصبہانی کی محاضرات الادباء اور المفردات وغیرہ القزوینی کی الصاحبی فی فقہ اللغۃ، السیوطی کی المزھر، صدیق حسن خان کی البلغۃ فی اصول اللغۃ، الشدیاق کی الساق علی الساق، ابو البقاء کی الکلیات، سیبویہ کی الکتاب، الوزیر الیمانی کی الطراز، المیدانی کی مجمع الامثال وغیرہ شعری مجموعوں میں سے المفضلیات اور متقدمین ومتاخرین کے بیسیوں دواوین بھی مولینا کے مطالعہ میں آئے ہیں جدید ادباء اور شعراء کی کتابیں بھی مولیناؒ نے مطالعہ فرمائی ہیں۔ جیسے رافعی، المنفلوطی، حافظ ابراہیم، الشوقی، احمد امین، عباس محمود العقاد طہٰ حسین وغیرہ نیز ہندوستان کے ادباء اور شعراء کی کتابیں بھی مولیناؒ نے پڑھی ہیں

اور پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے عشق کی بناء پر مولینا بنوریؒ کو قرآن مجید اور حدیث نبویؐ سے والہانہ تعلق تھا لہذا آپ تہہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ اس منبع علم وعرفان اور سرچشمہ رشد وہدایت سے فائدہ اٹھانے اور اس سے فیض یاب ہونے کے لئے وہ سب کچھ پڑھ ڈالیں جس سے اس سلسلہ میں کچھ بھی مدد مل سکتی ہے چنانچہ آپ نے ایسی سینکڑوں کتابیں مطالعہ فرمائیں جو علوم قرآن وحدیث سے تعلق رکھتی اور جن سے قرآن وحدیث کے حقائق ومعارف کو سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی درسی کتابوں اور ان کے شروح وحواشی کے علاوہ آپ نے اس سلسلہ میں جو دوسری کتابیں مطالعہ فرمائیں ان کی فہرست بہت طویل ہے میں ان میں سے کچھ کے نام عرض کروں گا۔

علوم القرآن سے تعلق رکھنے والی کتابوں میں سے آپ نے الاتقان للسیوطی البرھان للزرکشی، التسہیل لعلوم التنزیل للکلبی التیسیر فی علوم القرآن للدمیری الفوائد المشوق الی علوم القرآن لابن القیم، التبیان فی اقسام القرآن لابن القیم اور الاکسیر فی علوم التفسیر للجزیری، الفوز الکبیر لشاہ ولی اللہ القرآن والعلوم العصریۃ للطنطاوی، اسی طرح اعجاز القرآن کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں سے اعجاز القرآن للباقلانی، اعجاز القرآن للرمانی، اعجاز القرآن للخطابی، اعجاز القرآن للجرجانی، اعجاز القرآن للرافعی، اعجاز القرآن لعبد الکریم الخطیب، تاریخ فکرۃ اعجاز القرآن لبہجۃ البیطار، التصویر الفنی فی القرآن لسید قطب ومشاھد القیامۃ لہ،

جہاں تک قرآن مجید کی تفاسیر کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں شاید ہی کوئی مطبوعہ تفسیر ایسی ہو جس کا مولینا بنوریؒ نے کلاً یا جزءاً مطالعہ نہ فرمایا ہو اور اس کی خصوصیات سے واقف نہ ہوں مثلاً جامع البیان للطبری، اعراب القرآن للزجاج، درۃ التنزیل وغرۃ التاویل الاسکافی، الدر المنثور للسیوطی، مدارک التنزیل للنسفی، لباب التاویل للخازن، بحر المحیط لابن حیان، زاد المسیر لابن الجوزی

مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر للرازی، تفسیر الکشاف للزمخشری، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن لابن العربی، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، غرائب القرآن ورغائب الفرقان لنظام نیشاپوری، سراج المنیر للشربینی، ارشاد العقل السلیم لابی السعود، تفسیر القرآن لابن کثیر، تبصیر الرحمن للمہائمی، سواطع الالہام للفیضی، روح البیان لاسمٰعیل حقی، روح المعانی للآلوسی، بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز لمجد الدین الفیروز آبادی، تفسیر المنار، تفسیر المراغی، تفسیر القاسمی، تفسیر الجواہر للطنطاوی، اضواء البیان للشنقیطی، فی ظلال القرآن، تفسیر القرآن الحکیم لمحمود شلتوت۔
ان عربی تفاسیر کے علاوہ مولانا بنوریؒ نے فارسی اور اُردو کی بھی متعدد تفاسیر کا مطالعہ فرمایا جیسا کہ مولانا کی کتاب ..... سے پتہ چلتا ہے۔

علوم حدیث سے تعلق رکھنے والی جو کتابیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں اُن میں سے بعض یہ ہیں:۔

علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن الصلاح، التقیید والایضاح للعراقی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للسخاوی، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، تدریب الراوی للسیوطی، نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی، ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی لعبد الحی، کوثر النبی مع مناظر قابلی لفرہاروی، الباعث الحثیث لابن کثیر، مفتاح السنۃ للخولی، توجیہ النظر الی اصول علم الاثر للجزائری، شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی، مقدمۃ فتح الملہم لعثمانی، مقدمہ اعلاء السنن للتھانوی، بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب للزبیدی، الرسالۃ المستطرفۃ للکتانی، بستان المحدثین اور عجالۂ نافعہ لشاہ عبد العزیز، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی للسباعی، السنۃ قبل التدوین لعجاج الخطیب، اضواء علی السنۃ المحمدیۃ لابی ریۃ، تدوین حدیث لمناظر احسن گیلانی، ابن ماجہ اور علم حدیث لعبد الرشید نعمانی وغیرہ۔

جہاں تک متونِ حدیث سے تعلق رکھنے والی کتابوں کا تعلق ہے ان میں جو درسی کتابیں ہیں جیسے صحاح ستہ، موطا مالک، مشکوٰۃ المصابیح، معانی الآثار للطحاوی یہ کتابیں چونکہ مولانا نے درس میں پڑھائی ہیں لہٰذا ان میں سے ہر کتاب اس کے شروح اور حواشی کے ساتھ بار بار مولانا کی نظر سے گزری، صحیح البخاری کی شروح میں سے فتح الباری اور عمدۃ القاری تو ہر سال آپ کے مطالعہ میں رہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ جامع المسانید لامام ابی حنیفہ، کتاب الآثار لامام محمد الشیبانی، کتاب الآثار لامام ابی یوسف، موطا الامام محمد الشیبانی، سنن الشافعی، مسند احمد بن حنبل، الفتح الربانی للساعاتی، کتاب السنۃ لعبد اللہ احمد، مسند الربیع بن حبیب، مسند ابی داؤد الطیالسی، المصنف لعبد الرزاق، المسند للحمیدی، المصنف لابن ابی شیبۃ، سنن سعید بن منصور، سنن الدارمی، المنتقیٰ من السنن المسندۃ عن المصطفیٰ لابن الجارود، مسند ابی عوانۃ، مشکل الآثار للطحاوی، المعجم الصغیر للطبرانی، سنن الدار قطنی، صحیح ابن خزیمۃ، المستدرک للحاکم، السنن الکبریٰ للبیہقی، الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی للترکمانی، الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار للحازمی، مشارق الانوار للصاغانی، الترغیب والترہیب للمنذری، ریاض الصالحین للنووی، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی، شرح السنۃ للبغوی، المحرر فی الحدیث لابن قدامۃ، عمدۃ الاحکام من کلام خیر الانام لعبد الغنی المقدسی، احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید، المحلیٰ لابن حزم، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ، جامع العلوم والحکم لابن رجب، طرح التثریب فی شرح التقریب للعراقی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی، التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر لابن حجر، الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ لابن حجر، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام لابن حجر، الجامع الصغیر للسیوطی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی، تیسیر الوصول الی جامع الاصول لابن الربیع، جامع الاصول لاحادیث الرسول لابن الاثیر الجزری، کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للشعرانی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال لعلی متقی ہندی، کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق للمناوی، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد للفاسی، نیل الاوطار للشوکانی، عقود الجواہر المنیفۃ للزبیدی، شرح رموز الاحادیث للضیاء الدین الکمشخانوی، آثار السنن للنیموی، اعلاء السنن ظفر احمد تھانوی، ذخائر المواریث للنابلسی، فضل اللہ الصمد شرح ادب المفرد، الاتحاف السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ للمدنی، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، لطائف المعارف لابن رجب، الحصن الحصین للجزری، علل الحدیث لابن ابی حاتم، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبۃ، المقاصد الحسنۃ للسخاوی، کشف الخفاء للعجلونی، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للشوکانی، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی، کتاب الموضوعات لابن الجوزی، التعقبات علی الموضوعات للسیوطی، تذکرۃ الموضوعات لطاہر پٹنی، الموضوعات الکبیر لملا علی القاری، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ للکنانی، اسنی المطالب لابن درویش وغیرہا۔

لغاتِ حدیث میں جو کتابیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں وہ یہ ہیں۔
النہایۃ للجزری، الفائق للزمخشری، مجمع البحار لطاہر پٹنی، اور اسماء الرجال کی ان سب کتابوں کا مولانا نے مطالعہ فرمایا جو مطبوعہ شکل میں عام طور پر دستیاب تھیں مثلاً امام بخاری کی تاریخ الکبیر اور کتاب الضعفاء الصغیر، ابن ابی حاتم

کی کتاب الجرح والتعدیل، ابن سعد کی الطبقات الکبیر، علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور اس کے تین ذیل نیز میزان الاعتدال، المشتبہ فی الرجال، سیر اعلام النبلاء، تجرید اسماء الصحابۃ، رسالۃ فی الرواۃ الثقات المتکلم فیہم، حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تعجیل المنفعۃ، تقریب التہذیب، نیز الاصابہ فی تمییز الصحابہ اور طبقات المدلسین، علامہ الخزرجی کی خلاصہ تذہیب الکمال، ابن القیسرانی کی الجمع بین رجال الصحیحین، طاہر پٹنی کی المغنی فی اسماء الرجال، ابو تراب شاہ کی کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، عبدالوہاب مدارسی کی کشف الاحوال فی نقد الرجال، الجزائری کی کتاب قرۃ العین فی ضبط اسماء رجال الصحیحین، دولابی کی کتاب الکنی والاسماء، علامہ ازدی کی المؤتلف والمختلف اور کتاب مشتبہ النسبۃ جمال الدین دمشقی کی الجرح والتعدیل، مولانا عبدالحی لکھنوی کی الرفع والتکمیل امام نووی کی الاسماء واللغات، ابن عبدالبر کی الاستیعاب ابن اثیر جزری کی اسد الغابۃ، ابو عمر الکشی کی معرفۃ الرجال حافظ برہان الدین کی التبیین لاسماء المدلسین اور الاغتباط بمن رمی بالاختلاط محب طبری کی الریاض النضرۃ، علامہ بلاذری کی انساب الاشراف اور سمعانی کی کتاب الانساب وغیرہا۔

علاوہ ازیں مولاناؒ نے فقہ، اصول الفقہ، عقائد وکلام، سیرت وتاریخ، تصوف، اخلاق منطق وفلسفہ، علم الہیئت اور نجوم وغیرہ سے متعلق بھی کثیر التعداد کتابوں کا مطالعہ فرمایا اسی طرح اسلام کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہوئی عصر حاضر کے علماء کی بھی بہت سی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ آئیں۔ مولانا بنوریؒ کے وسعت مطالعہ کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ خود فرمایا کہ معارف السنن کی تصنیف کے سلسلہ میں مجھے مختلف کتابوں کے تقریباً دو لاکھ صفحات پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔

حضرت مولانا بنوری قدس اللہ سرہ کے علمی مشاغل میں سے دوسرا محبوب مشغلہ تدریس وتعلیم کا مشغلہ تھا جو تقریباً نصف صدی اور زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا اس عرصہ میں آپ نے مختلف مدارس کے مسند تدریس کو رونق بخشی اور ہزارہا طلباء کو مستفید اور فیض یاب فرمایا، شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا ملک ہو جہاں مولانا کے تلامذہ اور فیض یافتہ موجود نہ ہوں، آج ان میں مشہور استاذ اور مدرس بھی ہیں۔ اور مصنف ومؤلف بھی، نیز داعی اور مبلغ بھی ہیں اور بلند پایۂ امام وخطیب بھی، سب اپنی اپنی جگہ خوب کام کر رہے ہیں، اللہ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنے محبوب استاذ اور اور عظیم شیخ کے نقش قدم پر چلیں۔ اور ان کے مشن کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھیں بلکہ زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائیں۔

تدریس میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا جو طریقہ تھا وہ بڑی حد تک اپنے محبوب استاذ، حضرت شاہ صاحب کے طریقہ تدریس سے ملتا جلتا بلکہ اس سے ماخوذ تھا وہ یہ کہ زیر درس مسئلہ کے متعلق صرف ان باتوں کے بیان پر اکتفاء کرتے جو کتاب اس کے حواشی اور مطبوعہ شروح میں لکھی ہوتیں۔ اور ذہن سے زیر بحث مسئلہ کے کچھ دوسرے پہلوؤں پر روشنی پڑتی نیز طلباء کو یہ بھی بتلاتے کہ اس مسئلہ پر کس نے کس کتاب میں زیادہ بہتر طور پر لکھا ہے تاکہ طلباء اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ انہوں نے جو پڑھا ہے وہ ہی سب کچھ ہے اب مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور تاکہ وہ آئندہ مزید پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی کوشش کریں اور ان کے علم میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو۔ بالفاظ دیگر تدریس کا وہ طریقہ یہ تھا کہ زیر درس کے متعلق طالب علم کو متنوع معلومات سے مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ ایسی کتابوں کی طرف بھی راہنمائی کی جائے جن میں اس مسئلہ کے بارے میں مزید معلومات ہوں تاکہ طالب علم آئندہ کبھی ان کتابوں کا مطالعہ کرکے مزید معلومات حاصل کرسکے اور اس کے علم میں زیادہ گہرائی اور گیرائی پیدا ہو۔

پھر چونکہ مقصد یہ تھا کہ طالب علم کے ذہن میں مطلب اچھی طرح بیٹھ جائے۔ لہٰذا اس کو بار بار تکرار کے ساتھ دہرانے میں کچھ حرج محسوس نہ کرتے اور پورے زور کے ساتھ بولتے تاکہ طالب علم کی توجہ آپ کی طرف رہے اور بات آسانی کے ساتھ سمجھ جائے۔ اور اس میں بطور تکیۂ کلام بار بار یہ فرماتے "آیا خیال میں" اس لئے کہ اس میں مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مدرسین حضرات جب کوئی کتاب شروع کراتے ہیں اور کچھ عرصہ تک پورے زور وشور کے ساتھ پڑھاتے اور لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں لیکن آگے چل کر کمزور اور سست پڑ جاتے ہیں کوئی بہت ہی ضروری بات ہوتی تو بیان کرتے ہیں ورنہ چلنے چلنے کہہ کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ تاکہ کتاب جلد ختم ہو اور ان کے دماغ کو سکون ملے۔ دراصل یہ حضرات شروع میں خوب مطالعہ اور محنت کرتے ہیں لیکن آگے جاکر کچھ تھک جاتے، یا سستی اور فرصت کی کمی کی وجہ سے زیادہ مطالعہ اور محنت نہیں کر پاتے، اور بعض دفعہ اس کا سبب کتاب ختم کرانے کی فکر بھی ہوتی ہے بہر حال یہ ہوتا ہے لیکن مولانا بنوریؒ کے درس میں شروع سے آخر تک ایک ہی طرح کا زور وشور اور جوش وخروش رہتا اور اول وآخر میں، کچھ فرق نہ ہوتا۔ بیان کی جو شان وشوکت ابتداء سال میں ہوتی وہ انتہا سال تک برقرار رہتی جہاں جس مسئلے پر بولنے کی ضرورت ہوتی ضرور بولتے خواہ طبیعت ناساز ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت مولانا بنوریؒ نے چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا جب وہ فراغت کے بعد پشاور میں تھے اس موضوع پر ایک مفصل مضمون لکھا اور اس میں ان خامیوں کی، نشاندہی فرمائی جو دینی مدارس کے موجودہ نظام تعلیم وتربیت میں پائی جاتی ہیں اور وہ تجاویز بھی پیش فرمائیں جن پر عمل کرنے سے صورت حال کی اصلاح ہوسکتی ہے اس مضمون کی ایک کاپی بحمداللہ آج بھی مولانا کے علمی ترکہ میں موجود ہے۔ اسی طرح مولانا کے اپنے فرمانے کے مطابق اسی زمانے میں نوشہرہ کے ایک اجتماع میں جو زیادہ تر علماء وطلباء پر مشتمل تھا عربی زبان میں بڑے سوز کے ساتھ ایک نظم پڑھی جس کا موضوع مدارس اور علماء کی زبوں حالی تھا فرماتے تھے کہ پڑھتے پڑھتے میں خود بھی رو رہا تھا اور پورا مجمع

بھی تأثر سے رو رہا اور چیخ رہا تھا ایک عجیب سماں تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا غالباً اس نظم کی نقل بھی محفوظ ہے۔

کراچی میں اپنا مدرسہ قائم کرنے سے پہلے حضرت مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جہاں جس مدرسہ میں بھی رہے اس کی اصلاح کے لئے کوشش فرماتے رہے اور کچھ نہ کچھ کامیابی بھی ضرور ہوئی۔ آخر میں جب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار میں تشریف لائے تو یہاں بھی کچھ اصلاحات کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے بالآخر مدرسہ سے تعلق ختم کرکے علیحدہ ہو جانا پڑا۔ اس آخری تلخ تجربے کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب کسی دوسرے مدرسہ میں کسی حیثیت سے نہیں جانا اور اپنی مرضی کا مدرسہ خود قائم کرنا ہے خواہ اس میں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ مجھے یاد ہے کہ اس درمیانی وقفہ میں کئی مدارس کے مہتمم حضرات نے درخواست کی کہ حضرت والا بحیثیت شیخ الحدیث اور صدر مدرس ہمارے مدرس کو زینت بخشیں اور کافی بڑی تنخواہ وغیرہ کی بھی پیش کش کی لیکن مولینا نے صاف انکار کر دیا انہی دنوں میں ایک دفعہ میں نے تنہائی میں عرض کیا کہ حضرت اپنا نیا مدرسہ قائم کرنا خاصہ مشکل کام ہے اور آپ کی مالی حالت بھی کچھ اچھی نہیں لہذا بہتر ہے کہ آپ اپنی شرائط کے مطابق کسی مدرسہ کی پیش کش قبول فرمالیں تو جواب میں فرمایا کہ میں نے اللہ کے بھروسے پر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب مجھے اپنی پسند کا اپنا مدرسہ قائم کرنا ہے خواہ اس میں کیسی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں اور کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے اور انشاء اللہ یہ مدرسہ کراچی میں قائم کر دوں گا۔

مولینا بنوریؒ کو ایک ایسے مدرسے کی ضرورت کا شدت سے احساس تھا جس میں ذہین قسم کے فارغ التحصیل اور منتہی طلباء کو مزید دو تین سال تعلیم و تربیت دی جائے اس میں ایک تو ان کی اس خامی کو دور کیا جائے جو عربی لکھنے بولنے اور سمجھنے کے متعلق ان کے اندر رہ جاتی ہیں۔ اور دوسرے اس کمی کو پورا کیا جائے جو علوم القرآن کے متعلق ان کے اندر موجود ہوتی ہے اس لئے کہ انہوں نے درسیات میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں پڑھی ہوتی یعنی علامہ السیوطی کی الاتقان جیسی کوئی کتاب بھی پڑھائی جائے اور ان کے لئے قرآنی حقائق و معارف سے آگاہی کی خاطر درس قرآن حکیم کا ایسا انتظام بھی ہو جس میں مختلف تفاسیر کا خلاصہ آجائے اور انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق قرآن مجید کی ہدایت و راہنمائی کیا ہے؟ اسی طرح ضروری ہے کہ انہیں دوبارہ صحیح البخاری پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ پڑھائی جائے تاکہ اُن کے اندر حدیث نبویؐ کا صحیح علم و فہم اور ستھرا ذوق پیدا ہو اور پھر اس کے ساتھ انہیں عصری علوم میں سے تاریخ، جغرافیہ، عمرانیات وغیرہ سے بھی واقف و روشناس کرایا جائے تاکہ وہ نئی نسل کو مطمئن کر سکیں۔

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد مولینا نے جب کراچی میں مدرسہ قائم کیا تو اس میں چند فارغ التحصیل منتہی طلبا کو لیا اور اپنے منصوبے کے مطابق انہیں تعلیم دینی شروع کی اور اس میں اپنے ساتھ اپنے ایک خاص الخاص مخلص اور انتہائی مستعد اور قابل اعتماد دوست مولینا لطف اللہ صاحب جہانگیروی مدظلہم کو شریک کار کیا جو دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ تاریخ و جغرافیہ وغیرہ سے بھی اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے کیونکہ وہ اسکولوں میں بھی یہ پڑھا چکے تھے نیز انہیں تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی بہت اچھا ملکہ حاصل تھا اور بلند پایہ ادیب تھے۔ مولینا بنوریؒ نے جب اپنے پیش نظر کام کے لئے سوچا تو انہیں اپنے احباب و اصدقاء میں حضرت مولینا لطف اللہ صاحب مدظلہم ہر لحاظ سے بہتر اور موزوں تر نظر آئے لہذا انہیں کراچی بلا کر ان کی رفاقت میں کام شروع کر دیا۔ پھر ایک دوسرے دوست حضرت مولینا محمد یوسفؒ صاحب مردانی رحمۃ اللہ علیہ کو رفیق کار بنایا جو بہت جید اور ذکی عالم تھے کچھ عرصہ پہلے وفات پا چکے ہیں اللہ عز و جل رحمت فرمائے۔ یہاں مجھے نہ تو اس مدرسہ کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ کس کے تعاون سے کہاں قائم ہوا۔ اور نہ یہ کہ کیا مشکلات پیش آئیں۔ اور ان سے کس طرح نمٹا گیا اور کیوں ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرنی پڑی۔ بلکہ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مولینا نے تعلیم کا جو سلسلہ شروع کیا وہ دوسرے مدارس کے مروجہ طریقہ سے مختلف تھا۔ اُس میں اونچی اعلی التعلیم کی طرف توجہ دی گئی۔ قرآن حکیم متعدد تفاسیر کی روشنی میں تحقیق کے ساتھ پڑھایا گیا اسی طرح مولینا نے بخاری شریف بھی بڑی محنت سے پڑھائی۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی ادب اور تاریخ کی بھی تدریس ہوئی۔ آگے چل کر احساس ہوا کہ جس معیار کے علماء ہم تیار کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ طلباء کم از کم تین سال ہمارے ہاں گزاریں لہذا تین درجے قائم کر دیئے گئے ایک درجہ موقوف علیہ دوسرا دورۂ حدیث کا اور تیسرا تکمیل کا۔ تکمیل کے درجہ کا مولینا نے جو نصاب درجہ تکمیل کے لئے تیار کیا اس میں الاتقان فی علوم القرآن، حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن خلدون، الوسیط فی تاریخ الادب، اور تاریخ اسلام اور جغرافیہ عالم وغیرہ، ایک سال مقدمہ ابن خلدون میں نے پڑھایا، جدید عربی ادب پڑھانے کے لئے مصری اُستاذ کا تقرر ہوا۔

حضرت مولینا بنوری کے علمی مشاغل میں سے مطالعے اور تدریس کے بعد تیسرا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا اللہ تعالے نے مولینا کو تصنیف و تالیف کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا اگر حالات آپ کا ساتھ دیتے اور فرصت اور یکسوئی میسر ہوتی تو نہ جانے آپ کتنی کتابوں کے مصنف ہوتے۔ اور آج ہمارے پاس ان کا کتنا ذخیرہ ہوتا

مولینا کو لکھنے میں بڑی مہارت اور آپ کی قلم میں بڑی روانی اور سرعت تھی۔ جب لکھنے بیٹھتے تو ایک گھنٹہ میں اتنا لکھ دیتے کہ دوسرا پورے دن بلکہ ہفتہ میں نہ لکھ سکتا اور پھر جو لکھتے ایسا لکھتے کہ وہی مسوّدہ ہوتا اور وہی مبیضہ، کم از کم مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کسی موضوع و مسئلہ پر لکھنے سے پہلے مسوّدہ بنایا ہو اور پھر اس میں کمی و اضافہ کرکے مبیضہ کی شکل دی ہو یعنی اپنے لکھے ہوئے میں کاٹ چھان کی ہو جس طرح کہ عام لکھنے والے کیا کرتے ہیں۔

مولینا کا خط صاف اور قدرے باریک ہوتا۔ سطریں ایسی لگتیں جیسے باریک موتیوں کی لڑیاں۔ اور رسم الخط میں نسخ اور نستعلیق دونوں کا ملا جلا رنگ جھلکتا۔ طرز نگارش اور اسلوب تحریر بھی عجیب دلکش تھا اس میں قدامت بھی تھی اور جد

میں سادگی بھی تھی اور رنگینی بھی، متانت بھی تھی اور شوخی بھی، علمی شان بھی اور ادبی شوکت بھی فصاحت بھی تھی اور جزالت اور بلاغت بھی، مولینا بڑا ادیب تھے اور انہیں تحریر پر بڑی قدرت تھی وہ جس موضوع پر جو مضمون لکھنا چاہتے برجستہ اور خوبصورت لکھتے اور اس میں معنوی حسن کے ساتھ صوری حسن بھی جھلکتا اور پڑھنے والوں سے خراج تحسین وصول کرتا۔

تصنیف وتالیف کے کام میں مولینا بنوری کو تخریج اور تلخیص میں خاص کمال حاصل تھا مولینا کا عظیم شاہکار یعنی آپ کی کتاب معارف السنن، اس کمال کا روشن ثبوت ہے دراصل یہ کتاب عرف الشذی کی تخریج کے مقصد سے وجود میں آئی لیکن تخریج اتنی بڑھ گئی کہ دیکھنے والوں نے کہا کہ یہ ایک مستقل کتاب بن گئی ہے لہذا اسے تخریج عرف الشذی کی بجائے شرح الترمذی کے نام سے شائع کیا جائے چنانچہ معارف السنن شرح الجامع الترمذی کے نام سے چھ جلدوں میں شائع ہوئی۔ جبکہ یہ صرف ترمذی کی جلد اول یعنی آدھی کتاب کی شرح ہے اگر یہ مکمل ہوتی تو دس جلدوں تک ضرور پہنچ جاتی جہاں تک تلخیص کا تعلق ہے اس کتاب میں وہ بھی نہایت عمدہ شکل میں موجود ہے کتنی وہ بحثیں جو دوسری کتابوں کے اندر کئی کئی صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں اس کتاب میں ان کا خلاصہ چند سطور میں پیش کیا گیا ہے اور مطلب نہایت واضح، حضرت مولینا بنوری کی تلخیص کا کمال اس وقت واضح ہوتا ہے جب ان کے خلاصے کے ساتھ دوسری کتابوں کی ان طول طویل عبارات کو دیکھا جائے جن کا آپ نے اپنے الفاظ میں خلاصہ پیش کیا ہے مجھے یاد ہے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "مجھے اللہ نے علامہ ذہبی کی طرح تلخیص کا ملکہ عطا فرمایا ہے میں چاہتا تو بڑی بڑی کتابوں کے مختصر خلاصے کر سکتا تھا، مصنف عبدالرزاق جو مجلس علمی نے گیارہ جلدوں میں شائع کی ہے اس کا خلاصہ دو تین جلدوں میں کر سکتا ہوں اور انشاء اللہ کوئی خاص بات باقی نہ رہے گی۔

کسی کتاب کے مضامین کے متعلق یہ پتہ چلانا کہ وہ کن دوسری کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں اس صورت میں نہایت مشکل اور عرق ریزی کا کام ہوتا جب مصنف کتاب نے کسی ماخذ کا سرے سے حوالہ ہی نہ دیا ہو یا حوالہ تو دیا ہو لیکن نہایت مبہم ومجمل، مثلاً کتاب کا نام تو دیا ہو لیکن مصنف کا نام نہ بتلایا ہو اور پھر جبکہ اس نام کی متعدد کتابیں متعدد مصنفین کی تصنیف کردہ موجود ہوں یا مثلاً مصنف کا نام ذکر کیا ہو لیکن کتاب کا نام ذکر نہ کیا ہو جب کہ اس مصنف کی ایک ہی علم وفن پر لکھی ہوئی متعدد کتابیں پائی جاتی ہوں یا یہ کہ کتاب اور مصنف دونوں کا ذکر ہو لیکن کتاب کی جلد اگر متعدد ہوں اس کے باب، فصل اور صفحے کا حوالہ نہ ہو، ان سب صورتوں میں ماخذ کی اصل عبارت کو ڈھونڈ نکالنا بڑی دماغ سوزی اور دردسری کا کام ہے اسی کا مختصر نام تخریج ہے۔

مولینا بنوری کو اللہ تعالیٰ نے تخریج کے اس مشکل کام کی خاص مہارت عطا فرمائی تھی اور اس کا پہلی دفعہ اظہار اس وقت ہوا جب مولینا نے اپنے محبوب شیخ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس منظوم رسالے کی تخریج، فرمائی جس کا نام ضرب الخاتم علی حدوث العالم اور جو الہیاتی مسائل میں دریا درکوزہ کا مصداق ہے اشارات اور بین السطور توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کی تصنیف میں جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے وہ دو درجن سے زیادہ ہیں ان میں دائرۃ المعارف بستانی دائرۃ المعارف فرید وجدی، اسفار اربعہ حاشیہ اسفار، الفصل بین الملل والنحل، نہایۃ الاقدام، روح المعانی ابن رشد کی فصل المقال اور تہافۃ التہافہ، طوسی کی تجرید، ام البراہین، شرح سلم العلوم، ابن سینا کی الاشارات، ابن عربی شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ، الانسان الکامل، اتحاف السادۃ المتقین، تحریر الاصول، مشکوٰۃ الانوار الکلیات، تذکرہ مصباح الدجیٰ، حاشیہ نظامیہ، تقریر دلپذیر قبلہ نما، رسالہ قاسم العلوم، نیز فارابی محقق دیوانی، ملا باقر داماد میر زاہد وغیرہ کی کتابوں سے بھی استفادہ فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ حوالے مبہم ومجمل تھے لہذا اس کی تخریج کا کام بڑا مشکل اور صبر آزما تھا جسے مولینا بنوری جیسا عالم ہی کر سکتا تھا مولینا نے کچھ کام کرنے کے بعد استاذ محترم حضرت شاہ صاحب کو دکھایا اور دیکھ کر بے حد متاثر اور خوش ہوئے۔ اور اس تاثر اور خوشی کا اظہار شاہ صاحب نے اس وقت فرمایا جب صدر الصدور نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ملنے کے لئے دیوبند تشریف لائے اور آپ کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے مولینا بنوری جب سامنے آئے تو حضرت شاہ صاحب نے مولینا کا تعارف نواب صاحب سے اپنے ان الفاظ کے ساتھ کرایا: یہ صاحب سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں اور صاحب سواد ہیں یہ آجکل جو علمی کام کر رہے ہیں دوسرا کوئی نہیں کر سکتا یعنی ضرب الخاتم کی تخریج کا کام تو نواب صاحب مرحوم ومغفور ادب واحترام سے کھڑے ہوگئے۔ اور خوشی سے معانقہ کیا اور پھر برابر قدر ومنزلت سے پیش آتے رہے یہ قصہ خود حضرت مولینا رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے ہم نے کئی بار سنا ہے یہاں اسے نقل کرنے سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مولینا بنوری کو تخریج کے کام میں جو اعلیٰ مہارت حاصل تھی حضرت شاہ صاحب نے بھی اس کا اعتراف فرمایا۔

مولینا بنوری کی تصنیفات میں ایک خوبی یہ بھی نظر آتی ہے کہ وہ جب کسی مسئلہ پر بحث کے دوران کسی دوسرے مصنف کی تحقیق نقل کرتے ہیں تو عام مصنفین کی طرح من وعن اس کی عبارت نقل نہیں کرتے بلکہ اپنے الفاظ اور اپنے اسلوب میں اس کا مطلب بیان کرتے ہیں جو اس کی ترجمانی بہترین ہوتی ہے۔ نیز وہ محض دوسروں کی باتیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعض دفعہ ان پر ناقدانہ تبصرہ اور تحقیق بھی کرتے ہیں لیکن اس انداز سے کہ دوسرے کی تنقیص وتحقیر نہیں ہوتی اور اس کا مقام ومرتبہ محفوظ رہتا ہے معارف السنن میں یہ خوبی نمایاں نظر آتی ہے اسی طرح مولینا کی تصنیفات سے یہ بھی ظاہر ہوتا کہ آپ کو مواد کے انتخاب اور پھر اسے نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کرنے میں بھی خاص درجہ اور امتیازی مقام حاصل تھا وہ جس طرح ہر موقع ومحل کے لئے بہترین مواد منتخب فرماتے اسی طرح

اسے بہترین ترتیب وتنظیم کے ساتھ پیش بھی فرماتے۔

حضرت مولینا بنوریؒ جن موضوعات پر چاہتے تھے کہ کتابیں تصنیف کی جائیں ان میں سے ایک موضوع جدید علم الکلام کا موضوع تھا بارہا فرمایا کہ آج ایک نئے علم الکلام کی ضرورت ہے جس میں اسلامی عقائد کی حقانیت سائنس کے نظریات سے ثابت کی گئی ہو تاکہ ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلامی عقائد کے متعلق مطمئن کیا جا سکے جو سائنس سے متاثر اور مرعوب ہیں اور جو ہر اُس بات کو صحیح اور حق سمجھتے ہیں جو سائنسی اصول و نظریات سے مطابقت رکھتی ہو۔ دوسرا موضوع اسلامی معاشیات کا موضوع تھا چنانچہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے مولیناؒ نے چند علماء کرام کی ایک کمیٹی بنائی اور اس کے ذمے یہ کام کیا کہ وہ اسلامی معاشیات پر کوئی چھوٹی بڑی کتاب تیار کرے جو ان لوگوں کو مطمئن کر سکے۔ جن کا مقصد اسلام کے معاشی نظام کو جاننا اور سمجھنا ہے لیکن افسوس کہ وہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اور مولینا کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ اسلامی کونسل میں آنے کے بعد انہیں ایک مرتبہ پھر اس ضرورت کا شدید احساس ہوا میں سمجھتا ہوں اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو ان کی توجہ اور کوشش سے ضرور کچھ نہ کچھ کام ہو جاتا بہرحال ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آئے گا تو اس کی کامیابی کے اسباب فراہم ہو جائیں گے۔

قارئین کرام پر واضح رہے کہ ان صفحات میں، میں نے حضرت مولینا بنوریؒ کے علمی مشاغل اور ان کی خصوصیات سے متعلق جو کچھ لکھا ہے یہ حضرت مولینا کی علمی زندگی کی چند جھلکیاں اور اس کی تصویر کے چند خدوخال ہیں اور جو کچھ لکھا ہے اپنے علم وفہم اور یادداشت کے مطابق لکھا ہے۔

اب میں حیات بنوریؒ کے دو اور پہلوؤں پر مختصر طریقہ سے کچھ لکھنا چاہتا ہوں: ایک عباداتی پہلو پر اور دوسرے جمالیاتی پہلو پر۔ کیونکہ علم کی طرح یہ دو پہلو بھی مولینا کی زندگی کے اہم پہلو ہیں۔

تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض حضرات علم وفضل میں بہت اونچا مقام رکھتے اور ایک دنیا ان کی علمی فضیلت کا اعتراف کرتی تھی لیکن عبادت الٰہی کے معاملہ میں وہ حد درجہ سست، کمزور اور ناقص تھے گویا اس کی ان کے دل میں کوئی خاص اہمیت ہی نہ تھی اور وہ اسے غیر ضروری چیز سمجھتے تھے لیکن ہمارے مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبادت سب سے اہم اور ضروری چیز تھی لہٰذا وہ ہر عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی، فرض ہو یا نفل، پورے ذوق وشوق اور نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور اس میں معمولی آداب کا بھی پورا خیال رکھتے تھے نماز باجماعت کا انتہائی التزام تھا اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ پہنچ سکتے تو اپنی جگہ جماعت کرتے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ شادی وغیرہ کی تقریب میں شرکت فرمائی جو کسی بڑے ہوٹل یا کسی کے بنگلے میں تھی اور درمیان مغرب یا عشاء کا وقت آگیا تو آپ نے منتظمین کو حکم دیا کہ ہم باجماعت نماز پڑھیں گے اس کے لیے جگہ اور فرش کا انتظام کیا جائے چنانچہ انتظام کیا گیا اور آپ نے باجماعت نماز ادا فرمائی وہ کبھی یہ کہہ کر نماز عشاء کو مؤخر نہیں کرتے تھے کہ وہ دیر میں بھی پڑھی جا سکتی ہے لہٰذا تقریب ختم ہونے کے بعد پڑھ لیں گے کیونکہ اس سے بہت سے لوگوں کا نماز سے محروم ہو جانا لازمی ہوتا ہے۔

رمضان المبارک میں تو مولینا سراپا عبادت بن جاتے تھے خوب ذوق شوق سے روزے رکھتے اور رات کا بڑا حصہ نماز اور تلاوت میں گزارتے، گھٹنوں کے درد کے باوجود تراویح میں پانچ پانچ پارے سنتے اور جب حرمین شریفین میں ہوتے تو اس بڑے نشاط سے عبادت کرتے کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا بمشکل دو تین گھنٹے آرام کرتے باقی سارا وقت مختلف عبادات میں گزرتا مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں مسجد نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں معتکف تھے گھٹنوں میں درد کی تکلیف کا اپنے سب لوگوں کو علم تھا اتفاق سے اس مرض کے ایک ماہر اسپیشلسٹ ڈاکٹر جو غالباً لائلپور کے تھے مدینہ منورہ پہنچ گئے کسی نے ان سے مولینا کی بیماری کا ذکر کیا تو وہ مولینا کے پاس معتکف میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت میں اس کا علاج گھٹنے میں ایک خاص انجکشن لگا کر کرتا ہوں اور فائدہ ہوتا ہے چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی لگاؤں فرمایا بہت اچھا چنانچہ ڈاکٹر نے بڑی محنت سے انجکشن لگایا اور عرض کیا کہ حضرت ضروری ہے کہ ایک دو دن آپ بیٹھ کر نماز ادا کریں کھڑے ہو کر پڑھنے سے فائدہ زائل ہو جائے گا آپ اس پر خاموش رہے لیکن جب عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو آپ بھی کھڑے ہو گئے اور نہ صرف یہ کہ فرض نماز بلکہ اس کے بعد تراویح جس میں کئی پارے پڑھے گئے پھر تہجد جس میں تین پارے ہوئے سب میں اوّل سے آخر تک کھڑے رہے فرض ونفل سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! باوجود ڈاکٹر کے منع کرنے کے آپ نے رات بھر سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں ایسا کیوں ہوا؛ تو جواب میں فرمایا بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کے انجکشن سے مجھے درد میں سکون محسوس ہوا لہٰذا دل میں آیا کہ کیوں نہ اس سکون سے روحانی فائدہ اٹھایا جائے عشرۂ آخیر کی یہ مبارک راتیں اور پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ ہمیشہ یہ تھوڑی ہی مل سکتی ہیں میں جسمانی راحت کی خاطر کیسے ان روحانی فیوض و برکات سے محروم ہو جاؤں اللہ مالک ہے اگر صحت نصیب میں ہے تو مل جائے گی۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولینا باوجود گھٹنوں کے درد کے مسلسل کئی کئی طواف کرتے اسی طرح عموماً صف اوّل میں کھڑے ہوتے اور جب احباب کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھتے تو میزاب رحمت کے سامنے ایک جگہ مقرر تھی ہمیشہ وہیں بیٹھتے اور ذکر وفکر اور وعظ ونصیحت فرماتے۔

عرفہ کے دن میدان عرفات میں مولینا کی جو حالت ہوتی نہ پوچھئے کہ وہ کیسی رقت انگیز، ایمان افروز، روح پرور اور وجد آفریں ہوتی، آپ سراپا عجز ونیاز مجسمہ اخبات وانابت اور پیکر خشوع وخضوع بنے محو عبادت اور مستغرق دعا واستغفار ہوتے گویا اللہ کو سامنے دیکھ رہے ہیں، الحمد للہ مجھے دو مرتبہ یہ مبارک منظر دیکھنے کا موقع ملا۔

مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ مالی عبادت میں بھی بہت فراخدل اور کشادہ دست تھے زکوٰۃ صدقات نہایت خوشدلی اور فیاضی کے ساتھ دیتے اور حرمین شریفین میں تو لٹاتے، اللہ تعالیٰ بہت سے مساکین و فقراء کی ضرورتیں آپ کے ذریعے پوری فرماتا۔ کئی لوگ ہر سیزن آتے اور اپنا حصہ وصول کر کے لے جاتے اور دعائیں دیتے۔

نماز تہجد مولینا کا دائمی معمول تھا اور میں سمجھتا ہوں یہ بچپن سے لے آخر عمر تک قائم اور جاری رہا۔ مولینا نے بچپن میں حصن حصین پڑھی تھی لہٰذا آپ کو ہر موقع و محل کی مسنون دعائیں سب یاد تھیں اور آپ برابر انہیں پڑھتے رہتے تھے اور بعض دفعہ سن کر بڑا لطف آتا تھا یقین ہے کہ اللہ غفور و رحیم نے ان کی ان مخلصانہ عبادات اور دعوات کو ضرور شرف قبولیت سے نوازا ہوگا اور وہ آج اس کا عظیم اجر و ثواب پا رہے ہوں گے، اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ!

حضرت مولینا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف سے بھی گہرا لگاؤ تھا اس لئے بھی کہ یہ چیز گویا آپ کی خاندانی میراث تھی مولینا کے جد امجد عارف باللہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے اکابر خلفاء میں سے تھے لاکھ ہا گمراہ انسانوں کو آپ کے ذریعے راہ ہدایت ملی اور وہ آپ کی اعلیٰ روحانی تربیت سے فیضیاب ہو کر درجۂ کمال کو پہنچے ان کے حالات پر مستقل کتابیں موجود ہیں اور پھر یہ سلسلہ ان کی اولاد میں بھی برابر جاری رہا، حضرت مولینا کے والد ماجد حضرت سید محمد ذکریا بنوری قدس اللہ سرہ میدان تصوف کے شاہسوار تھے ان کے کچھ حالات اس مضمون سے ظاہر ہو جاتے ہیں جو مولینا بنوری نے ان کی وفات کے بعد بینات میں تحریر فرمایا تھا، بنابریں تصوف مولینا کے لئے کوئی اجنبی چیز نہ تھا بلکہ ایک معروف اور مانوس چیز تھا مولینا رحمۃ اللہ علیہ سے خود میں نے کئی بار سنا کہ میں نے تصوف کی تمام بنیادی اور اہم کتابوں کا بڑی توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا ہے سراج الطوسی کی کتاب اللمع، قشیری کی رسالہ قشیریہ، ابوطالب کی قوت القلوب، ہجویری کی کشف المحجوب امام غزالی کی احیاء العلوم اور دیگر کئی کتابیں، شیخ اکبر اور علامہ شعرانی کی متعدد کتابیں، نیز حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دیگر کتابیں، آخر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیۃ السالک اور التکشف وغیرہ کتابیں، یہ ان کتابوں میں سے صرف چند کے نام ہیں جو مولینا نے تصوف پر مطالعہ فرمائیں۔ تصوف کے اس وسیع اور گہرے علم کے ساتھ مولینا نے کسی زمانہ میں اس کے عملی مراحل بھی طے فرمائے لیکن ظاہری وضع کبھی ایسی نہیں بنائی جس سے آپ کا شیخ طریقت ہونا ظاہر ہوتا ہو اور چونکہ ایک بلند پایہ محدث تھے اور اتباع سنت کا دل و دماغ پر غلبہ تھا لہٰذا ان بدعات سے ہمیشہ مجتنب رہے جو متصوفین کے ہاں عام طور پر پائی جاتی ہیں اور جنہوں نے حقیقی تصوف کو شدید نقصان پہنچایا ہے جو احسان کے ہم معنے تھا بہر حال مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ مولینا روحانیت کی اس وادی سے بھی جس کا نام تصوف ہے علمی طور پر خوب واقف و شناسا تھے اور عملاً اس کی سیر کر چکے تھے۔

حضرت بنوری قدس سرہٗ کی زندگی کا جمالیاتی پہلو بھی نہایت روشن، درخشاں اور دلکش تھا آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل و حرکت میں حسن و جمال کی چمک اور لطافت و نفاست کی جھلک تھی گویا آپ اس صفت الٰہی کا نمایاں مظہر تھے جس کا حدیث نبوی "اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ" میں ذکر ہے

اللہ تعالیٰ نے مولینا بنوری کی ذات کو جہاں ظاہری و باطنی وافر حسن و جمال سے آراستہ و مزین فرمایا تھا وہاں انہیں حسن و جمال کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق اور قوی احساس بھی مرحمت فرمایا تھا چنانچہ اس کا اظہار و انکشاف آپ کی صورت و شکل، وضع قطع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست نیز آپ کے لباس و پوشاک، خور و نوش، میل ملاپ، لین دین، تعلیم و تعلم اور نظم و ضبط وغیرہ ہر ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا لہٰذا آپ کے اندر ایک شان محبوبیت تھی جو سلیم الفطرت انسان آپ سے ملتا، آپ کی مجلس میں بیٹھتا، گفتگو سنتا اور کچھ کھاتا پیتا ضرور فریفتہ اور گرویدہ ہو جاتا اور آپ کی نورانی شخصیت کا اس کے دل و دماغ پر ضرور اثر پڑتا ناممکن تھا کہ کوئی اخلاص کے ساتھ آپ سے ملے اور پھر آپ کے حسن اخلاق سے متاثر نہ ہو بلکہ بعض دفعہ صرف آپ کو دیکھنے ہی سے دل و دماغ پر نہایت خوشگوار اثر مرتب ہوتا اور آدمی مرعوب ہو جاتا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولینا ہمارے ہاں مجلس علمی میں تشریف لائے اس وقت لائبریری میں جو لوگ مطالعہ کر رہے تھے ان میں ایک صاحب ڈاکٹر الطاف جاوید بھی تھے جو غیر معمولی علم و ذہانت کے ساتھ اس وقت اشتراکی ذہن بھی رکھتے تھے بعد میں نہایت متشرع صوفی بن گئے، حضرت مولینا تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد اندر گھر میں تشریف لے گئے ڈاکٹر موصوف نے مجھ سے پوچھا یہ حضرت کون تھے میں نے بتلایا تو کہنے لگے کہ جب دروازہ سے داخل ہو رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان کے ساتھ نورانی صورتوں کی ایک جماعت ہے لہٰذا میرا دل انہیں دیکھ کر بہت متاثر بلکہ مرعوب ہوا ہے۔

حسن و جمال سے مولینا کا ایسا طبعی لگاؤ تھا کہ جس چیز میں حسن و جمال دیکھتے اس سے ضرور متاثر اور خوش ہوتے اور اسے ضرور خراج تحسین پیش کرتے، عام ہے کہ وہ چیز قدرتی مناظر میں سے ہوتی جیسے کوئی حسین وادی، پہاڑ، دریا، جھیل، آبشار وغیرہ یا وہ کسی خوبصورت پیڑ پودے، پھول، پھل، پرندے اور چرندے کی شکل میں ہوتی، کسی مصنوعی حوض، باغ، پکی سڑک اور عمارت کی شکل میں ہوتی یا قالین، فرنیچر، برتن، کپڑے اور گھڑی و قلم وغیرہ کی شکل میں ہوتی کھانے پینے سونگھنے کی چیز ہوتی یا پہننے پوشنے اور لکھنے پڑھنے کی چیز ہوتی، کوئی اچھی گفتگو اور تقریر ہوتی یا عمدہ کتابت اور تحریر ہوتی، کوئی نثری عبارت ہوتی یا شعری نظم ہوتی، کوئی علمی بحث و تحقیق ہوتی یا فکری کد و کاوش ہوتی، شاعرانہ تخیل آرائی ہوتی یا عالمانہ نکتہ آفرینی ہوتی کوئی اچھی عادت و خصلت ہوتی یا عمدہ ذہانت و ذکاوت ہوتی، معصوم بچوں کی ادائیں ہوتیں یا بزرگوں کی کریمانہ شفقتیں، غرضیکہ جس شے میں بھی حسن و جمال، تناسب و توازن، نفاست و لطافت دیکھتے متاثر ہو کر داد تحسین دیتے اور مسرت کا اظہار کرتے۔

اسی طرح جب کسی چیز میں بے ڈھنگا پن، بدنظمی، بے ترتیبی اور بگاڑ دیکھتے تو اس

سے آپ کو ذہنی کوفت ہوتی اور سخت اذیت پہنچتی پھر جب تک اس پر تنقید کر کے پھر اس نہ نکالتے چین نہ ہوتا، بڑے آغا جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دوسرے حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہیں جو لطافت طبع، نزاکت مزاج اور ذوق جمال میں ممتاز اور منفرد تھے۔

جب حسن اتفاق سے قریبی اور بے تکلف دوست جمع ہو جاتے اور چائے کا خاص اہتمام ہوتا تو عمدہ ظروف بہترین پتی، خالص دودھ اور نفیس بسکٹ وغیرہ سے تواضع کیجاتی خاص طریقہ سے دسترخوان بچھایا جاتا اس پر نہایت قرینے سے برتن چنے جاتے، پیالیوں میں شکر اور پھر چائے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈالی جاتی اور پھر چمچ ہلانے میں خاص نزاکت کا لحاظ رکھا جاتا کئی بار ایسا ہوا میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ چمچ ہلانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود گرفت اور تحسین ہو گئی اور سب کے سامنے پیاری سی ڈانٹ پڑی اور ہنسی خوشی کا سامان فراہم ہو گیا

ہمارے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ گو درویش صفت بادشاہ نہ تھے لیکن بادشاہ صفت درویش ضرور تھے مانا کہ انہیں تاج و تخت نصیب نہیں ہوا لیکن ان کے اس دل و دماغ سے کون انکار کر سکتا ہے جو تاج و تخت کے لئے باعث فخر و ناز ہوتا ہے اور پھر وہ اقلیم علم کے تو ضرور بادشاہ تھے ان کا علمی جاہ و جلال کسی طرح اس جاہ جلال سے کم نہ تھا جو سیاسی بادشاہوں کو حاصل ہوتا ہے۔

بقیہ: مفتی جمیل احمد صاحب

باطن انتہائی بلند پایہ ولی اللہ سے فیض کیا۔ اب ان کے علم کا کیا کہنا جو اس طرح دو آتشہ ہو رہا ہو۔

تصنیف کتب جیسے باقیات صالحات میں سے ہیں اور بعد وفات بھی ان کا ثواب در ثواب ملتا رہتا ہے ایسے ہی اوقات میں خصوصاً ایسا زبردست مرکزی دینی مدرسہ قائم فرما دیا کہ تا قیامت اس کا فیض رہے گا جو آپ کے لئے باقیات صالحات کا ثواب فراہم کرتا رہے گا۔

حضرت مولانا بنوری کے عریض و طویل وسیع اور گہرے علم کی قدر انہی لوگوں کو ہو سکتی ہے جو درس تدریس کے سمندر میں غوطے لگاتے رہتے اور روز نئے نئے اشکالات سے دوچار ہوتے ہیں۔

مدرسہ عربیہ کا نظم و نسق جس خوبی سے قائم رکھا اس کی مثال بہت کم ملے گی اس کی دلیل یہ ہے کہ انتظامات میں عجیب کم فکر رکھنے والے نہ تھے۔ رد باطل اور خصوصاً رد کفر قادیان میں آپ آگے آگے تھے۔ آخر ختم نبوت مجلس کی صدارت اور اس کے بہتر نتائج کا سہرا آپ کے ہی سر رہا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں اور دوسرے علماء کو سبق لینے کا موقعہ دیں اور اپنی خصوصی رحمت میں ڈھانپ لیں۔

بقیہ: مولانا فیض احمد صاحب

ایسا ادارہ قائم فرما گئے ہیں جس کی تعمیر و تکمیل پر تیس، چالیس لاکھ روپے صرف ہوں گے۔ اس ادارہ میں دنیا بھر میں ختم نبوت کے مشن جاری رکھنے اور قادیانی مشنوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے مبلغ تیار کئے جائیں گے۔ جن ممالک میں قادیانی مشن کام کر رہے ہیں۔ ان ممالک کے علماء کرام کو یہاں منگوا کر ان کو قادیانیت اور اس کے مکروہ عزائم سے متعارف کرایا جائے گا۔ نیز ان کو قادیانیت کے خلاف علمی دلائل سے مسلح کیا جائے گا۔ بلا ریب حضرت بنوری قدس سرہ کا یہ بھی ایک کارنامہ عالم اسلام پر بہت بڑا احسان ثابت ہوگا انشاء اللہ العزیز

سیاست میں اعتدال

حضرت والا مرتبت کی فطرت نہایت سلیم اور طبیعت انتہائی حقیقت پسندانہ اور معتدل تھی۔ حضرت مولانا ایک طرف حکیم الامت سلطان العارفین حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ دوسری طرف آپ کو قدوۃ الصلحاء، راس الاتقیاء، تاج العرفاء، سلطان المجاہدین حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے پوری عقیدت تھی بلکہ حضرت مدنی کے متوسلین کے لئے آپ کی ذات ملجا و ماویٰ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ایک مجلس میں حضرت بنوری نے "تحدیث بالنعمۃ" کے عنوان سے فرمایا: "بحمد اللہ اکابر دیوبند کے تمام حلقے بندہ پر اعتماد کرتے ہیں"

پاکستان میں نظام اسلامی کی مساعی

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلہ میں حضرت موصوف ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام کا ساتھ دیتے رہے۔ ہر ممکن طریقہ سے عالم اسلام کے مایۂ ناز مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم کا مسلسل تعاون تناصر فرماتے رہے۔ گذشتہ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں بھی "کاروان حق" کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔ **

خدام الدین ملنے کے پتے

گجرات: حافظ ضیاء الرحمن صاحب جامعہ فاروقیہ محلہ چاہ کھوکھیاں ریلوے روڈ
لالہ موسیٰ: سید بشیر احمد شاہ صاحب جامع مسجد شیخاں گورنمنٹ مارکیٹ روڈ
دینہ ضلع جہلم: مولانا عطاء الرحمن جامع عربیہ تعلیم الاسلام
کھیوڑہ: ولی الدین صاحب کلرک سالٹ مائن
پنڈدادن خاں: حافظ بک ڈپو مین بازار

حضرت بنوری کی حق پسندی - وجہ عقیدت

حافظ ریاض احمد اشرفی، راولپنڈی

عزیز مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - امید ہے آپ
بخیر ہوں - حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ
پر مضمون ارسال ہے
آخری دو سطریں اصلاح کا آپ کو اختیار
ہے - دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں -
والسلام
آپ کا چچا
عفا اللہ عنہ

اخوی حافظ ریاض احمد اشرفی
مینیجر ... روزنامہ جنگ راولپنڈی

۱۹۶۵ء میں حرمین شریفین کی حاضری بغرض حج الاسلام نصیب ہوئی - مکہ مکرمہ میں اس وقت ہمارے سو روپیہ کے پچاس ریال کے قریب ملتے تھے بندہ نے دیکھا کہ عامۃ الناس گھڑیوں، کپڑوں، ٹرانسسٹروں اور دیگر سامان تعیش کی خرید کے لیے پاکستانی کرنسی کو یوں نقصان پہنچا رہے ہیں جس سے دل بہت کڑھتا تھا لیکن ظاہر ہے، ہماری کون سنتا تھا - لیکن سب سے تعجب خیز بات یہ تھی کہ کچھ علمائے کرام بھی پاکستانی کرنسی کو یوں نقصان پہنچانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے - سرکاری طور پر صرف گیارہ سو روپیہ کا ایکسچینج لے جانے کی اجازت تھی - گیارہ سو روپیہ میں تو صرف تین ماہ میں ایک آدمی کا ضروری خرچ ہی چل سکتا تھا علماء کرام کا یہ طرز عمل بندہ کو بے حد پریشان کرتا رہتا تھا - علماء کرام کے پاس اس کے جواز کی یہ دلیل تھی کہ حکومت نے رقم پر پابندی لگا کر شرعی جرم کیا ہے اور پھر ہم کوئی سامان تعیش کے لیے ایسا نہیں کرتے بلکہ ہم تو تفسیر، حدیث، فقہ تاریخ، ادب اور دیگر علوم آلیہ اسلامیہ کی وہ کتب خریدتے ہیں جن کی پاکستان میں ضرورت ہے اور دکانداران کی قیمتوں میں بے پناہ زیادتی وصول کرتے ہیں، اس لیے ہمارا یہ عمل خلاف اسلام نہیں - بندہ نے جب تفتیش کی تو طریق کار یوں تھا - میرے ایک کرم فرما بزرگ اور عالم دین نے مکہ مکرمہ کے ایک پاکستانی تاجر سے ایک ہزار ریال ادھار لیا اور اسے دو ہزار پاکستانی روپے کی رسید لکھ دی کہ ہم پاکستان کے تمہارے عزیز کو پاکستان میں دو ہزار روپے ادا کر دیں گے - اس دور میں پاکستانی روپیہ اور سعودی ریال قانونی طور پر برابر تھے - لیکن فارن ایکسچینج کی محدود اجازت ملتی تھی اندا اس میں گزارہ تو ہو جاتا تھا لیکن تحفے تحائف لانے کے لیے معقول رقم نہیں بچتی تھی - اس لیے یہ طریقہ رائج ہو گیا - سعودی عرب کے پاکستانی باشندے پہلے علماء کو یوں پھانستے تھے - پھر عوام و ناواقف کاروں کو علماء کرام کے اس عمل کو بطور سند پیش کر کے مسئلہ شرعی کو "حیلہ شرعی" کے اس پردہ اور غلاف کی تابندیں ردا کر لیتے تھے - بندہ بھی تین سو روپے کے اس حیلہ کا شکار ہو گیا اور اپنے زعم میں وقتی طور پر علماء کرام کے طرز عمل سے مطمئن سا ہو گیا لیکن قلبی کسک بندہ سے کلیتہً معدوم نہ ہو سکی -

اسی دوران جب پاکستان واپسی ہوئی تو اپنے دوست علماء کرام سے اس مسئلہ پر بات چیت ہوتی رہی - کچھ حضرات اس کے عدم جواز کے تو قائل تھے لیکن اس کو "اضطرار شرعی" کے طور پر استعمال کر لینے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے لیکن ایسے جید اور دیندار علماء بھی تھے جو سرے سے اس "اضطرار شرعی" کو ہی نہیں مانتے تھے اور کرنسی کو کم قیمت پر دینے کو جائز سمجھتے تھے - یہ صورت حال سخت کربناک تھی -

اسی عرصہ میں مدرسہ فرقانیہ، مدینہ کی کوئی تقریب تھی جس میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے - بندہ کو زیارت کا یہ شرف پہلی مرتبہ نصیب ہوا - اس سے قبل بندہ نے ان کا نام ہی پڑھا تھا اور وہ بھی حضرت شیخ الاسلام سیدی وسندی مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون میں مختصر ذکر اور حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے عربی مرثیہ کو پڑھ کر عقیدت ہو گئی تھی - یہ عقیدت یوں بھی تھی کہ حضرت امام العصر مولینا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ میرے والد مرحوم اور میرے دادا جان مرحوم کے شیخ و مرشد تھے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ

علیہ انکے خاص خادم تھے۔ پھر حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بندہ کے استاد تھے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد تھے۔ ان نسبتوں کے سبب حضرت بنوری سے عقیدت ومحبت تو تھی لیکن زیارت کا اس سے قبل اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بندہ بڑے خلوص سے حاضر ہوا لیکن کوئی خاص توجہ حضرت بنوری نے نہ دی۔ بلکہ حضرت مولٰینا محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ فرقانیہ نے بندہ کا تعارف بدیں الفاظ کرایا کہ یہ عالم بھی ہیں اور انگریزی خواں ہیں۔ اس پہ حضرت بنوری کے چہرہ مبارک پر سخت تکدر اور نفرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت نے بڑا کرخت اور توہین آمیز جواب دیا جو بندہ کی اور حضرت مولانا محمد عثمان مرحوم کی توقعات کے بہت ہی الٹ تھا بندہ بے حد شرمندگی کے ساتھ ایک طرف سرک گیا اور شرمندگی کا سبب یہ تھا کہ اس مجمع میں سوائے حضرت بنوری کے دوسرے تمام علماء کرام جو غالباً بیس پچیس سے متجاوز ہوں گے۔ بندہ کو بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور حضرت بنوری نے بندہ کا خاکہ ہی اڑا دیا۔ حضرت بنوری اس زمانہ میں بڑے زود رنج تھے اور فیلڈ مارشل ایوب خاں مرحوم کے بعض غیر دینی احکام سے سخت نالاں تھے۔ خصوصاً عائلی قوانین کے نفاذ، مرزائیوں کے ظاہری عروج اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی "تحقیقات" وغیرہ کے بے حد شاکی تھے اور بندہ اچانک ایسے موقع پر حاضر ہوگیا کہ موڈ صحیح نہیں تھا۔ پھر بعض علماء کرام کی طرف سے کما حقہٗ تعاون کی صورت نظر نہ آسکنے پر پہلے سے کچھ برہم تھے کہ بندہ "جملہ معترضہ" کی شکل میں نمودار ہوگیا۔ پھر بندہ سے وہی کچھ ہوا جو اوپر مذکور ہو چکا۔

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت میرے دل میں اس کے بعد ایسی نقش ہوئی کہ کسی وقت یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ شاید یہ حضرت شیخ کا تصرف ہو اور اس تصرف سے مقصود میری ہی اصلاح ہو۔ بہر حال اپنی محبت وعقیدت کا نقش دوام میرے قلب وذہن پر چھوڑ گئے۔ ہوا یوں کہ بندہ نے اسی وقت کرنسی نوٹس کے متعلق عرض کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ چونکہ خود بھی اپنی تحقیق کے مطابق اپنے مدرسہ کے لیے کتابیں اسی طریق سے لا چکے تھے حضرت نے بھی اس کے جواز کو شک وشبہ سے بالاتر قرار دیا۔ جب بندہ نے معارضہ کیا تو حضرت نے بندہ کو نہایت نازیبا الفاظ سے خطاب کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا دماغ بھی خراب ہے تم اور تمہارے یہ مزعومات پتھر پر مار دینے کے قابل ہیں۔ خیر بندہ احتجاجاً مجلس سے اٹھ آیا۔ اس کے بعد بندہ نے حضرت مولٰینا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولٰینا مہدی حسن، حضرت مولٰینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور دیگر حضرات مفتیان کرام پاک و ہند سے استفسار کیا تو سب نے میرے موقف کی تائید کی اور صاف لکھا کہ کرنسی نوٹ کو کم یا زیادہ داموں پر بیچنا یا خریدنا سخت ناجائز ہے۔ البتہ اضطرار میں جب کلمہ کفر کہہ دینا بھی روا ہے۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہٖ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ الآیۃ۔ اس پر گواہ ہے۔ نیز اضطرار میں محرمات بھی بقدر قوت لایموت جائز ہیں بشرطیکہ زیادتی اور بغاوت کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ فمن اضطر غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیہ الآیہ ہے تو بشرط وجود اسباب قطعیۂ اضطرار اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں اور کتابوں کا خریدنا یا دوسرے سامان کا خریدنا بظاہر اضطرار نہیں معلوم ہوتا۔

بندہ نے ان تمام فتاویٰ کو اکٹھا کر کے حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بذریعہ رجسٹری روانہ کر دیا۔ اس سارے عمل میں کوئی چھ ماہ لگ گئے۔ فوراً غالباً ایک عشرہ کے اندر وہ تمام فتاوے ان الفاظ کے ساتھ واپس آگئے "تم بالکل حق بجانب ہو اور خطا میرے کہنے میں ہے۔ نیز یہ کہ میں تم سے بصمیم قلب معذرت خواہ ہوں۔ حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روش نے مجھے ان کا دلدادہ اور گرویدہ بنا دیا۔ اس کے بعد بندہ نے بغرض اتلاف یہ سب حضرت کی خدمت میں روانہ کر دیا کہ "آپ تو صاحب خلق عظیم کے اس دور میں عظیم فرزند ہیں۔ میرا دل صاف ہوگیا اور میں اس بات پر شرمندہ ہوں کہ اس مسئلہ میں آپ کو تکلیف دینے کا سبب بنا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں متعدد مرتبہ حاضری نصیب ہوئی اور حضرت خود بھی جب راولپنڈی تشریف لاتے تو بندہ کو زیارت کے لیے خود بلواتے اور بڑی شفقت ومحبت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین اور جنت الفردوس سے نوازے آمین۔ اب کہاں ایسی بے نفس ہستیاں۔ اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وارفع درجتہ۔ آمین۔

دار العلوم اسلامیہ
منڈی چوہڑکانہ
مدرسہ ہذا کا افتتاح جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور نے ۳ ذیقعد ۱۳۸۵ھ کو فرمایا۔ بحمد اللہ ۱۳ سال سے حفظ ناظرہ اور ترجمہ قرآن کی تدریس جاری ہے
مسجد و مدرسہ زیر تعمیر ہیں!
مخیر حضرات تعمیر میں اعانت فرما کر ماجور ہوں۔
الداعی
(مولانا) غلام محمد مہتمم دار العلوم اسلامیہ (جامع مسجد گنبد والی)
منڈی چوہڑکانہ ضلع شیخوپورہ

حضرت العلامہ السیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حبیب اللہ شاہ بنوری شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

بہاولپور

هو

جنابِ محترم علوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تحیۃ و سلام۔ چند ہی روز ہوئے، والا نامہ کس قدر تاخیر کیا تھا مجھے [illegible] میں موصول ہوا۔ خدام الدین زیر ترتیب خصوصی "بنوری" نمبر موجب حوصلہ افزائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ میں برکت رکھے۔ آمین۔ "بنوری" مرحوم کی مفارقت ہے [illegible] وہ حوصلہ شکن حال ہے جو نگارشات کی اولین فرصت میں قلمبند ہو سکیں۔ انشاء اللہ پیش خدمت ہوں گی۔ والسلام

حبیب اللہ بنوری
(شیخ التفسیر اسلامی یونیورسٹی بہاولپور)
۱۰.۱۲.۷۷

❦ ❦ ❦

؎ سمجھ سکو تو ضرورت نہیں سنانے کی، دل کا خون ہے سرخی میرے فسانے کی

حضرت مرحوم کی داستانِ مفارقت .... نہ تو سننے کی برداشت نہ پڑھنے کی تاب و طاقت، نہ ہی لکھنے کی قدرت "بلغتِ القلوبُ الحناجر" بعض المناک حوادث کا تذکرہ بجائے خود، ایک المیہ ہوتا ہے، اربابِ محفل کو ——— معلوم تو سب کو ہی سب کچھ ہے مرحوم کے محاسن و کمالات بیان کرنے کی مزید ضرورت بھی کیا ہے ؎

میری مشاطگی کیا ضرورت حسنِ معنیٰ کو،
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

البتہ یادِ رفتگاں و تذکرۂ بزرگان کسی قدر سکون قلب کا باعث اور ایک فرض شناسی بھی ہے۔

؎ حکایت از قدآں یار دل نواز کنیم　　بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اس لئے اس کم مایگی اور بے بضاعتی کے باوجود چند معروضات پیش خدمت ہیں علاوہ ہذا تذکرہ ضمن شار ذکرہ "

دنیا میں کچھ اسلاف اور ان کے واقعات ایسے بھی ہیں جو انسانی تاریخ پر گہرے نقوش و عمیق اثرات چھوڑ گئے ہیں اس نوع کے واقعات میں سے "قدوۃ المفسرین" "امام المحدثین، زبدۃ العارفین، سید السند، حضرت العلامہ سیّد محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کا عظیم واقعہ بھی ہے جس کا سانحہ اس قدر شاق و سنگین ہے کہ اپنی نوعیت میں صرف ایک نہیں، بلکہ اس کے ضمن میں صدہا سانحات مضمر ہیں "مصائب جمعت فی مصیبۃ" ایام زندگی کو تلخ و تاریک کرنے والے مصائب ؎

؎ صبّت علیّ مصائب لو انہا　　صبت علی الایام صرن لیالیا

ایسے واقعات و حوادث سے زمانہ اور زمانیات کا رنگ و کیفیت بدل جاتی ہے

اس دورِ زندگی میں حوادث و صدمات بکثرت دیکھنے سننے میں آئے لیکن اس وقت حضرت "بنوری" مرحوم کے انتقال پر ملال کے حادثہ سے جو صدمہ لاحق ہوا ہے وہ محض انفرادی صدمہ نہیں جس سے ایک فرد یا ایک کنبہ یا ایک گروہ یا ایک خطہ یا صرف ہمارا ملک پاکستان غمزدہ ہو بلکہ یہ ایک ایسا عالمگیر صدمہ ہے جس سے بلاد عرب و عجم میں ہر مکتب فکر کے مسلمانوں کے دل غمگین ہیں اور ذہن پریشان ہے

بیشک حضرت مرحوم کی اس مفارقت سے بے شمار متعلقین و منتسبین کے دل مجروح ہوں گے لیکن جن خدام نے آپ کے ہاتھوں ہر طرح کی تربیت پائی ہو اور آپ کو قریب سے دیکھا ہو۔ ان کا تاثر و تالم اور قلبی کیفیت ضرور دیگر نوعیت کی ہو گی۔

حضرت مرحوم نے تقریباً پون صدی کے مرحلہ پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اگر ہم اپنی چاہت و ہوس کے انداز سے دیکھیں تو ——— اگر حضرت مرحوم کو دنیا میں اس قدر زندگی اور بھی یا اس سے بھی کہیں زیادہ ملتی۔ تو پھر بھی ہم اپنے خیال کے اعتبار سے ناکافی جانتے لیکن آخر و بالآخر، قضا و قدر کی حکمتِ بالغہ و مصلحت غامضہ کے تقاضوں پر "اجمالا سہی" یقین و اعتقاد لازم ہے بقائے دوام مخلوق کا حق نہیں۔ خالقِ کائنات کا حق ہے ؎

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی
مردہ راجانے تو بخشی زندہ را بیجاں کنی

"لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

حضرت مرحوم کی یہی چند سالہ بابرکت زندگی جو طلب مال وحصول جاہ میں نہیں۔ بلکہ نیکیوں، علمی مساعی اور اسلام کے تعمیری کاموں میں صرف ہو صدہا سال کے برابر ہے اسی محدود و معدود زندگی میں آپ کے ہاتھوں وہ کارنامہائے نمایاں انجام پائے جو دوسروں کے لئے سالہا سال میں بھی انجام دینا ناممکن تھا۔

طویل زندگی عبارت بابرکت زندگی سے ہے یعنی طوالت زندگی کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے جس میں انسان اپنی مراد ومنزل مقصود تک پہنچ جائے اور سالوں کا کام مہینوں میں، مہینوں کا کام ہفتوں میں، ہفتوں کا کام دنوں میں دنوں کا کام لمحات میں انجام پاسکے اور کام مقصد دین و مذہب کے ہوں۔

بہرحال یوسف مرحوم نفس مطمئنہ، راضیہ، مرضیہ لے کر بارگاہ حق میں پیش ہوئے اور عباد مقربین وصالحین میں اپنا مقام بنایا "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" ارباب تقدس تو دنیا سے کوچ کرتے ہیں لیکن ان کے مآثر دنیا میں دائماً پائیدار رہتے ہیں۔ یہی مآثر "باقیات الصالحات" ہوتے ہیں۔ صفحۂ ہستی اور منصۂ وجود پر انہی باقیات سے رفتگان کی یاد باقی اور تا ابد زندہ رہتی ہے گویا وہ خود زندہ ہیں۔

اللہ کی راہ میں پیالہ موت نوش کرنے والے بندے عنداللہ شہداء کا درجہ پاتے ہیں ان کو منجانب اللہ دنیا کی اس کمزور وناقص زندگی کے عوض ایسی دائمی اور طاقتور زندگی عطا کی جاتی ہے کہ قرآنی ارشاد کے بموجب ان کو مردے کہا ہی نہیں جاسکتا "بل احیاء و لکن لا تشعرون" ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آثار و باقیات

علم

بلاشبہ حضرت مرحوم علمی شغف رکھنے والے اور اس میدان میں سبقت لے جانے والے اقران میں فائق تھے محققانہ انداز میں گھنٹوں تک مطالعہ اور کتب بینی میں منہمک رہتے تھے فنون درس نظامیہ میں ملکہ و مہارت، خصوصاً تفسیر و حدیث، فقہ و ادب عربی (نثر و نظم) کی حذاقت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اعلیٰ اساتذہ، عمدہ و جید مدرسین کی صف میں شمار ہوتے تھے۔ کثرت معلومات، استحضار اور وسعت نظری کے اعتبار سے ایک علمی خزانہ کی حیثیت رکھتے تھے معقول و منقول پر یکساں عبور حاصل تھا کسی کتاب کی بھی شوق و طلب میں دور دور سفر کرتے تھے اور قیمتاً بھی حاصل کرنے کے شائق تھے۔

تصنیف و تالیف سے خاص مناسبت کے مالک تھے آپ کے مکتوبات تحریرات، مقدمات واداریے اس بات کی زندہ شہادت ہے آپ کی تصانیف "احکام القبور والمقابر"، "حل مشکلات القرآن"، "نفحۃ العنبر" بالاخص آپ کی تالیف "معارف السنن" تقریباً ۳ ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۶ جلدوں میں چھپی ہوئی کتاب، جو معارف و حکم کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اور "حضرت شیخ انور" رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا ایک انعکاسی مجموعہ اور قوت استدلال واسلوب بیان میں حضرت شاہ صاحب کی قوت بیان کا آئینہ دار ہے یہ تمام حضرت بنوری مرحوم کی علمی یادگار ہیں۔

محنت و سفر کے علاوہ علم کے آداب میں سے اساتذہ کی رضا جوئی و خدمت گذاری اور خاص کر ذہانت و حافظہ بھی اہمیت رکھتا ہے اول الذکر وصف تو آپ کے مسلمات و مشہورات میں سے تھا بقیہ دو وصفوں کے متعلق "دیوبند" میں بعض اساتذہ کی زبانی شہادت ہے کہ مولانا یوسف صاحب بنوری کی ذہانت و حافظہ غضب کا ہے اساتذہ کی یہ شہادت آج سے کئی برس قبل کی ہے جس زمانہ میں حضرت "بنوری" مرحوم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاذ تھے۔

عمل

حضرت مرحوم جس طرح علمی فضاء کے عقاب تھے اسی طرح عملی میدان میں ایک تازہ دم شہسوار تھے۔ "جامعہ اسلامیہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی" کی پر شکوہ حسین و جاذب نظر عمارت آپ کی عملی یادگار ہے کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء، جو پاکستان میں دینیہ مذہبیہ یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور جامع مسجد حسین کے فلک بوس میناروں سے اس کے علوم کی ضیاء پاشی ہو رہی ہے جس میں ابتدائی مکمل اور جامع نصاب کے علاوہ (۱) دورۂ حدیث (بی اے کے مماثل) ۲۔ تخصص (ایم اے کے مماثل) ۳۔ دعوت التحقیق (پی ایچ ڈی۔ ڈاکٹریٹ کے مماثل) درجات کی تعلیم جاری ہے۔

طرز تعلیم و طریقہ تدریس ایسا عجیب و نادر وضع کیا گیا ہے جس سے پاک و ہند، عرب، افریقہ، یورپ ہر ملک و زبان کے طلبہ برابر کا استفادہ کرتے ہیں۔ "جامعہ اسلامیہ کراچی" میں پاک و ہند کے علاوہ عرب، افریقہ، لندن، فرانس نائیجیریا وغیرہ دنیا کے دور دراز مختلف ۲۷ ممالک کے سینکڑوں طلبہ علم دین منظم طریق پر تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور سینکڑوں فضلاء اس علمی چشمہ سے سیراب ہو کر، دستار و سند فضیلت کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں درس و تدریس اور تبلیغ کے فرائض انجام دینے اور تشنگان دین و مذہب کو سیراب کرنے اور رہنمائی میں مصروف ہیں۔

ملک و بیرون ملک کے مستند و نامور فاضل اساتذہ کی بڑی جماعت تدریس و افتاء، تصنیف و تالیف و اشاعت وغیرہ مختلف شعبہ جات کی نگرانی کرتی ہے۔

۲۳ سال کی اس قدر قلیل و ناکافی مدت میں اس قدر عظیم الشان علمی کام پیدا کرنا تعجب خیز ہے غور کیا جائے تو یہ کارنامہ قوت باطنی اور روحانی آثار میں سے ہے۔

آپ نے فرمایا "میں نے اس مدرسہ کی تعمیر کے لئے بارگاہ حق میں دعا کی تھی چنانچہ اللہ نے قبول فرمائی"۔

حضرت مرحوم نے "جامعہ اسلامیہ" کے اہتمام و آبیاری، اور خدمت علم و دین کی خاطر، اپنے وطن مالوف "پشاور شہر" کی سکونت پر "کراچی" میں مستقل قیام و سکونت کو ترجیح دی تھی جس میں شان للّٰہیت ظاہر ہے۔

علماء کے فضائل کا اعتراف اور اکابر کا احترام

حضرت مرحوم ارباب علم و کمال کے فضائل کے اعتراف و اکابر کے احترام و تعظیم میں منفرد و بے نظیر شخصیت تھے بہتیرے ارباب ہمت یہ صفت و فضیلت نہ اپنا سکے۔ عرب و عجم کے اسلاف و اکابر ـــــ امام ائمہ الحدیث حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری، امام المحدثین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، قدوۃ الاکابر، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف تھانوی، امام المفسرین والمتکلمین حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی، حضرت اقدس شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، سید السادات حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ المشائخ حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان ندوی، شیخ الفضیلہ علامہ محمد زاہد الکوثری، شیخ الشیوخ شیخ محمد شفیع کی (خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مکی) شیخ الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین حسینی دیوبندی" وغیرہم اکابر کی توجہات و عنایات خصوصی نے حضرت بنوری مرحوم کو ارباب فضل و کمال کی صف میں شامل کیا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلیہم

حجۃ اللہ حضرت شیخ محمد انور شاہ کشمیری کی معیت و خدمت و تلمذ اور توجہ خاص و نگاہ کرم نے بنوری مرحوم کو (اپنے شیخ و استاذ کی) شان جانشینی عطا کی تھی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" ـــــ حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی" رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراف ہے کہ مولانا یوسف بنوری انور شاہ کاشمیری کے علم کے صحیح حامل ہیں" ہر لحاظ سے معتبر شہادت ہے۔

سلاسل علمیہ کے علاوہ ملک و قوم کی قیادت و خدمت دین

حضرت بنوری مرحوم دینی، دنیاوی، مذہبی، سیاسی امور، عصری تقاضوں اور وقتی دواعی میں کامل بصیرت و مکمل صلاحیت کے مالک تھے ـــــ ● جمعیت علمائے سرحد کی صدارت ● جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی صدارت ● مجلس علمی ڈابھیل کی صدارت ● مجلس علمی دمشق کی رکنیت، ● مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی رکنیت ● رابطہ عالم اسلامیہ مکہ مکرمہ کی رکنیت ● وفاق المدارس پاکستان کی صدارت ● مجلس ختم نبوت کی سرپرستی ● قادیانیت کے خلاف متحدہ مجلس عمل کی صدارت ● فتنہ پرویزیہ کے خلاف تقریری و تحریری جہاد ● فرقہ مردودۂ قادیانیہ، مرزائیہ، کافریہ، دجالیہ کو قانوناً غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی جرات مندانہ و عازمانہ قیادت ●!

ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق شدید علالت و مصروفیات کے ساتھ دین و مذہب کی خاطر، مشرق وسطی، جنوبی افریقہ، لندن وغیرہ بیرونی ممالک کے طویل و دشوار گذار دورے مرحوم کے علو ہمت اور علو مرتبت کی نشانی ہے۔

مرض الموت میں اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد" کی رکنیت کے فرائض محض دینی و مذہبی نظریہ کے تحت انجام دینا ایک قابل تقلید مثال ناقابل انکار حقیقت اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔

ہر دور میں صعوبتوں اور آزمائشی ذمہ داریوں کا متوجہ ہونا حضرت مرحوم کی مقبولیت اور ان کی انجام دہی محض تائید غیبی کی علامت ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ،

جفاکشی، فروتنی، عزت و شرافت نفس

حضرت مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ زمین و فرش پر نشست و برخاست و آرام کرنے میں گزرا۔ یہ حال مرحوم کے قریبی تعلقداروں اور "جامعہ اسلامیہ کراچی" کے آغاز و تعمیر و اہتمام کی تاریخ سے بخوبی دریافت ہو سکتا ہے فروتنی نے آپ کو بلند مرتبہ اور فوقیت دی، عزت نفس نے معزز کیا اور شرافت نفس نے شرفاء کا جلیس و ہمنشیں بنایا۔ کبھی بھی اپنی ذات کو فائق و بالاتر جان کر ترجیح نہیں دی نہ قول سے نہ ہی کسی فعل و عمل سے "و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ"

قناعت و استقامت

آپ کی ابتدائی زندگی کے ایسے موڑ میں جبکہ بظاہر کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا۔ علمی و تصنیفی مشاغل، مہمانوں کی کثرت، بھاری مصارف کے باوجود نہایت ہی صبر و قناعت سے وقت گذارا۔ جو کچھ بھی مناسب حال ذرائع سے میسر آتا۔ قناعت فرماتے، کبھی حالات کا شکوہ نہ کیا نہ ہی استقامت میں فرق آیا "الحاف" کی زندگی بسر کی۔ بایں ہمہ بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ "اللہ اکبر"

ایقان و توکل

مائیہ ایقان و توکل سے حضرت مرحوم کو مستقل مزاجی، ثابت قدمی، غناء و استغناء کے وصف میں قابل رشک مقام حاصل تھا آپ نے اپنے مدرسے سے باوجود مستحق ہونے کے اِتقاءً اپنی تنخواہ ترک کردی تھی بیش بہا کتب کا ذخیرہ اور اپنا علمی سرمایہ مدرسہ کے دارالکتب، دارالتصنیف والتالیف میں شامل کیا تھا زکوٰۃ کی لاکھوں رقم نہ خود قبول فرماتے تھے نہ مدرسہ کے لئے اور نہ ہی زکوٰۃ کیلئے کوئی مد و مصرف رکھا تھا۔ آپکے مزاج میں نہ حرص تھا، نہ بخل، نہ اسراف، نہ کسی قسم کی بے اعتدالی " والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما "

زُہد و تقویٰ

آغاز زندگی کیا۔ بلکہ طبعاً و فطرتاً آپ تقویٰ دار و حق شناس تھے ناساعد و ناموافق مجالس و محافل سے آپ مجتنب و محترز تھے شب خیزی میں بڑے باہمت موفق تھے تہجد گذاری، تلاوت قرآن، بزرگوں کی خدمت و مجلس میں حاضر ہونا۔ آپ کا معمول تھا۔ تلاوت قرآن میں طرز ادا، سوز و گداز، جذب و استغراق دائرہ بیان سے بیرون ہے کئی برس سے آپ کا معمول تھا کہ حج یا عمرہ کے لئے ہر سال سفر کرکے اوقات عزیزہ کا ایک حصہ حرمین شریفین میں گذارتے، اکثر و بیشتر رمضان المبارک میں وہاں اعتکاف کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

مکارم اخلاق

اخلاق ظاہری آپ کی سیرت باطنی کا ترجمان تھا۔ وسعتِ اخلاق نے آپ کو عندالناس اور آپ کے دائرہ مقبولیت کو وسیع بنایا تھا اور پاکیزگیٔ کردار نے آپ کو عنداللہ وجیہ بنایا تھا ہمیشہ دیکھنے میں آیا۔ کہ باوجود علالت طبعی اور مصروفیات کے، ہر ملنے والے ملاقاتی سے ایسے خلوص و کشادہ پیشانی سے ملتے: کہ خود ملاقاتی اطمینان و مودّت، سرور و فرح محسوس کرتا تھا اور یہ کہ آپ کا مخلصانہ تعلق میرے اور میرے ساتھ ہے واقعی اس قدر بناہنا حقیقتاً ایک بڑے سربراہ کا منصب ہے۔

اعزاء و اقارب سے حُسن سلوک

اس وصف میں مرحوم یکتائے روزگار تھے غمی، شادی میں شریک ہونے اور اظہار ہمدردی میں قابل تقلید مثال تھے کان باراً بھم۔

فراست و دانائی

یہ وصف آپ کا موروثی تھا۔ سربراہ مملکت پاکستان جنرل ضیاء الحق کی رائے ——— مولانا بنوری کے مشورے اور ان کی آراء ہمارے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ——— مرحوم کی فراست و کیاست کا شاہد عدل ہے۔

نظافت، نفاست و سلیقہ

نظافت و نفاست پسندی میں اللہ تعالیٰ نے خاص ذوق و ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کا ماحول تہذیب و کردار اور سلیقہ مندی کی سبق آموزی میں ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا آپ کی خدمت میں رہ کر، غیر مہذب انسان مہذب اور غیر دانشمند، دانشمند بن جاتا تھا۔

گفتار

حضرت مرحوم کی گفتار میں ساحرانہ حلاوت و فصاحت، حق گوئی و حق جوئی تھی۔ کسی مجلس میں بھی آپ کی لب کشائی، عقدہ کشا اور حق نما نتیجہ خیز و سبق آموز و عبرت آمیز ہوتی تھی۔

رفتار

جوانمردانہ و متہورانہ

تقریر

پُرمغز، مثمر و معنی خیز

تحریر

لطافت و نفاست اور عمدگی میں خطاطی کا نمونہ

مضمون

مضمون میں سلاست و جامعیت، ربط، ضبط، استحضار و تسلسل کے اوصاف تھے۔

تنقید

شاہین کی طرح جرأت مندانہ و محققانہ نیز آئین جوانمردان حق گوئی و بیباکی

حلم و حیا، جود و سخا

حضرت بنوریؒ مرحوم اپنی ان خصوصیات میں اس شعر کے مضمون

کے مصداق تھے۔

فتیً غیر محجوبُ الغنیٰ عن صدیقہ
ولا مظہر الشکویٰ اذا النعلُ زلّت

آپ دولت مند و سرمایہ دار نہ تھے لیکن ممسک بھی نہ تھے۔ جود و سخا آپ کی خاندانی عادت تھی ناداروں کی دستگیری و اعانت آپ کی خصلت تھی

ولم یک اکثر الفتیانِ مالاً ولکن کان ارحبھم ذراعاً

نجابت و سعادت، شرافت و وجاہت

کانت النجابۃ والسعادۃ مُنیرۃ فی جَبینہٖ کالصُبحِ المنبیٔ والضّوء اللامع "سیماہم فی وجوھھم" ——— اس پیکرِ حسن و جمالِ ظاہری مجمعۂ کمال و محاسن باطنیّہ کی یاد ہیں، جس کے آگے ارباب کمال و اصحابِ شرافت و وجاہت کی آنکھیں ذوقِ حیاء سے جھک جاتی تھیں ——— کیا عرض کیا جائے گویا کہ "ابن الفزاری" نے اس شعر کے اندر ہمارا ہاتھ بٹایا ہے

کان الثریا علِقت فی جبینہٖ وفی خدہ الشعریٰ وفی وجہہ القمر

فطری خواص کا اجمالی جائزہ

حضرت بنوری مرحوم جود و سخا میں خاتم وقت، ایفائے عہد اور امانت میں سموئل کے مانند غیور، حلم و حیاء میں حضرت عثمان رضؓ کے وارث، مہمان نوازی میں شان ابراہیمیؑ، صبر و استقامت میں اخو ایوبؑ، سیرت باطنی میں حضرت یحییٰؑ کے مثیل، حسن و جمال اور وجاہت میں یوسفِ ثانی

آپ گوناگوں تکالیف اٹھا کر آئندہ نسلوں کے لئے قابلِ اقتدار راہ و رسم چھوڑ گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

بلاشبہ جادۂ حق پر ثابت قدم علماء اور راسخین فی العلم کی موت عالم کی روحانی موت ہوتی ہے۔ "موت العالِم، موت العالَم"۔

اس کے بعد شاید ہی ایسی جامع شخصیت اور مایہ ناز فرزند قوم و ملک میں متولد ہو۔ جو نہ صرف خاندان ساداتِ بنوریّہ کا، نہ ہی پاکستان اور افغانستان کا، نہ خاص ہند و افریقہ کا، نہ محض عرب یا عجم کا ——— بلکہ عالم اسلام کا چشم چراغ اور نورِ بصیرت ہو ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت بنوری مرحوم کی وفات حسرت آیات سے باغ و بہار علم اجڑ گیا۔ لالہ زار و چمنستان ذوق ادب مرجھا گیا مجلس بے رونق و محفل پر گہری سکوت و پژمردگی طاری ہوگئی۔ ہماری روشنی تاریکی سے بدل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ لا الٰہ الا ہو الحی القیوم، حسبنا اللہ ونعم الوکیل، "اللھم اغفرہ وارحمہ" آمین۔

کان رحمہ اللہ فاقد المثل والنظیر۔ ما رأیت فی الناس مثلہ شاباً ولا شیخاً جامعاً للفضائل الباہرۃ وحاملاً للخصائل الحمیدۃ وحائلاً للمحامد العدیدۃ ——— کان رجلاً کریماً، باراً، وجیہاً، حلیماً، خاشعاً، متفرعاً، متواضعاً، متقیاً، متقناً، عالماً، عاملاً ——— کان ذا خلق حسن وسیرۃ طیبۃ وبصیرۃ تامۃ کاملۃ۔

مضت الدہور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہٖ

علاوہ ازیں حضرت مرحوم کے بہتیرے خصائل و شمائل اور کئی مناقب قابلِ تفصیل و تشنہ بیان ہیں!

——— وقت کا شدید تقاضا ہے کہ ہر مکتبِ فکر کے علماء و زعماء یک جان و یک زبان ہو کر ایک اجتماعی و اجتماعی قوت سے حضرت بنوری مرحوم کے عزائم کی تکمیل کے لئے اسلامی سفارشات و اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین اور تنفیذ میں، اسلامی نظریاتی کونسل کا مخلصانہ و عازمانہ تعاون کریں۔ کہ جلد از جلد نظام مصطفیٰ ؐ کے مسودہ کی مکمل منظوری عمل میں آئے اور مسلمانوں کو غیر شرعی قانون سے نجات حاصل ہو کر صلاح و فلاح کی زندگی نصیب ہو اور صحیح جمہوریت قائم ہو اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الماوٰی، متوسلین کو اتباع، اعزاء کو صبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائے "آمین"

مخدوم گرامی! (مرحوم)

نذرِ اشکِ بیقرار از من پذیر گریہ بے اختیار از من پذیر!
برد اللہ مضجعک و نور اللہ ضریحک "آمین"

مردِ حق آگاہ

مولانا محمد رمضان علوی، راولپنڈی

سفـ اگر دنیا بکس پائندہ بودے ابوالقاسم محمد زندہ بودے

اس جہان سے جانے والوں کے بعد ہم ان کی خوبیوں اور اپنے اوپر شفقتوں کی بنا پر افسوس کرتے ہیں۔ تعزیت کے پیغامات اور کچھ ایصال ثواب کر کے ہمیشہ کے لئے بھول جاتے ہیں ان میں جو خوبیاں تھیں ان کو اپنانے کا جذبہ مفقود ہوتا ہے اور کبھی بھی ان کے اسوہ کی طرف ہماری توجہ نہیں ہوتی ان کے ساتھ حقیقی محبت یہ ہے کہ ان کے کام کو آگے بڑھا کر ان کے لئے صدقہ جاریہ کا سامان فراہم کیا جائے یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ یہ کائنات جانے کے لئے وجود میں آئی ہے باعث تخلیق کائنات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آخر ایک وقت میں لقاء حقیقی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے رحلت فرما گئے دوام صرف ایک ذات حیی و قیوم کے لئے ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا سے جانے والوں کے حالات یقیناً مختلف ہوتے ہیں ایک انسان کی وفات سے ایک گھر یا ایک خاندان ہی متاثر ہوتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے ان کی زندگی سے کسی فائدہ نہیں ہوتا ہے نہ موت سے نقصان اس کے برعکس کچھ برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں کہ ان کا وجود مخلوق خدا خصوصاً بنی نوع انسان کے لئے سراسر رحمت خداوندی ہوتا ہے اور ان کا وصال ایک جہان کے لئے باعث حزن و ملال! تاریخ شاہد ہے ایسے انسان وہی ہوتے ہیں جن کے دل میں خصوصاً امت محمدیہ کی فلاح و بہبود کی سچی تڑپ ہوتی ہے ان کی وفات پر زمین و آسمان اور کائنات کا ذرہ ذرہ ماتم کناں ہوتا ہے ان کی مسند خالی ہونے سے ایک طبقہ یتیم ہو جاتا ہے۔

حضرت الحاج مولانا السید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ ایسے ہی عظیم رجال میں سے تھے ان کے وصال سے ایک گھر یا ایک خاندان ہی متاثر نہیں ہوا بلکہ مسند علم دین خالی ہو گئی حضرت سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ کا باغ اجڑ گیا۔ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کا دار التفسیر، دار الحدیث، جامع مسجد کا محراب، حلقہ درس گاہیں، مجلس تحفظ ختم نبوت کا مرکز، وفاق المدارس العربیہ سب اس مردِ جلیل کے لئے غم کے آنسوں بہا رہے ہیں معارف السنن پکار پکار کر کہہ رہی ہے مجھے روشناس کرانے والا مجھ سے بچھڑ گیا غرض حضرت بنوری کے وصال پر نہ صرف اہل پاکستان بلکہ عرب و عجم کے بیسیوں ممالک خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ یوں تو طبقہ دیوبند میں علماء حق کثر اللہ سوادھم کی کمی نہیں آج بھی ایک سے بڑھ کر دوسرا موتی موجود ہے لیکن اگر میں یہ کہوں کہ حضرت نانوتویؒ کے تقویٰ و توکل کی مجسم و مکمل تصویر یا تفسیر حضرت بنوری تھے تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ دار العلوم کے قیام کے بعد حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ نے دار العلوم کی بقاء کے لئے جو زرین اصول تحریر فرمائے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت بنوری مرحوم میں پورے موجود تھے اور ان پر عمل تھا مدرسہ عربیہ سب اللہ کے توکل اور ارباب خیر کی امداد سے ہی گاڑی چلا رہے ہیں لیکن ایسا کوئی ادارہ ہمارے سامنے نہیں جس کے پاس ایک سال کے اخراجات آگئے ہوں تو وہ آگے لینے سے انکار کر دے یا کسی مدرسہ یا ادارے کو کوئی مکان، دکان یا زمین وقف کی صورت میں ملے جس سے کچھ مستقل آمدنی کے ذرائع ہو سکتے ہوں اور وہ ادارہ اس کا انکار کر دے۔ حضرت نانوتویؒ نے صاف تحریر فرمایا "اگر دار العلوم کی مستقل آمدن کے ذرائع اختیار کئے گئے تو یوں لگتا ہے کہ امداد خداوندی کے دروازے بند ہو جائیں گے" او کما قال۔ اس سنت پر عمل پیرا ہم حضرت بنوری کو دیکھتے ہیں بارہا مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک صاحب خطیر رقم لیکر حاضر ہوئے لیکن حضرت مرحوم نے صاف ارشاد فرمایا "ہمارے پاس ایک سال کے اخراجات اللہ نے بھیج دیئے ہیں اس سے آگے میرے پاس حفاظت کا سامان نہیں یہ لے جائیے اور کسی اور مستحق کو تلاش کر کے دیدیجئے"۔ صدقات واجبہ میں تملیک شرط ہے اور شریعت نے بوقت ضرورت حیلہ کی صورتیں بھی ارشاد فرما دیں۔ اور اکثر مدارس بوجہ مجبوری ان حیلوں سے بھی کام لیتے ہیں لیکن مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کے در و دیوار شاہد ہیں کہ حضرت بنوری مرحوم ان حیلوں سے کام بھی نہیں لیتے تھے قرض لینا اور ادا کرنا اس کی ساری صورتیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت مقدسہ میں موجود ہیں لیکن قرض میں ایک حساس آدمی تنگی محسوس کرتا ہے حضرت مرحوم نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا صدقات واجبہ کے فنڈ سے قرض لے کر وقتی طور پر دوسرا کام چلا لیا جائے آپ کے سامنے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہر وقت رہتا تھا جب ایک عید کے موقع پر فاطمہ بنت عبد الملک (آپ کی اہلیہ)

نے بچوں کے کپڑوں کے لئے درخواست کی کہ ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے کر بچوں کے کپڑے بنا لیجئے۔ خلیفہ حق نے جب محافظ بیت المال سے کہا تو اس سعید انسان نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے ایک سوال بھی کر دیا "امیر المومنین اگلے ماہ تک آپ اپنے زندہ رہنے کا یقین دلا دیجئے" خلیفہ صادق فوراً رو دیتا ہے اور اپنے حرم سرا میں تشریف لاکر فرماتا ہے مجھے اگلے ماہ تک زندہ رہنے کا کیسے یقین ہے کہ میں وظیفہ پیشگی وصول کر لوں۔ وہی پرانے کپڑے دھو کر بچوں کو پہنا دینا" حضرت بنوری کا یہی نظریہ تھا کہ قرض سے گھبراتے تھے فرماتے تھے ایک دفعہ امتحان آگیا۔ عطیات کی رقم ختم ہوگئی ہمارے مجاز مشاہرہ جات نے صدقات واجبہ سے رقم بطور قرض لے کر مدرسین اور عملہ کو تنخواہیں دے دیں۔ مجھے یہ بات بہت ہی ناگوار گزری۔ میں نے سارے عملے کو جمع کیا اور صاف کہا کہ اس وقت میرے پاس عطیات میں سے کچھ نہیں اور صدقات واجبہ سے حیلہ کر کے تمہارے مشاہرات ادا کرنے کو دل نہیں مانتا۔ نہ جانے یہ صورت حال کب تک رہے لہذا میں سب حضرات سے کہتا ہوں اگر متوکلاً علی اللہ آپ انتظام تک کام کرتے رہیں تو آپ کی عنایت ورنہ سب کو بطیب خاطر اجازت دیتا ہوں آپ چھٹی کریں میں مدرسہ بند کر دیتا ہوں میری اس بات کو سن کر سوائے ایک آدمی کے سب نے کہا کہ ہم کام کریں گے اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ میں نے اگلے ماہ کہیں نہ کہیں سے انتظام کر کے نصف نصف تنخواہ سب کو دے دی اور یہ سلسلہ تقریباً ۹ ماہ تک چلا گیا یہ ایک امتحان تھا۔ اللہ نے ہم سب کو ثابت قدم رکھا اس کے بعد ایک سندھی میرے پاس آئے اور سلام کے بعد مجھے کہتے ہیں مولانا، آپ کے عملے کی کچھ پگھار (تنخواہ) باقی ہے میں نے صرف اتنا کہا کہ باقی ہے۔ وہ چلا گیا۔ اگلے روز وہ پھر آیا اور ایک بڑے لفافے میں ایک خطیر رقم میرے حوالے کرتے ہوئے کہنے لگا یہ زکوٰۃ نہیں ہے عطیہ ہے آپ مدرسین وغیرہ کی پگھار ادا کر دیں اور وہ فوراً چلا گیا میں نے سارے عملے کو جمع کیا۔ ۹ ماہ کا بقایا سب کو ادا کر دیا اور تقریباً وہ روپیہ ختم ہو گیا" میں سمجھتا ہوں وہ آنے والا بظاہر ایک سندھی تھا لیکن درحقیقت وہ ایک مرد از رجال غیب تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مرحوم کے توکل کی بنا پر بھیجا۔ مرحوم نے فرمایا جب نیو ٹاؤن میں مدرسہ عربیہ نے کام شروع کیا تو میں نے دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے وقت رو رو کر دعا کی اے اللہ! میں تیرا کمزور بندہ ہوں اپنے زاد راہ کے لئے اپنے اوپر قرض سمجھتے ہوئے تیرے دین کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوا ہوں میرے لئے ایسے وسائل پیدا کر دے کہ ہر وہ چیز یا کام جس میں مجھے شک یا تردد ہو اس سے محفوظ رہوں میری زندگی میری موت سب کچھ تیرے قبضہ میں ہے جس کا مجھے قطعاً علم نہیں آپ ہی میرے کھیون ہار ہیں میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے بعد ایک قلبی سکون میسر ہوا اور سوائے ایک امتحان کے کبھی بھی پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ مدرسہ عربیہ میں طلبہ کو کھانا تیار کر کے نہیں دیا جاتا بلکہ سب طلبہ کو نقد ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا باورچی اور باورچی خانہ وغیرہ مدرسہ کے ذمہ ہوتا ہے طلبہ خرچ کے مطابق اپنے وظائف سے روپیہ جمع کر کے باورچی کے ذمہ کر دیتے اور کھانا تیار ہو جاتا اور یہ روپیہ جو طلبہ کو دیا جاتا ہے وہ صدقات واجبہ سے ہوتا ہے اور ہر سال ایک تخمینہ خرچ کا بنا لیا جاتا ہے۔ اخراجات تعمیری ہوں۔ یا کتب خانہ سے متعلق ہوں۔ مدرسین کی تنخواہیں ہوں یا طلبہ کے وظائف ہوں۔ جب تخمینہ کے مطابق روپیہ جملہ مدات کا اللہ تعالیٰ نے دیدیا آگے لینا بند کر دیا یقیناً اس کی مثال کم از کم پاکستان میں عنقا ہے۔

مولانا لعل حسین رح کی وفات کے بعد عبوری دور کے لئے مولانا محمد حیات فاتح قادیان کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا امیر بنایا گیا پھر متفقہ طور پر شوریٰ نے حضرت بنوری سے درخواست کی ہر چند آپ نے اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن شوریٰ کے اصرار پر منظور فرما لیا۔ نائب امیر مخدوم العلماء حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں حضرت کے ارشاد سے مقرر ہوئے۔ جب پہلی بار ہی مرکزی دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں تشریف لائے تو وہ دفتر جس کو مولانا محمد علی مرحوم نے اپنی پوری صلاحیتوں سے تعمیر کروایا تھا مبلغین وارادین صادرین کی جملہ ضروریات کے علاوہ کتب خانہ، اجلاس کے لئے ہال، وضو اور جائے ضرورت وغیرہ کے جملہ سامان موجود تھے حضرت بنوری نے آتے ہی فرمایا کہ اس دفتر میں ایک بڑا نقص ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جہاں جہاں تشریف لے گئے سب سے پہلے وہاں مسجد بنائی۔ جہاں مسجد نہ ہو وہاں کے مکین مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہتے ہیں اور اکثر وقت بے وقت نمازیں ان کی ہوتی ہیں نتیجۃً علاوہ محرومی ثواب کے شماتت اعداء کا بھی نشانہ بنتے ہیں اس وقت مجلس تحفظ ختم نبوت کا محفوظ سرمایہ ایک لاکھ سے زائد موجود تھا حکم دیا کہ اس کو نکلوا دو فوراً کوئی جگہ تلاش کرو جس میں علاوہ دفتر کے شایان شان مسجد تعمیر ہو۔ مولانا محمد شریف جالندھری وغیرہ نے آہستہ سے کہا اتنے اخراجات کا ادارہ متحمل نہیں ہو گا چہرہ پر جلال کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا۔ مولانا آپ کام شروع کریں۔ اخراجات کی فکر نہ کریں "میرے ہاتھ قدرت کے خزانوں میں ہیں ان شاء اللہ سب کام ہو جائیں گے" چنانچہ محفوظ سرمایہ سے ملتان میں ایک وسیع و عریض قطعہ زمین خرید لیا گیا اس کا نقشہ اپنی نگرانی میں بنوایا۔ اس کے علاوہ اسلام آباد میں پچھلے سال ایک لاکھ کچھ ہزار سے دفتر خریدا۔ ربوہ میں ۹ کنال زمین حاصل کی وہاں کا نقشہ تیار کروایا۔ اور اپنے انتقال سے پہلے ۲۰ لاکھ سے زائد سرمایہ ادارہ کو فراہم کر کے دے گئے ہر جگہ الحمد للہ حسب ہدایت کام ہو رہا ہے اب ہمیں یقین ہوا کہ واقعی آپ کا ہاتھ قدرت کے خزانوں پر تھا آپ کا خیال تھا کہ اسلام آباد میں شایان شان ایک وسیع دفتر بنایا جائے لیکن زندگی نے مہلت نہ دی۔ آپ کے امیر تحفظ ختم نبوت ہونے کے تھوڑا عرصہ بعد ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کراچی سے آنے والے نہتے طلبہ پر ربوہ اسٹیشن سے گزرتے ہوئے قادیانی غنڈوں نے حملہ کر کے

بہتوں کو زخمی کر دیا جس سے ملک کے طول و عرض میں آگ بھڑک اٹھی حضرت بنوری ان دنوں کسی نجی کام کے سلسلہ میں سوات تشریف فرما تھے راولپنڈی سے دو آدمی وہاں گئے سارا واقعہ عرض کیا اور منظم طریقہ سے اس فتنہ مرتدہ کے خلاف کارروائی کا مشورہ ہوا حضرت راولپنڈی تشریف لائے ۔ ۷ رجون کو وہیں سے چند احباب کو ٹیلیفون اور ٹیلی گرام کے ذریعہ اطلاع دی کہ کل مشورہ کے لئے پنڈی پہنچیں مولانا تاج محمود، مفتی زین العابدین اور حکیم عبدالرحیم اشرف لائلپور سے آرہے تھے اس وقت کے کمشنر راولپنڈی نے ان کو لالہ موسیٰ سے گرفتار کرا کر ۲۴ گھنٹے ادھر ادھر گھما کر واپس لائلپور بھجوا دیا ۸ رجون کو میٹنگ نہ ہو سکی حضرت نے فوری طور پر ۱۵ رجون کے لئے دعوت نامے ہر مکتب فکر کے حضرات کو بھیجے کہ آپ لوگ لائلپور پہنچیں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ کے چیدہ چیدہ حضرات تاریخ مقررہ پر پہنچ گئے۔

وہاں مجلس عمل بنائی گئی بالاتفاق حضرت بنوری مرحوم کو صدر اور مولانا محمود احمد صاحب رضوی کو ناظم مقرر کیا گیا حضرت مرحوم نے مجلس تحفظ ختم نبوت والوں کو حکم دیا کہ یہ کام طویل ہوگا نہ جانے کہاں کہاں اجلاس اور مشورے ہوں اس کے علاوہ اس راہ میں اور بھی صعوبتیں متوقع ہے جبکہ حکومت وقت کی نیت صاف نہیں اور وہ مرزائیوں کی باقاعدہ پشت پناہی کر رہی ہے لہذا ارکان مجلس عمل کے جس قدر اخراجات ہوں وہ مجلس تحفظ ختم نبوت برداشت کرے بعض احباب نے کہا حضرت یہ کام سب کا مشترک ہے ناموس رسالت پر سب مرمٹنے کے لئے تیار ہیں اور ہر مکتب فکر کے ادارے اور ذرائع موجود ہیں مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے یہ بوجھ ناقابل برداشت ہوگا اس کے جواب میں حضرت کا ارشاد تھا کہ ہر مکاتب فکر والے اپنے اپنے مخصوص امور کے لئے فراہمی کرتے ہیں لیکن مجلس تحفظ ختم نبوت والوں نے تو اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کر رکھی ہیں اور فراہمی زر بھی اسی مقصد کے لئے ہوتی ہے لہذا یہ اخراجات بھی مجلس ہی برداشت کرے گی اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوگی یہ سب کچھ ہو رہے گا۔ چنانچہ تین ماہ کے عرصہ میں اسّی ہزار روپیہ جماعت نے خرچ کیا۔ اللہ کے فضل اور حضرت کی دعاؤں اور کوششوں کا صدقہ کوئی بھی بوجھ محسوس نہ ہوا آخر اس مرد جلیل کا خلوص اور جملہ مسلمانان پاکستان کی دعاؤں اور قربانیوں کے نتیجہ میں حکومت وقت بھی مجبور ہو گئی۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانی امت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا۔

گو ابھی کافی کام باقی ہے لیکن وہ بھی جلدی پورا ہو جائے گا اس کے بعد معاً حضرت مرحوم مع چند رفقاء کے افریقی اور یورپی ممالک کے دورے پر تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہاں سادہ لوح مسلمانوں میں مرزائی بہت پھیلے ہوئے تھے اور ان کو مرتد بنایا جا رہا تھا۔ حضرت کے اس دورہ کے نتائج میں ایک لاکھ سے زائد مرزائیوں کا از سر نو اسلام قبول کرنا آپ کی نجات کے لئے کافی و وافی ہے حضرت بنوری کے حالات اس قدر غیر معمولی ہیں کہ ان کے لئے دفتروں کی ضرورت ہے انشاء اللہ بہت جلد ان میں سے اکثر عوام کے سامنے کتابی شکل میں آنے والے ہیں۔

آخر میں ایک واقعہ ضروری سپرد قلم کرنا چاہتا ہوں ۱۹۳۰ء میں جامع مسجد خدام الدین (شیرانوالہ گیٹ) میں علماء کا ایک مثالی اجتماع ہوا جس میں علاوہ دوسرے اکابر کے حضرت استاذ الاساتذہ علامہ سید محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ بھی تشریف لائے تھے شاہ صاحب کے متعلق سب کو معلوم تھا کہ ختم بخاری کے موقع پر دارالعلوم دیوبند میں اپنے شاگردوں کو خصوصی نصائح کے وقت فتنہ قادیانیہ کی سرکوبی کے لئے تاکیداً فرماتے تھے اور علامہ اقبال مرحوم نے مرزائیت کی حقیقت کو حضرت شاہ صاحب سے ہی سمجھا اور آخر وقت تک وہ اس کے خلاف جہاد کرتے رہے اس جلسہ میں حضرت مولانا السید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی خطاب فرمایا حضرت علامہ سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بخاری صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور امیر شریعت کا خطاب عطا فرمایا حضرت استاد کی اقتداء میں پانچ صد جید علماء کرام نے حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور عطاء شدہ لقب کی تصدیق فرمائی۔ ایک ولی کے منہ سے نکلا ہوا خطاب حضرت بخاری کا جزو اسم بن گیا۔ مولانا بنوری بھی اس اخلاص کی بنا پر ہمیشہ اس طرح پیش آتے تھے جیسے مرید اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے ادھر یہ حال تھا تو ادھر امیر شریعت کی آنکھیں کیسے دیکھتی تھیں ایک موقع پر وفاق المدارس العربیہ کی میٹنگ ملتان میں حضرت بنوری بحیثیت صدر وفاق تشریف لائے حضرت امیر شریعت اس زمانہ میں صاحب فراش اپنے گھر میں ہی تھے مولانا بنوری عیادت کے لئے شاہ صاحب کے مکان پر پہنچے تو امیر شریعت نے اٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ مولانا کے رخساروں پر رکھے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر خاموشی سے دیکھ رہے ہیں مولانا نے خیال فرمایا شاید بیماری کی وجہ سے پہچان نہیں سکے فرمایا! بنوری ہوں نا امیر شریعت نے کہا "نہیں"، مولانا نے پھر فرمایا محمد یوسف بنوری، شاہ صاحب نے زور دے کر فرمایا "نہیں۔ نہیں" سید محمد انور شاہ کاشمیری، یہ فرما کر رونا شروع کر دیا اور محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات دیر تک بیان فرماتے رہے اور سنتے رہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت بنوری کو صحیح طریقہ سے سید عطاء اللہ بخاری جیسی برگزیدہ ہستیاں ہی پہچان سکتی تھیں یا ان کے قدر دان مولانا عزیز گل امیر مالٹا ہیں، ادھر مولانا شمس الحق افغانی اور ساتھ ہی مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے سچی بات ہے مولانا بنوری کی رحلت سے وہ خلا پیدا ہو چکا ہے جس کا پر ہونا محال ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کے جملہ تلامذہ اور متعلقین و متوسلین کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہو تاکہ حضرت کی روح مسرور رہے نیز اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام ارفع نصیب فرمائے اور ہم ناکاروں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے (آمین) ۔

آپ صوبہ سرحد کے رہنے والے اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کے ان شاگردوں میں سے ہیں جنہیں حضرت شاہصاحب کے علوم و فیوض کا امین کہا جا سکتا ہے۔ ان کا علم امانت تک ہی نہیں رہا۔ بلکہ انھوں نے صحیح معنی میں شاہصاحب کے علم دین کی تبلیغ و اشاعت کی ہے۔ جہاں علمی اور ادبی دنیا میں ان کا ایک خاص مقام ہے وہیں عربی فارسی زبان و محاورے پر اعلیٰ درجے کا عبور ہے۔ عربی، فارسی زبان کو مادری زبان کی طرح روانی اور برجستگی سے بولتے اور پڑھاتے ہیں۔ تقریر ہو یا تحریر، تدریس ہو یا انشاپردازی آپ کے لیے کوئی راستہ محدود نہیں۔ آپ نے عراق، شام، بیروت، حجاز اور مصر وغیرہ کے سفر بھی کیے، مصر میں علمار دیوبند کا تعارف سب سے پہلے آپ ہی نے کرایا تھا اور وہاں کے جرائد میں مضامین لکھ کر اور مختلف مقامات پر تقریر کرکے اہل مصر پر یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان میں بھی علم و ادب اور فکر و انشا کے اساتذہ موجود ہیں۔

جب مصر میں علامہ طنطاوی سے ان کی گفتگو ہوئی اور تنقید و تبصرے تک بات پہنچی تو مصنف تفسیر طنطاوی" نے کئی مقامات پر ان کے علم کا اعتراف کیا اور استاد کے لقب سے یاد کیا۔

کراچی میں جب آپ پہنچے تو آپ نے اپنے اسلاف کے قدم پر نیوٹاؤن میں بے سرو سامانی کے ساتھ تعلیم دینا شروع کیا اور صلہ فقر و فاقہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ فاقوں کے مرحلوں سے گذرے اور تقسیم علم کی کوشش سے رشتہ نہ توڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ دارالعلوم کئی لاکھ کی عمارت ہے۔ جس میں پندرہ بیس دیگر اساتذہ بھی تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنّف و مؤلف بھی ہیں اور ان میں ترمذی شریف کی شرح اپنے معیار کے اعتبار سے اور طرز ادا کے لحاظ سے بے نظیر کتاب ہے۔ خدا ان کے دینی عزائم اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین (افسوس کہ احسان دانش صاحب کی طرح لاتعداد دوسرے بندگان خدا کی دعاؤں کے باوصف وہ مرد عظیم اپنی عمر طبعی پوری کرکے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ و تغمدہ اللہ بغفرانہ" مدیر)

جہان دانش جلد دوم (غیر مطبوعہ) کا ایک ورق۔
ماخوذ از ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۵۰۰-۵۰۱

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ـــ عظیم شخصیت

مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری

****

انسان کی سیرت و کردار کی عظمت اس کی زندگی کے عظیم کارناموں پر منحصر نہیں، ایک عظیم انسان کی زندگی کے معمولی واقعات بھی اس کی عظمت و رفعتِ مقام کی غمازی کرتے ہیں۔

قیامِ پاکستان سے پہلے مجھے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ ملاقات حاصل نہ تھا۔ میں ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیو بند پہنچا۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے دارالعلوم ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے جا چکے تھے میرے رفیقِ مرحوم حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ نے دورۂ حدیث ڈابھیل میں پڑھا تھا۔ آپ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے۔ حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہید مبلغِ تنظیم بھی حضرت قریشی کے ڈابھیل میں ہمدرس تھے۔

کسی سلسلہ میں حضرت قریشی صاحب علیہ الرحمۃ اور میں کراچی گئے۔ قیام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تھا۔ یہ وہ ایام تھے جب مدرسہ اور مسجد زیرِ تعمیر تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بنفسِ نفیس ہمیں تعمیرات دکھلائیں۔ وضو کی جگہ بن رہی تھی، مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت نے ہمیں وہ دکھلاتے ہوئے بتلایا کہ یہ دیکھیے مستعمل پانی کے اخراج کے لیے میں نے یہ جدت کی ہے کہ پانی ظاہر ہو کر نالی میں سے نہ گذرے بلکہ بیٹھنے کی جگہ کے نیچے سے پانی کو گذارا گیا ہے اور یہ تعمیر میں نے اس لیے تکلفاً کرائی ہے تاکہ ماءِ مستعمل میں وضو کرنے والوں کا منہ اور ناک کا بلغم دوسرے وضو کرنے والوں کی کراہتِ طبع کا سبب نہ بن سکے۔

یہ بات جو بظاہر معمولی بات ہے درحقیقت بہت بڑی بات ہے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کی عظمت اور طبعی نفاست و نزہت پر دلالت کرتی ہے۔

آج ہمارے معاشرہ میں جہاں بھائی بھائی کا خون ہی نہیں پی رہا، گوشت ہی نہیں کھا رہا بلکہ ہڈیاں بھی چچوڑ رہا ہے اور اسے ذرا بھی گھن نہیں آتی، کیا یہ کوئی معمولی کردار ہے؟ کہ ایک انسان اس بات تک کا اہتمام کرتا ہے کہ ایک وضو کرنے والے کا بلغم دوسرے وضو کرنے والے کی گرانی اور تکدرِ طبع کا موجب نہ ہو۔

اب ایک دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو:۔

میں انہی دنوں میں "نبیؐ و صدیقؓ" کا مسودہ قریباً تیار کر چکا تھا اور اس کا نام سوچ رہا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے موضوع و مندرجات کے پیشِ نظر اس کا نام "الوحدۃ فی الاثنین" تھا، میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے موضوع و مضامین کا تذکرہ کر کے درخواست کی کہ میری اس تالیف کا نام آپ تجویز فرمائیں!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فی الفور کوئی نام تجویز کرنے سے معذرت کرتے ہوئے وعدہ فرمایا کہ میں سوچ کر نام تجویز کروں گا اور آپ کو اطلاع دوں گا۔

میں ماحول کے پیشِ نظر "آپ کو اطلاع دوں گا" کو ایک تکلف سمجھا اور ٹال دینے کی ایک بزرگانہ اور حسین تعبیر

مگر میری غلط فہمی کا پردہ چاک ہو گیا اور میں وقف حیرت ہو کر رہ گیا جب حضرت نے فوراً مجھے ملتان مکتوب ارسال فرمایا جس میں ارشاد تھا کہ میں "بنیؐ و صدیقؓ" نام تجویز کرتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور "الوحدت فی الاثنین" کی بجائے حضرت کا تجویز فرمودہ نام "بنیؐ و صدیقؓ" رکھا۔

بظاہر یہ بھی ایک معمولی سی بات ہے مگر درحقیقت یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔ ہر چیز کی قیمت ماحول کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جب ہمارا ماحول یہ ہو کہ بڑے بڑے جغادری اور دین کے ٹھیکیدار قسم کے مسلمان قرآن کریم پر عہد لکھ کر دیں، اور ابھی اس کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی ہو کہ اس عہد و میثاق سے منحرف ہو جائیں، اس ماحول میں ایک ایسے آدمی سے جس سے کوئی خاص جان پہچان نہیں، ایک برائے نام وعدہ کرنا اور پھر اس کو اس تکلف و اہتمام سے ایفا کرنا معمولی بات نہیں۔

یہ ایک عظیم انسان کے عظیم کردار و اخلاق کی ایک جھلک ہے جس کی زندگی پر اس رسولِ معصوم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک کا سایہ ہے جس کی حدیثِ پاک پڑھتے پڑھاتے میں آپ کی پوری زندگی گزری۔

اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں اس عظیم انسان کے مزارِ اقدس پر، اللہ ان کی قبر کو ٹھنڈا اور منور رکھے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے! آمین ثم آمین۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ محلہ درس والا چوہڑ کانہ منڈی

ضلع شیخوپورہ کی معروف معیاری دینی درس گاہ ہے۔ جہاں ۲۵ طلبہ و طالبات ۶ محنتی اساتذہ سے حفظ و ناظرہ قرآن مجید اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

محنتی طلبہ کا داخلہ جاری ہے!

سالانہ بجٹ تیس ہزار روپیہ ہے۔ مخیر حضرات تعمیر و تعلیم کے لیے دل کھول کر تعاون فرمائیں۔

الداعی

(مولانا) محمد یعقوب ربانی مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ
محلہ درس والا — چوہڑ کانہ منڈی — ضلع شیخوپورہ

خواتین کا حج و عمرہ "رہنمائے حجاج" جیسی مقبول خاص و عام کتاب کے مؤلف مولانا خلیل الرحمٰن صاحب نعمانی کی

اپنے موضوع پر پہلی، مفید اور ضروری تالیف۔
● حج و عمرہ کے مناسک کے متعلق عورتوں کے مسائل کا نادر مجموعہ ● ہر پڑھی لکھی مسلمان خاتون کے لیے رہبر و رہنما ● یہ کتاب بلا شبہ دنیا کی تمام زبانوں میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے ● اس کی ضرورت اور خوبیاں مطالعہ کے بعد ہی واضح ہوتی ہیں ● حج و عمرہ کی شائق ہر خاتون کے لیے ایک ناگزیر تالیف ● سہل و آسان زبان، آفسٹ کی عمدہ طباعت ● واجبی قیمت -/۶

خزینۂ رحمت مؤلفہ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی

درود شریف کے فضائل و مسائل اور خواص و فوائد پر ضخیم و مفصل کتابوں کا قابل قدر خلاصہ!
درود شریف پڑھنے کے فوائد، نہ پڑھنے کی وعیدیں اور ضروری آداب و قواعد کا بیان، درود شریف کے چالیس سے زائد کلمات اور صیغے۔ غرض "کوزہ میں دریا بند" کی مثال۔ خود مطالعہ کرنے اور احباب کو تحفہ دینے کے قابل کتاب!

آفسٹ کی طباعت، صفحات ۶۴، ہدیہ ۲/۴۵

کتاب الزکوٰۃ تالیف مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔
زیر نظر کتاب میں اس موضوع کے اہم ابواب کے ضروری مسائل عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب صاحب نصاب اور اہل ثروت مسلمانوں کے لیے دینی رہنما ہے۔ اس کتاب میں زکوٰۃ کا نصاب، واجب ہونے کی شرائط اور مستحقین زکوٰۃ وغیرہ جملہ ضروری مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔

آفسٹ طباعت صفحات ۸۰، قیمت ۲/۲۵

منور نعتیں (جناب منور بدایونی) کا سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں انوکھا گلدستہ!! اور جناب منور بدایونی کے عشق رسالت میں ڈوبے ہوئے سوز و گداز کا قیمتی مجموعہ! ہر مسلمان کے دل میں حبِ رسولؐ کی آتش کو فروزاں رکھنے والے جذبات کا آئینہ، بیش قیمت جذبات، سادہ الفاظ آپ پڑھیں گے تو جھوم اٹھیں گے۔

عمدہ کتابت و طباعت، صفحات ۱۱۲، ہدیہ -/۳ روپے

ناشر

اقبال بک ہاؤس پریڈی اسٹریٹ صدر کراچی ۳

آہ! حضرت بنوریؒ

************ مولانا محمد تقی عثمانی ************

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی دلنواز، ایسی حیات افروز، ایسی باغ و بہار اور ایسی بھاری بھرکم شخصیت تھی کہ اس کی خصوصیات کا ایک مختصر مضمون میں سمانا مشکل ہے۔ ان کی ذات اپنے شیخ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی مجسم یادگار تھی۔ علم حدیث تو خیر ان کا خاص موضوع تھا جس میں اس وقت ان کا ثانی ملنا مشکل تھا لیکن اپنے شیخ کی طرح وہ ہر علم و فن میں معلومات کا خزانہ تھے، ان کی قوتِ حافظہ، ان کی وسعتِ مطالعہ، ان کا ذوق کتب بینی، ان کی عربی تقریر و تحریر ان کا پاکیزہ شعری مذاق، اکابر و اسلاف کے تذکروں سے ان کا شغف علماء دیوبند کے ٹھیٹھ مسلک پر تصلب کے ساتھ ان کی وسعت نظر اور رواداری، دین کے لئے ان کا جذبۂ اخلاص وللہیت ، اندازِ زندگی میں نفاست، سادگی اور بے تکلفی کا امتزاج، ان کا ذوقِ مہمان نوازی، ان کی باغ و بہار علمی مجلسیں، ان کے عالمانہ لطائف و ظرائف، ان میں سے کون سی ایسی چیز ہے جسے بھلایا جا سکتا ہو؟

دنیا کا تجربہ شاہد ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے "پیش مردے کاملے پامال شو" پر عمل کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو مقام بلند نصیب فرمایا وہ ان کی ذہانت و ذکاوت اور علمی استعداد سے زیادہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے فیضِ نظر کا نتیجہ تھا انہوں نے تحصیل علم کے لیے کسی ایک مدرسے میں صرف کتابیں پڑھ لینے اور ضابطہ کی سند حاصل کر لینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے اساتذہ کی خدمت و صحبت سے استفادہ کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ وہ ایک ایسے وقت دارالعلوم دیوبند پہنچے تھے جب وہاں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسے آفتاب و ماہتاب مصروفِ تدریس تھے۔ حضرت مولانا بنوریؒ اپنے تمام ہی اساتذہ کے منظورِ نظر رہے لیکن امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو جو خصوصی تعلق رہا اس کی مثال شاید حضرت شاہ صاحب کے دوسرے تلامذہ میں نہ ملے۔ مولانا مرحوم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت و صحبت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا، چنانچہ وہ ایک عرصہ تک سفر و حضر میں اپنے شیخ کی نہ صرف معیت سے مستفید ہوتے رہے، بلکہ ان کی خدمت اور اس سے علمی و روحانی استفادے کی خاطر مولاناؒ نے نہ جانے کتنے مادی اور دنیوی مفادات کی قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، ان کے پیش نظر اگر وہ چاہتے تو تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد نہایت خوشحال زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت اور علمی مذاق کی تسکین پر ہر دوسرے فائدے کو قربان کر دیا۔ اور یہ بات خود انہوں نے احقر کو سنائی تھی کہ "جب میرا نکاح ہوا تو بدن کے جوڑے کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہ تھا"

علم و دین کے لیے مولاناؒ کی یہ قربانیاں بالآخر رنگ لائیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظرِ عنایت نے علمی رسوخ کے ساتھ ساتھ ان میں للّٰہیت اور اخلاص عمل کے فضائل کی آبیاری کی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دین کے خدام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت محبوبیت اور ہر دلعزیزی کا وہ مقام بخشا جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کے اساتذہ، ان کے ہم عصر اور ان کے چھوٹے، تقریباً سب، ان کے علمی مقام اور ان کی للّٰہیت کے معترف رہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ جیسے مردم شناس بزرگ کی خدمت میں مولاناؒ کی حاضری تین چار مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوئی، لیکن انہی تین چار ملاقاتوں کے بعد حضرت تھانویؒ نے ان کو اپنا مجازِ صحبت قرار دے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس دور میں علمی و دینی خدمات کے لیے نہ صرف چن لیا تھا، بلکہ ان کے کاموں میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی۔ ان کے علم و فضل کا سب سے بڑا شاہکار ان کی جامع ترمذیؒ کی شرح "معارف السنن" ہے جو تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور چھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ چونکہ پچھلے سات سال سے دارالعلوم کراچی میں جامع ترمذیؒ کا درس احقر کے سپرد ہے، اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ مولاناؒ کی اس کتاب کے مطالعے کا خوب موقع ملا ہے

اور اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ احقر کو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ لہٰذا اس میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے محدثانہ مذاق کی جھلک کسی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے تو وہ معارف السنن ہے۔ افسوس ہے کہ علم و فضل کا یہ خزانہ تشنۂ تکمیل رہے گا اور کتاب الحج کے بعد اس کی تصنیف آگے نہ بڑھ سکی، احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ جانے کتنی بار مولاناؒ سے اس کی تکمیل کی طرف توجہ دینے کی خواہش ظاہر فرمائی، لیکن مولاناؒ کی مصروفیات اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ وہ اس خواہش کو پورا نہ فرما سکے۔ اب اول تو اس کی تکمیل کی ہمت کون کرے؟ اور اگر کوئی کرے بھی تو حضرت شاہ صاحبؒ کا وہ فیضانِ علمی اور حضرت مولانا بنوریؒ کا وہ اسلوبِ بیان کہاں سے لائے؟

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو عربی تقریر و تحریر کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا وہ اہل عجم میں شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے، خاص طور سے ان کی عربی تحریریں اتنی بے ساختہ، سلیس، رواں اور شگفتہ ہیں کہ ان کے فقرے فقرے پر ذوقِ سلیم کو حظ ملتا ہے، اور ان میں قدیم و جدید اسالیب اس طرح جمع ہو کر یک جان ہو گئے ہیں کہ پڑھنے والا جزالت اور سلاست دونوں کا لطف ساتھ ساتھ محسوس کرتا ہے۔ مولاناؒ کی تحریروں میں اہل زبان کے محاورات، ضرب الامثال اور استعارے ایسی بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ بہت سے عربوں کی تحریروں میں بھی یہ بات نہیں ملتی۔ "نفحۃ العنبر" تو ایک طرح سے خالص ادبی تصنیف ہے۔ لیکن "معارف السنن" اور "یتیمۃ البیان" جیسی ٹھوس علمی اور تحقیقی تصانیف میں بھی ادب کی چاشنی اس انداز سے رچی بسی ہوئی ہے کہ وہ نہایت دلچسپ اور شگفتہ کتابیں بن گئی ہیں۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حق کے معاملے میں غیرت و شدت کا خاص وصف عطا فرمایا تھا، وہ اپنی انفرادی زندگی اور عام برتاؤ میں جتنے نرم خلیق اور شگفتہ تھے، باطل نظریات کے بارے میں اتنے ہی شمشیر برہنہ تھے اور اس معاملہ میں نہ کسی مداہنت یا نرم گوشے کے روادار تھے، اور نہ مصالح کو اہمیت دیتے تھے۔ بعض اوقات ان کی تحریر یا تقریر کے بارے میں یہ شبہ گزرتا تھا کہ شاید یہ عام دینی مصالح کے خلاف ہو، لیکن چونکہ ان کے اقدامات کا محرک للّٰہیت اور اخلاص کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اقدامات ہی برکت عطا فرماتے، ان کے بہتر نتائج ظاہر تے، اور "لا کھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف" کا عملی مشاہدہ ہوتا، چنانچہ باطل فرقوں اور نظریات کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ سے بڑا کام لیا، انکارِ حدیث کا فتنہ ہو یا تجدد اور قادیانیت کا، مولاناؒ ہمیشہ ان کے تعاقب میں پیش پیش رہے، اس کے علاوہ جس کسی نے بھی قرآن و سنت کی تشریح میں جمہور امت سے الگ کوئی راستہ اختیار کیا، مولاناؒ سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ اس کے نظریات پر سکوت اختیار کیا جائے، مولانا کو خاص طور سے اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ علمائے دیوبند کا مسلک کسی غلط نظریئے سے ملتبس نہ ہونے پائے اور سیاسی سطح پر کسی شخص کے ساتھ علمائے دیوبند کے اتحاد و تعاون سے یہ مطلب نہ لے لیا جائے کہ علمائے دیوبند اس شخص کے نظریات کے ہم نوا ہیں۔

جماعت اسلامی کے حضرات سے اجتماعی معاملات میں مختلف مراحل میں مختلف علماء دیوبند کا اشتراک عمل جاری رہا، بائیس دستوری نکات کی ترتیب اور تحریک ختم نبوت وغیرہ میں خود مولاناؒ نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا، لیکن جہاں تک مولانا مودودی صاحب کے نظریات کا تعلق ہے، مولاناؒ نے ان پر مفصل تنقید فرمائی، اور حال ہی میں عربی زبان میں یکے بعد دیگرے تین کتابچے تحریر فرمائے، جن میں سے دو شائع ہو چکے ہیں، اور تیسرا زیر طبع ہے۔

غرض یہ مولانا کا خاص مزاج تھا کہ وہ جمہور علمائے سلف کے خلاف کسی نظریئے کو خاموشی سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ عام مجلسوں میں بھی ان کا یہی رنگ تھا کہ غلط بات پر بروقت تنقید کر کے حق گوئی کا فریضہ نقد ادا کر دیتے تھے۔ ۱۹۶۸ء میں جب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارۂ تحقیقات کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کر کے متجددین کے آزاد اجتہاد کے لیے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اس کے لئے انداز بھی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوت اجتہادیہ میں حضرت عمرؓ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔ اس محفل میں عالم اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے۔ لیکن اس موقع پر اس بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی، وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے، انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدر محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کر کے فرمایا۔

سیدی الرئیس! ارجوکم ان تلجموا ھذا الخطیب

ارجوکم ان تلجموہ ماذا یقول؟

جنابِ صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے، براہ کرم ان کو لگام دیجئے۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

ان کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں!

مولانا کی رگ و پے میں اس بات کا یقین و اعتقاد پیوست تھا کہ اکابر علماء دیوبند اس دور میں "ما انا علیہ واصحابی" کی عملی تفسیر تھے اور ان کا فہم دین اس دور میں خیر القرون کے مزاج و مذاق سے سب سے زیادہ قریب تھا، وہ چاہتے تھے کہ اکابر دیوبند کے افکار اور ان

کے علمی و دینی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے ۔ چنانچہ جب مولانا رحؒ ایک طویل عرصے کے لئے پہلی بار حجاز اور مصر و شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو وہاں قیام کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ علماء دیوبند کی خدمات اور ان کی علمی تحقیقات سے عالم عرب کو روشناس کرایا جائے ۔ چنانچہ مولاناؒ نے علماء دیوبند اور ان کی علمی خدمات پر مفصل مضامین لکھے جو وہاں کے صفِ اول کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ۔ اور ان کے ذریعے مصر و شام کے چوٹی کے علماء مولانا بنوریؒ سے قریب آ گئے ۔ مولاناؒ نے انہیں مختلف صحبتوں میں اکابر دیوبند کے علوم سے متعارف کرایا اور کم از کم علماء کی حد تک مصر و شام میں علماء دیوبند کے کارنامے اجنبی نہیں رہے ۔

اسی دوران ایک مشہور عربی رسالے کے دفتر میں مولاناؒ کی ملاقات علامہ جوہر طنطاوی مرحوم سے ہو گئی جنکی "تفسیر الجواہر" اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے ۔ بعض لوگوں نے تو امام رازیؒ کی تفسیر کبیر پر یہ فقرہ چست کیا ہے کہ "فیہ کل شیئ الا التفسیر" (یعنی اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے) لیکن واقعہ یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے بارے میں یہ جملہ بہت بڑا ظلم ہے ۔ ہاں اگر موجودہ دور میں کسی کتاب پر یہ جملہ کسی درجے میں صادق آ سکتا ہے تو وہ علامہ طنطاوی مرحوم کی تفسیر الجواہر ہے ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب تفسیر کی نہیں، بلکہ سائنس کی کتاب ہے اور سائنس کی باتوں کو قرآن کریم سے ثابت کرنے کے شوق میں علامہ طنطاوی مرحوم نے بعض جگہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں ۔

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوریؒ کا تعارف ہوا تو انہوں نے مولاناؒ سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے ؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ "ہاں ! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہوں ۔ علامہ طنطاوی نے رائے پوچھی تو مولانا نے فرمایا ۔" آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لئے احسان عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہو گئی ہیں ۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اس لیے عموماً علمائے دین ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ۔ آپ کی کتاب علماء دین کے لئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے ۔ لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے ، اس سلسلے میں آپ کے طرز فکر سے مجھے اختلاف ہے ۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کر دیا جا سکے ۔ اور اس غرض کے لئے آپ بسا اوقات تفسیر کے مسلّمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔ حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں ، آج آپ جس نظریئے کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ، ہو سکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہو جائے ، کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات (معاذ اللہ) غلط ہو گئی !

مولاناؒ نے یہ بات ایسے مؤثر اور دلنشین انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم بڑے متاثر ہوئے اور فرمایا "ایہا الشیخ ! لست عالماً هندياً وانما انت ملک نزله الله من السماء لاصلاحی"
(مولانا ! آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں ، بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں : جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لیے نازل کیا) یہ واقعہ میں نے مولاناؒ سے بارہا سنا ، اور شاید "بینات" کے کسی شمارے میں بھی مولانا نے اسے نقل بھی کیا ہے ۔

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا بنوریؒ سے بڑی محبت تھی ، اور ان کے اخلاص و للّٰہیت اور علمی و عملی صلاحیتوں کی بڑی قدر فرماتے تھے ، اگرچہ دارالعلوم کے جلسوں میں کئی بار مولاناؒ نے تقریر کے دوران فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ میرے استاذ ہیں ، اور میں نے مقامات حریری آپ ہی سے پڑھی ہے ، لیکن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولاناؒ کے علمی و عملی کمالات کی بناء پر ان کا نہایت اکرام فرماتے تھے ، چنانچہ یہ دونوں بزرگ علمی اور اجتماعی مسائل میں ایک دوسرے سے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے ، ملاقاتیں اور مشورے تو پہلے بھی رہتے تھے ، لیکن جب سے مولاناؒ کراچی میں قیام پذیر ہوئے ، اس وقت سے تو دونوں بزرگوں کے درمیان آمد و رفت بہت بڑھ گئی تھی اس وجہ سے ہم خدام کو گذشتہ بیس سال میں حضرت مولانا بنوریؒ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور جتنا جتنا قرب بڑھتا گیا ، اسی نسبت سے مولاناؒ کی محبت و عظمت اور عقیدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولاناؒ نے جدید فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن اور دارالعلوم کراچی کے علماء پر مشتمل ایک "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" قائم فرمائی تھی جس کا اجلاس ہر ماہ دارالعلوم کورنگی یا مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن میں منعقد ہوا کرتا تھا یہ مجلس عام طور سے صبح کو شروع ہو کر شام تک جاری رہتی ، بیچ میں کھانے اور نماز کا وقفہ ہوتا ، پیچیدہ فقہی مسائل زیر بحث آتے ، کتابوں کا اجتماعی طور سے مطالعہ ہوتا ، تمام شرکاء مجلس اپنا اپنا نقطۂ نظر آزادی سے پیش کرتے ہم جیسے فرومایہ خدام بھی اپنے طالب علمانہ شبہات کھل کر پیش کرتے اور یہ بزرگ کمال شفقت کے ساتھ انہیں سنتے اور جب تک تمام شرکاء مطمئن نہ ہو جاتے ، فیصلہ نہ ہوتا ۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا بنوریؒ دونوں

کی طبیعت ان مجلسوں میں کھل جاتی تھی اور ہم خدام دونوں کے علمی افادات سے نہال ہو جاتے، اور پھر یہ مجلسیں خشک علمی مسائل تک محدود نہ تھیں، بلکہ دونوں بزرگوں کی شگفتہ مزاجی اور علمی و ادبی مذاق نے ان مجلسوں کو ایسا باغ و بہار بنا دیا تھا کہ مجلس کا دن آنے سے پہلے ہی بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کا انتظار رہتا تھا۔ علمی تحقیقات کے علاوہ یہ مجلسیں نہ جانے کتنے لطائف و ظرائف اور دلچسپ و سبق آموز واقعات سے معمور ہوتی تھیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن اکابر علمائے دیوبند کے واقعات کا خزانہ تھا، اور کوئی بھی موضوع چھڑ جائے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے بزرگوں میں سے کبھی حضرت تھانویؒ کا کبھی حضرت میاں صاحب کا، کبھی حضرت شاہ صاحبؒ کا، کبھی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا، اور کبھی کسی اور بزرگ کا کوئی واقعہ سنا دیتے اور مجلس کے لیے رہنمائی کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا، حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا کہ مجھے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شوق اس لئے لگتا ہے کہ ان کے پاس پہنچ کر اپنے بزرگوں کے نئے نئے واقعات سننے کو مل جاتے ہیں۔ ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ صاحبؒ سے جو خصوصی صحبتیں رہیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات بڑے ذوق و شوق سے باقاعدہ فرمائش کرکے سنا کرتے۔ اور سنانے والے حضرت والد صاحبؒ ہوں یا حضرت بنوریؒ، ہم خدام کے لئے تو ہر حال میں چاندی ہی چاندی تھی، اللہ اکبر! یہ پُرکیف نورانی مجلسیں کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال ہو گئیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان محفلوں میں اکثر اپنے اساتذہ کا ذکر فرما کر عجیب کیف کے عالم میں یہ مصرع پڑھا کرتے تھے کہ ؎

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

کسے خبر تھی کہ چند ہی سالوں میں یہ محفلیں بھی برخاست ہونے والی ہیں!

غرض علمی اور اجتماعی مسائل میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بنوریؒ کا اشتراکِ عمل ہم خدام کے لیے گوناگوں فوائد کا دروازہ بن گیا۔ اکثر و بیشتر اجتماعی مسائل میں کوئی تحریر لکھی جاتی تو وہ حضرت والد صاحب اور حضرت بنوریؒ کی طرف سے مشترکہ طور پر شائع ہوتی، اور اس کا مسودہ تیار کرنے کا مرحلہ آتا تو ہم خدام میں سے کسی کو اس کے لئے مامور کیا جاتا اور بسا اوقات قرعۂ فال احقر کے نام پڑتا۔ مسودے کو جب ان بزرگوں کے سامنے پیش کیا جاتا اور یہ حضرات اس کی عبارت میں کوئی اصلاح فرماتے تو اس سے نت نئے آداب و فوائد حاصل ہوتے تھے اور جب کسی تحریر پر ان حضرات کی طرف سے دعائیں ملتیں تو ایسا محسوس ہوتا کہ دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں دامن میں جمع ہو گئی ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ اور حضرت بنوریؒ کی وجہ سے کراچی کو پورے ملک میں علمی اور دینی اعتبار سے مرکزیت حاصل تھی، چنانچہ جب کوئی اجتماعی مسئلہ اٹھتا اطرافِ ملک سے اہل علم کراچی کا رُخ کرتے تھے، اس طرح ان حضرات کے طفیل ملک بھر کے اہل علم و دین سے نیاز حاصل ہوتا رہتا تھا۔ پچھلے سال جب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا حادثہ پیش آیا تو اس مرکزیت کا ایک زبردست ستون گر گیا۔ حضرت بنوریؒ اس وقت سکھر میں تھے اور تقریباً سو میل کا سفر کرکے کراچی کے لئے طیارہ پکڑنا چاہا، لیکن سیٹ نہ مل سکی، اور نماز جنازہ اور تدفین میں شامل نہ ہو سکے۔ بعد میں جب تعزیت کے لئے تشریف لائے تو وہ بچوں کی طرح رو رہے تھے۔ اور زبان پر بار بار بے اختیار یہ جملہ تھا کہ "اب ہم مشورے کے لیے کہاں جائیں گے"؟ کسے معلوم تھا کہ مولاناؒ کا یہ اضطراب صرف سال بھر کا ہے، اور آئندہ سال اسی مہینے میں کراچی کی دینی مرکزیت کا یہ دوسرا ستون بھی گر جائے گا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت بنوریؒ کی ذات ہم سب کے لئے ایک عظیم سہارا تھی۔ آہ! کہ اب یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ اب ملک کے دوسرے حصوں کی طرح کراچی میں بھی سناٹا ہی سناٹا ہے ——

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت بنوریؒ کی وفات یوں تو پوری ملت کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے، لیکن احقر اور برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم کے لئے یہ ایسا ہی ذاتی نقصان ہے جیسے مولاناؒ کے قریبی اعزہ کے لئے، اس لیے کہ وہ ہم پر اس درجہ شفیق اور مہربان تھے کہ الفاظ کے ذریعے ان کا بیان ممکن نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے بیس سال تک حضرت مولاناؒ کی صحبتیں عطا فرمائیں، صرف علمی محفلوں ہی میں نہیں، نجی مجلسوں اور سفر و حضر میں بھی مولانا کی معیت نصیب ہوئی، مولاناؒ کی شفقتوں کا عالم یہ تھا کہ وہ ہماری کمسنی کا لحاظ کرتے ہوئے خود بھی بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔

۱۹۶۵ء میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولاناؒ نے مشرقی پاکستان کا ایک ساتھ تبلیغی سفر کیا، یہ ناکارہ بھی ہمراہ تھا، سلہٹ میں ہمارا قیام مجید الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے محی السنۃ صاحب کے یہاں تھا، سلہٹ بڑا سرسبز و شاداب اور خوبصورت علاقہ ہے، لیکن یہاں پہنچنے کے بعد مسلسل علمی اور تبلیغی مجلسوں کا ایسا تانتا بندھا کہ کمرے میں آکر اترتے تھے، وہاں سے باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا، یہاں تک کہ جب اگلے دن فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی کمرے میں اپنے وظائف و اوراد کے معمولات میں مشغول ہو گئے، اور حضرت مولانا بنوریؒ نے بھی اپنے وظائف شروع کر دیئے، میں اس انتظار

میں تھا کہ ذرا مہلت ملے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر کہیں ہواخوری کے لئے باہر چلا جاؤں، مولانا رح نے میرا یہ ارادہ بھانپ لیا، اور خود ہی بلا کر پوچھا: "کیا باہر جانا چاہتے ہو" ؟ مجھے مولانا رح نے بے تکلف بنایا ہوا تھا، میں نے عرض کیا: "حضرت! ارادہ تو ہے، مگر آپ بھی تشریف لے چلیں تو بات بنے" بس یہ سننا تھا کہ مولانا رح اپنے معمولات کو مختصر کر کے تیار ہو گئے، اور خود ہی حضرت والد صاحب رح سے فرمایا: ذرا میں تقی میاں کو سیر کرا لاؤں" چنانچہ باہر نکلے اور تقریباً گھنٹہ بھر تک مولانا رح اس ناکارہ کے ساتھ کبھی چائے کے باغات میں، کبھی شہر کے اونچے اونچے ٹیلوں پر گھومتے رہے، سلہٹ کے علاقے میں نباتات اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ایک گز زمین بھی خشک تلاش کرنی مشکل ہے، مولانا رح جب کوئی خاص پودا دیکھتے تو اس کے بارے میں معلومات کا ایک دریا بہنا شروع ہو جاتا، اس پودے کا اردو میں یہ نام ہے، عربی میں یہ نام ہے، فارسی اور پشتو میں فلاں نام ہے، اور اس کے یہ یہ خصائص ہیں .... غرض یہ تفریح بھی ایک دلچسپ درس میں تبدیل ہو گئی۔

مجھے بعد میں خیال بھی ہوا کہ مولانا رح کے گھٹنوں میں تکلیف ہے، اور میں نے خواہ مخواہ مولانا رح کو زحمت دی، چنانچہ میں نے کئی بار اپنی جسارت پر معذرت کی، لیکن مولانا رح ہر بار یہ فرماتے کہ مناظر قدرت اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہیں اور انہیں دیکھ کر نشاط حاصل کرنے کا شوق انسان کا فطری تقاضا ہے، تمہاری وجہ سے میں بھی ان مناظر سے محظوظ ہو گیا، اور پھر جتنے دن سلہٹ میں رہے، روزانہ فجر کے بعد یہ معمول بن گیا۔ مولانا رح کے زیر سایہ سلہٹ کی یہ سیر تفریح کی تفریح ہوتی، اور درس کا درس ہوتا، مولانا رح کو معلوم تھا کہ احقر کو عربی ادب سے لگاؤ رہا ہے، اس لئے مولانا رح اس دوران عربی ادب کے لطائف و ظرائف بیان فرماتے، نادر اشعار سناتے، شعراء عرب کے درمیان محاکمہ فرماتے، اور اس تفریح میں نظروں کے ساتھ قلب و روح بھی شاداب ہو کر لوٹتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم (مہتمم دارالعلوم کراچی) ڈھاکہ میں حضرت والد صاحب رح کے ساتھ تھے، مولانا بھی تشریف فرما تھے، مولانا رح نے خود بھائی صاحب سے فرمایا کہ "چلو، تمہیں چاٹگام کی سیر کرا لاؤں"۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رح سے اجازت لے کر مولانا رح اور بھائی صاحب ڈھاکہ سے چاٹگام روانہ ہو گئے، ریل میں جگہ تنگ تھی، اور ایک ہی آدمی کے لیٹنے کی گنجائش تھی، مولانا رح نے بھائی صاحب کو لیٹنے کا حکم دیا، لیکن بھائی صاحب نہ مانے، تو انہیں زبردستی لٹا دیا، اور خود ان کی ٹانگوں کو اس زور سے پکڑ کر ان کے پاؤں کی طرف لیٹ گئے کہ وہ اٹھ نہ سکیں اپنے ایک شاگرد کے ساتھ یہ معاملہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ نے حقیقی تواضع کے مقام بلند سے سرفراز کیا ہو۔

مولانا رح کی شفقتوں کا کہاں تک شمار کیا جا سکتا ہے؟ بفضلہ تعالیٰ ان کے ساتھ بہت سے سفروں میں بھی رفاقت نصیب ہوئی اور ہر سفر مولانا رح کی محبت و عظمت اور عقیدت میں کئی گنا اضافہ کر کے ختم ہوا۔ اپنے رفقاء کے ساتھ مولانا رح کا طرز عمل حیرت انگیز حد تک مشفقانہ ہوتا تھا، اور اس ناچیز کے ساتھ تو مولانا رح بالکل ایسا معاملہ فرماتے تھے اور احقر کا ایسی باریکی کے ساتھ خیال رکھتے تھے جیسے کوئی باپ اپنے کمسن بچے کا خیال رکھتا ہو۔ رمضان ۱۳۹۵ھ میں جب مولانا رح افریقہ کے سفر پر جانے لگے تو احقر کو بھی رفاقت کا شرف عطا فرمایا۔ پہلے ہم حجاز گئے، اور اللہ تعالیٰ نے حجاز تک حضرت والد صاحب رح کی معیت بھی نصیب فرما دی، لیکن حضرت والد صاحب رح اخیر رمضان میں واپس کراچی تشریف لے آئے، اور احقر حضرت بنوری رح کے ساتھ حجاز میں ٹھہر گیا، ان دنوں حضرت والد صاحب رح کی طبیعت ناساز تھی، اس لیے میں صبح و شام انتہائی اتنا فکر مند رہتا تھا کہ بھوک اڑ گئی تھی، مولانا رح کو احساس تھا کہ حضرت والد صاحب رح سے جدائی احقر کے لئے انتہائی صبر آزما ہے، وہ خود فرماتے کہ "میں جانتا ہوں، تمہیں اپنے والد سے عشق ہے" اس لئے مولانا رح اپنی شگفتہ مزاجی سے میری فکر کو زائل کرنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے،

اس کے بعد ہم نیروبی پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا قدرتی مناظر اور خنک موسم سے میری صحت پر اچھا اثر ہوا، ادھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحت کی خبر بھی مل گئی تھی اس لئے میری طبیعت میں قدرے شگفتگی اور نشاط پیدا ہو گیا۔ اسی دوران ایک دوپہر کو ہم کھانے پر بیٹھے تھے، میرے اور مولانا رح کے درمیان دو آدمی حائل تھے، کھانے کے بعد جب احقر مولانا رح کے کمرے میں پہنچا تو فرمانے لگے، "آج مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے"۔ میں نے عرض کیا "کیوں؟" فرمایا "آج کے کھانے پر تم نے رغبت کے ساتھ دو سے زیادہ روٹیاں کھائی ہیں۔"

مولانا کا یہ جواب سن کر میں دنگ رہ گیا۔ اللہ اکبر! مولانا اپنے ایک ناکارہ خادم کے بارے میں یہاں تک خیال رکھتے تھے کہ اس کی بھوک اور خوراک میں کیا کمی اور کیا اضافہ ہو رہا ہے؟ اور یہ تو ایک چھوٹا سا واقعہ ہے، اگر میں مولانا رح کے ساتھ کئے ہوئے سفروں کے واقعات لکھنے شروع کروں تو ایک مفصل مقالہ صرف اس کے لئے چاہیے۔ احقر نے افریقہ سے واپسی پر حضرت والد صاحب رح سے مولانا رح کی اس قسم کی رعایتوں کا ذکر کیا تو حضرت والد صاحب رح نے فرمایا: "یہ وصف صرف کتابیں پڑھنے سے انسان میں پیدا نہیں ہوتا، یہ جوہر بزرگوں کی صحبت سے ملتا ہے!"

یوں تو احقر مولانا رح کا شاگرد ہی تھا، اور ہر ملاقات میں مولانا رح سے کوئی نہ کوئی علمی فائدہ حاصل ہو جاتا تھا، لیکن ان سے باقاعدہ کوئی کتاب

پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا، احقر نے کئی بار خواہش ظاہر کی تو مولاناؒ طرح دے گئے۔ افریقہ کے سفر میں احقر نے تہیہ کیا کہ اس موقع سے یہ فائدہ ضرور اٹھانا چاہیئے۔ اتفاق سے احقر نے مدینہ طیبہ سے اصول حدیث پر حافظ ابن کثیرؒ کی ایک کتاب "الباعث الحثیث" خرید لی تھی۔ احقر نے عرض کیا کہ میں یہ کتاب، آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولاناؒ شروع میں اپنی تواضع کے سبب انکار فرماتے رہے۔ بالآخر احقر نے ایک روز فجر کے بعد مولاناؒ سے عرض کیا کہ "میں اس کتاب کی عبارت آپ کے سامنے پڑھتا جاؤنگا۔ کسی موقع پر آپ کا دل چاہے تو کچھ بیان فرما دیں، ورنہ میں صرف عبارت پڑھنے پر اکتفا کر دوں گا، اس پر مولاناؒ راضی ہو گئے۔ میں جانتا تھا کہ جب بات چھڑے گی تو مولاناؒ خاموش نہ رہ سکیں گے چنانچہ احقر نے عبارت پڑھنی شروع کی۔ بس پھر مولاناؒ کھل گئے، اور تقریباً کتاب کے ہر فقرے پر کچھ نہ کچھ نئے افادات بیان فرمائے، افسوس ہے کہ حضرت والد صاحبؒ کی علالت کی بنا پر مجھے افریقہ سے جلد واپس آنا پڑا، اور یہ کتاب مولاناؒ کے سامنے مکمل نہ ہو سکی، لیکن بحمد اللہ اس طرح ضابطے کا تلمذ بھی مولاناؒ سے حاصل ہو گیا۔ مندرجہ ذیل باتیں جو مولاناؒ نے اس درس میں بیان فرمائی تھیں، اب تک یاد ہیں:-

(۱) حافظ ابن کثیرؒ اگرچہ مسلکاً شافعی ہیں، لیکن علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے ان کے متعدد تفردات میں ان کے ہم نوا ہیں، مثلاً شد رحال کے مسئلے میں۔

(۲) علماء حدیث کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ کون سی سند اصح الاسانید ہے، امام احمدؒ نے "زہری عن سالم عن ابیہ" کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔ علی ابن المدینیؒ نے "محمد بن سیرین عن عبیدۃ عن علیؓ" کو، یحیی بن معینؒ نے "اعمش عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعودؓ" کو، لیکن درحقیقت ان میں سے کسی کو علی الاطلاق اصح الاسانید کہنا مشکل ہے، درحقیقت اقوال کا یہ اختلاف اپنے اپنے علاقوں کی وجہ سے ہے۔ امام احمدؒ کا قول اہل مدینہ کے لحاظ سے درست ہے، علی ابن المدینیؒ کا قول اہل بصرہ کے لحاظ سے صحیح ہے، اور یحیی بن معینؒ کا قول اہل کوفہ کے لحاظ سے، اس کے علاوہ بھی اس درس کی بعض باتیں احقر کے پاس لکھی ہوئی محفوظ ہیں۔

احقر پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ تھا کہ جب سے البلاغ شائع ہونا شروع ہوا، وہ احقر کی تحریروں پر عام طور سے ایک سرسری نظر ضرور ڈال لیتے تھے، اور ملاقات کے وقت کوئی قابل اصلاح بات ہوتی تو اس پر تنبیہ بھی فرما دیتے، اور کوئی بات پسند آتی تو اس پر حوصلہ افزائی بھی فرماتے، اور یہ بات احقر کے لئے مایہ صد افتخار ہے کہ حضرت مولاناؒ نے البلاغ کی تحریروں پر اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے اپنی تصنیف "معارف السنن" کا ایک سیٹ احقر کو بطور انعام عطا فرمایا۔ جس کی پہلی جلد پر اپنے قلم سے یہ عبارت نہایت پاکیزہ خط میں تحریر فرمائی کہ "أُقدم هذا الكتاب باجزاءه الستة المطبوعة الى أخى فى الله الاستاذ الزكىّ والعالم الزكى الثاب النقى محمد تقى إعجابا بمنبوعه فى كتابات مجلته الشهرية "البلاغ" خصوصًا فى رده على كتاب "خلافت وملوكيت" ردًّا مبلغا ناجحا حفظه الله ووفقه لامثال امثاله وهو الموفق۔

کتبه محمد يوسف البنوری ٢٦/٣/٩١ھ

جہاں تک کتابی علم کا تعلق ہے، دنیا میں اب بھی اس کی کمی نہیں، نہ جانے کتنے بڑے بڑے محققین آج بھی موجود ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اکابر علماء دیوبند کو جو خصوصیت عطا فرمائی تھی وہ یہی تھی کہ علم و فضل کا دریائے ناپیدا کنار ہونے کے باوجود ان کی ادا سادگی اور تواضع میں ڈوبی ہوئی تھی، حضرت مولانا بنوریؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مشائخ کی اس میراث سے حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، ان کے عظیم کاموں کا راز درحقیقت ان کے اخلاص، ان کی للّٰہیت ان کی سادگی و بے تکلفی اور ان کی تواضع میں تھا۔

مولاناؒ کے عملی کارناموں میں سب سے نمایاں کارنامہ تحریک ختم نبوت کی کامیاب قیادت تھی، قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سالہا سال سے چلا آ رہا تھا، اور ۱۹۵۳ء میں ہزارہا مسلمانوں نے اس کے لیے عظیم قربانیاں دی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو سرکاری اور قانونی سطح پر ۱۹۷۴ء کی جس تحریک کے ذریعے حل کرایا اس کے قائد مولانا بنوریؒ تھے۔ اس تحریک کے دوران احقر کو مولاناؒ کے ساتھ کئی سفروں میں ساتھ رہنے کا موقع ملا، اور احقر نے ان کے جس طرز عمل کا مشاہدہ کیا اس کے پیش نظر احقر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ انشاء اللہ یہ تحریک ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

کوئٹہ کے سفر میں احقر مولاناؒ کے ہمراہ تھا، جہاں مولانا کو کل چوبیس گھنٹے ٹھہرنا تھا جس میں تین مجلسوں سے خطاب کرنا تھا، ایک پریس کانفرنس تھی، گورنر بلوچستان سے ملاقات تھی اور عشاء کے بعد جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام تھا، سارے دن مولاناؒ کو ایک لمحہ بھی آرام نہ مل سکا اور رات کو جب ہم جلسۂ عام سے فارغ ہو کر آئے تو بارہ بج چکے تھے۔ خود میں تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا، مولاناؒ تو یقیناً مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے، میں نے بارہا کوشش کی تھی کہ مولاناؒ کبھی جسمانی خدمت کا موقع دے دیں، لیکن وہ ہمیشہ سے انکار فرما دیتے تھے، اس رات احقر نے کچھ ایسے ملتجیانہ انداز میں مولاناؒ سے پاؤں دبانے کی اجازت چاہی کہ مولاناؒ کو رحم آگیا، اور انہوں نے اجازت دے دی لیکن یہ محض میری خاطر داری تھی، چنانچہ ہر تھوڑی دیر بعد وہ کچھ دعائیں دے کر پاؤں سمیٹنے کی کوشش کرتے، بالآخر میں نے جب محسوس کیا کہ ان کو پاؤں دبوانے کی راحت سے زیادہ طبیعت پر

بار ہو رہا ہے تو میں نے چھوڑ دیا، اس کے بعد میں سو گیا، رات کے آخری حصے میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولاناؒ کی چارپائی خالی ہے اور وہ قریب بچھے ہوئے ایک مصلے پر سجدے میں پڑے ہوئے سسکیاں لے رہے ہیں۔ اللہ اکبر! ایسے سفر، اتنی تکان اور اتنی مصروفیات میں بھی ان کا نالۂ نیم شبی جاری تھا، یہ دیکھ کر مجھے ایک تو ندامت ہوئی کہ مولاناؒ اپنے ضعف، علالت اور سفر کے باوجود بیدار ہیں اور ہم صحت اور نوعمری کے باوجود محوِ خواب! اور دوسری طرف یہ اطمینان بھی ہوا کہ جس تحریک کے قائد کا رشتہ ایسے ہنگامۂ دار و گیر میں بھی اپنے رب کے ساتھ اتنا مستحکم ہو انشاء اللہ وہ ناکام نہیں ہوگی۔

اس زمانے میں ملک بھر میں مولاناؒ کا طوطی بول رہا تھا، اخبارات مولاناؒ کی سرگرمیوں سے خبروں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے، اور ان کی تقریریں اور بیانات شہ سرخیوں سے شائع ہوتے تھے، چنانچہ جب صبح ہوئی تو میزبانوں نے اخبارات کا ایک پلندہ لا کر مولاناؒ کے سامنے رکھ دیا، یہ اخبارات مولاناؒ کے سفرِ کوئٹہ کی خبروں، بیانات، تقریروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔ مولاناؒ نے یہ اخبارات اٹھا کر ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر فوراً ہی انہیں ایک طرف رکھ دیا، اس کے بعد جب کمرے میں کوئی نہ رہا تو احقر سے فرمایا: "آج کل جو تحریک دین کے لئے چلائی جائے اس میں سب سے بڑا فتنہ نام و نمود کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ دینی تحریکوں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ مجھے بار بار یہ ڈر لگتا ہے کہ میں اس فتنہ کا شکار نہ ہو جاؤں، اور اس طرح یہ تحریک نہ ڈوب جائے۔ دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، ورنہ یہ ہمارے اعمال کو تو بے وزن بنا ہی دے گا۔ اس مقدس تحریک کو بھی لے کر بیٹھ جائے گا۔"

یہ بات فرماتے ہوئے مولاناؒ کے چہرہ پر کسی تصنع یا تکلف کے آثار نہ تھے، بلکہ دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی تشویش نمایاں تھی ——

مولانا بنوریؒ کے علم و فضل اور دین کے لئے ان کی جدوجہد کے حالات تو انشاء اللہ بہت لکھے جائیں گے، لیکن مولانا بنوریؒ کے اصل کمالات یہ تھے جو انہیں اپنے بزرگوں کی خدمت و صحبت سے حاصل ہوئے تھے، خوف و خشیت، بیم و رجا، اخبات و انابت اور اخلاص و للہیت کی یہ صفات تھیں جنہوں نے ان کو مقبولیت کے اس مقام بلند تک پہنچایا اور جنہوں نے ان کے کاموں میں برکت اور ان کی جدوجہد کو کامیابی عطا کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وطیب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ !!

والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہم لوگوں کے لئے زندگی کا سب سے بڑا دھکا اور سب سے بڑا حادثہ تھا، اس حادثے پر جن بزرگوں نے سرپرستی فرما کر ہم لوگوں کی ڈھارس بندھائی ان میں ہمارے مرشد و مربی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی (متعنا اللہ بطول حیاتہ بالعافیۃ) حال صدر دار العلوم کراچی کے احسانات تو بے حد و حساب ہیں ہی، اللہ تعالیٰ ان کے فیوض سے تا دیر مستفید ہونے کی توفیق کامل مرحمت فرمائے۔ آمین۔ لیکن مدارس کے ماحول میں حضرت بنوریؒ کی ذات ہمارے لئے بہت بڑا سہارا تھی۔

حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم العالی کو دار العلوم کے اہتمام کی ذمہ داری قبول کرنے میں بڑا تردد تھا، اس موقع پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی صاحب کو بلا کر باصرار فرمایا کہ یہ فریضہ آپ ہی پر عائد ہوتا ہے، اور آپ ہی اسے بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں، اور ساتھ ہی ایک مہتمم مدرسہ پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کے بارے میں ایسے زریں رہنما اصول بھائی صاحب مدظلہم کو بتلائے جو مولاناؒ کے تجربات کا نچوڑ تھے، اور اب تک بھائی صاحب کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ سے مولاناؒ کو جو تعلق تھا، مولاناؒ نے آخر دم تک اس کا حق ادا کیا، وقتاً فوقتاً دار العلوم تشریف لا کر رہنمائی فرماتے رہے، ایک مرتبہ تو بغیر کسی سابقہ اطلاع کے تشریف لے آئے جس کی مسرت و حلاوت اب تک محسوس ہو رہی ہے۔ بلکہ یہ بھی ارادہ ظاہر فرمایا کہ میں مہینے میں کم از کم ایک دن دار العلوم میں گزارنا چاہتا ہوں، گو ناگوں مصروفیات کے سبب پھر اس کا تو موقع نہ مل سکا لیکن ان کی توجہات اور عنایتیں مسلسل اہل دار العلوم کو حاصل رہیں۔ حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد بخاری شریف کا افتتاح بھی مولاناؒ نے کرایا۔

اور ابھی وفات سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے جب دار العلوم کا آغاز ہو رہا تھا تو برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی نے مولاناؒ سے فون پر عرض کیا کہ "حضرت! اب تو ہمیں آپ سے بخاری شریف کا افتتاح کرانے کی عادت ہو گئی ہے"۔ جواب میں پہلے تو مزاحاً فرمایا کہ: "لیکن التزام تو مستحبات کا بھی واجب الترک ہو جاتا ہے، اور آپ تو فقہاء ہیں"، بھائی صاحب نے فرمایا: "حضرت یہ التزام نہیں، اعتیاد ہے" فرمانے لگے کہ "اگر آپ نہ کہتے تب بھی میری خواہش یہی ہوتی"۔ بھائی صاحب نے عرض کیا کہ: "صبح نو بجے انشاء اللہ گاڑی پہنچ جائے گی۔ لیکن ہمارے پاس سوزوکی ہے، اور اسے حضرتؒ کے پاس بھیجتے ہوئے ندامت ہوتی ہے کہ اس میں آپ کو (گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے) زحمت ہوتی ہے" فرمانے لگے "نہیں نہیں! وہ تو بڑی آرام دہ گاڑی ہے، آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں"۔ شام کو بھائی صاحب نے احقر سے فرمایا کہ مولاناؒ سے دوپہر کے کھانے کی بھی درخواست کر دو، چنانچہ احقر نے فون پر عرض کیا کہ اگر افتتاح بخاری کے ساتھ دوپہر کا کھانا بھی یہیں ہو جائے تو مزید کرم ہو" فرمایا: "کچھ حرج نہیں، البتہ

میرے ساتھ مدینہ طیبہ کے شیخ عبدالقادر بھی ہولئے گئے، ان کے لئے لنیر مرغ کا کھانا بنوالیا، اور مجھے چونکہ پرہیز ہے۔ اس لیے تھوڑی سی یخنی بنوالینا۔ مگر بس تھوڑی سی ہو، لقیمات یقمن صلبہ (چند چھوٹے سے نوالے لینے ہیں جو پشت سیدھی رکھ سکیں) مولاناؒ نے یہ فرمائش کر کے مزید دل خوش کر دیا۔

دوشنبہ ۲۵ شوال ۱۳۹۷ھ کو مولاناؒ تشریف لائے طبیعت بحال نہ تھی، اور چلنا پھرنا تو عرصہ سے دوبھر تھا، لیکن نہایت شگفتگی کے ساتھ تشریف فرما ہوئے، اور فرمانے لگے کہ "محض تحلۃ للقسم تھوڑا سا بیان کروں گا زیادہ کی ہمت نہیں۔ لیکن جب درس شروع ہوا تو طبیعت کھل گئی اور تقریباً ایک گھنٹہ تدوینِ حدیث کے موضوع پر بڑی فاضلانہ تقریر فرمائی، جس کا خلاصہ اسی شمارے میں عزیزم مولوی شیخ رحیم الدین سلمہ کے قلم سے الگ شائع ہو رہا ہے۔ درس کے بعد دیر تک حاضرین کو اپنے علمی لطائف و ظرائف سے محظوظ فرماتے رہے، اسی دوران ہم نے چائے کے لئے درخواست کی تو فرمایا کہ "خفیف قسم کی چائے بنوالو" لیکن پھر خود ہی فرمایا کہ "خفیف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا! لہٰذا چائے بنانے والے سے کہو کہ وہ پتیلی میں پانی جوش دے کر یہیں لے آئے، پتی میں خود ڈالوں گا" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تمام چیزوں کی طرح چائے کے بارے میں بھی مولاناؒ کا ذوق بڑا نفیس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ اچھی چائے کی تین خصوصیات ہیں۔ "لب دوز ہو، لب سوز ہو اور لبریز ہو"۔

چائے کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے، اور واپس آکر دوپہر کا کھانا تناول فرمایا، برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی پاس بیٹھے تھے، وہ جس جس چیز کے تناول فرمانے کی درخواست کرتے، مولاناؒ لے لیتے، کسے معلوم تھا کہ دارالعلوم میں آخری بار مولاناؒ کی خاطر داری ہو رہی ہے، اور ایک ہفتہ بعد ٹھیک اسی دن اور اسی وقت مولاناؒ ملاءِ اعلیٰ کی مہمانی کے لئے تیار ہو رہے ہوں گے!

مولانا کا آخری سفر

اسی روز مولاناؒ نے احقر سے پوچھا: "اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس جمعرات کو ہے، کب چلو گے؟" احقر نے عرض کیا: "جب آپ تشریف لے جائیں" فرمایا: "میں نے جمعرات کو صبح آٹھ بجے کے طیارے سے سیٹ بک کرائی ہے" میں نے عرض کیا: "میں بھی اسی سے بکنگ کرا لیتا ہوں" اس طرح مولاناؒ کے آخری سفر میں بھی اللہ تعالیٰ نے احقر کو رفاقت کا شرف عطا فرما دیا۔

جمعرات آئی، صبح کو میں ایئرپورٹ پہنچا تو مولاناؒ تشریف نہیں لائے تھے، میں دروازے پر انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مولاناؒ تشریف لائے، کچھ دنوں سے عام طور پر حضرت بنوریؒ کے ساتھ سفر میں مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب ہوا کرتے تھے، لیکن اس بار وہ صرف پہنچانے کے لیے آئے، اور ساتھ جانے کے لیے حضرتؒ کے صاحبزادے مولانا محمد بنوری صاحب سلمہ تھے، طیارے میں ہم ساتھ چڑھے میں نے اور مولانا محمد صاحب نے مولانا کو اپنے کندھے کا سہارا کرنا چاہا، لیکن وہ جہاز کی سیڑھیوں کی دو رویہ دیواروں سے سہارا لے کر چڑھتے رہے۔ کسے معلوم تھا کہ یہ مولاناؒ کا آخری سفر ہے، اور اسی لئے قدرت نے اس سفر میں خلافِ معمول ان کے صاحبزادے کو ساتھ کر دیا ہے۔ بظاہر طیارہ راولپنڈی جا رہا تھا اور مولاناؒ کو اسلام آباد جانا تھا، لیکن یہ کون جانے کہ مولاناؒ کی منزلِ مقصود اسلام آباد سے بہت آگے ہے، اور وہ اس سفر پر روانہ ہو رہے ہیں جہاں سے کوئی لوٹ کر دنیا میں نہیں آتا، ہمارے کان تو فضائی عملے کا صرف یہ اعلان سن رہے تھے کہ "یہ طیارہ گیارہ ہزار میٹر کی بلندی پر پرواز کرتا ہوا انشاء اللہ ایک گھنٹہ پچیس منٹ میں اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر پہنچے گا" لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ مولاناؒ کے لئے یہ کہیں اور سے بلاوا آیا ہے ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست

ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

مولاناؒ کو سفر میں چونکہ معاون کی ضرورت ہوتی تھی، اس لئے وہ اسلامی کونسل کے اجلاس میں اپنے کسی رفیق کو اپنے خرچ پر ساتھ لے جاتے تھے، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ "حضرت آئندہ آپ کو اپنی خدمت کے لیے کسی کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں، میں ساتھ موجود ہوتا ہوں اور مجھے علیحدہ کمرے میں قیام کی بھی ضرورت نہیں، میں آپ ہی کے کمرے میں آپ کے ساتھ ٹھہر جایا کروں گا، اور اس طرح مجھے بھی تحصیل سعادت کا موقع مل جائے گا" مولاناؒ اس پر مسرور تو ہوئے، لیکن فرمایا: "آپ کو اس نیت کا ثواب مل گیا، نیۃ المرء خیر من عملہ (انسان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) میں ابھی اپنا کام خود کر لیتا ہوں، میں نے اس وقت زیادہ اصرار نہ کیا کہ آئندہ سفر کے موقع پر دیکھا جائے گا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ قدرت یہ الہامی الفاظ زبان سے ادا کرا رہی ہے، اور احقر کی اس نیت کو نیت ہی رہنا ہے، اس کے ملبوسِ عمل ہونے کی نوبت کبھی نہ آسکے گی۔

طیارے میں مولاناؒ حسب معمول شگفتہ رہے، اور جمعرات کا دن بھی ہشاش بشاش رہ کر گزارا اس روز کونسل کی دو نشستیں تھیں، مولانا نے دونوں میں بھرپور حصہ لیا، جمعہ کی صبح تیسری نشست تھی اس میں مولاناؒ نے کونسل میں ایک نہایت اصولی، مختصر، مگر جامع تقریر فرمائی جو

مولاناؒ کی آخری تقریر تھی کونسل کی نشستوں میں ایجنڈے سے باہر کی باتیں کبھی بعض اوقات چھڑ جاتی ہیں، اسی سلسلہ میں دراصل ہوا یہ تھا کہ بعض حضرات نے مولاناؒ سے فرمائش کی تھی کہ وہ ٹیلی ویژن پر خطاب فرمائیں، مولاناؒ نے ریڈیو پر خطاب کرنے کو تو قبول کر لیا تھا، لیکن ٹیلی ویژن پر خطاب کرنے سے معذرت فرما دی تھی کہ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔ اسی دوران غیر رسمی طور پر یہ گفتگو بھی آئی تھی کہ فلموں کو مخرب اخلاق عناصر سے پاک کر کے تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مولاناؒ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا:۔

اس سلسلہ میں میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں اس بات کے مکلف ضرور ہیں کہ تبلیغ دین کے لئے جتنے جائز ذرائع و وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کر کے اپنی پوری کوشش صرف کر دیں۔ اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتلائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کر کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اور آداب تبلیغ کو پس پشت ڈال کر جس جائز و ناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں، اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آداب تبلیغ کے ساتھ ہم ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنا دیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے، اور اگر ناجائز ذرائع اختیار کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیں تو اس کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، کیونکہ دین کے احکام کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہو گی، فلم اپنے مزاج کے لحاظ سے بذات خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے، لہٰذا ہم اس کے ذریعے تبلیغ دین کے مکلف نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ و دل اس کے لیے فرش راہ ہیں لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لئے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں، اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لئے استعمال کریں گے کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا، اور رقص و سرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی، اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔"

یہ کونسل میں مولاناؒ کی آخری تقریر تھی، اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے لئے مولاناؒ کی آخری وصیت تھی جو لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔

مولانا کی اس تقریر کے بعد وہ غیر رسمی گفتگو تو ختم ہو گئی، اور پھر ایجنڈے کے مطابق کارروائی ہوتی رہی جس میں مولاناؒ نے حصہ لیا۔

شام کو کونسل کی چوتھی نشست تھی، اور اس میں بھی مولاناؒ پورے نشاطِ طبع کے ساتھ تشریف لے گئے، جاتے ہوئے حضرت بنوریؒ کار کی اگلی نشست پر تشریف فرما تھے، اور احقر پچھلی نشست پر تھا۔ احقر کو اجلاس میں ایک مسودہ پیش کرنا تھا اس لئے راستے میں اس پر نظر ثانی کرنے لگا۔ عصر کے بعد کا وقت تھا، اور کار سبزہ و گل سے لدے ہوئے پہاڑ کے دامن میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر جا رہی تھی جس کے دونوں طرف سرسبز مناظر تھے، مولاناؒ نے پیچھے مڑ کر میری طرف دیکھا تو میں قلم ہاتھ میں لیے مسودے کی نوک پلک ٹھیک کر رہا تھا، مولاناؒ نے فرمایا: " ایھا الشیخ الشاب[1] (نوجوان بڑے میاں) ذرا اس وقت تو یہ کام رہنے دو، باہر کی طرف دیکھو، کیسے حسین مناظر ہیں؟ ان قدرتی مناظر کا بھی کچھ حق ہے، اور یہ ان کا حق ادا کرنے کا وقت ہے"۔

مجھے اپنی کوتاہی کا بھی احساس ہوا، اور مولانا کی عظمت کا بھی، کہ مذاق ہی مذاق میں حق شناسی کی کیسی تعلیم دے دی، اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونے کو بھی عبادت بنا دیا۔

یہ کونسل میں مولاناؒ کی آخری تشریف آوری تھی، نماز مغرب انہوں نے ہی پڑھائی اور دیر تک دعائیں کراتے رہے، مغرب کے بعد بھی دیر تک اجلاس جاری رہا اور وہ اس میں پوری شگفتگی کے ساتھ شریک رہے، عشاء کے بعد ہم واپس گورنمنٹ ہاسٹل آ گئے، مولاناؒ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

ہفتے کی صبح ناشتے کے بعد مجھے مولانا کے کمرے میں جانا تھا۔ برادر مکرم مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ "الحق"، احقر کے بھتیجے مولوی محمود اشرف عثمانی سلمہ، اور عمہ زادہ جناب زاہد حسن انصاری صاحب بھی میرے پاس آئے ہوئے تھے، اور رات میرے ساتھ رہے تھے، ہم سب مولاناؒ کے کمرے میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مولاناؒ کے گلے میں کوئی تکلیف ہوئی ہے اور مولوی محمد بنوری صاحب سلمہ ان کو معائنہ کے لئے پولی کلینک لے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد مولانا تشریف لے آئے، اور ہمیں دیکھ کر سوال کے بغیر ہی فرمایا کہ صبح میرے گلے میں کچھ عجیب سی تکلیف ہوئی۔ ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد بتایا کہ یہ دل کی تکلیف نہیں ہے، لیکن آرام کی ضرورت ہے، مولوی محمد صاحب نے مجھ سے الگ بتایا کہ ڈاکٹر نے یہ بھی کہا ہے کہ دل پر معمولی دباؤ ہوا ہے۔ مولاناؒ کو چونکہ اس

---

[1] مولاناؒ جب طبعاً شگفتہ ہوتے تو اکثر احقر کو ان الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے۔ (تقی)

سے پہلے دل کی تکلیف ہو چکی تھی۔ اس لئے میرا ماتھا ٹھنکا۔ اور میں نے مولاناؒ سے درخواست کی کہ آج کے تمام پروگرام منسوخ کر کے مکمل آرام فرمائیں، ہم نے عرض کیا کہ ہم کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر آدمی بٹھا دیتے ہیں تاکہ کوئی اندر نہ جائے، مولاناؒ نے فرمایا کہ کچھ زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، انشاء اللہ تھوڑے سے آرام کے بعد طبیعت بحال ہو جائے گی ——— تھوڑی دیر بعد مولانا لیٹ گئے، اور اندازہ ہوا کہ نیند آ گئی ہے، چنانچہ ہم باہر چلے آئے۔

اس روز صبح کے وقت کونسل کا کوئی اجلاس نہ تھا، بلکہ ارکان کونسل کو ادارۂ تحقیقات اسلامی کا معائنہ کرنے کے لئے جانا تھا۔ چنانچہ دس بجے میں وہاں چلا گیا۔ ۱۲ بجے کے قریب میں واپس آ کر اپنے کمرے میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ مولاناؒ کے صاحبزادے کا فون آیا کہ مولانا کی طبیعت زیادہ خراب ہے، ذرا آ جائیے، میں اسی حالت میں مولاناؒ کے کمرے کی طرف لپکا تو مولوی محمد صاحب سلمہٗ کمرے سے باہر آبدیدہ کھڑے تھے، ان کی حالت دیکھ کر مجھے سخت تشویش ہوئی قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ مولاناؒ کو شدید دورہ ہوا ہے اس وقت مولاناؒ نیم غنودگی کی حالت میں لیٹے تھے، اور وقفے وقفے سے کراہ رہے تھے۔

اتفاق سے اسلامی کونسل کے چیئرمین جناب جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب بھی اس وقت مولاناؒ کی عیادت کے لئے پہنچ گئے تھے، میں اور وہ دونوں فوراً پولی کلینک پہنچے، ڈاکٹر صاحب وہاں موجود نہ تھے تو ان کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی، جسٹس چیمہ صاحب نے ان سے مختصراً مولاناؒ کی کیفیت بیان کی، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے مولاناؒ سے صبح بھی درخواست کی تھی کہ وہ تین روز کے لیے ہسپتال میں داخل ہو جائیں، مگر وہ نہ مانے اب ان کا ہسپتال میں داخل ہونا ضروری ہے، آپ انہیں پولی کلینک لے آئیں، چیمہ صاحب نے ان سے کہا کہ آپ ایمبولینس کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے اس کا وعدہ کیا، اور ہم ہوسٹل لوٹ آئے۔ یہاں احقر نے جسٹس چیمہ صاحب سے عرض کیا کہ جب ہسپتال میں داخل کرنا ہے تو پولی کلینک کے بجائے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں داخل کرنا زیادہ مناسب ہوگا، چنانچہ چیمہ صاحب نے مختلف جگہ فون کر کے وہاں داخلے کا انتظام کیا، اور وہاں سے بھی ایک ایمبولینس مولاناؒ کو لینے کے لیے روانہ ہو گئی۔

کافی دیر گزر گئی اور دونوں میں سے کوئی ایمبولینس بھی نہ پہنچی، بار بار فون کرنے کے بعد پولی کلینک کی ایمبولینس چار بجے کے قریب آئی، چونکہ سی ایم ایچ کی ایمبولینس بھی روانہ ہو چکی تھی اور وہ زیادہ آرام دہ ہوتی ہے، اس لیے چیمہ صاحب کی رائے تھی کہ چند منٹ اس کا انتظار کر لیا جائے لیکن مولاناؒ کی کیفیت دیکھ کر لحظہ بہ لحظہ میرا اضطراب بڑھ رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ اب مزید انتظار کا تحمل معلوم نہیں ہوتا، اس لئے جو ایمبولینس موجود ہے اسی میں چلنا چاہیے۔ اس دوران برادر محترم مولانا قاری سعید الرحمان صاحب (مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی) بھی پہنچ چکے تھے جو ہمیشہ راولپنڈی میں حضرت بنوریؒ کے خصوصی میزبان ہوا کرتے تھے، اور قاری رفیق صاحب بھی آ گئے تھے، جو اسلام آباد میں مولانا کے قیام کے دوران ان کی خدمت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ جب ہم اسٹریچر لے کر مولاناؒ کے قریب پہنچے تو مولاناؒ بیدار تھے، میں نے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ برف ہو رہا تھا اور کپڑے پسینے میں اس بری طرح تر بتر تھے کہ انہیں بلا تکلف نچوڑا جا سکتا تھا، مولاناؒ نے میری طرف دیکھا تو ایک عجیب کیفیت کے ساتھ فرمایا:

"آج کی تکلیف بالکل نئی قسم کی تکلیف ہے، اس کو ڈاکٹر نہیں سمجھ سکیں گے"

اس سے قبل دورے کی شدت کے عالم میں اپنے صاحب زادے سے بھی مولاناؒ یہی بات فرما چکے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ "اب میں جا رہا ہوں"

احقر نے عرض کیا: "حضرت! اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ہم پر فضل فرمائیں گے، ہم آپ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال لے جانا چاہتے ہیں" مولانا نے خود سپردگی کے عالم میں فرمایا "جیسے آپ کی مرضی!" جب مولانا محمد صاحب، قاری سعید الرحمٰن صاحب اور قاری رفیق صاحب مولاناؒ کی دائیں جانب سے انہیں اٹھانے کے لئے بڑھے تو فرمایا "میں خود اٹھ جاؤں گا" اور ساتھ ہی کچھ اٹھنے کی کوشش بھی کی لیکن نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ اٹھا نہ گیا، ہم سب نے باصرار عرض کیا کہ "آپ بالکل اٹھنے کی کوشش نہ کریں" چنانچہ مولاناؒ کو اسٹریچر پر اٹھا کر ایمبولینس میں سوار کر دیا گیا،

مولانا محمد صاحب، قاری سعید الرحمٰن صاحب اور قاری رفیق صاحب ایمبولینس میں مولاناؒ کے ساتھ بیٹھے اور مفتی سیاح الدین صاحب اور احقر چیمہ صاحب کے ساتھ ان کی کار میں ہسپتال روانہ ہوئے، راستہ بڑا طویل تھا عصر کے قریب ہم ہسپتال پہنچے، وہاں پہلے سے مولاناؒ کی تشریف آوری کی اطلاع ہو چکی تھی، اور انتہائی طبی توجہ کے شعبے (INTERSINE CARE UNIT) میں مولاناؒ کو داخل کر دیا گیا اس شعبے میں کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہ تھی، لیکن باہر مولاناؒ کے متعلقین کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ برادر محترم مولانا قاری سعید الرحمان صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے مولانا کو راحت پہنچانے کے لئے انتظامات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اگرچہ حضرت سے ملنے کی اجازت کسی کو نہ تھی، مگر قاری رفیق صاحب، اور ان کے ایک ساتھی رات کو ہسپتال ہی کے لان میں رہے۔ رات کی میٹنگ کے بعد فون پر احقر نے خیریت معلوم کی تو پتہ چلا کہ بحمد اللہ طبیعت بہتر ہو رہی ہے۔ اور جسم میں گرمی بھی عود کر آئی ہے۔ اس خبر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اتوار کی صبح سویرے بھی خیریت ہی کی اطلاع ملی، اور ساتھ ہی ڈاکٹروں کا یہ ارادہ بھی معلوم ہوا کہ وہ انشاء اللہ ایک دو روز میں مولاناؒ کو آئی سی یو سے ہسپتال کے عام کمرے میں منتقل کر دیں گے۔ اس سے مزید اطمینان ہوا، اتفاق سے اتوار کے روز کونسل کا اجلاس صبح ۹ بجے سے رات ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا، سہ پہر کے وقت جو وقفہ ہوا اس میں بھی ایک ذیلی کمیٹی کام کرتی رہی جس میں احقر بھی شامل تھا البتہ بیچ بیچ میں ہسپتال سے مولاناؒ کی خیریت معلوم ہوتی رہی، رات کے وقت قاری سعید الرحمان صاحب

کو مولانا رحمہ اللہ سے ملاقات کا موقع مل گیا، اس وقت طبیعت کافی بشاش تھی مولانا رحمہ اللہ نے تابش صاحب سے باتیں بھی کیں، اور افاقے کا حال بھی بتایا۔

دوشنبہ کی صبح ناشتہ کے بعد ہی ہسپتال جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا اور خیال یہ تھا کہ انشاء اللہ مولانا رحمہ اللہ کو اچھی حالت میں دیکھوں گا، کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی یہ جسٹس چیمہ صاحب کا فون تھا، انہوں نے یہ دلخراش خبر سنائی کہ آج صبح مولانا رحمہ اللہ ہم سے رخصت ہو گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

بیماری کے پہلے دن تشویش تو تھی، لیکن یہ بالکل اندازہ نہ تھا کہ مولانا رحمہ اللہ اتنی جلدی چلے جائیں گے اچانک یہ کرب انگیز خبر سماعت بن کر گری، ہوش و حواس قابو میں نہ رہے، افتاں خیزاں ہسپتال پہنچے تو مولانا رحمہ اللہ اس دار المحن کی سرحد پار کر چکے تھے کھلے ہوئے پرنور چہرے پر ایک عجیب طرح کا سکون طاری تھا جیسے ایک تھکا ہوا مسافر منزل پر پہنچ کر آسودہ ہو گیا ہو ؎

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی کہ:۔

اللّٰھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وأبدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الأبیض من الدنس وبلغہ الدرجات العلی من الجنۃ آمین

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی وفات کے ساتھ ایک پوری قرن کا خاتمہ ہو گیا یہ حادثہ صرف مولانا رحمہ اللہ کے اعزہ کا نہیں، پورے ملک کا، پوری ملت کا، بلکہ پورے عالم اسلام کا حادثہ ہے اس حادثے سے دار العلوم کراچی بھی اتنا ہی متاثر ہوا ہے جتنا مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن۔ اور احقر کے لیے تو متعدد جہات سے یہ ایک عظیم ذاتی سانحہ ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ملک کے بہت سے حضرات نے اس حادثہ پر جہاں مولانا رحمہ اللہ کے اعزہ کے پاس تعزیتی خطوط ارسال کئے ہیں وہاں احقر اور برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کو بھی تعزیت کے لئے خطوط لکھے ہیں، میں ان حضرات کا تہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس صدمۂ جانکاہ کی نوعیت کو محسوس فرما کر اس مشکل وقت میں اظہار ہمدردی فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا ایک مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے اس لئے اس عظیم صدمے کے باوجود جس کے بعد کمر ٹوٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اس بات پر ایمان ہے کہ جو کچھ ہوا وہی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا مقتضا تھا، اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے ان کے متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور ان کے نسبی و روحانی وارثوں اور بطور خاص برادر عزیز مولانا محمد بنوری صاحب کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس صدمے پر صبر جمیل کے ساتھ مولانا رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چل کر اس مشن کو آگے بڑھائیں جس کا پرچم سربلند رکھنے کے لیے مولانا رحمہ اللہ نے آخر وقت تک جد و جہد جاری رکھی، اور جس کی خاطر انہوں نے غریب الوطنی میں جان دی۔

الفرید سٹیل پروڈکشن کی مصنوعات

ہمارے ادارہ کی تیار کردہ مصنوعات کو جس تیزی سے عوام نے پسند فرمایا اور ڈیلر حضرات نے قلیل عرصہ میں جس رفتار سے ان کی سپلائی میں اضافہ کیا اس پر ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم بڑھتی ہوئی مانگ کو ہر ممکن پورا کر رہے ہیں اپنے آرڈرز سے جلد مطلع فرمائیں۔ بذریعہ ڈاک بھی آرڈر بک کرا سکتے ہیں۔

اب مزید مختلف ڈیزائنوں میں

خوبصورت، پائیدار، جدید و خوش رنگ سائیکلوں کے "سٹینڈ و کیریئر"

پیش کر رہے ہیں

مناسب دام - پائیداری اور معیار میں منفرد مقام

بنانے والے } الفرید سٹیل پروڈکشن پاکپتن روڈ عارف والا ضلع ساہیوال

بیادِ علامۂ عصر

حکیم محمد اختر صاحب کراچی

احقر محمد اختر عفا اللہ عنہ سانحہ جانکاہ کی خبر سن کر مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن پہنچا دیکھا کہ وہاں کا سوگوار ہجوم بزبان حال یہ مصرعہ پڑھ رہا تھا۔ ع

رفتم بہ مصر یوسف کنعاں نہ یافتم

لیکن بقول حضرت رومیؒ ؎

نیکواں رفتند و سنتہا بماند
و از لئیماں ظلم و لعنتہا بماند

اللہ تعالےٰ کے نیک بندے دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اپنی نیکی اور اچھے چلن کی نشانیاں اور روشنیاں بعد والوں کے لیے چھوڑ گئے اور برے لوگ بھی دنیا سے چلے گئے لیکن اپنی برائیوں کی نحوست اور لعنت اور اندھیریاں چھوڑ گئے ؎

رنگ تقویٰ رنگ طاعت رنگ دیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں
(عارف رومیؒ)

تقویٰ یعنی پرہیزگاری اور عبادت اور دین کا رنگ متقی اور عابد بندوں پر ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گا ؎

رنگ شک رنگ کفران و نفاق
تا ابد باقی بود بر جانِ عاق
(عارف رومیؒ)

شک اور کفر اور منافقت کا رنگ بھی نافرمانوں کی روحوں پر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اچانک ہم سے بہ مشیت ایزد متعال اپنے حسنات کی لازوال یادگار چھوڑ کر رحلت فرما گئے ـــــ انا للہ وانا الیہ راجعون

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

"موت العالِم موت العالَم" کے تصور سے ہمارے ساتھ شریکِ غم زمین و آسمان اور ہر ذرۂ کائنات بھی ہے۔

حضرت مولاناؒ کی عنایات چونکہ اس ناکارہ پر بہت تھیں۔ اس لیے اچانک مفارقت سے قلب پر بے حد اثر ہوا۔

۱۔ دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا

۲۔ رحمتِ حق گوہرِ رحمت کی بارانی کرے
آسماں تربت پہ تیری شبنم افشانی کرے

احقر کے لیے اپنے عظیم صدمہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بہت باعث تسکین ہوتا ہے ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مر گیا
اور مظہر در حقیقت گھر گیا

تحفظ ختم نبوت اور مولانا کی خدمات

تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں مولانا کی رات دن کی جد و جہد اور پھر اس پیری و ضعف کے زمانے میں بعض جلسوں میں شرکت بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مولانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جان نثار عاشق تھے۔ تحفظ ختم نبوت کے ایک جلسہ میں جو حیدرآباد (سندھ) میں ہوا تھا احقر بھی شریک تھا۔ مولانا کا بیان تقریباً ۱۲ بجے شروع ہوا۔ بیان سے مولانا کا جوش و خروش مخالفین کے مقابلہ میں بزبانِ حال یہ شعر حضرت رومیؒ کا پڑھ رہا تھا ؎

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من
تشنۂ زارم بخونِ خویشتن

ترجمہ: تم لوگ مجھے قتل کی دھمکیاں کیا دیتے ہو۔ میں تو (عشق نبی علیہ السلام میں) اپنے خون کا خود تشنۂ زار ہوں۔ بیان کا مختصر خلاصہ یہاں پر چند سطور میں درج کرتا ہوں۔

بعد خطبہ فرمایا کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف و سلوک کی تمام کتب کا مطالعہ کیا لیکن قلب کو مفہوم نسبت اور قرب ولایت کا ادراک نہ ہوا تو پھر یہ ارادہ کیا کہ کسی صاحب نسبت ولیٔ کامل کی صحبت سے سلوک کے منازل طے کروں۔ ایک عرصہ مجاہدات اور ذکر و فکر اور مراقبات اور شیخ کامل کی توجہات اور دعاؤں کی برکات سے جب خود صاحب نسبت ہو گئے تو سمجھ میں آیا کہ اولیاء اللہ کا کیا مقام ہوتا ہے۔ اور اُن کو حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ جو نسبت اور قرب کا مقام حاصل ہوتا ہے اسی سے قلب۔ اور روح کو کیا محسوس ہوتا ہے ؎

یہ کیا ہوتا ہے جب لب پر کسی کا نام آتا ہے

؎ اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

تعلق مع اللہ کی یہ باطنی دولت جب حضرت امام محمد غزالیؒ کو عطا ہوئی تو یہ اتصال بے تکیف اور بے قیاس جو عقل سے سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا بدون غور و فکر سمجھ میں آیا بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا بس تیری پہچان یہی ہے

پھر حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ جب غیر ولی کسی ولی کے مقام کو عقل سے ادراک نہیں کر سکتا تو مقامِ نبوت کو غیر نبی استدلال اور عقل کی پرواز سے کیسے سمجھ سکتا ہے اور پھر مولانا نے جوش میں آکر فرمایا کہ اور پھر سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو جملہ انبیاء بھی نہیں سمجھ سکتے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب تمام ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

احقر کو بس اتنا خلاصہ یاد رہ گیا جو تحریر کر دیا گیا۔

حضرت مولانا بنوریؒ کی خدمت میں احقر کی حاضری

ایک بار احقر ۱۹۶۲ء میں حضرت مرشدنا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی معیت میں مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن حاضر ہوا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ ایک مصری عالم سے عربی میں گفتگو فرما رہے تھے — احقر حیرت زدہ تھا کہ وہ مصری عالم تو کچھ رُک رُک کر کلام فرماتے تھے۔ اور مولانا کو عربی ادب میں ایسا ملکہ حاصل تھا کہ بے تکلف بدون توقف مسلسل عربی میں مصروف تکلم رہے۔ اسی اثناء میں ایک اہل علم نے حضرت مرشدنا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے ایک سوال کیا کہ درود شریف کی تسبیح پہلے پڑھی جائے یا استغفار کی تسبیح پہلے پڑھیں۔ حضرت مرشدنا نے جواب دیا کہ یہی سوال حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا تھا تو فرمایا تھا کہ عطر پہلے لگاتے ہیں یا کپڑے کو پہلے صاف کیا کرتے ہیں پھر عطر لگایا کرتے ہیں۔ بس اس جواب سے وہ اہل علم بہت مسرور ہوئے یعنی پہلے استغفار کی تسبیح سے قلب و روح کو ظلمات اور کدورات معاصی سے پاک و صاف کریں پھر درود شریف کا عطر لگائیں۔

حضرت مولانا بنوریؒ اس جواب کو سن کر بہت محظوظ اور مسرور ہوئے۔

دوسری حاضری

مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۷۳ء کو ڈرگ کالونی میں واقع جامعہ حمادیہ کراچی کی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں احقر بھی حاضر تھا۔ مولانا بنوریؒ کا مختصر سا بیان ہوا مگر عجیب اور نہایت جامع تھا۔ مضمون وعظ کا خلاصہ یہ تھا کہ اہل علم اور اہل مدارس کو چاہیے کہ اخلاص نیت کا بہت اہتمام کریں کہ اخلاص ہی کی بدولت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک مُد جَو صدقہ کرنا غیر صحابی کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے سے افضل ہے اور بدون اخلاص اعمال مقبول نہ ہوں گے۔ فرمایا کہ ہم اہل مدارس کو اخلاص کا بہت ہی اہتمام ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اس حدیث میں اُحد پہاڑ کی تشبیہ کیوں دی گئی پہاڑ تو

مدینہ پاک میں متعدد ہیں پھر خود ہی فرمایا کہ اُحد پہاڑ مدینہ پاک کا سب سے بڑا پہاڑ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اُحد مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اُحد سے، اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اُحد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو اُحد خوشی سے ہلنے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اثبت یا اُحد" ٹھہر جا اے اُحد پس تحقیق کہ تجھ پر خدا کا رسول اور صدیق ہے۔

تیسری حاضری تیسری ملاقات حضرت مولانا و مرشدنا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں ہوئی۔ احقر نے اپنی تالیف معارف مثنوی کا ایک نسخہ ہدیۃً پیش کیا بہت مسرور ہوتے اور فوراً ایک مقام کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ مقام احقر کی طبع زاد مثنوی اختر کا رسالہ تھا جو معارف مثنوی کے آخر میں منسلک کیا گیا ہے۔ اس میں سے ایک شعر احقر کو پڑھا اور فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ کے اشعار میں اور مولانا رومیؒ کے اشعار میں فرق نہیں محسوس ہوتا وہ شعر یہ تھا ؎

اہل دل آنکس کہ حق را دل دہد
دل دہد او را کہ دل را مے دہد

ترجمہ: اہل دل وہ ہے جو اپنا دل اپنے خالق اور مالک کو دے دیتا ہے یعنی دل اُسی کو دے دیتا ہے جو دل کو عطا کرتا ہے۔

چوتھی حاضری فرمایا کہ میں آپ کو ہر روز پڑھا کرتا ہوں پھر ہنس کر فرمایا یعنی آپ کی معارف مثنوی کو پڑھا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا بنوریؒ کو اردو ادب میں بھی بلند پایہ مقام حاصل تھا۔ چنانچہ ماہنامہ بینات کا اداریہ جو حضرت خود ارقام فرمایا کرتے تھے وہ نہایت ہی ادبی ہوتا تھا۔ احقر کی معارف مثنوی پر حضرت مولانا بنوریؒ نے جو تقریظ ارقام فرمائی وہ بھی نہایت ادبی رنگ میں رنگین اور شوکت کلام کے اعتبار سے سنگین ہے۔ نمونے کے طور پر وہ چند سطور یہاں بھی تحریر کرتا ہوں۔

نیز ان سطور کی تحریر سے یہ بھی مقصود ہے کہ حضرت مولانا بنوریؒ کو اس ناکارہ پر جس درجہ عنایت تھی اس کا تشکر بھی ہو جائے اور معارف مثنوی جو حضرت مولانا رومیؒ کے علوم و معارف کا گنجینہ اور بے بہا خزینہ ہے اہل علم بھی اس سے روشناس ہو جائیں کہ بزرگان دین کی دعاؤں کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس ناکارہ کے قلم سے کیا کام لیا ہے۔ تقبل اللہ تعالیٰ بفضلہ۔

تأثرات حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

برادرم محترم جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی تالیف معارف مثنوی پڑھ کر موصوف سے اتنی عقیدت ہوئی جس کا مجھے تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ فارسی اردو میں قدرۃ شعر، حسن ذوق، پاکیزگیٔ خیالات، دردِ دل کا بہترین مرقع ہے۔ اب موصوف نے دیوانِ شمس تبریز جو عارف رومی متکلم کے شیخ ہیں اُن کے حقائق و معارف کا انتخاب و تشریح و بیان لکھ کر اپنے حسن ذوق، لطافت طبع، سلامت فکر کا ایک اور شاہد عدل پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ارباب ذوق کو ان کے شگفتہ تالیفات و انتخابات سے مزید مستفید فرمائے۔ آمین!

محمد یوسف بنوری
سہ شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

اسی طرح احقر نے ایک کتاب "مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں" جب لکھی تو حضرت مولانا بنوریؒ کی خدمت میں اس کا مسودہ بھیجا۔ حضرت مولانا بنوریؒ نے اس پر جو اپنے تاثرات ارقام فرمائے چونکہ وہ عملی افادیت کے حامل ہیں اس لیے احقر یہاں بھی درج کرتا ہے تاکہ ناظرین کو مولانا بنوریؒ کی بصیرت اور تحقیق سے آگاہی ہو۔

تأثرات حضرت مولانا بنوریؒ برائے رسالہ مذکورہ

گرامی مفاخر برادر محترم مولانا حکیم محمد اختر صاحب زیدت معالیہم کا مرتب کردہ رسالہ "اکابر امت اور مودودی صاحب" دیکھا دل خوش ہوا۔ اس لیے کہ اس

پُر آشوب دور میں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ایمان کے زوال کا خطرہ پیدا ہو اور سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس قسم کے فتنوں سے بچنے کی کوشش ہو۔

مودودی صاحب کے رسائل و مقالات و تالیفات میں ایسے خطرناک مواد اور خطرناک تعبیرات موجود ہیں جن سے جدید نسل جو باقاعدہ علوم دین سے ناواقف ہیں وہ گمراہی و ضلالت ہی نہیں کفر صریح میں مبتلا ہو جائیں گے۔ عصر حاضر کے اکابرین امت کی رائے امت کے سامنے پیش کرنے سے ایک اہم فریضہ پورا ہو جاتا ہے۔ اکثر اکابر کی رائے اس وقت کی ہے جب کہ مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن اور خلافت و ملوکیت جیسی کتابیں وجود میں نہیں آئی تھیں لیکن ابتدائی دور میں چند ہی مقالات و تالیفات سے اپنے نورِ ایمانی اور فراستِ ایمانی سے فتنے کے عواقب کو تاڑ گئے اور اگر بعد کی چیزیں سامنے آ جاتیں تو شاید زیادہ صراحت کے ساتھ اور شدت کے ساتھ کچھ فرماتے۔

بہرحال یہ مجموعہ "آراء" اکابر وقت کا اہم تقاضا تھا جو موصوف نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور امت کو ہر زیغ و ضلال سے نجات عطا فرمائیں۔ آمین! اور آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب کو یہ توفیق نصیب فرمائے کہ صاف صاف ان ضلالات سے توبہ کر کے اعلان حق کریں اور اپنے قلم سے اس رجوع کا اعلان کریں تاکہ اس کا خاتمہ بھی بالخیر ہو اور آئندہ نسل بھی ان کی تالیفات سے مزید گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔ اور حدیث نبوی مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ کے وبال عظیم اور خسران عظیم سے بچائے اور تواصی بالحق کا یہی تقاضا ہے کہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح سمجھ اور صحیح عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
یکشنبہ ۹ شعبان ۱۳۹۶ھ
۸ اگست ۱۹۷۶ء

مولانا بنوریؒ کا استغناء و توکل

احقر نے ایک نہایت ثقہ راوی سے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک دولت مند رئیس دس ہزار روپے مدِ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا اور مولانا بنوریؒ سے عرض کیا کہ آپ اسے مدرسہ کے لیے قبول فرما لیں۔ فرمایا کہ مدِ زکوٰۃ کی رقوم کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے اس کی مقدار پوری ہو چکی ہے۔ آپ یہ رقم کسی اور مدرسے میں دے دیں۔ اس واقعہ سے احقر بہت متاثر ہوا۔ یہ بڑے توکل اور یقین کی بات ہے۔ ورنہ آئندہ سالوں کے لیے پس انداز کرنا بھی ممکن تھا۔ مگر مولانا کا اس واقعہ سے کمال توکل اور کمال استغناء کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت مولانا بنوریؒ کے چند علمی فوائد

(جن کا احقر نے براہِ راست استفادہ کیا ہے)

۱: فرمایا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ پہلی رکعت میں اگر امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد کوئی شخص جماعت میں شامل

پوشیدہ امراض
کے
تسلی بخش علاج کے لیے تشریف لائیں

پیشاب کی زیادتی، پیاس کی شدت، نظام ہاضمہ کی خرابی، جگر کی گرمی اور خون کی کمی کا کامیاب علاج کیا جاتا ہے

حکیم حافظ محمد یونس بی۔اے
فاضل الطب والجراحت گولڈ میڈلسٹ
عقب جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع فیصل آباد

ہو تو اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ تکبیر اولیٰ امام کی اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ امام رکوع کی تکبیر نہ کہے ۔ پس پہلی رکعت میں رکوع کی تکبیر سے پہلے پہلے جو لوگ بھی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں ان سب کو تکبیر اولیٰ مل جاتی ہے ۔

۲۔ فرمایا کہ توسل یعنی اولیاء اللہ کے وسیلے سے دعا مانگنا بعض علماء نے ممنوع لکھا ہے لیکن محققین علماء کا فیصلہ یہ ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ ممنوع نہیں ہے ۔ پھر مولانا بنوریؒ نے فرمایا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس وسیلے کے ثبوت میں یہ حدیث پیش فرمائی ہے :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ الخ

ترجمہ : اے اللہ ! میں آپ سے محبت مانگتا ہوں اور ان لوگوں کی بھی محبت مانگتا ہوں جو آپ سے محبت کرنے والے ہیں ۔

پس اولیاء اللہ کا وسیلہ طلب کرنا کہ یا اللہ فلاں بزرگ کی برکت سے میری دعا کو قبول فرما لے ۔ تو در اصل اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بزرگ کی محبت قلبی کا واسطہ اور وسیلہ دیا گیا ہے اور حدیث پاک میں عمل مقبول کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا ثابت ہے ۔ اور یہ محبت قلبی جو کسی مقبول اور بزرگ بندے سے ہوتی ہے نہایت ارفع اور اعلیٰ عمل ہے کیونکہ اور اعمال صالحہ جوارح سے یعنی اعضائے بدن سے صادر ہوتے ہیں اور اللہ والوں کی محبت قلبی یہ قلب کا فعل ہے اور قلب تمام اعضاء میں اشرف عضو ہے ۔ پس بزرگوں کے وسیلہ سے دعا مانگنا گویا کہ اپنے اعمال صالحہ سے سب سے اعلیٰ اور بہتر فعل و عمل کا وسیلہ پیش کرنا ہے ۔ سبحان اللہ کیا عمیق اور گہری نظر ہے ۔

مولانا کی یادگار اور باقیات صالحات

یوں تو مولانا بنوریؒ کے باقیات صالحات کو لکھنے کے لیے دفتر کا دفتر چاہیے لیکن صرف چند اہم یادگار کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے ۔

مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن جو درس نظامیہ کی تکمیل کے ساتھ دارالافتاء اور شعبۂ تخصیص سے بھی آراستہ ہے مولانا کی عظیم نشانی اور یادگار ہے اور ملک اور بیرون ملک کے تلامذہ اس عظیم الشان علمی سرچشمے سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور تصانیف میں مولانا بنوریؒ کی معارف السنن شرح سنن ترمذی عجم و عرب میں یکساں مقبول ہوئی اور یہ کتاب مبارک مولانا کی زندگی کا ایک تاریخی شاہکار ہے اور "الاستاذ المودودی" کی ۲ جلدیں بھی مولانا کی جرأت اور اظہار حق پر شاہد عدل ہیں جس میں مولانا نے بدون خوف لومۃ لائم امت کو اس سردار فتنے سے آگاہ فرمایا ہے ۔ اسی طرح ختم نبوت کا کارنامہ اور قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل نصب کرنے کی سعادت بھی مولانا کو حق تعالیٰ شانہٗ نے عطا فرمائی ۔ امید ہے کہ روح پاک مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم مولانا کی اس خدمت سے بے حد مسرور ہوئی ہو گی ۔ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ مساعی کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں ۔ آمین !

تاریخ وفات حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ

۱۔ یا اسفیٰ علی مجتبیٰ الامام الادیب الحاج السید محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۲ ۲۰ ۱۱۳ ۴۳ ۴۳ ۶۵۲ ۸۲۹

۱۹۷۷ء

۲۔ آہ الشیخ الربانی یوسفؒ

۶ ۹۴۱ ۲۹۴ ۱۵۶ = ۱۳۹۷ھ

۳۔ اُجتبیٰ یوسف ایہا الصدیق، تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا

۲۱ ۱۹۵۶ء = ۱۹۷۷ء

۴۔ الامام العارف اُجتبیٰ السید محمد یوسف البنوری قدس سرہ

۱۳ ۱۸۲ ۲۱ ۶۵۲ ۴۲۹

۱۲۹۷ھ

از خاکپائے بنوریؒ، محمد اشرف

ثناء الحق صدیقی ایم۔ اے (علیگ)

عالمِ باعمل
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری

۱۱۱ جی - ۱/۳
ناظم آباد - کراچی - ۱۸

محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے حکم کی تعمیل غیر معمولی تاخیر سے کر رہا ہوں اور اپنی اس کوتاہی کیلئے معذرت خواہ ہوں۔ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک مختصر سا مضمون ارسال خدمت ہے۔ میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ مجھ جیسا بے علم انسان آں مرحوم پر کوئی علمی مقالہ لکھنے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتا۔ البتہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے تاثرات بیان کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ چند سطریں جو سپرد قرطاس کی ہیں میرے جذبات صادقہ کی صحیح اور سچی تفسیر ہیں۔ اگر آپ کا مجوزہ نمبر ابھی نہ چھپا ہو اور آپ مناسب خیال فرمائیں تو اس ناچیز تحریر کو اس میں شامل کر کے شکر و امتنان کا موقع دیں۔ لیکن اگر آپ اس کو معیار سے پست سمجھیں تو شائع نہ کریں مجھے قطعاً کوئی شکایت نہ ہوگی بلکہ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا کہ آپ نے ایک غیر معیاری چیز کو منظر عام پر نہ لا کر مجھے رسوائی سے بچا لیا۔ والسلام مع الاکرام

احقر العباد
ثناء الحق صدیقی

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کا صحیح تعین تو وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو قدرت نے دولتِ علم سے نوازا ہو۔ مجھ جیسے بے علم کیلئے تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ بہت بڑے عالم دین تھے، اتنے بڑے کہ میرا طائرِ تخیل بھی ان کی علمیت کی حدوں کو نہیں چھو سکتا۔ اپنی بے مائیگی کے احساس وجہ سے میں نے کبھی اُن کی خدمت میں باریاب ہونے کی بھی کوشش نہیں کی اتفاق سے جب مجھے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مضمون لکھنا پڑا تو اس کیلئے میں نے حضرت مولانا بنوری رحؒ کی تصنیف لطیف "نفحۃ العنبر" کی زیارت کی۔ اس کے بعد سے یہ تمنا میرے دل میں کروٹ لینے لگی کہ میں مصنف کتاب کی بھی زیارت کر دں۔ ایک دعوت میں، جو غالباً ڈاکٹر صغیر حسن معصومی مدظلہ کی صاحبزادی کی شادی کے سلسلے میں تھی مجھے بہت قریب سے حضرت مولاناؒ کو دیکھنے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے سننے کا موقع ملا۔ میں نے محسوس کیا کہ گفتگو کے دوران سنجیدگی اور عالمانہ وقار کی صفتیں ایک ثانیہ کے لئے بھی اُن سے جدا نہیں ہوئیں۔ اُن کی اِن خوبیوں کو دیکھ کر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں خود ان سے گفتگو کروں لیکن فوراً ہی اپنی بے بضاعتی کا خیال کر کے اس خواہش کو اپنے دل سے دُور کرنے کی کوشش کی۔ میں نے سوچا کہ میں ان کی گفتگو سن تو سکتا ہوں لیکن نہ اس کے مفہوم کو پوری طرح سمجھ سکتا ہوں، اور نہ گفتگو کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں مگر پھر خیال کیا کہ "میرے لئے یہی بہت کچھ ہے کہ میں اُن کا مخاطب ہوں"۔
میں کچھ عرصہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ غالباً کسی موقع پر اپنی اس خواہش کا

اظہار اپنے ایک کرمفرما رئیس عالم صاحب کے سامنے کر دیا۔ اُن کو پہلے سے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ میں تو اُن سے بات کر کے بھول بھی گیا لیکن انہوں نے اس چیز کو اپنے حافظہ میں رکھا اور نہ معلوم کیا سبیل کی کہ ایک دن شام کو مغرب کے بعد حضرت مولاناؒ کو مع اُن کے صاحبزادے کے میرے غریب خانے پر لے آئے۔ اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ کبھی اُن کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے گھر کو۔

حالانکہ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی لیکن انہوں نے ایک ثانیہ کے لئے بھی اس بات کا اظہار نہ ہونے دیا کہ میں اُن کے لئے اجنبی ہوں۔ نہایت خندہ روئی سے ملے، مصافحہ کیا، خیریت دریافت کی اور بڑی بے تکلفی سے میرے بیحد معمولی کمرے میں زمین پر بچھی ہوئی دری پر بیٹھ گئے۔ پھر فوراً ہی مجھ سے اس محبت و شفقت سے گفتگو کرنے لگے گویا مجھ سے بڑی پرانی جان پہچان ہے۔ اُن کی گفتگو کا یہ پہلو نہایت نمایاں تھا کہ انہوں نے ایک دفعہ بھی مجھ پر اپنی علمیت کا رعب قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اگر کوئی علمی مسئلہ بیان بھی کیا تو ایسے عام فہم انداز میں کہ مجھے اس کے سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ مجھے خود تو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ تاہم میں برابر اس بات پر غور کرتا رہا کہ "کیا حضرت مولانا علم النفس کے بھی اتنے ماہر ہیں کہ ایک ہی نظر میں انسان کی ذہنی سطح اور صلاحیتوں کو سمجھ لیتے ہیں؟"

اس وقت میرے علاوہ حضرت مولاناؒ کی گفتگو سننے والے دو حضرات اور تھے ایک رئیس عالم، دوسرے میرے ایک ملاقاتی جو پہلے سے موجود تھے۔ حضرت مولاناؒ کافی دیر تک بیٹھ کر ہم لوگوں کو اپنے فرمودات سے مستفید فرماتے رہے۔ میں جانتا ہوں کہ حضرت کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہوتا تھا لیکن وہ عظیم انسان جس نے چھوٹوں کی دل جوئی اور تالیف قلب کو اپنا شعار بنا رکھا ہو اپنے وقت کی قربانی دینے میں کب دریغ کر سکتا تھا۔ یہ گویا تمہید تھی حضرت مولاناؒ سے ملنے اور براہ راست اُن کا مخاطب بننے کی۔

اس کے بعد سے میں نے وقتاً فوقتاً حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضری دینی شروع کر دی۔ دو ایک مرتبہ کے سوا میری حاضری ہمیشہ رئیس عالم صاحب کی معیت میں ہوئی اگرچہ حضرتؒ کے ملنے کے اوقات مقرر تھے لیکن میں اکثر غیر وقت میں گیا اور کبھی مجھے بغیر ملاقات کئے واپس نہیں آنا پڑا۔ جب بھی گیا حضرت نے نہایت خندہ جبینی سے استقبال کیا اپنے قریب قالین پر بٹھایا۔ چائے اور دیگر لوازمات سے تواضع کی اور نہایت محبت سے گفتگو کرتے رہے۔ جب تک ہم بیٹھے رہے برابر ہمیں علمی اور دینی مسائل بتاتے رہے اور اپنے کسی طرز عمل سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اُن کو ہمارا زیادہ دیر تک بیٹھا رہنا ناگوار گزرا۔ جیسا ہنستا مسکراتا چہرہ جانے کے وقت دکھائی دیتا تھا ایسا ہی ہمارے رخصت ہونے کے وقت نظر آتا تھا۔ جب ہم چلنے لگتے۔ تو کھڑے ہو کر مصافحہ کرتے تھے۔ اپنی ٹانگ کی تکلیف کا بھی کچھ احساس نہ کرتے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں اور رئیس عالم صاحب حضرتؒ کے والد محترم کی تعزیت کی غرض سے ان کے مکان پر جو مسجد کے اندر ہی بنا ہوا ہے۔ حاضر ہوئے پتہ چلا کہ حضرت مولاناؒ مسجد میں بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔ پہلے تو ہم دونوں جاتے ہوئے ہچکچائے لیکن پھر خیال کیا کہ خاموشی سے جا کر ایک طرف بیٹھ جائیں اور حضرتؒ کی زبان سے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سننے کی سعادت حاصل کریں۔ چنانچہ ڈرتے اور ہچکچاتے ہوئے ہم کونے کے ایک دروازے سے مسجد میں داخل ہوئے ہماری کوشش یہ تھی کہ حضرت کے درس میں خلل نہ پڑے۔ اس لیے ہم نے نہایت دبے پاؤں قدم اندر رکھا لیکن نہ معلوم کیسے؟ حضرتؒ نے ہمیں دیکھ لیا۔ فوراً درس بند کر دیا۔ اور ہماری آمد پر خوشی کا اس طرح اظہار کیا کہ تمام طلبہ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ میرا تمام بدن ندامت سے عرق آلود ہو گیا میں خود پر نفرین کرنے لگا کہ میں ایک مبارک و مقدس کام میں انقطاع کا موجب بنا۔ اسی حالت میں ہم دونوں آگے بڑھے۔ قریب پہنچ کر سلام کیا۔ میں تو پیچھے رک گیا، رئیس عالم صاحب نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا، حضرتؒ نے مجھے بھی نام لے کر آگے بلایا، مصافحہ کیا اور خیریت دریافت کی۔ میں نے مصافحہ کر کے طلبہ کی صف میں بیٹھنا چاہا لیکن حضرتؒ نے مجھے اپنے پاس قالین پر بٹھا لیا۔ اور پھر تمام طلبہ سے میرا تعارف کرانے لگے۔ تقریباً پندرہ منٹ اسی میں صرف ہو گئے۔ اور میں اس اثنا میں برابر حضرتؒ اقدس کی ذرہ نوازی کی عملی تفسیر پڑھتا رہا۔

پندرہ منٹ بعد حضرتؒ نے پھر درس بخاری کا آغاز کیا اور مجھے پہلی اور آخری مرتبہ حضرت کی زبان سے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرتؒ کے درس کی وہی شان ہے۔ جو میں دار العلوم دیوبند میں دیگر اکابر کے درس میں دیکھ چکا تھا۔

حضرت مولانا سے آخری مرتبہ اس وقت ملاقات ہوئی جب آپ کو پہلی مرتبہ دل کا دورہ ہوا تھا۔ میرے ایک رفیق کار مرزا انور بیگ صاحب عرصہ سے حضرتؒ سے ملاقات کرنے کے خواہشمند تھے۔ اس وقت مجھے بھی حضرتؒ کی عیادت کے لئے جانا تھا۔ لہٰذا ہم دونوں ایک دن صبح کے وقت حضرتؒ کے مکان پر پہنچے۔ انور بیگ صاحب نے دروازہ پر دستک دی تھوڑی دیر بعد خود حضرت ہی نے آ کر دروازہ کھولا۔ کہا نہیں جا سکتا کہ اس وقت آپ کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی، لیکن آپ کے اخلاق کریمانہ نے آپ کے قلب مصفا پر ذرا بھی تکدر پیدا نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ اس وقت میں دیوار کی آڑ میں تھا۔ حضرت نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور مرزا انور بیگ ان کے لئے اجنبی تھے۔ اس کے باوجود نہایت نرم لہجہ میں فرمایا۔ "اندر تشریف لائیے"۔ میں نے آواز سنی تو سامنے آیا۔ سلام کیا۔ انہوں نے دونوں سے مصافحہ کیا اور اندر لے گئے۔ چھڑی ہاتھ میں تھی۔ چہرہ پر اضمحلال کی کیفیت طاری تھی۔ کمزوری کے باعث چلنا دشوار تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر اس وقت بھی حضرتؒ کی کسی بات سے ناگواری کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اسی طرح محبت اور شفقت سے لے جا کر کمرے میں بٹھایا، خیریت دریافت کی اور کچھ گفتگو بھی فرمائی۔ تاہم میں نے محسوس کیا کہ چہرہ پر وہ بشاشت نہیں ہے۔ جو آپ کا وصف خاص تھا بلکہ ایک گونہ کرب و بے چینی کے آثار ہویدا ہیں۔ باتیں کرنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ زیادہ دیر تک بیٹھنا بھی

مشکل ہے۔ لہٰذا ہم نے اجازت لی اور جلدی ہی اٹھ کر چلے آئے۔

مجھے قطعاً یاد نہیں کہ کتنی مرتبہ حاضری ہوئی۔ لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حاضریوں کا سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ ہماری حاضری کا مقصد ملاقات کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے جانے سے حضرت مولانا کو نہ کوئی دینی فائدہ تھا نہ دنیوی ہم ان کی گفتگو سے ضرور بہت سے فائدے حاصل کرتے تھے۔ آج جب کہ دنیا میں خود غرضی عام ہے۔ اور کسی غرض اور فائدے کے بغیر کوئی شخص بات تک کرنے کا روادار نہیں حضرت مولانا کا یہ طرز عمل ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ سال ہا سال جاری رہنا ان کی بے لوثی اور عظمت کی بین دلیل ہے۔

اتنی حاضریوں کے بعد میں نے حضرت مولانا کی کئی خوبیوں کو شدت سے محسوس کیا۔ سب سے نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ نہایت سادہ مزاج اور صاف گو تھے۔ تصنع اور تکلف سے بری اور گفتگو صاف اور دو ٹوک۔ پھر اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود نہ اپنے علم کو کبھی مکمل سمجھا۔ اور نہ کبھی مزید علم حاصل کرنے کی کوشش کو ترک کیا۔ مطالعہ کا شغل مدت العمر جاری رہا۔ چھوٹوں کی ہمت افزائی کرنا حضرت مولانا کا شعار تھا۔ مختلف زبانیں بڑی روانی سے بولتے تھے۔ حضرت کے پاس بہت سے ملکوں کے لوگ آتے رہتے تھے۔ اور وہ ان سے ان ہی کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ عربی اس قدر روانی سے بولتے تھے کہ کبھی ان کو اٹکتے یا ہچکچاتے ہوئے محسوس نہیں کیا۔

حضرت مولاناؒ سے اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا۔ تو نہایت نرم لہجہ میں اس کا جواب دیتے تھے۔ جواب عموماً نہایت واضح اور صاف ہوتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ حضرت! قرآن کریم میں کہا گیا ہے "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" اس میں کس ذکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا" ذکر سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت احکام خداوندی کو ذہن میں رکھو اور اپنے جملہ اعمال کی بنیاد ان ہی کو بناؤ"

حضرتؒ کے دل میں دین کا بہت درد تھا۔ بڑی دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ ملت مسلمہ کی زبوں حالی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دن نہایت حسرت کے ساتھ فرمانے لگے "میں نے ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب اسلام کا احیاء ہونا ممکن نہیں تاآنکہ قیامت آجائے"۔

آپ کے دل میں قرآن وحدیث کا بیحد احترام تھا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے والہانہ محبت تھی۔ خود تو ان امور میں راسخ تھے ہی لیکن اور بھی کسی سے ان کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر ان کے متعلق کوئی شخص ایک بات بھی ایسی کرتا جس سے توہین یا تنقیص کا پہلو نکلتا ہو تو پھر وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔

یہ تو وہ چند خوبیاں ہیں جو مجھ جیسے سطح بین انسان نے بھی محسوس کرلیں۔ لیکن ان کے علاوہ بہت سی خوبیاں ایسی بھی تھیں جن تک میری نظر نہیں پہنچ سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور انحطاط میں حضرت مولاناؒ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ کی رحلت سے علماء کی مجلس سونی ہوگئی ہے۔ یقیناً اب بھی بعض مقدس ہستیاں ایسی ہیں جو دین کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں لیکن حضرت مولانا بنوریؒ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے اور آئندہ بھی مدت مدید تک ہوتی رہے گی۔ حالی مرحوم کا ایک مصرعہ اس کی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی تربت کو نور سے بھردے اور ان کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔

نور اللہ مرقدہ ومضجعہ

بقیہ : مولانا لطافت الرحمٰن

برمحل اور برموقع بھی ہو۔ چنانچہ ایک لمحہ کے بعد پتہ چلا کہ "ولمغفورلہ" کے حروف کا مجموعی حساب جمل مرحوم کا سن وفات ہے اور رجب میں نے حساب جمع کیا تو کافی دیر تک اس انوکھی کرامت سے میرا وجدان متاثر رہا۔ اور مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کی مغفرت فرمادی ہے

بہر کیف مولانا محمد یوسف بنوری سقی اللہ ضریحہ بشآبیب رضوانہ وآواہ فی جوار کرم وامانہ۔ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے جن کی وفات پر میں یہ چند خام اور ناتمام سطور پیش کرکے اس شہنشاہ علم وعرفان کے علمی خزانوں کی بابت اپنے اس مختصر مقالہ پر بس یہی کچھ عرض کرسکتا ہوں ؎

ہمے شرمسارم کہ پائے ملخ را
سوئے بارگاہ سلیمان فرستم

وصلی اللہ علی خیر الانام۔ ھذا والسلام۔

شاد باش وشادزی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
اس میں قاسمؒ ہوں کہ انور شاہؒ کہ محمود الحسنؒ
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند
گرمئ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج
جن سے پرچم ہے روایات سلف کا سربلند

ظفر علی خانؒ

ایک مثالی چراغ اور بجھا

۳۴ ـــــ بکرمی ـــــ ۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم العلی العزیز الکریم الحکیم

۹۸ ـــــ ہجری ـــــ ۱۳

نحمدہٗ و نصلی علیٰ پیشوائے انبیاء رسولہ الکریم

۹۸ ـــــ ہجری ـــــ ۱۳

بسپاس ایزدی مروجہ تین سنوں سے مرتب کردہ ۔ بہار پیرا تاریخی امرانسلہ

۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹ ۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹

مکرمی جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی طوطی مقال ۔ جامع الفضل ادام اللہ تعالےٰ شانہٗ

۹۸ ـــــ عیسوی ۱۳ ۳۴ ـــــ بکرمی سمت ـــــ ۲۰

محب زیرک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ خیر و عافیت الجناب بدرگاہ ایزد جلیل نیک مطلوب

۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹ ۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹

جناب والا چند روز قبل پاکیزہ رائے جناب مولانا نعمت اللہ صاحب قادری

۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹

المعروف بہ مردحق شناس ابو معاذیہ وحید آباد کراچی والوں کی آمد پر ۔ دوران ملاقات یہ معلوم ہوا کہ بجوش ہمت جلد ہی

۷۸ ـــــ عیسوی ۱۹ ۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹

بجم عزت ہفت روزہ خدام الدین لاہور کا گوہر مقبول "مولانا بنوری نمبر" شائع کر رہے ہیں ۔

۳۴ ـــــ بکرمی سمت ۲۰ ۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹

اللہ تعالیٰ اس بجم امید نیک جد و جہد میں جناب و ادارہ خدام الدین کی بالگان اعانت فرمائے و جزائے خیر سے نوازنے

۳۴ ـــــ بکرمی سمت ـــــ ۲۰ ۷۸ ـــــ عیسوی ـــــ ۱۹

آمین ثم آمین یا رب العالمین بسپاس خداوند مجید ۔

۳۴ ـــــ بکرمی سمت ـــــ ۲۰

از بندہ ناچیز زندہ گدا حکیم عزیز الرحمٰن مرزا جودھ پوری حیدر آباد

۹۸ ـــــ ہجری ـــــ ۱۳

بشرف ملاحظہ پاک ہمت

۳۴ ـــــ بکرمی سمت ـــــ ۲۰

مکرمی جناب مولانا سعید الرحمٰن علوی ذی علم ۔ پاکباز ایڈیٹر خدام الدین

۳۴ ـــــ بکرمی سمت ۲۰ ۹۸ ـــــ ہجری ـــــ ۱۳

ہفت روزہ (بہار امید) شیرانوالہ دروازہ لاہور

۳۴ ـــــ بکرمی سمت ـــــ ۲۰

تینوں مروجہ سنوں سے مرتب کردہ چاکر قلب

۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

غم آلود گلہائے تعزیت

۳۴ ——— بکرمی ——— ۲۰

مولانا محمد یوسف بنوری دُرِ بے بہا کا انتقال ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون

۳۴ ——— بکرمی ——— ۲۰

معبدِ علوم علامہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب خلد مکاں کے بعد۔ مکتب دیوبند کا ایک اور بلند فطرت تابندہ۔ روشن چراغ راہ بجھا

۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۳۴ ——— ۲۰ ۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

یعنی علامہ جہاں محمد یوسف بنوری ۱۷ اکتوبر بپیر کی صبح۔ خالق حقیقی بزرگ عالم سے جا ملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰

مولانا بنوری با بہ فصاحت بڑے متبحر عالم و سیرت و کردار کے اعتبار سے از ہمہ اولیٰ بڑے انسان تھے اور ہر بڑے دانا نامور آدمی کا دنیا سے

۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

اٹھ جانا بڑا نقصان وہ آفت انگیز بڑا نقصان ہی ہوتا ہے۔ چاہے موت کسی بھی وقت اور بلا تو ثق کسی بھی جگہ۔ بسپاس ایزدی نقد جاں کو نذرانہ

۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۹۷ ——— ہجری ——— ۱۳

بعقیدت آگیں حق تعالیٰ کے طور پر طلب کرلے۔ چنانچہ اس اعتبار سے معدن فیوض۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا بجہد سفر حیات

۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰

گردوں رکاب جب بھی ختم ہوتا۔ اسے باختہ جگر المیہ ہی سمجھا جاتا لیکن اس حقیقت کے باالم بخشش الم کے باوجود مولانا عالم زمان صاحب علم کا سانحۂ ارتحال واقعتاً

۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

جاں تپیدہ ناوقت و ناقابل تلافی نقصان۔ باکاہش طبع نظر آتا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ حقائق مآب انہیں زندگی کی تھوڑی سی منبع جود مہلت اور دیتا۔

۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۹۷ ——— ہجری ——— ۱۳ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

مگر اس کی مصلحت تو وہی والا فہم سمجھتا ہے۔

۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰

مولانا نے زندگی بھر اتنا علمی اعلیٰ مثال اور منبع علوم تبلیغی کام کیا ہے۔ کہ وہ اُن کے لیے بہت وافر زادِ آخرت دائم ہے۔

۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۳۴ ——— بکرمی سمت ——— ۲۰ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

تاہم مولانا کو اپنی زندگی میں جو سب سے بڑی سعادت بدوام نصیب ہوئی وہ ہمارے خیال میں ان کی انعام معبود قیادت میں

۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹ ۷۷ ——— عیسوی ——— ۱۹

نایاب و بے مثال تقدس اساس تحریک ختم نبوّت نیک فال کا برپا ہونا۔ اور اس کے نتیجہ میں نوے برس پرانے سرگرم

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

آزار جانی فتنۂ قادیانیت کے بارے میں پہلی بار۔ بپاس ایزد مؤثر انسدادی کارروائی کا عمل میں آنا یعنی قادیانیوں کا

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

آئینی طور پر بدقدم غیر مسلم اقلیت مجبوراً بادیدہ وانصاف قرار دیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے سلسلہ میں مولانا کی عالمانہ وقت نُدانہ نفیس طبع مساعی کو

۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰

مناسب خراج شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں' یہ ناقابل تردید اقرار حقیقت ہے کہ' قرآن حکیم کنز ایقان کا فیصلہ ما کان محمدؐ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ

۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

وخاتم النبیین وکان اللہ (الملک) بکل شیئٍ علیما' کا احتراماً عقیدت کا بحمداللہ' بایمان عملی ثبوت دے کر

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳

جنت میں اپنا حق المقدور مقام حاصل کر لیا۔

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

ان دنوں معزّز والا مولانا نظریہ اسلامی کی کونسل کے' مشاورتی اجلاس میں بہت اہم علم افراز' بلند ذمہ داری میں مصروف تھے

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

پاکستان کی منزہ تاریخ میں' پہلی بار اس کونسل کو حکومتی اصل سطح' غیر معمولی اہمیت محمودہ دی گئی ہے۔

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۳ ۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰

اور سنجیدگی سے اس عزیز دلہا ادارے کو نظام اسلامی کے' اعلیٰ تاریخی ارتقاء و نفاذ صالحی کا وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔

۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰ ۳۴ ـــ بکرمی ـــ ۲۰ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳

یہ ادارہ نگین اعلیٰ ان دنوں غیر معمولی' رفتار اور جانفشانی سے بعون اللہ القیوم' اس کام میں مصروف ہے جو اس ملک کے کروڑوں شہریوں کی محکم

۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰ ۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰ ۳۴ ـــ بکرمی سمت ـــ ۲۰

آرزوؤں اور امنگوں کا بحر فیض محور ہے۔ اس عظیم الشان اعجاز رقم کام کی' انجام دہی بنوید کامرانی کے دوران مولانا کا یوں اچانک ہم سے علیحدہ ہو جانا

۳۴ ـــ بکرمی ـــ ۲۰ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳

ایسا سانحہ و حادثہ آشوب پیدا ہے کہ جس کی تڑپ' محسوس تو اب کی ہی جا سکتی ہے مگر آہ و زاری ظاہر نہیں کی جا سکتی۔

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

خدائے عالم بے بدل مولانا کے درجات بلند فرمائے' اور ان کے دل افگار پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳

اور ان کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں یمین و یسار تلامذہ بلند درجات کو ان کی' اوج پیما سیرت و کردار کی خوبیاں اپنانے

۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

اور ان کے نقش قدم پر زینت آثار چلنے کی' توفیق جام مراد عطا فرمائے آمین۔

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹ ۹۷ ـــ ہجری ـــ ۱۳

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک (سبحانہ) ذوالجلال والاکرام۔

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

از سفید ریش حکیم عبدالرحمٰن مرزا جودھپوری حیدرآباد سندھ

۷۷ ـــ عیسوی ـــ ۱۹

دورِ حاضر کی عظیم شخصیت

قاری سعید الرحمٰن، راولپنڈی

قاری سعید الرحمٰن
مہتمم و خطیب جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ
صدر۔ راولپنڈی

حوالہ نمبر --- تاریخ ------

مکرم و محترم مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب
السلام علیکم و رحمۃ اللہ
گذارش ہے کہ بنوری نمبر کے لئے ایک مضمون پہلے ارسال کر چکا ہوں
ایک دوسرا مضمون "دورِ حاضر کی عظیم شخصیت" کے عنوان
سے ارسال ہے۔ [illegible]
[illegible]

والسلام
سعید الرحمٰن
11.2.78

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ برصغیر پاک وہند کی ممتاز علمی شخصیات کو جمع کر کے ایک علمی مرکز قائم کیا جائے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور آپ کے بعد ٹنڈو اللہ یار میں دارالعلوم اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ جس میں استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاملپوری محدث عصر مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی استاذ القراء قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی جیسی ہستیاں قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے ٹنڈو اللہ یار میں ان اکابر کی موجودگی طلبہ کی کشش کا باعث بنی۔ اور طلباء دیوانہ وار مدرسہ کی طرف آنے لگے مدرسہ میں ایک اور استاد کا انتظار تھا۔ جس کے ساتھ ارباب مدرسہ کا سلسلۂ مکاتبت جاری تھا۔ وہ تھے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل میں اپنے شیخ حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور تدریس میں مصروف ہو گئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بخاری کا آخری حصہ اور نسائی شریف کے اسباق شروع ہو گئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے طلبہ ان سے بہت محبت کرتے۔ کیا معلوم تھا کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ قدم رکھنے والی یہ ہستی ایک وقت ایک ناگزیر شخصیت بن جائے گی اور اپنے علم و تقدس کی بناء پر پوری علمی و دینی فضا پر چھا جائے گی مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو روایتی درس و تدریس کے علاوہ عربی ادب سے چونکہ خاص شغف تھا اس لئے ہم نے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عربی تحریر سیکھنا شروع کی۔ حضرت بکمال شفقت اور حضرت والد صاحب مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری سے خصوصی تعلق کی بناء پر توجہ فرماتے۔

تقریباً تین سال قیام کے بعد بعض وجوہات سے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار سے قطع تعلق کر لیا۔ یہ چند سال بڑے آزمائش اور ابتلاء کے آپ پر گزرے۔ چنانچہ آپ سفر حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایک نیا عزم اور ولولہ لے کر آپ لوٹے

جس کا اظہار ایک خط میں کیا۔ جو حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام آپ نے تحریر فرمایا۔ دین کی خدمت کا جو جذبہ آپ کے دل میں موجزن تھا۔ اور جس انداز سے آپ علم دین کے لئے کام کرنا چاہتے تھے اس میں دوسروں سے اشتراک عمل کا تلخ تجربہ آپ پہلے کر چکے تھے۔ اس لئے مختلف حضرات کی پیش کشوں کے باوجود آپ نے عزم اور ہمت کا راستہ اختیار کر کے کچھ اہلِ خیر کے تعاون سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ کیا تھا' ایک نرالا تجربہ' روایتی طریقوں سے ہٹ کر تعلیمی اور تربیتی اور مالی ہر پہلو سے نیا انداز۔ مدرسہ کے ابتدائی دور میں آپ اور آپ کے رفقاء بڑی آزمائشوں سے گزرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دور کا ذکر بہت فرماتے۔ مصائب اور ابتلاء کے باوجود اپنے مقرر کردہ اصول سے سرمو انحراف نہ ہوا۔ استقلال کے ساتھ رواں دواں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق راستے کھول دیئے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

جو ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم ان کے لئے ضرور راستے کھول دیں گے۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اللہ سے عجیب ناز کا تھا۔

حضرت مسلسل بیس پچیس سال تک حج کے لئے جاتے رہے اور بعد میں ہر سال رمضان میں اعتکاف کے لئے بھی حرمین تشریف لے جاتے' فرماتے کہ میں تو وہاں پٹرول ڈالنے جاتا ہوں سارے سال کا خرچہ لے آتا ہوں۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے وہاں سے مل جاتی ہے۔ چند سال ہوئے جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ٹانگوں میں زیادہ درد رہنے لگا۔ چلنے پھرنے میں سخت تکلیف ہوتی تو فرماتے کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اب مجھے حج پر نہ بھیج' مجھ سے اور تکلیف برداشت نہیں ہو سکتی مگر عین موقع پر پھر تشریف لے جاتے۔ دوسرے لوگ وہاں جانے کے لئے ترستے ہیں' مگر یہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ ناز کا یہ عالم؟

مولانا کی زندگی کی ایک خصوصی شان اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل واعتماد تھا۔ ظاہری اسباب و وسائل کی کوئی حیثیت نہ تھی مدرسہ کے بارے میں آپ مجسمۂ توکل تھے۔ جو اصول طے کرتے تھے مشکل سے مشکل حالات میں بھی اس پر کاربند رہتے۔ کیا اس دور میں کوئی مدرسہ ایسی مثال پیش کر سکتا ہے جہاں مدرسہ کی طرف سے بورڈ لگا ہوا ہو کہ زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے۔ زکوٰۃ صرف مستحق طلباء کے لئے وصول کی جاتی اور خرچ کی جاتی۔ اساتذہ کی تنخواہیں اور مدرسہ کی دوسری ضروریات کے لئے غیر زکوٰۃ فنڈ خرچ ہوتا۔ اس بارے میں روایتی حیلوں سے کام نہیں لیتے۔ مدرسہ کے ابتدائی دور میں جب غیر زکوٰۃ فنڈ ختم ہو جاتا' اساتذہ کو مطلع فرما دیتے کہ تنخواہ کے لئے کچھ نہیں۔ اگر کوئی تکلیف برداشت کر سکتا ہے تو فبہا ورنہ وہ کسی دوسرے مدرسہ میں جا سکتا ہے۔ مگر مولانا' رحمۃ اللہ علیہ کے حسن سلوک' تقویٰ اور ورع کے پیش نظر کون یہ جرأت کر سکتا تھا۔ مدرسہ کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر بڑا محتاط اور ذمہ دارانہ تھا۔ جو اسلوب آپ نے اختیار کیا۔ کاش کہ اور مدارس بھی اس راہ پر چلتے۔ طلباء کی اخلاقی تربیت' صفائی کا بلند معیار' باہمی اخوت و محبت' ظاہری سلیقہ شعاری کے ساتھ ساتھ باطنی و روحانی تربیت کی طرف خصوصی توجہ! یہ اس مدرسہ کی امتیازی شان' تھی۔ آپ صرف اپنے مدرسے کا ہی خیال نہ رکھتے سب دینی مدارس سے تعاون فرماتے۔ رمضان کے مہینے میں مدرسہ نیوٹاؤن سب مدارس کے سفراء کے لئے کھلا رہتا۔ دینی مدارس کے سفراء چندہ کے لئے جب کراچی کا رخ کرتے تو مولانا کے حکم پر سفراء کا قیام مدرسہ میں ہوتا۔ حضرت نے ملک کی علمی فضا پر جو گہرا نقش چھوڑا اس کے اثرات بڑے دیرپا ہیں۔ سب مدارس کو ایک تنظیم کے تحت کام کرنے کا منصوبہ "وفاق المدارس" بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

آپ نے ہمیشہ وفاق المدارس کی سرپرستی فرمائی۔ جب کبھی کسی معاملہ میں فنڈ وغیرہ کی ضرورت پڑتی حضرت کے تعاون سے ہی مسئلہ حل ہوتا۔ وفاق المدارس کے معاملہ میں حضرت بڑے نظم وضبط کے قائل تھے۔ حضرت کی طبیعت میں نفاست ایسی تھی کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ معمولی معمولی باتوں میں آپ کے حسن ذوق کا ثبوت ملتا۔ دسترخوان بچھانے' چائے کی پیالیاں تک رکھنے میں ترتیب اور سلیقہ کا لحاظ رہتا۔ اس لئے لباس میں بھی آپ ایک خاص ذوق کے عادی تھے جو عالمانہ وقار کا حامل تھا۔ حضرت کی زندگی عموماً علماء و طلباء اور اہل علم کے ماحول میں گزری۔ لیکن تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں جب آپ میدان میں اترے اور

رات دن عوام سے ربط کا موقع ملا توان مواقع کو اس انداز سے نباہا کہ پرانے عوامی لیڈروں کو بھی اس میدان میں پیچھے چھوڑ دیا۔ طبیعت میں طبعی جلال کے باوجود اس تحریک میں ہر موقع پر جمال ہی جمال محسوس ہوتا۔ یہ حضرت کی علمی اور روحانی شان تھی کہ سب مکاتبِ فکر حضرت کے امیر بننے پر متفق ہوگئے آپ مسلسل دن رات جلسے جلوسوں میں شریک رہتے۔ لیکن اپنے نانا کے دین اور ناموس تحفظ ختم نبوت کا وہ جذبہ آپ کے قلب میں موجزن تھا کہ سب مصائب و تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ یہ ایک تکوینی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مجلس تحفظ ختم نبوت کے امارت کے دوران اس مسئلہ کو حل کیا ہم تو یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص اور للہیت کی برکت سمجھتے ہیں اس لئے کہ ریاکاری اور دکھاوا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بالکل ناپید تھا۔

حضرت کی ایک خصوصی شان حق گوئی اور جرأت تھی۔ دین کے معاملہ میں کسی خوف و خطر کسی ملامت اور کسی مصلحت کے قائل نہ تھے۔ تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں جب سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے لاہور میں آپ نے ملاقات کی۔ اس موقع پر جو گفتگو ان سے کی وہ آپ کی جرأت ایمانی کی دلیل ہے۔ آپ نے بھٹو صاحب سے کہا۔ کہ اس حکومت کے منصب پر آپ کو ہمیشہ نہیں رہنا۔ حکومت کا مالک اللہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کو حل کروگے تو خود اپنی دنیا و آخرت سنوارو گے اور زور سے میز پر مکہ مار کر قرآن کی آیت پڑھی؛

قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من
تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من
تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک
علیٰ کل شیئ قدیر

صدر محمد ایوب خان کے آخری دور میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے زیر سرپرستی ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار کے آخری اجلاس میں مرکزی وزیر خارجہ شہاب الدین نے اپنی تقریر میں کچھ ایسی باتیں کہیں جو اسلامی اصولوں کے خلاف تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے یہ باتیں سن کر حضرت سے رہا نہ گیا اور صدر جلسہ سے جو ایک عرب عالم تھے زور دار لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

یا ایھا الرئیس! الجم ھٰذا الرجل

کہ صاحب صدر! اس مقرر کو لگام دو۔

یہ کہنا تھا کہ مجمع مشتعل ہوگیا۔ وزیر موصوف پچھلے دروازہ سے روپوش ہوگئے۔ اور یہ اس طاغوتی فتنہ کے منہ پر ایسی لگام تھی کہ اس فتنہ کے سرپرست کو بھی ملک سے جانا پڑا۔ اس اجلاس کے بعد آپ نے اپنے کمرے میں اس وقت کے وزیر قانون ایس ایم ظفر صاحب جن کی وزارت کے تحت یہ سیمینار منعقد ہوا تھا بلایا۔ اس وقت صرف راقم الحروف اور مولانا موسیٰ بن یوسف افریقی حضرت کے ساتھ تھے۔ حضرت نے جرأت اور حمیت کے ساتھ وزیر موصوف کو یہ مسئلہ سمجھایا اور ان وزراء کی کارستانیوں سے ان کو آگاہ کیا۔ آپ کے درس میں بیٹھ کر یہ محسوس ہوتا کہ جیسے ایک بحر ذخار موجیں مار رہا ہو۔ روایتی مروجہ مباحث کے علاوہ ہر فن کی کتب اور ان کے مؤلفین کی تاریخ پر ایسی وسیع نظر تھی کہ بہت سی کتابوں اور ان کے مؤلفین کے ناموں سے ہم حضرت کے درس میں واقف ہوئے۔ موجودہ صدی کے بہت سے عربی علماء کی خدمات سے بھی حضرت کے ذریعہ روشناس ہوئے آپ عموماً درس میں مصر کے مشہور عالم شیخ محمد زاہد الکوثری کا کا ذکر فرماتے۔ فقہ حنفی سے شیخ کوثری کے تعلق اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا ذکر فرماتے شیخ کوثری کی کتاب تانیب الخطیب فیما ساق من الاکاذیب۔ جس میں خطیب بغدادی کے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جھوٹے الزامات کا تعاقب کیا گیا ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے ہی علمی حلقوں میں اس کا تعارف ہوا ہے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے درس میں جن کتابوں کا مطالعہ کرنے کا ارشاد فرماتے۔ ان میں سے بعض کتابیں یہ ہیں جو علماء کے افادہ کے لئے درج کی جا رہی ہیں۔

۱۔ شارق الانوار للقاضی عیاض ـــــ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اس کتاب کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔

۲۔ جامع بیان العلم للحافظ ابوعمر بن عبدالبر

۳۔ الموافقات ـــــ لابی اسحاق الشاطبی المالکی

۴۔ تقریب الاسانید وتوضیح المسانید لولی الدین العراقی

۵۔ اثبات الحجۃ علیٰ تارک الحجۃ للحافظ ابی الفتح نصر بن ابراہیم المقدسی

۶۔ مفتاح الجنۃ لاثبات السنۃ للسیوطی

۷۔ قواعد الاحکام لعز الدین بن عبد السلام
۸۔ فقہ اللغۃ لابن فارس
۹۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ لتاج الدین السبکی
۱۰۔ ھمع الھوامع فی جمع الجوامع للسیوطی
۱۱۔ زاد المعاد لابن قیم
۱۲۔ مغنی اللبیب
۱۳۔ شذور الذھب فی کلام العرب
۱۴۔ جواہر القرآن للجزائری
۱۵۔ المزھر للسیوطی
۱۶۔ حجۃ اللہ البالغۃ لشاہ ولی اللہ
۱۷۔ اتحاف السادۃ المتقین لشرح احیاء علوم الدین للشیخ المرتضیٰ الزبیدی ــــــ اس کتاب کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ فہم دین کے لئے یہ کتاب کافی ہے۔
۱۸۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء لشاہ ولی اللہ

حضرت کی خدمت میں سال میں کم از کم ایک دو بار ضرور حاضری ہوتی۔ آپ کی مجلس میں لطافت اور ظرافت کی چاشنی کے ساتھ عالمانہ وقار رہتا۔ اپنی بعض ڈائریوں میں حضرت کے چند ملفوظ مل گئے جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔

دین محمدی کا احترام

۱۹۶۳ء میں مقبوضہ کشمیر میں حضرت بل رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف سے موئے مبارک کی چوری ہونے پر پاکستان میں جب ملک گیر ہڑتال ہوئی تو حضرت نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے احترام میں کوئی شک نہیں مگر دین محمدی اس سے زیادہ قابل احترام ہے اور آج عوام اور حکومت دونوں اس کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔

علامہ بستانی کی کتاب دائرۃ المعارف

راقم نے ایک بار علامہ بستانی صاحب دائرۃ المعارف کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے آدمی ہیں۔ فرمایا۔ غیر متعصب عیسائی ہے، توحید و رسالت پر سب سے زیادہ مواد اسی کتاب دائرۃ المعارف میں ہے۔ فرمایا حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ضرب الخاتم میں جگہ جگہ ان سے حوالے نقل کئے ہیں۔

حضرت آدم بنوری

فرمایا کہ مجھے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی نے بتلایا تھا کہ معجم المصنفین میں آدم اول کے بعد آدم ثانی کے ضمن میں سید آدم بنوری کے حالات ذکر کئے گئے ہیں۔

حنفیت ذکاوت کی نشانی ہے

قاہرہ میں مجمع البحوث الاسلامیہ کے اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد حج پر تشریف لائے مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ ایک بار فرمایا کہ حنفیت کی طرف میلان ذکاوت کی نشانی ہے۔ فرمایا کہ امام طحاوی امام جصاص اور امام سرخسی کی کتابیں بہترین ہیں۔ ان میں ذکاء اور فہم ہے۔ فرمایا کہ امام جصاص کی کتاب "الفصول فی الاصول" جس کا حوالہ وہ اکثر احکام القرآن سے دیتے ہیں اس کا ایک نسخہ قاہرہ میں اور ایک نسخہ استنبول میں قلمی ہے۔ فرمایا عقائد میں "السیف الصیقل" مؤلفہ شیخ زاہد الکوثری بھی اچھی کتاب ہے۔

شیخ محمد زاہد الکوثری کے ذکر پر فرمایا کہ ان کے مزار پر اس دفعہ جانا ہوا۔ ان کی قبر پر دو اشعار کندہ ہیں جو انہوں نے اپنے مقالات میں ذکر کئے ہیں۔

شیخ کی خدمت

فرمایا کہ مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ اپنے شیخ حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ فرمایا کہ کشمیر میں قیام کے دوران سخت سردی کے موسم میں شیخ کے لئے تہجد کا پانی گرم کرنا روزمرہ کا معمول تھا۔ حضرت شیخ کی وہ سحر گاہی دعائیں ہی اپنے لئے دنیا اور آخرت کا ذخیرہ سمجھتا ہوں۔

خدام الدین ملنے کے پتے

حضرو : محمد ساجد اخبار فروش معرفت غلام نبی صاحب
پنڈی گھیب : ابو الفضل خاں وارڈ ۲ محلہ گورنمنٹ ہائی سکول
راولپنڈی : غلام جاوید صاحب دارالعلوم حنفیہ عثمانیہ ورکشاپی محلہ
مری : خطیب شرقی جامع مسجد ربانیہ
گوجر خاں : مہتمم مدرسہ اشاعت القرآن حیات سر روڈ

آخری چار دن

قاری سعید الرحمٰن جامعہ اسلامیہ راولپنڈی

یہ تیرہ اکتوبر ۱۹۷۷ء جمعرات کا دن ہے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے ساتھ ان کے دورہ قاہرہ کے انتظامات کے سلسلہ میں ایک دفتر میں جانا تھا۔ راستہ میں عرض کیا کہ میں آپ سے جلد رخصت ہو جاؤں گا، اس لئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری آج کراچی سے تشریف لا رہے ہیں، ان کے استقبال کے لئے ایئر پورٹ جانا ہے، مفتی صاحب نے فرمایا بہت اچھا، میں اپنے ایک دوست پیر عبدالقیوم شاہ کی کار میں ایئر پورٹ گیا کچھ دیر بعد معمولی تاخیر سے جہاز آگیا حضرت بنوری مع اپنے صاحبزادے عزیزم محمد بنوری اور رفیق سفر مولانا محمد تقی عثمانی تشریف لائے مسکراتا ہوا باوقار چہرہ طبیعت ہشاش بشاش متانت اور روحانیت کا عجیب امتزاج، چونکہ جہاز کی آمد میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی، اس لئے حضرت نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اتنی انتظار کر کے تم نے بڑی تکلیف کی حالانکہ تکلیف کیا، حضرت کی تشریف آوری ہمیشہ ہماری خوشیوں اور مسرتوں کا باعث ہوتی، کیا معلوم تھا کہ یہ سفر حضرت کا آخری سفر ہے اور اس سفر کا اختتام مسرت کی بجائے رنج والم فراق و فغاں پر ہوگا۔ آپ چونکہ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے اس لئے سرکاری گاڑی لینے کے لئے آئی تھی میں اپنے ساتھی پیر عبدالقیوم صاحب کی گاڑی میں بیٹھنے لگا۔ حضرت نے فرمایا نہیں ہمارے ساتھ بیٹھو۔ اور آئے ہوئے سرکاری نمائندوں کو دوسری گاڑی میں بیٹھنے کو فرمایا۔ یہ صرف حضرت کی شفقت و محبت کا اظہار تھا۔ جو قدم قدم پر حاصل رہی، اسلام آباد جاتے ہوئے مختلف ہلکی پھلکی بات چیت ہوتی رہی۔ اسلام آباد کی مین روڈ پر جب بھی کبھی موٹر پہنچی تو حضرت اس منظر کی بڑی تعریف فرماتے بار ہا فرمایا کہ مرحوم صدر محمد ایوب خان ایک صاحب ذوق انسان تھے، اسلام آباد ان کے حسن ذوق کی نشانی تھی۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہم گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد پہنچے۔ کمرہ نمبر ۳ حضرت کے لئے منتخب کیا گیا حضرت کی طبیعت میں نفاست اور صفائی بہت زیادہ تھی ہر چیز کو قرینہ اور ترتیب سے رکھنا طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ اس کمرہ کے قرینہ اور ترتیب کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا اور ازراہ شکوہ فرمایا کہ پہلی مرتبہ جس کمرہ میں قیام تھا۔ اس میں صفائی بالکل نہیں تھی جس کی وجہ سے طبیعت مانوس نہیں ہو رہی تھی۔ چند منٹ ضروری حوائج سے فارغ ہو کر گیارہ بجے اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس کے لئے تشریف لے گئے اس دن صبح و شام دونوں اجلاسوں میں حضرت نے شرکت فرمائی رات عشاء کے وقت ملاقات کے لئے حاضر ہوا حضرت نے اجلاس کی کارروائی کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا اور ایک گونہ پیش رفت پر اظہار اطمینان فرمایا۔ حضرت کی خدمت کے لئے اپنے دوست حافظ محمد رفیق صاحب کو متعین کر دیا تھا جن کے خادمانہ جذبہ اور دلچسپ طبیعت کی وجہ سے حضرت ان کو "یا رفیق نعم الرفیق" کہہ کر پکارتے مولانا غلام حیدر صاحب مبلغ تحفظ ختم نبوت اسلام آباد بھی خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتے، جمعہ کے دن حضرت مشاورتی کونسل کے اجلاس میں صبح ساڑھے نو بجے تشریف لے گئے جو تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا۔ واپسی میں نماز مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں مولانا عبداللہ صاحب کے یہاں ادا فرمائی، جو حضرت کے تلمیذ خاص ہیں۔ تقریر مولانا محمد تقی صاحب نے فرمائی حضرت بنوریؒ اکثر جب پنڈی تشریف لاتے تو جمعہ کی تقریر اکثر ہمارے یہاں جامعہ اسلامیہ میں فرماتے، یا مرکزی مسجد اسلام آباد میں۔ اس بار خود حضرت کی طبیعت کی کمزوری اور کونسل کے اجلاس میں مشغول ہونے کی وجہ سے عرض نہیں کیا۔ عزیز محمد بنوری حضرت مفتی محمود صاحب سے ملاقات ہوئی؛ اور ان کا خطبہ جمعہ سننے کیلئے ہمارے یہاں آگئے تھے، جمعہ کے بعد چونکہ مفتی صاحب کو قاہرہ روانہ ہونا تھا۔ اس لئے بعد جمعہ مفتی صاحب نے حضرت بنوری سے ٹیلیفون پر طویل گفتگو کی، دورہ قاہرہ کے سلسلے میں بعض شخصیات کے بارے میں دریافت فرمایا کچھ ہدایات اور معلومات حاصل کیں، حضرت مفتی صاحب اور حضرت بنوریؒ کا تعلق بڑے خلوص محبت اور احساس جوہر شناسی پر مبنی تھا حضرت بنوریؒ ہمیشہ اپنے مشوروں سے نوازتے رہتے کراچی میں ہمیشہ مفتی صاحب کا قیام نیو ٹاؤن میں رہتا۔ میں اور عزیزم بنوریؒ مفتی صاحب کو ایئر پورٹ پر رخصت کرنے کے بعد اسلام آباد آگئے، عشاء تک حضرت بنوری کی آمد کا انتظار کرتے رہے، مگر کونسل کا یہ اجلاس کافی طویل ہوگیا اور ساڑھے نو کے بعد تک جاری رہا، حضرت پونے دس بجے تقریباً تشریف لائے، مولانا مفتی زین العابدین صاحب (لائلپور) اور الحاج میاں محمد اقبال صاحب ڈی ایم ملز والے جن کو اپنے اکابر اور علماء سے بڑی عقیدت اور محبت ہے ملاقات کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے چار پانچ گھنٹہ مسلسل اجلاس میں شرکت کے باوجود حضرت کے چہرہ پہ تھکان کے کوئی خاص اثرات نمایاں نہیں تھے، ان حضرات نے تخلیہ میں چند منٹ ملاقات کی اور تشریف لے گئے

حضرت سے میں نے عرض کیا کہ نماز پہلے پڑھیں گے یا کھانا تناول فرمائیں گے حضرت نے فرمایا کہ جمعہ کے بعد جب میں آیا تو ایک توساتھ کوئی تھا بھی نہیں اور بھوک بھی نہیں تھی اس لئے اس وقت کھانا نہیں کھایا اب بھوک ہے پہلے کھانا کھائیں گے بعد میں اطمینان سے نماز پڑھیں گے۔ میں اپنے یہاں سے کھانا لے گیا تھا۔ حضرت نے بڑے شوق سے تناول فرمایا۔ دوران گفتگو چند اہم دینی امور پر تشویش کا اظہار فرمایا اور اس بارے میں فرمایا کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے ملاقات کے لئے کل کوئی وقت مقرر کرلو۔ ان سے کچھ اہم معاملات پر گفتگو کرنی ہے، میں سوا گیارہ بجے حضرت سے رخصت ہوا صبح حسب معمول حضرت تہجد کے لئے اٹھے اور فجر تک اذکار و اوراد میں مشغول رہے نماز فجر کے بعد مولانا غلام اللہ خان صاحب مولانا عبدالستار صاحب قاری محمد امین صاحب اور حاجی محمود صاحب حاضر ہوئے، حاجی محمود صاحب اپنے گھر سے حضرت کیلئے ناشتہ لے گئے تھے۔ کافی دیر بعد بیت الخلاء تشریف لے گئے، واپس آئے طبیعت پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ بڑی مشکل سے چار پائی تک پہنچے ہاتھوں میں تناؤ کی سی کیفیت تھی فرما رہے تھے کہ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسا کوئی میرا گلہ دبا رہا ہے حضرت اپنے گلہ کو دبا رہے تھے حضرت کے تلمیذ مولوی حسین علی صاحب نے آہستہ آہستہ گلے کی مالش کی جس سے کچھ سکون محسوس ہونے لگا، لیکن درد کی کیفیت تھی مجھے عزیزم محمد بنوری نے فون کیا کہ حضرت کی طبیعت خراب ہے اور فرما رہے ہیں کہ جنرل صاحب سے ملاقات کے لئے وقت نہ لیں سب پروگرام منسوخ کر دیئے گئے حضرت کو فوری طور پر پولی کلینک ہسپتال پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر شوکت صاحب نے معائنہ کیا مرض (دورہ دل) تشخیص کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ ہسپتال میں داخل ہو جائیں مگر حضرت نے فرمایا کہ میری طبیعت اس وقت ٹھیک ہے اپنی جگہ جا کر آرام کروں گا چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی رپورٹ میں بھی یہ لکھ دیا تھا کہ حضرت ہسپتال میں داخلہ کے اصرار کے باوجود اس وقت داخل نہیں ہوئے۔

چنانچہ واپس گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد تشریف لے آئے ڈاکٹری ہدایات کے مطابق آرام فرمانے لگے۔ تقریباً ایک بجے حضرت پر دوبارہ دل کا شدید دورہ پڑا یہ دورہ ایسا شدید تھا کہ حضرت تڑپ اٹھے کروٹیں بدل رہے تھے۔ اضطرابی حالت میں بار بار فرما رہے تھے کہ نئی کیفیت ہے یہ نئی کیفیت ہے اور استغفر اللہ العظیم کا ورد بلند آواز سے جاری تھا پسینہ اتنا آیا کہ حضرت کے کپڑے اور بستر گیلے ہو گئے جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب صدر اسلامی مشاورتی کونسل اور برادرم مولانا محمد تقی اور مولانا مفتی سیاح الدین صاحب بھی اس وقت تشریف لے آئے تھے۔ جسٹس محمد افضل صاحب نے راولپنڈی کے بڑے فوجی ہسپتال سی ایم ایچ میں داخلہ کے لئے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا چنانچہ ساڑھے تین بجے حضرت کو ہسپتال لے گئے، کمزوری اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ حضرت خود نہیں اٹھ سکتے تھے سٹریچر پر لٹا کر ایمبولنس لے جایا گیا۔ ایمبولنس میں راقم عزیزم محمد بنوری اور مولوی حسین علی سوار ہوئے، دوسری گاڑی میں جسٹس چیمہ صاحب مولانا مفتی سیاح الدین صاحب مولانا محمد تقی صاحب اور دیگر حضرات تھے۔ سی۔ ایم۔ ایچ میں حضرت کو آئی، ٹی، سی یونٹ میں داخل کیا گیا، ممکنہ علاج معالجہ کا اہتمام کیا گیا۔ رات کو طبیعت سنبھل گئی، مولانا مفتی زین العابدین صاحب میاں محمد اقبال صاحب مولانا محمد اشرف صاحب (پشاور) عیادت کے لئے تشریف لائے، ہسپتال کے لان میں حافظ محمد رفیق صاحب اور مولوی حسین علی صاحب رات بھر موجود رہے تاکہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو دقت نہ ہو، اتوار کی صبح کو بھی ڈاکٹروں نے حالت تسلی بخش بتلائی۔ مولانا محمد ایوب جان بنوری صاحب اور محترم خالد بنوری (حضرت کے داماد اور بھانجے) بھی پشاور سے پہنچ گئے تھے، کراچی میں بھی بیماری کی اطلاع دیدی تھی چنانچہ حضرت کے دیرینہ رفیق سردار میر عالم لغاری اور حضرت کے معالج خصوصی ڈاکٹر عبدالصمد صاحب کراچی سے راولپنڈی پہنچ گئے، علالت کی اطلاع اخبار میں آگئی تھی۔ اس لئے دور دراز سے لوگ خیریت دریافت کرتے رہے رات نو بجے راقم نے حضرت کی زیارت کی۔ بظاہر مجھے طبیعت اچھی معلوم ہوئی حضرت نے بھی فرمایا کہ اب میں اچھا ہوں صرف نو بجے سر میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ حضرت کے چہرہ پر اس وقت میں نے جو نورانیت رونق اور جمال محسوس کیا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا عرض کیا کہ حضرت سب لوگ دعائے صحت کر رہے ہیں۔ کراچی اور پشاور کے احباب کی آمد کی اطلاع بھی دی عزیزم محمد بنوری کے بارے میں بھی ذکر کیا حضرت نے چند دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے حضرت سے پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت یا تکلیف ہے طبیعت میں چونکہ حیاء انتہا درجہ کی تھی۔ فرمانے لگے بار پردہ کموڈ کی تکلیف تھی۔ اب اس کا بھی اہتمام کر دیا گیا ہے، چند چیزیں اپنی منگوائیں جو خدمت میں پیش کر دی گئیں۔ کیا معلوم تھا کہ یہ حضرت سے آخری ملاقات ہے اور چند گھنٹوں بعد حضرت سفر آخرت پر تشریف لے جا رہے ہیں رات ۱۱ بجے ڈاکٹر عبدالصمد صاحب نے اپنے دوسرے ساتھی ڈاکٹروں کے ہمراہ حضرت کا معائنہ کیا۔ علاج کو قابل اطمینان پایا، لیکن دل کے شدید دورہ کی وجہ سے یاس و تسلی کے ملے جلے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا ہم سب رات بارہ بجے تک ہسپتال میں رہے، چونکہ اس یونٹ میں اندر جانے اور رہنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے ہسپتال والوں نے کہا کہ آج طبیعت کل رات سے اچھی ہے باہر بھی کسی کے رہنے کی ضرورت نہیں اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے گی تو ٹیلیفون سے مطلع کر دینگے مگر اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا، اس میں کسی انسان کا کیا دخل۔ حضرت پر ۱۷ اکتوبر بروز سوموار پانچ بجے کے قریب آخری دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا، اس موقع پر موجود ڈاکٹروں نے دوا دینی چاہی مگر بقول اس وقت موجود سٹاف کے حضرت نے فرمایا۔ کہ ہمیں تو مہمان لینے کے لئے آگئے ہیں اب دوائی بس کریں اور ہم تو چلے یہ کہہ کر ذرا بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور اپنے محبوب حقیقی سے اس کی راہ میں اس کے دین کی تڑپ اور جد وجہد میں جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہسپتال کی طرف سے پہلے اطلاع مارشل لاء حکام اور پھر جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب کو ملی ان کے ذریعے سے ہم سب کو اطلاع ملی، چنانچہ ہم ہسپتال پہنچے۔ لغاری صاحب اور ڈاکٹر عبدالصمد

صاحب پہلے ہسپتال پہونچ گئے تھے، سب مدارس میں اطلاع دیدی گئی تھی راولپنڈی اور دوسرے شہروں میں اطلاع کا کام قاری محمد یعقوب صاحب کے سپرد کر دیا حضرت کی میت جامعہ اسلامیہ لائی گئی، تدفین کے بارے میں مشورہ ہوا کچھ حضرات کی رائے آبائی شہر پشاور میں تدفین کی تھی کراچی جس میں حضرت نے آخری اور زریں دور گذارا ہے اور جہاں حضرت کی امیدوں کا مسکن مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن ہے اطلاع دی گئی اور تدفین کے بارے میں ان سے مشورہ ہوا، مدرسہ نیوٹاؤن کے اساتذہ کرام اور مسجد کمیٹی نے باہمی مشورہ سے مدرسہ میں قبر کی جگہ کا انتخاب کیا۔ ڈھائی بجے کے جہاز سے روانگی طے پائی، اس مناسبت سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جا رہا تھا، پہلے ایک بجے نماز جنازہ کا اعلان کیا گیا۔ راقم اور لغاری صاحب پی آئی اے . میں روانگی کے انتظامات اور دوسرے سلسلوں میں کچھ دیر مصروف رہے۔ ریڈیو سے حضرت کے وفات کی خبر کا اعلان بارہ بجے سے مسلسل ہوتا رہا، جہاز میں چار اور پھر پانچ بجے کی تاخیر کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر کر دی گئی اور بعد ظہر تین بجے کا اعلان کر دیا گیا راولپنڈی اور اسلام آباد اور قرب وجوار کے شہروں سے متعلقین پہونچنا شروع ہو گئے علماء، صلحاء اور اتقیاء کا عجیب مجمع تھا۔ ہر شخص عالم اضطراب میں تھا۔ اس اچانک حادثہ کی وجہ سے ہر شخص ساکت وصامت حیرانگی سے ایک دوسرے کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ غم کسی ایک کا نہ تھا۔ بلکہ پوری امت اسلامیہ کا ہر شخص تعزیت کا مستحق تھا۔ علماء اس لئے تعزیت کے مستحق ان کی صفوں کا سپہ سالار داغ مفارقت دے گیا۔ طلباء اس لئے کہ ان کا مربی اور مشفق نہ رہا۔ عوام اس لئے کہ ان کا رہنما اور بے لوث خادم اسلام دنیا سے منہ موڑ چکا تھا۔ صوفیاء اس لئے کہ سوز و گداز کا مجسمہ ان میں نہ رہا جدید طبقہ اس لئے کہ مسائل حاضرہ کا اسلامی حل پیش کرنے والا اللہ کے حضور پہنچ گیا۔

ایک صحافی کی کیفیت ابھی تک میرے سامنے ہے۔ وہ جامعہ اسلامیہ کے مین گیٹ کے ساتھ کھڑے ہوتے رو رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا کہ مولانا بنوریؒ کے بعد ہم یتیم ہو گئے۔ میرے خیال میں اس صحافی کی ایک آدھ مرتبہ ہی کہیں حضرت سے ملاقات ہوئی ہوگی، لیکن محبت کا یہ عالم حضرت کو غسل دینے میں مولانا عبداللہ صاحب، مولانا عبدالستار صاحب، مولانا محمد رمضان صاحب اور مولانا عبدالجلیل صاحب مولانا نثار اللہ صاحب مولانا محمد صاحب قاری محمد یعقوب صاحب مدرسین جامعہ اسلامیہ نے شرکت کی۔

نماز ظہر سے قبل بڑا اجتماع جمع ہو گیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ خٹک) کو بھی ٹیلی فون سے اطلاع دیدی گئی تھی۔ وہ بھی تشریف لے آئے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سرگودھا مولانا غلام اللہ خاں صاحب مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مولانا محمد ایوب جان بنوری پشاور۔ مولانا محمد شریف ملتان کے علاوہ گوجرانوالہ، لائلپور، جہلم، گجرات، پشاور، کیمبلپور ہزارہ کے سینکڑوں علماء و صلحاء جنازہ میں پہنچ گئے تھے۔ نماز ظہر سے قبل مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے حضرت بنوریؒ کے حالات بیان کر کے لوگوں کو رلایا بعد از نماز ظہر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے حضرتؒ کی روحانی وعلمی زندگی پر درد انداز میں روشنی ڈالی، ٹھیک تین بجے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آدھ گھنٹہ تک لوگ دیدار کرتے رہے ساڑھے تین بجے تابوت بند کر دیا گیا، چار بجے ایئرپورٹ روانہ ہوئے۔ کراچی جانے والوں میں راقم، برادر مکرم مولانا محمد تقی صاحب عزیز محمد بنوری صاحب . مولانا محمد ایوب جان بنوری عزیز خالد بنوری جناب میر عالم خان لغاری اور ڈاکٹر عبدالصمد شامل تھے۔ جہاز سوا چھ بجے روانہ ہوا کیا عجیب معاملہ ہے جن فضائی راستوں میں اللہ کا یہ مجاہد ہزاروں میل اسلام کی سربلندی کے لئے سفر کرتا رہا: آج وہی جہاز حضرت کی میت کو لئے ہوئے اڑتا جا رہا ہے۔ قرآنی آیت وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو شہادت کے مرتبہ سے نوازنا تھا کہ غریب الوطنی میں خدا کے دین کے لئے سفر اور وہیں اپنے یہاں بلا وا۔ آٹھ بجے جہاز کراچی پہنچا۔ ہزاروں انسانوں کا ہجوم آج امڈ آیا تھا۔ ہوائی جہاز تک ایمبولنس کا انتظام تھا تابوت اس میں رکھا گیا۔ حضرتؒ کے خصوصی خدام اس میں سوار ہوئے۔ سینکڑوں موٹروں کا جلوس میلوں میں پھیلا ہوا مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کی طرف رواں دواں تھا۔ کراچی کے لوگوں کی عقیدت و محبت کا اندازہ اس دن میں نے لگایا۔ لوگ ایمبولنس کو ہاتھ لگاتے اور دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ ۹ بجے مدرسہ نیوٹاؤن پہنچے تابوت کو گھر لے جایا گیا اور میت مبارک کو تابوت سے نکال کر دیدار کرایا گیا۔ نیوٹاؤن مسجد کا صحن اور ملحقہ اپنی وسعت کے باوجود لاکھوں عقیدتمندوں کے لئے تنگ ہو گیا تھا۔ ساڑھے نو بجے حضرت حکیم الامت تھانوی رح کے خلیفہ اجل حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، جائے قبر کا انتخاب اساتذہ مدرسہ اور مسجد کمیٹی کے مشورہ سے مدرسہ کے دار الاقامۃ کے مغربی حصہ میں کیا گیا۔ جس مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں حضرت نے زندگی کا اہم دور صرف کیا۔ آج اس کے ایک گوشہ میں آپ آرام فرما رہے ہیں!

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی

مدرسہ تعلیم الاسلام فاروقیہ کالاگجراں

علاقہ بھر میں مشہور دینی درسگاہ ہے۔ جہاں سینکڑوں مقامی اور بیرونی طلبہ، محنتی اساتذہ سے حفظ و ناظرہ اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

طلبہ کا داخلہ جاری ہے

سالانہ بجٹ تقریباً ۱۵ ہزار روپے ہے۔ مخیر حضرات سے معاونت کی درخواست ہے۔

(مولانا) محمد شریف احرار مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام فاروقیہ
جامع مدنی مسجد، مہاجرین، کالاگجراں، ضلع جہلم
۲۲۳

حضرت شیخ کا سفر افریقہ

الدکتور عبدالرزاق سکندر الازہری

کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی وفقکم اللہ وایانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مخدوم الطاف جب نے مقالہ پہونچا دیا ہوگا یہی مقالہ کا تتمہ "تاثرات ومشاہدات" کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ پسند آئیگا۔ اللہ کرے آپ کو بروقت مل جائے۔

والسلام

مخلص عبدالرزاق

۱۹/۱۰/۱۳۹۸ھ

۳۰/۹/۱۹۷۷ء

پاکستانیوں میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ علماء کا ایک وفد ان افریقی ممالک کا دورہ کرے جہاں قادیانی مراکز قائم ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو اس فتنے کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے اور وہ ان کے فریب میں نہ آئیں۔

اس سلسلہ میں پہلا ٹھوس قدم آپ نے یہ اٹھایا کہ وہ دستاویز جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے قومی اسمبلی میں پیش کی گئی تھی۔ یہ اردو زبان میں تھی اس کا عربی ترجمہ کرنے کے لئے اس خادم کو حکم فرمایا الحمدللہ کہ ترجمہ مکمل ہوگیا اور حضرت شیخ کی خواہش پر بہت جلد اس کی طباعت بھی مکمل ہوگئی۔ مقصد یہ تھا کہ اس سفر میں جہاں بھی جانا ہوگا وہاں کے اہل علم حضرات کو یہ کتاب "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" پیش کی جائے تاکہ ان کے پاس اس فتنے کے بارے میں ایک مستند دستاویز رہے جس سے وہ صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔

چنانچہ یہ طے پایا کہ یہ سفر شوال ۱۳۹۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء میں حرمین شریفین سے شروع کیا جائے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں حسب معمول عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا۔ اسی دوران آئندہ شروع ہونے والے سفر کے بارے میں استخارہ فرمایا۔ فرمانے لگے کہ اس سفر کے لئے چھ سات استخارے کئے ہیں اور خواہش تھی کہ خیر کا مانع درپیش ہو جائے اور میں رہ جاؤں اور سفر نہ کروں لیکن اگر قدرت کو میرا جانا ہی منظور ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں تو ایک دین کا سپاہی ہوں اور سپاہی کا کام ہے حکم بجالانا۔

مدینہ منورہ میں سہ رکنی وفد کی تشکیل عمل میں آئی حضرت شیخ مولانا تقی عثمانی اور خادم (راقم الحروف) مدینہ منورہ سے جدہ پہنچے وہاں بعض ملکوں کے ویزے حاصل کئے اور ۷ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء یہ وفد حضرت شیخ کی قیادت میں جدہ سے بذریعہ پی آئی اے روانہ ہوا اور صبح ساڑھے چھ بجے کینیا کے دارالحکومت پہنچ گیا۔ ائرپورٹ پر مولانا مطیع الرسول صاحب (مبعوث دارالافتاء ریاض) اور شہر کے دوسرے سرکردہ حضرات نے استقبال کیا۔

نیروبی شہر میں چار روز تک قیام رہا۔ اس دوران شہر کی مختلف مساجد میں عشاء کی نماز کے بعد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب ہوتا رہا جہاں اردو جاننے والے مسلمان تھے وہاں اردو میں اور جہاں افریقی مسلمان تھے وہاں عربی میں اور ساتھ ساتھ مقامی سواحلی زبان میں اس کا ترجمہ ہوتا رہا۔ ان خطابات میں جن موضوعات پر بیان ہوا ان میں اہم موضوعات یہ ہیں: اللہ اور رسول کی محبت اور اطاعت عجائب قدرت۔ صفات رسالت۔ اخلاص۔ محبت۔ اتحاد۔ عقیدہ ختم نبوت اور اس کی حفاظت۔ قادیانیت اور اس کا پس منظر وغیرہ۔

نیروبی میں قادیانیوں کی ایک مسجد ہے وہی ان کا مرکز ہے۔ کینیا کے بعض دوسرے شہروں میں بھی ان کے مراکز ہیں جہاں سے یہ لوگ افریقی عوام میں کام

کرتے ہیں اور مقامی زبانوں میں اپنا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں ۔

نیروبی میں مسلمانوں کی بھی مختلف انجمنیں قائم ہیں جو دینی کام کرتی ہیں ان کی نگرانی میں کچھ دینی ابتدائی مدارس اور یتیم خانے قائم ہیں جن میں افریقی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان مدارس میں افریقی اساتذہ کے علاوہ پاکستانی مدرسین بھی کام کر رہے ہیں جن کو دارالافتاء ریاض (سعودی عرب) نے بھیجا ہے اور یہ حضرات اچھا کام کر رہے ہیں ۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان جمعیات کے ذمہ دار حضرات اور مقامی علماء اور دیندار مسلمانوں سے خصوصی ملاقاتیں کیں اور ان کے سامنے اپنے سفر کا مقصد بیان فرمایا اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے اہم تبلیغی مقاصد میں عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کو بھی شامل کرلیں اور اس کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار کریں جس پر سب نے لبیک کہا اور جو حضرات پہلے سے اس کام میں دلچسپی رکھتے تھے ان کی ہمت افزائی ہوئی۔ علماء کو کتاب "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" پیش کی گئی ۔

نیز مقامی علماء کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے نام سے تنظیم قائم کرکے باقاعدہ کام شروع کریں چنانچہ وہ حضرات اس بات پر آمادہ ہوگئے۔ البتہ انہوں نے اتنی مہلت طلب کی کہ وہ سوچ سمجھ کر اس کے لئے مناسب افراد کا انتخاب کرلیں اور جب واپسی پر ہمارا نیروبی سے گذر ہوگا وہ اپنے آخری فیصلے سے ہم کو آگاہ کردیں گے ۔

نیروبی میں آئندہ سفر کا پروگرام یہ طے پایا کہ کینیا کے علاوہ تنزانیا۔ زمبیا۔ اور یوگنڈا میں بھی ہمارے وفد کو جانا چاہئے ان ممالک میں بھی کام کی سخت ضرورت ہے۔ نیز یہ سفر ہوائی جہاز سے ہو کیونکہ مسافت کافی لمبی ہے اور حضرت مولانا کی صحت اس قابل نہیں کہ خشکی کا سفر برداشت کرسکے ۔

۱۶ اکتوبر کو کینیا کے دوسرے شہر "ممباسا" کے لئے روانگی تھی اور ۱۵ اکتوبر کو ہمارے رفیق سفر مولانا تقی عثمانی صاحب کا کراچی سے فون آگیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو ہسپتال میں داخل کردیا گیا ہے اس لئے آپ جلد از جلد پہلی فلائٹ میں کراچی پہنچ جائیں چنانچہ وہ ۱۶ اکتوبر کو کراچی روانہ ہوئے اور حضرت شیخ اور خادم ممباسا روانہ ہوگئے ۔ ممباسا ائرپورٹ پر مولانا ابراہیم صاحب مبعوث دارالافتاء ریاض اور شہر کے دوسرے حضرات گاڑیاں لے کر استقبال کے لئے پہنچ چکے تھے ۔

ممباسا میں بھی قادیانی مرکز ہے اور مسلمانوں کی انجمنیں بھی قائم ہیں۔ مسجدیں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں بھی حضرت مولانا کا بیان مختلف مساجد میں ہوا اور اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یہاں بھی مختلف علماء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں اور انہیں عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا گیا اور مذکورہ کتاب کے نسخے پیش کئے گئے

یہاں کے قاضی القضاۃ شیخ عبداللہ صالح۔ ممباسا کے قاضی شیخ الامین المزروعی ممباسا کے مشہور خطیب شیخ سعید احمد سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں اور ان کے ذریعہ مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈال دی گئی۔ الحمد للہ کہ یہ سفر کافی کامیاب رہا۔

۱۸ اکتوبر کو ممباسا سے تنزانیا کے دارالحکومت دارالسلام پہنچے۔ ائرپورٹ پر مولانا قاسم کاظم (مبعوث دارالافتاء ریاض) اور مقامی مسلمانوں کی ایک جماعت موجود تھی دارالسلام اور تنزانیا کے بعض دوسرے شہروں میں قادیانی مراکز قائم ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی صرف ایک تنظیم قائم ہے جس کے عہدہ دار یہاں کی حکومت منتخب کرتی ہے اس کے علاوہ کسی اور انجمن وغیرہ بنانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس تنظیم کے عہدہ داروں کے علاوہ مقامی علماء اور دیندار مسلمانوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انفرادی طور پر اس فتنہ کے خلاف کام کریں اور مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کریں۔ یہاں کی مساجد میں بھی حضرت شیخ کا خطاب ہوا جس کا ترجمہ خادم نے پیش کیا ۔

دارالسلام میں مصری حکومت کی طرف سے "المرکز الاسلامی" کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے جو مسجد۔ مدرسہ اور دواخانہ پر مشتمل ہے یہاں بھی حضرت شیخ تشریف لے گئے اور مرکز کے مدیر اور اساتذہ کرام سے ملاقات ہوئی اور عربی زبان میں ان سے تبادلۂ خیالات فرمایا اور ان کو بھی اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس فتنہ کے خلاف کام کریں اور مذکورہ کتاب کے نسخے بھی پیش کئے۔ ان حضرات نے اس تجویز کو بخوشی قبول کیا اور نہایت محبت و اخلاص سے رخصت کیا ۔

۲۰ اکتوبر کو دارالسلام سے زمبیا کے دارالحکومت "لوساکا" کے لئے روانہ ہوئے دو گھنٹے کی پرواز کے بعد "لوساکا" پہنچے ۔ ائرپورٹ پر مولانا عبداللہ منصور۔ بھائی یوسف اور دوسرے مقامی حضرات انتظار میں تھے ۔

یہاں بھی شہر میں ایک قادیانی مرکز ہے لیکن الحمد للہ کہ یہاں کے مسلمان اس فتنہ سے باخبر ہیں اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو اس کے خلاف توجہ دلاتے رہتے ہیں ۔

لوساکا میں ایک بڑی جامع مسجد ہے اور دو چھوٹی مسجدیں ہیں مسجدیں نہایت صاف ستھری۔ قالین بچھے ہوئے۔ طہارت کا بہت اچھا انتظام ہے۔ ٹھنڈا گرم پانی موجود رہتا ہے اور تولئے لٹکے ہوئے ہیں۔ ہر مسجد کے ساتھ مدرسہ قائم ہے جس میں مسلمان بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم اور دینی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ بچے اسکول جاتے ہیں اور شام کو ان مدارس میں پڑھتے ہیں۔ ان مدارس میں تعلیم دلانے کے لئے مدرسین اور قاری حضرات ہندوستان سے بلائے گئے ہیں جو اچھا کام کر رہے ہیں۔ مسجدیں پانچوں وقت آباد رہتی ہیں اور مسلمان دور دور سے موٹروں میں نماز ادا کرنے وہاں آتے ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کا تعلق زیادہ تر ضلع گجرات اور سورت سے ہے جن کے آباء و اجداد کافی عرصہ پہلے یہاں آکر آباد ہوگئے تھے اور ان حضرات کا زیادہ تر پیشہ تجارت ہے ۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مسجدوں کی آبادی اور دینی مدارس سے بہت

خوش ہوئے اور آپ جہاں بھی دینی کام ہوتا دیکھتے آپ کو روحانی مسرت ہوتی تھی نیز مسجد اور مدرسہ کا نظام ان مسلمانوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے جو غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں اور اپنی نئی نسل کو جدید علوم کے ساتھ ساتھ اسلام سے روشناس کرانے اور اسلام پر قائم رکھنے کے خواہش مند ہیں ۔

لوساکا میں بھی الحمد للہ صبح وشام علماء اور مسلمانوں سے ملاقاتیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب ہوتا رہا جس میں زیادہ زور تمسک بالدین اور دین کے لئے کام کرنے پر دیا گیا نیز اللہ اور رسول کی محبت - ان کے صفات - عجائب قدرت - ختم نبوت اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر بیان ہوتا رہا ۔

لوساکا میں مولانا عبد اللہ منصور کی امارت میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی بنیاد ڈال دی گئی جس کا مرکز لوساکا میں ہوگا اور وہ ملک کے دوسرے شہروں میں بھی اپنی شاخیں قائم کرے گی ۔

لوساکا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع جمعہ کے روز وہاں کی بڑی جامع مسجد میں ہوتا ہے جس میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ اسلامی ممالک کے سفارتی نمائندے بھی نماز جمعہ ادا کرتے ہیں - یہاں دو جمعے پڑھنے کا موقع ملا - حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ جمعہ سے پہلے اردو میں خطاب فرمایا جس میں اسلام کی عظمت ' عقیدہ ختم نبوت - فتنہ قادیانیت اور اس کا پس منظر اور اس کی تاریخ بیان فرمائی اور یہاں کے مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل پیش فرمایا - اسی مضمون کو خادم نے خطبہ جمعہ میں عربی میں پیش کیا جس سے عربی جاننے والے حضرات مستفید ہوئے اور حضرت نے دعائیں دیں ۔

لوساکا کے علاوہ زمبیا کے چند دوسرے شہروں میں بھی جانا ہوا جن میں انڈولا کٹوے اور چپاٹا قابل ذکر ہیں - چپاٹا جو لوساکا سے ۳۸۰ میل دور ہے اور موزمبیق کی مغربی سرحد کے قریب واقع ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خالص مسلمانوں کا شہر ہو - تجارت عموماً مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے - شہر کے وسط میں خوبصورت جامع مسجد ہے - جس میں پانچ اوقات بکثرت نمازی آتے ہیں - ان کے چہروں پر عبادت اور صلاح کے آثار نمایاں ہیں - بوڑھوں میں سو فیصد اور جوانوں میں نوے فیصد داڑھی والے ہیں ان میں ایسے افراد بھی دیکھے جو (ورجل قلبه معلق بالمساجد) کے مصداق ہیں ۔

مسجد کے متصل ایک دینی مدرسہ ہے جس میں مسلمان بچے اور بچیاں اسکول کے اوقات کے علاوہ قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں - حضرت شیخ ان حضرات کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور روحانی مسرت کا اظہار فرمایا - جامع مسجد میں خطاب عام کے علاوہ قرآن کریم کا درس بھی دیتے رہے جس میں وہی بنیادی موضوعات پر بیان ہوا جن کا ذکر پہلے آچکا ہے نیز وہاں کے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ مقامی باشندوں سے ایسا سلوک اختیار کریں جو ایک مسلمان کے شایان شان ہوتا ہے ۔

یہاں کے حضرات نے دریافت کرنے پر بتلایا کہ یہ جو آپ دینی فضا دیکھ رہے ہیں - یہ تبلیغی جماعت کی محنت اور برکات کا اثر ہے ۔

الحمد للہ کہ زمبیا کا سفر نہایت کامیاب رہا - لوساکا میں قیام کے دوران وہاں کے نوجوان حضرت شیخ پر فریفتہ ہوگئے اور آپ کی ہر مجلس اور خطاب میں حاضر ہوتے جہاں ہمارا قیام تھا بعض تو وہاں رات کو ہی آجاتے اور حضرت شیخ کے ساتھ تہجد کی نماز میں شریک ہوتے اور جس روز آپ وہاں سے روانہ ہو رہے تھے ان سب نے لوساکا ائرپورٹ پر آپ کو حزن وبکاء کے ساتھ رخصت کیا - ان ہی نوجوانوں میں ایک صاحب ابراہیم لمبات حضرت کی وفات سے چند روز پہلے کراچی آئے اور آپ سے ملاقات کی - آپ نے بہت شفقت فرمائی - جب وہ رخصت ہونے لگے تو میں انہیں رخصت کرتے ہوئے دروازے تک گیا راستہ میں مجھے الحاح کے ساتھ کہتے ہیں کہ برائے کرم حضرت کو اس بات پر آمادہ کریں کہ ہمارے ہاں دوبارہ تشریف لائیں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو وعظ کرنے کی بھی تکلیف نہیں دیں گے ۔

۲۵ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۷۵ء لوساکا سے نیروبی کے لئے روانہ ہوئے - تقریباً دو گھنٹے کی پرواز کے بعد نیروبی پہنچے - ائرپورٹ پر آسانی سے ویزا مل گیا - کسٹم میں ایک مسلمان آفیسر نے ہمیں دیکھا اور فوراً ہمارے پاس آگیا اور ہمیں فارغ کر دیا - اگرچہ ہمارے پاس سوائے استعمال کے کپڑوں اور کتابوں کے کچھ نہ تھا لیکن کسٹم کا عملہ صندوق کھول کر وقت بہت ضائع کرتا ہے ہماری انتظار میں ایک صاحب گاڑی لاکر باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے - ان کے ساتھ سیدھے ان کے گھر پہنچے ۔

نیروبی میں واپسی پر پھر چند روز ٹھہرنا پڑا - کیونکہ اب ہمارا پروگرام یوگنڈا جانے کا تھا اور نیروبی میں یوگنڈا کا ویزا لینے میں دیر لگتی ہے کیونکہ یہاں یوگنڈا کا سفارتخانہ نہیں ہے اس لئے ویزا حاصل کرنے والے نیروبی کے پاسپورٹ آفس کو درخواست دیتے ہیں - یہ آفس ان کاغذات کو کمپالا بھیجتا ہے - وہاں یوگنڈا حکومت کی طرف سے جواب آنے پر ویزا ملتا ہے اور اس کارروائی میں کافی وقت لگ جاتا ہے - اس لئے ہم نے نیروبی سے اپنے ایک دوست مولانا عبد الخالق طارق کو فون کیا جو یوگنڈا کے شہر جنجا میں رہتے ہیں اور سعودی حکومت کی طرف سے وہاں کے " المعهد الاسلامی " کے مدیر ہیں اور تعلیمی فرائض بھی انجام دیتے ہیں ان کو کہا کہ وہ ہمارے لئے ویزا حاصل کرکے ہمیں اطلاع دیں اور ائرپورٹ پہنچ جائیں چنانچہ وہ جنجا سے کمپالا آئے اور یوگنڈا کے مفتی شیخ یوسف سلیمان کے ذریعے ویزا لیا اور ہمیں فون سے اطلاع دی کہ ویزا مل گیا ہے آپ جب چاہیں آسکتے ہیں ۔

نیروبی میں اس بار بھی قیام کے دوران علماء اور دوسرے حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں - ایک روز صومالیوں کی جامع مسجد میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا

عربی میں بیان ہوا جس میں آپ نے اسلام اور اخوت اسلامیہ پر بیان فرمایا اور ساتھ ہی صومالی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا۔ صومالی حضرات کی عادت ہے کہ عموماً مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت مسجد میں گذارتے ہیں اور اس میں درس وغیرہ کا سلسلہ رہتا ہے۔ حضرتؒ کے بیان کے بعد دوستوں نے مجھ سے تقاضا کیا کہ میں فتنہ قادیانیت پر کچھ روشنی ڈالوں۔ چنانچہ عشاء کی اذان تک بیان ہوا اور صومالی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا۔

نیروبی میں قیام کے دوران حضرت شیخ نے ایک خط لکھا تھا جس کا متن حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیروبی (کینیا)

برادرم محترم و رفیق مکرم مولانا بھاجی صاحب۔

وفقکم اللہ للخیر تحیۃً وسلاماً واشواقاً۔

حاجی آدم سادات کے ذریعہ مرسلہ مکتوب موصول ہوا۔ حالات معلوم ہوئے۔ برادرم مولانا عبدالرزاق صاحب نے ایک مفصل مکتوب زمبیا، لوساکا سے لکھا تھا وہ ملا ہوگا۔ جدہ سے روانگی کے وقت کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں کہاں جانا تھا اور کس طرح کام کرنا ہوگا۔ اس لئے روانگی ایسے وقت ہوئی کہ نہ پورے ویزے لے سکے نہ باقاعدہ کسی کو مطلع کیا جاسکا۔ نیروبی پہنچ کر کچھ نقشہ کام کا سمجھ میں آگیا کہ مؤثر اور صحیح صورت یہ ہے کہ ہر مرکزی مقام پر باشندوں کی جماعت "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے نام سے تشکیل دی جائے جو بسلسلہ قادیانیت مؤثر کام کر سکے اور تقریروں میں اسلام اور ختم نبوت کی اہمیت وحقیقت واضح کی جائے چنانچہ اس انداز سے کام شروع کیا اور نشان منزل نظر آنے لگا چونکہ جدہ سے ویزے نہیں لے سکے تھے اس لئے تعویقات پیش آئیں اور تاخیر ہوتی گئی۔

بحمد اللہ جس رفاقت کی ضرورت تھی وہ میسر آئی اور حسن اتفاق سے افریقی ممالک میں جامعہ مدینہ کے مبعوثین طلبہ جن میں نام تو میرا بھی متعارف تھا مگر مولانا عبدالرزاق صاحب سے ان کا ذاتی تعارف وتعلق لگاتار رہا جس کی وجہ سے بہت آسانیاں ہوگئیں۔

زمبیا سے واپسی پر یوگنڈا کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے تین چار دن تاخیر ہوگئی۔ شاید کل روانگی ہوسکے گی۔ صحت تو میری اچھی ہے بلکہ کراچی سے بہتر ہے لیکن سفر کی ہمت نہیں تھی اس لئے سفر کے اختصار کا سوچ رہا تھا لیکن معلوم ہوا کہ نائجیریا میں قادیانیوں کے اسکول، ہسپتال اور ادارے ہیں اور حکومت میں بھی ان کے عہدے ہیں وہاں جانے کی شدید ضرورت ہے۔ اس لئے مغربی افریقہ کا ارادہ کرنا پڑا، اور پھر ساتھ ہی مغربی افریقہ کے بقیہ ممالک کا چکر بھی لگانا ہوگا اس لئے سفر طویل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں آمین۔ اگر حج کے ایام قریب آگئے تو ہوسکتا ہے کہ حج کے بعد واپسی ہو۔

والسلام

محمد یوسف بنوری

چہارشنبہ یکم ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ

۵ نومبر ۱۹۷۵ء

۲ ذوالحجہ ۱۳۹۵ مطابق ۷ نومبر ۱۹۷۵ صبح آٹھ بجے نیروبی سے روانہ ہو کر نو بجے یوگنڈا کے ایرپورٹ "انٹے بے" پہنچے۔ ائرپورٹ پر مولانا عبدالخالق طارق اپنے دوسرے دوستوں کے ساتھ انتظار میں تھے۔ اور ویزا کی منظوری کا فارم ساتھ لائے تھے۔ الحمد للہ کہ آسانی سے ویزا مل گیا اور کسٹم سے فارغ ہوگئے۔ ائرپورٹ کمپالا سے ۲۵ میل دور ہے۔ یہاں سے روانہ ہوکر کمپالا پہنچے۔

کمپالا میں یوگنڈا کے مفتی شیخ یوسف سلیمان صاحب کے اصرار پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مہمانی قبول کرلی، اور انہوں نے کمپالا کے بڑے ہوٹل کمپالا انٹرنیشنل میں ہمارے قیام کا انتظام کیا۔

مفتی شیخ یوسف سلیمان صاحب یوگنڈا کے مفتی اور وہاں کی "مسلم سپریم کونسل" کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ کونسل کا مرکزی آفس کمپالا میں ہے۔ ان کے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مولاناؒ نے ان کو اور ان کی حکومت کو اپنی اور پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے مبارکباد پیش کی کہ انہوں نے اپنے ملک میں قادیانی جماعت کو خلاف قانون قرار دے کر ان کی تبلیغ پر پابندی لگا دی ہے۔ بعض دوستوں نے بیان کیا کہ اس موقع پر جب قادیانیوں کو یوگنڈا میں غیر مسلم قرار دیا گیا ملک کے صدر جناب عیدی امین صاحب نے کہا تھا کہ "ہمارا دین تو وہ ہے جس کا مرکز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہے۔ ہمیں وہ دین نہیں چاہیئے جس کا مرکز اسرائیل اور لندن ہے۔ جمعہ کے روز "مسلم سپریم کونسل" کی جامع مسجد میں مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ اور اس سال یوگنڈا سے جانے والے حجاج کرام سارے یہاں جمع تھے۔ جو سفر کی تیاری کے سلسلے میں سارے ملک سے آئے ہوئے تھے۔ مفتی صاحب نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ چونکہ گھٹنوں کے درد کی وجہ سے ممبر پر کھڑے ہونے سے معذور تھے۔ اس لئے طے پایا کہ آپ نماز جمعہ سے پہلے بیٹھ کر حجاج کرام کو نصیحت فرمائیں اور اس کے بعد خادم خطبہ جمعہ اور نماز پڑھائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ سارا پروگرام کمپالا ریڈیو سے نشر ہوتا رہا۔

کمپالا میں سعودیہ عربیہ کے سفیر جناب عبداللہ الحبابی سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ پاکستان میں رہ چکے ہیں اور حضرت مولاناؒ کو اچھی طرح جانتے تھے۔

اپنے گھر پر جو ایک پہاڑ پر واقع ہے اور وہاں سے کپالا شہر کا منظر سامنے نظر آتا ہے۔ حضرت مولاناؒ کے اعزاز میں پر تکلف دعوت دی جس میں یوغنڈا کے مفتی صاحب کے علاوہ دوسری شخصیات کو بھی مدعو کیا دینی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ سفیر موصوف نہایت با اخلاق اور ظریف الطبع شخصیت کے مالک ہیں۔ سفیر صاحب نے حج کے ویزے کے علاوہ سعودی حکومت کے نام حضرت مولانا اور خادم کے لئے خصوصی مکتوب بھی دے دیا۔

کپالا میں ایک یونیورسٹی ہے جو "مکریرے یونیورسٹی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور افریقہ کی قدیم ترین یونیورسٹی شمار ہوتی ہے۔ اس یونیورسٹی میں پاکستان کے بھی ڈاکٹر حضرات پروفیسر اور لیکچرار ہیں۔ جو مختلف شعبوں میں تعلیم دے رہے ہیں۔ بعض حضرات مولاناؒ سے ملنے ہوٹل تشریف لائے۔ ان کے دینی مزاج کو دیکھ کر حضرت بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ خصوصاً ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب اور ڈاکٹر محمد افضل چوہدری صاحب

کپالا کے بعد یوغنڈا کے دوسرے شہر "جنجا" بھی جانا ہوا۔ یہ شہر کپالا سے مشرق میں پچاس میل کے فاصلہ پر وکٹوریہ جھیل کے کنارے واقع ہے۔ اور اسی مقام سے دریائے نیل کی ابتداء ہوتی ہے اور دریائے نیل پر یہاں ایک بند باندھا ہوا ہے۔ جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے اور پورے ملک کو سپلائی ہوتی ہے۔ کپالا سے جنجا تک پچاس میل کا راستہ سرسبز درختوں اور چائے اور گنے کے کھیتوں سے آراستہ ہے بارش کی کثرت سے درختوں کے پتوں کی سبزی غایت طراوت کی بناء پر سیاہ معلوم ہوتی ہے اس منظر کو دیکھتے ہی حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ (مُدْهَامَّتَان) کے یہی معنی ہیں اي سَوْدَاوَانِ مِنَ الرِّيِّ

آپ کو قدرتی مناظر بہت پسند تھے۔ لیکن ذہن فوراً عجائب قدرت کی طرف منتقل ہو جاتا۔ اور زبان پر حمد و ثنا کے الفاظ جاری ہو جاتے تھے۔ نیز سفر و حضر میں موقع و محل کے اعتبار سے علمی نکتوں سے مستفید فرماتے رہتے تھے۔

جنجا میں مولانا عبدالخالق طارق کے علاوہ مولانا خالد نعمانی، مولانا عبدالسلام بھی موجود تھے۔ جو سعودی حکومت کی جانب سے "المعہد الاسلامی" میں تدریس کے فرائض وغیرہ انجام دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی چند پاکستانی حضرات جو مختلف شعبوں میں کام کرتے ہیں۔ اور دینی مزاج کے حامل ہیں۔ عصر کے بعد جمع ہو جاتے اور حضرت مولاناؒ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور ان کے سامنے ایک نہایت عمدہ پروگرام پیش فرمایا تاکہ وہ اپنے کام کے ساتھ دین کا کام بھی موثر طریقے سے سرانجام دے سکیں۔

جنجا میں محترم آفاق احمد صاحب زیدی کے ہاں قیام تھا۔ آفاق احمد صاحب پاکستانی ہیں۔ اور یوغنڈا حکومت کے ملازم ہیں اور اچھے مسلمان ہیں۔ گورنمنٹ نے ان کو خدمت کے لئے دو نوجوان خادم دیئے ہوئے ہیں دونوں عیسائی تھے۔ لیکن دونوں موصوف کے اسلامی اخلاق اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر مشرف با سلام ہو گئے۔ چنانچہ جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک اذان کہتا ہے۔ اور پھر تینوں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایک اچھے مسلمان کا وجود ہر جگہ باعث رحمت ہے۔

جنجا کے بعد مشرق کی جانب ۷۰ میل دور ایک شہر "لوسیہ" بھی جانا ہوا وہاں اس علاقہ کے مسلمانوں کا سیرت کے عنوان سے بہت بڑا اجتماع تھا۔ اس اجتماع میں یوغنڈا کے مفتی اور دوسرے علماء بھی شریک ہوئے۔ حضرت مولاناؒ نے بھی اس اجتماع سے عربی میں خطاب فرمایا جس کا ترجمہ مقامی زبان میں ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ اس خطاب میں آپ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ وہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو اپنائیں اور سنت کے مطابق عمل کریں اور غیر شرعی رسم و رواج اور بدعات سے بچیں، اور اخوت اسلامی کے دائرے میں رہ کر زندگی گزاریں اور اختلافات اور قبائلی تعصبات سے دور رہیں۔ اس اجتماع کے بعد اسی روز شام کو واپس جنجا آگئے۔

یہاں جنجا میں نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں آپ کا بیان ہوا جس کا موضوع ایمان اور عمل صالح تھا اور ساتھ ہی دو زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوتا رہا۔ کیونکہ یہاں سواحلی زبان کے علاوہ مقامی زبان بھی بولی جاتی ہے۔

مقام عبرت:

ایک روز جنجا والے دوست حضرت مولاناؒ کو جنجا شہر سے باہر چند میل کے فاصلہ پر ایک سیرگاہ میں لے گئے۔ یہاں پر چند اونچے اونچے ٹیلے ہیں۔ جن پر شاہانہ ٹھاٹھ کے تین محل تعمیر ہیں۔ اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہیں۔ ان محلات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے مغلیہ دور کے کسی بادشاہ نے اپنے ذوق و شوق کو پورا کیا ہو۔ خوبصورتی کے علاوہ ہر قسم کی راحت اور تفریح کا سامان بھی موجود ہے۔ محلات کے چاروں طرف میلوں تک پھل دار درخت، گنے اور چائے کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔ سامنے ایک اونچی پہاڑی ہے۔ جو پھل دار اور سایہ دار درختوں سے سجائی گئی ہے۔ اور جس کی چوٹی تک سڑک جاتی ہے۔ اور اوپر سے "جنجا" شہر وکٹوریا جھیل اور ہرے بھرے کھیت میلوں تک نظر آتے ہیں۔ گویا دیکھنے والا مری کے کشمیر پوائنٹ یا راولپنڈی پوائنٹ پر کھڑا ہے فرق صرف بلندی کا ہے۔ مقام عبرت یہ ہے کہ یہ سب نقشہ ایک ہندو کا بنایا ہوا ہے جو مدوانی کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کو زیادہ دیر ان محلات میں رہنا نصیب نہیں ہوا کہ اس کی اجل آگئی اور اسی زمین کے ایک حصہ میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور آخرت کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ نے اس کو نیست و نابود کر دیا

(خسر الدنيا والآخرة ذلك هو الخسران المبين)

اس کے بعد اس کے بیٹے آئے لیکن ان کو بھی ان محلات میں زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اور صدر عیدی امین کی صاحب کی حکومت نے یورپین باشندوں کے ساتھ ان کو بھی ملک بدر کردیا اور آج یہ سب محلات خالی اور بند پڑے ہیں۔ جن میں پرندوں اور چند چوکیداروں کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہ سب منظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ (کم ترکوا من جنات و عیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین) نہایت ہی عبرت آموز منظر ہے لیکن کتنے لوگ ہیں۔ کہ تماشائی بن کر گزر جاتے ہیں۔ اور کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔

یوگنڈا کے بعد ہمارا پروگرام مغربی افریقہ کے چند ممالک میں جانے کا تھا۔ جس کا ذکر حضرت مولانا کے مکتوب نیروبی میں کیا گیا ہے اور اس کی ابتداء نائیجیریا سے ہونی تھی۔ لیکن نائیجیریا کا ویزا جلدی نہ ملنے کی بنا پر یہ سفر ملتوی کرنا پڑا۔ کیونکہ ویزے کے لئے چند ہفتے انتظار کرنا پڑتا اور پھر ان ممالک میں کافی وقت کی ضرورت تھی۔ اور موجودہ مدت کافی نہ تھی اس لئے طے پایا کہ یوگنڈا سے قاہرہ ہوتے ہوئے براستہ جدہ کراچی واپس ہوں

چنانچہ بروز اتوار ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۷۵ء رات کے بارہ بجے "لفت ہنسا" سے قاہرہ کے لئے سفر طے ہوا۔ عصر کے قریب جنجا سے روانہ ہوئے۔ مولانا عبدالخالق صاحب، محترم زیدی صاحب اور دوسرے حضرات دو گاڑیوں میں الوداع کہنے کے لئے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور مولانا کے روکنے کے باوجود انہوں نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ مغرب کے وقت کمپالا پہنچے، پاکستان کے ایک جج صاحب کے ہاں رکے اور مغرب کی نماز ادا کی، ان کے دینی مزاج سے مولانا کو بہت مسرت ہوئی اس کے بعد سارا قافلہ سعودی سفارتخانہ کے سیکرٹری استاذ محمود کے ہاں پہنچے، نہایت دیندار اور با اخلاق شخص ہیں۔ ان کے ہاں عشاء کا کھانا، اور نماز عشاء ادا کی۔ اور رات کے ساڑھے نو بجے پورا قافلہ "انٹے بے" ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوا۔ ائرپورٹ پر کسٹم وغیرہ میں سفر کے سارے مراحل سے فارغ ہو کر ان حضرات کو حضرت مولانا نے شکریہ اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

رات کے ایک بجے جہاز روانہ ہوا۔ اور ساڑھے چار گھنٹے کی پرواز کے بعد قاہرہ ائرپورٹ پر پہنچا، حضرت مولانا کے استقبال کے لئے "المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ" کا نمائندہ ائرپورٹ پر موجود تھا۔ جس نے آپ کا استقبال کیا۔ اور جلد ہی کسٹم سے فارغ ہو کر شہر پہنچے اور ہوٹل میں قیام کیا جس کا ایک کمرہ پہلے سے مجلس اعلی کی طرف سے ریزرو کرایا ہوا تھا۔

قاہرہ میں چھ روز قیام رہا، اس قیام کے دوران جن شخصیات سے ملاقاتیں ہوئیں اور جو کام ہوا اس کی تفصیل یہ ہے۔

شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود سے ان کے دفتر میں طویل ملاقات ہوئی، نہایت محبت و اکرام سے مولانا کا استقبال کیا۔ اور اپنی جگہ چھوڑ کر مولانا کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ ہماری مہمانی قبول فرمائیں۔ ہماری طرف سے ایک مرافق اور گاڑی ہر وقت آپ کے ساتھ رہے گی حضرت مولانا نے شکریہ ادا کیا اور معذرت فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہم المجلس الاعلی کی دعوت قبول کر چکے ہیں۔ وہ بھی آپ ہی کا ادارہ ہے۔

شیخ الازہر کے سامنے اپنے سفر افریقہ کی مختصر روئداد بیان فرمائی اور ان کو "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کتاب کا نسخہ پیش کیا۔ شیخ الازہر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اگر اجازت دیں تو ہم اس کو چھاپ کر تقسیم کریں۔ مولانا نے فرمایا بڑی خوشی سے اسی مجلس میں مولانا کے قائم کردہ "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کراچی کا ذکر بھی آیا۔ تو مولانا نے اس کے اغراض ومقاصد بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔ ہمارا مقصد اس علمی ادارے کے قائم کرنے سے ایسے علماء پیدا کرنا ہے جو ایک طرف راسخ فی العلم ہوں اور دین کے عصری تقاضوں کو سمجھتے ہوں۔ اور وہ دوسری طرف دین کے مخلص سپاہی ہوں۔ جن کے سامنے مادی منافع اور دنیاوی مناصب مقصود نہ ہوں بلکہ ہر حال میں ان کا نصب العین دین کی خدمت ہو۔

شیخ الازہر نے مولانا کے اعزاز میں ایک پرتکلف دعوت دی جس میں جامعۃ الازہر کی علمی شخصیات کے علاوہ قاری شیخ محمود خلیل الحصری مصر میں پاکستان کے سابق سفیر محترم احمد سعید کرمانی، پاکستان میں مصر کے سابق سفیر جناب علی خشبہ وزارت اوقاف کے نائب وزیر وغیرہ کو بھی مدعو کیا، بعض دینی اور علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی جسے سب حاضرین نے دلچسپی سے سنا۔

پاکستان کے سفیر محترم احمد سعید کرمانی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی نہایت عزت واحترام سے پیش آئے۔ قیام گاہ پر حضرت مولانا کو دعوت دی اخود ہوٹل سے لے گئے۔ اور پھر واپس لائے اور قاہرہ سے روانگی کے وقت ائرپورٹ پر رخصت کرنے تشریف لائے۔

"المجلس الاعلی للشئون اسلامیہ" کے جنرل سیکرٹری سید محمد توفیق عویضہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ بے حد خوشی کا اظہار کیا اور بار بار یہ جملہ کہہ رہے تھے (نحن سعداء بوجودکم) ان کو بھی مولانا نے کتاب "موقف الامۃ الاسلامیۃ" پیش کی اور فرمایا کہ آپ اس کتاب کو انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں ترجمہ کرا کر شائع کریں۔ اور ان بلاد میں تقسیم کریں جہاں یہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔

انہوں نے اس کا وعدہ کیا اور خوشی کا اظہار کیا، اس کے علاوہ بعض دوسرے موضوعات پر بھی گفتگو ہوئی۔

مولانا اسماعیل عبدالرزاق ساؤتھ افریقہ کے نوجوان عالم ہیں جامعۃ الازہر کے کلیۃ اللغۃ انگریزی کے استاذ اور افریقی زبانوں کے شعبہ کے صدر ہیں اور حضرت مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہیں۔ صبح و شام اپنی گاڑی لے کر آتے رہے ایک روز تفریح کرانے قاہرہ شہر سے باہر لے گئے۔ مولانا کے اعزاز میں ایک پرتکلف دعوت دی جس میں مقامی شخصیات کے علاوہ قاری عبدالباسط صاحب، پاکستان کے سفیر محترم احمد سعید کرمانی صاحب اور جاپان کے ایک مسلم پروفیسر کو بھی مدعو کیا۔ ان کے علاوہ اسلامی ممالک کے طلبہ بھی ملاقات کے لئے آتے رہے۔

چونکہ حج قریب تھا۔ اور ہمارا ٹکٹ قاہرہ، جدہ، کراچی کا تھا اس لئے یہ طے پایا کہ حج ادا کرتے ہوئے جائیں... اور حج کے دوران اسلامی ممالک سے آنے والے علماء سے مل کر ان کو کتاب "موقف الامۃ" پیش کی جائے اور اس فتنے کے سدباب کے لئے ان کے سامنے مناسب تدابیر رکھی جائیں۔

چنانچہ بروز اتوار ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ء قاہرہ سے جدہ پہونچے، وہاں دو روز قیام کے بعد مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ و تسلیم پہنچے۔ حج سے چند روز پہلے مدینہ منورہ سے حج کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہونچے حج کے سفر میں جدہ، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں قدرت نے ایسی تسہیلات اور راحت کے اسباب مہیا فرما دیئے تھے۔ گویا آپ شاہی مہمان ہیں اور ہر جگہ پہونچنے سے پہلے ہی سارے انتظامات مکمل ہوتے تھے۔ یہ تو ایک مستقل موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

حج سے پہلے مکہ مکرمہ میں "رابطہ عالم اسلامی" کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد صالح قزاز صاحب سے مولانا رحمہ اللہ کی ملاقات ہوئی، آپ نے ان کو اپنے سفر کے تاثرات سنائے جس پر انہوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور دعائیں دیں۔ حضرت مولانا نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ رابطہ کی جانب سے کتاب "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کی طباعت کا انتظام ہونا چاہیئے اور رابطہ اسے بلاد اسلامیہ میں تقسیم کرے، جسے انہوں نے قبول کرتے ہوئے متعلقہ کمیٹی کے سپرد کر دیا۔

موسم حج میں ہر سال رابطہ کی طرف سے "بین الاسلامی مجلس مذاکرہ" منعقد ہوتی ہے۔ اس مجلس کا اجلاس جاری تھا۔ شیخ محمد صالح قزاز نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کو بھی شرکت کی دعوت پیش کی اور اصرار کیا کہ کم از کم آپ اس کے اختتامی اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں جسے آپ نے قبول فرمالیا۔

اس بین الاسلامی مجلس مذاکرہ میں جن موضوعات پر مقالے پڑھے گئے وہ یہ تھے۔ ۱۔ قادیانیت۔ ۲۔ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت۔ ۳۔ اسلام میں عورت کا مقام۔

مجلس کا آخری اجلاس ۵ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۷۵ء عشاء کے بعد رابطہ کے ہال میں شروع ہوا۔ حضرت مولانا مرحوم نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ رابطہ کے اراکین نے آپ کا استقبال کیا اور رابطہ کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد صالح قزاز اپنی جگہ چھوڑ کر آئے اور آپ کو خاص مہمانوں کی جگہ بٹھایا۔ اس اجلاس میں مختلف ممالک کے سینکڑوں علماء نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں مندرجہ بالا موضوعات سے متعلق خصوصی کمیٹیوں نے اپنی اپنی سفارشات پڑھ کر سنائیں۔ قادیانیت کے متعلق کمیٹی نے جو سفارشات پیش کیں وہ یہ تھیں۔

"بین الاسلامی مجلس مذاکرہ" کی طرف سے قادیانیت سے متعلق مقررہ کمیٹی نے بڑے غور و خوض سے قادیانی جماعت کے اغراض و مقاصد کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ جماعت بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اندر سے اسلام کی جڑیں کاٹ رہی ہے۔ اور مسلمانوں میں اپنے خبیث نظریات پھیلا رہی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے عقائد کے خلاف مندرجہ ذیل امور کی مرتکب ہے۔

الف: اس جماعت کے لیڈر مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔

ب: اپنے گھٹیا اغراض کے لئے قرآن کریم کی آیات کی تحریف کی ہے۔

ج: اپنے آقا اور مربی استعمار اور صہیونیوں کو خوش کرنے کے لئے جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا۔

نیز اس کمیٹی نے ان عقائد اور سیاسی و اجتماعی خطرات کا بھی مطالعہ کیا جن کا اس جماعت کی وجہ سے عالم اسلام کو خطرہ لاحق ہے اور بعض وفود کی زبانی یہ سن کر افسوس ہوا کہ یہ جماعت افریقہ، ایشیا، یورپ اور امریکہ کے بعض ممالک میں اپنا کام برابر کر رہی ہے۔ اس لئے یہ کمیٹی مندرجہ ذیل قرارداد پیش کرتی ہے۔

۱۔ بین الاسلامی مجلس مذاکرہ ان اسلامی حکومات کو مبارکباد پیش کرتی ہے جنہوں نے قادیانیت کے بارے میں اپنا واضح موقف اختیار کرتے ہوئے اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے۔ نیز یہ مجلس باقی تمام اسلامی حکومتوں اور دینی تنظیمات سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بھی یہ اعلان کریں کہ قادیانیت غیر مسلم جماعت ہے۔ اور اسلام کی ابدی تعلیم کے خلاف ہے۔

۲۔ حسن اتفاق سے اس وقت نائیجیریا کے سربراہ مملکت دیار مقدسہ میں موجود ہیں۔ اور جیسا کہ معلوم ہے کہ نائیجیریا میں قادیانی سرگرمیاں بہت تیز ہو

رہی ہیں۔ بلکہ اب یہ قادیانی جماعت وہاں کی یوربا زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ علماء افاضل کا ایک وفد تشکیل دیا جائے جو نائیجیریا کے صدر محترم سے ملاقات کرے اور ان کے سامنے اس غیر مسلم اور باغی جماعت کے بارے میں امت اسلامیہ کے موقف کی وضاحت کرے اور ان سے اپیل کرے کہ وہ ان کے اس خطرناک منصوبے کو پورا نہ ہونے دیں۔

۳۔ مسلمانوں کو مختلف وسائل کے ذریعہ قادیانی لٹریچر پڑھنے سے روکا جائے اور اس لٹریچر کو مسلمانوں میں پھیلانے کا سدباب کیا جائے خصوصاً قرآن حکیم کے تحریف شدہ ترجمے

۴۔ کمیٹی یہ بھی سفارش کرتی ہے کہ اس غیر مسلم گمراہ کن جماعت کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور رابطہ عالم اسلامی اس سلسلہ میں ایک خاص شعبہ قائم کرے جس کا کام یہ ہو کہ وہ اس جماعت کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھے اور اس کی مقاومت کے لئے مناسب اقدام کرے

۵۔ جن بلاد میں یہ فتنہ پھیل چکا ہے وہاں کثرت سے ایسے مخلص مبلغین کو بھیجا جائے جو قادیانی مذہب، اس کے مقاصد اور طریق کار سے خوب واقف ہوں۔

۶۔ جن ممالک میں قادیانی سرگرمیاں موجود ہیں، وہاں قادیانیوں کے مراکز کے بالمقابل دینی مدارس ہسپتال اور یتیم خانے قائم کئے جائیں۔ تاکہ مسلمان بچے ان کے مدارس اور ہسپتالوں میں جانے پر مجبور نہ ہوں۔

۷۔ یہ کمیٹی رابطہ عالم اسلامی سے یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں ایسی کتابیں بکثرت شائع کرنے جو اس فرقے کے خطرات سے آگاہ کرتی ہوں تاکہ مسلمان اس جماعت کے عقائدِ فاسدہ اور ناپاک اغراض سے مطلع ہو سکیں۔

۸۔ یہ کمیٹی اسلامی حکومتوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے ہاں شائع ہونے والی کتابوں کی نگرانی کے لئے ایسے حضرات کا تقرر کریں جو صحیح اسلامی فکر کے مالک ہوں۔

۹۔ جو لوگ محض جہالت یا دھوکے میں قادیانیت کے جال میں پھنس چکے ہیں۔ ان کو نہایت نرمی اور حکمت عملی سے اسلام کی دعوت دی جائے اور اس سلسلہ میں مناسب تدابیر اور وسائل کو کام میں لایا جائے (وباللہ التوفیق)

حرمین شریفین میں مقامی علماء اور دینی شخصیات کے علاوہ دوسرے ممالک سے آئی ہوئی علمی شخصیات سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے اس موضوع پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ اور ان کو مذکورہ کتاب پیش کی گئی۔ ان حضرات کا تعلق جن ممالک سے تھا۔ ان میں بعض کے نام یہ ہیں:۔ جاپان، انڈونیشیا، ملایا، فلپائن، ہندوستان، شام، عراق، اردن نائیجیریا، سیرالیون، اپرولٹا، آئیوری کوسٹ، سینیگال، جنوبی افریقہ اور ترکی

اس مبارک سفر کی ابتداء بھی حرمین شریفین سے ہوئی اور انتہا بھی حرمین شریفین پر ہوئی۔ اور سفر کے اختتام پر حضرت مولانا مرحوم کی جانب سے روئداد کے آخر میں جو خلاصہ کلام شائع ہوا وہ یہ ہے۔

خلاصہ کلام:۔

مشرقی افریقہ کے ممالک میں دین کے لئے مندرجہ ذیل فتنے پائے جاتے ہیں۔

۱۔ عیسائیت۔
۲۔ مرزائیت۔
۳۔ جہالت۔
۴۔ علماء اور صالحین کی قلت
۵۔ مدارس دینیہ کا فقدان۔

وفد نے مندرجہ ذیل امور سرانجام دیئے:۔

۱۔ مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی محبت، عظمت، اطاعت اور آپس میں اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔

۲۔ عقیدۂ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کی وضاحت کی۔

۳۔ اس موضوع پر لکھی ہوئی کتاب "موقف الامۃ الاسلامیۃ" اور ایک انگریزی پمفلٹ تقسیم کیا۔

۴۔ جہاں فتنہ قادیانیت کے مراکز ہیں۔ وہاں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے قیام کی تدبیریں کی گئیں

۵۔ جہاں تنظیم بنانے کی اجازت نہیں وہاں مقامی علماء اور دینی شخصیات کو کام کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا۔

۶۔ جہاں قادیانیت کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا ہے۔ وہاں کے ذمہ دار حضرات کو مبارکباد اور دین کے لئے کام کرنے کا لائحہ عمل پیش کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ اس فتنہ پر کڑی نگرانی رکھیں۔

۷۔ ایشین مسلمانوں کو افریقی مسلمانوں سے دینی روابط قائم رکھنے اور غیر مسلم باشندوں میں کام کرنے کی ترغیب دی گئی۔

۸۔ ان ممالک میں دارالافتاء ریاض کے جو حضرات مبعوثین کام کر رہے ہیں۔ ان کو کام کرنے کے مفید مشورے دیئے گئے۔

۹۔ مقامی حضرات کو ترغیب دی گئی کہ وہ افریقی ذہین بچوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پاکستان بھیجیں اور ان کے ٹکٹ کا انتظام کریں

۱۰۔ کتاب "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کی دوبارہ طباعت اور انگریزی و فرانسیسی ترجمہ اور اس کی طباعت کا انتظام کیا گیا۔

تجاویز:

مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں وفد نے یہ تجاویز پیش کیں۔

۱۔ جن ممالک کا وفد نے دورہ کیا ہے۔ وہاں قائم کردہ جمعیات تحفظ ختم نبوت، مقامی دینی انجمنوں، علماء اور دینی شخصیات سے دائمی رابطہ قائم رکھا جائے اور خط وکتابت کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہے۔

۲۔ ان حضرات کو دینی فتنوں کے خلاف اردو عربی اور انگریزی میں لٹریچر بھیجا جائے۔

۳۔ افریقی طلبا کو دینی مدارس میں وظائف دیئے جائیں اور ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔

۴۔ تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کو توجہ دلائی جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جماعتیں ان ممالک کی طرف روانہ کریں خصوصًا یوغنڈا میں وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

تاثرات و مشاهدات

حضرت شیخ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں خادم کو کئی بار اندرون ملک اور بیرون ملک سفر کرنے کا شرف حاصل ہوا لیکن یہ سفر سب سفروں میں طویل تھا اور سفر ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے کسی جلیل القدر ہستی کی اصلی حقیقت وفطرت اور اس کے اخلاق وشمائل کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت شیخؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے کمالات بخشے تھے۔ ان کمالات میں سے بعض کا مشاہدہ اس سفر میں خاص طور پر نصیب ہوا جس کو اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جیسا کہ آپ کا ہر سفر کسی نہ کسی دینی مقصد کے لئے ہوتا تھا۔ ہر سفر میں آپ کا مقصد صرف دین کی کوئی نہ کوئی خدمت اور رضا الٰہی کا حصول ہوتا تھا۔ سفر میں محض سیر وسیاحت سے شاندار ہوٹلوں یا کوٹھیوں اور بنگلوں میں قیام سے پُرتکلف ضیافتوں اور میزبانوں کے استقبال سے آپ کو طبعاً نفرت تھی چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بار بار حج یا عمرہ کا سفر کرنے سے بھی میرا مقصد حج یا عمروں کی تعداد بڑھانا اور اس کو اپنے لئے سرمایۂ فخر ومباہات سمجھنا ہرگز نہیں ہے بلکہ میں تو ایک خاص مقصد کے لئے بار بار حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا جاتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو یہ باغ لگایا ہے (مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا ہے) اس کی قبولیت اور کامیابی کے لئے دعائیں کروں۔ بیت اللہ کے فیوض اور روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل کروں کہ اللہ تعالیٰ بانی اور اساتذہ وطلبہ کی محنت کو قبول فرمائیں اور ان کو مزید اخلاص اور اہلیت سے سرفراز فرمائیں جس طرح ایک کار کا ڈرائیور جب سفر شروع کرتا ہے تو تیل کی ٹنکی کو بھر لیتا ہے مگر جہاں ٹنکی خالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو جلد از جلد کسی پٹرول سے تیل لیتا ہے اسی طرح میں بھی نہ صرف ہر سال بلکہ سال میں متعدد مرتبہ حرمین شریفین سے تیل لینے جاتا ہوں۔

آپ سفر سے پہلے استشارہ اور استخارہ دونوں سے کام لیتے تھے اور جب عزم فرما لیتے تو پھر ضعف یا مرض یا سفر کی صعوبتیں مانع نہیں ہوتی تھیں۔ آخر عمر میں گھٹنوں کے درد کی وجہ سے اُٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا تھا مگر حج وعمرہ کے طواف وسعی کی سعادت حاصل کرنے میں یہ درد قطعاً مانع نہیں ہوتا تھا اپنے پاؤں سے چل کر طواف بیت اللہ واجبات ومستحبات طواف کی ادائیگی کے اہتمام کے ساتھ کرتے تھے سعی بھی اکثر پیدل ہی کرتے تھے۔ اگر مجبور ہو جاتے تو اخیر کے تین شوطوں میں گاڑی پر سوار ہو کر سعی پوری کر لیتے۔

بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دے کر بھی اسے ہیچ سمجھتے تھے گویا کچھ کیا ہی نہیں فخر ومباہات تو کجا؟ یہ آپ کے عام سفروں کا حال تھا اسی افریقہ کے طویل سفر میں ایک روز دیکھا کہ تہجد سے فارغ ہو کر بیٹھے ہیں اور زار وقطار رو رہے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں کہ ہم نے اللہ کیلئے کیا کیا؟

آپ نے اس سفر میں جتنی بھی تقریریں فرمائیں سب میں ایمان باللہ، اللہ اور رسول کی محبت، اطاعت وانقیاد اور اتحاد بین المسلمین پر زور دیتے تھے اور اختلافی جزئیات اور فروعی چیزوں کو قطعاً نہیں چھیڑتے تھے تاکہ مسلمانوں میں افتراق کا ذریعہ نہ بنیں اور جب افریقہ کے بعض ممالک کے متعلق سُنا کہ کچھ حضرات یہاں آتے ہیں اور مسلمانوں کو لڑا کر چلے جاتے ہیں تو ان مقررین کی کوتاہ کاری اور کجروی پر بے حد افسوس فرمایا۔

حالت سفر میں حضر کی طرح طہارت اور نماز باجماعت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ سفر سے پہلے اور سامان کے ساتھ جانماز، لوٹا۔ مسواک۔ وضو کے چپل۔ قبلہ نما وغیرہ اشیاء ساتھ رکھتے تھے۔ الحمد للہ کہ اس خادم کو رفیق سفر ہونے کے علاوہ صاحب نعلین، صاحب مسواک، صاحب طہور اور

صاحب ستر ہونے کا شرف بھی نصیب ہوا ہے۔ اگر مسجد قریب ہوتی تو مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا فرماتے اور اگر دور ہوتی تو جائے قیام پر ہی خود مع اپنے رفقاء کے جماعت سے نماز ادا کرتے۔ الحمد للہ کہ اس طویل سفر میں ایسے موقع پر خادم اذان اور اقامت کہتا اور حضرت مولانا مرحوم امامت فرماتے۔ نماز کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ لوساکا (زمبیا) ائرپورٹ سے جب شہر کی طرف روانہ ہوئے تو وہاں کے حضرات نے عرض کیا کہ عصر کی نماز شہر میں پہنچ کر پڑھیں گے مگر ائرپورٹ شہر سے کافی دور تھا جب راستہ میں دیکھا کہ سورج کے متغیر ہونے کا خطرہ ہے تو سختی سے موٹریں رکوا دیں اور اتر کر تیمم فرمایا اور ایک طرف گھاس پر باجماعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ اب اطمینان ہو گیا۔

سفر میں قرآن کی تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے اور اپنے ساتھ ہمیشہ مصحف شریف اور ادعیہ ماثورہ کی کتابیں رکھتے تھے اور صبح کے وقت تلاوت بھی فرماتے تھے اور حسب موقعہ اور حسب حال ان اذکار وادعیہ کا بھی ورد فرماتے۔ سفر وحضر میں تہجد کی نماز آپ کا مستقل معمول تھا۔ پہلی دو رکعت خفیف ہوتیں۔ دوسری دو میں پوری سورۂ یاسین تلاوت فرماتے اور باقی رکعات میں مختلف سورتیں پڑھتے۔ الحمد للہ کہ اس سفر میں تہجد میں بھی آپ امام اور خادم مقتدی ہوتا تھا۔ مزید احتیاط کے لئے ہمیشہ اپنے ساتھ سفر میں سفری ٹائم پیس رکھتے۔ اگرچہ اس کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی۔

سفر میں ہمیشہ اپنے ساتھ دوسری ضروریات کے علاوہ ٹارچ بھی رکھتے تھے جس کا اہم مقصد یہ ہوتا تھا کہ رات کو اٹھتے وقت کمرے کی بتی نہ کھولیں اور روشنی نہ کریں تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔

نیز سفر وحضر میں ہمیشہ سرمہ دانی بھی تکیہ کے قریب ہوتی اور سوتے وقت سرمہ استعمال فرماتے۔

اگر سفر میں کوئی عالم یا طالب علم ساتھ ہوتا تو وقتاً فوقتاً علمی نکات سے مستفید فرماتے رہتے۔ اہل علم کی معیت سے آپ کو قلبی مسرت ہوتی تھی۔ معمولی خدمت پر ممنون ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے جب کہیں دین کا کام ہوتا دیکھتے یا کسی کو دین کا کام کرتے دیکھتے تو خوشی کا اظہار فرماتے اور اس کے لئے دعا فرما کر اس کی ہمت افزائی فرماتے۔

سفر میں اپنے ہم سفر کا بہت زیادہ خیال فرماتے حتیٰ کہ آپ کی پدرانہ شفقت سفر کے احساس کو بھلا دیتی تھی چنانچہ یہ تین چار ماہ کا لمبا سفر اس طرح گذرا کہ ایک دن بھی سفر کا احساس نہیں ہوا۔ سفر کا احساس اس روز ہوا جب اس سفر کے اختتام پر آپ کو میں نے جدہ سے کراچی کے لئے روانہ کیا اور خود جدہ سے قاہرہ کے لئے روانہ ہوا۔

سفر میں ہوٹل کے قیام کے دوران کمرے میں میری چارپائی مولاناؒ کی چارپائی کے بالمقابل بچھی تھی۔ میرا جی گوارہ نہ کرتا تھا کہ اس طرح بالمقابل سوؤں میں نے بستر چارپائی سے اٹھا کر نیچے قالین پر بچھانا چاہا تو سختی سے روک دیا اور فرمایا کہ چارپائی پر ہی سونا ہوگا۔ اسی طرح نیروبی میں ایک صاحب کے مکان پر جب قیام فرمایا تو وہاں کمرے میں صرف ایک پلنگ بچھا تھا۔ باقی قالین پر انہوں نے میرے لئے اسپرنگ والا گدا بچھا دیا تھا تو مجھے فرمانے لگے کہ میرا بستر بھی قالین پر بچھائیں۔ میں نے بڑی مشکل اور بڑے اصرار سے چارپائی پر آپ کو سلایا۔

دوران سفر ہوٹل یا کسی دفتر میں اترتے چڑھتے جب کبھی لفٹ کے لئے بٹن دباتا اور لفٹ آجاتی تو آپ قصیدہ بردہ کا یہ شعر پڑھتے۔

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة
تمشي إليه على ساق بلا قدم

آپ کی روح پرور گفتگو سے کبھی دل نہیں اکتایا اور آپ کی مجلس سے کبھی دل سیر نہیں ہوا۔ آپ سے دوری کے اوقات میں برابر طبیعت بے چین رہتی۔ مصر میں میرا جانا آپ کی اجازت اور آپ کے مشورہ سے ہوا تھا۔ مصر کی رنگینیوں کی وجہ سے مصر جانے والے حتی الامکان مصر کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور جو واپس ہوتے ہیں وہ ہمیشہ مصر کے رنگین لیل ونہار یاد کرتے ہیں لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے لئے حضرت مولاناؒ کی جدائی کی بنا پر مصر ایک جیل خانہ تھا جس میں میں نے چار پانچ سال گذارے ہیں اور جب کبھی زیادہ پریشانی کی حالت میں سوتا خواب میں آپ کو دیکھتا دعا فرما دیتے یا کوئی اور تسلی کی بات فرما دیتے اور صبح جب اٹھتا تو طبیعت پر سے سارا بوجھ اتر چکا ہوتا۔ جب میں نیا نیا مصر گیا تو قاہرہ کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ رات کو ہوٹل کے شور وغل کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ ایک روز کافی دیر ہو گئی غالباً رات کے ایک یا دو بج چکے تھے پریشان ہو کر سویا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا مرحوم بیٹھے ہیں۔ میں سامنے دوزانو بیٹھا ہوں اور چاروں طرف مدرسہ کے اساتذہ کرام بیٹھے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اور دعا کے بعد ہاتھ اپنے منہ کے بجائے میرے منہ پر پھیرے تو مدرسہ کے ایک بڑے استاد نے عرض کیا کہ میرے لئے بھی دعا فرمائیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ (سبقك بها عكاشة)

مصر سے جب گذشتہ فروری ۱۹۷۷ء کے اوائل میں واپس ہوا تو میں نے رفاقت سفر کے پرانے معاہدے کی دوبارہ تجدید کے طور پر عرض کیا کہ اب تو آپ کا کوئی سفر بھی اندرون ملک کا ہو یا بیرون ملک کا میں انشاء اللہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ نہایت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور معاہدہ کی توثیق فرمائی ایک موقع پر فرمایا کہ دو ہی آدمی ایسے ہیں جن سے مجھے سفر میں صحیح آرام ملتا ہے اور جو میرے مزاج کو خوب جانتے ہیں۔ ایک مولانا حبیب اللہ صاحب اور دوسرا اس خادم کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے پہلے بھی نیروبی کے خط میں لکھ چکے تھے کہ (بحمد اللہ جس رفاقت کی ضرورت تھی میسر آگئی) اس فرمانے کے بعد انتہا درجہ قلبی

مسرت ہوئی کہ الحمد للہ اب ہم اس قابل ہو گئے کہ خدمت کا شرف حاصل کر سکیں۔
اس کے بعد صرف ایک سفر میں معیت کا شرف حاصل ہوا جب آپ پہلی بار ۲۸ اکتوبر کو کراچی سے اسلام آباد اسلامی کونسل کے پہلے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ اجلاس سے فارغ ہو کر اسلام آباد سے بذریعہ موٹر جہانگیرہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ سے ملاقات فرمائی اور ان کی اہلیہ مرحومہ کی تعزیت فرمائی۔ وہاں سے سخاکوٹ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب بقیۃ السلف مدظلہ سے طویل مجلس فرمائی وہاں سے پشاور تشریف لے گئے۔ پشاور میں اپنے ماموں زاد بھائی مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوری کے ہاں قیام فرمایا اور اپنے تمام عزیز و اقارب سے ملاقات فرمائی۔ پشاور شہر اور قریب قریب دوسرے شہروں کے علماء اور صالحین ملاقات کے لئے حاضر ہوتے رہے خصوصاً مولانا محمد اشرف صاحب۔ مولانا عبد القدوس صاحب اور مولانا قاضی نور الرحمٰن صاحب ایک روز کے لئے لنڈی کوتل بھی تشریف لے گئے اور خادم سے فرمایا کہ آپ پہلی بار میرے ساتھ پشاور آئے ہیں اس لئے آپ کو لنڈی کوتل اور درہ خیبر دکھاؤں گا۔ لنڈی کوتل کے قریب ایک گاؤں میں وہاں کے علماء و مخلصین جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ دن کا اکثر حصہ گزارہ اور شام کو واپس پشاور تشریف لے آئے۔ دوسرے روز ۳ اکتوبر کی شام کو بذریعہ ہوائی جہاز پشاور سے سیدھے کراچی تشریف لے آئے گویا یہ الوداعی سفر تھا جس میں اپنے دوستوں، عزیزوں اور مخلصین سے رخصت ہو رہے تھے۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ آخری سفر ہو گا۔ البتہ یہ بات بار بار فرماتے تھے کہ اب میں سفر کے قابل نہیں رہا۔

لیکن اس کے بعد آپ نے تو ایسا سفر اختیار فرمایا کہ ساری حسرتیں دل کی دل میں ہی رہ گئیں کاش کہ سفر اپنے اختیار میں ہوتا اور شرعاً اس کی اجازت بھی ہوتی تو جہاں ملک اور بیرون ملک کے سفر میں معیت کا معاہدہ کیا تھا آخرت کے سفر یعنی ایک ساتھ وفات کا بھی معاہدہ کر لیتے! آہ ہمارے شیخ ہم سے جدا ہو گئے اور ہمیں یتیم چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔ العین تدمع والقلب یحزن و انا بفراقك یا شیخنا و حبیبنا لمحزونون ولا نقول الا ما یرضی به ربنا تبارك وتعالیٰ۔ اے اللہ ہم ضعیف و ناتواں ہیں۔ ہمیں صبر جمیل عطا فرما۔ اور اے اللہ ہمارے شیخ مرحوم کی قبر مبارک کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا۔ اور ان کی پاک روح کو اعلیٰ علیین میں پہنچا کر اکرام و اعزاز فرما اور اے اللہ ان کا مسکن و ماویٰ جنت الفردوس کو بنا اور ان کے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایانِ شان ہو اور اے اللہ آخرت میں ان کو رفع درجات اور علو مقامات نصیب فرما اور اے اللہ جس طرح آپ نے ہمیں ان کی زندگی میں دعوات سحری نالہائے نیم شبی اور دعوات حرمین شریفین کے برکات سے سرفراز فرمایا۔ مفارقت کے بعد بھی ان کی روح پر فتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما۔ اور اے اللہ ان کی چھوڑی ہوئی امانت (مدرسہ عربیہ اسلامیہ) کی حفاظت، خدمت اور ترقی کی اہلیت، ہمت اور توفیق عطا فرما۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم۔

تاریخ الوفات

محمد یوسف

۱۹۷۷ء

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی وفات پر

۲۰۰—۴۰۰—۵۰—۷۱۷—۱۰—۸۰ ۱۳۹۷ھ

آیاتِ شریفہ

قال جل اسمہ ابداً ابداً " وھو مؤمنٌ فاولئك كان سعیھم مشكوراً — ۱۳۹۷

قال اللہ جل لہ یوم كتبا ویلقہ منشوراً — ۱۳۹۷

آہ! الشاہ سید محمد یوسف صاحب بنوری وفات پا گئے — ۱۹۷۷!

شاگردِ رشید انور صاحب — ۱۳۹۷

نتیجہ فکر: غلام سرور مظفر آبادی جامعہ رشیدیہ

حجۃ الاسلام

حضرت نانوتویؒ

شافع کون و مکاں کی راہ پر لاتا رہا
گمرہانِ شرک کو توحید سکھلاتا رہا
اس کے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا
وہ خدا کی سرزمیں پر حجۃ الاسلام تھا
(شورش)

حضرت مولانا مرحوم کی زیارت اور سفر و حضر میں رفاقت کے اللہ تعالیٰ نے کئی مواقع عطا فرمائے، مگر یہاں اس مختصر فرصت میں اپنے دو تین اسفارِ حج کے دوران مولانا سے وابستہ کچھ یادیں بغیر کسی خاص ربط و ترتیب کے سپردِ قلم کرتا ہوں :-
(راقم الحروف)

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عالم عرب کے اعیان علم وفضل میں آپ کی شہرت بڑھتی ہی گئی، اور آپ بحیثیت ایک عظیم محدث اور نقاد محقق کے تسلیم کیے جانے لگے۔ اس کا کچھ مظاہرہ میرے سامنے اس وقت ہوا جب ۱۹۶۴ء میں اپنے سفرِ حج کے دوران بعض اجلّہ علم و فضل سے میری ملاقات ہوئی۔ عالم عرب کے عظیم داعی اور محققِ عالم علامہ شیخ مصطفیٰ السباعی رحمۃ اللہ علیہ اس سال حرمین شریفین تشریف لائے تھے۔ شیخ مصطفیٰ السباعی شام کے باشندے تھے ان کا وقیع علمی مجلہ "حضارۃ الاسلام" دنیائے اسلام میں معروف ہے۔ کئی جلیل القدر کتابوں کے مصنف ہیں۔

منکرینِ حدیث اور بعض متجددین نے سنتِ رسول کی حجیت کے خلاف جو ہنگامہ کھڑا کیا۔ اس کے اصل محرک یورپ کے بعض یہودی مستشرق تھے۔ ہمارے ہاں بھی غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمان جیسے لوگ ان معاندینِ اسلام پروفیسروں اور اسکالروں کے حقِ تلمذ ادا کرنے میں پیش پیش رہے۔ ادھر عالم عرب میں بھی مصر اور بیروت جیسے خطوں میں انہیں "وفا شعار" مستغربین ملے۔

ایسے ہی کچھ لوگوں نے حجیت، تدوینِ حدیث اور حدیث کے بعض اولین رواۃ اور مدوّنین کو نشانۂ تحقیق بنایا۔

شیخ مصطفیٰ السباعی نے ان لوگوں کے رد میں قلم اٹھایا اور .... السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی جیسی جامع اور محققانہ کتاب لکھی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت، روانی، سلاستِ بیان اور منکرینِ حدیث کے تعاقب اور پوسٹ مارٹم کرنے میں ایک مثالی کتاب ہے۔ اور ہمارے ہاں کے اہلِ علم کے مطالعہ کی چیز ہے۔

ہمارے شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی جب پاکستان میں اس فتنہ کی ہلاکت آفرینیوں سے بے چین ہوئے تو انہوں نے ایک وقت پورے شد و مد سے منکرینِ حدیث اور متجددین کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔۔ اس ضمن میں آپ کی نظر رسالہ شیخ مصطفیٰ السباعی کی مذکورہ کتاب پر پڑی اور مولانا محمد ادریس میرٹھی کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ اس کتاب کو اپنے ادارہ سے "سنت کا تشریعی مقام" کے نام سے اردو میں شائع کیا، خیر یہ تو اس ملاقات کے بعد کی بات ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔

شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم پر آخری سالوں میں فالج کا حملہ ہوا اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اسی دوران وہ حرمین شریفین تشریف لائے۔ ایام حج سے قبل وہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک بوسیدہ اور خستہ سے مکان میں صاحبِ فراش تھے۔ میں تلاش کرتے پہنچا۔ بسترِ علالت پر دراز، چہرہ بالکل زرد ضعیف اور ناتواں مگر صبر و شکر کا عجیب حال، فرمایا:

کہ میں اس طویل بیماری کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اس لیے بھی سمجھ رہا ہوں کہ صحت کی حالت میں اِدھر اُدھر کے مشاغل میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ جب مجھے تبدیلیٔ آب و ہوا اور سیر و سیاحت کے لیے کہا گیا اور کچھ وقت ملا تو میں نے اسے جوارِ رسول علیہ الصلوٰۃ

والسلام میں گذارنے کو پسند کیا۔"

وہ مسجدِ نبوی میں حاضری سے بھی معذور تھے۔ مگر قربِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے عجیب تسکین اور سرور کا باعث بن رہا تھا، کہ وہ اپنی صحت میں تیزی سے تبدیلی محسوس کرنے لگے گونا گوں آلام و اسقام نے انہیں نڈھال کر دیا تھا، مگر عشقِ رسول، قربِ رسول اور دفاعِ حق اور جذباتِ جہاد نے آلام و اسقام کو نعمتوں سے بدل دیا تھا۔

قیامِ مدینہ کے دوران انہوں نے ایک دن روضۃ من ریاض الجنۃ میں منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک طویل قصیدہ "مناجاۃ بین یدی الحبیب الاعظم کے عنوان سے قلم بند کیا اور خود اسے مواجھۃ رسولِ اعظم میں پیش فرمایا، جس میں انسے کیفیات کا اظہار موجود ہے، جس کے چند ایک اشعار یہ ہیں:۔

یا سیدی یا حبیب اللہ جئت الی
اعتاب بابک اشکو البرح من سقمی

یا سیدی قد تمادی السقم فی جسدی
من شقوۃ السقم لم اغفل ولم اثم

الا ہل حولی غرقی فی رقادہم
انا الوحید جفاہ النوم من الم

قد عشت دہراً مدیداً اکلہ عمل
والیوم لاشئ غیر القول والقلم

یا سیدی طال شوقی للجہاد فہل
تو عو الی اللہ عوداً عالی العلم

تا اللہ ما لصفتی البر عن رغب
فی ذی الحیاۃ ولا حیاۃ ولا نعم

دانما طمع فی ان تقول (ای اللہ) غداً
لقد ہدیتم الی الاسلام کل عمی

ھیہات ان تنطوی للدین رایتہ
او یہزم الکفر دینا غیر منہزم

فاکرم الناس من کانت منیتہ
فی حوزۃ الحق جلداً غیر منہزم

دان ھو الناس من جاءت منیتہ
خلواً من الھم او خلواً من الھمم

اشکوا الی اللہ شکوی غیر ذی جزع
فی شدۃ الضر وجھی وجہ مبتسم

ما فی قضائک ظلم للعباد والضر
فیہ الاساءۃ بل محض من الحکم

اس قصیدہ کے بارہ میں خود شیخ مصطفی السباعی فرماتے ہیں:

"وھی قصیدۃ طویلۃ الجھت فیھا بالدعاء الی اللہ والتجارت الی حرم رحمتہ الواسعۃ وذکرت فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعجزاتہ فی شفاء المرضیٰ فی حیاتہ علیہ السلام الی ان قال ۔۔۔۔ وکنت فی کل لیلۃ یورقنی فیھا شدۃ الالم ازید فی تلک القصیدۃ حتی لم منھا حینئذ ما یقرب مأۃ بیت"۔

مدینہ منورہ میں شیخ سباعی کے ساتھ یہ میری مختصر ملاقات تھی۔ یہ ۲۹ر ذی قعدہ ۱۳۸۳ ہجری جمعۃ المبارک کے شام کا واقعہ ہے۔ سباعی صاحب نے مجھے ایک طالب علم سمجھ کر اپنی عالمانہ شفقت و محبت سے نوازا، وہ خود بستر سے، جو زمین پر بچھا ہوا تھا۔ اٹھ نہیں سکتے تھے، مگر مجھے حکماً کہا کہ سامنے الماری میں سے شامی حلاوہ کا ڈبہ اٹھا کر لاؤں اور ان کے سامنے اس میں سے کچھ کھا لوں، تاکہ کچھ تو ضیافت ہو جائے، اس کے بعد ان کی ضیافت و شفقت ان کے نہایت وقیع، مجلہ، حضارۃ الاسلام کی شکل میں جاری رہی، جو کچھ عرصہ قبل تک مجھے شام سے برابر موصول ہو کر حلاوہ معنوی و فکری کا موجب بنتا رہا۔

ایامِ حج قریب ہوئے تو شیخ سباعی مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ مناسک حج سے فراغت کے بعد طالب العلمانہ تشنگی کی بناء پر پھر مجھے عالمِ عرب سے آئے ہوئے اعیانِ علم وفضل کے زیارت اور صحبت کی خواہش ہوئی۔ شیخ مصطفی السباعی اس وقت حرم مکہ کے قریب "خندق شبرا" میں مقیم

تھے اور یہ ہوٹل عرب علماء اور شیوخ کی آرامگاہ بنا ہوا تھا۔ ۲۲ اپریل ۶۴ء مطابق ۱۴ ذی الحجہ میں خندقِ شبرا گیا۔ یہاں شیخ سباعی کے علاوہ شیخ عبدالفتاح ابو غدۃ السید محمد المکی الکتانی اعضاء کے قاضی القضاۃ قاضی منصور وغیرہ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

شیخ مصطفیٰ السباعی کے ساتھ بات چیت میں پاکستان سے آئے ہوئے علماء کا ذکر بھی آیا۔ شیخ نے فرمایا، مجھے مولانا محمد یوسف سے ملنے کا اشتیاق ہے۔

اس سال چونکہ اس نام کے بعض اور اکابر بھی واردِ حرمین ہوئے تھے۔ ایک مولانا محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیر، دوسرے جماعتِ تبلیغی کے شیخ محمد یوسف دہلوی، تیسرے علامہ محمد یوسف بنوری، اس لیے استاد سباعی مرحوم نے ایک ایک کا نام گنوا کر مجھ سے الگ الگ ہر ایک کا تشخص کرایا اور فرمایا کہ مجھے شیخ محمد یوسف بنوری سے ملنے کی آرزو ہے اور میں مرنے سے قبل ان سے احادیث میں اجازت لینا چاہتا ہوں۔ کاش کوئی صورت اس کی بن سکے۔

میں نے شیخ سباعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ میری ذمہ داری ہے، میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں لے کر آؤں گا۔

فرمایا، ہرگز نہیں، یہ تو بے ادبی ہے، اور شانِ طالب علمی کے خلاف ہے، کسی طرح مکان اور وقت کا یقین ہو جائے تو مجھے خود ان کے پاس لے چلیں۔

میں نے کہا، لا علی المریض حرج۔ اس کے بعد میں نے کسی وقت حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے سباعی صاحب کی ملاقات اور ان کے اس اشتیاق کا ذکر کیا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ ایک جلیل القدر عالم اور اسلام کے خادم ہیں، میں انہیں کیا اجازتِ حدیث دوں گا، البتہ ملاقات اور زیارت کے لیے ضرور چلیں گے۔

اس کے بعد کسی دن حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ میرے ساتھ خندقِ شبرا تشریف لے گئے۔ شیخ مصطفیٰ سباعی کو معلوم ہوا تو عجیب کیفیت ان پر طاری ہوئی، دیر تک محفل رہی۔ دونوں اپنی جگہ تواضع اور مسکنت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس مجلس میں شیخ سباعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دیرینہ مراد بر آئی اور انہوں نے با اصرار حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح ستہ اور احادیث کی دیگر کتابوں میں اجازت حاصل کی۔

اس سفرِ حج میں ابتداء سے آخر تک۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شفقتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ کراچی میں ویزا کرنسی وغیرہ تمام مسائل میں حضرت نے وہ وہ توجہات فرمائیں کہ اب سوچتا ہوں کہ اگر حضرت کی عنایتیں نہ ہوتیں تو شاید ہم اس سعادت سے بہرہ ور نہ ہوتے۔ ہم لوگ رمضان میں براستہ الخبر اور الریاض مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ قاہرہ کے مجمع البحوث الاسلامیہ کی پہلی دعوت پر مصر تشریف لے گئے اور یکم اپریل ۱۹۶۴ء کو واپسی میں مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا تاج الاسلام (مشرقی پاکستان) ان کے ہمراہ تھے۔ یہ وفد مسجد نبوی کے قریب پاکستان ہاؤس میں مقیم ہوا جو اس وقت غلام محمد ہاؤس کہلاتا تھا۔ ہم لوگ خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی صاحب نے سفرِ قاہرہ کے حالات سنائے۔ معارف السنن کی جلد اول کا نسخہ ہماری روانگی کے بعد چھپ گیا تھا اور پہلی بار یہاں مولانا بنوری کے ہاں دیکھا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں اپنی پہلی حاضری۔ اور بے سرو سامانی کے باوجود وہاں کے شیخ حمیدی سے ملاقات اور ان کے بھرپور الطاف و عنایات کا ذکر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے کس کس طرح غیب سے مدد فرمائی۔ اور شیخ حمیدی کے ساتھ نہایت آرام، و راحت اور آراستہ و

پیراستہ سواری میں بیٹھ کر پہلی حاضریٔ مدینہ کے دوران تیرہ چودہ دن تک میں نے مدینۂ طیبہ کے آثار مبارکہ کی تفصیلی سیاحت کی۔ اپنے طویل اسفار کے دوران قدرت کی ایسی ہی غیبی دستگیریوں کو بیان کر کر کے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ وکذالک مکنا لیوسف فی الارض۔

اس سفر میں حضرت کی معیت آخر تک نصیب رہی، یہاں تک کہ میدانِ عرفات میں وقوف کی سعادت بھی ان کے ساتھ حاصل ہوئی۔ ان سب حضرات کے معلم سید مکیؒ مرزوقی تھے جو ہمارے بھی معلم تھے۔ میدانِ عرفات میں ان حضرات اکابر کے علاوہ امیر التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی بھی اسی معلم کے مخصوص خیموں میں فروکش تھے اور میدانِ سعادت میں ایسا قرآن السعدائر سونے پر سہاگہ کا کام دے رہا تھا، اب وہ دن اور وہ منظر خواب سا لگتا ہے ؎

خزاں رسید وگلستان باآن جمال نماند
سماع بلبل شوریدہ رخت وحال نماند

نشانہ لالۂ ایں باغ از کہ می پرسی
بزد کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

اپنی حرماں نصیبی اور تہی دستی جتنی زیادہ تھی اتنا ہی قدرت نے فیاضی سے ایسے مواقعٔ غنیمت سے نوازا۔ اپنے دوسرے سفرِ حج کے دوران تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت ابتداء ہی سے نصیب ہو گئی۔

غالباً ۲۹ر مارچ ۱۹۶۹ء کو ہم نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی قیام گاہ کراچی سے احرام باندھا۔ طلبہ احرام اور دعاؤں میں شریک ہوئے دس گیارہ بجے دن کو جہاز نے پرواز کیا ۔۔۔ ابھی جہاز نے پرواز کیا ہی تھا، کراچی شہر پر چکر لگا رہا تھا کہ اناؤنسر نے محتاط رہنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہم لوگ چند منٹ میں فنی خرابی کی وجہ سے دوبارہ کراچی ایئر پورٹ پر اتریں گے۔"

ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لیے تمام عازمینِ حج میں، جو سب احرام میں تھے، نہایت پریشانی اور سراسیمگی دوڑ گئی۔ یہ پریشانی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی کہ جہاز کراچی کے سمندر پر چکر کاٹتا رہا۔ یہ چند منٹ تقریباً آدھ گھنٹہ میں بدل گئے بعض لوگوں نے کہا کہ اتنے بھاری جہاز میں جدہ تک چلنے کے لیے جتنا ایندھن ڈالا گیا ہے، اتنے وزن کے ساتھ جہاز کا اتارنا مشکل ہے اور اب جہاز اپنا وزن کم کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ واللہ اعلم الغیب۔ بہر حال حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ پر مکمل اطمینان اور سکون چھایا ہوا تھا۔ مجھے تسلی دیتے رہے اور کہا کہ گھبرائیے نہیں، سورۃ قریش کا ورد کرتے رہیں سکونِ خاطر ہو گا۔

جہاز بخیریت واپس اترا، بعد میں کسی نے بتلایا کہ جہاز کے ایک انجن میں خطرناک قسم کی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم لوگ اب پی۔ آئی۔ اے کے مہمان تھے۔ جس کی انتظامیہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سمیت ہم تمام حجاج کو جو تقریباً ایک سو بہتّر (۱۷۲) کے لگ بھگ تھے۔ ایئر پورٹ کے قریب جدید طرز کے ہوٹل "مڈ وے ہاؤس" لے گئی۔ دوپہر کے کھانے کے انتظام میں وقت لگ رہا تھا۔ "مڈ وے ہاؤس" کا وہ خوبصورت ہال جو ہمیشہ رقص و سرور کی ظلمتوں میں ڈوبا رہتا تھا، اب اس ہال کے ڈائس پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوتے اور لاؤڈ سپیکر میں مناسکِ حج اور اس راہ کی نزاکتوں اور ذمہ داریوں پر خطاب شروع کیا اور ہال اب "لبیک اللھم لبیک" کی پُر کیف صداؤں سے گونجنے لگا۔

شام کو دوسرے جہاز سے ہم لوگ روانہ کر دیئے گئے۔ رات کو کسی وقت جدہ پہنچنے کے بعد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ موٹر ٹیکسی لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور غالباً دو یا تین بجے رات ہم حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طواف وسعی سے فارغ ہوئے۔ اس سفر کا ایک عجیب و غریب واقعہ

پھر انہیں مولانا جو حضرت بنوری قدس سرہٗ کا حضرتِ حق جل مجدہ سے خاص تعلق کا مظہر ہے اور ناز کا ایک ایسا انداز جس کا مظاہرہ عشق و محبت کے تمام مراحل طے کر کے مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے والے خوش قسمت بندے ہی کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کے لیے حرمین شریفین کا راستہ غیب سے کھول دیا تھا، عموماً آپ ہر سال حج اور رمضان میں عمرہ اور مسجدِ نبوی کے اعتکاف کی سعادت حاصل کرتے۔ آخر وقت تک کوئی پروگرام متعین نہ ہوتا اور میعادِ وصال قریب ہوتے ہی آپ کا آتشیں جذبۂ شوقِ وصل ایسا بھڑک اٹھتا کہ حالات اجازت نہ بھی دیتے مگر آپ سب کام چھوڑ چھاڑ کر آستانۂ یار پر جبینِ نیاز خم کرنے پہنچ جاتے۔

آخری سالوں میں آپ کی ضعف و نقاہت بڑھ گئی تھی اور گھٹنوں میں شدید درد کی وجہ سے چلنا پھرنا اور کسی اونچے مکان یا زینے پر چڑھنا تو بہت مشکل ہوتا، اُدھر موسمِ حج میں ہر سال حجاج کے اژدہام میں بے حد اضافہ ہوتا رہا۔ اسی سفر میں ایک بار نمازِ عصر سے قبل میں نے حرم کے قریب مولانا کے مستقر پر حاضری دی۔ آپ ہوٹل کے مکان پر ٹھہرے تھے، وہاں سے نمازِ عصر کے لیے چل پڑے، مولانا بڑی مشکل سے اژدہام میں سے راستہ نکالتے ہوئے چلتے رہے،

حرم شریف پہنچے تو جماعت تیار تھی اور ہمیں حرم سے باہر سڑکوں پر صفوں میں جگہ ملی، نماز کے بعد گھٹنوں کے درد سے نڈھال ہانپتے کانپتے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ گھٹنوں اور جوڑوں کے درد حجاج کی دھکم پیل، اونچے نیچے ڈھلوانوں پر چڑھنا اترنا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اب موسمِ حج کی یہ تکالیف ناقابلِ برداشت تھیں، یہ حالات تھے کہ ہم اندر حرم شریف میں داخل ہوئے۔ مولانا موصوف پر عجیب حالتِ جذب طاری ہو گئی اور شانِ دلربائی سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے مجھے کہا کہ آپ بھی آمین کہیں۔ فرمایا:

"یا اللہ میں اب بالکل عاجز اور بے بس ہو گیا ہوں، میری یہ حالت آپ دیکھ رہے ہیں، میں بار ہا عزم کرتا ہوں کہ اب بس ہے، آئندہ یہاں نہیں آؤں گا، اب آپ میری حالت پر رحم کیجئے اور آئندہ مجھے ہرگز یہاں مت لائیے۔"...

اس وقت آنسو رواں تھے، مجھے کہا:

"تم نے دعا میں ساتھ دیا یا نہیں۔"

میں نے کہا: "یقین کیجئے کہ آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہو گی اور آپ کو یہاں کھینچ کر لایا جائیگا۔"

؎ میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں خود اٹھائے جاتے ہیں

کعبۃ اللہ کو خدا نے مثابۃ للناس بتایا ہے۔ بار بار اپنی طرف کھینچنے والا گھر، لوہا جتنا بھی خالص ہو گا اور انجذابیت کی قوت سے مالا مال تو مقناطیس اتنا ہی اسے اپنی طرف کھینچے گا.... مولانا مرحوم کی فطرت اس انجذابی کیفیت سے سرشار تھی۔ اور وہ دعاؤں کے باوجود اس کے بعد بھی یہاں تک کہ آخری سال بھی حرمین شریفین کی طرف کھنچتے چلے جاتے رہے۔

زندگی کے آخری رمضان کا آخری عشرہ بھی مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف میں گذارا، اور خدا نے ظاہری سہولتوں اور راحتوں سے بھی اپنے اس مہمان کو سفرِ حج و زیارت میں خوب خوب نوازا۔ ایک حد تک سفر بھی ان کے لیے حضر بن گیا تھا۔

عالمی دوروں اور اجتماعات کے لیے اسفار میں حتی الوسع گھر جیسا رکھ رکھاؤ اور اعلیٰ سہولتوں کے ساتھ رہتے۔ مولانا نے خود ایک مرتبہ پہلے سفرِ حج میں غیبی دستگیریوں کے حالات سنائے اور فرمایا کہ شعبان میں شادی ہوئی اور شوال میں حج پر جانا ہوا۔ پھر وہاں سے مصر، ترکی وغیرہ جانا ہوا۔ مصر میں ایک سال ٹھہرنا پڑا۔ فیض الباری کی طباعت کا کام ہو رہا

تھا۔ مگر اخراجات کی کوئی دقت نہ ہوئی۔ افریقہ سے ہمارے نام خطوط آئے تھے اور مصر پہنچنے سے قبل خرچ پہنچ گیا۔

مولانا ہر موقع پر کوئی علمی لطیفہ پیدا فرما لیتے۔ سفرِ حج میں ایک دعوت کے دوران سموسے سامنے آئے تو ایک مصری قاری جو مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے، کا اصرار تھا کہ یہ لفظ اصل میں "سمبوسہ" ہے، مگر مولانا کی یہ رائے تھی کہ تمہارا لفظ محرّف ہے۔ سموسہ ٹھیک ہے کہ اس کی شکل مثلث ہے۔ تین منہ والی چیز کی بنا پر .... سہ موسہ سے سموسہ بنا ہے۔

سفرِ حج کے دوران کراچی میں مولانا کی عنایات کے ساتھ ساتھ علمی افادات اور لطائف سے بھی مستفید ہوتے رہے اور مناسکِ حج و عمرہ کے عمیق اور گہرے مسائل سے بھی مستفید فرماتے رہے۔ ۱۴؍ جنوری ۱۹۶۴ء کو کراچی سے ہمارے بحری جہاز کی حجازِ مقدس روانگی تھی۔ مولانا کی خدمت میں اجازت لینے حاضر ہوئے تو حج کے بارے میں قیمتی نصائح سے نوازا اور فرمایا:

"فقہ میں صرف طواف کے دوران کے لیے تیاسر لکھا ہے، مگر حقیقت کی تشریح نہ ہوئی۔ اگر بحالتِ طواف، سینہ خانۂ کعبہ کے محاذات میں ایک انچ بھی چلنے پھرنے میں آ جائے تو طواف فاسد ہو جاتی ہے اور یہ ایسا ہے جیسا بحالتِ صلوٰۃ قبلہ سے انحراف ہو جاتے۔ تو بحالتِ تقبیل و استلام حجرِ اسود بالکل کھڑا ہو جائے، اور اسی حالت میں بغیر چلنے کے قدم موڑ کر استلام و تقبیل کے لیے روانہ ہو، ورنہ روانگی کی حالت میں محاذات صدر رہ جائے گا، بلکہ صدر چاروں طرف طواف میں بالکل سیدھی رکھے۔ اسی طرح موسم حج سے قبل مدینہ منورہ آنا چاہیئے۔ بعد از رمضان جس پر مکہ مکرمہ میں شوال آ گیا۔ اس کے لیے اشہرِ حج میں عمرہ کی ادائیگی جائز نہیں۔ اس لیے آپ اگر قبل از شوال مکہ مکرمہ گئے تو شوال سے قبل مدینہ منورہ واپس ہو جائیں، تاکہ ایامِ حج میں عمرہ کر سکیں اور مسلک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مخالفت نہ ہو"....

مزید فرمایا:

"تعجب ہے کہ اکثر علماء احناف بھی بے احتیاطی کرتے ہیں اور آفاقیوں کی ایسی نعمت سے فائدہ اٹھانے کے نام سے توسعات نکالتے ہیں۔"

مولانا کی ان تنبیہات سے اندازہ ہوا کہ بار بار حج و زیارت کے مزاولت اور ممارست نے آپ کی طبیعت میں توسع اور تسامح نہیں پیدا کی، بلکہ باریک سے باریک آداب و شرائط کو ملحوظِ خاطر رکھنے کے جذبہ کو اور بھی گہرا کر دیا ہے اور یہی وہ رعایات بیت اللہ اور عظمتِ حرمین کا شدتِ احساس تھا جس نے آپ پر بیت اللہ کے دروازے کھول دیئے تھے۔

اہلِ حرمین کی معنوی قدر و قیمت کا انہیں کتنا احساس تھا اس کا اندازہ تب ہوا کہ جب ایک بار مدینہ منورہ میں میں نے مولانا سے حدیث ....
ان الاسلام لیأرز الی المدینۃ۔ (الحدیث)
کے ضمن میں مدینۃ منورۃ میں حالات کی تبدیلی، دنیاوی ہنگامہ ہائے شب و روز اور اہلِ مدینہ کی پُر تعیش زندگی اور عصری تہذیب کے اثرات کے فروغ کی طرف توجہ دلائی۔ وہ میرے خدشات کو بھانپ گئے۔ اور فرمایا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں فتنِ متتالیہ کے نزول اور ورود کی پیشگوئیاں بھی فرمائی تھیں اور اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے آج بھی اہلِ مدینہ ایمان کے مضبوط ترین رشتے اور رسی سے بندھے ہوئے ہیں اور مقامات میں روابط ایک کچے دھاگے کی طرح ہے جو ذرا سے جھٹکے سے کٹ جاتا ہے۔"

اس کے بعد کافی دیر تک مدینہ طیبہ کے انوار و برکات پر گفتگو فرماتے رہے۔ اس سفر کی خوشگوار یادوں میں مزید دو ایک باتیں یہ ہیں۔

۱۔ مولانا مرحوم حمیّت دینی سے سرشار اور جذبۂ

حب فی اللہ اور بغض فی اللہ سے معمور تھے۔ ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ قادیانیت سے بغض وعداوت آپ کو اپنے مشائخ بالخصوص شیخ انور رحمۃ اللہ علیہ سے ورثہ میں ملی ہوئی تھی۔ مصر کے ایک سابق شیخ الازہر شیخ شلتوت رحمۃ اللہ علیہ کو مرزائی مبلغوں نے شیشہ میں اتار دیا۔ اور انہوں نے وفاتِ مسیح کے غلط عقیدہ میں مرزائیوں کی ہمنوائی کی۔ شیخ شلتوت کے رد میں نظرۃ عابرۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی۔ مولانا مرحوم کے ہاں اس کا نسخہ میری نظر سے گزرا تو اس کے ٹائیٹل پر مولانا کے قلم سے لکھے ہوئے اس مختصر اور لطیف ریمارکس سے بے حد لطف آیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات تھے:

"هذه الرسالة النفيسة رد على محمود شلتوت الذي مكنته الظروف من ان يكون شيخا للازهر في هذا العهد المشؤم فيا ويل ادارة تكون مثله شيخا لها"

(محمد يوسف البنوري عفا الله عنه)

ترجمہ:- "یہ قابلِ قدر رسالہ محمود شلتوت کے رد میں ہے، جسے اتفاقاتِ زمانہ نے اس منحوس دور میں جامع ازہر کی مشیخت جیسے منصب پر فائز کیا ہے۔ ہائے افسوس ایسے ادارہ پر جس کا ڈائریکٹر محمود شلتوت جیسا شخص ہو۔"

دورانِ سفر ایک علمی گفتگو میں فرمایا:

" دائرۃ المعارف کا مصنف بستانی سب عیسائیوں میں کٹر متعصب ہیں۔"

پھر بھی توحید و رسالت کا بڑا مواد کتاب میں بھر دیا ہے اور ہمارے مولانا کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ضرب الخاتم میں کئی جگہ حوالے دیئے ہیں۔ فرمایا۔ معجم المصنفین میں آدم اول کے بعد ثانی آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مورثِ اعلیٰ) کے حالات ہیں۔

مجھے مولانا حبیب الرحمان شروانی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے یہ اطلاع دی تھی جب کہ کتاب چھپی نہ تھی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کتابوں پر بڑی گہری اور وسیع تھی۔ وہ کام کی کتابوں کا انتخاب فرما لیتے اور کارآمد مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے۔ ہمارے زمانۂ طالب علمی میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی سرحد تشریف لاتے تو اپنے جگری دوست مولانا عبد الحق نافع گل رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کے ہاں لازماً زیارت کاکا صاحب اور سخاکوٹ تشریف لاتے اور کئی کئی دن ان کے لطائف اور ظرائف سے بھرپور محفلیں جمی رہتیں۔ ہم ایسے مواقع کو غنیمت سمجھتے اور موقع ملتا تو ان محفلوں سے لطف اندوز ہوتے۔ کبھی علمی مسئلہ میں دونوں حضرات میں کبھی ٹھن جاتی تو ایسے مواقع پر اسیر مالٹا مولانا عزیز گل مدظلہ محاکمہ فرماتے۔

ایسے ہی ایک موقع پر ہمیں ادب عربی کی بنیادی کارآمد کتابوں کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

"پہلے تو الہمدانی کی کتاب الالفاظ الکتابیہ ... جو مترادفات کا مجموعہ ہے، کو ازبر کر لیں۔ پھر خود فر فر اس کے کئی ابواب یاد سے سناتے گئے، جو بچپن میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ازبر کر لیے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ کتابیں بھی عربی استعداد کے لیے نہایت مفید ہیں:

۱۔ ادب الکاتب لابن قتیبہ۔
۲۔ البیان والتبیین للجاحظ
۳۔ صبح الاعشیٰ للقلقشندی
۴۔ نہایت الارب۔

علم تفسیر اور فہم القرآن کے لیے آپ کشاف للزمخشری کے بالالتزام مطالعہ پر زور دیتے، اور فرماتے کہ حقیقۃ قرآن اور اس کی عربیت ادبیت اور اعجاز لفظی کے سمجھنے میں یہ نہایت اہم تفسیر ہے اس کے بعد تفسیر ابی السعود تفسیر کشاف کے قریب تر

باقی ۲۲۵ پر

موت العالم موت العالَم

تحریر: حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب قائمقام ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، فاضل اجل، عالم بے بدل، علامہ دہر حضرت مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ حرکت قلب بند ہو جانے سے راولپنڈی میں جان بحق ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے معزز رکن تھے۔ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی سے پنڈی آئے ہوئے تھے۔ آپ کے سانحہ ارتحال اور وفات حسرت آیات نے آنکھوں کو اشکبار، دلوں کو مجروح و بیقرار اور علمی دنیا کو سوگوار بنا دیا۔ آپ زہد و تقویٰ کے پیکر تھے، اخلاص و تواضع کے مجسمہ تھے عالم با عمل، جامع العلوم اور ماہر الفنون تھے۔ عصر حاضر کے جلیل القدر مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ آپ سلف صالحین کی یادگار تھے۔ ایک عالم ربانی کی جو خصوصیات ہو سکتی ہیں آپ ان کا بہترین مظہر تھے۔ آپ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کو شاہ صاحب مرحوم سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ سفر و حضر میں خادم کی حیثیت سے ان کیساتھ رہتے تھے۔ شاہ صاحب مرحوم سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور اپنے دوسرے استاد حضرت شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) میں تدریس کا آغاز کیا۔ شاہ صاحب کے وصال پُر ملال کے بعد آپ اسی جامعہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ آپ نے نفحۃ العنبر کے نام سے اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی عربی زبان میں سوانح حیات تحریر کی۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ شیخ الاسلام پاکستان کے قائم کردہ دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر کی حیثیت سے دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر آپ نے کراچی نیوٹاؤن میں ایک مثالی اور معیاری مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا۔ اور آخری وقت تک یہی درس گاہ مرحوم کی علمی و تدریسی مشاغل کا مرکز و محور بنی رہی۔ اس دینی درس گاہ میں حصول علم کے لیے نہ صرف پاکستان بلکہ عرب، افریقہ اور امریکہ وغیرہ مختلف ممالک کے طالب علم بھی آتے تھے۔ اور اس وقت بھی کئی عرب اور افریقی طالب علم وہاں زیر تعلیم ہیں۔ اس ادارے نے تھوڑے سے عرصہ میں بہت ترقی کی۔ اب تک ہزاروں طلباء یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، اور عرب، افریقی ممالک میں مرحوم کے ہزاروں تلامذہ ہیں۔ مولانا بنوریؒ صرف عالم اور مدرس ہی نہیں تھے۔ بلکہ بلند پایہ محقق اور مصنف بھی تھے۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف عربی زبان میں ہیں۔ مرحوم کو عربی زبان پر علماء عرب کی طرح عبور حاصل تھا۔ پوری روانی سے عربی بولتے اور لکھتے تھے۔ مولانا مرحوم کی شہرت اور مقبولیت پاکستان سے زیادہ عالم عرب میں تھی۔ دنیائے عرب کے علماء دین میں آپ کے علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کی دھوم تھی۔ آپ نے مصر، بیروت، شام، عراق اور حجاز مقدس کے بارہا طویل و عریض علمی، تبلیغی سفر کیے۔ اور آپ کے علمی مضامین کو مقامی اخبار و رسائل نے آب و تاب کے ساتھ شائع کیا۔ علماء عرب نے آپ کے علمی اوصاف و کمالات کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ اور اپنی مجالس و محافل میں آپ کو عزت و احترام کے ساتھ دعوت دیتے ہے چنانچہ آپ کو مجمع البحوث الاسلامی قاہرہ میں رئیس وفد پاکستان

کی حیثیت سے دعوت دی گئی۔

بعض مسائل کے متعلق آپ کے عربی مقالہ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی اور بالآخر اس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مصر کے مایۂ ناز مشہور علامہ طنطاوی صاحب تفسیر طنطاوی سے جب آپ نے بعض مسائل پر گفتگو کی اور ان کے بعض نظریات پر تنقید کی۔ جس سے علامہ طنطاوی متاثر ہوتے اور مولانا مرحوم کو یا اُستاد کے موقر الفاظ سے خطاب کیا اور بہت سی تنقیدات کو انصاف پسندی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ قبول کیا۔

مولانا بنوریؒ نے تمام علوم عربیہ کی بالعموم اور علم حدیث کی بالخصوص نہایت زبردست خدمت انجام دی۔ اس عاشق رسولؐ نے دورۂ حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف کی نہایت جامع اور بلیغ عربی شرح معارف السنن کے نام سے چھ جلدوں میں لکھی ہے۔ جس میں فقیہانہ اور محدثانہ انداز میں کلام کیا گیا ہے۔ اس کی عربیت فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اور اور طرز ادا نہایت سہل اور عام فہم ہے۔ دینی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس کتاب سے آپ کے علمی تبحر اور تفقہ فی الدین کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس کتاب کو انسائیکلوپیڈیا آف فقہ و حدیث کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ افسوس صد افسوس یہ شرح پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ آپ کی وفات سے یہ کام ادھورا رہ گیا۔

بینات کے نام سے آپ نے تقریباً ۱۵ سال قبل ایک ماہنامہ جاری کیا جو اب بھی آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے۔ اس ماہنامہ کے ذریعہ آپ نے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا اس رسالہ کا اداریہ بصائر و عبر کے نام سے آپ خود تحریر فرماتے تھے۔ اور طاغوتی طاقتوں، باطل ازموں اور خلافِ شرع افعال و امور پر بھرپور تنقید و تبصرہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے مجلس ختم نبوت کے نام سے ایک تحریک شروع کی تھی۔ اور اس وقت کے علماء کرام کو منکرین ختم نبوت کے دجل و فریب سے آگاہ کیا۔ خود شاہ صاحب کو تردید مرزائیت سے غیر معمولی شغف تھا۔ سالہا سال تک حضرت شاہ صاحب مرحوم اس فتنہ سے اُمت مرحومہ کو محفوظ کرنے کے لیے تحریری و تقریری طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اپنے خدام اور تلامذہ کو وصیت فرمائی کہ اس فرق باطلہ کا ڈٹ کر ہر میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ اسی وصیت کی بناء پر یہ درویش صفت عالم عاشق رسول، سید آدم بنوری (خلیفہ مجاز حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے خاندان کا چشم و چراغ تحفظ ختم نبوت کی تحریک ۱۹۷۴ء میں پاکستانی عوام کے سامنے منظر عام پر آیا۔ اس تحریک کے دوران سیاسی زعماء اور دینی مختلف مکاتب فکر کی جماعتوں نے جو مجلس عمل قائم کی تھی۔ آپ کو اس کا صدر بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر آپ نے پیرانہ سالی، بیماری، ضعیفی اور معذوری کے باوجود ختم نبوت کے تحفظ کے لیے جس جرأت و ہمت اور محنت و لگن سے ملک و ملت کی خدمت اور رہنمائی کی اس کی اس دور میں مثال نہیں ملتی۔ آپ نے عرب اخبارات و رسائل میں ایک ختم نبوت کی خبریں اور مرزائیت کے بارے میں مضامین اشاعت کے لیے ارسال کیے۔ ان خبروں اور مضامین کی اشاعت سے عالم عرب میں قادیانیت کے خلاف سخت ردّ عمل ہوا۔ اور حکومت پاکستان پر عرب حلقوں سے دباؤ پڑنے لگا۔ کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم یہ سارا کام نہایت خاموشی کے ساتھ کرتے رہے۔ انہیں نمائش اور ستائش سے سخت نفرت تھی۔ بالآخر خدا خدا کرکے قادیانیوں کو سرکاری اور حکومتی سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا۔ مولانا مرحوم کا یہ کارنامہ برصغیر کی تاریخ بلکہ اسلامی تاریخ کا عظیم اور اہم واقعہ بطور یادگار رہتی دنیا تک قائم دائم رہے گا ——— والحمد للہ علی ذٰلک۔

مولانا مرحوم نے فتنہ انکار حدیث کو دبانے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریف دین کے فتنہ کی نشاندھی کرتے ہوتے سخت تردید کی اور مسلمانوں کو اس جدید فتنہ سے بچا لیا۔

مولانا بنوری مرحوم صرف شریعت ہی کے جامع نہ تھے بلکہ وہ طریقت و تصوف میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے دست مبارک پر بیعت تھے۔ آپ کو تھانہ بھون کی خانقاہ سے خلافت کا اعزاز بھی عنایت کیا گیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا محمد شفیع الدین مہاجر مکیؒ خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

مولانا تاج محمود فیصل آباد

مارچ ۱۹۲۲ء میں آٹھویں جماعت کا امتحان دے چکا تھا اس وقت میری عمر کوئی تیرہ چودہ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ جب میں نے بلبل لسانِ رسول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دفعہ زیارت کی اور ان کی تقریر سنی۔ شاہ جی کی سحر آفرین آواز نے مجلسِ احرار کا گرویدہ بنا دیا۔ احرار حری انسانوں اور خطیبوں کا ایک گروہ تھا۔ ایک رضاکار کی حیثیت سے خاک کو گلوں کی ہم نشینی کا موقع مل گیا۔ ذرۂ خاک اگرچہ ہم نشینوں کے جمال سے کوئی زیادہ فیض یاب تو نہ ہو سکا تاہم مجھ پر میرے رب کا یہ کرم مزید ہوا کہ مجھے اس دور کی شہرۂ آفاق شخصیتوں کی زیارت اور ان کی مجالس میں بیٹھنے کی عزت حاصل ہوتی۔ ان عظمتوں میں مولانا سید حسین احمد مدنی رح مولانا عبید اللہ سندھی رح، مولانا ابو الکلام آزاد رح، مولانا احمد سعید دہلوی رح، وفا نور الدین بہاری رح مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رح، مولانا احمد علی لاہوری رح، مولانا ظفر علی خان رح، حضرت شاہ عبد القادر رائپوری رح، مولانا مفتی محمد شفیع رح، مولانا مفتی محمد حسن رح، مولانا ظفر احمد عثمانی رح مولانا اعزاز علی رح، میاں اصغر حسین رح، سید سلیمان ندوی رح، قاری محمد طیب مدظلہ، اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ جیسے لوگ شامل تھے لیکن عجیب اتفاق کہ خواہش اور کوشش کے باوجود مولانا سید محمد یوسف بنوری رح، مولانا سید بدر عالم رح، مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کی زیارت نہ ہو سکی تھی شہرت سنتا تھا زیارت کا شوق تیز تر ہوتا تھا لیکن ملاقات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔

مولانا سید بدر عالم ہجرت کر کے دیارِ حبیب چلے گئے اور وہاں سے وصلِ حبیب کی منزل کو جا پہنچے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ البتہ مولانا سید محمد یوسف بنوری رح سے نہ صرف ملاقات کی صورت نکل آئی بلکہ ان کے خادم اور رضاکار ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے پہلے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح تھے۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر ہوئے مولانا لال حسین اختر کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک فاتح قادیاں مولانا محمد حیات مدظلہ کو امیر منتخب کیا گیا۔ مولانا اکثر بیمار رہتے ہیں۔ بڑھاپا مستزاد ہے۔ جماعت کی امارت کی ذمہ داریاں عجیب تھیں مولانا نے خود بھی محسوس کیا اور ساتھیوں نے مشورت کر کے قرعہ فال حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رح کے نام نکالا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت اور حضرت کا تعلق یہ تھا کہ تحریک ختم نبوت درحقیقت اسی کام کا نام ہے جس کی ابتدا محدث عصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی مولانا بنوری کی ذات دراصل علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کا عکس کامل تھی۔ اس لیے خدام ختم نبوت نے مناسب یہی سمجھا کہ یہ امانت جن کی دراصل ہے ان کے سپرد کر دی جائے مولانا سے درخواست کی گئی جسے مولانا نے بکمال شفقت قبول فرما لیا۔

اصل میں یہ سارے انتظامات قدرت کی طرف سے تکوینی طور پر ہو رہے تھے جب مولانا کو امیر منتخب کیا گیا تو ہمارے سان گمان میں یہ بات نہ تھی کہ مرزائیت کے خلاف بہت بڑی تحریک ابھرنے والی ہے جس کی قیادت اور سیادت کا کام حق تعالیٰ علامہ دہر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین حضرت علامہ سید بنوری رح سے لینا چاہتے ہیں۔

چنانچہ مولانا کی امارت کے انتخاب کے چند ہی روز بعد ربوہ ریلوے سٹیشن پر مرزائیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے رہگذر طلبہ کے ساتھ انسانیت سوز ظلم کیا اور اس دردناک سانحہ سے ملک کے طول و عرض میں مرزائیوں کے خلاف ایک زبردست تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان نے راولپنڈی میں علماء کا اجلاس طلب کیا مفتی زین العابدین، مولانا عبد الرحیم اشرف، مولانا محمد اسحاق چیمہ اور راقم الحروف اس اجتماع میں شرکت کے لیے روانہ ہوتے تو ہمیں لالہ موسیٰ کے ریلوے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔ اگلا اجلاس آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ نے لاہور میں بلایا۔ اس سے اگلا اجلاس پھر ہماری دعوت پر لائل پور میں ملک گیر سطح پر بلایا گیا۔ مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد مولانا غلام اللہ خان، میاں طفیل محمد، مولانا عبد القادر روپڑی، میاں فضل حق، مولانا سید محمود احمد رضوی، آغا شورش کاشمیری، سید مظفر علی شمسی، علامہ احسان الٰہی ظہیر اور تمام مکاتب فکر کے نمائندگان کا اجتماع ہوا جس میں متفقہ طور پر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو قافلہ سالار منتخب کیا گیا۔ مولانا کی ساری زندگی تعلیم، تدریس، تصنیف اور تبلیغ میں گزری تھی۔ یہ میدان ان کے لیے بالکل نیا تھا لیکن اخلاص، طبیعت کے انکسار، عزم و استقامت کی بلندی اور ایثار و قربانی کے بے پناہ جذبہ نے انہیں اس میدان میں شہسوار ثابت کر دکھایا۔ وہ دن بھر تحریک کے لیے کام کرتے۔ رہنماؤں سے مشورتیں، کارکنوں کی تنظیم،

باقی ۲۲۵ پر

زمانہ طالب علمی کے چند تاثرات

ڈاکٹر احمد حسن : ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۲۶۷

اسلام آباد

مکرم و محترم مدیر صاحب [illegible]

مارچ ۱۹۷۸ء

السلام علیکم

خط کے ذریعہ [illegible] وصول ہوا - حضرت شیخ

[illegible] ارسال خدمت ہے - شیخ کی شخصیت اس قدر عظیم

اور ارفع ہے کہ مجھ جیسے ادنیٰ طالب العلم کو قلم اٹھاتے ہوئے

تامل رہا - حضرت کی قدر و منزلت بڑے ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں

[illegible] تاہم [illegible] خود کو آپ

حکم سمجھ کر تعمیل کر دی - اور یہ چند سطور اپنے زمانہ طالب علمی کے

تاثرات کے تسلسل میں لکھ رہا ہوں - [illegible]

[illegible] اگر مضمون [illegible]

تو [illegible] مناسب ہوگی -

[illegible] اصلاح [illegible] آپ کو اجازت ہے -

فقط

والسلام

احمد حسن

ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

شیخ الحدیث حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی اچانک وفات عالم اسلامی کا ایک انتہائی اندوہناک سانحہ ہے۔ حضرت شیخ کی رحلت سے علمی دنیا خصوصاً دنیائے حدیث میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کو پُر نہیں کیا جاسکتا۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے کبار علماء کثیر تعداد میں ہجرت فرما کر یہاں تشریف لاتے اور ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ علم کی شمعیں روشن کیں۔ یہ ان علماء کرام کا ہی طفیل ہے کہ کراچی جیسے تجارتی شہر میں آج بے شمار دینی مدارس موجود ہیں افسوس ہے کہ علم کے یہ آفتاب و ماہتاب ایک ایک کرکے غروب ہوتے جارہے ہیں۔ اور ان میں سے بڑی بڑی شخصیتیں ہمارے درمیان سے رخصت ہوچکی ہیں ایک زمانہ تھا کہ کسی بڑے عالم کی وفات سے کچھ علمی نقصان نہیں ہوتا تھا۔ اس کے تلامذہ اور ہم عصر اس کی کمی کو پورا کر دیتے تھے ہمارے اس دور انحطاط میں دینی مدارس سے اب وہ متبحر علماء پیدا نہیں ہورہے جو اپنے اساتذہ کی جگہ لے سکیں اس لئے جو ممتاز عالم دین اس دنیائے فانی سے رخصت ہوتے ہیں ان کی جانشینی ایک مشکل مسئلہ بن جاتی ہے

حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ کا نام یوں تو بہت سنا تھا دارالعلوم ٹنڈو الہیار کی شہرت بھی حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ، مولانا بدر عالم، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری کے سبب سے تھی۔ افسوس کہ یہ حضرات جلد ہی ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور تابندہ ستاروں کا یہ جھرمٹ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ مدرسہ ٹنڈو الہیار سے علیحدگی کے فوراً بعد ہی شیخ نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کی بنا ڈالی جس کا راقم الحروف بھی ایک ادنیٰ طالب العلم رہا ہے۔ جامع مسجد نیوٹاؤن میں اس مسجد کے قیام کے سلسلے میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کو خواب میں بعض بشارتیں ہوئیں۔ ان کی طرف اشارہ مدرسہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کو دی جانے والی سند میں موجود ہے اور ان کا ذکر حضرت شیخ درس کے دوران اپنے تلامذہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے سند میں جو نصیحتیں طلبہ کو کی گئی ہیں وہ بھی الہامی ہیں اور ان کا ذکر بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اپنے طلبہ کے سامنے کئی بار فرمایا۔

۱۹۵۶ء میں جامعہ کراچی سے عربی میں ایم۔اے کرنے کے بعد راقم الحروف کو درس نظامی کی تکمیل کی جستجو ہوئی۔ اس سے پہلے مختلف

فنون کی بعض کتابیں دارالعلوم کراچی میں اور بعض وہاں کے کچھ اساتذہ سے شخصی طور پر پڑھ چکا تھا۔ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کے آغاز کو ابھی ایک ہی سال گزرا تھا کہ اس کی شہرت کے چرچے جابجا ہونے لگے۔ ملک کے اطراف واکناف سے طلبہ جوق درجوق یہاں پہنچنے لگے۔ حضرت شیخ بنوری رح نے ابتداء میں اپنے بعض رفقاء کو اساتذہ کی کمی کے سبب تدریس کے لئے متعین فرمایا جن کا مقصد مدرسہ میں ملازمت نہیں تھا بلکہ وہ مدرسہ کی بنیادیں مضبوط کرنے اور مالی مشکلات سے بے پرواہ ہو کر دینی خدمت انجام دینے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ ان میں مولانا عبدالحق نافع گل اور مولانا لطف اللہ صاحب کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت شیخ کو خود بھی اس مدرسہ کے لئے ابتدا میں سخت محنت کرنا پڑی اور بڑی آزمائشوں سے گزرے۔ شیخ کی لگن، اخلاص اور اللہ تعالیٰ سے مسلسل مانگنے سے آہستہ آہستہ ساری رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ مدرسہ میں ابتدا ہی سے مختلف علوم کے ماہر اساتذہ کو جگہ دی گئی۔ جدید عربی سکھلانے کے لئے شروع سے مصری اساتذہ یہاں موجود رہے۔ مدرسہ کی اسی شہرت سے متاثر ہوکر راقم الحروف نے بھی اس طرف کا رخ کیا۔ اور دورۂ موقوف علیہ کے درجہ میں اپنی بے استعدادی کے باوجود داخلہ مل گیا۔ حضرت شیخ ایسے طلبہ کی تلاش میں رہتے تھے جو جدید مغربی علوم سے واقف ہوں یا جامعات کے فارغ التحصیل ہوں۔ تاکہ قدیم وجدید کے امتزاج سے مختلف محاذوں پر دین کا کام کیا جاسکے۔ مدرسہ سے وابستگی کے ساتھ پہلے سال میں تو حضرت شیخ سے براہِ راست استفادہ کا موقع نہ مل سکا کیونکہ حضرت شیخ دورۂ حدیث کے طلبہ کو صحیح بخاری و جامع ترمذی پڑھاتے تھے تاہم کبھی کبھی آپ کے درس میں تقریر سننے کے لئے یوں ہی شریک ہوجاتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی اپنے مشکوٰۃ کے سبق میں حضرت شیخ سے استفادہ کے لئے طلبہ کو کافی حد تک تیار کر دیتے تھے۔ حدیث، رجال اور اصولِ حدیث کی متداول درسی کتابوں کے علاوہ مولانا نعمانی اپنے سبق میں حدیث کے بے شمار رواۃ، کتابوں اور مصنفین کا ذکر بار بار فرماتے جن سے حدیث کا آغاز کرنے والے طالب العلم کے کان نا آشنا ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ چیزیں پہلے سے طلبہ کو تفصیل کے ساتھ نہ بتائی گئی ہوتیں تو اگلے سال بخاری و ترمذی کے سبق میں حضرت شیخ سے صحیح طور پر استفادہ مشکل ہوتا۔

راقم الحروف نے بخاری و ترمذی حضرت شیخ سے ۵۸ - ۱۹۵۷ء میں پڑھیں۔ اس زمانہ میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی تعداد غالباً پندرہ بیس کے لگ بھگ تھی۔ حضرت شیخ کو مدرسہ کے انتظامی امور کے سبب سبق پڑھانے سے پہلے مطالعہ کا کچھ زیادہ موقع نہ ملتا تھا۔ اور وہ اس کا ذکر اکثر سبق کے دوران فرمایا کرتے تھے، کبھی فرماتے آج میں نے تمہارے لئے دس منٹ مطالعہ کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت کا دس منٹ کا مطالعہ دوسروں کے کئی گھنٹوں کے مطالعے سے زیادہ مفید ہوتا۔ مطالعہ کی فرصت نہ ملنے یا مطالعہ نہ کرنے کے سبب آپ نے نہ کبھی سبق کا ناغہ فرمایا! نہ معذرت کی اور نہ ہی اس سے سبق کی تقریر میں کبھی کوئی کمی محسوس ہوتی۔ حضرت شیخ کو فنِ حدیث پر زبردست عبور حاصل تھا اور بخاری و ترمذی سالہا سال تک پڑھانے کے سبب حفظ تھیں اور اپنے شیخ حضرت امام العصر انور شاہ کشمیری رح کی طرح انتہائی استغراق و انہماک کے ساتھ ان دونوں کتابوں کے درس دیتے تھے۔ راقم الحروف کو حضرت انور شاہ صاحب کی زیارت کا موقع تو نہ مل سکا تاہم حضرت شیخ بنوری رح کے درس میں بیٹھ کر شیخ کشمیری رح کے اقوال، مشکل علمی مسائل کے بارے میں حضرت شیخ کی رائے اور ان کی زندگی کے کوائف سننے کا خوب موقع ملا۔

حضرت شیخ بنوری نے بخاری پڑھانے کے لئے اس کی متعدد شرحوں کو کتنی بار دیکھا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ سبق کے دوران مختلف علمی مسائل پر آپ ان کتابوں کے حوالے دیتے، ان کا موازنہ کرتے۔ اور اختلاف کی صورت میں اپنا دوٹوک فیصلہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو اپنے استاذ کی طرح نہایت قوی حافظہ عطا فرمایا تھا۔ اس لئے جو کتابیں بھی حضرت ملاحظہ فرماتے وہ ازبر ہوتیں۔ اور سبق میں من وعن ان کی عبارتیں نقل فرماتے۔

حضرت شیخ صحیح بخاری کو حدیث کی کتاب کے علاوہ عربی زبان وادب کی ایک اعلیٰ درجے کی کتاب سمجھتے تھے۔ سبق کے دوران اس کی ادبی حیثیت اور ادبی محاسن کو اکثر مقامات پر اجاگر فرماتے بعض اوقات بخاری کی کسی روایت کا متن لے کر اس کا دوسری روایتوں سے مقابلہ فرماتے اور امام بخاری کی اس روایت کے انتخاب کی وجہ اس کے الفاظ کی بلاغت کو بتلاتے وہ الفاظ جو ایک پیغمبر کی شایانِ شان ہوسکتے ہیں۔ امام بخاری رح نے روایات کے انتخاب میں جتنا سند کو پرکھا تھا اتنا ہی متن کو بھی، آپ نے اپنی کتاب میں ایک روایت ایسی درج نہیں فرمائی جس کے الفاظ فصاحت وبلاغت سے گرے ہوئے ہوں، صحیح بخاری کی دوسری امتیازی شان جو حضرت شیخ نے ہمارے سبق میں بار بار فرمائی وہ اس کا ایجاز ہے، اشاروں کنایوں اور مختصر الفاظ میں اپنے مفہوم کو ادا کرنا امام بخاری رح کا کمال ہے۔ حضرت شیخ صحیح بخاری کے تراجم پر بہت مفصل تقریر فرمایا کرتے تھے، اور یہ بات تاکید کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ تراجم بخاری پر تحقیقی کام ابھی امت کے ذمہ باقی ہے۔

بخاری کے سبق میں حضرت شیخ رح فیض الباری کے بھی حوالے

دیتے اور اپنے تلامذہ کو جنہیں بخاری کی ضخیم شرحوں تک رسائی میسر نہ تھی اِس کتاب کو پڑھنے کی تاکید فرماتے۔ حضرت شیخ رح کو صحیح بخاری کے ساتھ جو والہانہ شغف تھا وہ حدیث کی کسی دوسری کتاب کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔ بخاری شروع کرنے سے پہلے حضرت شیخ کئی دن تک صرف حدیث اور اسکی اہمیت پر نہایت مفصل و جامع تقریر فرماتے۔ پھر اس پس منظر میں صحیح بخاری کی تدوین، اِس سے متعلق جزئیات اور امام بخاری کے حالات پر کئی روز تک تقریر کرتے۔ آپ کی یہ ابتدائی تقریریں بے شمار کتابوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہوتیں۔ حضرت شیخ کے بخاری کے درس میں بیٹھ کر انسان مبہوت ہو جاتا تھا اور سوچنے لگتا کہ ہمارے دور کے حدیث کے اساتذہ کا جب یہ حال ہے تو ان ائمہ حدیث کا کیا حال ہوگا جنہوں نے اپنی ساری عمریں حدیث کی روایت و جمع و تدوین میں صرف کر دیں۔

حضرت شیخ کا جامع ترمذی کا سبق بخاری کے سبق سے مختلف ہوتا تھا۔ بخاری میں اِس کے تراجم، متون کی بلاغت، روزہ پر تفصیلی بحث، حدیث کا مفہوم اور امام بخاری کا نقطۂ نظر بیان فرماتے ترمذی پڑھاتے ہوئے حضرت شیخ رح محدث ہونے کے علاوہ زبردست فقیہہ نظر آتے تھے۔ فقہی مسائل پر سیر حاصل بحث فرماتے، ائمہ اربعہ کے دلائل ہر مسئلہ کے بارے میں تفصیل سے بیان کرتے، ان کی آراء کے درمیان محاکمہ کرتے اور حنفی مسلک کی ترجیح کے دلائل دیتے۔ عربی زبان میں جامع ترمذی کی کوئی ضخیم اور مفصل شرح موجود نہیں ہے۔ اس لئے حضرت شیخ نے اپنے استاذ انور شاہ کشمیری رح کی ترمذی کی تقریر العرف الشذی کو متن بنا کر ترمذی کی شرح تصنیف فرمائی۔ راقم الحروف کے زمانہ طالب علمی میں یہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ حضرت شیخ کبھی کبھی اس کا مسودہ اپنے ساتھ سبق میں لے آتے تھے۔ اور سبق کے دوران اس میں سے جستہ جستہ مقامات پڑھ کر سناتے تھے۔ حضرت نے یہ کتاب ڈابھیل میں قیام کے دوران لکھی تھی۔ وہاں بھی اسی کو کتاب الحج تک مکمل کر سکے۔ آخری حصہ کی تکمیل کتاب کی اشاعت کے دوران فرمائی۔ ترمذی کی یہ شرح معارف السنن کے نام سے کتاب الحج تک چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اگر یہ مکمل ہو جاتی تو معلوم نہیں کتنی ضخیم ہوتی۔ حضرت شیخ نے اس کتاب کا مقدمہ ایک علیحدہ جلد میں تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں حجیت حدیث پر نہایت اہم بحثیں ہیں اور منکرین حدیث کا مسکت جواب ہے۔ معارف السنن صرف ترمذی کی شرح ہی نہیں ہے بلکہ یہ علم کا بیش بہا خزانہ ہے۔ حضرت شیخ نے ایک ایک علمی مسئلہ پر اس کتاب میں جو مواد جمع فرمایا ہے۔ وہ یکجا کہیں نہیں مل سکتا۔ کتاب کی خوبی یہ ہے کہ حضرت شیخ ایک موضوع سے متعلق جملہ اقوال و آراء نقل فرمانے کے بعد ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ اور مختلف آراء کا محاکمہ کر کے فیصلہ دیتے ہیں۔ اس شرح میں مختلف کتابوں کے حوالے جلد و صفحات کے ساتھ موجود ہیں۔ جو حدیث کی قدیم شرحوں میں نہیں ملتے۔ اس کی زبان نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ جامع ترمذی کے درس میں حضرت شیخ کا اندازِ تخاطب نہایت سنجیدہ اور علمی ہوتا تھا اور یہی اسلوب آپ نے اپنی کتاب معارف السنن میں اختیار فرمایا ہے۔ مناظرہ سے آپ ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے۔

حضرت شیخ عوامی تقریر و وعظ کے ماہر نہیں تھے۔ سبق کے دوران اکثر خود فرماتے تھے کہ میں تو طلبہ کا واعظ ہوں، عوام کا نہیں۔ حضرت شیخ کی تقریر سمجھنے کے لئے اہل علم یا طلباء درکار تھے۔ بلکہ مجمع عام میں بھی جب آپ تقریر فرماتے تو وہاں بھی بعض اوقات سنجیدہ و ٹھوس علمی مسائل آ جاتے تھے۔ جو عوام کی فہم سے بالاتر ہوتے تھے۔ درس میں حضرت شیخ کی تقریر لکھنا بھی دشوار ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ اتنی روانی، تیزی اور برجستگی سے تقریر فرماتے تھے کہ طلبہ اس کو ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس روانی کا فائدہ یہ تھا کہ مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو جاتی تھیں۔

حضرت شیخ اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود سبق کا ناغہ بالکل نہیں فرماتے تھے۔ اور یہ کہ آپ کو کبھی سفر درپیش ہوتا، یا بعض ناگزیر حالات، سن رسیدگی، علالت اور انتظامی امور ہمارے سبق میں کبھی حائل نہیں ہوتے تھے۔ سفر سے واپس تشریف لانے کے بعد سہ پہر کو دیر تک، یا رات کو دیر تک پڑھاتے۔ طلباء کے سبق کے نقصان سے حضرت شیخ کو سخت اذیت ہوتی تھی۔ آپ ہمیشہ اس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ مدرسہ کے اخیر سال میں کتابیں ختم کرانے کے پیش نظر زیادہ تر وقت تدریس میں ہی صرف کرتے تھے۔

حضرت شیخ کو عربی زبان پر جو عبور حاصل تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت کو یہ ورثہ غالباً اپنے شیخ انور شاہ کشمیری رح سے ملا تھا۔ جو خود بھی عربی کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ اپنے شیخ کی طرح عربی میں نہایت فصیح و بلیغ قصائد لکھتے مختلف علمی مسائل کو عربی میں نظم کرتے۔ درس میں اکثر اوقات عربی ہی میں تقریر فرماتے آپ بے تکان عربی بولتے تھے۔ اور نہایت فصیح و رواں عربی لکھتے تھے۔ عربی میں علمی زبان لکھنے میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ معارف السنن اور عربی زبان میں آپ کی دیگر تصانیف آپ کی عربی دانی کا زندہ ثبوت ہیں۔ علامہ عبدالعزیز میمن ہمارے دور میں پاکستان کے سب سے بڑے عربی زبان و شعر و ادب کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ راقم الحروف کو موصوف سے جامعہ کراچی میں شعبہ عربی میں چند دنوں استفادہ کا موقع ملا ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ موصوف حضرت شیخ بنوری کی عربیت سے بہت متاثر ہیں۔ آپ نے مجھ سے خود بیان فرمایا کہ کبھی کبھی میں جمعہ و عیدین جامع مسجد نیو ٹاؤن میں مولانا یوسف بنوری صاحب کے پیچھے پڑھتا ہوں۔ مجھے ان کا خطبہ بہت پسند ہے جو وہ فصیح و بلیغ عربی میں برجستہ دیتے ہیں۔ راقم الحروف کو اس کا ذاتی تجربہ ہے کہ حضرت شیخ بنوری کے درس میں طلباء کو عربی زبان و ادب سیکھنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کا

خود بخود شوق پیدا ہوتا تھا۔ سبق میں حضرت کی تقریر کے دوران اکثر ادبی بحثیں چھڑ جاتی تھیں۔ حضرت شیخ کو بے شمار عربی اشعار یاد تھے اور اپنی تقریر کے دوران اکثر عربی کے اشعار سنایا کرتے تھے۔

حضرت کا خاص میدان حدیث تھا۔ اور بلاشبہ اس میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ راقم الحروف کو حضرت کے درس قرآن میں بھی شریک ہونے کا موقع ملا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ تفسیر کے امام ہیں۔ اس پر آپکو پورا کمال حاصل ہے۔ قرآن مجید کے مشکل مقامات کو آپ نہایت آسانی سے حل فرما دیتے تھے۔ جملہ علوم و فنون میں آپ کا یہی حال تھا۔ جس فن کی کتاب آپ پڑھاتے تھے اسی کے امام معلوم ہوتے تھے۔ فنون کی کتابوں کی اکثر عبارتیں آپ کو حفظ تھیں۔ حضرت مولانا انورشاہ کشمیری کا مسائل فلسفہ سے متعلق طویل قصیدہ آپ کو حفظ یاد تھا۔

حضرت شیخ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس کا کچھ اندازہ معارف السنن سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ عربی میں مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے بارے میں آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ اپنے مدرسہ میں شعبہ تصنیف کے لئے ایک نادر کتب خانہ قائم فرمایا تھا۔ نیز مجلس علمی کراچی کا کتب خانہ بھی آپ ہی کا رہین منت ہے۔ حضرت شیخ کو عربی مخطوطات پڑھنے کا بڑا ملکہ تھا۔ کتنا ہی مشکل سے مشکل اور بد خط مخطوط ہو، آپ اس کی عبارت آسانی سے پڑھ دیتے تھے خود حضرت شیخ کے پاس بعض نادر کتابوں کے قلمی نسخے موجود تھے جو آپ کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔

حضرت شیخ بنوریؒ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ محدث، مفسر فقیہہ و اصولی، ادیب و انشا پرداز، مجاہد و متکلم، مدرس و مصنف، ماہر تعلیم زاہد و صوفی، شفیق استاذ اور ماہر منتظم۔ ان میں ہر ہر پہلو اتنا جامع ہے کہ اس پر مستقل مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اس کا اندازہ ایک عام آدمی نہیں لگا سکتا۔ اس مختصر مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان موضوعات پر گفتگو کی جا سکے۔ حضرت شیخ اپنے درس میں طلبہ کو تقویٰ، پاکیزگی نفس، فکر آخرت، رزق حلال، قناعت پسندی، حرص دنیا سے اجتناب، دینی خدمت اور علم دین سے وابستگی کی اکثر تلقین فرماتے تھے اور حضرت شیخ خود ان صفات کا پیکر تھے۔ حضرت نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت میں صرف کر دی۔ آپ کی پوری زندگی عملِ پیہم اور راہ خدا میں مسلسل جد و جہد کی آئینہ دار ہے۔ اسلام کی تبلیغ، اس کے دفاع اور مخالفین اسلام کا ہر محاذ پر مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اس سعی پیہم کے دوران وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی موت ایک عالم کی نہیں، عالم کی موت ہے۔ ولکنہ بنیان قوم قد تھدما۔

آسمان ان کی لحد پر گوہر افشانی کرے

رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ

تابندہ گوہر

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری
ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلام آباد

اسلام آباد ۱۶ر جنوری ۱۹۷۰ء

مکرمی علوی صاحب!

سلام مسنون!

مجھے سخت افسوس ہے کہ میں ہجوم کار کی وجہ سے جناب والا کے نوازش ناموں کا جواب نہ دے سکا۔ اور کچھ دن میں اسلام آباد سے غیر حاضر بھی رہا، اس لیے بصمیم قلب معذرت خواہ ہوں۔

آپ نے مرحوم مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم پر تفصیل سے لکھنے کے لیے وقت اور مطالعہ درکار ہیں، جن سے میں موجودہ وقت میں محروم ہوں۔

مولانا مرحوم کے نام سے تو میں عہدِ شباب ہی سے واقف تھا۔ لیکن انہیں دیکھنے یا پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ سب سے پہلے مجھے ان کے چند پرائیویٹ خطوط پڑھنے کا اتفاق ہوا جو انہوں نے ۱۹۵۶ء میں قاہرہ میں ایک بنگالی طالب علم شبیر علی عثمانی کے نام لکھے تھے۔ یہ طالب علم مجھ سے حسنِ ظن رکھتے تھے اور سارے خطوط مجھے دکھا دیا کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کا خط صاف اور نفیس تھا اور انہوں نے ہر خط میں شبیر علی کو نصیحت کی تھی کہ وہ قاہرہ کی چکا چوند کرنے والی زندگی میں خدا سے تعلق نہ توڑ بیٹھے۔ مولانا نے رات کی تنہائیوں میں اللہ سے تعلق قائم کرنے پر زور دیا تھا۔ میں ان خطوط کو دیکھ کر بڑا متاثر ہوا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ میں ذاتی طور پر مذہب یا دین میں سیاست کو نہیں اللہ کی ذات کو بنیادی نقطہ تصور کرتا ہوں اور جب کبھی دین کی تعبیر و تشریح سیاسی زبان میں کی جائے گی، دین اپنا حسن اور اپنی کھو بیٹھے گا، اور اپنی تپ، الفاظ بن کے رہ جائے گا۔

بیرونِ ملکی قیام سے واپسی پر میں نے بڑی توجہ سے ان کی کتاب "مشکلات القرآن" دیکھی۔ کتاب ہرچند بہت ہی مختصر ہے۔ لیکن اس میں مولانا نے تفسیر و تشریحات کے ذیل میں مولانا آزاد کی معروف تفسیر "ترجمان القرآن" پر تبصرہ کیا ہے۔ اس تبصرہ سے مجھے ذاتی طور پر اتفاق ہو یا نہ ہو لیکن اس حقیقت سے مجھے انکار نہیں کہ میں مولانا کے خلوص سے، جس نے ان سے یہ تبصرہ لکھوایا تھا، متاثر ہوا۔ انہوں نے مولانا آزاد کی تعریف بھی کی، اور دیانت داری سے جس رائے کو صحیح سمجھا، اسے بیان بھی کیا۔ یہ نقطۂ نظر علمی دنیا میں انتہائی قابلِ قدر ہے اور خاص طور پر ہند و پاکستان میں، جہاں پر اختلافِ رائے کو تعصب یا دشمنی کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔

مولانا سے اس غائبانہ تعارف یا عقیدت کے بعد ۱۹۷۰ء میں لاہور میں ملاقات بھی ہو گئی۔ وہ اوقاف بورڈ کے ایک اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے، لیکن اجتماع میں تقریباً وہ خاموش بیٹھے رہے لیکن ان کی خاموشی میں بھی ایک وقار اور متانت تھی: اجتماع کے بعد ان سے میں نے اپنا تعارف کرایا اور حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری کی مختصر کتاب حدوث العالم ان سے طلب کی۔ انہوں نے واپس کراچی جا کر حسبِ وعدہ نہ صرف حدوث العالم بھجوائی بلکہ حضرت شاہ صاحب کی سوانح عمری "نفحۃ العنبر" جو خود انہوں نے لکھا تھا، بھی بھجوا دی۔ اخلاقی ذمہ داری کا اس حد تک احساس یقیناً ان لوگوں کے حصہ میں آتا ہے

جن کا خدا سے خاص تعلق ہو۔ لیکن افسوس! میں انہیں شکریہ تک کا خط نہ لکھ سکا۔ آخر جب گزشتہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں یہاں اسلام آباد میں ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کے پرائیویٹ خطوط بنام شبیر علی اور ان کی فرستادہ کتابوں کا تذکرہ کیا اور شکریہ ادا کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ شبیر علی حالیہ وقت میں سعودی عرب میں کسی جگہ مدرس ہیں۔

مولانا سے یہ ملاقات بہت مفصل ہوئی تھی اس لیے ان کی سیرت کے حسین پہلو بھی سامنے آئے۔ خدا نے انہیں ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ معنوی حسن سے بھی نوازا تھا۔ گفت گو بڑی لطیف و شائستہ تھی۔ لطائف وظرائف کی وجہ سے اس میں مزید حسن پیدا ہو گیا تھا اور وہ جو یبوست وثقاہت کو بزرگی کا حصہ تصور کر لیا گیا ہے مولانا کی گفت گو کو اس سے یکسر آزاد پایا۔

مولانا، ڈاکٹر فضل الرحمان (سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی) کے بعض افکار سے خوش نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی گفت گو میں تفصیل سے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ فضل الرحمان نے انگریزوں سے بعض اچھی باتیں بھی سیکھی ہیں۔ مثلاً صبر وتحمل، میں نے ان سے (فضل الرحمان) سخت کلامی کی تھی لیکن وہ برابر خندہ پیشانی سے سنتے اور تبسم کرتے رہے۔"

اس داستان سرائی سے مقصد یہ ہے کہ خدا نے مولانا کو دونوں علم اور عمل سے نوازا تھا، اور تصوف سے گہرے لگاؤ کی بناء پر ان کی گفت وگو لطیف اور پاکیزہ ہوتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس عہد پُر آشوب میں جب کہ سیاست نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے برابر مسندِ تدریس پر بیٹھے رہے اور اخلاقی و روحانی اصلاح کا پیغمبرانہ مشن ان کے سامنے رہا...

میں ایک بار پھر تاخیر سے جواب دہی پر نادم ہوں اور معذرت خواہ!

مخلص رشید احمد

مدرسہ خدام الدین سلیم خان نزد حضرو ضلع کیمبلپور

تاریخ اجراء ۱۹۶۳ء

بیادگار حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ کئی عرصہ ۱۴ سال سے علاقہ چھچھ میں قرآن کریم کی تدریسی، تبلیغی، اصلاحی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ جس میں ۱۵۰ طلباء، طالبات امسال قرآن مجید حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پانچ محنتی اور قابل اساتذہ شب و روز طلباء کی تعلیمی استعداد بڑھانے میں مصروف رہتے ہیں مدرسہ نے علاقہ بھر میں اشاعت قرآن مجید میں خاص کام کیا ہے۔ اب تک سینکڑوں طلباء قرآن مجید حفظ و ناظرہ کر چکے ہیں۔ تقریباً ۴۰، ۵۰ فارغ شدہ حفاظ ملک بھر کے اچھے مدارس میں مزید دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں

(مولانا) حافظ غلام سرور خان مہتمم مدرسہ ہذا ـــ صدر مدرس و ناظم حافظ محمد زمرد خان

سراپا خلوص

حضرت بنوری رحمۃ اللہ

****

مولانا حمید الرحمٰن عباسی، لاہور

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سیرتِ نبوی کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور یہ صرف عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ ایک حقیقت اور اپنے تجربات کا نتیجہ عرض کر رہا ہوں، کیونکہ کسی کے بارے میں اچھی یا بُری رائے اسی وقت قائم کی جا سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ سفر و حضر میں بیٹھنے اٹھنے رہنے سہنے کا موقعہ ملا ہو اور باہمی معاملات میں سابقہ پڑا ہو۔ یا پھر خواص کی زبانوں سے اس کی تعریف کی جاتی ہو۔ احقر کو پہلی صورت کے اعتبار سے تین مواقع میسر ہوئے۔

پہلا موقعہ ۱۹۵۸ء کا ہے۔ کہ تحصیلِ علم مناظرہ کے لیے آپ کے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ چند دن تک حضرت موصوف اعجازِ قرآن کے موضوع پر طلبہ سے خطاب فرماتے رہے، پھر اس کے بعد حرم پاک تشریف لے گئے، کیونکہ یہ آپ کا معمول تھا کہ ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف حرم پاک ہی میں فرمایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے اور ماہِ رمضان میں ہر فرض کا ثواب بڑھا کر ستر گنا کر دیا جاتا ہے۔ ان دونوں مضمونوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں بیت اللہ میں صرف ایک نماز ادا کرنے سے ستر لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بموجب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں بلا ناغہ حرم شریف میں تشریف لے جاتے اور وہیں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرا موقعہ ۱۹۷۳ء کا ہے۔ ملک میں ایک طرف تو بحالیٔ جمہوریت کی تحریک چل رہی تھی اور دوسری طرف سیلاب آیا ہوا تھا۔ حضرت درخواستی مدظلہ العالی خان پور تباہ ہونے کی وجہ سے کراچی تشریف لے گئے تھے۔ اور مجھے ایک ضروری کام کے لیے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے حکم پر کراچی جانا پڑا۔ حضرت درخواستی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیا۔ جب آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ایسی متواضعانہ انداز میں مجھ سے پیش آئے، اب تک مجھے اس سے ندامت محسوس ہو رہی ہے، حالانکہ مجھ جیسا ناکارہ آپ کے سامنے ایک طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتا تھا۔ بہر حال اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا تو فرمانے لگے کہ بھائی میں تو اپنی رائے اس کے بارے میں چھ ماہ پہلے دے چکا ہوں، اگر میری رائے پر عمل کیا جاتا تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔

اس ارشاد سے میں نے اندازہ لگایا کہ حضرت موصوف میں صرف ظاہری انکساری اور تواضع نہیں ہے، بلکہ اللہ پاک نے آپ کو باطنی آنکھیں بھی عطا فرمائی ہیں۔

قلوب الاصفیاء لہا عیون
تریٰ مالا یراہ الناظرون

یعنی اللہ پاک بعض اصفیاء و اتقیا کو کچھ ایسی دور بین نگاہ اور بصارت عطا فرماتے ہیں، جس سے عام لوگ محروم ہوتے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جماعت کو بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے، جس کا تذکرہ یہاں مناسب نہیں ہے۔

تیسرا موقعہ جامع مسجد شیرانوالہ لاہور میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ میں پیش آیا۔ اس جلسہ سے دیگر علمائے کرام کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم اور حضرت بنوری نے بھی خطاب کرنا تھا۔۔۔ میں تعارف کے لیے جب مائیک کے سامنے حاضر ہوا تو حضرت بنوری کا نام پیش کیا، کچھ زیادہ مدحیہ کلمات کہنا چاہتا تھا کہ آپ نے فوراً روک دیا اور فرمایا بس بس اتنا تعارف کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود ستائی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آج کل بعض لیڈر سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے خود اپنے ناموں کے ساتھ بڑے بڑے القاب لکھتے ہیں اور اپنے خرچ پر فوٹو گرافروں کو بلا کر فوٹو بنواتے ہیں، اور یہاں کا عالم یہ ہے کہ دوسرا تعریف کرتا ہے تو پسند نہیں فرماتے۔

درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی ہے کہ جو کسی کے منہ پر اسکی تعریف کرے تو اس کے منہ میں مٹی ڈالو۔

لب لباب حدیث پاک کا یہ ہے کہ منہ پر تعریف کرنے سے انسان میں تکبر، فخر و غرور پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک شیطانی وصف ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ اس لیے اہل اللہ اس کو پسند نہیں فرماتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ اسی لیے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعریف کرنے سے روک دیا۔

کیا خوب فرمایا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے:

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ برنگ

یہ مذکورہ بالا واقعات تو میرا اپنا ذاتی تجربہ و مشاہدہ ہے اور ثانی الذکر صورت کے متعلق صرف اتنا جانتا ہوں کہ جس بھی بزرگ کی زیارت کا موقعہ ملا ہے۔ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ درمیان میں آیا تو ہر ایک کی زبان سے آپ کی مدح و تعریف ہی سنی ہے برائی نہیں سنی، بالخصوص جامعہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی کے جس بھی طالب علم سے ملاقات ہوئی ہے ان سب سے آپ کی تعریف سنی ہے حالانکہ طلباء کبھی اپنے مہتمم سے راضی نہیں رہتے۔

"زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" کے تحت کہا جا سکتا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مقبول بارگاہ الٰہی تھے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ پاک جب کسی انسان کو محبوب و مقبول بناتے ہیں تو پہلے جبرئیل امین سے فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص سے محبت ہے تم بھی اس سے محبت رکھو، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلے آسمانوں کے فرشتوں میں اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتے ہیں لہٰذا تم بھی اس سے محبت رکھو اسی طرح زمین کے فرشتوں میں اعلان کیا جاتا ہے اور پھر اس طرح اللہ تعالیٰ اس کی مقبولیت اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بٹھاتے ہیں یہاں تک کہ خلق خدا میں اس کی شہرت ہو جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو شخص صرف عوام میں مقبولیت رکھتا ہو وہ مقبول بارگاہ الٰہی نہیں اور جس کی مقبولیت پہلے خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہے اور حضرت

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہی مقام حاصل تھا۔ اس موقعہ پر بعض احباب کی زبانی شنیدہ واقعات قارئین کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

ایک مخلص و بزرگ عالم دین حضرت مولانا فیض الرحمان صاحب خطیب رام پور، باٹا پور فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں اتفاقیہ طور پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ ہمارا طالب علمی کا دور تھا، خستہ حالی، مفلسی، تنگ دستی ہمارا شعار تھا۔ حضرت موصوف کو ہماری اس حالت پر بہت رحم آیا اور آپ نے ہماری کچھ مالی معاونت فرما دی، حالانکہ حضرت سے اس سے قبل ہماری کوئی شناسائی اور کسی قسم کا تعارف نہیں تھا۔

نیز ایک اور واقعہ ہے جو احباب کے مابین تواتر کی حیثیت رکھتا ہے:

ایک مخیر آدمی آپ کے پاس آئے اور زکوٰۃ دینا چاہی، آپ نے مدرسہ کا رجسٹر منگوا کر اسے دکھایا اور فرمایا کہ دیکھو ہمارا بجٹ پورا ہو چکا ہے، شہر میں اور مدارس بہت ہیں ان میں دے دو ہمیں ضرورت نہیں۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص حضرت مرحوم سے بہت بغض و عناد رکھتا تھا، مگر آپ جب بھی اس کے پاس سے گذرتے تو اسے سلام فرماتے آخر وہ شخص تائب ہو کر آپ کا حلقہ بگوش و تابعدار بن گیا۔

ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نمونہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کل ہزاروں مدعیان ورع و تقویٰ موجود ہیں مگر ظاہر میں جامہ پارسائی ہے اور حقیقت میں خود نمائی ہے،

ظاہر میں حلال و حرام میں امتیاز کی تعلیم اور خود جو آئے شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں، اور ظاہر میں انسانیت کی ہمدردی کی تبلیغ اور خود درندگی کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت مرحوم کے قول و عمل میں جو توافق تھا وہی درحقیقت تقاضائے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہی انداز اختیار کرنے کی توفیق بخشے!

بقیہ : مولانا سمیع الحق

ہے اور اسی طرح تفسیر مدارک بھی۔ جس نے پوری دلجمعی اور غور و فکر سے کشاف اور پھر تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا تو وہ اعلم الناس بالقرآن بن جائے گا!

مولانا اس خیال کی تردید کرتے تھے کہ عربی جدید ہو گئی ہے البتہ موجودہ ادب عربی پر فرانسیسی طرز تحریر کے اثرات اور افسانوی طرز نگارش پیدا ہو جانے کے معترف تھے۔

بقیہ : مولانا تاج محمود

رضاکاروں سے گفتگوئیں، عوام سے خطاب پریس کے نمائندگان کو حالات سے آگاہ رکھنے کا کام کرنے اور رات کو اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر رو رو کر دعائیں کرنے ان کے ساتھ مشاورتوں میں، جلسوں جلوسوں میں سفر حضر میں ساتھ رہنے کا موقعہ ملا۔ الحمد للہ کہ انہوں نے اپنی بے پناہ شفقتوں سے اس عاجز کو نوازا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک عالم ربانی کی حیثیت سے ایک عارف باللہ کی حیثیت سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی حیثیت اور ایک عالی ظرف اور عالی مقام انسان کی حیثیت سے عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنی شخصیتیں دیکھیں ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است کا مصداق تھیں۔ مولانا بنوری میں سید انور شاہ کشمیری کا علم مولانا تھانوی کا عرفان، شیخ الہند کا تدبر، اور حضرت مدنی کی حریت فکر، مولانا لاہوری کا انکسار اور اپنے اکابر کے قافلے کی شجاعت اور جرأت پائی جاتی تھی۔ ان کی وفات سے نہ صرف علم و عرفان کے گلستان میں خزاں کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ عزیمت و استقامت کی محفلیں بھی متزلزل نظر آرہی ہیں۔ وہ اپنے رب کے پاس چلے گئے لیکن اپنے شیخ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے کام کی تکمیل کر گئے۔ مرزائیت کے تابوت میں اپنے ہاتھ سے آخری کیل گاڑ کر گئے۔ اور اس طرح اپنے شیخ کے علاوہ اپنے پیشرو حضرات حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا لال حسین اختر کے شجر محنت کو بھی بار آور کر گئے۔

مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

.... مولانا سعید الدین شیر کوٹ

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب کی وفات پر آج ملتِ اسلامیہ پاکستان سوگوار ہے۔ اس مقولے کی صداقت کا پوری طرح احساس ہو رہا ہے کہ عالِم کی موت ایک عالَم کی موت ہوتی ہے۔ دینِ الٰہی کا ایک عالم اور ایک مردِ درویش خدا بظاہر ایک شخص ہوتا ہے۔ لیکن اس کے فیض سے پوری اجتماعیت متاثر ہوتی ہے اور اس کے جانے سے ایک خلاء پیدا ہو جاتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری اپنی اعلیٰ خدمات، عملی کارناموں اور سیرت و کردار کی خصوصیتوں کے اعتبار سے ایک جامع اور ممتاز شخصیت تھے جو پاکستان کے صفِ اوّل کے علمائے دین میں تھے۔ دوسری طرف آپ کے تقویٰ اور روحانیت کے مراتب بھی بلند تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کی قومی خدمات عظیم ہیں۔

مولانا مرحوم کی سکونتِ خاندانی پشاور میں اندرون گیٹ رام داس رہی۔ لیکن وہ خود اپنے مدرسہ عربیہ کے سلسلے میں کراچی میں مقیم تھے علمی سلسلے کے اعتبار سے مولانا مرحوم کا تعلق علمائے دیوبند سے ہے۔ آپ برصغیر ہند و پاک کی معروف اور ممتاز درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ مشہور عالم دین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس رہے جہاں سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی ہدایت پر ان کی ہمراہی میں جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور طالبانِ علم وہاں سے فیض حاصل کرتے رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب مولانا شبیر احمد عثمانی نے رکن دستور ساز اسمبلی پاکستان کی حیثیت میں پاکستان کے لئے ایک اسلامی آئین بنانے کے لئے کراچی میں چیدہ چیدہ علماء کو اپنی مدد اور معاونت کے لئے بلایا تو انہی میں مولانا یوسف بنوری کو بھی بلایا۔ آپ نے اس موقعہ پر دیگر علماء کے ساتھ مل کر گراں قدر خدمات انجام دیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری کی شخصیت پاکستان اور عالم اسلام کے دینی اور علمی حلقوں میں ایک ممتاز رتبہ رکھتی ہے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک آپ احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے نیو ٹاؤن کراچی میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے جو عظیم دینی درسگاہ قائم کی اس کے لئے حکومت مصر کی طرف سے اساتذہ بھی مہیا کئے گئے۔ مولانا بنوری مرحوم نے مختلف اسلامی ملکوں میں مختلف موقعوں پر متعدد علمی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

اندرون ملک محترم مولانا کی شخصیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ ۱۹۷۴ء میں مسلمانان پاکستان نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے جو ملک گیر تحریک شروع کی۔ اس کی سربراہی میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے اراکین قومی اسمبلی کو حقائق سے آگاہ کرنے کے لئے جو لٹریچر مرتب اور شائع کیا وہ بھی بجائے خود ایک علمی کام تھا، جو مولانا بنوری کی قیادت میں انجام پایا۔

مولانا بنوری مرحوم پاکستان نظریاتی مشاورتی کونسل کے رکن بھی تھے۔ اور ان دنوں اس کے اجلاس میں شرکت کے لئے ہی اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ کہ انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا یوسف بنوری کی تصنیفی خدمات بھی ہیں۔ آپ نے کئی علمی اور دینی رسائل و کتب لکھے۔ علم و دانش مولانا یوسف بنوریؒ کو خاندانی ورثے میں ملی تھی۔ آپ کے کئی اجداد ممتاز دینی و علمی حیثیتوں کے مالک رہے ہیں۔ خود مولانا کے والد حضرت سید محمد زکریا بنوری بہت سی بلند پایہ دینی کتابوں کے مصنف اور بلند پایہ عالم گزرے ہیں، جن کا ابھی کچھ مدت قبل انتقال ہوا ہے۔

مولانا یوسف بنوریؒ کی سب سے بلند اور عظیم تصنیف احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشہور کتاب جامع ترمذی کی شرح ہے جس کا نام معارف السنن ہے اور یہ عربی کی کئی جلدوں میں ہے۔ مولانا یوسف بنوریؒ کی زندگی کا ایک پہلو ان کا قلندرانہ اور درویشانہ طرز تھا۔ آپ سلسلۂ طریقت میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت تھے۔ اور مولانا بنوریؒ بلاشبہ ان علمائے دین میں سے تھے جو ماحول کے اندھیرے کو اپنی روحانی برکتوں اور علمی انوار سے روشن کرتے ہیں، جو ہوا کی تندی و تیزی کے باوجود اور سخت تیرگی میں بھی اپنے اصلاح اور رشد و ہدایت کے چراغ جلاتے رہتے ہیں اور جن کی درویشی میں بھی خسروانہ انداز ہوتے ہیں۔

ایک طرف مولانا بنوریؒ کا یہ عالم تھا کہ ان کا وقار و تمکنت کسی کی کجکلاہی کو نظر میں نہ لاتا تھا۔ لیکن دوسری طرف ان کا یہ پہلو بھی ہے۔ کہ جب انہوں نے نیو ٹاؤن کراچی میں اپنے مدرسہ اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی تو وہاں ویرانہ تھا۔ پانی اور خوراک کی چیزیں دور سے لانی پڑتی تھیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ یہ عظیم المرتبت شخصیت دور سے اپنے سر پر پانی یا آٹا رکھ کر لائی اور آپ کی ریش مبارک پانی سے تر دیکھی گئی یا اس میں آٹا گرا ہوا نظر آیا۔ یہ سب دینی خدمت ہی تھی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دیں اور ان کے فیوض سے ملتِ اسلامیہ کو مالا مال رکھیں۔ آمین!

(ریڈیو پاکستان پشاور)

یوسفِ بنور

حکیم محمد سعید (ہمدرد) کراچی

اس سال ماہ رمضان المبارک کی بات ہے کہ مکہ مکرمہ میں حرم شریف سے میں تراویح کے بعد باہر آیا دیکھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب بھی آ گئے ہیں ان کو چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی غالباً گھٹنوں میں درد زیادہ تھا۔ میں آگے بڑھا حسب معمول ادب و احترام سے جھک کر ان کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون پیش کیا۔

مولانائے محترم کا ملاقات کا ایک خاص انداز تھا اس میں میں نے تو کبھی کوئی فرق نہیں پایا۔ چہرے پر بشاشت و فور، دل میں سرور جس کا اظہار آنکھوں کے نور سے ہوتا، باچھیں کھل جاتیں اور آنکھیں کھل جاتیں، بے اختیار مصافحہ فرماتے اور اکثر معانقہ فرماتے۔ میرے ساتھ ان کا یہی سلوک رہا، اور اس میں فرق کبھی نہ آیا۔ یہ صحیح ہے کہ مجھے یہ فخر حاصل نہیں کہ میں ان سے بہت قریب تھا یعنی رات دن ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا ہاں اس میں کلام نہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے دل سے قریب تھے اکثر و بیشتر رمضان المبارک میں ان سے مدینہ منورہ میں شرف ملاقات و صحبت حاصل ہوا کرتا تھا اس سال بھی مکہ مکرمہ میں رات بعد تراویح ملاقات ہوئی تو میں نے پروگرام پوچھا۔ ارشاد ہوا: "بس ابھی ٹیکسی سے مدینہ منورہ روانہ ہو رہا ہوں"

میں نے دل میں کہا عجیب مرد مومن ہے گھٹنوں میں ایسی تکلیف کہ چلنے میں تکلف ضعف نمایاں، مگر ہمت ہے کہ اب روانہ ہوں گے اور نماز تہجد مدینہ منورہ میں جا کر ادا فرمائیں گے دل چاہا کہ مشورہ دوں کہ رات آرام فرمایئے، صبح مجھے شرف ہمسفری عطا فرمایئے۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ ارادے کے پکے اور عزم کے جوان ہیں بات نہیں مانیں گے میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حیرت ہے کہ ایک دن بھی ان سے ملاقات نہ ہوئی۔ اس سال مسجد نبوی میں اعتکاف کے لئے حد بندی کی اجازت نہ تھی۔

عید الفطر پر میری آنکھوں نے ان کو مسجد نبوی میں اور باہر تلاش بھی کیا مگر شرف دید مقدر میں نہ تھا اور یہ کیا معلوم تھا کہ میں ہنوز سفر میں ہوں گا اور مولانائے بنوری رخت سفر پھر باندھ لیں گے اور اس بار ایسے سفر پر ان کی روانگی ہوگی کہ جہاں سے واپسی کی کوئی صورت نہیں! انا للہ وانا الیہ راجعون!

شیخ الازہر عالی مرتبت ڈاکٹر شیخ عبدالحلیم محمود چند سال ہوئے میرے ہاں مہمان تھے۔ بس ایک مجلس میں میں نے مولانائے مرحوم سے درخواست کی کہ وہ ازراہ لطف و کرم شریک تبادلہ خیال ہوں۔ مولانا محترم نے میری درخواست کو شرف قبول بخشا۔ محترمی جناب جسٹس قدیر الدین، محترم جناب خالد اسحاق اور دوسرے احباب بھی تھے مسئلہ تھا کہ ممالک اسلامیہ میں قانون اور دستور اسلام کیوں رائج نہیں ہو سکتا۔ اس مجلس میں مولانا بنوری صاحب نے جس وضاحت سے اور بے باک ہو کر مسئلے پر روشنی ڈالی اس کا اثر میرے دل پر ہوا اور یقیناً شیخ الازہر کے لئے ان کے ارشادات وجہ فکر ہوئے۔ جب ہماری دعوت پر کانگرس عالمی سیرت نبوی میں دوبارہ شیخ الازہر پاکستان آئے تو ان کو مولانا بنوری صاحب سے ملاقات کا از حد اشتیاق تھا اور جب میں الازہر قاہرہ گیا تو شیخ الازہر نے مولانا بنوری صاحب کے بارے میں ضرور دریافت کیا ان ہی دنوں قاہرہ کی سڑکوں، بازاروں میں نوجوانان الازہر غیر اسلامی قوانین اور غیر شرعی روایات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے نوجوانان الازہر کے دلوں میں اسلام کے نور نے جب روشنی کی تو حقائق کو انہوں نے بخوبی دیکھ لیا اس بلند احتجاج نے فکر حکومت پر اثر انداز ہو کر بعض طاغوتی طاقتوں کو قاہرہ میں کمزور کر دیا اور پالیسیوں میں واضح تبدیلی آئی۔

مسئلہ ختم نبوت جب چند سال ہوئے شد و مد کے ساتھ سامنے آیا اور مذہبی سے زیادہ سیاسی مسئلہ بن گیا تو اس میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے جس اعتماد کامل اور عزم غیر متزلزل کے ساتھ اور قول و فعل کے توازن کے ساتھ اس مجاہدانہ مہم کو رہنمائی دی وہ ان کے مزاج ان کے دل و دماغ اور ان کے فکر و عمل کی عظمت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے اس تحریک کو کمزور کرنے کے لئے اور واقعتہً اس کو ختم کرنے کے لئے سرکاری ٹھیکیداران مذہبی امور نے مولانائے محترم کی ذات پر شدید حملے کئے یہ مذہبی چور اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات سے مولانائے بنوری کے مقامات کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے مگر میں نے دیکھا کہ گو مذہبی امور کے ٹھیکیداران کی ساری مشینری حرکت میں تھی مولانا پر اس کا مطلق کوئی اثر نہ تھا وہ اپنے مسلک پر شدت سے قائم تھے۔ اور تحریک کو انہوں نے انتہاؤں کو پہنچا دیا مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کا مرکزی فیصلہ بہرحال مولانا محمد یوسف بنوری کی تحریک کے تابع تھا۔ سرکاری نیت اور فیصلے

کے عماز تو وہ اشتہارات تھے کہ جو اس تحریک کے قائد کے خلاف ملک کے ہر ہر اخبار میں بصرف کثیر شائع کرائے گئے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کی ذات وجۂ خیر و برکت تھی ان کی ذات سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ وہ ہر کردمہ کے لئے سامان خیر کے لئے ہمیشہ مستعد رہا کرتے تھے مشاورتی مجلسوں میں ان کی موجودگی اس کی ضمانت ہوتی تھی کہ مجلس کا کوئی فیصلہ دین کے منافی اور شرع کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس عنوان پر ان کی فکر اور عملی توانائیوں کے اظہار کے لئے دو رائے کا کوئی وجود نہ تھا یقین کامل اور عزم راسخ ان کے کردار کے بڑے اہم پہلو ہیں۔

دینی درسگاہوں میں مولانا بنوری کا قائم کردہ دارالعلوم مینار نور و ہدایت ہے انہوں نے دین کے ہر تقاضے کا احترام قائم رکھتے ہوئے دارالعلوم کو وقت کے تقاضوں سے غیر آہنگ نہ ہونے دیا اس دارالعلوم میں دنیا کے بہت سے ممالک کے طلبہ علوم اسلامیہ کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنے ملکوں میں جا کر اسلامی تحریک کے قائد بنتے ہیں میری رائے یہ ہے کہ پاکستان کے جتنے دارالعلوم ہیں ان کو مولانا بنوریؒ کے قائم کردہ ادارے سے بہت کچھ سیکھنا چاہیئے۔

1972 میں واشنگٹن (امریکہ) میں گورنر والیس پر قاتلانہ حملہ ہوا تو موقع واردات پر اخبار نویس تین منٹ میں پہنچ گئے۔ اس ذیل میں سب سے بڑا اعتراض اور سب سے اہم کوتاہی اور تاخیر یہ قرار پائی کہ ایمبولنس ساڑھے چار منٹ میں کیسے آئی احساس فرض اور احترام جان انسان کا یہ امریکی معیار ہے حیرت ہے کہ اسلام آباد کے ہاسٹل میں فخر عالم اسلام مولانا محمد یوسف بنوری تڑپا کئے اور گھنٹوں ایمبولنس نہ آئی۔

مجھے حضرت محترم کی رحلت کا دکھ ہے اور شدید و ناقابل فراموش دکھ ہے مگر ایک درد یہ ہے کہ اگر ان کو صحیح طبی امداد مل جاتی تو اس جان عزیز کو بچایا جا سکتا تھا اور پھر شاید اسلامی نظریاتی کونسل کے فیصلے زیادہ متوازن ہوتے اور صحیح تر! جہاں ایسے انسان کی ضرورت تھی اور ہے کہ جو تشددت فی امر اللہ کی خصوصیت بدرجۂ کمال رکھتا ہو۔

حکیم محمد سعید

HAKIM MOHAMMED SAID
HAMDARD MANZIL
KARACHI-5
(Pakistan)

Karachi : Clinic 215908; Office 616001-5; Residence 410612
Lahore : Clinic 53819 Peshawar : Clinic 74186
Rawalpindi : Clinic 64338; Residence 43944
Hyderabad : Clinic 25766 - 22263
London : Clinic 66, Drakefield Road, SW17 8RR, U.K.
Telephone : 01-672-2563

حوالہ نمبر / ذ / ت / ۷۷ / ۳۱۹۲

کراچی
۲۳ دسمبر ۱۹۷۷ء

محترم و مکرمی !

السلام علیکم

حضرت مولانا بنوری کے متعلق حکیم صاحب قبلہ کے تاثرات حسب فرمائش خدام الدین کے لیے مرسل خدمت ہیں۔ ازراہ کرم رسید سے مطلع فرمائیے۔ شکریہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا

منسلکہ : مضمون محولہ بالا

خاکسار

(مسعود احمد برکاتی)

بخدمت گرامی جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب
مدیر ہفت روزہ خدام الدین
شیرانوالہ دروازہ
لاہور

واردات و مشاہدات

حافظ عبدالرشید ارشد

اس بات پر اگرچہ کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں ہے کہ باعمل علماء اور صوفیائے کرام نے انسانیت اور اسلام کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔ تاہم تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ لوگ جو باطن دین کے دشمن اور انسانیت سوز حرکات کے مرتکب ہیں، علماء کے خلاف محاذ کھول دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگ در اصل اسلام کی روح کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو علماء اور صوفیائے کرام چودہ سو سال سے قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ اپنی زندگیوں کو اسلام کے لیے وقف کر کے آج تک محفوظ لیے چلے آ رہے ہیں۔ اسلام کی حفاظت کا وعدہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے اور فی الحقیقت اصلی محافظ اس کا اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ اس نے قرآن میں فرمایا:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔

(سورۃ حجر، پارہ ع۱۴)

"بے شک ہم نے اس ذکر کو (قرآن کو) نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

یہ خدائی وعدہ آج تک پورا ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن مسبب الاسباب نے اس اسباب کی دنیا میں حفاظ، قراء، علماء اور صوفیاء کو یہ خدمت سونپ رکھی ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اسی لاہور میں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں رہتے تھے۔ جن میں بڑے بڑے امراء، رؤساء، سر اور خان بہادر موجود تھے جو مردم شماری کے لحاظ سے مسلمان تھے لیکن وہ اس اہم خدمت سے غافل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نو مسلم کے لڑکے کو یہ سعادت بخشی کہ اس نے دین کے لیے اپنے آپ کو اس طرح وقف کر دیا کہ دنیا آج اسے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پکارتی ہے۔

یہ شخصیت کیسے نامور ہوئی اور اس کے انتقال پر لاہور کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ کا اجتماع ہوا۔ یہ کس چیز کی برکت تھی اور یہ سعادت ان کو کیونکر حاصل ہوئی؟ اس کی واحد وجہ حضرت مولانا کا اپنے آپ کو قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دینا تھا۔ اور پھر جو انسان اپنے آپ کو کائنات کے خالق کے ساتھ جوڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ دوام اس کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کا درجہ عطا فرما دیتی ہے۔ ایسے لوگ شہرت اور جاہ و حرص سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ تاہم شہرت اور وجاہت ان کا پانی بھرتی ہے۔

یہ نمبر جس عظیم اور عبقری شخصیت کی یاد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ وہ شخصیت بھی ایسی ہی تھی۔ ان کے علمی اور عملی کارنامے ایسے ہیں کہ ہر دور میں ان کو یاد رکھا جائے گا اور اس دور کے خدام اسلام میں ان کا نام ہمیشہ سرِ فہرست رہے گا۔ انکی شخصیت اس بات کی محتاج نہ تھی کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر ان کے متعلق کوئی خاص پروگرام ترتیب دیا جائے۔ تاہم یہ دیکھ کر دکھ ضرور ہوتا ہے کہ کتاب و سنت

کے نام پر قائم ہونے والی مملکت میں جب اپنے وقت کا سب سے بڑا محدث اور اسلامی خادم رخصت ہوتا ہے تو اس کے انتقال کی خبر کو گھنٹوں تک چھپایا جاتا ہے۔ حضرت مولانا اسلامی نظریاتی کونسل کے وقیع ممبر اور عالم اسلام کی ممتاز ترین دینی شخصیت تھے۔ صبح ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ ان کا انتقال ہوتا ہے، سات بجے کی خبروں میں یہ خبر آ جانا چاہیئے تھی لیکن نہیں آئی۔ گیارہ بجے ریڈیو کی خبروں میں آخری خبر اتنی تھی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر... اس کے بعد تھوڑی دیر سکوت رہا اور اناؤنسر نے اعلان کیا کہ معاف کیجیئے وقت ختم ہو گیا، حالانکہ اس وقفے میں یہ جملہ پورا کیا جا سکتا تھا۔

اور حضرت مولانا کی شخصیت تو ایسی تھی کہ جب ان کا انتقال ہوا تھا تو ریڈیو کی دوسری نشریات روک کر ملتِ اسلامیہ کو نہ صرف یہ اندوہ ناک خبر سنائی جاتی بلکہ ان کے لواحقین سے پتہ کر کے بتایا جاتا کہ راولپنڈی میں ان کی نمازِ جنازہ فلاں وقت اور کراچی میں فلاں وقت کو پڑھی جائے گی۔۔۔۔

یہ چند سطور یونہی بے اختیار قلم سے نکل رہی ہیں، کیونکہ بعض دوسری شخصیتوں کے انتقال پر جس طرح فوراً تعزیتی بیان جاری ہوتے اور انکی زندگی کے بارے میں جس طرح طویل وقت ریڈیو اور ٹیلیویژن پر دیا جاتا ہے وہ کسی بھی شخص سے مخفی نہیں۔ خان آف قلات فوت ہوئے! فوراً تعزیتی بیان جاری ہوئے! اسی طرح مشہور کالم نویس ابنِ انشا اور پروفیسر حسن عسکری فوت ہوئے، ان کے متعلق نہ صرف فوراً تعزیتی بیان آئے بلکہ دو دو دن ٹیلی وژن پر ان کے متعلق باقاعدہ محفلیں منعقد کی گئیں۔ ہمیں ابنِ انشا اور عسکری صاحب سے ایک گونہ عقیدت تھی اور ہے، مشاہیر کی وفات پر ان کے علمی ادبی کارناموں کے متعلق ضرور تعارفی مجالسِ مذاکرہ منعقد ہونا چاہئیں لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے دینی رہنما کے متعلق ٹیلی وژن اور ریڈیو پر ایسے پروگرام کیوں پیش نہ کیے گئے۔

حضرت مولانا عظمت و عزیمت کے جس بلند مقام پر فائز تھے اور انہوں نے دین کے لیے جس طرح اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی اور وہ ملک کے اپنی نوعیتِ خصوصی کے اعتبار سے سب سے بڑے دینی ادارے کے مہتمم اور بانی تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے امیر اور تحریک ختم نبوت میں جو مجلسِ عمل بنی اس کے امیر اور علم و عمل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار ہستی تھے۔

ان کی زندگی کے کارناموں کو عوام کے سامنے پیش کرنا اور یہ بتانا کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ایسے بلند پایہ عالم محدث اور فقیہ پاکستان میں تھے۔ نئی نسل کو مذہب کی طرف راغب کرنے کے لیے بہت ضروری اور مفید بات ہوتی۔ کیا پاکستان کا ریڈیو اور ٹیلیویژن اس لیے ہے کہ اس پر قوالوں، اداکاروں اور فلمی ستاروں یا پھر شعراء اور ادباء ہی کی اموات پر انکا تعارف کرایا جائے۔

ہمارے ملک کا یہی تو سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس میں اسلام اور اس کے قیام و استقلال کے لیے زبانی کلامی تو بہت کچھ کیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر ہم اسلام اور قرآن سے مذاق کرتے ہیں۔

ہمارا یہ پختہ خیال ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر جو لوگ چھائے ہوئے ہیں ان کی زیادہ تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسے پروگرام پیش کیے جائیں کہ جن سے اسلام کی جانب پیش رفت نہ ہو سکے۔۔۔۔ ان اداروں کی تطہیر کی ضرورت ہے اور ان کو اسلام کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہیئے۔

بہر حال یہ چند درد بھری باتیں ہیں جن پر ملک و ملت کے اربابِ بست و کشاد کو غور کرنا چاہیئے۔

کتاب و سنت کی اعلانیہ مخالفت نہ کی جا سکتی ہے اور نہ ہی پاکستان کے غیور مسلمان اس کو برداشت کر سکتے ہیں۔ لہذا بے دین، مذہب سے بیزار اور ملحدوں کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ علماء کے وقار کو کم کیا جائے، وہ سمجھتے ہیں کہ معاشرے میں اگر ان کے مقام کو رسوا کر دیا جائے گا تو اس سے دین کی

جڑوں کو کھوکھلا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ان کی بھول ہے۔ فرنگی حکومت اپنے دو صد سالہ مضبوط اقتدار و حکومت میں جب یہ کام نہ کر سکی تو یہ لوگ کیا کر سکتے ہیں۔

مولویوں کو مانگے تانگے کی روٹیوں پر گزارہ کر کے علم دین حاصل کرنا پڑا، چٹائیوں پر بیٹھ کر انہوں نے کتاب و سنت کے علوم کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا، انگریز کی سلطنتِ قاہرہ کا مقابلہ کیا اور الحمد للہ ہر محاذ پر کامیاب رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ان کی سیادت و قیادت کو منوایا ہے۔ صوفیاء و علماء کا برِصغیر پاک و ہند میں صدیاں گذرنے کے بعد بھی تاجداروں سے زیادہ شہرہ ہے۔ صدیاں گذریں، لیکن وہ آج بھی کروڑوں دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت مجدد الف ثانی، الامام المحدث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ایسے ہی دوسرے مشائخ طریقت محض چلہ کش، بے عمل صوفی نہ تھے۔ بلکہ متبحر عالم باعمل اور فقیہ یگانہ تھے۔ ان کے تذکار اور سوانح اور خود ان کی کتب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اپنے اپنے زمانہ کے کبار علماء و صوفیاء تھے۔

گذشتہ دو صد سال کا ماضی اس پر شاہد عادل ہے کہ برصغیر میں جتنی بھی دینی یا سیاسی تحریکیں اٹھیں، ان کی قیادت کا سہرا ایسے ہی باعمل علماء کے سر رہا ہے۔ امیرالمومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تک اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مفتی محمود تک اور اسی طرح حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے لے کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند تک اور بانی دارالعلوم سے لے کر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ تک سیاست اور درس و تدریس کے محاذ پر سیکڑوں کی تعداد میں ایسے علمائے حقانی ملیں گے جو مدارس عربیہ میں پڑھے اور وہیں ان کی تربیت ہوئی اور پھر جس شان و شکوہ اور فقر و استغناء سے انہوں نے شانِ سکندری رکھنے والے حضرات کی قیادت کی وہ ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے، اس دور میں پندرہ بیس سال کا دور ایسا آتا ہے کہ جہاں جمہور کی قیادت قائدِ اعظم [illegible] تے کی، لیکن یہ قیادت بھی شاید اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوتی اگر ان کی پشت پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا اطہر علی رحمۃ اللہ علیہ ایسے حقانی مشائخ و علماء نہ ہوتے۔

غلام ہندوستان کے آخری انتخابات کے بعد سلہٹ اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم میں مسلم لیگ یا تحریک پاکستان کی کامیابی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرہونِ منت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈھاکہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے دیا۔ جس کے اثر کو کم کرنے کی انگریز نے بہت کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ بالآخر اس نے ۱۸۶۹ء میں دو کمیشن قائم کیے کہ معلوم کیا جائے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمان رام نہیں ہوتے۔ ایک کمیشن سیاسی تھا اور دوسرا ہندوستان میں متعین پادریوں کا۔

اوّل الذکر کمیشن نے ہندوستان میں رہ کر ایک سال تک جائزہ لیا۔ ۱۸۷۰ء وائٹ ہاؤس لندن میں کانفرنس منعقد ہوئی جہاں انڈیا میں متعین پادری بھی شریک ہوئے۔

اس کمیشن کی رپورٹ یہ تھی:۔

رپورٹ سربراہ کمیشن سر ولیم ہنٹر۔۔۔۔

مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ ہے کہ وہ کسی غیر
ملکی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے،
اور ان کے لیے غیر ملکی حکومت کے خلاف
جہاد کرنا ضروری ہے جہاد کے اس تصور
سے مسلمانوں میں ایک جوش اور ولولہ ہے
اور جہاد کے لیے ہر لمحہ تیار ہیں ان کی
کیفیت کسی وقت بھی انہیں حکومت کے
خلاف ابھار سکتی ہے۔"

رپورٹ پادری صاحبان

"یہاں کے باشندوں کی ایک بہت اکثریت
پیری مریدی کے رجحانات کی حامل ہے اگر
اس وقت ہم کسی ایسے غدار کو ڈھونڈنے
میں کامیاب ہو جائیں جو ظلی نبوت کا
دعویٰ کرنے کو تیار ہو جائے تو اس
کے حلقۂ نبوت میں ہزاروں لوگ جوق در
جوق شامل ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں میں
سے اس قسم کے دعویٰ کے لیے کسی کو
تیار کرنا ہی بنیادی کام ہے۔ یہ مشکل
حل ہو جائے تو اس شخص کی نبوت کو
حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھایا جا سکتا
ہے۔ ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام
حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی
سے شکست دے چکے ہیں، وہ مرحلہ اور
تھا، اس وقت فوجی نقطہ نظر سے غداروں
کی تلاش کی گئی تھی، لیکن اب جبکہ ہم
برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہو چکے ہیں
اور ہر طرف امن و امان بھی بحال ہو
گیا ہے تو ان حالات میں ہمیں کسی ایسے
منصوبہ پر عمل کرنا چاہیے جو یہاں کے
باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو"

(اقتباس از مطبوعہ رپورٹ کانفرنس، وائٹ
ہاؤس لندن۔ منعقدہ ۱۸۷۰ء دی ارائیول آف
برٹش ایمپائر ان انڈیا۔ نقل از بیس بڑے مسلمان
ص ۔ ٦)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تدریجاً مجدد، مہدی اور
اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تو ابتداء ہی میں
علمائے لدھیانہ نے اس کی تکفیر کی۔ اور اس کے بعد
برصغیر کے تمام علماء نے اس کی تصویب و تائید کی۔
اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ
اللہ تعالیٰ کے استاذ گرامی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری
رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ کی شدت کا اس قدر احساس
کیا کہ اپنے تمام شاگردوں کو اس طرف نہ صرف متوجہ
کیا بلکہ ان کو ساتھ لے کر پنجاب کا دورہ کیا اور
محسوس کیا کہ اس نبوت کاذبہ کے دجل اور تلبیس
کے لیے کوئی ایسی شخصیت مرکزی حیثیت اختیار کرے
جو پنجاب سے تعلق رکھتی ہو اور عوام کی زبان میں
عوام کو سمجھا سکے۔ اس کے لیے اردو زبان کے سب
سے بڑے خطیب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ
اللہ علیہ کو انجمن خدام الدین لاہور کے جلسہ میں
امیر شریعت قرار دے کر حضرت علامہ نے پہلے خود
بیعت کی اور اس کے بعد سینکڑوں علماء سے بیعت
کرائی۔ امیر شریعت نے اپنا اور اپنی جماعت مجلس
احرار اسلام کا اسے مشن قرار دے دیا۔

قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار کی سیاسی
حیثیت ختم کر کے صرف مسئلہ تحفظ ختم نبوت پر ساری
توجہ مرکوز کر دی گئی۔ یہ قصہ طویل ہے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی جسے بزور
حکومت نے مارشل لاء لگا کر دبا دیا اور اسے احراری
مرزائی کی نزاع قرار دیا گیا۔ تا آنکہ وہ دور آیا، جب
مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ علوم انوریہ کے
جانشین حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ
علیہ مقرر ہوئے۔

اور انہی کے دور امارت میں تحریک ختم نبوت
دوبارہ چلی۔ ملک کی تمام دینی اور کئی ایک سیاسی
جماعتوں نے مجلس عمل بنائی جس کے امیر حضرت
مولانا موصوف ہی مقرر ہوئے۔ اور انہی کی قیادت
میں نبوت کاذبہ اپنے منطقی انجام کو پہنچی کہ تحریک کا
دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ حکومت نے مرزائیوں کو

غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ کے مشن کو اس طرح پایۂ تکمیل کو پہنچایا کہ انہی کے مقرر کردہ امیر شریعت کی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر قرار پائے۔ اور ان کے دورِ امارت میں تحریک دوبارہ چلی تو پوری امتِ مسلمہ نے متفقہ طور پر تحریک کی قیادت ان کے سپرد کی۔ ولی اللہی خاندان کے ایک عظیم فرد شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو اسی خاندان کے معنوی فرزندوں نے حکومتِ برطانیہ کا تختہ الٹنے کی سکیم تیار کی جسے "ریشمی رومال" کی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس دارالحرب میں جب ایک متنبی پیدا ہوا تو اس کی سرکوبی کے لیے بھی اسی خاندان کے ایک معنوی فرزند کی قیادت میں تحریک کامیاب ہوئی۔

ابتدائے آفرینش ہی سے یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ عظمت یا بڑائی کس کے لیے ہے تمام ادیانِ عالم کسی نہ کسی صورت اللہ تبارک و تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک اور اس کائنات کی سب سے بڑی عظمت مانتے ہیں۔ ابلیس جو ابتداءً خدا ہی کی عظمت کا قائل تھا لیکن اس کے ایک حکم کا انکار کرنے سے قعرِ مذلت میں گر گیا اور اس کے اس انکار میں اپنی عظمت اور انسان کی حقارت کا اعلان تھا۔ گویا انسان کی پیدائش پر ہی یہ بحث چل پڑی اور تاریخِ انسانی پھر اس کا فیصلہ یوں کرتی رہی کہ جو کائنات میں اللہ کا حکم مانے گا وہی بڑا ہو گا۔ نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عبدیت کا۔ نمرود اپنے دور کا سب سے بڑا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساتھ ان کے باپ اور قرابت داروں نے بھی نہ دیا۔ گھر چھوڑا، ملک چھوڑا اور غریب الوطنی کی زندگی اختیار کی، خدا کا گھر تعمیر کیا اور اپنی جبین کو اس کی چوکھٹ پر جھکایا۔ آج دنیا میں تمام ادیان اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاتے ہیں۔ اور اس طرح اربوں انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں نمرود کے حصے گالی کے سوا کچھ نہیں۔

فرعون نے "انا ربکم الاعلیٰ" میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، کا دعویٰ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں بے ساز و سامان اس کا مقابلہ کیا۔ "فرعون" کا لفظ تکبر اور غرور کی علامت بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو آج بھی آسمان جھک کر سلام کرتا ہے۔

"اللہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے، جو اس سب سے بڑے کے آگے جتنا زیادہ جھکے گا، اتنا ہی عظیم ہو گا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت کی انتہا کر دی کہ نبوت کا علم ہونے سے قبل بھی اس کے سامنے جھکتے تھے جب ساری دنیا میں کفر اور شرک تھا، اللہ تعالیٰ نے اس دُرِ یتیم کا مقام اتنا بلند کیا کہ آج پوری دنیا میں اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کے ماننے والے پانچ وقت بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کی الوہیت اور وحدانیت کے اعلان کے ساتھ اشہد ان محمد الرسول اللہ کہتے ہیں۔

اور یہ حضور علیہ السلام کی عبدیت کی انتہا ہے کہ کلمۂ شہادت میں خدا کے نام کے ساتھ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا ہے تو عبدیت کا اقرار پہلے ہے اور رسالت کا بعد میں۔ عبدِ کامل کے رفعِ ذکر کا خدائی وعدہ پورا ہو رہا ہے، اور امتِ مسلمہ کی تاریخ میں بھی عظمت انہی کے حصہ میں آئی اور آتی ہے جو عبدِ کامل کی اتباع میں خدا کے آگے جھکتے ہیں کسی جہاندار کے آگے نہیں۔

بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر کا نام طلباء تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں اور ان کے مقابر تفریح اور پکنک منانے کے کام آتے ہیں، لیکن ع
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آج کروڑوں انسان کرتے ہیں اور ان کا نام آتے ہی

مسلمانوں کے دل جھک جھک جاتے ہیں۔ عظمت اور بڑائی کس کے حصے میں آئی، اس کے حصے میں جو پورے برصغیر کا مطلق العنان بادشاہ اور جہانگیر کا لقب رکھتا تھا یا اس کے حصے میں جسے گوالیار کے قلعہ میں قید رکھا گیا۔

اگر تاریخِ انسانی کا یہ کلیہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک یہی چلا آرہا ہے کہ جو سب سے بڑے خدا کے آگے جھکتا ہے وہی عظیم ہوتا ہے تو پھر اس دور کے بارے میں بھی یہی فیصلہ ہوگا کہ جن لوگوں کو تاریخ سرِ فہرست جگہ دے گی ان میں ایک نام امت کے غم میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر رونے والے ... "سید محمد یوسف بنوری" رحمۃ اللہ علیہ کا ہوگا کہ وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو خدا کے دین کی سربلندی کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل میں شرکت کرنے کے لیے سفر میں تھا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ رات کو جب لوگ مزے کی نیند سو رہے ہوتے تھے وہ سجدے میں بچوں کی طرح بلک بلک کر اپنے خدا کے حضور التجائیں اور دعائیں کیا کرتا تھا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر کائنات کے سب سے بڑے انسان اور رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اللہ تعالیٰ نے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں:

۱۔ تلاوتِ آیات
۲۔ تعلیم کتاب
۳۔ تزکیۂ نفوس
۴۔ تعلیم حکمت۔

اور حضور علیہ السلام کی اس مقصدِ بعثت کو اللہ تعالیٰ نے ایمان داروں پر اپنا احسان قرار دیا ہے۔ جبکہ کسی اور بات کو خدا نے ایمان داروں کے لیے احسان قرار نہیں دیا۔ اور ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا ہے جس میں انہوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت انہی چار مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ایک رسول مبعوث کرنے کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے۔ سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی چار مقاصد کی خاطر اپنی زندگی وقف کیے رکھی۔ اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوسِ قدسیہ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بارگہِ نبوت سے تربیت پا چکے تھے۔ پھر آگے امت میں یہ سلسلہ چلا جب دنیا کے سب سے بڑے انسان اور رسول کی بعثت کا مقصد، وعید اور فریضہ یہ چار باتیں قرار پائیں تو اب جو شخص انہی چار باتوں کے لیے حضور علیہ السلام کے اتباع میں اپنے آپ کو وقف کر دے گا۔ وہی صحیح مسلمان، مردِ مومن یا دوسرے لفظوں میں نائبانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں شمار ہوگا۔

اس شمارہ میں ایسے ہی ایک نائبِ رسول کا تذکرہ ہے جو اپنی حیاتِ مستعار میں نیابتِ رسول کا حق ادا کر گیا۔ اس حسین و جمیل شخصیت کا نام .... "یوسف" تھا جو اپنی حسین یادوں کے ایسے ایسے خوبصورت نقش و نگار دنیا میں چھوڑ گیا ہے کہ ہر کوئی بے اختیار پکار رہا ہے ؂

کیا کہوں جرأت کہ کچھ بھاتا نہیں
کچھ تو بھایا ہے کہ کچھ بھاتا نہیں

ایسا بھی ہوا کہ کسی نے ایک مقصد کیلئے اپنے آپ کو وقف کیا، یہ لوگ حفاظِ قرآن کہلائے بعض نے دوسرے مقصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا یہ لوگ معلم کہلائے۔ بعض نے دو کاموں کے ساتھ ساتھ تیسرا اور چوتھا کام بھی کیا، یہ لوگ فقیہ، محدث، مفسر اور مرشد کے نام سے یاد کیے گئے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس راہ میں کام کرنے والے ہر دور میں موجود رہے اور انہوں نے بلا خوف ... لومۃ لائم کام کیا۔ ابتلاء و آزمائش سے گذرے لیکن اف تک نہ کی۔ مساجد، مدارس، دارالعلوم اور خانقاہیں انہی لوگوں کے دم قدم سے آباد ہیں، اور آج بھی یہی لوگ اسلام کے خادم ہیں۔ لوگوں نے اسلام کے نام کو استعمال کیا انہوں نے اسلام کے لیے کام

کیا اور کام وہی کر سکتے ہیں جو کام کو جانتے ہوں۔ اس کے ماہر ہوں! اس کے لیے عمر کھپائی ہو، زندگی وقف کی ہو، ورنہ اسلام کا نام لینے کو تو ہر کوئی لیتا ہے اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے لیکن ان اسلام کا نام لینے والوں سے اگر کلمہ سنا جائے تو شاید اس کا صحیح تلفظ بھی نہ کر سکیں۔

مساجد اور مدارس عربیہ اسلام کے قلعے ہیں جہاں اسلام کے سپاہی تربیت پاتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس کام کو ذریعہ معاش بنایا ہوگا، لیکن ذرا جمشید روڈ کراچی نمبر ۵ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کو چل کر دیکھیے جس کے بانی کی یاد میں یہ نمبر شائع کیا جا رہا ہے اس کے در و دیوار اور ایک ایک اینٹ گواہی دے گی ؎

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
وہ بات جو مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

بات چل نکلی ہے تو ذرا اور چلیے اور حسنِ یوسف کے اس تذکرے میں طولِ مدعا کے لیے ناصح کی زبان لے لیتے ہیں۔ تصوف اور مدارسِ عربیہ یا بالفاظ ناصحین ملا۔ صوفی وغیرہ کے متعلق کچھ اشارات ضروری خیال کرتے ہوئے چند باتیں اور سن لیجیے۔

اس دور میں دو عبقری انسان گذرے ہیں ایک کا نام پاکستان میں گردن زدنی اور دوسرے کا نام اور کلام پاکستان کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلا ابو الکلام آزادؒ اور دوسرا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

سیاست میں ان کی راہیں الگ الگ رہیں لیکن ہر ایک دوسرے کی عظمت کا معترف رہا۔ (اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ابو الکلام اور اقبال" مرتبہ قاضی افضل حق قرشی)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کے متعلق فرماتے ہیں ؎

پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

اور ان خرقہ پوشوں میں سے ایک کا نام خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کو اپنی نظم میں لاتے ہوئے اس طرح لیتے ہیں ؎

محل نورِ تجلی است روئے انور شاہ

اور یہ انور شاہ کون ہے؟ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے استادِ گرامی، جن کی وفات پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے"۔
"بیس بڑے مسلمان" وحیاتِ انور
مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور
مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ۔

اور اس میں شاید کسی کو بھی کلام نہ ہو کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے صوفی تھے اور ان کی شہرہ آفاق کتاب مثنوی تصوف کی کتب میں بلند ترین مقام رکھتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ انھی مولانا روم کو مرشدِ رومی اور اپنے آپ کو مریدِ ہندی کہتے ہیں۔ یہ مرشد اور مرید کی اصطلاحیں علم فلکیات، منطق، فلسفہ، سائنس، طب اور انجینئرنگ سے تعلق رکھتی ہیں یا تصوف سے۔ اگر آپ کو علم نہ ہو تو کسی سے پوچھ لیجیے، شاید ہماری بات پر آپ کو اعتبار نہ ہو۔ مجاوروں اور گورکنوں کی مذمت علامہ نے کی ہے، صوفیاء کی نہیں۔

آپ کہیں گے کہ صوفی پہلے زمانے میں ہوتے تھے، اب کہاں؟ تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبان سے سنیئے کہ وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کیا درجہ دیتے ہیں جب وہ اپنے مرشد کی کتاب مثنوی کے مطالب کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ کہتے ہیں:-

"میں مثنوی مولانا روم کی تفسیر میں مولوی اشرف علی تھانوی کا مقلد ہوں"۔
(مقالاتِ اقبال)

اور یہ حضرت تھانوی کون ہیں؟ حضرت سید سلیمان ندوی کے مرشد۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمعصر علماء میں سے سب سے زیادہ واجب الاحترام اور قابلِ عزت اور مخدوم مورخِ اسلام سید سلیمان ندوی کو سمجھتے تھے اور ان کے متعلق انہوں نے بہت آداب و القاب لکھے، دو ایک جملے ملاحظہ فرمایئے:۔

"مولانا شبلی کے بعد آپ استاذ الکل ہیں"۔

مکاتیبِ اقبال جلد اوّل ص ۸۔
بحوالہ بیس بڑے مسلمان ص ۸۵۶

"علومِ اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اور کون ہے؟"

(بحوالہ مذکور)

یہی سلیمان ندوی جو مُلکِ علم کے "سلیمان" ہیں، اپنے آپ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے "مورِ بے مایہ" سمجھتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کرکے ہفتہ عشرہ کے اندر ہی پکار اٹھے:

پا کر تجھے اپنے کو میں کیا بھول گیا ہوں
ہر سود و زیانِ دو سرا کو بھول گیا ہوں
جس دن سے مرے دل میں تری یاد بسی ہے
ہر ایک کو میں تیرے سوا بھول گیا ہوں
عالم کے تماشے نہیں اب جاذبِ دل ہیں
ہر لذتِ ہستی کا مزا بھول گیا ہوں

اگر یہ پوری غزل نقل کی جائے تو شاید علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بزعم خویش سب سے بڑے ترجمان اس "قلندر" کو کیا کچھ کہہ دیں۔ ملحوظِ خاطر رہے کہ علامہ ہی نے سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو یک جگہ "آپ قلندر ہیں" لکھا ہے۔

ہاں یہ تو ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تصوف کے متعلق رائے۔ اب دوسرے عبقری جسے لوگ حنبلی اور بر مقلد کہتے ہیں اور خود ہمارے ممدوح حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے بقے یعنی مولانا ابو الکلام آزاد "تذکرہ" میں لکھتے ہیں:

"الغرض توفیقِ الٰہی کی سینکڑوں راہیں ہیں، ہدایت و تربیتِ غیبی کے ہزاروں بھیس ہیں سب سے آسان اور پُر امن راہ یہ ہے کہ ....." رہنمایانِ طریق میں سے کسی صاحبِ ارشاد کی ہمت و صحبت حاصل ہو جائے"

(تذکرہ، ص ۲۹۸)

نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ تحریر فرماتے ہیں:

"نظامِ شمسی کی طرح نظامِ انسانی کے بھی مرکز و محور ہیں مگر تم کو ان کا حال نہیں معلوم۔ تم کو اجرامِ سماویہ کا مرکز معلوم کرنے میں جب ہزاروں برس لگ گئے تو نہیں معلوم عالمِ انسانیت کے نظام و مراکز کے کشف کے لیے کتنا زمانہ درکار ہوگا۔ تاہم اتنا معلوم رہے کہ ہر دَور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکزِ شمسی کی طرح انسانوں کا مرکزِ محبت اور کعبۂ انجذاب ہوتا ہے اور جس طرح نظامِ شمسی کا ہر متحرک سیارہ صرف اس لیے ہے کہ کعبۂ شمس کا طواف کرے اسی طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ اس مرکزِ انسانیت اور کعبۂ ہدایت کا طواف کریں، زمین والوں پر ہی موقوف نہیں آسمانوں میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے۔"

(تذکرہ، ص: ۶۶)

اور اس دَور میں "علومِ اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد" "استاذ الکل ... قلندر، مرکزِ ہدایت، کعبۂ انجذاب صاحبِ ارشاد"، رُوحِ انور شاہ کا عکس، غرقہ میں یارِ بیعنا لیے پھرنے والا اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ محبت پور میں پیدا ہونے والا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

اور اسی تصوف یا بیعت کے سلسلہ میں اُردو کی سب سے بڑی تفسیر مواہب الرحمٰن کے مرتب

فتاویٰ عالمگیری کے مترجم، ہدایہ کے شارح جن کو لوگ "وہابی" کہتے ہیں (اور ہمارا خیال ہے کہ وہ عامل بالحدیث تھے، موجودہ گروہ بندیوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا) وہ فرماتے ہیں :-

"واضح ہو کہ ایمان اصل نعمت ہے۔ اور یہ اعمال واسطے تزکیہ و طہارتِ نفس کے ہیں۔ پس اعمال باطنہ و اخلاق کریمہ تو طہارت قوائے باطن ہیں اور اعمالِ ظاہرہ صوم وصلوات سے نیاتِ قلبی کے طہارت جسم و باطن ہیں۔ پس ہر نیتِ خالصہ کے ساتھ جو عمل موافق سنت ہو بتلایا جاوے۔ وہ رحمتِ الٰہی عز و جل سے مفید تزکیہ نفس و طہارت ہے جب اس میں کمال طہارت حاصل ہوتی ہے جہاں تک اس کی وسعت ہے تو انوار اسرار ظہور کرتے ہیں اور اسی کو حقیقت و علم باطن نام رکھتے ہیں۔"

مقدمۃ التفسیر ص ۱۰۲ تفسیر
مواہب الرحمٰن ۔ مطبوعہ
مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، لاہور

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

"امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لواقح الانوار میں لکھا کہ طریق تصوف و راہ اولیاء اللہ بالکل قرآن و حدیث پر مبنی ہے اور اس میں عمل ظاہر و باطن بدرجہ کمال اس طرح ہے کہ ہر دم کے خطراتِ نفس و واقعاتِ وہمی و ہوا جس سے قلب کو محفوظ رکھے۔ جس طرح کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور جو امور کہ ان بزرگوں نے بیان کیے وہ جب ہی مذموم ہو سکتے ہیں کہ صریح قرآن یا حدیث یا اجماع سے خلاف واقع ہوں اور جب مخالفت نہیں تو انتہا درجہ یہی نکلا کہ یہ فہم نفس وہ ہے جو قرآن و حدیث میں کسی بشر کو عطا ہوئی پس جو چاہے اس پر عمل کرے جو چاہے باز رہے، پھر واضح ہو کہ علم تصوف ایسے علم کا نام ہے جو اولیاء اللہ کے قلوب میں اس وقت منکشف ہوتا ہے جب موافق قرآن و حدیث کے ظاہر و باطن باخلاص تمام عمل کرنے سے ان کے قلوب نورِ خاص سے منور ہوتے ہیں۔

پس تصوف تو شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے جبکہ عمل خالص بدون شائبہ نفس ہو پس جس نے دقیق نظر سے دیکھا، وہ خوب جانتا ہے کہ علوم اولیاء میں سے کوئی اشارہ و معرفت ایسے نہیں جو علم شریعت سے خارج ہو! حالانکہ شریعت ہی نے ان کو اس درجۂ عالی پر پہنچایا ہے۔ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارا علم تعلیم کتاب و سنت ہے۔"

(بحوالہ مذکور)

دونوں عبقری، ابوالکلام اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ مدارسِ عربیہ کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے! وہ بھی ملاحظہ فرمایئے :-

"ہندوستان میں سرکاری تعلیم نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائص و اعمال کو پہنچائے ہیں، ان میں سب سے زیادہ نقصان یہ ہے کہ تحصیلِ علم کا مقصدِ اعلیٰ ہماری نظروں سے محجوب ہو گیا ہے۔ علم خدا کی ایک امانت ہے اور اس کو صرف اس لیے ڈھونڈنا چاہیے کہ وہ علم ہے، لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ بتلائی ہے۔ وہ علم کا شوق اس لیے دلواتی ہے کہ بلا اس کے سرکاری نوکری نہیں مل سکتی۔ پس اب ہندوستان میں علم کو علم کے لیے نہیں بلکہ معیشت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔

یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نو آبادیاں ہیں، کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں، مشتاقانِ علم و شیفتگانِ حقیقت سے؟

نہیں ، ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالہ چاول کے پرستاروں سے ، ان کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ بلا حصولِ تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے۔

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ علم کی اس عام توہین و تذلیل کی تاریکی میں سچی علم پرستی کی روشنی برابر چمکتی رہی ہے۔ یہ ملت کے طالبانِ علم کی وہ جماعتیں ہیں جو اسلام کے قدیم مذہبی علوم اور مذہبی زبان کے فنون مختلف عربی مدارس میں حاصل کر رہی ہیں۔

آپ یقین کیجئے کہ بجا طور پر آج صرف یہی ایک جماعت علم کی سچی پرستار کہی جا سکتی ہے ان لوگوں کو معلوم ہے کہ انگریزی تعلیم کی ڈگریاں لے کر بڑے بڑے عہدوں اور نوکریوں کے دروازے میں قدم رکھے جا سکتے ہیں اور ایک کلرک سے لے کر ڈاکٹر سنہا کی نوکری تک صرف انگریزی تعلیم سے مل سکتی ہے۔ ان کو پوری طرح یقین ہے کہ عربی تعلیم کو آج کوئی نہیں پوچھتا حتیٰ کہ روٹی بھی اس کے ذریعہ نہیں مل سکتی ، پھر بھی ان کے دلوں میں ایک مخفی طاقت اور جذبہ موجود ہے جو انگریزی تعلیم کی طرف لے جانے نہیں دیتا ۔۔۔ اور اسی کسمپرسی میں عربی تعلیم ہی کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیتے ہیں ۔ یہ جذبہ بجز علم پرستی اور رضائے الٰہی کے اور کوئی دنیاوی غرض نہیں رکھتا اور اس لیے دنیا بھر میں علم کو علم کے لیے اگر پڑھنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ عربی مدارس ہی کی جماعت ہے"

ابوالکلام آزاد

(تحریکِ خلافت کے دور کے ایک خطبے سے مقتبس)

حکیم احمد شجاع اپنی کتاب "خوں بہا" حصہ اول ص ۴۳ پر رقم طراز ہیں :۔

" لاہور آکر میں نے پاک پتن شریف (منٹگمری) کے مسلمانوں کی یہ نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی ۔ وہ پہلے تو حسبِ عادت میری باتیں غور سے سنتے رہے ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے پھر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگے ۔ جب میں اپنی کہانی سنا چکا تو فرمایا :

"جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی تھی ، میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا ، جو تم چاہتے ہو ۔ انقلاب .... ایک ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے ۔"

علامہ اقبال نے فرمایا :

"ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو ، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو ۔ اگر یہ ملّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا ، جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں ۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور بابُ الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا ۔ ہندوستان میں بھی آگرے ، تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور انکی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا ۔" (انتہیٰ کلام اقبال)

مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال دونوں ہی روشن خیال اور جدید دور کے بانی کہلائے جانے کے مستحق ہیں ۔ ان کی رائے تصوف ، ملّا اور مدارسِ عربیہ کے متعلق آپ نے مطالعہ فرمائی اور

اب چلتے چلتے ایک عربی مدرسہ کے، جو مشرقی پنجاب ضلع جالندھر کے ایک دُور افتادہ گاؤں رائے پور میں واقع تھا، کے متعلق امریکہ کے ایک مسیحی مشنری کی رائے ملاحظہ فرمائیں :-

ضلع جالندھر (پنجاب) کے جنوبی علاقہ میں ایک گاؤں "رائے پور آرائیاں" کے نام سے مشہور ہے ریلوے سٹیشن نکودر سے کوئی دس میل کے فاصلے پر، اور اس گاؤں میں ایک عربی مدرسہ بھی ہے، مدرسہ کے مکانات کچے، مسجد کچی، دس بارہ الماریوں والے کتب خانے کی عمارت کچی، صحن کے ایک طرف کنواں اور سامنے کوئی دس ایکڑ زمین مدرسے کی ملک! بس یہ کل کائنات مدرسے کی۔ طالب علموں کی تعداد کُل سوا سو کے قریب۔ کوئی ستر دارالاقامہ میں رہنے والے۔ نصاب تعلیم قرآن مجید، ناظرہ و حافظہ اور عربی کی عام درسیات، مدرسین کی تعداد پانچ چھ۔ ایسے مدرسے ہندوستان میں خدا کے فضل و کرم سے اب بھی خدا جانے کتنے ہیں، مگر اس کی اہمیت و خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ذکر پورے ایک صفحے پر تفصیل کے ساتھ امریکہ کے مشہور سہ ماہی مشنری رسالہ "مسلم ورلڈ" اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ نمبر ۴۱۷ میں آچکا ہے۔ اتفاق سے ایک فرنگی مشنری جالندھر خاص کے اے بی مشن میں تعینات ہے۔ اس کا گذر پادری فضل الدین کے ساتھ اس گاؤں میں ہوا۔ اور اس نے اپنا مشاہدہ خصوصی کے طور پر اپنے امریکی رسالے میں یوں شائع کیا ....

لکھنے والا کہتا ہے کہ :-

"مدرسہ نمونہ ہے سادگی اور سادہ زندگی کا"

"کھانا پینا، رہنا سہنا ہر چیز سادہ، عمارتوں کی مرمت کی ضرورت ہوئی، یا جدید تعمیر کی، تو کسی نے لکڑی دی، کسی نے چونا دیا، سامان یوں حاصل ہو گیا۔ مزدوروں کی بجائے طلبہ خود گارا لانے، دیوار اٹھانے میں لگ گئے۔ رہیں روز مرہ کی ضرورتیں کھانے پینے کی ؟ سو صبح و شام لڑکے دو دو کی ٹولیوں میں آس پاس کے گاؤں میں چلے گئے، کوئی چار فرلانگ، کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر اور وہاں سے کھانے پینے کی روٹیاں لے آئے اور یہاں کوئی دال سبزی ترکاری اپنے ہاتھ سے پکا لی اور اسی کے ساتھ کھا لیا، یہ خیراتی روٹیاں تو ہماری روشن خیالی کے طنز کا خاص ہدف تھیں، امریکہ کی نظر میں وہی عیب اب ہنر بن گیا ہے، اور یہ اپنے سروں پر ڈالیا ڈھونا یا اپنے ہاتھوں سے گارا بنانا، دیواریں اور زمین مٹی سے لیپنا پوتنا ... ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے سینما دیکھنے والے طلباء، انقلاب زندہ باد کے نعرے لگانے والے طلباء، پُر جوش نظمیں پڑھنے والے اور کہنے والے طلباء اس سطح کے قریب بھی آنا گوارا نہ کریں گے"۔

امریکی مشن کہتا ہے کہ :

"ان کوششوں کو حقیر نہ سمجھو"

"یہ سوا سو طالب علم ہر عمر کے جو شمالی ہند کے ہر حصے سے جمع ہوتے ہیں، اور شہر کے ہنگاموں اور مشغلوں سے دور یہاں تعلیم پا رہے ہیں، دین اسلام کے پہلوان تیار ہو رہے ہیں، اور یہاں سے مولویت کی سند لے کر سہارنپور، دیوبند، دہلی وغیرہ کے بڑے بڑے مرکزوں میں جائیں گے"۔

"زمانہ بے شک بدل گیا، ہوا یقیناً ان خاک نشینوں، بوریا نشینوں کے موافق نہیں رہی ہے ! پھر بھی کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جھونپڑوں میں رہنے والے، پیٹ کی روٹی مانگ کر لانے والے، میلے کچیلے کپڑے جسم پر لگائے رہنے والے، کھردری

چٹائی پر بیٹھنے والے، استادوں کے قمیاں اور تھپیڑ کھانے والے، اعلیٰ غذاؤں کی خوشبوؤں سے ناآشنا، اونچی اونچی فیسوں کے تخیل سے ناواقف، اسٹرائیکوں کے ناموں سے، سٹوڈنٹ فیڈریشن سے، اپنے رنگ میں اور اپنی بساط کے اندر دین کی خدمت نہیں کر رہے اور خدا اور بندگانِ خدا دونوں میں سے کسی کی نظر میں بھی عتاب و ذلت کے مستحق ہیں"

احمقا پیش خدا آں یک فقیر

بہتر از صد قیصر است و صد حریر

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

صدق لکھنؤ

۲۶ جنوری ۱۹۷۲ء

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے علم کے متعلق ایک بہت عمدہ شعر کہا ہے ؎

علم را برتن زنی مارے بود

علم را برجان زنی یارے بود

کہ علم کو اگر زیب و زینت یا جسمانی آرائش کے لیے استعمال کیا جائے گا تو وہ سانپ ثابت ہو گا اور اگر اس کو روح کو مزکی و مصفیٰ کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا تو وہ بہترین دوست ہو گا۔

اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے کہ علم کا مقصد انسان کو اس کی اصلیت اور اس کے مقصدِ زندگی سے آگاہ کرنا ہے۔ نہ کہ دنیا جہان کی معلومات حاصل کرنا اور سائنسی انکشافات اور نت نئی ایجادات کرنا۔

جگر مراد آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

باہم ذوقِ آگہی ہائے رے پستیٔ بشر

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

علم، انسان میں تواضع، فروتنی اور انکسار پیدا کرتا ہے۔ سچے اور صحیح عالم کی پہچان یہ ہے کہ اس میں تکبر، ریا، عجب اور حسد نہ ہو۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس کی صحیح تصویر تھے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دلا گر تواضع کنی اختیار

شود خلق دنیا ترا دوستدار

حضرت مولانا سید محمد یوسف اتنے بڑے عالم تھے کہ اس دور میں اپنی بعض منفرد خصوصیات کی وجہ سے شاید اپنا مثل نہ رکھتے ہوں۔ لیکن اتنے بڑے عالم بلکہ علامہ ہونے کے باوجود ان کی تواضع اور انکساری کا کیا حال تھا اس کے متعلق دو تین واقعات تحریر کرنے کو جی چاہتا ہے جو اس احقر کے مشاہدہ میں آئے۔

حضرت مولانا ایک دفعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال تشریف لائے۔ پہلے سے خاص آمد کی اطلاع نہ تھی۔ اس لیے فوری طور پر شہر میں منادی کرا دی گئی کہ بعد از ظہر آپ کی تقریر ہو گی۔ جامعہ کے طلباء اور ڈیڑھ دو صد عام شہری تھے۔ ایوب خان مرحوم کا دور تھا اور عائلی قوانین کا نفاذ ہوا تھا جس میں کئی ایک باتیں صریحًا خلافِ شریعت تھیں اور اب بھی ہیں۔ حضرت مولانا نے بڑے جوش سے حکومت کے خلاف تقریر فرمائی اور شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ تقریر ختم ہو گئی۔ حضرت مولانا کو کراچی واپس ہونا تھا، تانگہ پر سوار ہو کر اسٹیشن کو چلے۔۔۔ میں خادم ہونے کی حیثیت سے ساتھ تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے دبے الفاظ میں عرض کیا کہ حضرت اگر گستاخی نہ سمجھیں تو ایک بات عرض کروں۔

فرمایا "فرمایئے، فرمایئے"!

میں نے عرض کیا۔ "حضرت کی تقریر مدرسہ کے طلبہ اور ایسے لوگوں نے سنی جو پہلے ہی آپ سے متفق ہیں، ان کے سامنے ایسے جوش و خروش سے تقریر کرنا اور حکومت کے متعلق سخت سست الفاظ کہنا آپ ایسے بلند مرتبہ کے لیے مناسب

نہیں کہ ایک ہیڈ کنسٹیبل نے آپ کی رپورٹنگ کی ہو گی، وہ کچھ سمجھا ہو گا کچھ نہ سمجھا ہو گا اس کی رپورٹ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس جائے گی، اور اس پر وہ زبان بندی، گرفتاری یا کوئی کارروائی کر سکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو آپ کی قید و بند کی وجہ سے وہ فائدہ جو آپ کے مدرسہ میں سینکڑوں طلبہ اور دوسرے مسترشدین اٹھا رہے ہیں، بند ہو جائے گا۔ آپ ایسے حضرات کو یا تو بڑے اجتماعات میں اس طرح کا خطاب فرمانا چاہیئے یا پھر تحریر کے ذریعہ لوگوں تک پہنچانا چاہیئے۔

حضرت میری ان بے ربط باتوں کو غور سے سماعت فرما رہے تھے اور میں جب خاموش ہوا تو فرمانے لگے:

"میرے عزیز تمہاری رائے درست ہے"۔

اسی طرح گذشتہ سال کی بات ہے جب مسجد نبوی کے خطیب پاکستان تشریف لائے۔ واپسی پر کراچی میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے ان کے اعزاز میں کسی بڑے ہوٹل میں دعوت کی۔ حضرت مولانا کو بھی شرکت کا دعوت نامہ آیا۔ میں ان دنوں کراچی میں تھا۔ ناشتہ پر حضرت نے اس کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ گھٹنوں کی تکلیف اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر جانے کو جی نہیں چاہتا۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو اپنے ذاتی عوارض کی بناء پر شرکت نہیں فرمائیں گے لیکن مولانا غلام غوث صاحب اس کو کسی اور بات پر محمول کریں گے، چاہے آپ کو تکلیف ہو آپ ضرور تشریف لے جائیں۔

حضرت نے میری بات سنی فوراً فرمایا، تمہاری رائے درست ہے۔ میں شرکت کی کوشش کروں گا۔

مجھے علم نہیں کہ حضرت مولانا گئے یا نہیں، لیکن مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ حضرت نے ایک ادنیٰ ترین خادم کی بات کو کس طرح قبول فرمایا۔ اور اس ناشتہ کا قصہ یہ ہے کہ میں نے صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت سے مصافحہ کیا تو پوچھا "کب آئے"؟

میں نے عرض کیا۔ "رات"

فرمایا: "تو پھر ناشتہ میرے ساتھ کرو"..... اور وقت بھی متعین فرما دیا کہ اتنے بجے.....

میں اپنے قیام کے کمرہ میں گیا، حاجات سے فارغ ہو کر غسل کی تیاری کر رہا تھا کہ حضرت کا پیام آیا کہ ناشتہ تیار ہے، آؤ۔

میں نے سوچا کہ کیا کروں کہ میں تو پہلے وقت کے لحاظ سے پروگرام بنا چکا تھا۔ غسل کرنا تھا، کپڑے تبدیل کرنا تھے۔ چنانچہ آنے والے سے عرض کیا کہ میں تو اب آدھ گھنٹہ تک آ سکتا ہوں اور حضرت نے اس وقت کے متعلق فرمایا تھا۔

چنانچہ آدھ گھنٹے کے بعد حاضر ہوا تو آپ نے فوراً فرمایا، آپ نے صحیح کیا کہ اپنے وقت پر آئے۔ اور میں سوچنے لگا کہ آپ کتنے عظیم ہیں۔

مَیں نے پہلی دفعہ مولانا کی زیارت ۱۹۶۲ء میں کی۔ حج کے لیے کراچی جانا ہوا۔ حاجی کیمپ میں رات گذار کر اگلی صبح مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن حاضری دی، اور حاضری کی وجہ زیارت کے علاوہ ایک خواب تھا جو مسلسل کئی دنوں سے آ کر پریشان کر رہا تھا۔ مولانا بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ چائے پلائی، چائے کے ساتھ میٹھے نمکین بسکٹ بھی تھے۔ آپ اس طرح پیش آئے کہ گویا برسوں سے ان کا خادم ہوں اور میں ان دنوں کسی بھی طرح کسی سے متعارف نہ تھا۔ خواب بیان کیا، فرمایا کوئی بات نہیں۔ اور مزید فرمایا کہ یہ پڑھتے رہنا۔ آپ کے مطلق فرمانے سے ہی پریشانی جاتی رہی۔

مولانا حافظ مقبول احمد بھی اس سال حج پر جا رہے تھے اور ان دنوں کچھ میری طرح دبلے پتلے تھے اور اکثر لوگ ہم کو سگے بھائی سمجھ لیتے اور اگر علیحدہ علیحدہ ملتے تو بعض کو پہچاننے میں دشواری پیش آتی۔ مولانا مقبول اگلے دن مدرسہ عربیہ گئے اور حضرات رشیدیہ کا سلام عرض کیا، فرمایا کہ یہ سلام کل کیوں نہیں پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت

باقی ۴۰۲ پر

مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل

مصائب لاکھ ہوں پر "دل" کا جانا عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

یا ایتہا النفس اجملی جزعا فانّ ما تحذرین قد وقعا

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ جو ۱۹۰۷ء میں اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے تھے ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو سی ایم ایچ ہسپتال راولپنڈی میں سوا پانچ بجے صبح واصل بحق ہو گئے اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ اس دنیا میں آنے والا ایک نہ ایک دن ضرور یہاں سے جانا ہے اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا لیکن بعض جانے والے ایسے ہوتے ہیں کہ انکے چلے جانے سے فضا میں تاریکی پھیلتی ہے دل گھبرانے لگتا ہے ۔ ہر ایک صدمہ اور درد محسوس کرتا ہے اور جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا جائے ایک اضطراب اور بے چینی اور وحشت کی کیفیت نظر آتی ہے حضرت بنوری قدس سرہٗ العزیز کا یہ اچانک حادثہ بھی کچھ اس نوعیت کا تھا ۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاسوں میں شرکت کیلئے میں بھی اسلام آباد جاتا ہوا تھا اور حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ۱۳ اکتوبر کی صبح کو کراچی سے تشریف لائے تھے ۱۳ اور ۱۴ اکتوبر کو دونوں وقت کے اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور مختلف مسائل پر اپنی حکیمانہ اور عارفانہ آراء سے ارکان کونسل کو مستفید فرمایا ۔ ان کے علم وفضل اور سیرت وکردار کی بلندی اور وجاہت کی بنا پر کونسل میں ان کی عظمت و اہمیت سب سے بڑھ کر نمایاں تھی اور ان کی رائے اور تجویز کی وقعت مسلّم تھی ۱۴ اکتوبر رات دس بجے میٹنگ سے فارغ ہو کر وہ اپنی قیام گاہ تشریف لے گئے اور میں بھی اپنے مستقر چلا گیا رات گذار کر صبح آٹھ بجے میں راولپنڈی آیا ۔ پروگرام یہ تھا کہ گیارہ بجے ادارۂ تحقیقات اسلامیہ جا کر وہاں معائنہ کیا جائے گا مولانا ظفر احمد انصاری ، جناب خالد اسحاق صاحب اور ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کی معیت میں جب کونسل کے دفتر میں گیارہ بجے پہنچا تو دوسرے ارکان تو تشریف لائے ہوئے تھے مگر حضرت مولاناؒ تشریف فرما نہیں تھے ظاہر ہے ان کے بغیر محفل کی رونق نہیں تھی اس لئے میں نے پوچھا کہ کیا مولانا ابھی تشریف نہیں لائے ان کا انتظار کر کے ادارہ میں جانا چاہیئے جناب محمد افضل چیمہ صاحب نے فرمایا کہ اطلاع آئی ہے کہ مولانا کچھ بیمار ہیں یہ تفصیل ان کو بھی معلوم نہ تھی کہ بیماری کی نوعیت کیا ہے سب نے بس یہی سمجھا کہ کچھ معمولی سی طبیعت کی خرابی ہو گی جس کی وجہ سے انہوں نے ادارہ میں جانا ملتوی کر دیا ہو گا ہم سب ادارۂ تحقیقات اسلامیہ گئے اور دو بجے وہاں سے واپسی ہوئی جناب محمد افضل چیمہ صاحب نے اپنی کار میں مجھے ایم این اے ہوسٹل تک پہنچایا ۔ جہاں ہمارا قیام تھا ۔ میں کار سے اترا تو مولانا کے صاحبزادے عزیزم مولوی سید محمد بنوری سلمہ اللہ تعالیٰ مجھے لپک کر اور روتے ہوئے ملے اور کہا کہ والد ماجد کو سخت تکلیف ہے دل کا دورہ پڑا ہوا ہے میں نے فوراً جناب چیمہ صاحب کو جو مجھے اتار کر جانے والے تھے آواز دی ۔ وہ کار سے اترے اور ہم دونوں مولانا کے کمرے میں گئے اس وقت اضطراب کی کیفیت تھی بار بار فرماتے تھے مجھے کبھی ایسی تکلیف نہیں ہوئی فرماتے تھے زیادہ تکلیف گلے سے اوپر ہے کبھی فرماتے کہ غالباً ریاح غلیظ کا احتباس ہو گیا ہے پیشانی پر پسینہ آ رہا اور خود کپڑے سے پونچھتے رہے چیمہ صاحب نے پولی کلینک جا کر ڈاکٹر سے بات کی ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ صبح آٹھ بجے جب ان کو دورہ پڑا تھا تو یہاں میرے پاس ان کو لے کر آئے تھے میں نے تشخیص کر کے عرض کیا تھا کہ آپ یہاں داخل ہو جائیں مگر انہوں نے ہسپتال داخل ہونا پسند نہیں فرمایا ۔ میں نے دوا لکھ دی تھی شاید یہ پھر دوسرا حملہ ہوا ہے آپ ان کو یہاں لے آئیں میں ایمبولنس بھیج رہا ہوں چیمہ صاحب نے واپس آ کر مجھے اور دوسرے ان سب حضرات کو جو حضرت مولانا کے متعلقین و معتقدین تھے اور وہاں جمع ہو گئے تھے ساری بات سنائی لیکن مشورہ کے بعد یہ طے کیا گیا کہ علاج کے لئے سی ایم ایچ اچھا رہے گا چیمہ صاحب نے جنرل چشتی صاحب سے فون پر بات کی انہوں نے فرمایا سی ایم ایچ کو میں اطلاع دے رہا ہوں آپ فوراً مولانا کو وہاں پہنچا دیں اس وقت آپ نہایت تکلیف میں تھے بدن بہت ٹھنڈا ہو رہا تھا اور پسینہ بہت زیادہ آ رہا تھا ۔ ایمبولنس میں وہاں پہنچایا اور قریباً ۴ بجے ہسپتال کے عملہ نے ان کو اپنی تحویل میں لے لیا ۔ اور ہسپتال کے ضابطہ کے مطابق کوئی بھی اندر ان کے پاس نہیں رہ سکتا تھا ۱۶ اکتوبر کو وہاں رہے ۱۶ اکتوبر

۸ بجے عشاء کے وقت میں نے کونسل کے دفتر سے فون کر کے عزیزی محمد بنوری سے پوچھا مولانا کا کیا حال ہے انہوں نے تسلی بخش جواب دیا۔ رات ۱۲ بجے ہماری میٹنگ ختم ہوئی میں راولپنڈی آیا اور پاکیزہ ہوٹل میں رات بسر کی صبح ۸ بجے حضرت مولانا کی بیمار پرسی کے ارادہ سے سی ایم ایچ گیا وہاں دیکھا بالکل سناٹا ہے

معلوم ہوا تھا کہ حضرت مولانا کے رشتہ دار اور دوسرے متعلقین و معتقدین صبح سویرے حالات معلوم کرنے کے لئے ہسپتال آئے ہوئے ہیں مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا میں نے اپنی قلبی خواہش کے مطابق یہ توجیہ کی شاید مولانا صحت یاب ہو کر ان کے ساتھ واپس مولانا سعید الرحمٰن صاحب کے مدرسہ میں تشریف لے گئے ہیں اور دل کے اندر ایک خوشی محسوس کی اتنے میں باہر سے ایک مریض کو اندر داخل کرنے کے لئے دروازہ کھلا اور ہسپتال کی ایک نرس سامنے آئی اور میں نے دیکھا کہ ۱۵ اکتوبر کو ۸ بجے مولانا کو جو بستر دیا گیا تھا وہ خالی ہے۔ تو قلبی آرزو اور طبیعت کی خواہش کے مطابق حضرت مولانا کی صحت ہی کا تصور کر کے اپنی وہ توجیہ اور موکد کر دی کہ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت صحت یاب ہو کر تشریف لے گئے ہیں اور اس دل خوش کن اور روح افزا خبر سننے کے ہی ارادہ سے میں نے اس نرس سے پوچھا کہ کراچی والے مولانا بنوری جو پرسوں داخل کئے گئے تھے وہ کہاں چلے گئے اس نے ہسپتال کی زبان میں فوراً کہا کہ ان کا تو آج صبح سوا پانچ بجے واقعۃً انتقال ہو گیا ہے الفاظ سن کر اس کا مطلب تو میں سمجھ گیا مگر چونکہ دل کسی بھی اس خبر کے ماننے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے میرے دل نے فوراً کہا کہ یہ غلط کہہ رہی ہے وہ سوا پانچ بجے واقعۃً انتقال کر چکے ہوتے تو سوا آٹھ بجے تک یہاں ان کے عشاق اور جانثاروں کا ہجوم ہوتا۔ اس فضا میں ایسی خاموشی کہاں ہو سکتی تھی یہاں تو سسکیاں ہوتیں اور رونے کی آوازیں۔ فزعت فیہ بآمالی الی الکذب

اس نے تو دروازہ بند کر دیا۔ میں صحت یابی کی مسرت افزا خبر سننے کی خاطر ہسپتال میں کسی اور کو تلاش کر رہا تھا دیکھا کہ ایک ایمبولنس کے پاس سفید کپڑوں میں ایک نوجوان کھڑا ہے اس سے پوچھا۔ اس نے تفصیل سے بات بتا دی کہ سوا پانچ بجے ان کی وفات ہوئی ہے ہم نے جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر فون کیا مگر معلوم نہیں کہ فون خراب تھا یا کسی نے اٹھایا نہیں اس لئے ان کو اطلاع نہیں ہو سکی اب ہم نے فوجی ہیڈ کوارٹر میں اطلاع کر دی ہے اور مولانا کو اپنے اس بستر سے دوسری جگہ لے کر رکھا ہے اس نے خبر اس تفصیل و یقین کے ساتھ سنا دی کہ میری توجیہ تاویل کے سارے بند ٹوٹ گئے اور اس حادثہ فاجعہ اور سانحہ کبریٰ کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہ رہا اور آنسو جاری ہو گئے۔

حتی اذا لم یدع لی صدقہ املا
شرقت بالدمع حتی کاد یشرق بی

لغی لی البوالمقدام ماستر منظری
من الارض واستکت علی المسامع

واقبل ماء العین من کل زفرۃ
اذا وردت لم تستطعہا الاضالع

غم و اندوہ کا لاوا پھوٹ پڑا۔ اور حزن و ملال کا ایک سیلاب امنڈ آیا طبیعت بے قابو ہو گئی۔ مگر اس اضطراب و بے چینی کے عالم میں آیات کریمہ کی طرف توجہ ہو گئی۔ اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون کے ارشاد خداوندی کا استحضار ہوا بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد معانی کو ذہن میں حاضر کر کے شروع کیا۔ اتنے میں دیکھا کہ جناب سردار میر عالم خان لغاری صاحب تشریف لے آئے دور سے دیکھا تو ان کا چہرہ غمزدہ اور پژمردہ تھا علیک سلیک ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے عیادت ہی کے خیال سے آئے تھے اور انہوں نے یہ غم انگیز اور صبر شکن خبر پہلے سنی تھی مگر وہ اعزا و احباب کو اطلاع دینے کے لئے گئے مگر ان میں سے کوئی نہیں ملا۔ وہ حضرات صبح سے دل کے امراض کے خصوصی ماہر ڈاکٹر ذوالفقار صاحب کی تلاش میں نکلے ہیں کہ مولانا کا علاج ان سے کرایا جائے اور وہ شاید ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہ کر سکے اور ان کو ڈھونڈ رہے ہیں کچھ دیر بعد جناب افضل چیمہ صاحب فوجی ہیڈ کوارٹر سے اطلاع ملنے پر تشریف لے آئے اور شہر کے علماء اور مدارس عربیہ کے طلبہ اور دوسرے معتقدین کی آمد شروع ہوئی جہاں حضرت مولانا کا جسد مبارک ایک علیحدہ کمرے میں رکھا گیا تھا ہم وہاں گئے اور پلنگ پر آپ کو آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹا دیکھ کر بے اختیار جی بھر آیا اور طبیعت کی کچھ ایسی کیفیت ہوئی کہ جذبات رنج و غم کی شدت نے میرے حافظے کو تیز کیا اور کبھی کے پڑھے ہوئے اور یاد کئے ہوئے اشعار یاد آنے لگے۔ ؎

علیک سلام اللہ قیس بن عاصم
ورحمتہ ما شاء ان یترحما

تحیۃ من غادرتہ غرض الردیٰ
اذا زار عن شحط بلادک سلما

اور اس کے بعد وہ مشہور و متبذل شعر جو شاعر کی قلبی دردمندی کی صحیح ترجمانی کی بنا پر ایک بقائے دوام حاصل کر چکا ہے اور حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی عظیم شخصیتوں کی مفارقت کے موقع پر اس کا پڑھنا ایک اظہار حقیقت اور امر واقعہ کا بیان ہے بار بار پڑھتا رہا۔

فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما

اس شعر کے دہرانے کے ساتھ ساتھ ذہن میں اس لفظ قوم کے وسیع معانی تازہ ہو رہے تھے یہ قیس بن عاصم، جو اس وقت یوسف بن زکریا سے جدا ہوا تو پوری قوم کی عمارت منہدم ہو گئی قوم سے مراد پوری مسلمان قوم ہے قوم سے مراد پاکستانی مسلمان قوم بھی ہے قوم سے مراد علماء کرام کی جماعت بھی ہے قوم سے مراد مدارس دینیہ کے طلبہ بھی ہیں قوم سے مراد مجلس عمل بھی ہے قوم سے مراد مجلس تحفظ ختم نبوت بھی ہے قوم سے مراد جمعیت وفاق المدارس العربیہ بھی ہے اور قوم سے مراد جمعیت علمائے اسلام بھی ہے اور قوم سے مراد اسلامی نظریاتی کونسل بھی ہے واقعہ یہ ہے

کہ ہر عمارت بن کچھ دراڑ پڑگئی اور مولانا کے چہرہ انور پر نظر ڈال کر کہنا پڑا۔

ہے فان تك قد فارقتنا وتركتنا
ذوي خلة ما في انسداد لها طمع

مشہور اردو شاعر جگن ناتھ آزاد نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا تھا اس کے چند اشعار حافظہ میں تازہ ہوگئے مقتضیٰ الحال کیمطابق اور قلبی واردات وجذبات کی ترجمانی کے لئے مناسب جان کر ایک طرف ہو کر گنگنانے لگا۔

جس کا دھڑکا تھا بالآخر وہ گھڑی بھی آگئی۔
وہ خبر آئی کہ بزم زندگی تھرا گئی ،،
روشنی جس کی حریم روح کو چمکا گئی
ظلمت مرگ اس ستارے کو بھی آخر کھا گئی
جس سے روشن اپنے سینے تھے منور تھے دماغ
بجھ گیا ، وہ علم کا ، حکمت کا ، دانش کا چراغ
اے غلاموں کا لہو گرمانے والے الوداع
آگ سی الفاظ میں برسانے والے الوداع
خود تڑپ کر بزم کو تڑپانے والے الوداع
اے جگا کر ملک کو سو جانے والے الوداع
آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اتنے میں عزیزم محمد بنوری اور قاری سعید الرحمٰن صاحب وہاں پہنچ گئے محمد بنوری شدت غم سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے ہم سب اس نوجوان عزیز کو سہارا دینے اور صبر واستقامت کی تلقین کرتے تھے مگر حقیقت تو یہ تھی کہ اس کی دنیا اجڑ گئی تھی غم کا پہاڑ اس کی جان ناتواں پر آپڑا تھا حضرت مولانا کے خواہرزادہ اور داماد عزیزم خالد بنوری بھی بہتے ہوئے آنسوؤں کے سیلاب کو اپنی جلالت اور صبر واستقامت سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بے قابو ہو کر آنسو بہا رہا تھا اس وقت ہسپتال میں تمام حاضرین کی جو کیفیت تھی الفاظ میں اس کا نقشہ نہیں کھینچا جا سکتا۔ اور یہ کیفیت کیوں نہ ہوتی۔ جب کہ

آنچہ من گم کردہ ام ، گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ، ہم پری ، ہم اہرمن بگر یستے ،

والی صورت حال پیش آئی تھی جنازہ کہاں پڑھا جائے تدفین کہاں ہو اس کے لئے اہل کراچی سے مشورہ کرنا ضروری تھا اس لئے جناب جمیر صاحب فون پر کراچی والوں سے مشورہ اور فیصلہ کرنے کے لئے مولانا بنوری کے بہنوئی مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوری ، مولانا کے داماد اور خواہرزادہ عزیزم خالد بنوری اور صاحبزادے مولوی سید محمد بنوری کو اپنے ساتھ شہر لے گئے اور ہم سب وہاں بادل بریاں و دیدۂ گریاں ، ہسپتال ہی بیٹھے رہے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد شریف صاحب جالندھری آپ کی بیماری کی خبر پا کر ملتان سے ۱۷ کو تشریف لائے تھے وہ بھی وہاں موجود تھے مولانا غلام حیدر صاحب جو اسلام آباد میں دفتر مجلس ختم نبوت کے انچارج ہیں اور جنہوں نے اس سفر میں مولانا کی خدمت سرانجام دی۔ وہ بھی مغموم و پژمردہ وہاں تشریف فرما تھے شہر سے مدارس عربیہ کے اساتذہ اور طلبہ بھی جوق در جوق وہاں آکر حضرت مولانا کے جسد مبارک کی زیارت کرتے اور آنسو بہاتے تھے میں بھی ان حضرات کے ساتھ محزون ورنجیدہ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ یا اللہ ! یہ بالکل اچانک کیا ہو گیا اسلامی نظریاتی کونسل کے ذریعہ اسلامی قوانین کی تدوین وترتیب میں حضرت مولانا کے علم وفضل اور محدثانہ اور فقیہانہ مہارت سے استفادہ کرنے کے ہم کیا کیا خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ سب کے سب شرمندۂ تعبیر ہو گئے۔

نشتر کی نوک جیسے کلیجے میں ٹوٹ جائے
اور بیٹھے بیٹھے امنڈ نے لگتا ہے۔
دل کو کیا ہو گیا خدا جانے

انہی تصورات وتفکرات میں گم تھا کہ قوت حافظہ نے ماضی کے واقعات یاد دلائے۔ اور حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت ومحبت قلبی تعلق قائم ہونے کی سابقہ تاریخ سامنے آئی اور وہاں بیٹھے بیٹھے دماغ سوچتا رہا اور ماضی کے حالات وواقعات کے بے شمار اوراق الٹتا رہا۔ ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا کی عمر ۲۵ برس تھی۔ استاذ محترم ومکرم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع قدس اللہ سرہٗ کے ساتھ آپ کی دوستی ، محبت بلکہ اخوت کا تعلق قائم ہوا تھا اور ان کے واسطہ سے میں بھی اس نوجوان عالم وفاضل اور اس وقت کے ممتاز ادیب سے متعارف ہوا اور نیازمندوں کے حلقہ میں شامل ہوا تھا۔ مولانا ہمارے قصبہ زیارت کاکا صاحب تشریف لائے اور بہت دنوں تک ان دونوں فضلائے دہر کی علمی مجالس رہتیں۔ میں ۱۵ برس کا کم عمر طالب علم تھا مگر ان علمی مجالس میں مستقل طور پر شریک ہو کر اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کرتا تھا اور مجھے علمی مجلس میں بہت لطف آتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے وہ دن یاد آئے اور اس کی یاد نے رلایا۔ پھر حافظہ نے یاد دلایا کہ ۱۹۳۲ء میں جب آپ کی عمر صرف ۲۶ سال تھی سمت قبلہ کی تعیین کے مسئلے کے سلسلہ میں ایک استفتاء کا علمی جواب لکھنا شروع کیا تو لکھتے لکھتے وہ ایک مختصر فتویٰ کی بجائے مسئلہ قبلہ پر ایک مستقل رسالہ بن گیا۔ جس کا کچھ تفصیلی ذکر آگے کروں گا۔ اس رسالہ کے مضامین اور عبارات مولانا نافع کو سناتے ، مسائل کی تحقیق ہوتی۔ کتابوں کے حوالے نکالے جاتے تھے اور مجھے یاد آیا کہ مسلسل بارہ دن تک زیارت میں رہ کر آپ نے اس رسالہ کی تکمیل کی پھر ایک علمی درس گاہ قائم کرنے کا شوق ہوا کہ اپنے علمی فیوض کو عام کردیں ۱۹۳۳ء میں پشاور شہر میں یکہ توت دروازہ کے اندر ایک قدیم مدرسہ کی عمارت کو ناجائز مکینوں سے خالی کرا کر وہاں مدرسہ قائم کیا اور مولانا نافع اور مولانا لطف اللہ مدظلہٗ کو ساتھ ملا کر تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ طلبہ کا ہجوم ہو گیا اسی دوران میں پشاور چھاؤنی میں انگریز حکومت تعمیر کے نئے نقشے میں ایک قدیم مسجد گرا رہی تھی اس پر ان حضرات نے انگریزی

کی مزاحمت کی بڑی کش مکش ہوئی آپ نے اور آپ کے ان رفقاء نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور حکومت مجبور ہوئی کہ نقشہ بدل دے اور مسجد بحالہ قائم ہے ۱۹۳۲ء میں انگریز کی مخالفت کرنا اور اس کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر مقابلہ میں ڈٹ جانا کوئی آسان کام نہیں تھا اس دور کے نوجوان ان حالات کا تصور بھی نہیں کر سکتے انگریز نے اپنی خفیہ شیطانی سیاست چلائی اور ایسے طریقے استعمال کئے کہ تدریجاً مدرسے کو نقصان پہنچایا اس دور کا یہ سارا نقشہ اور آپ کے علمی کارناموں کے ساتھ عملی صلاحیتوں کے یہ سارے واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو گئے اس دور میں قادیانیوں کے خلاف بھی کام کیا اور پشاور میں قادیانی افسروں کی وجہ سے اس گمراہ طبقہ کے جو اثرات پھیل رہے تھے ان کو ختم کر دیا شب و روز اسی جدوجہد میں لگے رہتے تھے حضرت مولانا نافع کے واسطہ سے میں ان تمام واقعات سے باخبر رہتا تھا تفصیلات کا موقع نہیں۔ اس وقت میں صرف آپ کے ایک علمی کارنامے کا ذکر کروں گا ۱۹۳۲ء میں سمت قبلہ کے مسئلے پر جو رسالہ لکھا تھا جو اس موضوع پر بے نظیر و بے مثال اور جامع رسالہ ہے اس کے حوالوں کی تکمیل اور مزید اضافہ کرنے کے لئے کچھ نایاب علمی کتابوں کے مطالعہ کے لئے آپ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ میں اس سال حضرت مولانا نافع کے زیر سایہ دارالعلوم میں داخل ہو کر اکابر اساتذہ سے استفادہ کر رہا تھا مولانا نافع اپنے بڑے صاحبزادے عبداللہ متوفی کی بیماری کی وجہ سے وطن تشریف لے گئے تھے تو دو ماہ تک میں ہی حضرت مولانا کی خدمت و مہمان نوازی کرتا رہا۔ مجھے دو ماہ کے اس عرصہ میں آپ کی سیرت و اخلاق، بلند کردار، سیر چشمی، اخلاص و للہیت، سخاوت، شفقت اور علمی کمالات و فضائل کا اندازہ ہوا اور عقیدت و محبت اور راسخ ہو گئی۔ یہ جتنے عنوانات میں نے ذکر کئے ہیں ان میں سے ہر ایک پر سیر حاصل اور طویل مضمون لکھ سکتا ہوں اور واقعات و شواہد پیش کر سکتا ہوں آپ کی طبعی نفاست اور کھانے پینے، پہننے میں شائستگی اور نظامت کے اہتمام کا پورا اندازہ ہوا اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ آپ کا ایک خاص وصف جس کا ادراک شاید عام شناساؤں کو نہ ہو وہ یہ تھا کہ اپنی قوت ادراک کی بنا پر جوہر قابل اور ذہین و فطین اور ذکی شخص کو خوب پہچانتے تھے اور اس کی ذہانت و ذکاوت اور علمی قابلیت کی بھی قدر کرتے تھے۔ عالم شناس بھی تھے اور عالم پرور بھی۔ دو ماہ کا عرصہ دارالعلوم دیوبند میں یوں گذارا کہ کتب خانہ جا کر مطالعہ کرتے اور نوادر کتب سے استقراء تام اور تتبع کامل کے بعد اپنے موضوع سے متعلق حوالے نکالتے اور اپنے رسالہ میں اضافہ فرماتے تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری نے مسئلہ قبلہ و محاریب کے سلسلہ میں العرف الشذی کی تقریر ترمذی میں مقریزی کی کتاب الخطط و الآثار پر ایک مجمل سا حوالہ دیا تھا آپ نے کتب خانہ سے وہ کتاب نکلوائی اور تلاش کر کے پورا حوالہ نکال کر وہ عبارت درج کر دی آپ کی برکت سے میں نے بھی ان دنوں مقریزی کی یہ تاریخ مطالعہ کی اور اس سے نوٹ لئے اس مسئلہ کے مستفتی مولانا عبدالسلام صاحب نے ۱۹۳۳ء میں یہ استفتاء حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت کاشمیری کی وفات سے چند دن پہلے کی یہ بات ہے انہوں نے جواب لکھا اور شیخ اسمٰعیل بن مصطفیٰ گلنبوی ایک ترکی عالم کے ایک رسالے کا حوالہ دیا اور لکھا کہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ عارف حکمت میں ہے میں نے وہ رسالہ مطالعہ کیا تھا قلمی رسالہ تھا۔ میں نے اس کی عبارتیں اپنے پاس نقل کی ہیں مگر بیماری کی وجہ سے میں اسے تلاش نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے یاد ہے کہ انہوں نے یوں لکھا۔ حضرت مولانا کو جو علامہ محدث کشمیری کے تلمیذ خاص اور خصوصی نشانی تھے ۱۹۳۴ء میں حضرت کی وفات کے بعد ان عبارات کی تلاش ہوئی اور شاہ صاحب کی یادداشتوں کے ذخیرہ میں وہ منقولہ عبارات مل گئیں جس کا ذکر آپ نے رسالہ کے خاتمہ میں کیا ہے ——— یہ رسالہ ہر طرح سے مکمل کرنے کے بعد آپ نے اکابر علماء دیوبند سے اس پر تقریظ و تصدیق حاصل کی آپ نے خود اپنے ادیبانہ ذوق کی بنا پر رسالے کا نام تجویز کیا تھا "نُبْلَةُ الْمُصَلِّي فِي قِبْلَةِ الْمُصَلِّي" (اول مصلی سے مراد گھوڑ دوڑ میں اول نمبر پر آنے والا گھوڑا اور دوسرے " سے مراد نماز پڑھنے والا ہے)

آپ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے ہاں تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ اور رسالہ پیش کیا۔ حضرت نے مطالعہ کر کے بہت پسند فرمایا اور فرمایا کہ آپ نے نام تو بہت اچھا رکھا ہے مگر عام لوگ اس کے معنی کو نہیں سمجھیں گے اس لئے میری رائے ہے کہ آپ اس کا نام رکھئے "بغية الاريب فی مسائل القبلة والمحاريب" چنانچہ آپ نے حضرت کا ارشاد قبول کر کے یہی نام رکھا اور اسی نام سے پھر ۱۹۳۸ء میں مصر میں جا کر طبع کیا۔ اس بے نظیر علمی رسالہ کی تصدیق و توثیق کے سلسلہ میں حضرات اکابر علمائے دیوبند نے جو کچھ لکھا ان میں سے میں صرف وہ الفاظ نقل کرتا ہوں جو آپ کے اسم گرامی کے ساتھ انہوں نے بہ طور تعریف و تعارف ذکر فرمائے ہیں اور انہی سے آپ قارئین اندازہ لگائیں کہ ان اکابر علماء اور اساطین امت کی نگاہوں میں ۲۸ برس کا ایک نوجوان عالم علم و فضل کے کس بلند مرتبہ پر فائز ہیں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے تحریر فرمایا الفها اخونا فی الله المحترم العلامه السيد محمد يوسف البنوری بلغه الله الی اقصیٰ مايتمناه فی الدارين"۔ (حضرت مدنی کی یہ دعا قبول ہوئی اور علمی و عملی طور پر اس دنیا میں آپ جو کچھ بننے کی تمنا فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہاں تک پہنچایا اور امید کامل ہے کہ دار آخرت میں بھی اقصیٰ مایتمناہ تک پہنچیں گے)

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے لکھا (صنفها اخی العلامه السيد محمد يوسف البنوری البشاوری وهومن اماثل القرن الحاضر ادام الله فيضه و نفع برسائله) (مفتی صاحب کی یہ دعا بھی بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی اور آپ کا فیض علمی۔ معارف السنن اور ہزاروں تلامذہ اور جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن کی شکل میں جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا۔ ان

مولانا محمد یوسف البنوری ادام اللہ فضلہ من ارشد تلامذۃ حضرۃ المحدث مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ العزیز ومن اعز اصحابہ ارجو اللہ سبحانہ ان یوفق المولف لاشاعۃ ویسعفہ بمقاصدہٖ فی الدارین آمین (اس عارف کامل کی دعا کا اثر ہے کہ مولانا مرحوم نے معارف السنن جیسی کتاب لکھی اور اپنے مقصد میں اس دار دنیا میں کامیاب ہوئے اور انشاء اللہ آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب نے اپنی تقریظ میں لکھا العلما المحقق العلامہ محمد یوسف البشاوری جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم نزیل کراچی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا لمولفہا المحقق العلامہ التقی النقی المولوی محمد یوسف البشاوری ادمہ اللہ تعالیٰ الی ما یتمناہ فی دنیاہ واخراہ۔ حضرت بنوری کے اعز معارف واصدقاء الاخ فی اللہ الفاضل المحقق حضرت مولانا عبدالحق نافع کاکاخیل قدس سرہ العزیز نے جو اس رسالہ کے ایک ایک جملہ پر بحث کر چکے تھے انہوں نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا نتیجۃ لکرۃ الفاضل المحترم والتحریر الافخم صدیقنا واخینا فی اللہ مولانا محمد یوسف لازالت مساعیہم مشکورۃ وغیرہم ماجورۃ۔ خط کشیدہ الفاظ پڑھئے۔ دیکھا آپ نے ان اکابر کی نظر میں ۲۸ سال کا یہ نوعمر فاضل علامہ محقق، من اماثل القرن الحاضر من ارشد تلامذۃ المحدث الکشمیری ومن اعز اصحابہ۔ التقی النقی الفاضل المحترم اور التحریر الافخم ہیں اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس کو ان بزرگوں نے اتنی دعائیں دی ہوں وہ آگے جا کر مزید مطالعہ، تجربہ، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے نتیجہ میں کیا کچھ بنے ہوں گے۔ تو ہسپتال میں بیٹھے بیٹھے یہ ساری باتیں سوچتا رہا اور اس کے ساتھ ہی خیال آیا کہ آج ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو اس متاع گرانمایہ سے ہم محروم ہو گئے تو یہ ہماری کس قدر بدبختی ہے ۲۸ سال کا نوجوان جوان القاب کا اکابر کی زبان میں مستحق تھا تو ۱۷ برس کی عمر میں اس کے حق میں کیا کیا القاب استعمال کئے جا سکتے ہیں تو کیا ایسے علامہ محقق فاضل تقی نقی مصنف، مولف، محدث مفسر اور فقیہہ و ادیب کی یہ مفارقت اس سال کا عظیم سانحہ اور قیامت صغریٰ نہیں۔ اگر اس پر رونا نہ آئے تو پھر رونا کس پر آئے گا۔

ہر قسم کا سامان منیاری، بنیان، تولیہ، جراب، ریڈی میڈ جرسیاں، سلمہ ستارہ ہوزری کی تمام مصنوعات اور کاسمیٹکس کی بارعایت خریداری کے لئے

تشریف لائیے

کم منافع، زیادہ سیل

دیانت و شرافت ہمارا اصول ہے

پروپرائٹر: سید محمد قاسم شاہ ہمدانی

محبوب جنرل سٹور بازار جھگیاں قصور

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

حافظ عزیز الرحمٰن خورشید - بھیرہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ جو علم و فضل کے اعتبار سے اپنے دور کے امام تھے، جن کے علم کا اعتراف عجمی دنیا کے علاوہ عربی دنیا کو بھی تھا، وہ اپنے استاذ، سند المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علوم کے بجا طور پر وارث تھے، ان کا ہر عمل خدا کی خوشنودی کے لیے ہوتا تھا اور ہر قدم دینِ محمدی کی اشاعت کے لیے اٹھتا تھا، یعنی ان کا "مقصدِ حیات" ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین، کے مطابق تھا۔

وہ خدا کے ان محبوب بندوں میں سے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے دربار میں حاضری کی سعادت سے نوازا اور مسجدِ نبوی میں رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کی سعادت بخشی، آپ نے عالمی دنیا میں عموماً اور اسلامی عربی دنیا میں خصوصاً مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا تعارف کرایا۔ عرب و عجم کی کوئی معزز شخصیت پاکستان میں آئے تو مولانا بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے یہاں مہمان ہوتی۔ دنیا کے مفتی، قاری، علماء اور مشائخ آپ سے محبت کرتے۔ فقیروں کی مجلس میں ایک فقیر کی سی حالت ہوتی مگر جب کوئی امیر سامنے ہوتا تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کی ترجمانی کرتے۔ ارباب اقتدار سے جب گفتگو فرماتے تو "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر"... زمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوتا۔

علماء کی مجلس میں علم کے موتی بکھیرتے۔ اکابر سے اتنا تعلق تھا کہ جب ان کا ذکر کرتے تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ خود بھی روتے اور حاضرین کو بھی رُلاتے۔

عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلہ میں اپنے استاذِ مکرم حضرت السید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہدایات و نصائح پر پوری طرح عمل کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کے مشن پر کام کرنے والی جماعت سے آپ کو قلبی محبت تھی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی ہر دور میں آپ نے سرپرستی فرمائی۔ امیرِ شریعت حضرت السید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمۃ کا دور ہو یا خطیب پاکستان قاضی احسان احمد قدس سرہٗ کا، مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دورِ امارت ہو یا مولانا لال حسین اختر مرحوم کا، ہر موقعہ پر آپ نے اس جماعت کی بھرپور سرپرستی فرمائی۔ مالی اور علمی میدان میں مجلس کی بھرپور معاونت فرماتے رہے۔

مولانا لال حسین اختر کے انتقال کے بعد مجلس کے کارکنوں نے آپ سے عہدہ امارت سنبھالنے کی درخواست کی۔ جواباً آپ نے فرمایا کہ جس جماعت کی امارت کی ذمہ داریاں شاہ جی، قاضی صاحب، مولانا محمد علی اور مولانا لال حسین اختر جیسے لوگوں نے سنبھالی تھیں، مجھ جیسا ناکارہ انسان جس میں نہ تقریر کی صلاحیت نہ تنظیم کی، وہ اس کی قیادت کا بار کیسے اٹھا سکتا ہے! مجلس کے کارکنوں کے مسلسل اصرار پر آپ نے قیادت سنبھال لی۔ خدا کی شان کہ جس تحریک کی ابتدا دارالعلوم دیوبند کے عظیم سپوتوں نے کی تھی اس کا ایک باب (یعنی آئینی فیصلہ) دیوبند کے ایک فرزند ہی کے

ہاتھوں تکمیل کو پہنچا۔

قارئین جانتے ہیں کہ امارت سنبھالنے کے چند دن بعد پورے ملک میں واقعۂ ربوہ کے ردعمل میں تحریک بھڑک اٹھی۔ ملک بھر کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے آپ کو اپنا قائد چنا۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء سے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء تک آپ کی قیادت میں ملک گیر تحریک چلی اس موقعہ پر آپ نے اربابِ اقتدار پر واضح کیا کہ اگر اس مسئلہ سے تم غداری کرو گے تو پھر ع!

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

کراچی سے پشاور تک آپ نے تحریک کے سلسلہ میں دورہ کیا۔ آپ جہاں بھی گئے، مسلمانوں کو ایک ہی سبق دیا کہ:

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين۔

اور دوسرا سبق یہ دیتے کہ اس راہ میں تمہیں جتنے مصائب کا سامنا کرنے پڑے، کرو۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ تحریک کے آخری ایام میں جب آپ کراچی سے رخصت ہونے لگے تو آپ پر رقت طاری تھی اور مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کے مدرس (حال شیخ الحدیث) مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی سے فرمایا کہ:

مفتی صاحب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرماوے، میں کفن ساتھ لیے جا رہا ہوں مسئلہ حل ہو گیا تو الحمد للہ، ورنہ شاید بنوری زندہ واپس نہیں آئے گا۔"

(بحوالہ الرشید، ساہیوال بابت دسمبر ۷۷ء)

انہی ایام میں جب اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر بھٹو نے ملک کے اربابِ بصیرت اور اہلِ دانش و بینش سے ملاقات کی تو اس نے مولانا بنوری رحمتہ اللہ تعالیٰ سے بھی ملاقات کی۔ آپ جب بھٹو سے ملے تو ایسے انداز سے گئے کہ وہ حیران ہو گیا۔ جب خداوندِ کریم نے تحریک ختمِ نبوت میں کامیابی عطا فرمائی تو حضرت نے ملتِ اسلامیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

تحریک کی کامیابی شہداء ختمِ نبوت اور مجاہدین ختمِ نبوت کی قربانیوں کی مرہونِ منت ہے"

تحریک سے فارغ ہو کر آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیم کو حضرت امیرِ شریعت رحمتہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابرین مجلس کی آرزوؤں کے مطابق بامِ عروج تک لے جانے کا پروگرام مرتب فرمایا۔ بیرونی دنیا کو مجلس سے متعارف کرانے کے علاوہ ملکی سطح پر اور مستحکم کیا۔ امیرِ شریعت کی خواہش تھی کہ ربوہ میں ختم نبوت کا پرچم بلند ہو، یہ کام اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سے لیا اور ان کے زمانۂ قیادت میں ربوہ میں مجلس کے لیے زمین خریدی گئی اور جمعہ، پنجگانہ نماز اور درسِ قرآن اور تعلیم و تدریس کا انتظام کیا گیا۔ (اس ناچیز کو بھی حضرت بنوری رحمتہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ربوہ میں کچھ عرصہ خدمات سر انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی) مجلس کے بوڑھے جرنیل حضرت مولانا محمد حیات صاحب مستقل ربوہ میں قیام پذیر ہیں۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہو گا کہ خداوندِ کریم اپنے بعض بندوں کو کسی کام کے لیے منتخب فرما لیتے ہیں۔ مولانا محمد حیات ایسے ہی سعادت مند لوگوں میں سے ہیں کہ جب امیرِ شریعت قدس سرہٗ نے کادیان میں شعبۂ تبلیغ کا اجراء فرمایا تو اس موقعہ پر بھی سب سے پہلے وہاں بہ حیثیت مبلغ و مدرس کے کام کرنے والے مولانا محمد حیات ہی تھے اور آج ربوہ میں آوازۂ حق بلند ہوا تو وہاں بھی آپ ہی خدمت سر انجام دے رہے ہیں کسی نے سچ کہا ہے:

ع این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ تعالیٰ کی ویسے کئی ایک تصانیف ہیں مگر سب سے زیادہ مقبول و معروف مشہور کتاب حدیث، ترمذی کی شرح معارف السنن ہے۔ جس سے آج علمی دنیا استفادہ کر رہی ہے ......! آہ! کہ آج ہم اس عظیم فقیہ و محدث سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے!

ع! خدا مغفرت کند ایں عاشقان پاک طینت را

**

وماکان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

"قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے، بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے"

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ اصحاب میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات نمایاں تھی جو بہت سی باتوں میں اپنے استاذ مرحوم کی نظیر اور انکی مثیل تھی۔ ارشاد و ہدایت، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تالیف ان کے روزانہ کے مشاغل تھے۔ ان دینی و علمی مناقب کے ساتھ دین و ملت کی راہ میں ان کا جاں فروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص، ہم رنگ شہداء تھا۔

ذاتی اخلاق، جود و سخا، تواضع و انکسار، علم کی عزت، صداقت اور حق گوئی، ان کے اوصافِ گراں مایہ تھے۔ پاکستان میں ان کی ذات ذی اقتدار علماء کی حیثیت سے اس وقت فرد تھی۔ سارقانِ ختم نبوت کا تعاقب، پرویزیت اور انکار حدیث کے فتنہ کی تردید، تجدد کا استحصال اور مولانا مودودی کے باطل نظریات کی اصلاح کے اقدامات ان کے عظیم کارنامے ہیں۔ اس لیے ان کی یہ اچانک جدائی صرف چند افراد کا نہیں بلکہ اسلام کا سانحہ ہے۔ شمع بجھ گئی لیکن اس کا نقش ہمیشہ قائم رہے گا۔ ان کا قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ اور ان کی وقیع علمی تصانیف ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہیں گی ۔

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

حضرت علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ پیدائشی طور پر سرحد سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ کی عمر کا زیادہ حصہ ہندوستان اور صوبہ سندھ میں گذرا۔ اس لحاظ سے آپ کی زبان اردو اور عربی تھی۔ آپ ان دونوں زبانوں میں تحریر و تقریر پر پوری قدرت رکھتے تھے۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ شعبۂ اہتمام دارالعلوم دیو بند سے اختلاف کی بنا پر ڈابھیل تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ دارالعلوم دیو بند کے بہت سے اساتذہ اور طلبہ بھی تھے۔ ان میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سراج احمد رشیدی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مدظلہ، اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔ علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی اور امراض کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور بالآخر دیو بند میں اپنی رہائش گاہ پر انتقال فرمایا اور دیو بند کی عید گاہ میں تدفین عمل میں آئی۔

علامہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈابھیل کے مدرسہ میں درس دینا شروع فرما دیا۔ جب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لے آئے تو حدیث کا درس

آپ کے ذمہ ہو گیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ ان کے مجوزہ دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد سندھ میں بحیثیت شیخ التفسیر تشریف لے آئے۔ آپ نے ہندوستان سے یہ سفر ۱۶ر جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستانی شہری کی حیثیت سے پرمٹ پر کیا تھا۔

آپ نے دارالعلوم الاسلامیہ میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور پھر ارباب اہتمام سے اختلاف کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد زندگی کے آئندہ لائحہ عمل کی خاطر حجازِ مقدس کا سفر اختیار فرمایا اور وہاں استخارہ کیا۔

حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد کراچی میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم فرمایا۔ یہ مدرسہ ابتداءً ملیسہ میں تھا۔ طلبہ و اساتذہ کو بہت تکالیف کا سامنا تھا۔ ریت کا طوفان ہر وقت اڑتا رہتا تھا۔ پانی کی تکلیف تھی اور وہ جگہ تعلیم و تعلم کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں تھی۔

غالباً عید الاضحیٰ کا دن تھا۔ چند طلبہ جامع مسجد نیو ٹاؤن کے قریب سے گذر رہے تھے۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمارا مدرسہ اس جگہ قائم ہو جائے۔ تو سب سے اچھی بات ہے۔ باہمی صلاح مشورہ کے بعد مسجد میں پہنچے، وضو کیا اور نوافل ادا کیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی مجبوریاں اور معروضات پیش کیں۔ اللہ تعالیٰ نے مصیبت زدہ طالب علموں کی فریاد کو سُنکر قبول فرما لیا اور اس کی سبیل اس طرح بنی کہ اس کے بعد حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سفر پر تھے کہ اسی دوران حاجی محمد یعقوب صاحب مرحوم سابق خزانچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے ملاقات ہو گئی۔ ملاقات کے دوران حاجی صاحب مرحوم نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی کہ آپ اپنا مدرسہ ہماری مسجد (جامعہ مسجد نیو ٹاؤن) میں منتقل کر لیں۔ جب مولانا اس مسجد میں منتقل ہوئے تو یہ مسجد اپنی تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھی اور نمازیوں کے لیے کوئی سہولت و آسانی نہ تھی۔

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بنیادی ضروریات کے لیے سرکاری کوارٹر میں جانا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اس مسجد کی ترقی کا دروازہ کھول دیا۔ اور آج کراچی کی عظیم الشان مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ دیگر یہ کہ مدرسہ کی سادہ لیکن شاندار عمارت مولانا مرحوم کی جد و جہد کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مدرسہ، طلبہ کا قیام، اور ان کے قیام کے جملہ مصارف، لائبریری کے جملہ مصارف محض توکل الٰہی کے ذریعہ پورے ہوتے تھے۔ شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مالدار یا صاحب حیثیت شخص کے سامنے کبھی اپنی مجبوری کا اظہار نہیں کیا۔ انہوں نے، جب بھی ضرورت پڑی اپنے اللہ کی بارگاہ میں عرضداشت پیش کر دی اور خدا وندِ کریم نے ان کے ہاتھوں کو کبھی خالی نہیں، لوٹایا۔

احقر نے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سب سے پہلے اس وقت کی تھی، جب کہ آپ ٹنڈو الہ یار (سندھ) سے مستعفی ہو کر حجازِ مقدس تشریف لے جانے والے تھے۔ اور مدرسہ دارالعلوم رحمانیہ حیدر آباد (سندھ) کے معائنہ کیلئے تشریف لائے تھے۔

اس کے بعد ۱۹۵۸ء میں مدرسہ عربیہ میں داخلہ کے لیے درخواست لے کر جب حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ ہمارے یہاں مزید طلبہ کے داخلہ کی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ رہائش کا انتظام نہیں ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ اپنے مکان پر قیام کروں گا۔

پھر فرمایا کہ ہمارے یہاں کھانے کا بھی انتظام نہیں ہو سکتا۔

احقر نے عرض کیا اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

یہ سُن کر حضرت نے درخواست داخلہ منظور فرما لی اور مولانا عبید الرحمٰن صاحب کی خدمت میں بھیج دیا وہ اس زمانہ میں مدرسہ کے ناظم تعلیمات تھے۔ اس طرح مدرسہ میں داخلہ ہو گیا۔

اس زمانہ میں حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ، حضرت مولانا

عبد الرشید صاحب نعمانی مدظلہ، مولانا قاری عبد الحق صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مرحوم وغیرہ شریک کار تھے۔

مدرسہ کی نظامت حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب کے سپرد تھی۔ نظامت کے ساتھ ساتھ تدریس اسباق بھی ان کے ذمہ تھی۔ مدرسہ کا ایک چپراسی تھا۔ مدرسہ کے احاطہ میں دو کوارٹر تھے، جن میں سے ایک میں حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا اور آخری لمحات تک اسی چھوٹے سے مکان میں قیام پذیر رہے۔ اور دوسرے میں امام مسجد مولانا عبد القیوم صاحب مرحوم رہتے تھے۔

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ گنجائش کے مطابق طلبہ کو داخلہ دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ طلبہ تو کمروں میں رہیں اور کچھ طلبہ مسجد کے صحن میں قیام کریں۔

کمروں میں جتنے طلبہ کے رہنے کی جگہ ہوتی، آپ اتنے ہی طلبہ کو داخلہ دیتے۔ کھانے کا انتظام اچھے سے اچھا کرتے۔ اکثر مطبخ کے کھانے کا معائنہ فرماتے۔

اس وقت کے طلبہ بہت نیک اور تہجد گذار تھے۔ اساتذہ اور طلبہ تین چار بجے از خود بیدار ہو جاتے اور مسجد میں تہجد کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے۔ بعض طلبہ ایسے بھی تھے جو جگانے کے باوجود جماعت سے پیچھے رہ جاتے۔ حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو ایک روز فجر کی نماز پڑھتے ہی تیزی کے ساتھ کمروں میں تشریف لے گئے اور زبانی فہمائش کے ساتھ ساتھ عملی پٹائی بھی کی۔

حضرت شیخ خود نماز با جماعت کے پابند تھے۔ جماعت سے پانچ دس منٹ پہلے مسجد میں تشریف لے آتے۔ اکثر اذان ہوتے ہی مسجد کا رخ فرماتے۔ آخری زمانے میں گھٹنوں میں شدید درد رہنے لگا تھا، جس کی وجہ سے دو چار قدم چلنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اس تکلیف کے باوجود لاٹھی کے سہارے مسجد میں جماعت سے قبل تشریف لے آتے۔

شاگردوں میں سے کسی نے عرض کیا:

حضرت! آپ اس قدر شدید تکلیف میں نماز با جماعت کے مکلف نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ:

"جب نماز کا وقت آتا ہے تو میرے سامنے حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی وہ حدیث مبارکہ آ جاتی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ صبح و شام جس کے پاؤں مسجد کے لیے اٹھتے ہیں۔ اس کے لیے ایک بہت بڑا ثواب ہے"..... آخر میں کیوں اس ثواب کو ضائع کروں"۔

مدرسہ پر مالی کمی کا دور بھی آیا لیکن حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے کبھی اس کا اظہار نہ ہوا اور نہ کبھی مدرسہ کے لیے چندہ کی اپیل شائع ہوئی۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جملہ ضروریات کو پیش فرماتے رہتے۔ شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے پابند تھے۔ اور وہ تہجد کے بعد ہی جملہ حاجات اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش فرما دیتے تھے۔

الحمد للہ محض توکل کے بل بوتے پر آج مدرسہ عظیم الشان عمارت کا مالک ہے۔

مدرسہ میں دورہ تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مدرسہ میں دنیا کے چھبیس ملکوں کے طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ نیو یارک، لندن، پیرس، نیوزی لینڈ، یوگنڈا، نائجیریا، جنوبی آفریقہ، برما، انڈونیشیا، سیلون، سیام، مدینہ طیبہ اور ایران وغیرہ ممالک کے باشندے ہیں۔

اس درسگاہ میں حدیث، فقہ اسلامیہ اور دعوت و ارشاد میں ڈاکٹریٹ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جب جامع ازہر کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر عبد الحلیم محمود کراچی تشریف لائے تو انہوں نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے معائنہ کے دوران یہاں کے طلباء کی تحریر کردہ بعض کتب کا مطالعہ کیا تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ان کتابوں کو مصر میں شائع کرنے کی خواہش

کا اظہار کیا۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

"لوگ مدینہ یونیورسٹی اور جامعہ ازہر کو اتھارٹی تصور کرتے ہیں، میں اپنے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کو اتھارٹی سمجھتا ہوں۔ نہ میں نے اور نہ میرے طلبہ نے کبھی بھی ان یونیورسٹیوں میں داخلے کی خواہش کی، اس لیے کہ میرا نصاب اور میرا نظام ان دونوں اداروں سے بہتر ہے"۔

ڈاکٹریٹ کی تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس درس گاہ میں حدیث، فقہ اسلامیہ اور دعوت و ارشاد میں تخصص (ڈاکٹریٹ) کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فارغ التحصیل طلبہ کو جو مذکورہ بالا شعبوں میں سے کسی ایک میں ڈاکٹر بننا چاہیں، دو سال تعلیم حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں انہیں بیس سے تیس ہزار صفحات تک کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد وہ ڈاکٹریٹ کی سند (ڈگری) کے لیے مبسوط مقالہ سپرد قلم کرتے ہیں جس کی جانچ پڑتال علماء کرتے ہیں۔ اگر ان کا مقالہ معیار کے مطابق ہوتا ہے تو انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاتی ہے"۔

ویسے بھی اس مدرسہ میں جملہ دینی علوم اور عربی زبان و ادب کا درس دیا جاتا ہے۔ مدرسہ عربیہ میں تصنیفی کام کے لیے ایک دارالتصنیف قائم کیا گیا ہے جس میں سر دست چار مصنف کام کر رہے ہیں، یہ دارالتصنیف عربی اور اردو دونوں زبانوں میں کتابیں تیار کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذاتی مشغلہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

"میری زندگی کے دو ہی اہم مشغلے ہیں، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس۔ یہ مدرسہ اور یہ مسجد میری سرگرمیوں کے سب سے بڑے مرکز ہیں یا یہی میری دنیا ہے، اور میں اسی حصار میں گھرا رہتا ہوں۔۔۔ درس و تدریس سے فارغ ہو کر تصنیف و تالیف میں لگ جاتا ہوں"۔

غرضیکہ حضرت کی ذات سراپا علم تھی۔ آپ کی نشست و برخاست، آپ کا چلنا پھرنا علم بن گیا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضری دینے سے بہت سے علمی مسائل حل ہو جاتے تھے اور ایسے بہت سے علمی نکات حاصل ہو جاتے تھے جو برسوں کی محنت شاقہ اور مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے حاصل ہوتے ہیں۔

آپ کی علمی قابلیت، نیکی اور سعادت کو دیکھ کر علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

"میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا، اور علمی مسودات کی ترتیب و تدوین میں میرے ساتھ کام کرو گے"۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حسب الحکم مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سفر و حضر میں ان کے خصوصی خادم بن کر رہے۔ اس صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ بہت سی باتوں میں اپنے شیخ کے مثیل بن گئے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے۔ شاہ جی اٹھے اور معانقہ کے بعد دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چہرہ چوم لیا اور برابر چہرہ دیکھتے رہے۔۔۔۔۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا کہ شاید حضرت شاہ صاحب بھول گئے ہیں اور پہچاننے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یوسف بنوری ہوں، یوسف بنوری"۔۔۔

شاہ صاحب چہرہ کو ٹک ٹک دیکھے جا رہے تھے، سن کر فرمایا:
"مجھے تو انور شاہ کا چہرہ معلوم ہوتا ہے"۔ اور اس کے بعد زار و قطار رونے لگے۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ ایک مرتبہ دیکھی ہوئی کتاب نقش کالحجر بن جاتی تھی، لیکن باایں وصف آپ قرآن کریم کے حافظ نہ تھے۔ جب بھی قرآن کی تلاوت فرماتے بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا۔ بعینہٖ یہی حالت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی کہ آپ جب بھی قرآن سنتے یا تلاوت فرماتے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے۔

ایک زمانہ میں جب کہ مدرسہ زیادہ بڑا نہ تھا، اور حضرت کے اسفار بھی کم تھے، اس فرصت کے دور میں کبھی مغرب کے بعد اور کبھی عشاء کے بعد قرآن مجید کی تلاوت سماعت فرماتے۔ دیگر اساتذہ اور طلباء بھی شریک محفل ہوتے۔ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار رواں ہو جاتے اور آپ رومال سے آنسو پونچھتے جاتے، یہاں تک کہ رومال تر ہو جاتا۔

قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کراچی تشریف لاتے ان سے ضرور قرآن پاک کی تلاوت سماعت فرماتے۔ جامعہ مسجد نیو ٹاؤن میں رمضان المبارک کے لیے بہترین قاری کا انتظام فرماتے۔

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ حافظہ میں حضرت علامہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مشابہ تھے۔ مجلس علمی ملاور کی لائبریری میں کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور گھر آ کر عبارتوں کی عبارتیں نقل فرما لیتے تھے۔

ایک زمانہ میں جامعہ مسجد نیو ٹاؤن کے مرحوم امام مولانا عبدالقیوم صاحب علیل تھے۔ فجر کی نماز خصوصاً اور دیگر نمازیں عموماً مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی پڑھاتے تھے۔ حضرت کو جتنے رکوع فجر میں پڑھنے ہوتے وہ فجر سے قبل ایک نظر دیکھ لیتے اور نماز میں پڑھ دیتے۔

نماز سے قبل اور نماز کے بعد بھی اپنے جوتے خود اٹھاتے۔ اگر کوئی شوقین طالب علم اس خدمت کو انجام دینے کی کوشش کرتا تو اسے بھی موقعہ دے دیتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں عشق الٰہی کی شمع روشن تھی، آپ کی نگاہ میں ہر وہ کام محبوب تھا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہو۔ اس سلسلہ میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

ہر سال حج بیت اللہ کو تشریف لے جاتے۔ کبھی کبھی رمضان کا پورا مہینہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اعتکاف میں گزار دیتے۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ پاکستان میں اللہ کا سچا قانون نافذ ہو جائے اور ہر قسم کے ازم سے مسلمانوں کو نجات مل جائے۔ اسی خواہش میں آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات صرف فرمائے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی، جب بھی موقعہ ملتا آپ حجاز کا سفر کرتے اور مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی میں روضۂ اقدس پر حاضری دیتے۔ آپ نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اندر کی خاک مبارک محفوظ کر رکھی تھی اور وصیت فرمائی تھی کہ مرنے کے بعد یہ میری آنکھوں کا سرمہ بنائی جائے۔ مزار اقدس کے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی آپ نے سنبھال کر رکھا تھا۔ وصیت فرمائی تھی کہ اسے میرے کفن میں سی دیا جائے۔ آپ کے پاس بیت اللہ کی چھت کی لکڑی بھی تھی، اس کے بارے میں بھی وصیت فرمائی تھی کہ "میری قبر میں رکھ دینا"۔

غرضیکہ حضرت کے دل میں اگر ایک طرف عشق الٰہی کی شمع روشن تھی تو دوسری طرف عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا الاؤ روشن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت کا جذبہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے وراثت میں ملا تھا۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی

زندگی کے آخری ایام سارقان ختم نبوت کی سرکوبی اور ان کے باطل مزعومات کی اصلاح کے لیے وقف تھے۔ آپ نے ضعف اور امراض کے باوجود گرم ترین خطہ بہاولپور کا سفر اختیار فرمایا اور عقلی اور نقلی ہر اعتبار سے ختم نبوت کا اثبات اور آئندہ کسی بھی قسم کی ظلی بروزی نبوت کی نفی کے لیے قرآن و حدیث اور آثار سے بے شمار دلائل فراہم کر دیئے۔ قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ انہوں نے جن عبارتوں میں کانٹ چھانٹ کی تھی ان کی نشاندہی کی۔

آخری عمر میں حضرت کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام علماء کو عموماً اور اپنے مخصوص شاگردوں کو خصوصاً اس اہمیت کی طرف متوجہ کیا۔ خود بھی اس موضوع پر اعلیٰ علمی انداز میں تصانیف فرمائیں اور اپنے خصوصی شاگردوں کو بھی اس پر لکھنے کی ترغیب دی اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ختم نبوت کے مسئلہ کو تین حصوں میں مفصل لکھا۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ نے "مسیلمہ پنجاب" تحریر کی۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے "نزول عیسیٰ"، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک الختام فی ختم نبوت خیر الانام، حیات عیسیٰ علیہ السلام، شرائط نبوت وغیرہ وغیرہ تحریر کیں۔

انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور کا سالانہ جلسہ تھا۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پورے شباب پر تھی۔ موضوع تھا ختم نبوت۔ مجمع مسحور تھا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور لوگوں نے کہا کہ بھی بخاری صاحب قادیانیت کے خلاف جو کام کر رہے ہیں اس کا ساتھ دو گے ... لوگوں نے ایمان پرور اور جہاد آفریں نعرے لگا کر ہاتھ اٹھائے۔ اجتماع میں جوش و خروش تھا۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی۔ اور آپ کو امیر شریعت کا خطاب دیا۔

دوسرے نمبر پر بیعت کرنے والے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور تیسرے بیعت کرنے والے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس کے بعد پانچ سو علماء نے بیعت کی۔

حضرت امیر شریعت نے علامہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کیے ہوئے عہد کو تا زیست جوانمردی سے پورا کیا۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرات آتے رہے اور تحریک ختم نبوت کو آگے بڑھاتے رہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ جب ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر آئے تو جماعت پر اس طرح برکات کی بارش نازل ہوئی جس طرح علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی روح لوٹ آئی ہو۔ آپ کی جد و جہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ تصویر کھنچوانے کے خلاف تھے اور اسے اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور میں اسلامی کلوکیم ہوا تھا اس میں شرکت کے لیے عرب، مصر اور شام کے علماء تشریف لائے۔ وہ کراچی میں شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں بھی حاضر ہوئے۔ شیخ کے ساتھ گروپ فوٹو کی کوشش کی۔ شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے برملا اظہار حق فرمایا اور انہیں بتایا کہ یہ شرعاً ناجائز ہے لہٰذا میں تصویر نہیں کھنچواتا۔

شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ طلباء کے لیے شان و شوکت اور کر و فر کو پسند نہ فرماتے تھے۔ وہ طلباء میں سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ طالب علم ظاہری لباس کی ٹیپ ٹاپ چھوڑ کر حصول علم میں لگ جائیں۔ وہ اس کے بھی خلاف تھے کہ طالب علم استری کئے ہوئے لباس استعمال کریں۔

آپ نے روحانی اور اخلاقی اصلاح کے لیے ۱۳۵۲ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور دوسری حاضری ۱۳۵۸ ہجری میں ہوئی۔ اس کے بعد مسلسل اصلاحی تعلق

قائم رہا اور مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت حکیم الامت کی طرف سے ایک مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ توکلاً علی اللہ آپ کو مجاز بیعت مقرر کیا جاتا ہے اور آپ بھی لوگوں کی اصلاح و فلاح کے لیے کام کریں۔

۱۳۵۶ ہجری میں جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سے مشرف ہوئے۔

اس کے علاوہ آپ نے جس خلوص و محبت سے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی وہ مشہور و معروف ہے اور اسی خدمت کی سعادت تھی کہ آپ کو علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا وارث اور ترجمان مانا جاتا تھا۔

علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہونے والی ہر مکتب فکر کے جید علماء کی کانفرنس میں آپ نے بھی شرکت کی اور بائیس نکات کی ترتیب و تدوین میں علماء کا ہاتھ بٹایا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی آپ شریک رہے۔

تصنیفی خدمات

۱- عوارف المنن مقدمہ معارف السنن، عربی میں مصر سے شائع ہو رہا ہے۔

۲- معارف السنن شرح جامع ترمذی (عربی) جلد اوّل مطبوعہ ۲۰ر شوال ۱۳۸۴ ہجری بڑے سائز کے کل صفحات ۵۴۴

۳- معارف السنن جلد دوم کل صفحات ۵۰۱، عربی ٹائپ میں سفید کاغذ پر عمدہ طبع ہوئی ہے۔

۴- معارف السنن جلد سوم ۳ر رمضان ۱۳۸۶ ہجری کو عربی ٹائپ میں ۵۴۴ صفحات پر طبع ہوئی۔

۵- معارف السنن جلد چہارم ۱۳۸۸ ہجری میں طبع ہوئی، کل صفحات ۵۰۰

۶- معارف السنن جلد پنجم ۱۳۸۹ ہجری میں طبع ہوئی کل صفحات ۴۴۳

۷- معارف السنن جلد ششم ۱۹۶۸ء میں طبع ہوئی کل صفحات ۵۰۰

۸- بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ و المحاریب (عربی) جو ۴۲ سال قبل مصر میں شائع ہوئی تھی۔

۹- یتیمۃ البیان فی مشکلات القرآن، مطبوعہ دہلی۔

۱۰- نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ انور، عربی (علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحیات) جو دہلی اور کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۱- تسخیر کائنات اور اسلام۔

۱۲- ختم نبوت

ان کتب کے علاوہ آپ نے بعض کتب پر مقدمے تحریر فرمائے جو خود مستقل تصنیف ہیں۔

۱- مقدمہ فیض الباری شرح بخاری مطبوعہ قاہرہ

۲- " مشکلات القرآن

۳- " عبقات

۴- " عقیدۃ الاسلام بر نزول عیسیٰ علیہ السلام

۵- " نصب الرایہ تشریح احادیث الهدایہ مطبوعہ قاہرہ۔

۶- مقدمہ مقالات الکوثری مطبوعہ قاہرہ

آپ کا وصال ۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۷ ہجری مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء صبح پانچ بجے بروز پیر دل کا دورہ پڑنے سے راولپنڈی میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۱ سال ۴ ماہ تھی۔ پونے نو بجے جنازہ راولپنڈی سے کراچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں پہنچا، اور ساڑھے نو بجے حضرت ڈاکٹر عبدالحی خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد دارالحدیث میں زیارت کے لیے رکھ دیا گیا۔ زیارت کرنے والوں کا بے قابو ہجوم تھا جس میں سے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ پہلے وہ زیارت کا شرف حاصل کرے۔ تقریباً ساڑھے دس بجے منتظمین مدرسہ

نے دروازہ بند کر دیا اور نعش تدفین کے لیے لے گئے۔ مسجد کے دائیں طرف ایک گوشہ میں علم و فضل کے مجسمہ کو ہمیشہ کے لیے سلا دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مخلصین نے کافی غور و خوض کے بعد حضرت کی جانشینی اور مدرسہ کی خدمت کے لیے ایک سہ رکنی کمیٹی بنا دی جو باہمی خلوص اور محبت سے حضرت کی اس عظیم امانت کی حفاظت اور خدمت کا فریضہ انجام دیگی۔ سہ رکنی کمیٹی میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

۱۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب۔

۲۔ مولانا قاری حبیب اللہ صاحب۔

۳۔ مولانا سید محمد بنوری صاحب۔

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے صاحبزادے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور مدرسہ کے نائب مہتمم ہیں۔

مولانا قاری حبیب اللہ صاحب، حکیم مختار احمد دہلوی صاحب کے صاحبزادے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن اور مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔

مولانا سید محمد بنوری صاحب، حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے داماد مولانا محمد طاسین صاحب مجلس علمی کراچی کے ناظم اور مسجد کمیٹی جامع مسجد نیو ٹاؤن کے صدر ہیں۔

زوجۂ اولیٰ کا وصال ہو چکا، ان کے بعد عقد ثانی فرمایا جن سے ایک صاحبزادے سید سلیمان بنوری ہیں جن کی عمر تقریباً پونے دو سال ہے۔

حضرت شیخ بنوری نہایت متواضع، منکسر المزاج، مہمان نواز، غریب پرور اور حاضر طبیعت کے مالک تھے۔ مولانا کی ذات جامع صفات تھی۔ علمی تبحر، وسعت معلومات، غضب کا حافظہ، عربی ادب اور علوم ادبیہ میں مکمل دسترس تھی۔

عربی نثر نگاری میں قدیم و جدید دونوں اسلوب پر گرفت تھی۔ عربی شعر و شاعری کا ایسا ملکہ کہ قریبی احباب سے ذاتی خط و کتابت بھی عربی نظم میں فرماتے۔ کتابوں کا ایسا عمدہ ذوق اور ایسی تشنگی کہ آخر وقت تک دنیا کے کتب خانوں سے چن چن کر کتابیں جمع فرماتے رہے اور ایک نہایت عمدہ لائبریری بھی اپنے آثار میں چھوڑ گئے۔ طبیعت میں روانی آ جاتی تو صدہا عربی و فارسی قصائد و اشعار سناتے لگ جاتے۔ طبیعت میں بلا کا سوز و گداز تھا۔ دین کے اضمحلال اور زوال پر آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔

دمشق کی مجلس علمی، قاہرہ کے مجمع البحوث الاسلامیہ اور مکہ معظمہ کے رابطہ عالم اسلامی کی کئی مجالس کے ممبر منتخب ہوئے۔

دین اسلام کی اشاعت پر خواہ وہ کسی صورت میں ہو، خوش و خرم ہو جاتے۔ غرضیکہ حضرت مرحوم علوم کے جامع اور تواضع و انکساری میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔

******

نہایت پائیدار اور معیاری

دینی مدارس کے لیے

چھوٹے، میچ

میچ مکس

سکول ٹاٹ

خاص رعایت

قریشی سنز ۱۲۔اے جہال روڈ ساہیوال

فون ۲۵۷۰

ایک مجاہد عالم

مولانا بشیر احمد حامد رحیم یار خان **

اس بن جہاں کچھ نظر آتا ہے اندر ہی ہے گویا وہ آسمان نہیں وہ زمین نہیں

شب غم :- کوئی چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ جب ہماری منّی نے مجھ سے کہا کہ ابو جان میں نے رات عجیب خواب دیکھا ہے۔ یہ دیکھا ہے کہ مولانا بنوریؒ نے میرا امتحان لیا ہے اور مجھ سے عربی کی کتاب سنی ہے۔ اور میں جب امتحان دے کے فارغ ہوئی۔ تو لڑکیاں مجھ سے پوچھتی ہیں کہ یہ کون ہیں میں کہتی ہوں یہ دنیا ہیں اور دنیا..... منّی پوچھنے لگی ابو یہ کیا خواب ہے۔ میں نے بتایا بیٹی شائد اللہ تعالیٰ علم دین ایسی بے بہا نعمت سے تیرا دامن بھرے گا۔ اور وہ ہستی جس نے تمہارا امتحان لیا ہے۔ وہ واقعی اپنے زمانے کا امام ہے اور تمہارا معصومانہ ادراک بجا و درست ہے۔ کہ وہ دنیا ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا شرفِ قبولیت جب کسی کو رفعتوں کے بام ثریا پر براجمان کرتا ہے تو اس ایک جان میں پورا عالم سمو دیتا ہے — پھر کئی ماہ گذر گئے کہ ایک صبح منّی کہنے لگی میں نے رات خواب دیکھا ہے جو بہت ہی عجیب ہے۔ یہ دیکھا ہے کہ قحط پڑ گیا لوگ کہتے ہیں قحط پڑ گیا پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے آگ برسنے لگی ہم سب بھاگ بھاگ کر اندر گھس گئے۔ آگ بے تحاشہ برس رہی تھی کہ اس میں چاند کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گرا جو نہایت ہی خوبصورت اور سنہری رنگ کا ہے۔ میں نے لپک کر اٹھا لیا اور امی کو دکھانے دوڑی کہ چاند سے سونے کا ٹکڑا گرا ہے۔ منّی نے پوچھا ابو یہ کیا خواب ہوا۔ اور قحط کیا ہوتا ہے اور وہ کیسے پڑتا ہے۔ میں نے اسے قحط کا مطلب سمجھا دیا اور تعبیر کے بارے میں کہا اللہ تعالیٰ بہتری کرے پھر کسی وقت سوچ کے بتاؤں گا۔ اس کے دوسرے روز دوپہر کر جب دروازے پر دستک دینے والے نے مجھے جاں گزا سنائی تو عین اس وقت جب کہ مہر عالمتاب پوری تابانی سے ضوفشاں تھا شب غم کی وہ کالی رات چھا گئی جو تیرہ تر ہے۔ دراز تر ہے مہیب تر ہے اور تا دم حیات امید نظر نہیں آتی کہ اس میں کبھی صبح کی کوئی کرن پھوٹے گی۔

"ثبات کا ہے گویا کوئی دن اور" واللہ المستعان وهو العزیز الحکیم ۔

"یہ جوئبار یہ دریا یہ بے قرار بھنور
یہ کس کے گریۂ ماتم کی بات کرتے ہیں!!"

میں نے منّی کو بتایا کہ بیٹی تمہارے خواب کی تعبیر آ گئی۔ قحط پڑ گیا دبستانِ عالم اجڑ گیا۔ آسمان سے آگ برس گئی! خیابانِ آرزو جل کر راکھ ہو گیا! چاند ٹوٹ گیا عالم تو رہے۔ انسان ظلمات میں ڈوب گیا! مدرسۂ حدیث کی نشاط جاتی رہی! عربیت کی محفلوں پر اوس پڑ گئی! درِبانِ علم و معرفت میں اندھیرا چھا گیا! تزکیہ و تربیت کی شادابیاں رعنائیاں رھینِ خزاں ہو گئیں! تقوے کی انجمن اپنی رونق اپنی زیبائی کھو بیٹھی!

ع "ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا" وہ امام جو اکیلا ہی اپنی ذات میں دنیا تھا اور بیٹی جس نے تم سے طریقۂ جدیدہ سنی تھی اس نے رفیقِ اعلیٰ کو لبیک کہا اور دلبستگانِ عقیدت و خوگرانِ محبت کو رھینِ شبِ ہجراں کر گیا۔

ع "وہ جو بیچتے تھے دوائے دل ۔ وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔"

— آہ! دجالی فتنوں کی لرزہ اندازی تھم گئی! شیطنت محوِ رقص ہو گئی! باچھیں کھل گئیں شہنائیاں بجنے لگیں۔ گھی کے چراغ جل گئے۔

ع ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کے سامنے کس کے
رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

— والھفتاہ! واحسرتاہ! صدمے کا وہ پہاڑ ٹوٹا ہے کہ دل و دماغ کو فکر و خیال کو تحمل کا یارا نہیں۔

"عافیت کنارہ کرلے انتظام چل — سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج!"

حضرت الاستاد سے میرا تعلق

میں ان طلبا میں سے ایک تھا جنہیں حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمہ کیمبلپوری کی دلربا اور پرکشش شخصیت نے خیر المدارس ملتان سے ٹنڈوالہیار کھینچا تھا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اسوہ نبوی کے قالب میں یوں ڈھلے ہوئے تھے کہ جب وہ شمائل ترمذی پڑھاتے تھے۔ تو سیرت طیبہ کی کیفیات یوں لگتا تھا۔ جیسے یہ خود ان کی اپنی حکایات و واقعات ہیں ان کا دیکھنا ان کا بولنا۔ ان کی گفتگو ان کا تبسم۔ ان کا چلنا۔ دائیں بائیں مڑ کر دیکھنا چلتے چلتے ٹھہرنا۔ ٹھہر کر پھر چلنا۔ بیٹھے ہوئے اٹھنا اور کھڑے ہوئے بیٹھنا، نگاہ، نیچی رکھنے کے لئے سر جھکانا اور سامنے دیکھنے کے لئے سر اٹھانا غرض کیا کہوں کوثر تسنیم میں دھلی ہوئی اس سیرت و صورت کی ایک ایک ادا کس قدر موزونیت

اور کس بلا کا حسن اور زیبائی لئے ہوئے تھی۔

"سرو یا گل آنکھ میں جچتے نہیں۔ دل پر ہے نقش اس کی رعنائی بہت"

دوسرے استاذ حضرت علامہ مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے علم و فضل تقویٰ و احسان سارے کا سارا اٹھا کر ایک مختصر سے خوبصورت پیکٹ میں بند کر دیا گیا ہو۔ دہانِ مبارک ایک ابلتا ہوا چشمہ تھا جس سے ہر لمحہ علم و معرفت کی آبشاریں پھوٹتی رہتی تھیں۔ جو گوہرِ عرفان و فضل اس کثرت اور اس قدر بے بہا بکھیرتے کہ دامانِ طلب اپنی کوتاہ دامانی و بے مائیگی پر حسرت کناں رہ جاتا یہ مختصر سا وجود علم کے کتنے سمندر اپنے سینے میں سمیٹے ہوتے ہیں؟ کوئی اندازہ نہ کر سکتا تھا فانت مثلک باھیتہ الکرام بلہ ؛ وردت سخطاً علی الایام رضواناً عقابی نگاہیں لئے اس قدر متعدد اور حساس کہ کیا مجال جو ایک چیونٹی بھی کمرے کے اندر ان کی بے خبری میں رینگ جائے طلبہ ان کے سبق میں جانے سے پہلے ایک خاصا وقت اپنی ہیئت کذائی پر لگاتے کنگھی کرتے رومال یا پگڑی وغیرہ سلیقے سے باندھتے ٹوپی قرینے سے رکھتے لباس سنوارتے آئینہ دیکھتے بایں ہمہ جب درسگاہ میں جاتے تو شاذ و نادر ہی کوئی طالب علم ان کی نظرِ عتاب سے بچ سکتا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک صرف ایک آدھ منٹ میں سب کی خبریں ڈالتے۔ لیکن اس پیارے اسلوب سے کہ لبوں پر تبسم چہرے پر شفقت نمایاں، الفاظ سوز میں ڈوبے ہوتے اور لہجہ احساس آفریں دراصل وہ طلبہ کو بہر عنوان بہت بلند معیار پر دیکھنے کے آرزومند تھے۔ لیکن طلبہ ہمارے جیسے کندۂ ناتراش ان کی ان مربیانہ نزاکت آرائیوں کے تقاضے کیا جانیں۔ اور ان کی پاک بین نگاہوں کا بانکپن کیا جانیں؟! چنانچہ طلبہ کے نفسِ تن آسان کو یہ کڑی نگرانیاں بسا اوقات شاق گزرتیں!

حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ بخاری جلد ثانی اور ابن ماجہ پڑھاتے تھے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بخاری جلد اول اور ترمذی پڑھاتے تھے۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد کے لئے ایک تیسرے استاذ کا انتظام ہو رہا تھا، ذوالحجہ ختم ہوا، محرم گزرا اور صفر کے ماہِ کامل کا شباب بھی ڈھل چلا کوئی نہ آیا نہ گیا! حضرت! کسی اور استاذ کے سپرد کر دیں سال آدھا بیت گیا اور دو بڑی کتابیں ابھی چھو کر بھی نہیں دیکھیں! طلبہ نے حضرت مولانا بدر عالم کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کیا! فرمایا، عزیز طلبہ! میں یقیناً تمہارے لئے کوئی دوسرا استاذ مقرر کر دیتا۔ اگر میں ان کی آمد سے مایوس ہوتا۔ لیکن اگر مجھے ان کے آنے کی امید ہے۔ تو میں تمہیں ایک ایسے محدث و محقق کے فیضانِ علم و فضل سے کیسے محروم کر دوں۔ جس سے بڑا محدث میری دانست میں اس وقت اکنافِ عالم میں نہیں ہے۔ وہ عمر میں چھوٹا اور علم میں بہت بڑا ہے۔ تم تو تم رہے میں خود اپنے لئے ان کے تلمذ کو فخر و سعادت گردانتا ہوں۔ اگر وہ رجب میں بھی آئیں تب بھی تمہارے اسباق انہی کے لئے مخصوص رکھوں گا۔ اور ان کے افتخارِ تلمذ سے تمہارے دامن کو بہرہ مند کر کے رہوں گا! طلبہ پھر محوِ زحمتِ انتظار ہو گئے۔ آج کی رات بڑی حسین تھی۔ ماہِ نو افق پر محبوب کا ابرو بن کر چمک رہا تھا۔ طلبہ اور اساتذہ اسٹیشن پر تسبیح کے دانوں کی طرح لمحہ لمحہ گن رہے تھے اسے لمبا انتظار کا آخری لمحہ بھی رہینِ ماضی ہونے کے لئے حال کے دامن میں سمٹ آیا آفتاب کا سا چہرہ لئے ہوئے ایک وجیہہ اور موزوں قامت شخصیت گاڑی سے یوں جلوہ آرا ہوئی۔ جیسے ڈھلی ہوئی فضا میں طلوع کے وقت ماہِ کامل نیل گوں افق کا نقاب الٹا دے۔ خنداں چہرے پر مسکراہٹیں مچلتی ہوئی مگر جلالت و وقار کا یہ عالم کہ نظر بھر کر دیکھنے کا نگاہوں میں حوصلہ نہ تھا۔ اشتاقہٗ لما بدا ۔ اطرقت من اجلالہ ۔

حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہاں آدابِ مجلس، وضع قطع بول چال اور میل ملاپ میں لکھنؤ والوں کا سا رکھ رکھاؤ تھا۔ وہ آج ایک ایسے نوخیز بچے کی مانند تھے جس کو جوانی کے ابھی پہلے ہی سال نے آغوش میں لیا ہو۔ بے خودی کا عالم طاری ہے۔ طلبہ کے ساتھ معانقہ کر رہے تھے۔ لیکن تمام آداب و تکلفات بالائے طاق رکھ کر کئی کئی طلبہ کو بیک وقت باہوں میں لے لیتے ہیں۔ ایک اور کو لینے کے لئے باہیں پھیلا دیتے ہیں۔ دباؤ سے آگے والے طلبا گر جاتے ہیں۔ تو خود بھی گرنے سے نہیں بچ سکتے ہیں! بڑی بے تکلفی سے کپڑے جھاڑتے ہیں۔ اور پھر محوِ تفریح ہو جاتے ہیں۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے وفورِ شادمانی اور مسرتوں کے ہجوم کا جن سے حضرت مولانا بدر عالم صاحب یکایک مسرور و شادکام ہوئے تھے۔ اور کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب کی مولانا بنوری صاحب سے اس محبت کا جس کی غمازی بے خودی کی یہ کیفیات کر رہی ہیں۔ حضرت مولانا بچوں سمیت آئے تھے۔ طویل سفر طے کیا تھا۔ چہرہ پر سفر کی وجہ سے تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن معلوم ہوا کہ صبح ہی اسباق شروع ہو جائیں گے۔ حضرت مولانا کی بارعب شخصیت کا سامنا کرتے ہوئے دل کانپتا تھا! جانے کتنا سخت ڈانٹا کریں گے مولانا بدر عالم صاحب کی درسگاہ میں اگر آدھ منٹ بھی تاخیر سے پہنچے ہیں تو جواب طلبی ہوتی ہے۔ وہ کبھی باہی طور کہ آنے والے سے پوچھتے ہیں! مولانا آپ کیا پڑھتے ہیں؟ طالب علم آہستہ سے کہتا جی! دورہ حدیث، واہ! باطل کو یوں للکارو گے۔ مردوں بولا کرتے ہیں! جوانمردوں کی طرح بولو! ہاں! تو بخاری شریف پڑھتے ہو نہ تم؟... جی! ... تو دیکھئے مولانا! بخاری شریف پڑھنے والے غفلت کے روادار نہیں ہوتے وقت کی ٹھیک ٹھیک رعایت علماء نہیں کریں گے تو کون کرے گا! چند ماہ بعد تمہیں ایک جائے نماز مل جانے والا ہے جس کا نام سند ہوگا۔ پھر ہم تم برابر۔ تم بھی مولانا ہم بھی مولانا! اس لئے دل ہی دل میں ڈرتے تھے کہ تنبیہات کا انداز اس سے بھی سخت ہوا تو کیا ہوگا؟ صبح ہوتی درس گاہ میں گئے لیکن ہمارے تصورات سے بالکل مختلف یہاں اور ہی منظر تھا۔ چہرے پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔ لب تبسم آمیز ہیں۔ طلبہ کی نفسیات کو پڑھ لیا ہوا ہے۔ اجنبیت کی دیوار ہٹا دی ہے۔ گردشِ دوراں کو پیچھے لوٹا لائے ہیں۔ اور طلبہ کی جماعت میں آ بیٹھے ہیں۔ نوعمری طلبہ سے کیسی کیسی معصومانہ حماقتیں کرواتی ہے اس کے لئے اپنے بچپن کی طفلانہ

سادگیوں کے دلچسپ لطیفے سنانے شروع کر دیتے ہیں۔ خوب ہنسے اور خوب ہنسایا طبیعت کو نشاط مل گئی تازگی مل گئی بوجھ اتر گیا۔ گرانی دور ہو گئی۔ فرق مراتب کے فاصلے ہٹا کر پہلے ہی روز بے گانگی کو یوں دور کر دینا جس سے استفادہ بہت آسان ہو جائے۔ حضرت الاستاذ کی سیرت مبارک کی یہی وہ حسین ادا تھی جو اولیں ملاقات میں سامنے آئی اور دل سے پار ہو گئی۔ اور میرے دوران تعلیم کے ساتھی مولوی محمد حسن (کہ ہم نے عرصہ تعلیم کے کئی سال اکٹھے گزارے تھے) کہنے لگے کہ حضرت کی خدمت کرنے کی سعادت میں کوئی طالب علم ہم سے انشاء اللہ سبقت نہیں لے جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ٹنڈو الٰہ یار میں کوئی طالب علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس سعادت میں ہم سے سبقت لے گیا ہو۔ کراچی میں رہتے ہوئے مجھے دو سال حضرت کی خدمت میں گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسرے سال کے آخر میں میں بیمار پڑ گیا تھا۔ بہر حال اس عرصہ میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سعادت میں کسی نے مجھ سے سبقت حاصل کی ہو! کراچی کی آب و ہوا مجھے راس نہ آئی تھی۔ اس لئے دوسرے سال کے اختتام سے کچھ قبل ہی حضرت نے مجھے اجازت دے دی کہ آب و ہوا کی تبدیلی ضروری ہے۔ رخصت کے وقت فرمایا کہ تدریس کی غرض سے اگر کراچی آنا چاہیں تو جگہ بنا دوں؟ میں نے عرض کیا حضرت! نہ جانے مرض کتنا طول کھینچے طبیعت کب سنبھلے اور ممکن ہے یہ سال کمزوری دور ہونے کے انتظار ہی میں گزارنا پڑے۔ اس کے بعد میں انشاء اللہ خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کر دوں گا!

"اے خوشا حال انہوں کا کہ کوچہ میں ترے۔ خاک پنڈے پہ ملے بیٹھے ہیں آسن مارے"

ان دنوں میں ذہناً "جماعت اسلامی" سے وابستہ تھا۔ بس یہی نحوست مجھے لے بیٹھی کہ طبیعت سنبھلنے کے بعد رحیم یار خاں میں "جماعت اسلامی" کے ایک ہائی سکول میں ملازمت کی پیشکش قبول کر لی حضرت کو لکھا تو بہت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تعلیمی کام میں جب لگنا ہی تھا۔ تو یہاں کیوں نہیں آ گئے! مجھے اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔ ہائی سکول سے استعفاء دیا حضرت کو لکھا اور اپنی حاضری کے لئے درخواست کی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آ جائیے! لیکن شومئی قسمت رحیم یار خاں کی سرزمین بیڑیاں بن کر پاؤں سے چمٹ گئی! اور میری سعادت مندی کی راہ میں رکاوٹ پر رکاوٹ کھڑی ہوتی چلی گئی!! لیکن تمام رکاوٹوں میں بنیادی حیثیت اسی جماعتی وابستگی کو حاصل ہے جس نے بہت سے دینی امور کی اہمیت ہی دل سے نکال دی تھی۔ حتی کہ علماء اسلام خصوصاً اکابر دیوبند سے عقیدت اور لگاؤ گھٹتے گھٹتے نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ کیونکہ یہ چیز جماعتی وابستگی کے لازمی اثرات میں سے ایک ہے۔ اس عرصہ میں اگر کوئی چیز میرے دامن میں باقی رہ گئی تھی تو وہ صرف حضرت الاستاذ کی محبت و عقیدت تھی۔ جو بڑھتی تو رہی لیکن کم نہیں ہوئی۔

" بزم دشمن میں کبھی نہ جی سے اترا
پوچھنا کیا تیری زیبائی کا!"

ورنہ کوئی سعادت مندی ایسی نہیں ہے جس سے میری اسی جماعتی، وابستگی نے مجھے محروم نہ بنا دیا ہو۔

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک ہیں
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

حضرت اپنے مخطوطات مجھے پڑھنے کو دیتے تھے۔ حضرت کی خواہش تھی کہ ترتیب مسودات کی سعادت مجھے بخشیں! واحسرتاہ!! تقدیر کو میری جماعتی وابستگی اور سعادت کو یکجا دیکھنا گوارا نہیں تھا۔ پھر بھلا میں اس سعادت سے اپنے دامانِ خوش بختی کو کیونکر بھر سکتا۔

"بے تعلق سے دل کی یہ حالت میری اب تو کہ میں
چار سو پھرتا ہوں اپنے گھر میں گھبرایا ہوا۔"

"یوں زندہ ہیں جیسے کوئی۔ خواب پریشان دیکھ رہے ہیں"

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۔ ٹنڈو الٰہ یار کا عرصہ مختصر سا تھا۔ اس قلیل عرصہ میں سیرابی کہاں ہوتی البتہ تشنہ کامی میں شدت ضرور پیدا ہو گئی! گھر میں جی نہ لگتا، جی چاہتا تھا کہ اڑ کر حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ نیز میرا ماضی دو عظیم صدمات کی چوٹ کھا چکا تھا۔ یہ کہ میرا عرصۂ تعلیم ان ایام پر مشتمل ہے۔ جب تقسیم ملک کی ہنگامہ آرائیوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی اندریں حالات مدارس میں تعلیم کا معیار ناگفتنی حد تک خراب ہو کے رہ گیا تھا۔ اور یہی عرصہ میری زندگی کے اس مرحلہ میں آ پڑا۔ جب کہ بچپن کی معصومیوں نے ابھی رخت سفر باندھا نہیں تھا۔ ادھر جوانی کی سرمستیاں درون خانۂ شعور میں انگڑائی بھی لینے لگیں تھیں۔ فہم و خیال میں نہ بچپن کی سادگی ہی باقی رہی تھی۔ اور نہ جوانی کی پُرسالی کی پُرکاری نے ابھی قرار پکڑا تھا۔ شعور کی دنیا میں ایک کشمکش سی برپا تھی۔ بچپن کی معصومیاں شعور کو اپنی آغوش میں لئے رکھنا چاہتی تھیں اور شباب کی نشاط آفرینیاں اپنی عملداری کا سکہ جمانا چاہتی تھیں اسی افراتفری میں میرا تعلیمی عرصہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ اور میں دورہ حدیث میں پہنچ جاتا ہوں۔ مولانا بدر عالم صاحب کی احساس آفریں تنبیہات نے شعور میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں تو بالکل بے صلاحیت اور ہر قسم کی لیاقت سے بے بہرہ محض ہوں۔ کسی بھی فن سے کوئی سی مناسبت صحیح معنوں میں ہو سکی ہی نہیں، تب سابقہ کوتاہیوں پر ندامت کے ساتھ تلافئ مافات کا احساس ہوا۔ اختتام سال پر واپس گھر آ کر پہلی فرصت میں اپنی اس الجھن کو حضرت مولانا کی خدمت میں لکھ بھیجا حضرت مولانا نے انتظار کرنے کا فرمایا۔ اس اثناء میں حضرت مولانا کے مکتوب کراچی سے معلوم ہوا کہ آپ دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار کو خیرباد

کہہ چکے ہیں اور کراچی میں تعلیمی ادارہ کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں پہلا شخص تھا۔ جس نے مستقبل کے اس عظیم ادارہ کا اولین طالب علم بننے کی آرزو کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا نے مزید انتظار کا کہا اور اس عرصہ میں حضرت مولانا دعا اور استخارہ میں مصروف رہے۔ خاص اسی غرض سے کئی بار بیت اللہ کا سفر کیا اور بیت اللہ الحرام کے پردے پکڑ پکڑ کر دعائیں مانگیں۔ حضرت کا معمول تھا کہ کوئی معمولی سا کام بھی بجز استخارہ نہ کرتے تھے۔ اور ہمیں ہر معاملے میں استخارے کی بے حد تاکید فرماتے تھے۔ بلکہ کئی دفعہ مختلف امور میں عملاً استخارہ کروایا بھی تاکہ ہم اسے عادت اور معمول بنا لیں اور فرماتے تھے کہ مسنون استخارہ کا وقت کی تعین یا خواب وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں جب کوئی کام پڑے دو رکعت نماز پڑھو دعائے استخارہ پڑھو اور کام میں لگ جاؤ اگر وہ کام تمہارے لئے نفع بخش ہے۔ تو قدرت کی طرف سے اسباب موافق بنتے چلے جائیں گے۔ اور رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں گی۔ اور اگر اس کام میں انجام کے لحاظ سے کوئی خیر مضمر نہیں ہے۔ تو رکاوٹیں پڑ جائیں گی۔ اور حالات ناسازگار ہو جائیں گے رجحانِ طبیعت بھی ایک سبب ہے۔ منجملہ اور اسباب کے اور اگر اوقات میں فرصت ہو تو ایک دفعہ پر اکتفاء نہ کرے۔ بلکہ مطلوبہ کام کے آغاز و ترک تک عموماً استخارہ کرتے رہنا چاہیئے اور فرماتے تھے کہ اگر فرض نمازوں اور سنتوں کے بعد دعائے استخارہ پڑھ لی جائے اور علیحدہ دو نوافل برائے استخارہ کا اہتمام نہ بھی ہو سکے تو بھی کافی ہے۔ اگر وقت ایسا آ پڑے کہ دو رکعت کی گنجائش بھی نہ پائے جیسے مکروہ اوقات میں یا کسی مجلس میں بلا تاخیر اپنے فیصلے کا نفی یا اثبات میں اظہار کرنا ہے تو فقط دعائے استخارہ پڑھ لینا ہی کافی ہو جائے گا۔ یہ سارے استنباطات صلوٰۃ استخارہ کے سلسلہ میں مروی حدیث مبارک سے فرماتے تھے۔ جس کی تفصیل کی اس سلسلہ کلام میں گنجائش نہیں۔

حضرت مولانا کا ارادہ یہ تھا کہ مستقبل قریب میں دنیا کے نقشے پر پیدا ہونے والے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور جغرافیائی انقلابات بالخصوص نوزائیدہ حکومت پاکستان کے دینی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اسلامی نظام تعلیم کے ایسے خاکے پر عمل کیا جائے جو اس بارے میں پیش آمدہ تعلیمی، تبلیغی اور تربیتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہو۔ جیسا کہ اسلافِ دیوبند نے ایک صدی پہلے اس وقت کیا تھا۔ جبکہ مغربی قوموں کی یلغار نے عالم انسانی کو گمراہی کی اس نئی راہ پر ڈالا تھا۔ جس سے وہ اب تک آشنا نہ تھے۔ اور اس ظلم و ضلالت کو دوام بخشنے کے لئے دنیا کے تہذیبی تمدنی اور سیاسی نقشے پر بالکل نئے خطوط کھینچنے پر عمل پیرا ہیں۔ لہٰذا علماء کی ذمہ داریاں ایک نئے زاویے سے پہلے کی نسبت بہت زیادہ بڑھ جائیں گی ان کا سامنا کرنے کیلئے پہلے سے کہیں زیادہ مسائل کھڑے ہوں گے۔ اور غیر متعارف عنوان لئے ہوں گے۔ لہٰذا درس نظامی کافی نہیں ہے۔ کہ ان انقلاب انگیز حالات کے تقاضوں پر پورا اترے اور نئے پیدا ہونے والے گوناگوں مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت و لیاقت سے طلبہ کو بہرہ مند کر سکے۔ حضرت مولانا کی خواہش یہ تھی کہ نصاب تعلیم کو از سرِ نو مرتب کیا جائے، فقہ اور اصول فقہ کی درسی کتب کو نئی ترتیب دی جائے۔ اور ان کے اسلوب کو آسان سے آسان تر بنایا جائے۔ ایک طالب علم کو متن کے غوامض و مشکلات کے حل کرنے میں قیمتی وقت صرف کرنے کے بجائے پوری توجہ ذہانت اور وقت فن کے حصول و ضبط اور اخذ و درک پر لگانا چاہیئے۔ مشکل پسندی کا دور اب نہیں رہا۔ متنِ کتاب کے ذریعہ کسی فن میں پہیلیاں بجھانا حصولِ علم میں کبھی مفید تھا۔ مگر اب نہیں، کتاب العتاق اور مسائل کی وہ صورتیں جو ماضی کے معاشرے سے تعلق رکھتی تھیں اور اب عملاً ان کا وجود نہیں ہے ان کی جگہ مسائل کی ان صورتوں کو دی جائے جن سے مسلم معاشرے کو منڈی اور بازار میں عدالت اور کچہری میں کھیت اور کارخانے میں دفتر اور میدان سیاست میں شبانہ روز واسطہ پڑتا ہے۔ تاکہ فارغ التحصیل طلبہ معاشرے کے خلافِ شرع معمولات پر قدغن لگا سکیں۔ اور بروقت مناسب راہنمائی کر سکیں اور متبادل عملی صورتیں تجویز کر کے دے سکیں۔ جبکہ معاشرے کی اصلاح کا اس سے زیادہ مفید و مؤثر ذریعہ کبھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ قدیم فلسفہ اور علم الکلام کو نصاب سے بالکل ہی خارج کر دینا چاہتے تھے علم کلام کی تدوین نو کے قائل تھے۔ جو موجودہ دور کے ملحدین اور دجالوں کے نظریات کا ابطال کرنے والا ہو۔ اور مغربی سائنس دانوں، فلسفیوں اور مفکروں کے باطل نظریات اور پیدا کردہ شکوک کا ازالہ کرنے والا ہو۔ منطق کا بالکل ہلکا پھلکا سا نصاب باقی رکھنا چاہتے تھے۔ باقی تمام کتبِ منطق کو نصاب سے خارج کرنا ضروری گردانتے تھے۔ ادب عربی پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے۔ نحو میں کافیہ منطق میں سلّم العلوم اور معانی میں مفتاح العلوم وغیرہ کتب کو درسی کتب کے طور پر سخت ناپسند فرماتے تھے۔ شرح جامی اور مختصر المعانی کے متعلق فرماتے تھے کہ دونوں منطق کی بڑی عمدہ کتابیں ہیں۔ نحو و معانی کی نہیں۔ سائنس تاریخ جغرافیہ ریاضی اور اردو ادب وغیرہ فنونِ حاضرہ کو نصابِ تعلیم میں مناسب مقام دینا چاہتے تھے۔ جس کے لئے سکولوں کالجوں میں رائج نصابی کتب نہیں بلکہ عربی درسیات کے مزاج سے مناسبت رکھنے والی کتب کی تدوین ضروری سمجھتے تھے۔ وہ حدیث کی تعلیم کو ابتدائی درجات سے لازم قرار دینا چاہتے تھے۔ کتاب الرقاق، کتاب الاخلاق، کتاب الآداب اور کتاب الدعوات وغیرہ احادیث پر مشتمل ترتیب دی ہوئی کتب، ابتدائی درجات میں داخل نصاب کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ اسوۂ نبوی آغازِ تعلیم ہی سے طلبہ کے عمل کا معیار قرار پائے۔ اور انہیں بجا طور پر احساس تھا کہ ترتیب نصاب کا یہ عظیم کام کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ محققین علماء کا ایک بورڈ ہی اس مہم سے

عہدہ برآ ہو سکتا ہے اس کے لئے وہ علماء سے مشورے کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ مشرقی پاکستان گئے ہوئے تھے۔ اور اس موضوع پر مشاورت جاری تھی۔ کہ رات کو خواب میں خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کا بکیفیتِ خاص اعلان کرتے ہوئے دیکھا تو رجحان یک لخت بدل گیا۔ اور علومِ عالیہ و آلیہ کے انضباطِ نصاب کا خیال ترک فرمادیا اور صرف علوم عربی کی تعلیم و تدریس کو مقصد قرار دے کر مناسب اقدام کے لئے کوشاں ہوگئے۔ تاہم فنونِ رائجہ کو نکال کر باقی منصوبہ وہی تھا جو اوپر ذکر ہوا۔ البتہ نصاب تعلیم کے لئے مصری علماء کی محققانہ کاوشوں کو فقہ، اصول فقہ، ادب عربی اور نحو معانی میں قابل قدر سمجھتے تھے۔ اور فنِ صرف کے سلسلہ میں علماء مصر کی بے توجہی کے شاکی بھی تھے۔ حضرت الاستاذ کا اندازہ تھا کہ مصر سے حسبِ ضرورت موزوں کتب بآسانی دستیاب ہوسکیں گی۔ لیکن یہ ملک جو اسلام کے عنوان سے وجود میں آیا تھا۔ اس کے باشندوں کو ہر طرح کا لٹریچر درآمد کرنے کی ہمہ قسم سہولتیں میسر تھیں بشرطیکہ وہ لٹریچر مشتمل ہو الحاد و بے دینی پر بے حیائی و بے راہ روی پر۔ ذہنی عیاشی و فحاشی پر اور یا کافرانہ نظریات پر کیونکہ ایسے لٹریچر سے وسعتِ نظر، وسعتِ ظرف وسعت فکر، وسعتِ اسلام اور وسعت علم پیدا ہوتی ہے۔ رہا اسلام! تو اس کی کتابوں کی یہاں کیا ضرورت ہے۔ کہ ان پر بے سود زرِ مبادلہ خرچ کیا جائے۔ ہمیں قوم کو ملا تھوڑا بنانا ہے۔ اگر کوئی سر پھرا شوق رکھتا ہے۔ تو وہ اپنے طور پر اپنے وسائل سے اپنا شوق پورا کر دیکھے۔ نیز نظام تعلیم میں حضرت مولانا کے اس انقلابی تصور کی اربابِ مدارس کے حلقے میں پذیرائی نہیں ہوئی۔ جس کا انہیں بے حد افسوس اور قلق ہوا۔ لیکن وہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ ہر چہ بادا باد علومِ عربیہ کے تابناک مستقبل کی خاطر اسی منہاج پر گامزن ہونا ضروری ہے۔

؎ "ہوا ہے تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جسکو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ"

تاہم یہ بھی گوارا نہیں تھا۔ کہ عربی مدارس سے لاتعلق ہو جائیں حضرت الاستاذ اسے دین مبین کا حقیقی سرمایہ گردانتے تھے۔ جو خستہ حال قسم کے عربی مدارس کی صورت میں محفوظ ہے۔ اس لئے یہ تو چاہتے تھے کہ اصلاح کی کوئی صورت عمل میں آئے۔ مگر یہ گوارا نہیں فرماتے تھے۔ کہ عربی مدارس کی موجودہ حیثیت کو مزید کوئی ضرر پہنچے۔ اب بات یہ ٹھہری کہ یک لخت نصاب کو تبدیل کر ڈالنے کے بجائے دھیرے دھیرے جزوی طور پر ترامیم کی جاتی رہیں تا آنکہ ایک عمدہ اور مفید مکمل نصاب عمل میں آجائے۔ تاکہ مقصد بھی پورا ہو جائے۔ اور عربی مدارس کے وقار پر بھی آنچ نہ آنے پائے۔ چنانچہ اب نصاب کا خاکہ یہ بنا کہ فقہ میں ہدایہ سے پہلے شرح وقایہ اور کنز الدقائق کی جگہ "الاختیار" تجویز ہوئی کافیہ اور شرح جامی کی جگہ علی الترتیب الدروس النحویۃ اور شرح ابن عقیل کو دی گئی، اصول فقہ میں مسلم الثبوت اور توضیح التلویح کے مقام پر تسہیل الوصول آگئی۔ ادب عربی نے اولیٰ سے لے کر درجۂ موقوف علیہ تک نصاب کے ایک غالب عنصر کا مقام حاصل کر لیا۔ سیرت النبی، سیرت اصحاب النبی کو نصاب کا حصہ قرار دے دیا گیا اور مدتِ تعلیم میں ایک سال کا اضافہ کر دیا گیا۔ بظاہر تو یہ چند کتابوں کا رد و بدل تھا۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس جزوی سی ترمیم نے پورے درسِ نظامی کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ درسِ نظامی کے جسدِ نیم جاں میں نئی روح پھونک دی۔ یہ ایک انقلابی اقدام تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ درسِ نظامی کے مزاج سے ہم آہنگ تھا۔ اس کے منافی نہیں تھا۔ اس کے نتائج بھی یقیناً انقلاب انگیز ہی ہوتے لیکن چند رکاوٹیں ایسی پیش آئیں لے لیسا آرزو کہ خاک شدہ کا عنوان بن گئیں۔

(۱) یہ کہ دیگر مدارس عربیہ سے آنے والے داخلے کے امیدوار طلبہ نے اس جدت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انہی کتب کے پڑھنے پر اصرار کیا۔ جو دیگر مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔

(۲) اساتذہ کرام خود بھی سابقہ کتب کی تدریس پر ہی مصر ہوئے۔

(۳) حضرت الاستاذ اس امر کیلئے فکر مند تھے کہ مدارس عربیہ کو مستقبل میں متوقع خطرات کے سدِ باب کے لئے نیز معیار تعلیم کی عمومی اصلاح کے لئے بھی مدارس عربیہ کا رشتۂ اتحاد میں منسلک ہونا ضروری ہے۔

حضرت الاستاذ کی اس سلسلہ میں تگ و دو آخری مرحلہ میں تھی۔ کہ ٹنڈو الٰہ یار کے ایک سالانہ اجلاس میں محدود پیمانے پر اسی طرز کی ایک تنظیم کی داغ بیل پڑ گئی۔ اس کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے والے اجلاس منعقدہ خیر المدارس میں حضرت الاستاذ کو بھی مدعو کیا گیا حضرت الاستاذ کا مزاج یہ تھا کہ اپنی مفید ترین اور قیمتی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے اگر اس سے اتحاد و موافقت کو ضرر لاحق ہوتا ہو۔ چنانچہ وفاق المدارس کے عنوان سے وجود میں آنے والی تنظیم میں حضرت الاستاذ اتحاد و اتفاق کو ہر چیز پر مقدم قرار دیتے ہوئے اپنی تقریباً تمام آراء سے دستبردار ہوگئے۔ اور دوسرے شریک علماء کی دلجوئی کی خاطر بیشتر انہی کی تجاویز قبول فرمالیں اس طرح وفاق المدارس کے عنوان سے مدارس عربیہ کی ایک ڈھیلی، ڈھالی اور بے جان سی تنظیم وجود میں آگئی۔ جسے حضرت الاستاذ اپنے عظیم مقصد یعنی مضبوط اتحاد اور حقیقی یکسانیت کی جانب پہلا قدم سمجھتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں عربی نظام تعلیم ایک مضبوط مرکز کے ماتحت پورے ملک میں پوری قوت سے رائج و نافذ ہو سکے! قطع نظر اس سے کہ پھر دوسرا قدم ممکن ہو سکا یا نہیں۔ لیکن پہلا قدم جہاں بہت سے فوائد کے حصول کا ذریعہ بنا وہاں اس سے یہ نقصان بھی لاحق ہو کر رہا کہ نصاب تعلیم میں لائی جانے والی انقلابی

تبدیلیاں اختیاری قرار پاکر بے اثر ہوگئیں۔ گویا استحادِ مدارس کے لئے اٹھایا جانے والا اولین قدم اصلاحِ تعلیم میں اٹھائے جانے والے اولین قدم کی نفی پر منتج ہوا۔ سے

"سے تند و ظرفِ حوصلۂ اہل بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا"

اور جب میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگ معاشرے میں ایک جزوِ معطل کی مانند ہیں۔ معاشرے کو اپنی روزمرہ زندگی میں جن مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ عربی مدارس میں پڑھائے نہیں جاتے اور جو عربی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنی کاروباری زندگی میں پیش ہی نہیں آتے کہ اس سلسلہ میں ہماری طرف رجوع کرنے کی کسی کو ضرورت پڑے اور ہر شخص کو نہ مطالعہ کی وہ سہولتیں حاصل ہیں۔ اور نہ فہم و ذکاء کا وہ ملکہ میسّر ہے۔ کہ مطولات کے مطالعہ سے جدید مسائل کے جوابات استنباط کر سکے تو جب ہم ایسوں سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو ایک ہی جواب ہوتا ہے۔ کہ دار الافتاء سے فتویٰ منگوالیں۔ یہ مسئلہ مجھے معلوم نہیں! اب دوسری دفعہ مسئلہ پوچھنے وہ میرے پاس کیوں آنے لگا! اور ایسے میں معاشرے کی میں کیا خدمت کرسکوں گا؟ فرمانے لگے۔ میں اس بات سے غافل نہیں ہوں۔ اس دینی ضرورت کا مجھے شدید تر احساس ہے۔ لیکن حالات و وسائل کی بات ہے۔ اور پھر اس وقت آنے والے بیشتر طلبا جو قبائلی اور پہاڑی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا ایسے دور دراز علاقوں سے جہاں ترقی کے نشانات ابھی نہیں پہنچے ان کی دینی حس بہت پختہ ہے۔ ان کے دل خلوص اور للّٰہیت سے معمور ہوتے ہیں۔ لیکن تعلیمی قابلیت کا مطلوبہ معیار تو دور کی بات ہے۔ اردو کا ایک جملہ بھی وہ بول نہیں سکتے۔ دستخط تک کر نہیں سکتے اور آپ انپورٹ اور ایکسپورٹ کے مسائل کی باتیں کرتے ہیں۔ اس صورت میں میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ کہ یہ لوگ اپنے علاقے میں دین کے مبلغ بنیں اور دین پھیلائیں! اور یہ لوگ پیچھے سے بیشتر کتابیں پڑھ کر آتے ہیں۔ ان کتابوں سے ان کا لگاؤ بڑا خاصا بہتر ہوتا ہے اپنی کتابوں کی مناسبت سے انہیں چلائیں تو بہت بہتر چلتے ہیں اور لیاقت حاصل کر لیتے ہیں اور اگر ہم انہیں اس سے ہٹا کر اپنے تجویز کردہ ایک معیاری نصاب میں لگا دیں تو علمی لیاقت تو کیا سرے سے انہیں حصولِ علم ہی سے محروم کر دینے کے مترادف ہوگا۔ شاید اللہ تعالیٰ کو اب انہی سے اپنے دین کا کام لینا ہو۔ جبکہ پنجاب والے اعراض کی حد تک علمِ دین سے بیگانہ اور لاتعلق ہوگئے ہیں۔

سے "رہ گئی تیری خریداری سے شرم اہل فضل
ورنہ اس کی جنس کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا"

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا محلِ وقوع۔ شروع میں مدرسہ کی جگہ کے متعلق نظرِ انتخاب ملیر اور لانڈھی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ اس سلسلہ میں کچھ پیش رفت بھی ہوئی تھی۔ بعد میں پیر طفیل محمد صاحب جو علی گڑھ کے فاضل تھے۔ اور اکابر دیوبند میں سے کسی کے خلیفہ تھے۔ دار التصنیف کے نام سے ان کا ایک ادارہ بھی تھا۔ جس میں فی الحال پین کی روشنائی بن رہی تھی تصنیف کا کام ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ کراچی کے انتہائی شمال میں ان کے نام ایک جگہ الاٹ تھی۔ جو کراچی شہر سے اتنی دور تھی کہ بس سروس اس سے تین میل ادھر ختم ہو جاتی تھی۔ باقی تین میل پیدل کا راستہ تھا۔ تین میل قریب تک پہنچنے والی بھی چند بسیں تھیں اس وقت اس جگہ کو لال جیوا کہا جاتا تھا۔ اب سنا ہے۔ اس کا نام بدلا ہوا ہے۔ پیر طفیل احمد صاحب بھی کام کرنے کا جذبہ لئے ہوئے تھے۔ اور حضرت الاستاذ سے انہیں دیوبند میں زمانہ تعلیم سے شناسائی تھی۔ چنانچہ ان کی اس دور افتادہ دکشادہ جگہ کو مدرسہ کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ یہاں کوئی اڑھائی ماہ تعلیم جاری رہی یہاں سے پھر جامع مسجد نیوٹاؤن کیسے آئے؟ وہ جگہ کیوں چھوڑ دی گئی؟ یہ ایک الگ ہی داستان ہے۔ جو اپنی دلچسپی کے اعتبار سے ایک دلفریب افسانے سے کم نہیں اور اس افسانے کے مرکزی کردار میرے مخلص دوست اور محبوب ساتھی مولانا محمد ایرانی ہیں۔ جو ایک شریف النفس لائق، قابل اور ذہین انسان تھے۔ ان کے وطن لوٹ جانے کے بعد میرا ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ ان کی محبت کی کسک میرے دل میں اب تک اسی طرح ہے مجھے ان کے تقویٰ وللّٰہیت اور حسنِ سیرت سے پیار تھا۔ ہم عمری کے باوجود میں ان کا ایک استاذ کی طرح احترام کرتا تھا۔ غرض یہ افسانہ ایک طرح کا گویا راز ہے جس سے میرے اور مولانا محمد یوسف ایرانی کے سوا کوئی تیسرا تفصیلاً واقف نہیں ہے۔ اس وقت اس کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ اس پر کسی دوسری فرصت میں مفصل لکھوں گا۔ کیونکہ وہ ایک طویل داستان ہے۔ جو اڑھائی ماہ کے اس عرصے پر مشتمل ہے۔ جس کا لمحہ لمحہ اذیت، گھٹن، اور تنہائی کے اعتبار سے زندانی کیفیت لئے ہوئے تھا۔ اور ہمیں اس زندان سے رہائی مطلوب تھی جس کے لئے میں نے اور مولانا محمد یوسف ایرانی نے ایک تدبیر کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا اور تقدیر جیسے کہ پہلے سے ہی انتظار میں کھڑی تھی۔ چنانچہ ہماری رہائی عمل میں آگئی۔ اس تدبیر کا آغاز مولانا محمد یوسف ایرانی کے ساتھ میرے اس مشورے سے ہوا۔ کہ میں نے کہا مولانا! یہ کسی نٹ نجاست میں دبی ہوئی زمین تعفن اور بدبو میں بسی ہوئی فضا، شہر سے دور افتادہ، شہر کو جائیں تو گندے بدبودار گٹر پانی کی خلیج بنا وقتہ رستے میں حائل ایسے میں ہم تو حضرت مولانا کی محبت و عقیدت میں اپنا وقت گزار جائیں

گے. لیکن جب ادارہ اپنے عروج پر پہنچے گا. اور اطراف و اکناف سے طلبہ کھنچے چلے آئیں گے. تو کیا وہ یہ نہیں کہیں گے کہ کیسے منحوس طلبہ تھے. جن کی طالب علمی میں اس عظیم ادارہ کا افتتاح اس جہنم زار میں ہوا. چنانچہ ہم دونوں رہائی کی ایک انوکھی تدبیر پر نہایت خاموشی سے عمل پیرا ہو گئے. اور اس تدبیر کو اس وقت تقدیر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا. جب ہم عید الاضحیٰ کے روز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے مزار کی زیارت کے لئے آئے۔ اور واپسی پر اچانک جامع مسجد نیو ٹاؤن سامنے آگئی صاف ستھری دھلی ہوئی کھلی فضا میں ایستادہ مسجد کا ڈھانچہ بہت اچھا تھا. آؤ ذرا یہ مسجد تو دیکھتے چلیں بہت اچھی لگ رہی ہے. ساتھیوں نے آپس میں کہا مسجد میں داخل ہوئے تو سب ساتھیوں کی زبانی پر بے ساختہ آگیا. کہ کاش! مدرسہ کے لئے یہ جگہ میسر آتی! کیوں نہ دو نفل پڑھ کر دعا مانگیں. کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہی جگہ عنایت فرما دے! ہم لال جیوا سے کس قدر بے زار تھے. اور وہاں سے گلو خلاصی کس طرح ہماری آرزو بن کے رہ گئی تھی کہ جب دو دو رکعت پڑھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خلوص و تاثر کی کیفیتوں میں ڈوب کر دل کی گہرائیوں سے جب یہ دعا لبوں تک پہنچی کہ اے رب غفور! تو ہمیں اس مسجد میں لے! تو جیسے قبولیت پہلے سے چشم براہ تھی مسجد سے نکلنے سے پہلے دل کو اس یقین پر کاربند کیا کہ ہم لال جیوا سے سامان اٹھانے جا رہے ہیں اور اس مسجد کا فیصلہ تقدیر نے ہمارے حق میں کر دیا ہے! بس اسی روز سے حالات میں تغیر شروع ہو گیا اور اتنی تیزی سے ہوا کہ چند ہی روز بعد جب ہم نے لال جیوا سے رخت سفر باندھا تو ہمیں کچھ علم نہیں تھا. کہ منزل کہاں ہے عصر وقت بیل گاڑیاں پہنچ گئیں کہ سامان اٹھاؤ اور چلو، مغرب کے جھٹ پٹے میں جب منزل پر پہنچے تو جگہ کچھ جانی پہچانی سی لگی ارے کیا یہ وہی مسجد تو نہیں جس میں دعا مانگ کر گئے تھے؟ یقیناً وہی ہے. دل میں مسرت چٹکیاں لینے لگی خوشی کے لڈو پھوٹنے لگے. صبح حضرت مولانا کو دعا کا واقعہ سنایا بہت خوش ہوئے بہت محظوظ ہوئے! اور بار بار فرماتے تھے کہ قبولیت کا وقت تھا کیوں نہ کوئی بڑی چیز مانگ لی ہوتی. مسجد زیر تعمیر تھی ابھی اس کے کمرے کا ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا۔ اور شمال کے مشرقی کونے پر ایک مختصر سا کمرہ تھا جو تعمیر کے سامان کے لئے سٹور کے طور پر بنایا گیا تھا. اسی کمرہ میں ہمیں رہائش کی جگہ میسر آئی تعمیر کا سامان سمیٹ کر ایک حصے میں کر دیا گیا اور ایک حصہ استعمال کے لئے فارغ کر لیا گیا اس وقت دو استاذ تھے. خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا لطف اللہ صاحب پشاوری طلبہ سے شفقت و ہمدردی و محبت و خیر خواہی ہر استاد کو ہوتی ہے. لیکن حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کی مثال اس معاملے میں کوئی اور دیکھنے میں نہیں آئی. بہت ہی شفیق استاد تھے. طلبہ سے بے حد محبت کرتے تھے لال جیوا سے گلو خلاصی کرانے اور طلبہ کے موقف کا ترجمان بن کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو آمادہ کرنے کا سہرا حضرت مولانا موصوف ہی کے سر ہے. میں ان کی زیارت کا بے حد مشتاق ہوں! خدا میری یہ آرزو بر لائے۔

سے "بھولا پھروں ہوں آپ کو ایک عمر سے لیکن
تجھ کو نہ کیا دل سے میں زنہار فراموش"

غرض کمرے کا جو حصہ ہمیں ملا اس میں سامنے دیوار کے ساتھ طلبا نے اپنا سامان وغیرہ چن دیا سٹوو پر باہر چائے بنا لیتے، اساتذہ اندر تشریف رکھتے چائے پی کر وہ باہر تشریف لے آتے اور پھر طلبا اندر بیٹھ کر چائے پی لیتے اس کے بعد مسجد میں آجاتے. اس سے زیادہ کمرہ میں کوئی اور گنجائش نہ تھی پڑھنے لکھنے، سونے، بیٹھنے کے لئے مسجد کا فرش تھا اور بس! اور فرش ابھی سخت ناہموار قسم کا تھا. اس لئے صبح جاگتے تو ہڈیاں لال جیوا کی دہائی دے رہی ہوتیں حضرت مولانا کے عقیدت مندوں میں ایک حاجی یعقوب صاحب تھے. دونوں اساتذہ سونے کے لئے رات کو وہاں تشریف لے جاتے کھانا بھی ابتداء میں ان ہی کے ہاں کھاتے تھے، چائے البتہ ہمارے ساتھ پیتے تھے. مسجد کا صحن کمرے کے فرش سے کوئی پانچ فٹ نیچے تھا. پورے پلاٹ کی سطح یہی تھی. جس میں عام طور پر کانٹے دار جھاڑیاں تھیں یا پتھر ڈھیروں کی صورت میں بکھرے پڑے تھے. جہاں اب خوبصورت دکانیں ہیں. وہاں ایک خستہ حال سی دیوار ہوتی تھی. جس کے باہر کی طرف لوگ ٹیکسیاں کھڑی کئے رکھتے اور اندر کی طرف پیشاب کرتے رہتے. سب سے زیادہ تکلیف بیت الخلاء کی تھی. مسجد کے کچھ فاصلہ پر مغرب کی جانب تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک گلی میں بلدیہ کا ایک بیت الخلاء تھا جس میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا. ویسے وہ فلش سسٹم تھا. اسے بھی صرف صبح ہی صبح استعمال کیا جا سکتا تھا. اس کے بعد اگلے روز کے لئے رہین انتظار ہو جانا پڑتا تھا. حضرت مولانا کے بچے ٹنڈو اللہ یار، تھے. اور بالکل ہی اجنبی ماحول میں تنہا غریب الوطنی کی حالت میں رہ رہے تھے. حضرت مولانا دوسرے تیسرے ہفتے ایک روز کے لئے جاتے ضرورت کی اشیاء لے کر دے آتے تھے. کراچی میں رہائش کی کوئی صورت نہیں بن رہی تھی. حضرت تھانوی صاحب کے مریدین میں محمد مجتبیٰ نامی ایک سی. ایس. پی افسر تھے. وہ حضرت مولانا سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے. بہت ہی منکسر مزاج اور سادہ طبیعت تھے. انہوں نے ملیر میں اپنی کوٹھی کا پلاٹ حضرت مولانا کو پیش کیا اور ایک عرصے تک وہ اپنی اس پیش کش پر مصر رہے لیکن حضرت مولانا نے اس کو قبول کرنے سے معذرت فرما دی، حالات ایسے ہو گئے تھے جیسے کہ تمام وسائل روٹھ گئے ہوں. طلبہ کو وظائف کہاں سے دیں. اخراجات کہاں سے پورے ہوں. حضرت مولانا اپنے رویے سے حالات کی سنگینی و ناسازگاری کا اظہار نہیں ہونے دیتے تھے. ان کے چہرے پر

ہمیشہ بشاشت کھیلتی رہتی تھی۔ اور زبانی ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔ کہ طلبہ پریشان و بددل نہ ہو جائیں۔ لیکن ہم سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہ تھی۔ ایک دن میں نے مولانا ایرانی سے کہا کہ حضرت مولانا کو اس وقت ابتلاء کے جس مرحلہ سے سابقہ ہے۔ اس میں ہماری حمایت ہمارا تعاون مولانا کے عزم و حوصلہ کو مزید تقویت بخشے گا۔ وہ کہنے لگے ہم کیا تعاون کر سکتے ہیں! میں نے کہا حضرت مولانا کو ہمارے وظائف کی ہماری تعلیم کی بے حد فکر ہے ہمیں وظیفہ ملے نہ ملے ہماری تعلیم ہو نہ ہو وہ ہماری خاطر کوئی پریشانی کیوں اٹھائیں۔ ہم مولانا کو یقین دلا دیں کہ وہ ہمارے معاملے سے خالی الذھن ہو کر اپنی فکر کو یکسوئی کے ساتھ مدرسہ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں لگا دیں۔ مولانا ایرانی کو یہ بات بہت پسند آئی۔ چنانچہ میں نے جب حضرت مولانا کی خدمت میں یہ بات عرض کی تو بہت خوش ہوئے اور بے حد متاثر ہوئے اور جزاک اللہ کہہ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپکو محروم نہیں رکھے گا۔ آپ کے اخلاص کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور آپ کے علم میں ان شاء اللہ برکت ڈالے گا۔ اس کے بعد پھر ہر بات بڑی بےتکلفی سے ہم دولوں کو بتا دیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے۔ کہ جب میں کام کرنے کا ارادہ کر رہا تھا تو ایک کرم فرما آئے اور پیش کش کی کہ وہ بینک میں اڑتالیس ہزار روپے جمع کرا دیتے ہیں۔ تاکہ میں معاش کی طرف سے فارغ البال ہو کر تعلیمی خدمت میں مصروف ہو جاؤں۔ لیکن میں نے ان کی یہ پیش کش قبول کرنے سے معذرت کر دی کہ اس طرح رجوع الی اللہ کے بجائے رجوع الی النقود ہو جائے گا۔ توکل علی اللہ کے بجائے توکل علیٰ متاع الدنیا ہو جائے گا اور اس سے بڑا خسارہ کا سودا بھلا اور کیا ہو گا؟ فرمایا وہ دوست کہنے لگے کہ اگر آپ اپنی ذات کے لئے لینا گوارا نہیں کرتے تو مدرسہ کے لئے لے لیجئے۔ جسے آپ شروع کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ آغاز میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان میں یہ رقم کام آسکے اور ابتداء میں پریشانی نہ جھیلنی پڑے! میں نے اس پر بھی معذرت کر دی اور ان سے کہا کہ مجھے کام شروع کرنے دیں۔ اس کے بعد اگر آپ میرے ساتھ تعاون کرنا مناسب سمجھیں تو مجھے کوئی عذر نہیں ہو گا۔ لیکن قبل از وقت ایک خطیر رقم لینے کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ اللہ کی مشیت و توفیق کے بجائے کام کی بنیاد میں دینار و درہم پر کی مشیت پر رکھوں بتایئے اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

صدا دی جب درِ دل پر یہ دنیا نے کہ حاضر ہوں!
ندا آئی پلٹ جا تیری گنجائش نہیں دل میں

فرمانے لگے وہ میرے دوست ہیں اور ان سے میں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھیں تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہری سہاروں کو ہٹا کر اور چمن زارِ امید کو آسودۂ خزاں کر کے آزمانا چاہتے ہیں۔ کہ خدمت دینی کی آرزو لئے میدانِ عمل میں قدم رکھنے کا تو شوق ہے لیکن کیا اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا توکل اور اس کے حسب معیار استقامت بھی ہے چنانچہ میرے اس محترم دوست نے آغازِ کار کے بعد نہیں پوچھا کہ "بھیا کیسی"۔ ایک روز ایک صاحب آئے عشاء کے وقت ہم مصروف مطالعہ تھے اس نے ہم سے مدرسہ کے حالات و واقعات معلوم کئے۔ جس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور اس نے پچاس روپے ہمیں دیئے۔ لیکن نام نہ بتایا وہ کوئی سرکاری ملازم تھا اور حیدر آباد سے آیا تھا۔ اس نے کہا میں خود کسی دوسرے وقت میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اس وقت تعارف بھی ہو جائے گا۔ اور آئندہ مدرسہ کی خدمت کو میں اپنے لئے سعادت سمجھوں گا حضرت مولانا وہ پچاس روپے لے کر بہت خوش ہوئے اور سال بھر اس کا انتظار کرتے رہے اور فرمایا کرتے کہ کاش وہ اپنا نام پتہ بتا دیتا تو ہم خود اس سے مل لیتے۔ اختتام سال پر جب حضرت مولانا طلبہ کو رخصت کر رہے تھے اس وقت گزرنے والے سال کا ذکر کرتے ہوئے ان پچاس روپے کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا اور دینے والے کو خراجِ تحسین پیش کیا اور فرمایا کاش ہم اس کا پتہ چلا سکتے اور اس سے رابطہ قائم کر سکتے اور فرمایا پورے سال میں آنے والی رقم میں صرف دو ہی رقمیں ایسی ہیں جو تمام رقوم پر بھاری ہیں۔ ایک وہ پچاس روپے جو حیدر آباد سے آنے والے شخص نے دیئے تھے اور دوسرے اس مزدور کے پانچ روپے جو کراچی کے ایک دور دراز علاقے سے چل کر آیا تھا۔ اور بڑی تلاش و جستجو کے بعد وہ مدرسہ پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا اور یہ پانچ روپے اس نے پچھلے ہفتے سے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ ان پانچ روپوں کو تو بہت ہی خاص اہمیت دیتے تھے۔ اور ان کا تذکرہ اس طرح کیا کرتے تھے: جیسے کسی کو کوئی بہت خطیر رقم ہاتھ لگی ہو اور وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا ہو۔ لوگ آتے تعارف حاصل کرتے مدرسہ کے بارے میں حالات معلوم کرتے حضرت مولانا بتاتے جاتے لیکن بایں انداز کہ سلوب گفتگو میں، معاونت طلبی کی بو تک نہ آنے پاتی۔ بہت صاف صاف ماسوی اللہ سے بے نیاز باوقار طریقے سے بات کرتے چلے جاتے اور بات کر چکنے کے بعد سامع کے تاثرات سے آگاہی کے منتظر نہیں رہتے تھے۔ ایک صاحب آئے انہوں نے مدرسہ کے حالات معلوم کئے بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمایئے حضرت مولانا نے بڑے ہی بے نیازانہ انداز میں فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے مجھے کسی طرح کی کوئی ضرورت نہیں پھر اس نے کہا کہ مدرسہ کی ضروریات کے سلسلہ میں کچھ فرما دیجئے تاکہ اس سلسلہ کے اخراجات میں اپنے ذمہ لے لوں۔ حضرت نے فرمایا الحمدللہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر ضرورت پوری فرماتا ہے۔ اس لئے ہم ہر لحاظ سے مطمئن ہیں۔ اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے۔ وہ بہت کافی ہے۔ مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں پھر اس نے کہا کہ میں طلبا کے مصارف و ضروریات کے سلسلہ میں کچھ تعاون

کردں؟ حضرت نے فرمایا کہ طلباء کے کمرے میں تشریف لے جائیں یہ بات ان سے معلوم کریں ہوسکتا ہے انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو یہ انہی کو معلوم ہوگا۔ میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا وہ شخص بڑا حیران ہوا۔ ہم اس وقت حضرت مولانا کی خدمت میں "الاتقان" پڑھنے کے لئے حاضر تھے اور کئی روز سے ہم یہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اپنا سیاہ جبہ ہر وقت پہنے رکھتے ہیں۔ ہم نے پوچھا بھی کہ حضرت پہلے تو آپ اسے خاص وقت میں پہنتے تھے۔ اب آپ ہر وقت پہنے رکھتے ہیں۔ تو بس اتنا فرما دیتے کہ تمہیں کیا معلوم یہ ستار العیوب ہے۔ ہم نہ سمجھ سکے لیکن اس روز کسی وجہ سے جو اسے اتارا تو معلوم ہوا کہ پیچھے سے قمیص بری طرح پھٹی ہوئی تھی اور نیچے تک پوری ننگی ہو رہی تھی۔ ہم نے کہا حضرت! قمیص تو پھٹ رہی ہے! فرمایا! ارے! اور فوراً جبہ پہن لیا کہنے لگے اس لئے تو کہا کرتا ہوں یہ ستار العیوب ہے۔ بعد میں قمیص کو پیوند لگوا لیا تو پھر جبہ اتار دیا اندریں اثنا اس شخص کا یکے بعد دیگرے پیش کش کرتے چلے جانا اور حضرت مولانا کا پوری شان استغناء سے اس کی پیش کش کو واپس لوٹاتے رہنا ہم پر بڑا شاق گزر رہا تھا۔ اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اپنی زبان اٹھا کر حضرت کے منہ میں رکھ دیں وہ شخص یوں ہی چلا گیا تو کتنی بڑی رقم سے محرومی حاصل ہوگی کتنی ضرورتیں اس رقم کے لئے چشم براہ کھڑی ہیں۔ اور ہر ضرورت ماں کی گود سے محروم رہ جانے والے شیر خوار بچے کی مانند بلک بلک کر حضرت مولانا کی پریشانیوں میں اضافے پر اضافہ کئے جا رہی ہے۔ اس پر یہ شان بے نیازی!؟ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ شخص پھر گویا ہوا کہ اگر میں مدرسہ کے لئے کچھ رقم حاضر خدمت کروں تو کیا قبول کر لی جائے گی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کیوں نہیں! آپ اگر دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو میں کیا حق رکھتا ہوں کہ آپ کو اس سعادت سے محروم کر دوں تب اس نے ایک خطیر رقم حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی اور آئندہ معاونت کرتے رہنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

؎ غریبی میں ہوں محسودِ امیری
کہ غیرت مند ہے میری فقیری

علمی تبحر: حدیث، تفسیر، فقہ، اور عربی ادب ان چار شعبہائے علوم میں حضرت الاستاذ کا مقام بہت بلند اور بہت ہی بلند تھا خصوصاً حدیث کے تو وہ امام تھے۔ فن اسماء رجال میں جو انہیں دسترس حاصل تھی۔ اس کی اس وقت دنیا میں نظیر ملنی مشکل ہے۔ حدیث نبوی کے مطبوعہ مجموعے جو اس وقت دستیاب ہیں یا نایاب ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار غیر مطبوعہ مجموعے جن میں کا شاید ہی کوئی ہو۔ جو ان کے مطالعہ سے رہ گیا ہو۔ اصول حدیث میں مجتہدانہ مقام کے حامل تھے۔ فن حدیث میں ان کی رفعتِ پرواز کا پتہ بتانے کے لئے ان کی بے نظیر تصنیف معارف السنن سے بڑی کوئی شہادت پیش کرنا ممکن نہیں "نفحة العنبر فی ہدی الشیخ الانور" سے عربی ادب میں ان کی بلند آشیانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو انہوں نے زمانہ طالب علمی میں سترہ سال کی عمر میں لکھی تھی جبکہ ابھی زبان و ادب میں وہ پختگی نہیں تھی۔ جو عمر کی پختگی کے ساتھ آتی ہے اور جو بعد میں علمی استفادہ کے سلسلے میں کئے جانے والے مصر و شام و حجاز کے طویل سفروں کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ شام کے سفیر نے ایک روز مولانا سے ایک ملاقات میں عربی زبان و ادب پر بات چل نکلی تو مذکورہ کتاب کا ذکر کیا اور ادبی نقطۂ نظر سے اس کتاب کی بڑی تعریف کی حضرت مولانا نے پوچھا، أنتَ تَدْرِيْ مَن هو صاحب هذا الكتاب؟ قال لا! قال ما ظنكم في صاحب هذا الكتاب؟ قال إنّ صاحبه غني في اللغة. قال، وما هو إلّا صاحبكم صاحب هٰذا الكتاب فاستعجب هو وسُرّ غاية السرور فاشرع اليه بالترحيب والتهنية وتقبيل يديه، عربی ادب میں آپ کا اسلوبِ بیان خالص اسلامی اور عربی ہے جبکہ اسوقت دنیائے اسلام کے ارباب قلم پر مغربی و اشتراکی اسلوبِ بیان کا غلبہ ہے۔ ان دونوں اسالیب میں دن اور رات کا فرق ہے۔ اسلامی اسلوب اپنے اندر فرقان کی صفت لئے ہوئے ہوتا ہے صاف اور کھری بات کے ذریعہ صحیح اور غلط، حق اور باطل کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے دکھا دیا جاتا ہے اس میں دل آویزی کا عنصر اتنا غالب نہیں ہوتا جتنا وضاحت اور تفہیم کا عنصر غالب ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ دل آویزی کو اس میں ضمنی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وضاحت و تفہیم یہاں مقصدی حیثیت سے شامل ہوتی ہے۔ جب کہ استشراقی اور مغربی اسلوب اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس میں صحیح اور غلط کا کوئی سوال پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ متعلقہ شخص اپنے ذہنی خاکے پر ابھرنے والے الٹے سیدھے آوارہ خیالات کو صحیح اور حقیقت ثابت کر دکھانے کا تہیا کئے ہوتا ہے اور یہ فیصلہ بھی وہ پہلے ہی کر لیتا ہے کہ خیالات کا یہ بگولا جب یہی آخری حقیقت ہے تو لوگوں کے لئے اس کا ماننا بھی ضروری ٹھہرا لہذا اب وہ سچا جھوٹا غلط ملط، برا بھلا، جو مواد بھی ہاتھ آئے گا۔ اس سے اثر آفریں اور دل فریب مقدمات تیار کر کے دل آویزی کے جام میں بھر بھر کے پلاتا جائے گا۔ اور محض عبارت آرائی اور جادو مقالی سے سامع کے دل و دماغ اور فہم و خیال پر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا۔ لیکن مشرقی اسلوب میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس میں شخص موصوف اس بات سے قطع نظر کر لیتا ہے۔ کہ کوئی اس کی بات مانے گا یا نہیں۔ اس کا کام ایک حقیقت کی ٹھیک ٹھیک وضاحت کر دینا ہوتا ہے۔ اسی سیدھے سادے اور حقیقت آشنا اسلوب میں دل ربائی اور اثر آفرینی پیدا کر دکھانا ہی دراصل فصاحت و بلاغت کی معراج ہے۔ حضرت مولانا کے ادب کا یہی وہ طرۂ امتیاز ہے جس کی نظیر آپ کے ہم عصروں میں کم ہی ملے گی مضمون کی

طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں دونوں قسم کے اسلوبوں کے شواہد پیش کر کے بتاتا کہ وہ اسلوب جس کا کام جذبات سے کھیلنا ہوتا ہے۔ اور وہ اسلوب جو فکر و خیال کی ظلمتوں کو سیماب پا کر کے دل میں روشنی کی جوت جگاتا ہے۔ دونوں میں فرق کتنا عیاں ہے۔ حضرت مولانا، موخر الذکر میں اپنے دور کے عربی کے قادر الکلام شاعر اور مشاق نثر نگار تھے۔ عبارت میں دریا کی سی روانی ہے۔ جو پُر سکون بہہ رہا ہو۔ اور بہت تیز بہہ رہا ہو اگر کوئی اپنی کشتی اس میں ڈال دے تو بلا روک ٹوک پانی کے رُخ پر اسی تیز رفتاری سے بہتی چلی جائے گی۔ اسی طرح جب آپ حضرت مولانا کی کسی کتاب کو اٹھا کر پڑھنا شروع کریں گے۔ تو رکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ رُکنا چاہیں گے لیکن پڑھتے چلے جائیں گے۔ آسان مانوس اور قریب الفہم الفاظ ملیں گے۔ جو ہر طرح کے ثقل اور اجنبیت سے پاک ہوں گے۔ کیا مجال جو کوئی غریب لفظ بھولے سے بھی نوک قلم پر آ جائے۔ اسلوب میں جدت، تراکیب میں ندرت، مصطلحات روزمرہ اور فقروں کے دروبست میں کمال فن کا حسن فکر و خیال کی شعوری کیفیتوں کو جھنجھوڑ کر دل کی خوابیدہ بصیرتوں کو جگا دینے والا جوش معانی ذھن کے شبستانوں کو اجالا دینے والا آہنگ استدلال حضرت مولانا کے حسن بیان کا طرۂ امتیاز ہے مشکل ترین اور پیچیدہ ترین کسی مسئلہ پر جب قلم اٹھاتے ہیں۔ تو پھر کیفیت یہ ہوتی ہے کہ :-

"باندھے ہوتے ہاتھوں کو بامید اجابت
رہتے ہیں کھڑے سینکڑوں مضمون میرے آگے۔
جب موج میں آجاتے ہے دریائے طبیعت
قطرے سے بھی کم ٹھہرے ہے جیحون میرے آگے۔"

لیکن بایں ہمہ کسی ژولیدہ کیفیت مسئلہ پر بھی طول طویل بحث کے تکلف میں نہیں جانا پڑتا۔ چند ہی جملوں میں وہ مسئلہ ایسا سہل اور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جیسے اس میں کسی طرح کا کوئی الجھاؤ کبھی تھا ہی نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب قلم چل پڑا طوالت سے دامن کش کبھی ہیں۔ مسئلہ واضح اور صاف بھی ہو چکا لیکن قلم اب رکتے رکتے ہی رکتا ہے۔ دراصل دلائل و براھین کا ایک عظیم ذخیرہ ہے۔ جو دماغ میں محفوظ ہے۔ جب وہ نکلنا شروع ہوتے ہیں۔ تو بس ایسے ہے جیسے دریا کا بند ٹوٹ جائے۔ مولانا عبد الغفار حسن جو مدینہ یونیورسٹی کے شیخ الحدیث بھی رہے ہیں۔ ان سے ایک دفعہ تعارف ہوا اور حضرت مولانا بنوری کا ذکر آیا تو وہ فرمانے لگے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا کو طلبہ سے خطاب فرمانا تھا درخواست کی گئی کہ بیان میں ٹھہراؤ اور بتدریج کی کیفیت کو اختیار فرمائیں تاکہ تقریر کو حیطۂ تحریر میں لایا جا سکے۔ حضرت مولانا نے فرمایا ٹھیک ہے دھیرے دھیرے ٹھہر ٹھہر کر بولوں گا۔ لیکن جب بولنا شروع ہوئے تو چند منٹ کے بعد ساری حد بندیاں ٹوٹ ٹاٹ کے رہ گئیں۔ اور مجھے ایسے لگا کہ اس شخص کے دماغ میں علوم کا بحر ذخار تلاطم خیز ہے۔ جس کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اب اس کے بہاؤ اور طلاطم پر قابو رکھنا خود ان کے اپنے بس میں نہیں ہے۔ آئمہ اربعہ کی فقہ پہ ان کی نظر گہری تھی اور گہری تھی فقہ حنفی کے علاوہ مالکی شافعی اور حنبلی فقہ کی مطولات تک ان کے مطالعہ میں آچکی تھیں مسائل کی تنقیح میں ان کے دلائل پوری تفصیل و تجزیہ کے ساتھ متعلقہ کتابوں سے بیان فرماتے اور اپنے متعدد واقعات سناتے کہ دیگر مسلک کے علماء سے تبادلہ خیالات کے دوران مختلف مسائل میں ان کی تصحیح فرمائی یعنی جس قول پر وہ فتویٰ دے رہے تھے وہ قول مرجوح تھا پس قول راجح ان پر واضح کیا جس پر ان کا عمل متروک ہو کے رہ گیا تھا۔

سورۃ نساء تک ہمیں تفسیر پڑھائی تھی ایک دن میں نے عرض کیا حضرت! قرآن مجید کے لئے کون سی تفسیر سب سے بہتر اور مفید طلب ہے۔ فرمایا تین شرطیں پوری کر لو پھر کسی تفسیر کی ضرورت نہیں (۱) دل اخلاص سے معمور ہو (۲) اتباع سنت عمل کا معیار ہو (۳) عربیّت میں مناسبت تامہ حاصل ہو۔ اس کے بعد باوضو قرآن مجید لئے قبلہ رُخ بیٹھ کر اللہ سے بعد عجز دعا مانگئے کہ اے اللہ یہ تیرا کلام ہے اور میں تجھ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ فہم صحیح کی طرف راہ نمائی فرما اور ہر قدم پر شیطان کی کج راہی سے بچا! ویسے کشاف کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور مجھے کشاف خریدنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ انہی کے فرمانے پر میں نے کشاف خریدی تھی۔ لیکن کشاف کی جتنی تعریف فرماتے تھے اتنا ہی اس کی بعض تفسیری کج رویوں پر متنبہ بھی فرماتے تھے۔ جو اس کی اعتزال زدگی کا ثمرہ ہیں۔ دوسرے نمبر پر تفسیر ابوالسعود کا ذکر فرماتے تھے۔ جو عربیّت و معانی میں اور تفسیری خوبیوں میں کشاف سے پیچھے نہیں اور اعتزال آمیزی سے پاک بھی ہے اور سب سے زیادہ مداح شاہ عبد العزیز دہلوی کی تفسیر عزیزی کے تھے اور بڑی حسرت سے فرماتے تھے کہ کاش! تفسیر عزیزی مکمل ہو جاتی تو میں یہی کہتا کہ امت کے ذمہ قرآن مجید کا جو تفسیری حق ہے وہ ادا ہو گیا فرماتے تھے کہ شاہ عبد العزیز کا مطالعہ اپنے والد شاہ ولی اللہ سے زیادہ وسیع اور جامع ہے اور شاہ ولی اللہ کا مطالعہ ان کی نسبت محدود ہے۔ لیکن جتنا ہے وہ بہت گہرا اور پختہ ہے۔ مسلک حنفی کے بعض مسائل پر شاہ ولی اللہ کی تنقید کو فقہ حنفی میں ان کے مطالعہ کی کمی کا نتیجہ قرار دیتے تھے اور یہ محض آپ کی ایک ایسی سرسری رائے نہیں تھی۔ جس کی بنیاد فقہ حنفی سے خوش عقیدگی اور اس پر تنقید کی ناگوارگی پر ہو بلکہ اپنی اس رائے کی پشت پر بڑے مضبوط اور وقیع دلائل رکھتے تھے۔ الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ کی تدریس کے دوران یہ دلائل بیان ہوتے رہتے تھے۔

دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔

آداب تدریس

:- حدیث نبوی ہی اکثر و بیشتر حضرت مولانا کے زیر درس رہی ہے۔ سب سے پہلے متن کتاب کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ اور احادیث باب میں الفاظ و معنیٰ میں باہم ارتباط و تفاوت کی وضاحت

باقی صـ ۳۶۴ پر

شعراء کا نذرانہ عقیدت

مرثیہ

مولوی محمد یعقوب، کوئٹہ

الایا عین لا تبکی وجودی ‌ فقدنا الیوم بحرا کان فینا

سمعنا فی طریق نعی شیخ ‌ فحار القوم طرا اجمعینا

بکت منا العیون بانفجار ‌ ففلت سیفنا للملحدینا

فآها ثم آها ثم آها ‌ بموت الشیخ صرنا هائمینا

اضاء البلد من نور مضیٔ ‌ فلا قرت عیون الحاسدینا

ولکن لم نجد بدا لردہ ‌ فقلنا اغفرہ رب العالمینا

وآت محمدا یا رب صبرا ‌ وقلب قلبہ تقوی ودینا

ویا یعقوب لا تفزع فکل ‌ الی اجل تراهم راجعینا

لقد فکرت فی تاریخ وصلہ ‌ کی استخرجہ من بین السنینا

فقالوا کان شمسا فیکم او ‌ لقد رای البدر فوق الناظرینا

بہ اہمال الف ہا

فحسبک ان غفر الالہ عثارہ

۱۳۹۷ھ

وکفی برحمۃ ارحم راحمینا

مرثیہ

بیادِ شیخ عالم بنوریؒ

* مولانا لطافت الرحمٰن جامعہ بہاولپور

رضينا بالقضاء من القدير — إلٰه الخلق علّام خبير
بفوت العالم النحرير مولىً — اديب فاضل حبرٍ كبير
بموت الشيخ يوسف من بنور — نظيف البشرة الصافى الضمير
فوا اسفاً بيوسف فات منا — وحمل للثراء على السرير
فلا نسلو بشيئٍ فى فقيد — بكل تفجع منا جدير
وان شئنا بكاءً دم عليه — بكيناه على خطبٍ كبير
ولكن ليس يغنينا بكاءٌ — وساحُ الصبر ماهو بالقصير
واهل العلم فى حزنٍ عظيم — رضوا بدل النحيب على زفير
تكاد تميز الاكباد منه — لجهرٍ مستشيطٍ مستطير
ومغفورٌ له الوضاح نورًا — محياه كدرج من عبير
حوى علماً ورشداً ثم تقوى — قنوعًا فى المعيشة باليسير
ولم ار مثله احداً كريمًا — كسلطان له نفس الفقير
وينبوع المروة والفتوه — وبحر للعلوم بلا نكير
وما احد من العلماء طرًا — كيوسف ذالكمالات الشهير
وما احد يضاهيه بوصفٍ — ولا يدانوه فى علم غزير
ذكيّ المعيّ عبقريّ — رزين حجة ثبتٍ امير
امير فى الحديث وكل فن — امام متقن ندبٍ بصير
محدث عصره تلميذ شيخ — كانورشاه معدوم النظير
والورشاه استاذ الاجله — من العلماء فى البر الصغير
فيا رب العباد اجعل فراشه — نمارق فى الجنان من الحرير
وكنتُ اريد ان ارثى رثاءً — لهذا الخطب من قلبٍ كسير
ولكن كنت لا استطيع شيئًا — كان كلفتُ للامر العسير
الى ان وفق الله الجليل — لحمل قليل ماءٍ من غدير
فهذا ما كنت من العزاء — على غيبوبة القمر المنير

وليس لطافت الرحمان الّا
رهين الذنب والخطأ الكثير

○

آہ! علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

سید امین گیلانی

**

خضرِ راہِ دینِ حق، وقت قافلہ سالارِ امت، شب کے اندھیروں میں جو نور کا مینار تھا

دستِ قضا نے اسے ہم سے جدا کر دیا

آہ وہ مردِ فقیر، آہ وہ روشن ضمیر
آہ وہ حق کا سفیر، پیکرِ صدق و صفا

دستِ قضا نے اسے ہم سے جدا کر دیا

علم و عمل کا نشان، عزم و وفا کی چٹان
خلق و مروت کی شان، پاک دل و پارسا

دستِ قضا نے اسے ہم سے جدا کر دیا

آہ وہ یوسف جمال، آپ تھا اپنی مثال
صاحبِ صدق مقال، صاحبِ فکرِ رسا

دستِ قضا نے اسے ہم سے جدا کر دیا

ہاتھ سے جاتا رہا اک درِ نایاب امین
کس سے شکایت کریں یہ تھی خدا کی رضا

دستِ قضا نے اسے ہم سے جدا کر دیا

حضرت بنوری کی وفات پر موت سے خطاب

**

حافظ شبیر حسین حامد، ایبٹ آباد نواشہر ہزارہ

*

لمحوں میں تو نے ہم سے جدا کر دیا انہیں
صدیاں زمانہ جن کے لئے چھانتا ہے خاک

علم و عمل کے پیکر و مینار نور کے
اے موت کس نگاہ سے ان کو رہی تھی تاک

ملت سے آہ چھین لیے تو نے کیا حکیم
ہے کون اب سیئے گا جو داماں ہاتے چاک

معمور جن کا دل تھا فقط رب کے خوف سے
آتا تھا جن کے دل میں نہ غیر خدا سے باک

جن کا عمل تھا مشعل رہ سب کے واسطے
دنیا میں جن کے علم کی بیٹھی ہوئی تھی دھاک

اپنے زمانے کے تھے محدث بھی اور فقیہ
رکھتے تھے جو مہارت شرح کلام پاک

اعلائے حق ہی جن کا سدا مشغلہ رہا
بدعات و شرک و کفر کو کرتے رہے ہلاک

جن کی تمام عمر ہوئی صرف دین میں
دنیا تھی جن کی آنکھ میں بس ایک مشت خاک

جن کا وجود مرجع ہر خاص و عام تھا
تھا قلب جن کا ہر گھڑی محو خدائے پاک

عرفان و آگہی کی منازل سے آشنا
جن کو خدا کی یاد میں رہتا تھا انہماک

ہر وقت جن کو امت مرحوم کی تھی فکر
جو چاہتے تھے ہو نہ کوئی فرد بھی ہلاک

رنج ان کی موت کا نہ ہو کیوں کہ جہاں کو
کرتی ہے خال خال ہی لوگ ایسے پیدا خاک

لاریب موت ان کی ہے حامد جہاں کی موت
ہم سے چلے یہ چھوڑ کے تاریخ تابناک

م ــــ مخزنِ علمِ الٰہی مصدرِ رُشد و ہدیٰ
شیخ انور نے جلایا جو دیا تھا وہ بُجھا

ح ــــ حاملِ دین و شریعت معدنِ جود و کرم
حسرت و افسوس وہ رخصت ہُوا سُوئے عدم

م ــــ معنوی فرزند انور شاہؒ کا کس کو کہیں
منبر و محراب کی عظمت بتا کس کو کہیں

د ــــ دیوبندی قافلہ کا شیخ تھا استاد تھا
ہر بڑے چھوٹے کے دل میں آپ کا اعزاز تھا

ی ــــ کہوں علم و عمل کا یا کہوں ابرِ کرم
مدح تیری میں ہمیشہ ٹوٹ جاتا ہے قلم

و ــــ وائے صد حرماں چمن میں پھُول وہ مرجھا گیا
ہر کلی کے سر پہ جس سے غم کا سایا چھا گیا

س ــــ سر سے تا پا جسم تیرا علم کی تصویر تھی
بات تیری پُر حکم پُر لطف پُر توقیر تھی

ف ــــ فتنوں کے بیکار تم نے کر دیے
ڈاکہ زن جو تھے نبوت کے وہ ننگے کر دیے

ب ــــ بر ملا کہتا ہُوں مَیں اس میں کوئی بھی شک نہیں
رعب تیرے سے کوئی باطل نہیں جو ــــ نہیں

ن ــــ نورِ پیشانی تیرا آسمانی نور تھا
تُو گلستانِ محمدؐ کا عجب سا پھُول تھا

و ــــ والسماء تو علم کے اُس آسماں کا نجم ہے
حافظ ابنِ حجر جیسا جس سماں کا شمس ہے

ر ــــ رہ گیا سارا چمن اجڑا سا تیری موت سے
لُٹ گیا گویا بڑا مکتب تمہاری موت سے

ی ــــ یا الٰہی کیا کریں دل پر اداسی چھا گئی
شیخ بنوری کی رحلت کی خبر جب آ گئی

بیاد و تذکرہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ

**

عبد المجید انور خیر المدارس، ملتان

*

بزم سونی ہو گئی وہ میہماں رخصت ہوا
چھا گئی ظلمت کہ ماہِ درخشاں رخصت ہوا

عام ہے ہر سو خزاں بس موسمِ گل اب کہاں
ساتھ لے کے وہ بہارِ جاوداں رخصت ہوا

ملّتِ بیضا کا ہاں وہ نامورِ یکتا سپوت
چھوڑ کر دنیا سوئے خلدِ جناں رخصت ہوا

وہ محدّث، وہ مفکّر، وہ فقیہہ و راہنما
زینتِ علم و عمل فخرِ زماں رخصت ہوا

علم انور شہ کا، وارث تھانوی کا خرقہ پوش
بزمِ عالم سے وہ بحرِ بے کراں رخصت ہوا

مسندِ رشد و ہدایت اب نہ تجھ کو پائے گی
علم و حکمت، زہد و تقویٰ کا نشاں رخصت ہوا

اب نہ ڈھونڈے بھی ملے گا حشر تک اس کا مثیل
تھا زمانہ میں جو یکتا بے گماں رخصت ہوا

کون دیگا درسِ عبرت کون سمجھاتے گا راہ
وہ بصائر کا، عبر کا نکتہ داں رخصت ہوا

مجلسِ ختمِ نبوّت جس کے دم سے بن گئی،
دیکھتے ہی دیکھتے سیلِ رواں رخصت ہوا

قادیانیت کے سر پہ ضرب ہے جس کی مٹا
فتنۂ مردود کا نام و نشاں رخصت ہوا

تو نظامِ مصطفٰے کے خواب کی تعبیر تھا
دے کے کونسل کو ہدایت کے نشاں رخصت ہوا

موتِ عالِم موتِ عالَم ہے مسلّم فیصلہ
اک ترے جانے سے گویا کل جہاں رخصت ہوا

تجھ کو نہ پاکر جہاں جائیں گے پروانے ترے
نورِ علم معرفت کا شمع داں رخصت ہوا

جس نے پھیلائے زمانے بھر میں انوارِ علوم
آہ! انور شاہؒ کا وہ ترجماں رخصت ہوا

اے خدا تو اس کا مرقد نور سے معمور کر
جو منوّر کر کے یہ سارا جہاں رخصت ہوا

شیخ الاسلام مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر شدت جذبات میں

الفت نہیں کسی سے مجھے آپ کے بغیر
گلشن بھی قید و بند ہے جاناں ترے بغیر

کتنا حسین چمن ہے مگر کیا کروں کہ اب
کانٹے دکھائی دیتے ہیں جاناں ترے بغیر

میں جب بھی نام لیتا ہوں گل کا زبان پر
آتا نہیں ہے نام زباں پر ترے بغیر

تسنیم گرچہ کوئی پلاتا ہے اب بھی مجھے
ہونٹوں پہ جیسے زہر ہلاہل ترے بغیر

ماہ جبیں نظر میں ہے زلف دراز بھی
لگتا ہے جیسے دیو کا ہیکل ترے بغیر

غنچہ کلی و پھول کی بارش ہے سامنے
لگتی ہے جیسے آگ برستی ترے بغیر

ساغر، شراب، جام و مینا میں کیا کروں
یہ نام صرف نام ہیں جاناں ترے بغیر

ساقی کو میں نے کہہ دیا ہے توڑ دے وہ جام
لے کر جو میرے سامنے لاتے ترے بغیر

از
قاضی مولانا عبدالحلیم کلاچی
استاذ دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ تاریخیہ علی وفات مولینا محمد یوسف البنوری

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی

یالایام بہا خطب نزل — بل خطوب تالیات لم تزل

لوگو! ان دنوں کو دیکھو جن میں بڑی مصیبت نازل ہوئی — بلکہ ایک نہیں بہت مصیبتیں پے در پے ہمیشہ کی!

راح ادریس، شفیع، ظفر — نجم، احمد، یوسف، لاعن بدل

تشریف لے گئے مولانا محمد ادریس، مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد عثمانی، — بابا نجم مولانا محمد احمد تھانوی مولانا محمد یوسف بغیر کسی بدل کے

انھم اعیان دین المصطفیٰ — مجمع للعلم کل والعمل

یہ حضرات دین نبوی کے سربرآوردہ تھے، — سب کے سب علم وعمل کے خزانے تھے!

کلھم فی نشر علم اللہ من — بدء اعمار الی حین الاجل

سب کے سب اللہ کے علم کے نشر کرنے والے تھے — ابتدائے عمر سے وفات تک،

کلھم للدین وقف فوتھم — فی سیوف الدین ثلم او خلل

سب کے سب دین کے لئے وقف تھے ان کی وفات، — دین کی تلواروں میں دندانہ یا خلل ہے۔

آہ! مولینا محمد یوسف الشیخ — شیخ فخر العصر علام اجل

آہ! مولانا محمد یوسف شیخ وقت، — فخر زماں علامہ اجل،

کان فی دیبند تعلیم لہ — ثم فی ڈابھیل للدرس المحل

دیوبند میں آپ کا تحصیل علم ہوا کرتا تھا۔ — پھر ڈابھیل میں اس کا مقام ہوا،

ثم تنڈو اللہ یار بعدھا — فی کراشی فیض علم والعمل

پھر اس کے بعد ٹنڈو الہ یار میں۔ — علم وعمل کا فیض رہا۔

فاضل فی کل علم سیما — فی الاحادیث الاعالی والعلل

ہر علم میں فاضل خصوصاً — احادیث مبارکہ اور علتوں کے باب میں۔

ناقد للمتن والاسناد بل — فاتح الاغلاق حلال العضل

پرکھ والے متن وسند کے بلکہ — مشکلات کو کھولنے والے عقدوں کو حل کرنے والے

لمعی لوذعی مفضل ــ لا یوازی فضله ذروی القلل

روشن دماغ بے حد ذہین بہت ہی فاضل ــ کہ پہاڑوں کی چوٹیاں ان کے فضل کے برابر نہیں۔

ماهر المنقول والمعقول فی ــ کل فن وهو بالدرس اشتغل

نقلی و عقلی فنون کے سب کے ماہر ــ اور درس میں مشغول رہے۔

واحد فی کلها اذ واحد ــ لم یصبها بعضها اولم یخل

ہر فن میں یکتا کہ کوئی ایک ان میں کے ــ بعض کو نہ پہنچ سکا نہ تصور کر سکا

کان علم الشاه انورشاه فی ــ قلبه کالصبغ فی المصبوغ حل

محدث اعظم حضرت انور شاہ صاحب ان کے دل میں ایسے ــ جیسے رنگین کپڑے میں رنگ پیوست ہوں

ثم من اشرف علی التانوی ــ نار عشق الله فی الروح اشتعل

پھر حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کے طفیل ــ عشق الٰہی کی آگ روح میں شعلہ زن ہوئی۔

جامع للعلم والعرفان فی ــ کل ما آتی وفی کل شغل

علم و معرفت کے جامع تھے ہر مضمون میں۔ ــ جو پیش کرتے اور ہر ایک میں عشق کے شعلے بھی تھے۔

کان فیض الباری الله العلی ــ ثم شرح الترمذی المنتحل

فیض الباری تقریر درس بخاری کی ــ پھر ترمذی کی شرح آپ کا عطیہ ہیں۔

ثم تخریج الاحادیث التی ــ کان شیخ زیلعی قد بذل

پھر ان احادیث کے حوالے جن کو امام ــ زیلعی نے شرح ہدایہ میں خرچ کیا ہے۔

کل شهر للعلوم البینات ــ شاهدات عادلات للنحل

ہر ماہ علوم کے واسطے رسالہ "بینات" (گواہان) ــ عادل گواہ ہیں ان عطیات کے لئے۔

روحه بالفضل من رب العلی ــ فی طیور الجنة الخضر الحلل

آپ کی روح اللہ تعالےٰ کے فضل سے ــ جنت کے سبز لباس والے پرندوں میں ہے

ربنا یا ربنا یا ربنا ــ فارض عنا وارض عما قد فعل

اے ہمارے پروردگار پروردگار پروردگار ــ بس اب ہم سب سے راضی ہو جائیے اور جو کام انہوں نے کئے ان سے بھی

یطلبون العام من ترحاله ــ قلت هادی یوسف الثانی ارتحل

۱ ۱۰ ۱۵۶ ۹۲ ۶۳۹

لوگ آپ کے سفر آخرت کا سال پوچھتے رہیں ــ تو میں نے جواب دیا ایک ہادی یوسف ثانی کوچ کر گئے۔ ۱۳۹۷ھ

دیکھ رہے ہو دنیا دارو! دین کی بازی مات ہوئی
ڈوب گیا اک اور ستارہ اور اندھیاری رات ہوئی

درسگاہوں میں ماتم ماتم، سیپارہ ہے عالم عالم
آنکھیں روئیں دل بھی رویا، بِن بادل برسات ہوئی

یوسف ہی درکار ہے ہم کو، چاہے وہ بنوریؒ ہو
مصر کے بازاروں سے ہم ربی جانے کتنی بات ہوئی

شرم و حیا کی بستی اجڑی، تقوے کی نبضیں ڈوب گئیں
یوں فکر و عمل کی نظروں میں یہ موت بڑی کم ذات ہوئی

کفر کو اس سے خوف رہا، باطل اس سے لرزاں تھا
دینِ محمدؐ کی محفل میں جس کی گزر اوقات ہوئی

موت سے جو بھی ٹکرایا ہے، موت سے جو بے خوف رہا
موت کو اس نے جیت لیا ہے حاصل اسے حیات ہوئی

جانباز یہ منزل مشکل ہے احساس کا ساگر گہرا ہے
اس راہ میں جس کو موت ملی وہ جان گیا کہ نجات ہوئی

جانباز مرزا

بیادِ شیخ بنوریؒ

مولوی محمد یعقوب کوئٹہ

حسرتا رفت آں ماہرِ قرآن و آں شیخ حدیث ‖ آن علم و عمل تقویٰ و ورع آں مردِ عظیم

اے مایہ و سرمایۂ ما از رحمتِ حق یک آیہ ما ‖ رفتی اے پدرین سایۂ ما کردی ہمہ را یتیم

اے دہر چناں کردی خانۂ دل ویراں کردی ‖ کار بود گراں کردی از زخم تو بس گشتیم کلیم

صید ہزاران کردی اندوہ فراواں کردی ‖ عالم را شعلۂ نیراں کردی بے رحم مشو بما چہ کنیم

برگوش دلم آواز آمد کہ چہ شد کن ہوش و ادب ‖ گر گلدستۂ بالا وصل شود با جنات نعیم

۷ ۹ ھ ۳ ۱

اذا ما قلت للموت بشحبتی الا ابعدا لموجلک قد دنوت

فخاطبنی المنیۃ حین قلت من الشکوے بانک قد جفوت

بل استغفر الٰھک ذا قضاء کلکم نفس ذائقۃ الموت

۷ ۷ ۶ ۹ ۱

یئول حیا من الخیرات بعد موتہ او یموت حیا ولا ینجو من الفوت

۷ ۹ ھ ۳ ۱

نذرِ عقیدت

آزاد شیرازی
مدیر تذکرہ، لاہور
یکم فروری ۱۹۷۸ء

حضرتِ علامہ یوسفؒ کا بیاں کرتا ہوں میں ۔۔۔ خونِ دل سے پھر رقم اک داستاں کرتا ہوں میں

صورت و سیرت میں بے شک یوسفِ ثانی تھے وہ ۔۔۔ الغرض منجملۂ آیاتِ قرآنی تھے وہ

حامل اوصاف تھے آباء کے اور اجداد کے ۔۔۔ اس لئے تھے مستحق اللہ کی امداد کے

حضرتِ مدنیؒ سے ان کو ربطِ روحانی بھی تھا ۔۔۔ ہر عمل آئینۂ اعمالِ قرآنی بھی تھا

پیکرِ شرم و حیا تھے، صورتِ صدق و صفا ۔۔۔ اُن کے سر پر رحمتِ حق کا سدا سایا رہا

زہد اور تقویٰ میں ان کی نوجوانی کٹ گئی ۔۔۔ درس اور تدریس میں سب زندگانی کٹ گئی

دینِ حق کی عمر بھر تبلیغ وہ کرتے رہے ۔۔۔ اور پیغمبرؐ کی الفت ہی کا دم بھرتے رہے

معترف ہیں ان کے علم و فضل کے اہلِ کمال ۔۔۔ عصرِ حاضر میں تھے یوسف آپ ہی اپنی مثال

ہے دعا آزاد کی، کر لے مرے مولا قبول!

تربتِ یوسف پہ ہر دم رحمتوں کا ہو نزول!

حضرت علامہ
محمد یوسف بنوری

قدس اللہ سرہ العزیز

وائے حسرت کہ حضرت یوسفؒ
دارِ فانی سے ہو گئے رخصت
وہ محدث فقیہ، مردِ جلیل
نادرِ روزگار شخصیت
وہ تھے اک جانشینِ انور شاہؒ
سارے عالم میں جن کی ہے شہرت
جانِ تحریک و میرِ اہلِ وفا
رحمتِ کُل کے وارثِ حکمت
عصرِ حاضر کا یوسفِ ثانی
اہلِ دانش میں صاحبِ عظمت
علم و حکمت کا وہ مہِ کامل
پُرکشش جن کی صورت و سیرت
ہے دعا سب کی یا کریم و رحیم
اُن کی تربت پہ ہو سدا رحمت

محمود احمد عارف ہوشیارپوری

یاد

قاری عبدالرحمٰن نادم سکھر

بیتے لمحوں کی کبھی یاد جو آجاتی ہے
شبنمی موتی سرِ پلک سجا جاتی ہے

جب تصوّر میں کبھی ان کو بُلا لیتا ہوں
دل کے ویرانہ میں رونق سی چلی آتی ہے

"قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو"
آج بھی محملِ لیلےٰ سے صدا آتی ہے

ہمنشیں یوسفِ بنّوری ہے زندۂ جاوید
علم و عرفاں کو بھلا موت کبھی آتی ہے

مجھ سے منارۂ مسجد نے متعجب سے کہا،
ایسی ہستی بھی تہِ خاک سما جاتی ہے

حسنِ صورت سے بہت اونچا ہے سیرت کا مقام
لحدِ یوسفِ کنعاں سے صدا آتی ہے

آج شب نومِ عروسی کا مزا لوٹیں گے
قبر میں سنتے ہیں کہ جنت کی ہوا آتی ہے

مولانا بنوری رح کی یادیں

از: رضاء الحق مردانی
مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن
کراچی

گنجِ علوم و رُوحِ صداقت چلی گئی
محفل سے نورِ شمعِ ہدایت چلی گئی

شاہد خدا ہے جب سے سُنی میں نے یہ خبر
دُنیا کی نعمتوں کی حلاوت چلی گئی

نے تابِ صبر ہست نہ یارائے گفتن است
رحم کن اے خدا مری ہمّت چلی گئی

رازی کا فلسفہ تو غزالی کی معرفت
سحبان سے روزگار فصاحت چلی گئی

قرآن کا مفسّر شارحِ حدیث کا
روتے ہیں لوگ دین کی عظمت چلی گئی

وہ جس نے زور توڑ دیا کفر و شرک کا
نصرت کرے خدا کہ وہ طاقت چلی گئی

پرویزیوں کا جس نے کیا قلب پاش پاش
دُنیائے آب و گل سے وہ ہیبت چلی گئی

جس کی نگاہِ قہر نے ربوہ جلا دیا
سُوئے حبیب ایسی کرامت چلی گئی

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ
گفتا ز ارضِ پاک سعادت چلی گئی

ساغر تھا اُس کے ہاتھ میں حبِ رسولؐ کا
دُنیا کے میکدوں سے محبّت چلی گئی

اللہ نے دیا تھا ہر اک وصف میں کمال
تقویٰ و جود و علم و قناعت چلی گئی

ترا کمالِ حُسن و ترا فضل بے نظیر
حقّا کہ مصرِ علم کی عزّت چلی گئی

عالم کا ذرہ ذرہ ہے اس غم میں سوگوار
کہتا ہے ذوالجلال کی نعمت چلی گئی

خوفِ خدا سے چشمِ تر و قلبِ مضطرب
حُبِّ رسولؐ و شانِ عبادت چلی گئی

شام و سحر تھا جس سے میسّر سکونِ دل
اب کیا کروں خُدا کہ وہ صُورت چلی گئی

جس نے عرب میں علم کا سکّہ جما دیا
تسخیرِ کائنات کی حکمت چلی گئی

کر رحم شیخ یوسفِ کامل پہ اے خُدا
تیری رضا میں تیری امانت چلی گئی

تاریخ کی تھی فکر تو ہاتف نے دی ندا
احسان ربّ رُوحِ شرافت چلی گئی

$$\frac{۹۸۱ \quad ۲۱۴ \quad ۲۰۲}{۱۳ \quad ۹۷}$$

منطق ہوئی تباہ کہ افرادرہ گئے
آنسو بہا رضا کہ حقیقت چلی گئی

حق کا نمائندہ

سیّد سلمان گیلانی

باطل کے مقابل تھا تو حق کا نمائندہ ممکن نہیں پیدا ہو تجھ سا کوئی آئندہ

دنیا سے خفا ہو کر دنیا سے جدا ہو کر فردوس میں جا بیٹھا فردوس کا باشندہ

اے یوسف بنوریؒ تو اصل حقیقت میں اُن لوگوں میں شامل ہے جو مر کے بھی ہیں زندہ

دنیائے فراست میں شہرت ہے تری ہر سُو دُنیائے ولایت میں تو زندہ و پائندہ

خورشید کی صورت ہے ہستی تری اے یوسفؒ اِس جگ میں تابندہ اُس جگ میں بھی تابندہ

کب اہلِ عجم کے ہی سینے ہیں فقط روشن ہیں اہلِ عرب کے بھی دِل تجھ سے درخشندہ

تو ختمِ نبوّت کی تحریک کا قائد تھا ہاں تیری بصیرت سے باطل ہوا شرمندہ

تجھ سے جو تعلّق ہے تجھ سے جو محبت ہے

سلماں اسی کے دِل و دیدہ ہیں اسلئے رخشندہ

فصبر جمیل

سرور میوانی (واھگہ باڈر)

ہم نفس رودادِ دردِ دل سنا کر کیا کریں || چشم دل سے خون کے دریا بہا کر کیا کریں
دھجیاں چاکِ گریباں کی اڑا کر کیا کریں || شور و غل سے آسماں سر پر اٹھا کر کیا کریں

شیخ بنوریؒ کو دنیا میں نہ پا کر کیا کریں

شیخ بنوریؒ محمد یوسف والا گہر || آہ دنیا میں کہیں آتے نہیں ہم کو نظر
ہاں بتا تو چارہ ساز جب وہ شیخ دیدہ ور || چل دئے ہوں چاہنے والوں کو گریاں چھوڑ کر

اُن کے بیمارِ محبت مسکرا کر کیا کریں

اب کوئی آفاق میں بسطامیؒ و ثوریؒ نہیں || رومیؒ و شبلیؒ نہیں عطارؒ و لاہوریؒ نہیں
آج یہ بھی سن لیا کانوں نے بنوریؒ نہیں || سامنے قدرت کے چلتی کوئی شہزوری نہیں

قلب چکنا چور ہے غم سے دکھا کر کیا کریں

اے شہِ ملکِ صحافت اے مدیرِ بینات || بے ترے بے کیف و پژمردہ ہے بزمِ کائنات
تیرہ و تاریک ہیں اپنی نظر میں شش جہات || خیر تیری میرے چارہ گر مگر آبِ حیات

زیست سے بیزار لوگوں کو پلا کر کیا کریں

کون ہے اب میرِ ملت شیخ بنوریؒ کے بعد || کون ہے شیخ طریقت شیخ بنوریؒ کے بعد
کون ہے خضرِ ہدایت شیخ بنوری کے بعد || اے رفیق راہ الفت شیخ بنوری کے بعد

اب کسی کو اپنی آنکھوں میں بسا کر کیا کریں

وہ مرے شیخِ مکرّم وہ فقیہِ بے نظیر — عابدِ شب زندہ دار و صُوفیِ روشن ضمیر
صاحبِ عرفان شیخِ باصفا پیروں کے پیر — پا گئے ہیں جبکہ جنّت میں مقامِ دل پذیر
اُن کا پھر دُنیائے دوں میں غم منا کر کیا کریں
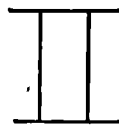
بے غرض بے لوث ادیب و بے بدل مضموں نگار — نُور کے مینار ہیں تیرے قلم کے شاہکار
کون اب تلبیسِ پرویزی کرے گا تار تار — دشمنِ ختمِ نبوّت پر کرے گا کون وار
پھنس گئے تشویش کے چکّر میں آکر کیا کریں

اے علومِ شاہ انورؒ کاشمیری کے امیں — زیرِ گردوں آپ کا ثانی نظر آتا نہیں
آپ تو بے شک سدھارے جانبِ خلدِ بریں — ہے ہماری بھی تشفّی کی کوئی صورت کہیں؟
غم ہے روز افزوں اسے حد سے بڑھا کر کیا کریں
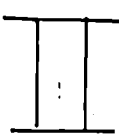
تیرا مقصد مجھ سے پنہاں تو نہیں ہے ناصحا — تیری تدبیریں ہیں نافع تیرا سمجھانا بجا
پر ذرا یہ بھی تو بتلا دے مجھے بہرِ خدا — بڑھتے بڑھتے جب مرض ہو جاتے بالکل لا دوا
پھر مداوا اُس کا چارہ ساز آکر کیا کریں
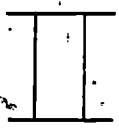
ہے جنہیں ماتم کی خواہش شوق سے آئیں کریں — نفس کے بن کر خلافِ شرع جو چاہیں کریں
خوگرِ تسلیم کو زیبا کہاں آہیں کریں — قتل دستِ ناز سے وہ جس طرح چاہیں کریں
تابعِ حکم و رضا ہیں تلملا کر کیا کریں
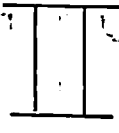
اولیاء کو غم نہیں سرور مگر لا تَشْعُرُوْن — شان میں ان ہی کے آیا ہے وَھُم لا یَحْزَنُون
صابروں کے حق میں فرمایا گیا ھُم مُھْتَدُوْن — ذہن میں رکھ مقصدِ اِنّا الیہ راجعُون
ہے عبث سب "تلملا کر" "بلبلا کر" کیا کریں
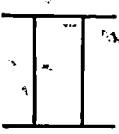
موت العالم موت العالم

قاری عبدالرحمٰن نادم سکھر

ٹہنی ٹہنی، پتے پتے سے خزاں ہے آشکار
اے چمن ہائے چمن وہ کیا ہوئی تیری بہار

باغباں تو ہی بتا آخر انہیں کیا ہو گیا
بلبلِ نالاں گل خنداں سبھی ہیں اشک بار

زندگی پھرتی ہے حیراں آج کس کی موت پر
کس کے غم میں ہیں زمین و آسماں بھی سوگوار

کون محفل سے اٹھا کیوں چھا گئی ہے تیرگی
شمع محفل جل بجھی دل جل گیا پروانہ وار

آہ اے دنیا کے باسی کیا کہوں کیا ہو گیا
لٹ گئی عقل و خرد اور پیرہن ہے تار تار

خضر سا رہبر ملا تھا زندگی کے موڑ پر
وائے غفلت کھو دیا بیٹھے رہو اب دل فگار

"یوسفِ گم گشتہ" باز آید بکنعاں غم مخور"
اب کہاں وہ یوسف خلد آشیاں والا تبار

اے کہ تو شمع منور تھا شب تاریک میں
اک محدث، اک فقیہ، اک عالمِ عالی وقار

ڈوبتے دیکھا ہے میں نے علم کے سورج کو آج
موتِ عالم، موتِ عالم اب ہوا ہے آشکار

"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے"
تا قیامت مہبطِ رحمت رہے تیرا مزار

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ملک نصراللہ خان عزیز

پاکستان و ہندوستان کے مشہور صحافی مولانا نصراللہ خاں عزیز نے "امام الہند" کے عنوان سے مولانا آزاد پر ایک تاریخی نظم کہی تھی جس میں انہوں نے مولانا کی سیاسی خدمات ، ان کے تدبر و بصیرت اور ذہنی و فکری کاوش اور سیرت کے محاسن کا ذکر کیا تھا۔ یہ نظم چونکہ ان کے مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہے اس لیے اس تاریخی نظم کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ اس سے مولانا عزیز کے شاعرانہ کمال کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور ان کی فکر کے ایک پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے مولانا عزیز کی زندگی کے آخری شب و روز جماعت اسلامی کی خدمت گزاری میں بسر ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کے بعض خیالات میں بڑی تبدیلی آگئی تھی۔ لیکن مولانا آزاد سے عقیدت کے اظہار اور ان کے فضائل و محاسن کے اعتراف میں ان کی زبان اور قلم نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔

(ادارہ)

اے امام محترم! اے رہبرِ عالی مقام!
تیری تحریر و خطابت نازشِ اسلام ہے
عزم تیرا کوہ پیکر، حزم تیرا بے مثال
تجھ پہ کھولے حق نے رازِ معنیٔ امّ الکتاب
تو علم بردار ہے اسلام کی توحید کا
تجھ سے زندہ ہیں مسلماں کی روایاتِ کہن
تجھ سے قائم ہے وطن میں آبروُ اسلام کی
کوئی لالچ ہو تو اس لالچ میں آ سکتا نہیں
قلبِ مسلم میں جو نورِ حریت ہے موجزن
بے نیاز شہرت و عزت غنیٔ مال و جاہ
عزم و ہمت سے اگرچہ دل ترا آسودہ ہے
استقامت میں نہ کوئی لا سکا تیری نظیر
کانگرس کو فخر تیری فہم کا اخلاص کا
غیر مسلم کو بھی تیرے عدل پر ہے اعتبار
حبذا پھر سوئے قوم بے نوا آیا ہے تو
آہ! وہ پنجاب جو مظلوم ہے، مقہور ہے
پانچ دریاؤں سے ریگستان تک سیراب ہے
اس کے ایوانوں میں انسانوں کے بکتے ہیں ضمیر
جھوٹ کے صدقے میں ہوتے ہیں سروں کے سر بلند
فرقہ پرور اس طرح پھرتے ہیں اس میں آشکار
اس متاعِ ظلم کو شعلہ نوائی چاہیئے
پھونک دے خاشاک ظلم و جبر کو تدبیر سے
قافلہ سستا رہا ہے پھر اسے ہشیار کر

علم و تدبیر و سیاست ہیں ترے در کے غلام
تیرا ہر اک لفظ گویا پیکرِ الہام ہے
صدق تیرا بے عدیل اور عدل تیرا لازوال
فیض ہے روح القدس کا جس سے تو ہے فیضیاب
تو امیں ہے اس صدی میں رتبۂ تجدید کا
مستقیم و مخلص و بے خوف و ہمدردِ وطن
تو لگاتا ہے لگن دل میں خدا کے نام کی
آسماں بھی رفعتوں کو تیری پا سکتا نہیں
تیرے ہی قول و عمل کی شمع کی ہے وہ کرن
اللہ اللہ کتنی اونچی ہے ترے دل کی نگاہ
فکر خدمت سے مگر تیری جبیں آلودہ ہے
وہ الہ آباد کا برنا ہو یا وردھا کا پیر
رہنمائے محترم ہے عام کا اور خاص کا
ہے بھرم اسلام کا تیرے سبب سے برقرار
مژدۂ "لاتقنطوا" پنجاب میں لایا ہے تو
جس میں باطل مقتدر ہے اور حق مجبور ہے
کشتِ حریت مگر ویران ہے بے آب ہے
کھول کر بیٹھے ہیں دوکانیں شہ میر و وزیر
اہل حق کے واسطے پاداش حق ہے قید و بند
جس طرح تاریک جنگل میں درندے نابکار
خطۂ پنجاب کی بھی رہنمائی چاہیئے
آگ سی ہر سو لگا دے شعلۂ تقریر سے
سو رہی ہے ملک کی تقدیر اسے بیدار کر

نام ہے آزاد تیرا ملک بھی آزاد ہو
یہ غلام آباد بھی آزاد ہو کر دل شاد ہو

مکتوب سید بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

بنام :- صدر و اراکین انجمن اشاعت حفظ قرآن مکہ معظمہ

اُمتِ محمدیہ ـــــ علی صاحبہا الصلوات والتحیات ـــــ کی نجات و سعادت کا ایک نسخہ "قرآن عظیم" ہے۔ یعنی قرآن کریم پڑھنا پڑھانا اور اس پر عمل کرنا، اس قرآن کریم ہی کے ذریعہ اس اُمت کے پہلے دور کی اصلاح ہوئی ہے اور اس آخری دور کی اصلاح بھی بغیر اس کے ناممکن ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے ـــ جیسے کے الریاض النضرۃ میں محب طبری نے نقل کیا ہے۔ لن یُصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما اَصلح اولہا۔

معلوم ہوا تھا کہ حکومت سعودیہ میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کے حفظ و تجوید کے مدارس مساجد میں عوامی سطح پر قائم ہونے شروع ہو گئے ہیں اور اس کا سہرا بھی ہمارے محترم سیٹھی محمد یوسف صاحب پاکستانی کے سر ہے۔ کہ اس کے محرک موصوف ہی بنے ہیں۔ ان حضرات کی حوصلہ افزائی کے لئے میں نے ایک مکتوب مکہ مکرمہ لکھا تھا جس میں خلفاء راشدین ثلاثہ حضرت عمر فاروق حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم کی روایات میں سے تین مرفوع حدیثیں کتب حدیث سے نقل کی تھیں اور ان سے واضح نتائج نکالے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس مکتوب کی ان حضرات نے بڑی قدر کی اور ٹائپ کر واکر مختلف جہات میں (سرکاری اداروں) تک بھیجا، احباب کی خواہش تھی کہ ناظرین "بینات" کے لئے بھی اس مکتوب کو شائع کیا جائے تاکہ ہمارے حکمران طبقے اس پر غور فرما سکیں اور مسلمانوں کے مکتبوں میں جو "قرآنی خدمت" انجام دی جا رہی ہے اس کی قدر کر سکیں۔ واللہ سبحانہ ولی توفیق و سعادتہ۔ (بنوری)

مکتوب بنام صدر و اراکین انجمن اشاعت حفظ قرآن عظیم مکہ مکرمہ (صانہا اللہ)

انجمن حفظ قرآن کریم مکہ مکرمہ کے صدر محترم اور معزز اراکین کے نام! اسلامی تحیہ اور سلام مسنون!

مجھے بتایا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس کے دوسرے خطوں میں حفظ قرآنِ کریم کی ایک انجمن کی تشکیل کی گئی ہے اور اب اس کی شاخیں دور دور تک پھیل چکی ہیں (اور نہایت سرگرمی سے کام ہو رہا ہے)

میری مسرت و اطمینان میں یہ معلوم کر کے مزید اضافہ ہوا کہ توفیق ربانی حکومت سعودیہ عربیہ (اراکین سلطنت کے بھی شامل ہے۔ (کہ وہ اس تنظیم کی سرپرستی کر رہے ہیں) اور یہ توجہ اور سرپرستی حکومت کی عزت و عظمت میں ترقی و اضافہ کا باعث بن رہی ہے۔

اس سلسلہ میں تین اہم احادیث (غور و فکر اور خوشخبری کی غرض سے آپ کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ ایک خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حدیث، وہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ (شخص یا جماعت) ہے جو خود قرآن کا علم حاصل کرے اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ (بخاری شریف)

اس حدیث میں اس امر کی بشارت ہے کہ جو قوم "قرآن عظیم کی تعلیم" (پڑھنے پڑھانے) کی اشاعت میں سرگرم ہو گی وہ لسان نبوت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تصدیق کے مطابق بہتر قوم ہے۔ اور یہ تعلیم و تعلم قرآن کی خدمت بڑی سے بڑی دینی خدمت پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اسلام میں بہترین امت کا امتیازی فریضہ اور منصب "تعلیم و تعلم قرآن عظیم" ہے۔ اور اسی فریضہ کی بناء پر وہ اس عظیم لقب (بہترین قوم) کی مستحق ہوتی ہے (خلافتِ راشدہ خصوصاً شیخین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے زریں عہد خلافت اس کے شاہد ہیں)

۲۔ دوسری حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کتابِ الٰہی (تعلیم و تعمیل اور اتباع) کے ذریعہ بہت سی قوموں کو (دینی اور دنیوی) رفعت و علو مرتبت کے اعلیٰ مقام پر پہنچائے گا اور بعض قوموں کو اسی کتاب (کو پس پشت ڈال دینے) کی بنا پر ذلت اور پستی کے گڑھے میں ڈال دے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ جو قوم قرآن عظیم کی تعلیمات کو دنیا میں قائم کرے گی (اس کو اپنا نصب العین بنائے گی) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی عظمت و شوکت کے جھنڈوں کو بلند سے بلند تر فرمائیں گے اور اس کے

قومی وجود و استحکام اور (اقوام عالم میں) اس کی عزت و عظمت کی حفاظت فرمائیں گے اور جس قوم کا رشتہ قرآن سے ٹوٹ جائے گا (اور وہ قرآنی تعلیمات سے صرف نظر کرے گی) وہ ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو جائے گی۔

۳۔ تیسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں (مسلمانوں) سن لو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے سنا ہے۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے "آگاہ ہو جاؤ! عنقریب عظیم فتنوں کا دور آنے والا ہے"۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے نکلنے اور بچنے کا راستہ کیا ہے؟ (وہ بھی تو بتلایئے) آپ نے ارشاد فرمایا "کتاب اللہ (قرآن عظیم) ہے اس کتاب الٰہی میں تم سے پہلی امتوں کے (عبرت آموز) اخبار و واقعات موجود ہیں اور تمہارے بعد آنے والی قوموں کی (سبق آموز عواقب کی) خبریں (اور علامتیں) بھی بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب آسمانی میں تمہارے درمیان (پیدا ہونے والے) اختلافی امور کے واضح احکام بھی موجود ہیں یہ قطعی اور فیصلہ کن "اللہ کا کلام" ہے ہنسی دل لگی کی داستان نہیں ہے۔ جس (شخص یا قوم) نے اس کو از راہ تحقیر ٹھکرایا اللہ اس کی کمر توڑ ڈالے گا اور جو کوئی اس کے علاوہ کسی اور دستور و آئین سے رہنمائی حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو (دنیا و آخرت دونوں میں) گمراہ کر دیں گے۔ (یاد رکھو) یہی کلام الٰہی اللہ تعالیٰ کا مضبوط و پائیدار رشتہ ہے۔ اور یہی (حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل) حکیمانہ ذکر (یاد داشت) ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے اور یہ وہ (محکم و واضح قانون قدرت) ہے کہ نہ انسانی اغراض و خواہشات اس میں کوئی کجی پیدا کر سکتی ہیں اور نہ انسانی زبانیں اس کی تعبیر و تشریح میں کوئی شک و شبہ ڈال سکتی ہیں (تحریف و تلبیس کر سکتی) اور نہ (حقائق کے متلاشی) علماء اس کے علوم سے کبھی (بھی اور کسی بھی زمانہ اور ملک میں) سیر (اور مستغنی) ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کثرت استفادہ (اور تفکر و تدبر کی زیادتی سے (کسی بھی زمانہ اور ظرف و احوال میں) کہنہ (از کار رفتہ اور ناقابل عمل) ہو سکتا ہے اور نہ اس کے عجائبات (نو بنو انکشافات) کبھی ختم ہو سکتے ہیں۔ اور یہ تو کلام الٰہی ہے کہ جن (جیسی سرکش اور ناری مخلوق بھی اس کو سنتے ہی بے ساختہ یہ کہنے سے باز نہ رہ سکی کہ "بیشک ہم نے تو ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو نیکی اور بھلائی کی (واضح اور قطعی) رہنمائی کرتا ہے اسی لئے ہم اس پر ایمان لے آئے"۔ (یاد رکھو جس (شخص یا قوم) نے (صدق دل سے) اس پر اعتقاد رکھا (اور ایمان لایا) وہ سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کیا وہ (یقیناً دنیا و آخرت میں) اجر و ثواب کا مستحق ہوا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے (یقیناً) عدل و انصاف (قائم) کیا اور جس نے اس کی (تعلیم و تعلم اور عمل کی طرف (مخلوق کو) دعوت دی (سمجھ لو) اس کو صراط مستقیم کی ہدایت کر دی گئی۔

یہ حدیث ہمیں واضح طور پر بتلاتی ہے کہ (اسلام میں) سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ملت مسلمہ ایمان و اسلام کے نور سے محروم ہو جائے اور اس فتنے (اور اس کے نتیجہ میں دوسرے تمام فتنوں) سے نجات حاصل کرنے اور محفوظ رہنے کا واحد راستہ قرآن کریم اور اس کو دانتوں سے پکڑ لینے اور اس کی علماً و عملاً پابندی کرنے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث اس پر بھی قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی بھی اسلامی حکومت قرآن کریم کو دانتوں سے نہ پکڑے گی نہ صرف یہ کہ وہ (فوز و فلاح سے محروم ہو گی اور خسارہ میں پڑے گی بلکہ قطعی ہلاکت و تباہی اور ذلت و خواری اور رسوائی کا نشانہ بنے گی۔ خدا کی پناہ۔

لہٰذا ان تینوں حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کو پورا وثوق و اعتماد ہے کہ مقدس عرب ممالک میں اس تحریک، حفظ و تعلیم قرآن کا ظہور و عروج حکومت سعودیہ کے لئے ایک خوش آئند آغاز (اور سعادت و خوش بختی کا پیش خیمہ ہے اور (گوناگوں خداوندی) رحمت کی بشارت ہے اور عزت و عظمت اور شوکت و جلالت کی صبح صادق کی (آفاق عالم میں پھیلنے والی روشنی ہے۔ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس تحریک کی سرگرمی برابر قائم و دائم رکھے اور مملکت سعودیہ کے علاقوں میں یہ تحریک برابر جاری و ساری رہے اور اس کی شاخوں اور شعبوں میں روز افزوں اضافہ ہو اور امت عربیہ کی نسلیں اس سے مستفید ہوتی رہیں اور یہ تحریک زیادہ سے زیادہ بار آور ہو تاکہ عرب قوم سعادت و خوشحالی کی زندگی عظمت و فخر کے جھنڈوں کے زیر سایہ بسر کرتی رہے۔

آخر میں اس انجمن کے بانی اور تحریک کو چلانے والے عہدہ داران اراکین اور کارکنوں کی خدمت میں تہنیت اور عقیدت کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہر توفیق خیر اور ہر نعمت کے متولی ہیں اور وہی ہمارے لئے کافی ہیں اور بہت اچھے کارساز ہیں۔

والسلام: محمد یوسف بنوری مہتمم و استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (۵)

بقیہ: مولانا عبدالقدوس

کے کتب خانہ میں بھی نوادر کی آمد رہتی تھی (راقم الحروف کو جب کبھی ان کی صحبت کا شرف حاصل ہوا علمی میدان کی تازہ معلومات حاصل ہوتی رہیں۔

علمائے پاکستان اور عالم اسلام کے دوسرے علماء کے درمیان (ابطان کی بدولت قائم تھا) ہند و پاک کے حنفی علما کو شیخ الاسلام مولانا زاہد کوثری کی تصنیفات سے استفادہ کا موقع بھی حضرت بنوریؒ کی بدولت ملا۔ حضرت کے انتقال پر بہ ظاہر یہ ربط ٹوٹ گیا (ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا)

فانا للہ وانا الیہ راجعون رضی اللہ عنہ وارضاہ واسکنہ فی جنات ونہر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

تصویری جھلکیاں

دارالاقامہ اور عقبی گیٹ

مسجد نیوٹاؤن ——— ایک عمومی جائزہ

دار الحدیث مدرسہ جس میں حضرت مولانا نے مدتوں درس حدیث دیا۔

تخصص (پی - ایچ - ڈی) دعوت و ارشاد کی درسگاہ

تخصص فی الفقہ کی درسگاہ

التخصص فی الفقہ

دار التصنیف کی خوبصورت عمارت

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا دفتر

دارالاقامۃ کا ایک منظر

دار الحدیث کا اندرونی منظر

دار الاقامۃ کا ایک کمرہ - اندرونی منظر

*

نیوٹاؤن کی عظیم الشان مسجد کے دو منظر

*
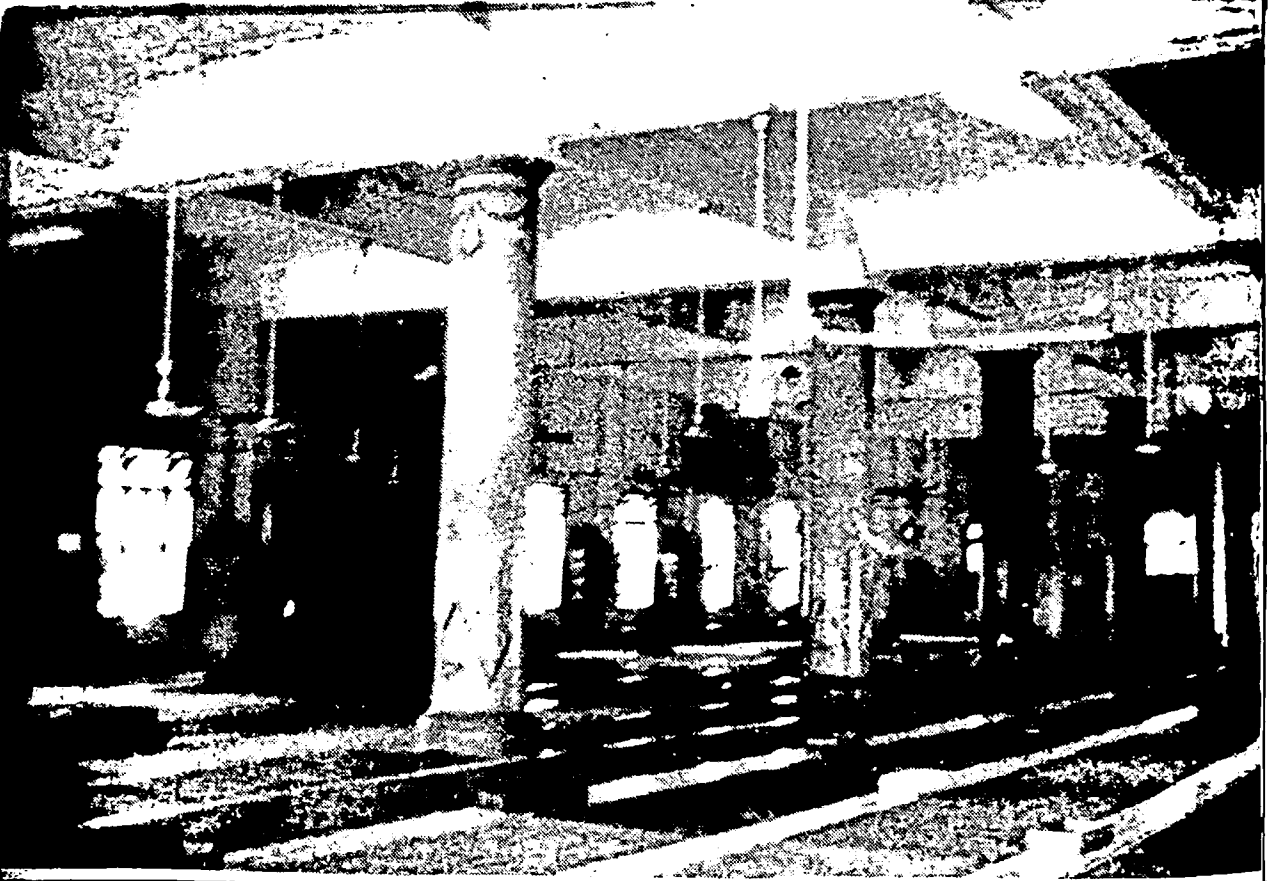
دفترِ اہتمام جس میں حضرت مولانا تشریف رکھتے تھے
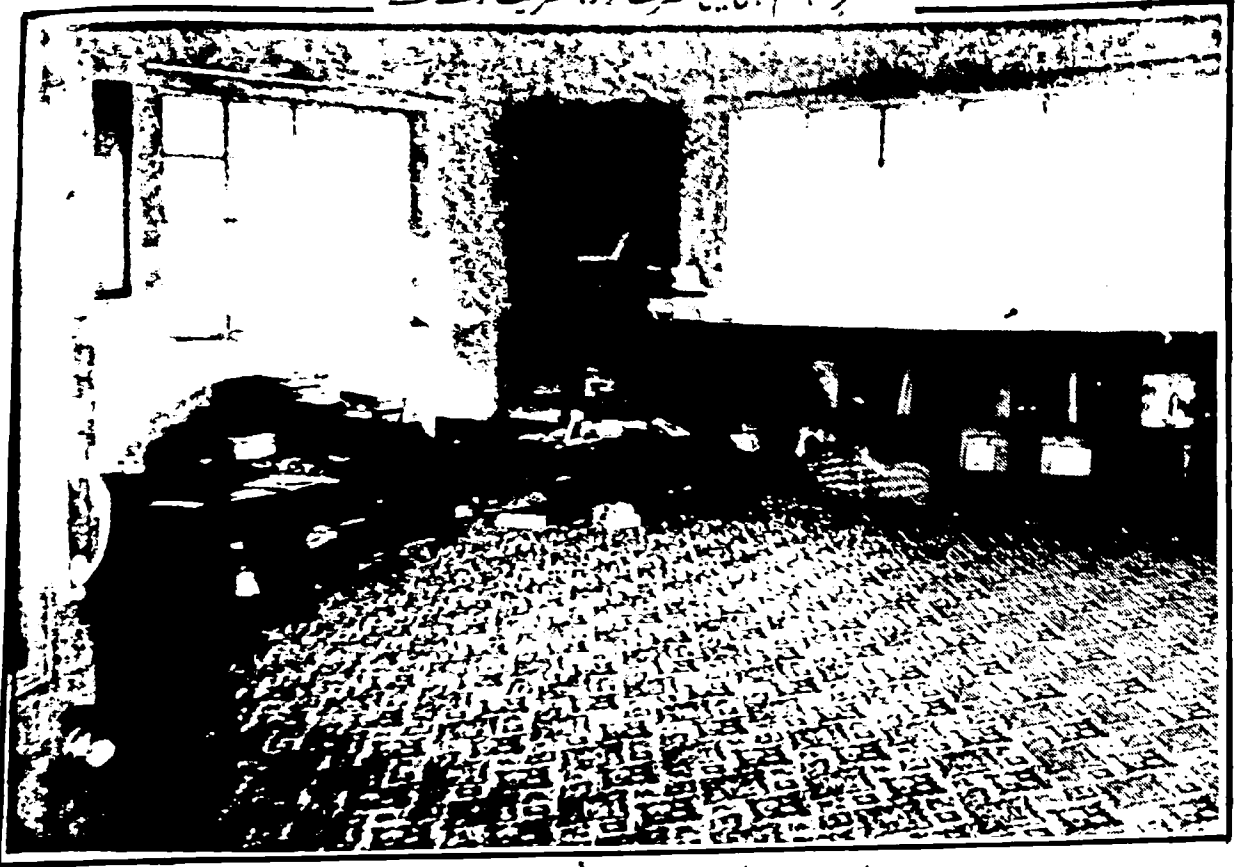
برآمدہ میں طلبہ کی سہولت کے لیے سوئی گیس کے چولھے

مسجد نیو ٹاؤن کی محراب
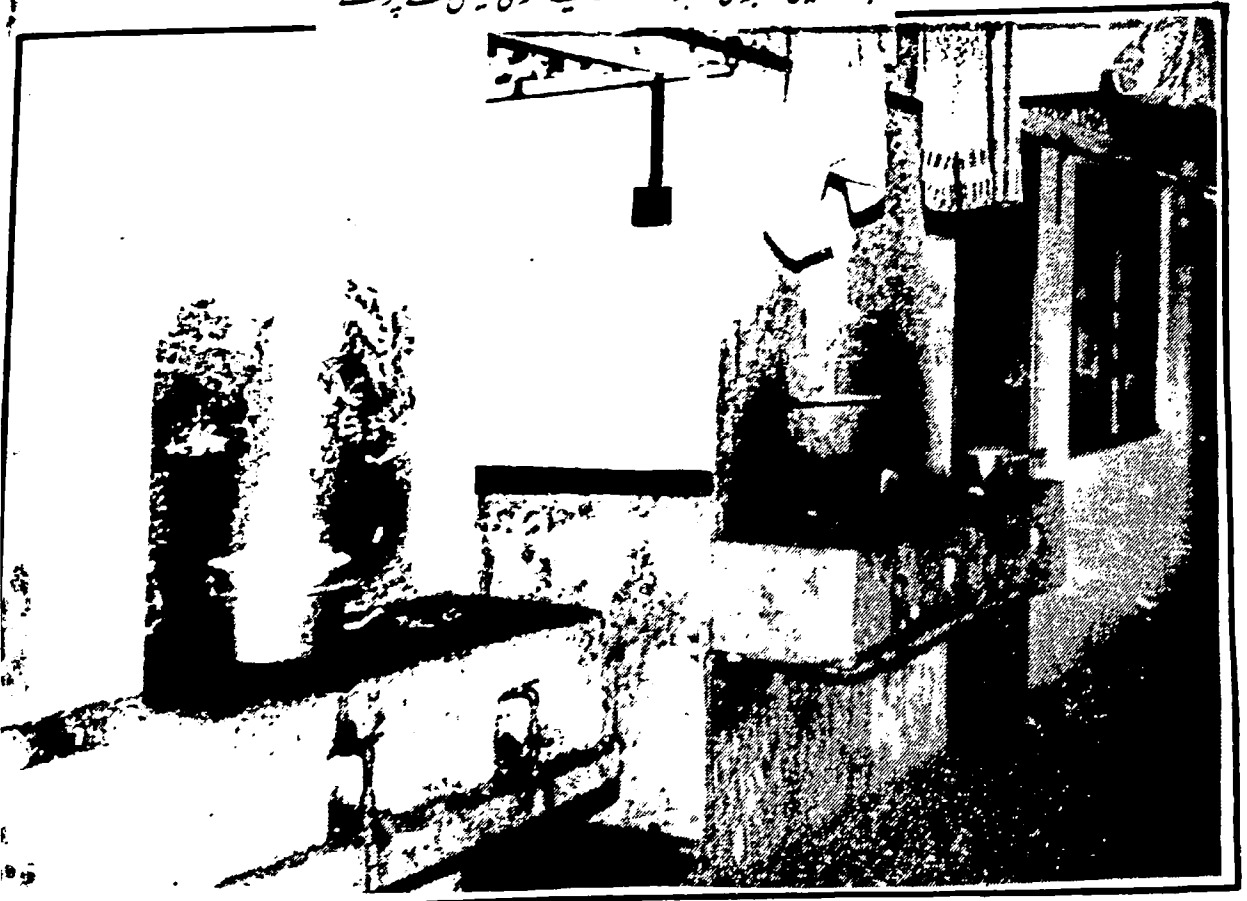
مولانا مرحوم کے گھر کا دروازہ
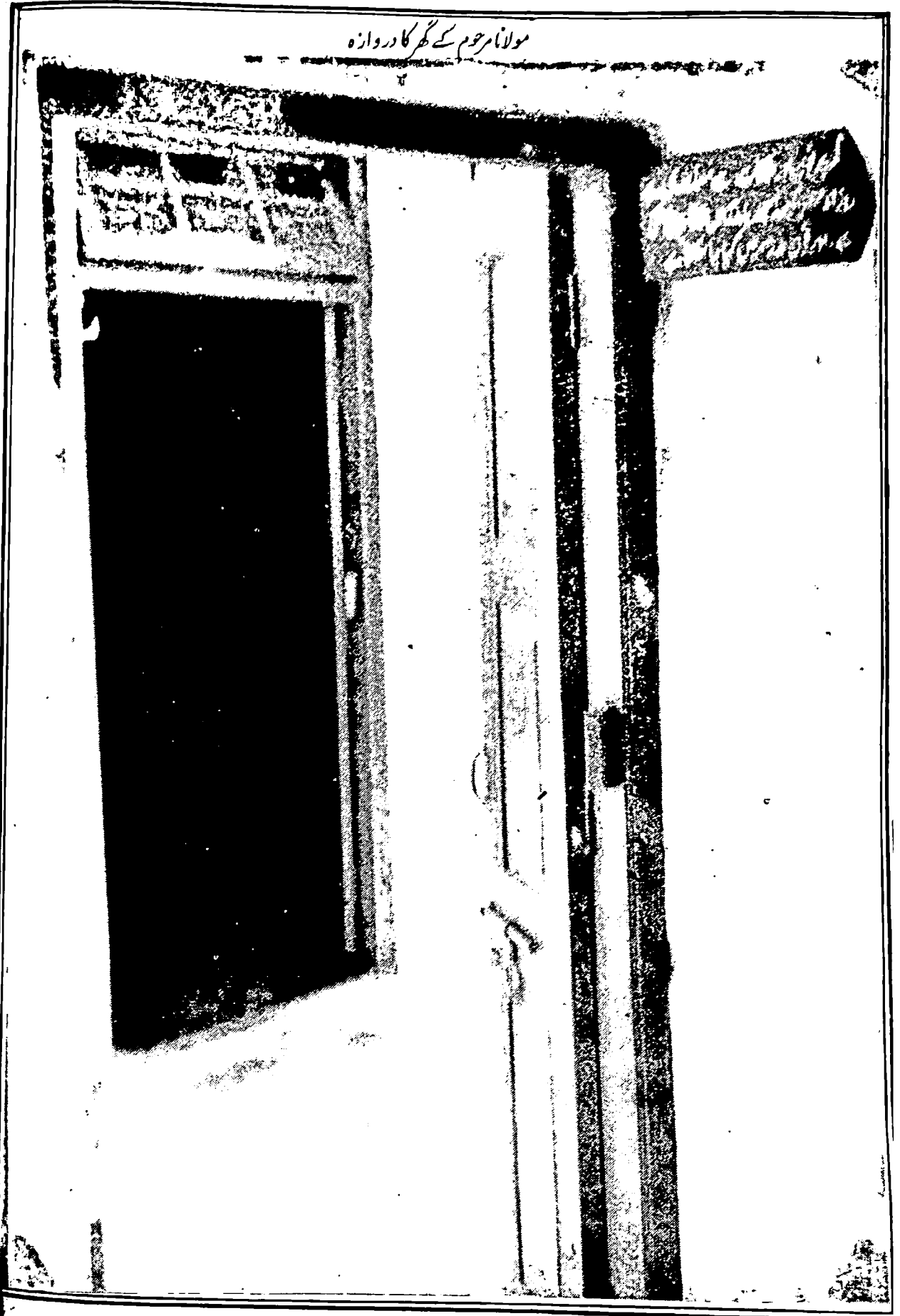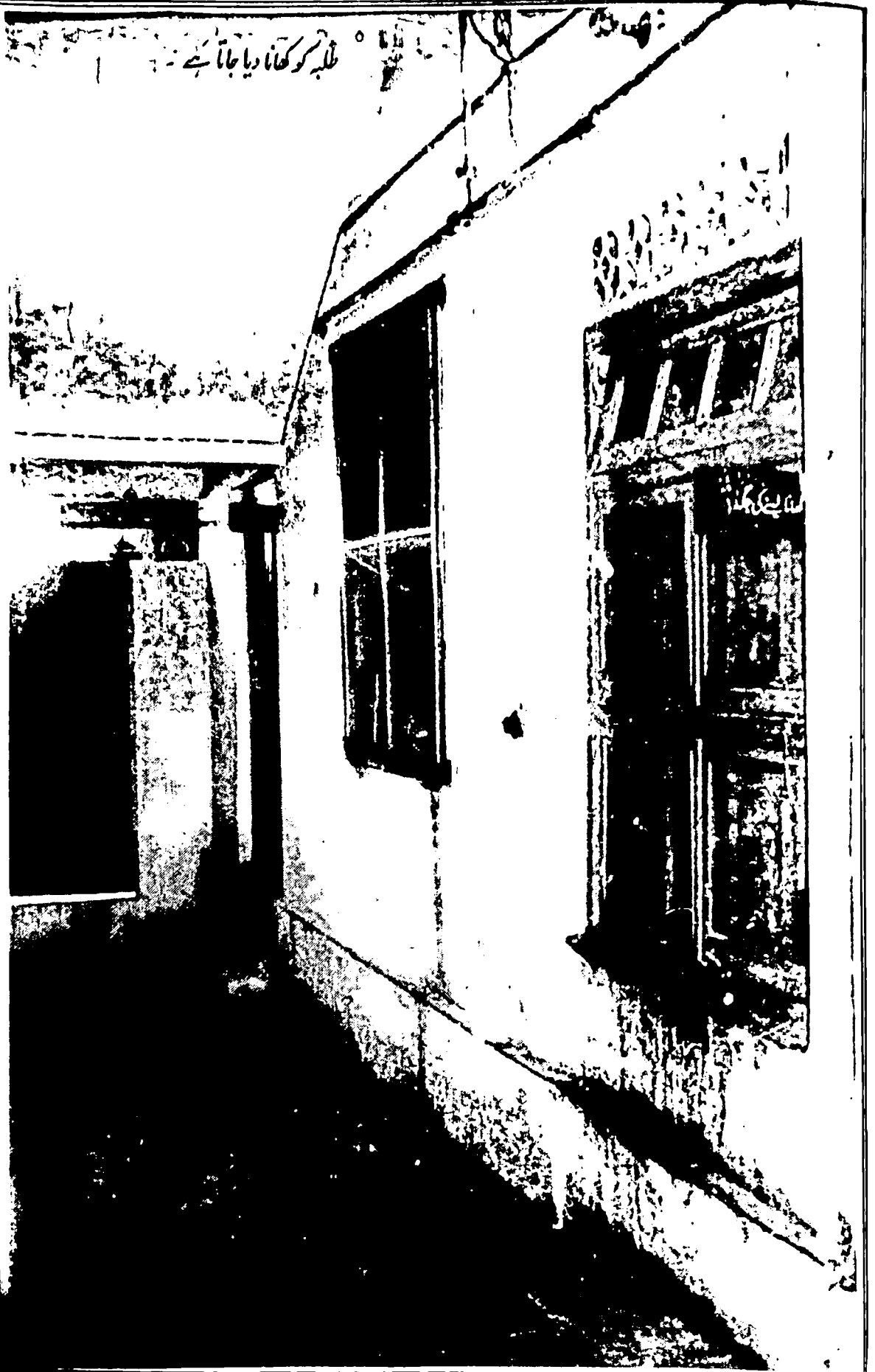
٥ طلبہ کو کھانا دیا جاتا ہے۔

باغیچہ — جس میں مولانا عصر و مغرب کے درمیان بیٹھتے

درسگاہیں — اندرونی منظر
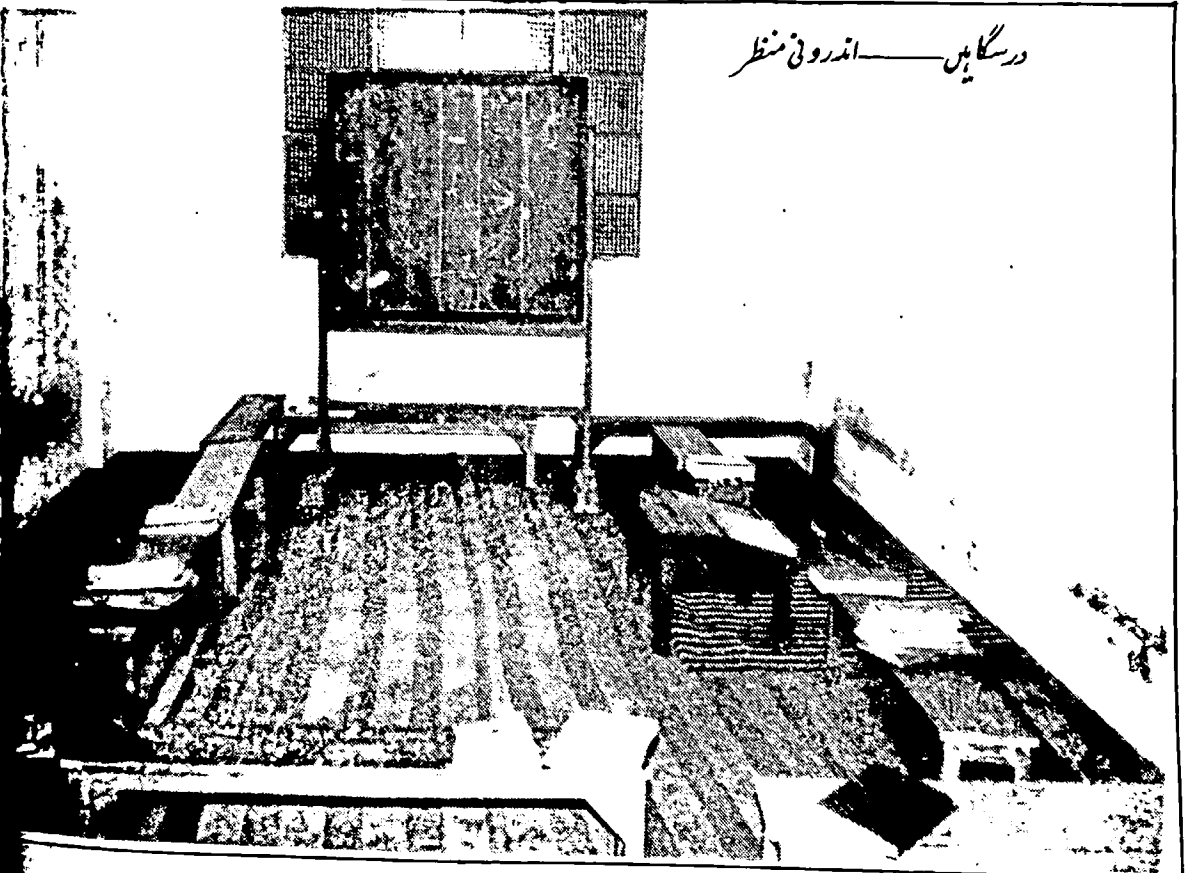
دارالاقامہ ــــ باورچی خانہ
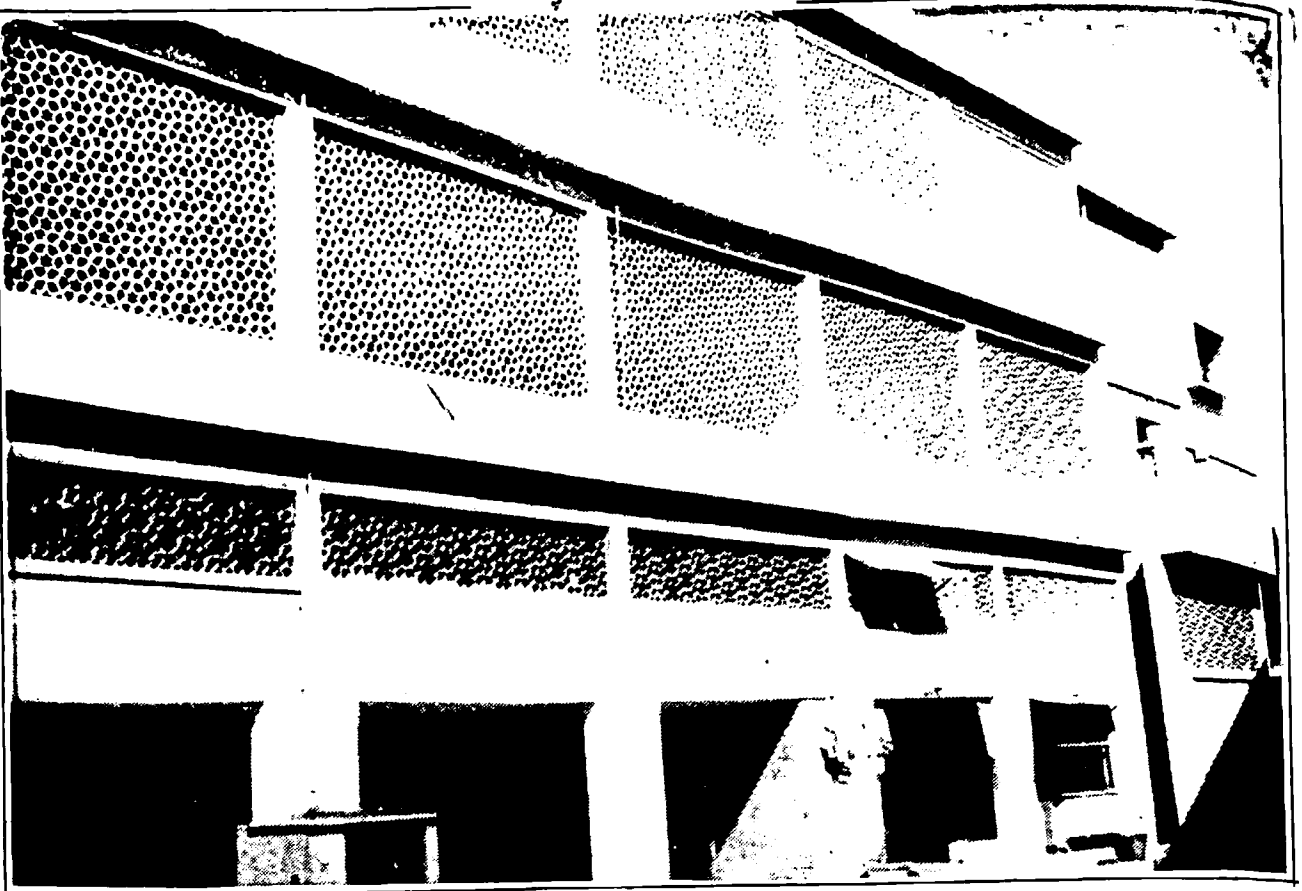
مسجد ــــ ایک گوشہ
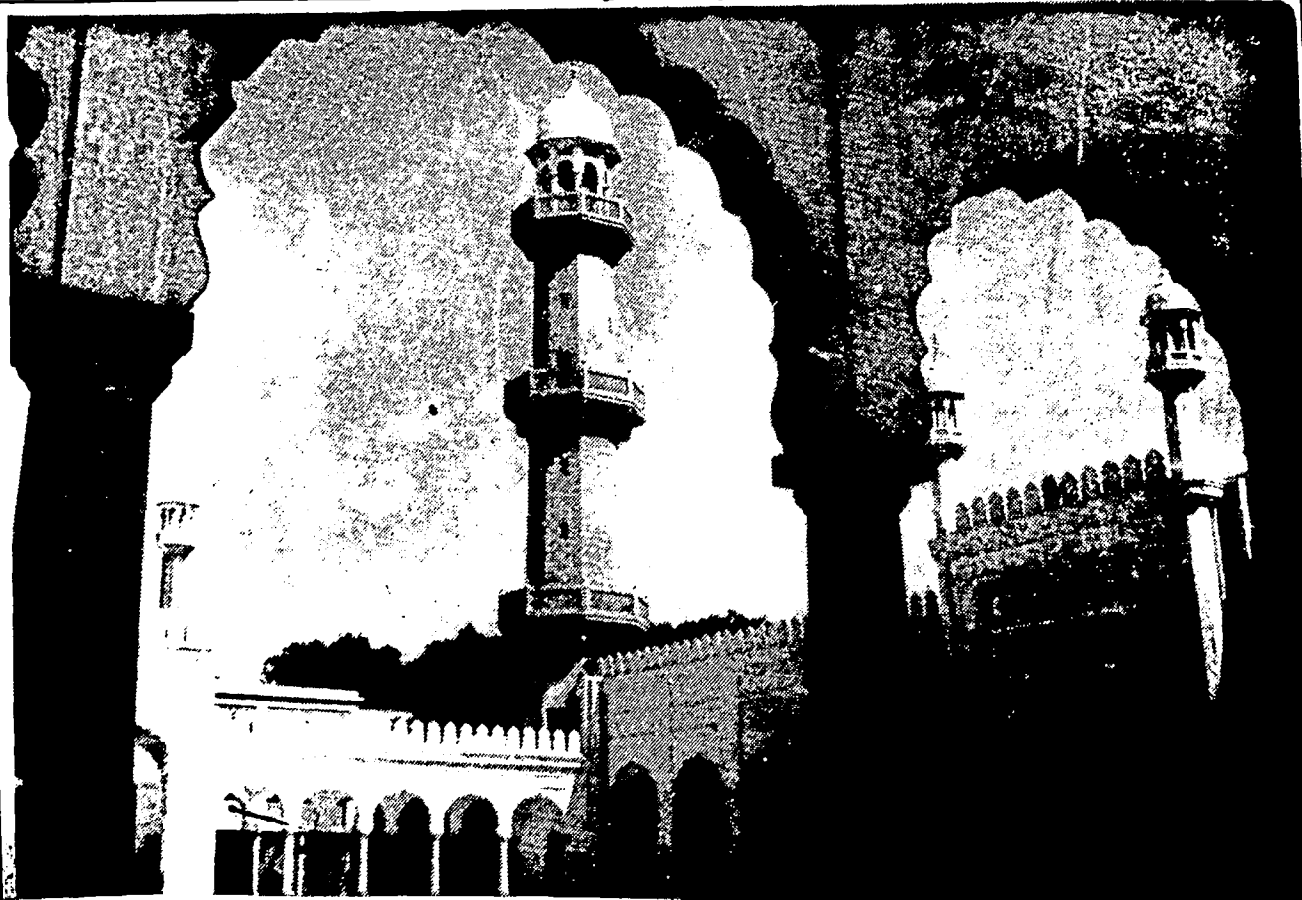
مسجد —— اندرونی منظر
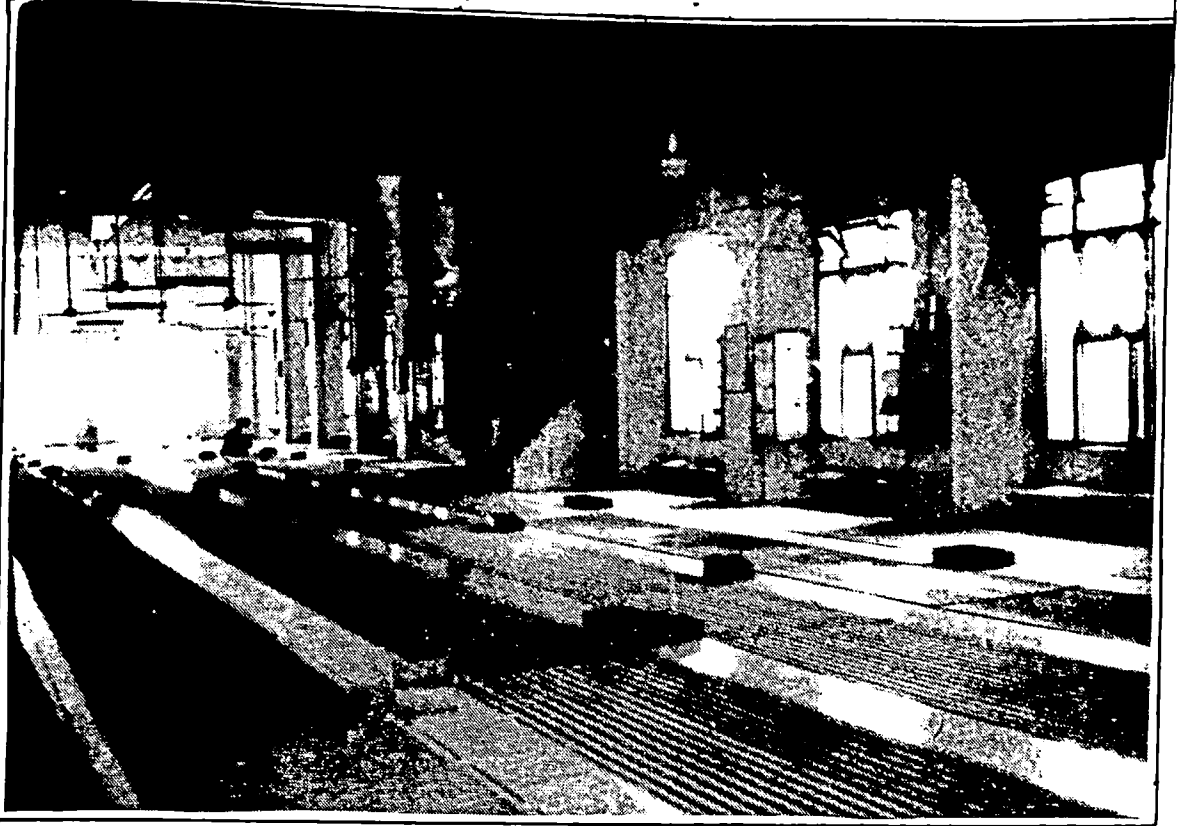
مہمان خانہ اور ملحقہ عمارت
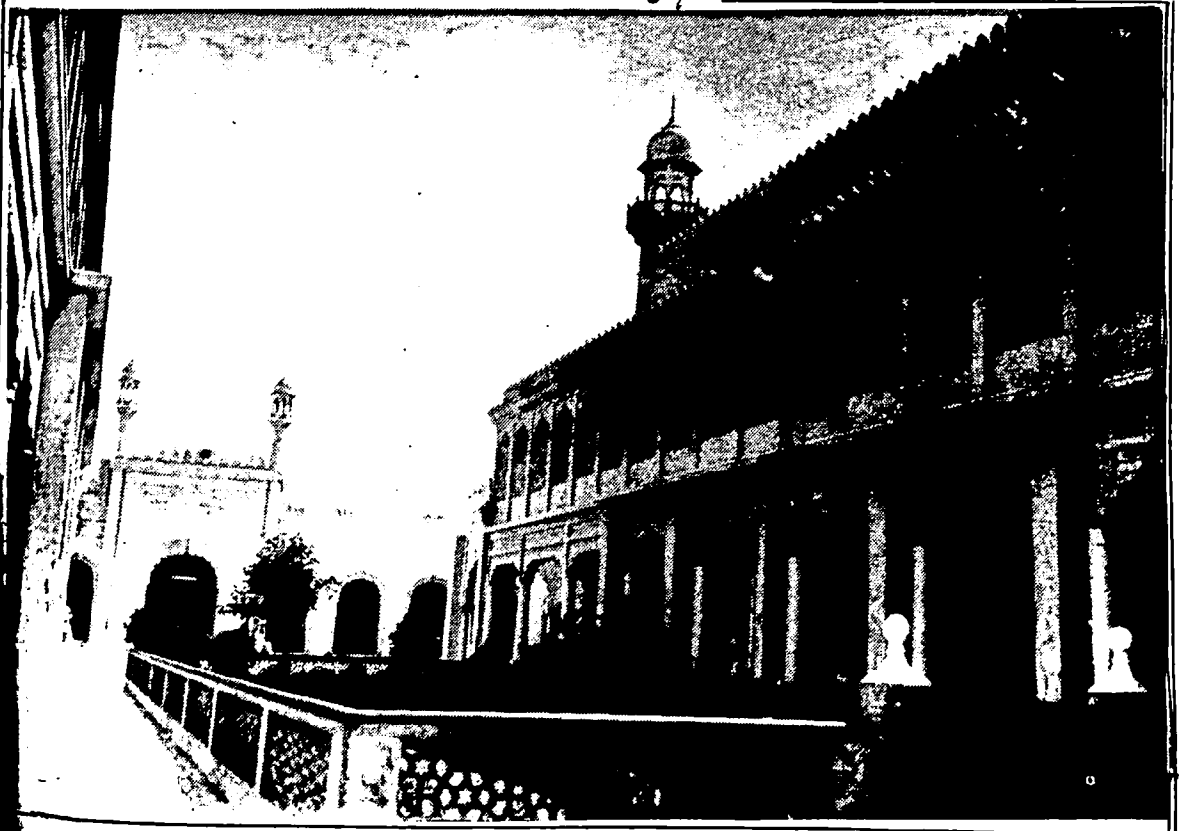
گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد ـــــ ایک منظر

آخری مرحلہ پر مولانا کی قیام گاہ ـــــ گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد کمرہ نمبر ۳
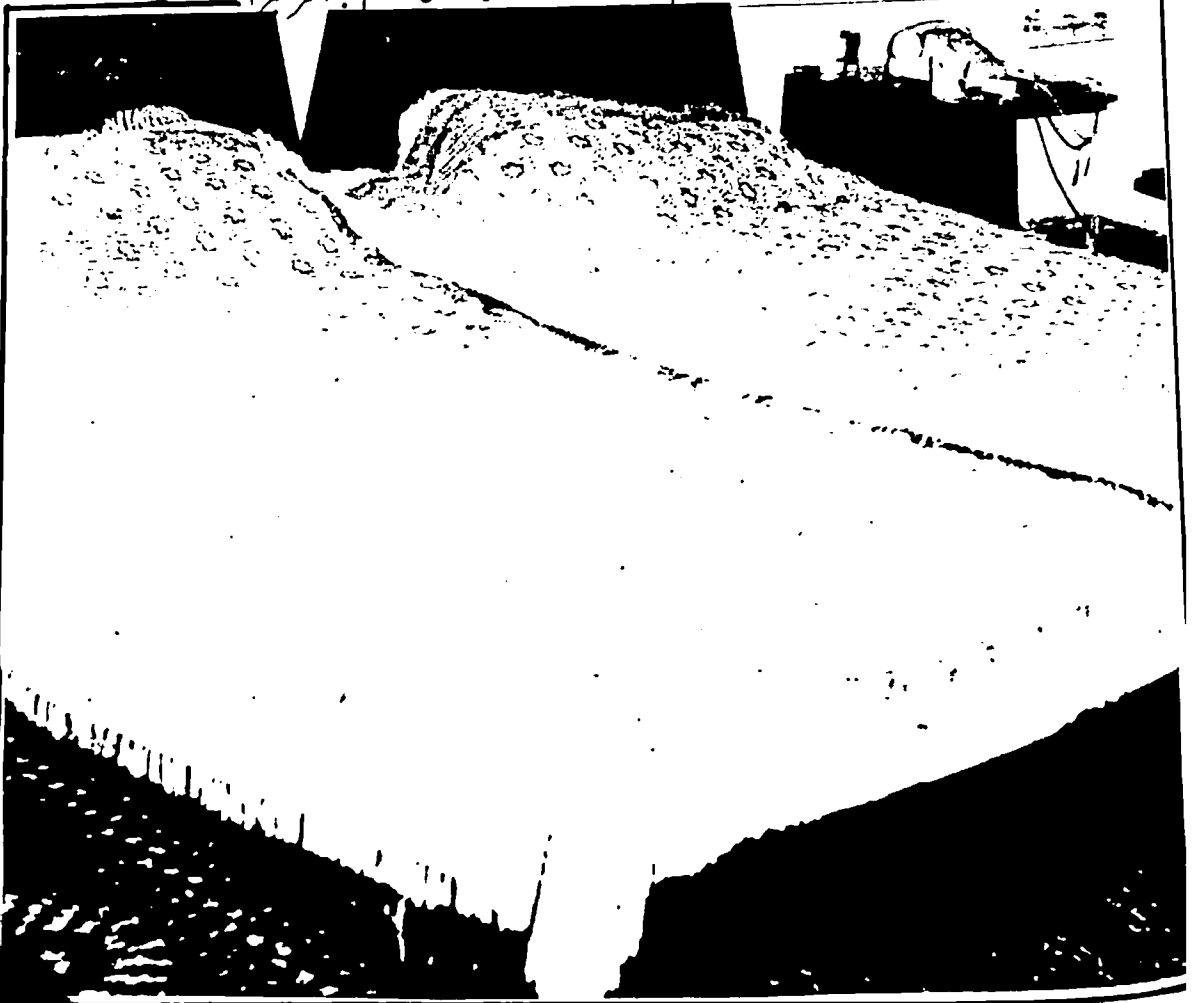
اسلام آباد میں مجلسِ تحفظِ ختم نبوت کا دفتر جو مولانا کی توجہ سے خریدا گیا

درسگاہیں ـــــ بیرونی منظر

مسجد کے دو بیرونی منظر

طرزِ تحریر

Sayyed. Mohammad Yusuf Banoori
AMIR MARKAZIA
Majlis-E-Tahaffuz-E-Khtam-E-Nabauwat
PAKISTAN
Madrasah Arabiyyah Islamiyyah
NEW TOWN, KARACHI-5, PAKISTAN
PHONES : OFF : 413570. RES.: 74162
REF :
DATE :

سید محمد یوسف بنوری
امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوۃ پاکستان
فون ۴۱۳۵۷۰
مدرسہ عربیہ اسلامیہ
نیوٹاؤن ——— کراچی ۵
رقم :
تاریخ :

قنوت نازلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ إِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ إِلٰهَ الْحَقِّ آمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ وَلِّ أُمُوْرَنَا خِيَارَنَا وَلَا تُوَلِّ أُمُوْرَنَا شِرَارَنَا وَارْزُقْنَا حُكُوْمَةً صَالِحَةً عَادِلَةً تَرْضِيْ عِبَادَكَ وَبِلَادَكَ عَمَّا تُوْجِبُ مَقْتَكَ وَغَضَبَكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

آج کل یہ دعاء قنوت نازلہ نماز فجر میں دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں امام صاحب کو جہر سے (آہستہ) پڑھنا چاہئے اور مقتدیوں کو ہر جملے پر آمین کہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سعادت دے اور صالح حکومت نصیب فرمائے آمین۔

محمد یوسف بنوری

****

المدرسة العربية الإسلامية
كراتشي رقم (٥)
باكستان

تاریخ ۸ شوال ۱۳۸۹ھ
نمبر ....
ٹیلیفون ~~46962~~-41720
دفتر ۷۰۳۵۷ (۷۲۱۹۶۲ گھر

بنام مولانا محمد علی جالندھری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدوم المقام گرامی قدر حضرت مولانا محمد علی صاحب ! وفقکم اللہ لکل خیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ۔ میں سفر حرمین شریفین سے یکم شوال کو صبح سویرے پہنچ گیا ہوں ۔ آج معلوم ہوا کہ ترکی کانفرنس ۲ شوال سے منعقد ہوگی اور ہر جگہ جلسہ یا پانچ جلسہ ہوں گے ۔ اتفاق سے اس سفر میں گھٹنوں کا درد بہت بڑھ گیا ہے اور چند وقت جماعت کی نماز سے بھی محروم رہا ۔ ان حالات میں سفر میرے لئے بہت دشوار ہے خصوصاً رات کا جاگنا ۔ نیز آپکو معلوم ہے کہ نہ تقریر کرنے کا عادی ہوں نہ اس قسم کے جلسوں کیلئے موزوں ہوں ۔ ان حالات میں آپ جیسے حکیم دیں مجھے معذور رکھیں ۔ ولکم الشکر والمنۃ

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
۱۸ دسمبر ۱۹۶۹

****

دنیا بھر کے اہل دل کے نام

۷ شوال ۱۳۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الی کل من یھمہ اسالدین من ارباب المناصب الدینیۃ حفظھم اللہ

تحیۃ وسلاما وبعد - الاستاذ الشیخ منظور احمد چنیوتی من العلماء المتخصصین بالقیام بالدفاع عن الدین الماھرین فی الرد علی القادیانیۃ والشیعۃ والمبتدعۃ المتجرد لنفسہ لھذہ الخدمۃ ولہ رحلات الی البلاد فی مسالۃ القادیانیۃ نیابۃ عن مجلس تحفظ ختم النبوۃ فی باکستان ونیابۃ عن راقم الحروف محمد یوسف البنوری فالرجاء مساعدتہ بما یزیدہ ھمۃ وقوۃ فی ھذہ الخدمۃ بما لہ صلۃ بھذہ الخدمات واللہ سبحانہ ولی التوفیق والنعمۃ وھو حسبنا ونعم الوکیل

کتبہ

محمد یوسف البنوری عفی عنہ

امیر

مجلس تحفظ ختم النبوۃ المرکزی فی ملتان

ومدیر

المدرسۃ العربیۃ الاسلامیۃ وشیخ الحدیث بھا

ورئیس وفاق المدارس العربیۃ الاسلامیۃ

فی باکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۹ شوال ۹۷ھ

مخدوم محترم — اطال اللہ حیاتکم المبارکۃ فی عافیۃ وصحۃ وقوۃ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرصہ گزرا نہ زیارت کی سعادت نصیب ہوئی نہ مراسلت کی توفیق ہوئی۔ زیارت سے محرومی تو اس لئے ہوئی کہ اس طرف کا کوئی پروگرام نہ بن سکا اور مستقل سفر کی ہمت نہ ہوئی۔ اور مراسلت سے محرومی کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صادرین وواردین زائرین سے حالات معلوم کرتا رہتا ہوں اطمینان ہو جاتا ہے۔ بہرحال اب اسلام آباد کا کوئی پروگرام بن گیا ہے انشاء اللہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حاضری ہوگی۔ امسال ماہ رمضان بحسب معمول عمرہ کیلئے تردد تھا متعدد استخارات کئے جانا مقدر تھا ازخیر ہوا۔ ۲۷ دن مکہ مکرمہ میں ۸ دن مدینہ طیبہ میں اور ۲ دن جدہ میں گذرے بعافیت واپسی ہوئی ۱۰ ستمبر کو کراچی پہنچا۔ الحمد للہ کہ اس ناچیز دعاؤں میں آپکو یاد رکھا۔ بلکہ ایک خواب میں معیت سفر آپکا ملنا نصیب ہوئی حاضری کے موقع پر وہ خواب سنادونگا۔

مشاورتی کونسل کے علماء ارکان نے مشورے دئیے اور مجھے مجبور کیا گیا احباب کے اصرار اور دینی خدمت کی توقع پر قبول تعلق قبول کیا ہے۔ ۲۹ ستمبر کو پہلا اجلاس ہوگا ۸ بجے شام کو پنڈی پہنچ جاؤں گا۔ انشاء اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس راستے سے بھی اچھی دینی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔ عرصہ دراز کی مایوسیوں کے بعد کچھ توقع ہوگی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے پورے فرمائے آمین زیادہ کیا عرض کروں والبقیۃ عند التلاقی والسلام

الراقم محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۱۱/ ... مولانا عبدالواحد ... [illegible]

۱۰ شوال ... [illegible]

**

٢ - الشوال سنة ١٣٩٦ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

سيادة الأخ الكريم الأستاذ محمد محمود حافظ حفظه الله

تحية وسلاما وأشواقا - الأستاذ الشيخ منظور أحمد چنيوٹی يقدم إليكم مقالة كالمذكرة فيما له صلة في رحلته إلى بلاد أفريقيا الغربية في مسألة القاديانية الرجاء إشاعتها حسب إمكانكم في أخبار العالم الإسلامي والندوة رجاء الفوائد الدينية وأرجو أن تكونوا في أحسن حال ونعمة موفقين لخدمة الإسلام والمسلمين. أبقاكم الله ذخرا لمكارم الأخلاق.

وبلغوا تحياتي الطيبة للأخ الكريم والصديق الحميم القديم مولانا السيد محمود حافظ حفظه الله ورعاه وإلى إخوانكم جميعا. سائلا المولى عز وجل أن يطيل حياتكم في عافية كاملة ونعم سوابغ ويوفقكم لخدمة الدين ملحا الاستجابة عن جنابكم [illegible] والسلام عليكم ورحمة الله.

مخلصكم محمد يوسف البنوري عفا الله عنه

نزيل جدة [illegible] في طريقه إلى كراتشي

****

۳۰ ربیع الآخر ۱۳۹۶

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصا على سيدنا محمد المصطفى وعلى آله وصحبه
ما كفى وشفى أما بعد: فإن أخانا في الله مولانا محمد يوسف بن مولانا عبد الودود القريشي
حفظه الله استجازني في الحديث منوهًا على غيرته أجزته في الحديث بشرط الإتقان
والتثبت والاشتغال بالمصطلح والرجال والجرح والتعديل وغيرها من فنون الحديث
والتروي في الرواية والعكوف على مطالعة الكتب النافعة المفيدة التي عليها المدار في التحديث
كشروح البخاري الثلاثة من الفتح والعمدة والإرشاد وشروح صحيح مسلم الثلاثة للنووي
والأبي والسنوسي وغيرها من المهمات وأجزته بأسانيدي كلها وهي كثيرة ومنها سند
التلقي عن الشيخ شيخي إمام العصر مولانا محمد أنور شاه الكشميري رحمه الله المتوفى سنة ۱۳۵۲ هـ
ومنها سند الإجازة عن علامة العصر المحقق مولانا الشيخ محمد زاهد الكوثري المتوفى سنة ۱۳۷۱ هـ
وأسانيد أخرى لا يسع الوقت إبرازها وذكرها فأجزته بها رجاء دعواته
الصالحة راجيا من الأخ الكريم الإعراض عن زخارف الدنيا والاشتغال
بخدمة العلم والدين بكل إخلاص ونشاط والله سبحانه حسبنا وهو ولي
كل توفيق ومنه المبدأ وإليه المعاد وهو حسبنا ونعم الوكيل

كتبه محمد يوسف البنوري الحسيني
عفا الله عنه
يوم السبت ۳ جمادى الأولى ۱۳۹۶ هـ
بالمدرسة العربية الإسلامية كراچي ۵

***

۵۶
یکم جمادی الاخری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر گرامی قدر محترم جناب مولوی عبد الرؤف صاحب زیدت مکارمکم الجزیلۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپکے نامۂ مکارم نے بیحد مطمئن ومسرور فرمادیا
جزاکم اللہ خیرا! بہت فکر تھی کہ کیا ہوا ہوگا سفر کسطرح طے ہوگیا طبیعت کیسی ہے!
بہرحال آپ نے خوش کردیا۔ میرے بھائی! مجھے صورت حال سے بہت صدمہ ہے بہت
ندامت ہے کہ حضرت کو اتنا پریشان کردیا اور بے نیل مرام واپسی ہوئی لیکن
کیا کیا جائے یہی مقدر ہوگا ورنہ کتنے کو یہ بات درست ہے کہ چند بے وقوفوں نے
گھر کے آرام وراحت سے نکال کرکے ڈاکٹروں نرسوں کا تختۂ مشق بنا کر تکلیف
پہنچائی اور بیدردیاں دیں طرح طرح کا آلام میں مبتلا کردیا انا للہ۔ اور جنون کے علاج
واپسی ہوئی۔ لیکن اگر سکون قلب ضروری ہے تو صرف اسلئے کہ الحمد للہ نیت درست تھی اور انتہائی
اخلاص سے بہت سے رہا ہو کیا مقدرات الٰہیہ کا علم تو صرف حق تعالیٰ کو ہے ابکے درجات
بلند ہوں تکوینی طور سے یہی مقدر ہوگا کہ رضا بالقضاء اور ابتلاء بالبلایا سے
رفع درجات ہو بجز تسلیم وانقیاد چارۂ کار نہیں۔ یہ تو حضرت کی انتہائی ذرہ نوازی ہے
کہ ہمارے تقصیرات کو معاف فرمایا بلکہ دعائیں دے رہے ہیں اور انکا ممنون ہوں
اللہ والوں کی شان ایسی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ رفع درجات فرمائے آمین۔ رات کو
سیٹ نہ مل سکی ایرپورٹ گیا تھا واپس آیا پھر ۱۰ بجے صبح روانہ ہوگیا بعافیت کراچی
پہنچ گیا اور دینی کاموں میں مصروف ہوگیا۔ دعوات صالحہ سے دستگیری فرمائیں
سلام نیاز مندی عرض ہے۔ والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

جواب دیا گیا
۱۱ رجب ۹۰ جولائی

****

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم گرامی الطاف مولانا المحترم وفقکم اللہ لکل خیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ [illegible] مزاج گرامی بخیر ہوں۔ میں سفر حرمین شریفین سے

۱۴ - ۱۵ جنوری کے درمیانی شب کو بعافیت واپس ہوا۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ

اعتکاف کی پوری رعایت دی ۴۵ نمازیں مدینہ طیبہ میں نصیب ہوئیں۔

اپنی ناچیز دعاؤں میں آپکو یاد رکھا اللہ قبول فرمائے۔ ایک جلد حدیث لکھنے کا [illegible]

کا طریقہ جاری ہوگیا ہے ۵۰ دن پورے ہوچکے ہیں ۱۵ باقی ہیں امید ہے کہ حج

کے موقع پر بقیہ ۱۵ ایام مل جائینگے۔ مدرسہ اور گھر کے احوال الحمد للہ موجب شکر ہیں

عزیزم محمد سلمہ اس سال عربی کے پہلے درجہ میں آگیا ہے دعا فرمائیں کہ جلد صالح عالم بنے اور

جو تاخیر ہوئی ہے اسکی تلافی ہوجائے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی ایک دعوت میں

شرکت دینی مصلحت کے پیش نظر قبول کی ہے ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ فروری پنڈی میں

اجتماع کر رہے ہیں ممالک اسلامیہ عربیہ وغیر عربیہ کے مشاہیر بزرگوں کو دعوت دی ہے

ڈاکٹر فضل الرحمٰن خود دعوت دینے گیا تھا ۶ لاکھ کا میزانیہ ہے تین شرائط پر میں نے

دعوت قبول کر لی تھی۔ ممالک اسلامیہ کی مندوبین کی فہرست بھیجدی جائے۔ مجھے مقالہ لکھنے

کا حق ہو اور مقالات پر تنقید کا حق ہو۔ تقریباً تینوں شرطیں قبول کر لی تھیں

لیکن مقالہ لکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ مولانا مفتی محمد شفیع مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا شمس الحق افغانی

مولانا [illegible] مودودی بھی مدعو ہیں۔ [illegible] ۹ فروری کو بلاڑھ میں شاید ۱۰ کو

جانا ہوسکیگا ان شاء اللہ تعالیٰ مصر کے حوالے کے اشخاص آ رہے ہیں

باخوری - شیخ الازہر - ڈاکٹر صاحب محمد توفیق عویضہ وغیرہ
خیال تو تھا کہ لیبیا بھی اجلاس سے پہلے یا اجلاس کے بعد دو ایک روز کیلئے جاؤں
لیکن مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ مندوبین سے ملنا ضروری ہے شاید آپ [illegible] کا موقع
نہ مل سکے -

والسلام
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
۲۵ شوال ۱۳۱۷ھ

دورۂ حدیث کے
اسباق شروع ہو چکے ہیں امسال مولانا غلام اللہ
کا صاحبزادہ اور مولانا عنایت اللہ [illegible]
کا صاحبزادہ بھی آیا ہے -

ہم تحریک نفاذ شریعت کے شہداء، مجروحین اور
اسیران کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔
اور
مفکر اسلام، مدنی دوراں، فقیہ فقید المثال، قائد جمعیۃ حضرت مولانا
مفتی محمود مدظلہ
اور قائدین جمعیۃ کی ولولہ انگیز قیادت پر مکمل
اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں مکمل تعاون کا
یقین دلاتے ہیں۔
جمعیۃ علماء اسلام پنڈدادنخاں ضلع جہلم

مدرسہ تعلیم الفرقان رجسٹرڈ مریڑ حسن راولپنڈی
۱۹۵۴ء سے خدمت دین کے فرائض بخوبی سرانجام
دے رہا ہے۔ مقامی اور بیرونی طلبہ کے لیے قرآن پاک کی
حفظ و ناظرہ اور باتجوید تدریس کا خاطر خواہ انتظام ہے
مدرسہ کی مسجد بھی زیر تعمیر ہے جس کا سنگ بنیاد جانشین
شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور نے ۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء کو
اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا۔

طلبہ کا داخلہ جاری ہے

مدرسہ تقریباً چھ ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اصحاب
ثروت سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔
قاری محمد دین مہتمم مدرسہ تعلیم الفرقان رجسٹرڈ
مریڑ حسن، راولپنڈی فون: ۶۴۲۳۷

*

۱۷ اکتوبر ۷۷ء کی تاریخ ختم ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے کہ احقرالرات دس بجے اپنے غریب خانہ بھیرہ ضلع سرگودھا پہنچا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے برادر مکرم مولوی حافظ محمد عزیز الرحمٰن خورشید نے مجھ سے معلوم کیا کہ کوئی خاص خبر تمہارے علم میں ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے بتلایا کہ حضرت مولانا بنوری انتقال فرما گئے۔ میں یہ خبر سُن کر پریشان ہو گیا۔ اور ان پر متعدد سوالات کر ڈالے کہ کہاں اور کب؟ اور آپ کو کس ذریعہ سے علم ہوا۔ انہوں نے بتلایا کہ آج صبح راولپنڈی میں یہ حادثہ پیش آیا اور اب تو انہیں سپردِ لحد بھی کیا جا چکا ہو گا۔ اسی پریشانی کے عالم میں ۱۱ بج گئے۔ تو ریڈیو کھولا گیا۔ خبروں میں مختصراً یہ خبر بھی نشر ہوئی۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حادثہ رونما ہو چکا ہے۔ زبان پر بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون آتا۔ اور میں سوچنے لگا کہ اگر یہ خبر بروقت معلوم ہو جاتی۔ تو میں راولپنڈی جا کر اس "شہید راہ حق" کے جنازہ میں شریک ہو جاتا۔ اس سے ان کے بجائے میرا فائدہ زیادہ ہوتا۔ لیکن اللہ کو ایسے ہی منظور تھا اور بس

ریڈیو پاکستان اور پاکستانی انتظامیہ

بھائی جان نے بتلایا کہ ۱۱ بجے عجیب انداز میں ریڈیو پاکستان نے ڈرامہ کیا۔ اور پوری ملت کو مبتلائے غم کر کے اپنی نااہلی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ وہ یوں کہ اس اندوہناک خبر سے متعلق چند لفظ کہہ کر "وقت ختم" کا اعلان کر کے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا ریڈیو اپنی "ثقافت" کی دنیا میں کھو گیا۔ دراصل ریڈیو پاکستان کے بزرجمہر جنہیں اپنے دین، اپنی روایات اور اپنی ماضی سے کم ہی سروکار ہے اور جن کا کام محض اتنا ہی ہے کہ دن بھر فلمی گانے نشر کر کے قوم کے اخلاق بگاڑیں اور قوالیاں نشر کر کے اسلامی عقائد کو مسخ کریں اور پھر نمائشی طور پر کسی وقت اسلام کا نام لے دیں۔ اور اس سلسلہ میں رسمی پروگراموں کے ذریعہ چند گنے چنے "دانشوروں" کے تنورِ شکم کے لئے خوراک مہیا کرنے کا انتظام کریں۔ انہیں کیا معلوم کہ آج پاکستان کس حادثہ سے دوچار ہوا؟ مولانا بنوری کون تھے؟ ان کی خدمات کیا تھی؟ اور ان کے بزم ہستی سے اُٹھ جانے کے سبب علم و معرفت اور دین و دانش کی دنیا میں کتنا بڑا خلا واقع ہو گیا؟

اگر ذرائع ابلاغ کے پورے قافلہ میں ایک بھی ایسا فرد ہوتا جس کا احساس ملی بیدار ہوتا تو نہ صرف یہ کہ بروقت یہ خبر نشر ہوتی بلکہ تمام پروگرام روک کر مولانا کی شخصیت و کردار، ان کی دینی، علمی اور ملی خدمات پر روشنی بھی ڈالی جاتی۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی عجیب ہے کہ صبح طلوعِ آفتاب کے لگ بھگ "آفتابِ علم" کے غروب ہونے کا سانحہ ہوا۔ اور ایک بجے تک ذرائع ابلاغ کو محض خبر نشر کرنے کی بھی فرصت نہ ملی اور مولانا کے لواحقین کو خاصی دیر بعد اس حادثہ سے آگاہ کیا گیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسا کیوں ہوا؟ مولانا کے لواحقین کو اتنی دیر تک اس خبر سے آگاہ نہ کرنے میں کیا راز تھا؟ ہسپتال میں مولانا کو الگ تھلگ رکھ کر کسی کو ان سے کیوں نہ ملنے دیا گیا؟ کیا یہ محض اتفاق تھا یا علاج کا لازمی تقاضا؟ کہنے والے ایک ڈاکٹر کی بات کرتے ہیں جس کا تعلق مرزا غلام احمد کے طائفۂ مرتدہ سے تھا اور یہ سارا شاخسانہ اسی کا قرار دیا جا رہا ہے؟ بہرحال ہم تو حیران ہیں کہ اگر واقعی کوئی خفیہ ہاتھ سرگرم عمل تھا۔ تو اپنا کام پورا کر لینے کے بعد پھر معاملہ اخفا میں کیوں رکھا گیا؟ یہ تو ایک داستان ہے ہماری حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب کہ تین دن تک چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے کوئی تعزیتی بیان نہ آیا؟ حالانکہ جنرل صاحب موصوف راولپنڈی میں تھے۔ اور سابقہ حکمرانوں کے مقابلہ میں بوجوہ انہیں ترجیح دی جاتی ہے لیکن انہوں نے بیان اتنی دیر میں دیا تو اس کے پس پردہ کیا راز کارفرما تھا۔ یہ تو نہیں کہ ان کے بیان دینے سے یہ غم غلط ہو جاتا یا مولانا لوٹ کر دنیا میں واپس آ جاتے لیکن بہرحال یہ ایک "رسم" ہے۔ اور اس رسم کو نبھانے کے لئے حکمران بڑی جلدی کیا کرتے ہیں۔ تو پھر یہاں یہ تاخیر کیوں؟

بہر حال یہ باتیں اپنے پیچھے کئی سوالیہ نشان چھوڑ گئیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے اِدھر ان سوالوں کا جواب مشکل ہی ملے گا۔ اس لئے ان سوالوں کو تاریخ کے سپرد کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

وہ ایک دن پریشانی کے عالم میں گزار کر واپس چلا آیا۔ مولانا کا نورانی چہرہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں نے ان کا جمال بھی دیکھا اور جلال بھی ان کی نفاست، اجلا لباس، سفید خوبصورت داڑھی، عالمانہ وقار سبھی کچھ میری نظر میں تھا اور قحط الرجال کے اس دور میں ان کی یوں "روانگی" کا احساس قلب و جگر کو چھلنی کر رہا تھا۔ جب یہ خیال آتا "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ کر اپنے کو حوصلہ دلاتا۔ اسی اثناء میں لاہور کے قریب رائیونڈ میں تبلیغی جماعت کا فقید المثال اجتماع منعقد ہوا (۲۱،۲۲،۲۳ اکتوبر) اس موقع پر اکابر کی زیارت ہوئی۔ اساتذہ کی کفش برداری کا شرف حاصل ہوا، دوست احباب ملے۔ اور یقین کریں کہ جس سے ملاقات ہوئی وہ فوراً مولانا کا تذکرہ کرتا اور کیوں نہ کرتا۔ مولانا ہماری متاع تھے۔ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے عالی مرتبت فرزند امام انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے علوم کے وارث، مدنی و تھانوی بارگاہ سے بیک وقت استفادہ کرنے والے، اکابر کی آنکھوں کے تارے، چھوٹوں کے لئے سراپا شفقت و محبت، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی غیرتِ ملی کی زندہ مثال، یہی اسباب تھے کہ ہر ایک پریشان اور غم و اندوہ کا شکار تھا۔

خصوصی نمبر کا پروگرام

ذرا قلب و جگر کی ٹیسیں کم ہوئیں تو خیال آیا کہ بارگاہِ یوسفی میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے "خدام الدین" کا خصوصی شمارہ شائع کرنا چاہیئے۔ یہ خیال قلم و قرطاس کے سہارے جب حضرت مولانا الشیخ عبیداللہ انور زید مجدھم تک پہنچا۔ تو انہوں نے کمالِ شفقت سے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ بھرپور سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد کرنے کا کام تھا کہ اربابِ علم و قلم سے رابطہ کیا جائے۔ کہ وہ حضرت مولانا کے متعلق لکھیں چنانچہ کراچی سے پشاور تک خط لکھ ڈالے، علاوہ ازیں مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، متحدہ عرب امارات اور دیوبند دہلی بھی عریضے لکھ دئے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت الشیخ انور کے حکم و ایما سے سفر کا پروگرام بن گیا تاکہ بعض بزرگ حضرات سے مل کر اس سلسلہ میں تعاون حاصل کیا جاسکے۔

سفر کے دو مرحلے

یہ سفر دو مرحلوں میں مکمل ہوا لاہور سے اِدھر بطرف پشاور عید الاضحیٰ سے قبل۔ اور بطرف کراچی عید الاضحیٰ کے بعد ۱۴ نومبر کی شام راولپنڈی کے لئے جانا ہوا۔ حسنِ اتفاق سے مکتبہ رشیدیہ لاہور کے ناظم جناب حافظ عبدالرشید ارشد اور ماہنامہ "تبصرہ" کے جناب مرزا جانباز کی رفاقت نصیب ہوئی۔ یہ حضرات اپنے نجی اور قومی کاموں کے سلسلہ میں جا رہے تھے، اول الذکر پشاور تک جانے کا عزم رکھتے تھے جبکہ ثانی الذکر صرف راولپنڈی تک! راولپنڈی جانے کے بعد ہمارا قیام والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی زید مجدھم کے یہاں گلشن آباد میں تھا۔ ان مخدوم والد ہونے کی حیثیت سے تو میری متاع عزیز ہیں ہی۔ ان کے علاوہ ہماری تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں انہوں نے جس بالغ نظری اور محبت و شفقت کا ثبوت فراہم کیا اور خاموشی کے ساتھ ہمارا رُخ متعین فرمادیا۔ وہ آج کے دور میں بہت کم بچوں کو نصیب ہوتا ہے۔ میں اپنی قسمت پر جس قدر ناز کروں کم ہے کہ ابا بزرگوار کی سحر گاہی دعائیں اور شفقت و محبت ہم سب بھائیوں کو نہال کر گئی اور الحاد و بے راہ روی اور دنیا پرستی کے اس خطرناک دور میں ان دعاؤں کے صدقے ہم اپنے ماضی سے جڑ کر اپنے بزرگوں کی روایات کے مطابق پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں! اللہ تعالیٰ والدین کریمین کو بہترین اجر سے نوازے اور ان کا سایہ شفقت تادیر ہمارے سروں پر قائم رہے اور جس رُخ پر انہوں نے ہمیں ڈالا ہے اسی پر قائم رہنے کی توفیق بخشے! راولپنڈی میں ہفت روزہ ترجمانِ اسلام کے سرکولیشن منیجر برادرم الطاف بھی رفیق بن گئے۔ آج کے دور میں ایسے مخلص ساتھی کم ہی ملتے ہیں ہم نے قاری سعید الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی سے ملاقات کی۔ موصوف استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند گرامی ہیں، عالم، حافظ، قاری اور گریجویٹ! اور ایک سیاسی راہنما بھی! راقم کی ان سے پرانی یاد اللہ ہے حضرت مولانا بنوری سے ان کا گہرا تعلق ہے کہ ان کے برادر اور میرے مخلص و کرم فرما مولانا مفتی احمد الرحمٰن مولانا مرحوم کے داماد ہیں۔ اور آج کل مولانا کے مدرسہ کے نگران وہی ہیں۔ ان کی بے پناہ صلاحیتوں کے پیشِ نظر اس منصب کی خاطر خود مولانا واضح اشارے فرما گئے تھے مرحوم جب راولپنڈی تشریف لاتے۔ تو قاری سعید الرحمٰن کے یہاں ٹھہرتے گو کہ اس آخری سفر میں قیام گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد میں تھا۔ لیکن جنازہ قاری صاحب کے مدرسہ میں ہوا اور یوں عمر بھر کا تعلق آخری مرحلہ میں بھی کام آیا۔ ان سے بہت باتیں ہوئیں۔ وعدے ہوتے جن میں سے بعض ایفا ہو گئے اور بعض ان کی مصروفیات یا ہماری کم نصیبی کے سبب پورے نہ ہوسکے۔ مکرمی مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی سے ملاقات ہوئی۔ جو روزنامہ جنگ راولپنڈی میں چیف ایڈیٹر ہیں، جدید و قدیم علوم کے ماہر، متقی، صالح اور دینی علوم پر گہری نظر رکھنے والے، ذاتی طور پر ایسی لائبریریاں کم لوگوں کے پاس ہوتی ہیں حالات ان

روزنامہ جنگ میں اے گئے اور ایک دنیا ان کی علمی صلاحیتوں سے محروم ہوگئی۔ اگر وہ علمی میدان میں ہوتے۔ تو آج بین الملکی قسم کی شخصیت ہوتے۔ خدا کرے کہ بعض احباب کی آرزو بھی پوری ہوں اور حافظ صاحب اپنے میدان کی طرف آجائیں۔ حضرت مولانا بنوری اور حافظ صاحب کے درمیان ایک مسئلہ پر تلخی اور بعد میں خوشگوار نتائج برآمد ہونے کا احقر کو ذاتی طور پر علم تھا۔ چاہتا تھا کہ یہ داستان انہی کے قلم سے سامنے آئے تاکہ اس طرح مولانا کا علمی وقار، منکسر المزاجی اور خدا خوفی کے جوہر کھل کر سامنے آجاتے۔ حافظ صاحب نے وعدہ فرمالیا اور الحمد للہ کہ وہ پورا ہوگیا یہ داستان شامل اشاعت ہے اور اس میں بڑے سبق پوشیدہ ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مقیم اسلام آباد مولانا غلام حیدر سے نیاز حاصل ہوا۔ پرانی قسم کے وضعدار بزرگ میری درخواست پر موصوف نے بعض فوٹو مہیا کئے اور کچھ دوسری معلومات بہم پہنچائیں۔ بلکہ میں نے راولپنڈی اسلام آباد کے احباب سے مضامین حاصل کرنے کے سلسلہ میں جو ان سے درخواست کی، انہوں نے اس کو خوب نبھایا اور مجھے یقین ہے کہ یہ قلعہ ان بزرگوار اور مولانا کی توجہ سے سر ہوا جس کی تفصیل چنداں مناسب نہیں بس اتنی ہی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اسی سفر میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے سربراہ ڈاکٹر رشید احمد صاحب جالندھری سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب جالندھر کی مردم خیز زمین کے فرزند ہیں۔ دوسری درس گاہوں کے علاوہ دیوبند اور قاہرہ کی شانی درسگاہوں میں کسب فیض کیا اس کے بعد یورپ کو پڑھا اور خوب اکلم وتصوف کے آدمی ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ سے اپنے تعلق شاگردی پر فخر کرتے اور اس کو اپنے لئے لازوال سعادت قرار دیتے ہیں شیخ مدنی سے موصوف کا یہ تعلق بہت سے لوگوں کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے۔ اور آئے دن کوششیں ہوتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب پر وار کیا جاتے" نوائے وقت" جیسے اخبار کبھی کبھار بے پر کی اڑا کر اپنے بغض کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی خودداری، اعتماد و توکل علی اللہ کا جواب نہیں۔ اس شور و غوغا کے سبب بعض احباب جب پریشانی کا اظہار کرتے ہیں تو وہ کمال اعتماد کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ کہ رازق اللہ کی ذات ہے۔ موصوف کا مولانا سے غائبانہ تعلق پرانا تھا۔ ملاقات ایک آدھ ہوئی۔ مولانا ان کی صلاحیتوں کے قدردان تھے۔ اور یہ مولانا کے علم وفضل کے معترف ہیں خوشی ہے کہ ہماری درخواست پر انہوں نے ایک مختصر تحریر ارسال کردی۔ جو اختصار کے باوجود بڑی وقیع ہے۔ اسی ادارہ میں ڈاکٹر احمد حسن صاحب ہیں علم سے گہرا لگاؤ ہے۔ ملاقات نہ ہوئی۔ البتہ خط کے ذریعہ درخواست پر اپنا قیمتی مقالہ ارسال کردیا۔ (فجزاهم اللہ تعالیٰ) مولانا کے ہونہار شاگرد مولانا محمد عبداللہ خطیب اسلام آباد سفر حج کے لئے جاچکے تھے۔ بعد میں انہیں متعدد عریضے لکھے۔ کچھ بزرگوں اور دوستوں کے ذریعہ بھی درخواست کی۔ لیکن غالباً وہ اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت ذکر استاذ کے لئے نہ نکال سکے۔ اس سفر میں جسٹس محمد افضل صاحب چیمہ سے ملاقات پیش نظر تھی۔ تاکہ اسلامی مشاورتی کونسل میں مختصر رفاقت پر باتیں کرسکوں۔ لیکن چیمہ صاحب اسلام آباد سے باہر تھے۔ میں نے عریضہ لکھ دیا۔ جس کا جواب آیا جو بعینہٖ دوسری جگہ شامل ہے۔ اس خط کے ذریعہ مولانا کی شخصیت کے بہت سے گوشے سامنے آجائیں گے۔

اٹک کے اُس پار

راولپنڈی کے بعد ہم پشاور، اکوڑہ خٹک، جہانگیرہ اور سخاکوٹ جانا چاہتے تھے۔ تاکہ یہاں پر موجود اکابر سے مل کر مولانا مرحوم کے متعلق معلومات حاصل کرسکیں۔ لیکن حالات نے اجازت نہ دی اور ہم صرف اکوڑہ خٹک اور پشاور جاسکے۔ جہانگیرہ میں حضرت مولانا لطف اللہ صاحب سے ملنا تھا جو مولانا کے پرانے رفیق ہیں۔ تاہم مجھے انتہائی خوشی ہے کہ موصوف نے ناچیز کے ایک کارڈ پر اپنا گراں قدر اور قیمتی مقالہ ارسال کروایا جو میرے نزدیک مولانا کے بھرپور تعارف پر اس نمبر کا سب سے وقیع مقالہ ہے۔ سخاکوٹ میں حاضری کا مقصد اسیر مالٹا حضرت المخدوم مولانا عزیر گل زید مجدہم سے ملاقات تھی۔ مولانا مرحوم کے آپ سے مراسم انتہائی گہرے تھے۔ اور آپ کے بھائی مولانا نافع گل قدس سرہٗ مرحوم مولانا بنوری کے ساتھ مل کر مدتوں کام کرتے رہے۔ اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق زید مجدہم سے ملاقات ہوئی۔ بڑھاپا اور نقاہت مولانا پر غالب آچکے ہیں۔ لیکن ہمت جوان ہے۔ مولانا کا انکسار اپنی مثال آپ ہے۔ ہم جیسے چھوٹوں کو وہ جس طرح نوازتے ہیں۔ اس کی مثال آج کی دنیا میں مشکل سے ملے گی۔ باتیں ہوئیں دعاؤں سے نوازا اور اسی پر فیصلہ ہوا کہ راولپنڈی میں آں مرحوم کے جنازہ کے موقعہ پر جنازہ کی نماز سے قبل آپ نے جو تقریر فرمائی۔ اس کو مولانا سمیع الحق صاحب مرتب کردیں گے کہ مولانا کے لئے مزید کچھ لکھنا یا لکھوانا ضعف و نقاہت کے سبب مشکل تھا۔ الحمد للہ کہ برادر دینی مولانا سمیع الحق نے ہمیشہ کیطرح اب بھی تعلق خاطر کا بھرپور مظاہرہ کیا اور نہ صرف یہ کہ وہ تقریر مرتب کر کے ارسال فرمادی۔ بلکہ مولانا مرحوم کے کئی مکاتیب جو مولانا عبدالحق اور خود ان کے نام ہیں ان کی نقلیں بھجوادیں جو شامل نمبر ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اکوڑہ خٹک میں جاکر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم صدر اول کے کسی علمی مرکز میں آگئے ہیں۔ دیہاتی ماحول دریا کا کنارا اور ربانی و مہتمم کا خلوص تو ہے کہ طلبہ کھچے کھچے آتے ہیں۔ اور جھولیاں بھرکر لے جاتے ہیں۔ مدرسہ کے قریب ہی وہ گھاٹیاں اور مقامات ہیں جہاں امیرالمومنین

حضرت السید احمد البریلوی قدس سرہٗ نے اپنے رفقاء گرامی سمیت پڑاؤ کیا تھا۔ اور دشمنوں سے باقاعدہ مقابلہ کیا تھا۔ ان قدسی صفات لوگوں کی بلند نظری کے جلوے، حقانیہ کی علمی فضاؤں میں نظر آتے ہیں۔ اور طلبہ کی لگن و محنت کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان پرانے لوگوں کا قافلہ پلٹ آیا ہے۔ مدرسہ میں قائد محترم مولانا مفتی محمود کے خلف الرشید مولوی فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو یہاں دورۂ حدیث کے طالب علم ہیں اور الحمد للہ کہ دور حاضر کی "صاحبزادگی" کے اثرات سے بہت حد تک محفوظ۔ اسی طرح کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں کے مشہور عالم ربانی مولانا قاضی عبدالکریم کے خلف الرشید قاضی عبدالحلیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو مدرسہ میں مدرس و مفتی ہیں۔ اور باصلاحیت نوجوان، شعر کہنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ مرحوم السید بنوری کے متعلق ان کے شعری تاثرات شامل ہیں۔ پشاور مولانا کا پرانا مسکن ہے۔ جس کو آپ نے خدمت دین کے شوق میں ترک کر دیا اور ایسا کہ پھر آخری آرام گاہ بھی اس سے سینکڑوں میل دور بنی۔ بنوری خاندان کے علم و ورع کے وارث کے طور پر یہاں مولانا محمد ایوب جان بنوری موجود ہیں۔ جو دارالعلوم سرحد جیسے عظیم دینی ادارہ کے مہتمم ہیں اور اسے خوبی سے چلا رہے ہیں۔ مولانا کے قریبی عزیز ہیں یعنی مرحوم کے بہنوئی۔ ان کے صاحبزادے خالد میاں مرحوم کے داماد ہیں۔ مہمان نوازی اس گھر کی روایت ہے۔ اور ہمیشہ کی طرح اس سفر میں بھی قدم قدم پر اس کا ہمیں تجربہ ہوا

مولانا کے سانحہ ارتحال کے سبب ماحول پر اداسی کے اثرات واضح تھے۔ لیکن مولانا ایوب جان اور ان کے صاحبزادے نے معلومات بہم پہنچانے سے زیادہ ہمارے آرام کا خیال فرمایا (فجزاھم اللہ احسن الجزاء) مولانا مرحوم کا قلمی خاکہ موصوف کے توسط سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ وقت و حالات اجازت دیتے تو یہاں رہ کر مزید معلومات حاصل کرنا ممکن تھا لیکن جلدی واپسی ضروری تھی۔ اس لئے ہم ۹ نومبر کو واپس چلے آئے۔

اور اب کراچی!

عیدالاضحیٰ کے بعد ۱۶ ذوالحجہ (۲۸ نومبر) کراچی کا سفر ہوا۔ برادر دینی الطاف صاحب پورے سفر میں ساتھ تھے۔ ۷ دسمبر تک کراچی میں قیام رہا۔ ہیڈ کوارٹر مولانا بنوری مرحوم کا مدرسہ تھا جس کے مہمان خانہ میں ہم قیام پذیر رہے۔ مرحوم کے چھوٹے داماد مولانا حبیب اللہ مختار نے ہمیں جس طرح آرام بہم پہنچایا اس پر وہ ہمارے قلبی شکریہ کے مستحق ہیں۔ دس دن کا یہ عرصہ کراچی میں جو گذرا تو اس میں نہ ہم نے سمندر دیکھا۔ نہ اور کوئی چیز۔ اور نہ ہی یہ ہمارا مقصد تھا۔ ہمارا مدعا تو صرف یہ تھا کہ ہم مولانا کے متعلق معلومات اکٹھی کریں۔ ان کے تعلق والوں سے ملیں۔ اور ان سے مضامین و مقالات کی درخواست کریں سو ہم نے ایسا ہی کیا جس کی تاریخ وار مختصر کیفیت پیش کرنا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس نمبر کی ترتیب میں ہمیں جن مراحل سے گزرنا پڑا۔ اس سے ہمارے قارئین کو اندازہ ہو جائے۔ اس داستان کے بیان کرنے سے قبل ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ ہم چونکہ ایک ایسی بزرگ شخصیت کے متعلق معلوماتی سفر پر تھے۔ اس لئے جہاں ہم نے "علمی دنیا" سے رابطہ کیا وہاں اپنے ذوق کی تسکین کے لئے لائبریریوں اور کتب خانوں کی بھی خاک چھانی اور تجربے کئے۔ جنہیں بلاکم و کاست پیش کر دیں گے۔

۲۸ نومبر

یہ دن تو کراچی پہنچنے کا تھا اور ہم "سپر ایکسپریس" کے ذریعہ گئے تھے۔ جو پاکستان کی سب سے زیادہ تیز رفتار گاڑی تھی۔ اور جس میں سفر کرنے کے لئے کئی دن قبل ریزرویشن کرانا پڑتی ہے۔ وہ تو ہم نے بھی کرائی۔ لیکن ریزرویشن کا زائد خرچ کرنے کے باوجود آرام نام کی کوئی چیز نصیب نہ ہوئی اور پھر یہ گھنٹہ تاخیر سے گاڑی نے پہنچ کر رہی سہی کسر پوری کر دی۔ کراچی سٹیشن پہ برادرم فاروق قریشی صاحب جنرل سیکرٹری جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان رہنمائی کے لئے تشریف فرما تھے ان کے علاوہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ناموس کے تحفظ کی خاطر کام کرنے والے تین بزرگ دوست ایسے موجود تھے۔ جن کی ہمتیں قابل رشک اور جن کے جذبات قابل تقلید ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب تو اس پورے دورے میں ہمارے ساتھ رہے اور غریب الوطن مسافروں کو آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن چونکہ ان حضرات کی طرف سے میں پابند کیا گیا ہوں کہ کسی تحریر میں ان کا ذکر نہ آنے پائے۔ اس لئے "ایفائے عہد" کے پیش نظر ان کے نام تک لکھنے سے معذور رہوں۔ اللہ رب العزت ان حضرات کو اس نیکی کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ سٹیشن سے سیدھا مولانا بنوری کے مدرسہ میں جانا ہوا۔ شہر کے مرکزی علاقہ نیو ٹاؤن کے بیچوں بیچ بلند میناروں والی خوبصورت اور صاف ستھری مسجد اور اس کے ساتھ سلیقہ و قرینہ سے بنی ہوئی مدرسہ کی خوبصورت عمارت! اس عمارت کو دیکھ کر مولانا کے ذوق جمال اور نفاست پسندی کا مجھے بھرپور احساس ہوا۔ مسجد و مدرسہ اور اس کے متعلقات کا ایک ایک حصہ اس خوبی سے تعمیر کیا گیا ہے کہ بایدو شاید؟ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اندر داخل ہوتے ہی مجھ پر ایک شدید اثر ہوا جس کو میں اپنے رفقاء سے بمشکل چھپا سکا۔ اثر یہ تھا کہ دین و علم کا یہ عظیم اور مثالی مرکز جس نے بنایا وہ آج اس دنیا میں نہیں بلکہ اپنے پیدا کرنے والے کے حضور پہنچ چکا ہے اور مدرسہ و مسجد اس کی یاد میں اداس ہیں لیکن وہ دارالقرآن کے قریب اپنی آخری آرامگاہ سے ہر آنے جانے والے کو یہ سبق دے رہا ہے کہ اس دنیا میں دل نہ لگانا، یہ بے ثبات ہے ختم ہو جانے والی ہے۔ بقا صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور ہاں اگر کر سکتے ہو تو ایسا کام کر جاؤ کہ تمہارے جانے کے بعد بھی انسانیت اس سے فائدہ اٹھائے اور تمہاری نیک نامی کا ذریعہ بنے۔ لیکن آہ کہ غافل و مدہوش دنیا اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتی۔ اور "مادیت" میں اس حد تک غرق ہو چکی ہے کہ اسے اپنے یمین و یسار کی فکر نہیں۔ اس مادیت کو کراچی میں ہم نے خوب خوب دیکھا۔ چوڑی چوڑی سڑکیں، وسیع و عریض عمارات، دوڑتی ہوئی گاڑیاں اور بھرے ہوتے بازار۔ لیکن کہیں بھی ہم نے خوف خدا نہ دیکھا اور سلطانی کے ساتھ درویشی کو بھی "عیاری" دیکھا (الا ماشاء اللہ) مولانا بنوری کے "مرقد انور" سے آنے والی یہ صدائیں جو ارباب دل سن سکتے ہیں ایک طرف ان کا احساس اور ایک طرف دنیا والوں کا طرز عمل دیکھتے اور کڑھتے اور سوچتے کہ اے کاش دنیا والوں کو معلوم ہو جاتا کہ ؎

یہ سرائے دھر مسافرو بخدا کسی کا مکان نہیں
جو مقیم تھے کل اس میں یہاں کہیں آج ان کا نشان نہیں

اور وہ دار آخرت کی تیاری میں لگ جاتے اور اس بے ثبات دنیا پہ ریجھ کر اپنے آپ کو برباد نہ کرتے۔ لیکن آہ افسوس! کہ ایسا سوچنے والے بہت کم ہیں۔ اور ہماری موجودہ اجتماعی بربادی کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ مہمان خانہ میں ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت الشیخ المکرم علیہ الرحمہ کی قبر پہ حاضری د

مسجد کے دائیں طرف دارالقرآن کے متصل نیم کے درخت تلے علم ودانش کا وہ نیر تاباں پوشیدہ ہے جس نے قوت عمل، جوش جہاد اور جذبات دینی سے ایک نئی دنیا بسائی اور قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے اصول اساسی برائے دارالعلوم دیوبند کو ایک صدی بعد پھر عمل میں لاکر تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے کی قرآنی حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ کافی دیر تک مسنون طریقہ سے قبر پر کھڑے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ عصر کی نماز کے لئے تکبیر کی آواز کان میں پڑی نو بھیگی آنکھوں اور پریشان دل کے ساتھ مالک کے حضور کھڑے ہو گئے۔ کہ زخمی اور پریشان دلوں کی مرہم اس کے دروازے پہ حاضری کے سوا کچھ نہیں۔ عصر کی نماز کے بعد مولانا کے داماد مولانا حبیب اللہ مختار سے ملاقات ہوئی۔ موصوف صالح نوجوان ہیں۔ علم وتہذیب سے آراستہ۔ مولانا کی حسن تربیت نے اس جواں سال عالم کے مستقبل کو روشن کر دیا ہے۔ اور امید نہیں یقین ہے کہ مالکِ حقیقی اس "ہونہار بروا" سے اپنے دین کی خدمت کا بہت کام لے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) بہت دیر تک ملاقات جاری رہی۔ ہم وسیع وعریض دفتر میں موصوف کے پاس بیٹھے اِدھر باتیں کر رہے تھے اُدھر مولانا مرحوم کی خوش ذوقی اور نفاست کو دیکھ رہے تھے جو دفتری نظام میں اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ سفر کی تھکاوٹ کے سبب اس دن مزید کہیں آنا جانا نہ ہو سکا۔ بس مغرب کی نماز آرام باغ کی معروف مسجد میں پڑھی جو اہلِ حق کا بڑا مرکز ہے وہاں کے خطیب صاحب سے ملاقات بھی ہوئی۔

۲۹ر نومبر

آج کا دن خاصا مصروف گزرا۔ مولانا کے رفقاء اور مدرسہ کے اساتذہ سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ جن حضرات سے بالخصوص ملاقات ہوئی ان میں پہلے بزرگ تو مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ہیں۔ جو ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ التفسیر رہ چکے ہیں۔ چند سال قبل پاکستان تشریف لائے اور مولانا کے پاس قیام کر لیا۔ صاحب علم وفضل ہیں متعدد زبانوں پر عبور ہے۔ مدتوں لکھنؤ کے قیام اور حضرت امام اہلسنت مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ تعالیٰ کی رفاقت کے سبب رفض وتشیع کے معاملے میں ایک خاص سانچے میں ڈھل چکے ہیں۔ صدر اول سے لے کر موجودہ دور کی اسلامی تاریخ تک رونما ہونے والے حوادث میں دشمنانِ صحابہ کا سازشی ہاتھ انہیں نظر آتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا استدلال مستحکم ہوتا ہے بات وزنی کرتے ہیں۔ جسے جھٹلانا آسان بات نہیں۔ مودودی صاحب پر سخت لیکن علمی اور متین تنقید کرتے ہیں۔ اور انہیں "مجدد سبائیت" قرار دیتے ہیں۔ جو اس اعتبار سے صحیح ہے کہ مودودی صاحب نے نئے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر رفض وتشیع کو پروان چڑھانے کی سعی کی۔ اور خلافت وملوکیت جیسی رسوائے زمانہ کتاب لکھی۔ مولانا نے اس کتاب کا جواب دو جلدوں میں لکھا ہے نام" اظہار حقیقت" ہے۔ دوسری جلد حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کے جواب میں لکھی گئی کتابوں میں یہ کتاب بوجوہ بہت اہم اور وقیع ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔

مولانا کی سرپرستی ونگرانی میں جی دار لوگوں کا ایک طبقہ کراچی میں جدید وقدیم رفض کے متعلق بڑی بے جگری اور دلیری سے کام کر رہا ہے جس کے گہرے اثرات عام طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ اور یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس نہج پر مولانا کی نگرانی میں کام ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر جاری رہا تو بہت جلد انشاء اللہ وہ سارے ملک میں پھیل کر مسلک حقہ کی اشاعت وترد رفض کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوگا۔ موصوف سے حضرت مولانا کے متعلق دیر تک باتیں ہوئیں۔ مقالہ کا آپ نے وعدہ فرمایا جس کا ایفا فرمایا اور وہ گو مختصر ہے۔ لیکن خوب ہے۔

دوسرے بزرگ جن سے ملاقات ہوئی وہ ہیں مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مرحوم کے پرانے رفیق کار، جید عالم، بالغ نظر مفتی اور اب مرحوم کے بعد مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ سے مولانا کے متعلق خوب باتیں ہوئیں۔ آپ کا خیال تھا کہ مولانا کے متعلق کچھ لکھیں میری درخواست بھی تھی۔ جس کو آپ نے خندہ پیشانی سے سنا لیکن غالباً مصروفیات میری درخواست کو عملی جامہ نہ پہنا سکیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی سے بھی ملاقات ہوئی۔ دہلی کے مشہور عالم اشاعتی ادارہ ندوۃ المصنفین سے شائع ہونے والی معروف کتاب" لغات القرآن" کے مصنف ہونے کے ناطہ سے آپ کی شہرت ہے۔ مولانا بنوری کی کاوش وکوشش سے قائم ہونے والے تصنیفی وتحقیقی ادارہ میں مصروف عمل ہیں لکھنے کی خواہش رکھنے کے باوجود بعض اعذار کا ذکر فرما رہے تھے مایوس ہم بھی نہ تھے۔ بعد میں دو ایک عریضے بھی لکھے جس میں اپنی درخواست کو دہرایا۔ لیکن شاید اعذار غالب آ گئے۔ مودودی صاحب کے مرید باصفا اور ماہنامہ "فاران" کے ایڈیٹر ماہر القادری صاحب مولانا نعمانی کے پاس موجود تھے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اپنی دنیا کے آدمی ہیں۔ فاران میں کتابوں پر تبصرہ کا کالم بہت مشہور ہے۔ جو کئی کئی صفحات پر مشتمل ہوتا ہے ماہر صاحب ادب وبلاغت کی غلطیوں کے معاملہ میں بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ گفتگو میں وہی رنگ نمایاں تھا۔ خیر۔

مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب مولانا مرحوم کے مدرسہ کے مدرس ہیں۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ میں نے بہت دن پہلے ان کی زیارت راولپنڈی

میں اس وقت کی تھی جب وہ استاذ مکرم حضرت مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لائے۔ دونوں کا آپس میں گہرا تعلق تھا۔ یہ مخدوم استاد مولانا محمد عثمان کی تمام تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ بعد میں مولانا بنوری کے یہاں ابتدائی دور میں استفادہ کیا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ سے عقیدت و ارادت کا رشتہ قائم کیا۔ تعلق بہت زیادہ تھا۔ حضرت مدنی کے عشق میں شریک تھے۔ ایسے مخلص، صالح اور بالغ نظر عالم میں نے بہت کم دیکھے۔ موصوف کو راولپنڈی میں احقر کے ایک بزرگوار سے بہت تعلق تھا۔ احقر کے مشفق استاد تھے۔ اور بہت کرم فرماتے۔ بعد میں برادر عزیز مولوی محمد عبدالرحمٰن سلمہ نے ان سے کئی سال پڑھا اور آخر میں بیماری کے دوران عزیزی نے جو خدمت کی۔ وہ اس کی سعادت مندی کی دلیل تھی! افسوس کہ استاد مرحوم مختصر عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مولانا بنوری قدس سرہٗ نے اپنے قلم سے ان پر تعزیتی نوٹ لکھا جو دوسری جگہ شامل ہے۔

ماہنامہ "بینات" کے نگران مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات کی انہوں نے "بینات" کے بعض فائل اور رسائل مہیا کرنے میں تعاون کی مثال قائم کی۔ اسی دن مسجد کے خطیب و امام قاری رشید الحسن صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جب کہ آج کی تاریخ میں مولانا حبیب اللہ مختار سے طویل ملاقات ہوئی۔

۳۰ ر نومبر

آج کا دن شاید سب سے زیادہ مصروف دن تھا جس میں متعدد حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعض لائبریریاں بھی دیکھیں۔

مجلس علمی اور مولانا محمد طاسین

آج کے دن ہم نے "میری ویدر ٹاور" پر مجلس علمی کی لائبریری دیکھی اور اس کے منتظم و نگران مولانا محمد طاسین سے ملاقات کی۔ مولانا موصوف ہری پور ہزارہ کے رہنے والے لیکن وضع قطع کے اعتبار سے یو۔ پی کے باشندے معلوم ہوتے ہیں آپ کے بھائی حاجی فضل الرحمٰن صاحب اور حاجی محمد یوسف صاحب ہری پور میں قیام پذیر ہیں۔ مذہبی و ملی اور قومی کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ ہری پور کے مشہور مجاہد آزادی حکیم عبدالسلام قدس سرہٗ اور اس خاندان کا گہرا ربط رہا۔ اور اب ان کے صاحبزادوں بالخصوص حکیم عبدالرشید سے اسی انداز کا تعلق ہے۔ مولانا محمد طاسین نے ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی پھر دیوبند، امروہہ اور مرادآباد کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے ۱۹۴۴ء میں امروہہ کے مدرسہ اسلامیہ سے سند فراغت حاصل کی اس وقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہی قدس اللہ سرہ العزیز مدرسہ کے روح رواں تھے۔ جو قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ تھے۔ فراغت کے بعد مرحوم نے حکمًا مولانا محمد طاسین صاحب کو وہاں رکھا اور تدریس کے کام پر لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اساتذہ کا منظور نظر بنایا تھا۔ علم سے گہری مناسبت تھی۔ ذہانت و ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھے حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ بخاری شریف کے علاوہ جو سبق چاہو مل سکتا ہے۔ چنانچہ پہلے ہی سال ترمذی شریف، توضیح و تلویح اور بیضاوی جیسے اسباق پڑھائے۔ ۱۹۴۶ء تک وہیں قیام رہا۔ اور ۱۹۴۷ء کی تعطیلات میں شملہ تشریف لائے حتیٰ کہ فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا تو آپ گھر تشریف لائے۔ سال بھر گھر پر قیام رہا۔ کچھ عرصہ حویلیاں کے مرکزی قصبہ میں درس کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ ۱۹۴۹ء میں کراچی آنا ہوا۔ جناب ابوالنظر رضوی امروہی بہت بڑے مفکر اور صاحب قلم تھے۔ امروہہ میں حضرت مدنی اور امیر شریعت جیسے قائدین ان کے مہمان ہوتے۔ ان کا مقصد ایک تحقیقی ادارہ کا قیام تھا۔ جو "رباط العلوم الاسلامی" کے نام سے قائم ہوا۔ اس نے متعلق ہو گئے لائبریری بنائی۔ مقصد نشر و اشاعت کا کام تھا، اسی زمانہ میں ٹنڈو الہ یار آنا جانا ہوتا۔ تو حضرت مولانا بنوری سے رابطہ ہو گیا۔ وہ دور ٹنڈو الہ یار کا سنہری دور تھا۔ وقت کے بہترین اساتذہ وہاں موجود تھے۔ لیکن افسوس کہ ایک شخص کی جاہ پسندی نے اس سلسلہ کو اجاڑ دیا۔ اور اساتذہ اِدھر اُدھر چلے گئے۔ وہ تو بہاں بھی گئے اپنے خلوص و دیانت اور جذبۂ خدمت سے چھا گئے۔ لیکن وہ شخص جس نے اس چمن کو اجاڑا آج جیکب لائن کی مسجد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور افسوس کہ اس نے ان عظیم لوگوں کی نسبت تک کی قدر نہیں کی جن کا وہ نام لیتا ہے۔ آج ایسے وقت جب کہ مسٹر بھٹو اپنے ظلم و ستم کے پیش نظر مکافات عمل کا شکار ہے۔ جیکب لائن کا خطیب اس کے گن گا رہا ہے اور اس کا صاحبزادہ بھٹو کی آزادی کے لئے حرکت میں آ جاتا ہے۔ فیاللعجب!

یہ جملے یونہی نکل گئے۔ بات مولانا محمد طاسین صاحب کی ہو رہی تھی۔ جس زمانہ میں وہ کراچی میں "رباط العلوم" میں مقیم تھے۔ اور ٹنڈو الہ یار محض آنا جانا تھا۔ انہی دنوں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہٗ نے "دارالعلوم" کی کراچی میں بنیاد رکھی۔ دارالعلوم کے دوسرے سال مفتی صاحب مرحوم کے داماد اور مولانا محمد طاسین صاحب کے شاگرد مولانا نور احمد کیانی یمی کے وساطت سے حضرت مفتی صاحب سے رابطہ ہوا۔ ابھی دارالعلوم میں دورۂ حدیث شروع نہ ہوا تھا۔ موقوف علیہ تک درس ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس جو اسباق تھے، یعنی مشکوٰۃ اور جلالین وہ آپ کے سپرد کئے گئے۔ لیکن نباہ نہ ہو سکا۔ اور اس کا سبب سیاسی اختلاف تھا۔ انہی دنوں "مجلس علمی" کا کتب خانہ دیکھا۔ یہ مجلس علمی

۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں گجرات کے مشہور شہر "ڈابھیل" میں قائم ہوئی تھی۔ بانی حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ کے شاگرد الحاج مولانا محمد بن موسیٰ افریقی تھے۔ موصوف حضرت شاہ صاحب کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ ان کے چار صاحبزادے تھے۔ چاروں دیوبند کے فاضل!

اس مجلس کے قیام کا مقصد قدیم علمی نوادرات کو شائع کرنا تھا۔ اس مجلس کے اہتمام سے عظیم علمی نوادرات شائع ہوئے۔ جن میں نصب الرایہ لاحادیث الھدایۃ، مسند حمیدی، سنن سعید بن منصور، کتاب الآثار، فیض الباری (تقریر بخاری حضرت امام کاشمیری قدس سرہٗ) معارف السنن بقلم حضرت السید بنوری رحمہ (ابتدائی چار جلدیں مجلس کے اہتمام میں) بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب، نفحۃ العنبر من حیات الشیخ الانور"، مشکلات القرآن، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، اکفار الملحدین، نیل الفرقدین، بسط الیدین، فصل الخطاب، کشف الستر عن صلاۃ الوتر، ضرب الخاتم علی حدوث العالم، مرقاۃ الطارم لحدوث العالم، البدور البازغہ، الخیر الکثیر، تفہیمات الٰہیہ، ازالۃ الخفار، زاد الفقیر، حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، خزائن الاسرار، مصنف عبدالرزاق، الفصول فی الاصول اور یتیمۃ البیان، یہ تمام کتابیں اپنی معنویت و اہمیت کے اعتبار سے اسلامی دنیا کے معارف علمی میں شمار ہوتی ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کئی کتابیں تو مجلس نے ایسی چھاپیں جو قصہ پارینہ بن چکی تھیں لیکن مجلس کے ارباب ہمت مالکان نے ان نوادرات کو چھپوا کر کارنامہ سرانجام دیا۔ ان عظیم عربی مطبوعات کے علاوہ "تدوین حدیث" مقالات احسانی، تذکرہ سلیمان، نظام صلاح و اصلاح، خوارق عادات، سیرت الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور مسئلہ روح و نفس جیسی اہم کتابیں اردو میں "معارف لدنیہ" حق الیقین، اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی اہم ترین کتابیں فارسی میں شائع کیں۔

ڈابھیل کے دور میں مجلس علمی کے علمی و اشاعتی کام کا تمام انحصار حضرت السید بنوری قدس سرہٗ پر تھا اور حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مولانا ابوالوفا افغانی، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن، مولانا محمد ادریس میرٹھی کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ حال مقیم پیرس اور ڈاکٹر غلام محمد جیسے ارباب علم و قلم کا تعاون حاصل تھا۔ یہ مجلس بعد میں (تقسیم کے دوران) کراچی منتقل ہو گئی۔ جناب ابراہیم بن السید محمد میاں افریقی نگران قرار پائے کہ والد مرحوم توسفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اور علمی و اشاعتی کام کی تمام تر ذمہ داری آج کل مولانا محمد طاسین کے سپرد ہے۔ آپ کا بانی مجلس سے رسمی تعارف تو تھا۔ جب مولانا بنوری قدس سرہٗ سے تعارف ہوا۔ تو انہوں نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ کر یہاں لگا دیا۔ بلکہ آپ کا نکاح اپنی صاحبزادی صاحبہ سے کر دیا۔ اور اس طرح یہ تعلق دوچند ہو گیا مجلس سے آپ کا تعلق ۵۲ء میں ہوا جب کہ شادی ۵۶ء میں ہوئی۔ ۸ ہزار کتب لائبریری میں موجود ہیں۔ اور امہات الکتب تو سب موجود ہیں۔ سکالروں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے تمام سہولتیں موجود ہیں۔ مولانا محمد طاسین کے ذوق علمی نے اس لائبریری اور مجلس کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ عربی کتب کے سبب دنیائے عرب میں اس کا بھرپور تعارف ہے بیسیوں لوگوں نے یہاں سے استفادہ کر کے مختلف امتحانات دئیے اور کتابیں لکھیں۔ مولانا موصوف دنیا کا علمی سفر کر چکے ہیں۔ کام کو مزید وسعت دینے کے لئے نیو ٹاؤن کے مدرسہ کے قریب ایک قطعہ زمین حاصل کیا جا چکا ہے جس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ مجلس اور اس کے کام کا مختصر تعارف کرانے کے بعد میں یہ بات پورے وثوق سے کہنا چاہتا ہوں کہ مولانا محمد طاسین ان لوگوں میں سے ہیں جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ ان کا ذوق علمی، ذوق تحقیق، مسائل قدیم و جدید پر گہری نظر، قلب و نظر میں وسعت ایسی باتیں ایک مسافر کو ان کے قریب کرنے کا باعث ہوئیں، انہوں نے کمال محبت و شفقت کا ثبوت دیا۔ جی بھر کر باتیں کیں معلومات مہیا کیں۔ اور حسب وعدہ ایک مبسوط مقالہ سپرد قلم فرما کر ارسال فرمایا۔ مجلس کی بعض کتابیں ھدیہ و تحفہ کے طور پر عنایت فرمائیں۔ اور آئندہ سفر کراچی کے دوران لائبریری میں قیام کے لئے بھرپور اصرار فرمایا۔ موصوف کے بعض مضامین جو مشینوں پر زکوٰۃ کے سلسلہ میں بینات وغیرہ میں شائع ہوئے وہ میرے پڑھے ہوئے تھے۔ اور ان سے علمی اختلاف رکھنے والے بھی ان کی متانت و سنجیدگی اور قوت استنباط کے مداح ہیں۔ اے کاش کہ اہل علم اجتماعی طور پر اس مسئلہ کے حل کی طرف توجہ فرماتے۔ تو معاشیات کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھ جاتیں۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے بعض اقدامات اور پاکستان قومی اتحاد نیز جمعیۃ علماء اسلام کے متعلق بھی موصوف سے خوب خوب باتیں ہوئیں۔ اور اس گفتگو کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو بہت قریب پایا۔ بالخصوص مولانا نے عمر و علم میں بڑا ہونے کے باوصف مجھ جیسے ناچیز کی جس طرح حوصلہ افزائی کی وہ میرے لئے سرمایہ سعادت ہے۔ (جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن

آج کی تاریخ میں ہم ناظم آباد کے علاقہ میں ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن اور اس کی عظیم الشان لائبریری دیکھی حکیم محمد سعید صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔

کہ وہ بیرون پاکستان سفر میں تھے۔ البتہ نعیم الدین زبیری صاحب (لائبریرین)، فضل اللہ صاحب (شعبہ مخطوطات) کے علاوہ مسعود احمد برکاتی صاحب اور مولانا عبدالرؤف صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں یہ سب حضرات مختلف طرح کے علمی کاموں میں مصروف ہیں۔ وسیع اور قابل قدر لائبریری حکیم محمد سعید صاحب کے نفیس ذوق اور ان حضرات کی محنت شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مخطوطات کے شعبہ میں قرآن حکیم کے متعدد نسخے موجود ہیں اور بعض دوسری قابل قدر چیزیں یہاں مہیا ہیں۔ ملک و بیرون ملک کے اخبارات و رسائل کے فائل بکثرت یہاں موجود ہیں اور ان کو جلد کرا کر بڑے قرینے اور سلیقے سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی سیاسی جماعتوں اور دوسرے شعبہ ہائے حیات کے متعلق اخباری کٹنگ کا قیمتی ذخیرہ مرتب شکل میں یہاں موجود ہے۔ جو زبیری صاحب کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ میں کراچی جانے سے قبل حکیم محمد سعید صاحب کو بھی عریضہ لکھ چکا تھا کہ وہ مولانا بنوری کے متعلق اپنے تاثرات لکھ کر ارسال فرمائیں۔ لیکن وہ تو ابھی تشریف بھی نہ لائے تھے۔ چنانچہ ان حضرات کو توجہ دلائی اور مجھے مسرت ہے کہ حکیم صاحب کی واپسی کے بعد برکاتی صاحب نے موصوف کا ایک مختصر لیکن پُر مغز مقالہ بھجوا دیا۔

دوسرے حضرات

اس تاریخ میں ہم لوگوں کا زیادہ وقت ناظم آباد میں ہی گذرا۔ یہ وسیع و عریض علاقہ ہے اور اس میں متعدد علمی و دینی شخصیات مقیم ہیں۔ ہم مظہری کتب خانہ گئے۔ مشہور صاحب ذوق بزرگ مولانا حکیم محمد اختر صاحب اور ان کے صاحبزادے مظہر میاں سے ملنے کا پروگرام تھا۔ حکیم صاحب حضرت الشیخ المخدوم الشاہ محمد ابرار الحق صاحب قبلہ کے خلیفہ ہونے کے ناطہ سے معروف عالم خانقاہ تھانہ بھون سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثنوی مولانا رومؒ پر گہرا عبور ہے۔ اصلاحِ خلق کا خداداد ملکہ رکھتے ہیں ان سے ملاقات نہ ہو سکی کہ وہ حیدر آباد گئے تھے البتہ مظہر میاں سے ملاقات ہوئی اور خوب!

جناب نثار الحق صدیقی صاحب سے ملاقات ہوئی جن کا تعلق فقیہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے خاندان سے ہے آپ استاذ و معلم کی حیثیت سے معاشرہ کی ٹھوس خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ علم و تحقیق کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ موصوف نے کمال شفقت سے مقالہ کا وعدہ کیا۔ جو بعد میں جلد ہی ارسال کر دیا۔ یہاں ہم نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے صاحبزادے پروفیسر عمر احمد صاحب عثمانی سے ملاقات کی۔ جو گورنمنٹ کالج ناظم آباد کے پروفیسر ہیں کسی زمانہ میں موصوف کے متعلق پرویز صاحب سے گہری مناسبت کا چرچا تھا۔ اس وقت یہ بات صحیح تھی یا نہیں اب بہر حال نہیں البتہ انتہائی ذہین و زیرک آدمی اور اتنے بڑے باپ کا بیٹا اگر اپنے بزرگوں کی وراثت کی طرف متوجہ ہوتا تو یقیناً بڑی خدمت کر سکتا۔ تاہم یہی خوشی ہے کہ وہ استاذ و معلم کے ناطہ سے خدمت کر رہے ہیں اور کالج کی مسجد کمیٹی کے صدر (غالباً) کی حیثیت سے اپنے ماضی سے رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کالج ناظم آباد کے متصل غالب لائبریری گئے۔ جس کے کرتا دھرتا مرزا ظفر الحسن صاحب ہیں موصوف مشہور شاعر فیض احمد فیض کے قریبی لوگوں میں سے ہیں۔ مرزا غالب کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ انہی کے نام پر لائبریری بنی غالب پر کافی لٹریچر یہاں موجود ہے اس کے علاوہ بھی ادبیات کا اچھا ذخیرہ انہوں نے فراہم کر دیا ہے۔ بڑے تیز آدمی ہیں۔ یہ تمام تر ذخیرہ انہوں نے اِدھر اُدھر سے حاصل کیا خود کہتے تھے کہ لاہور آنے کا بھی عزم رکھتا ہوں۔ اور وہاں سے بھی غالب کے نام پر بہت کچھ لاؤں گا کہ اپنا کام ہی یہ ہے اور اس طرح میں نے یہ لائبریری بنا دی۔ بہر حال موصوف کا جذبۂ عمل قابلِ تقلید ہے اور اہلِ دین و دانش اگر اس طرح ذوق و محنت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کام میں لگ جائیں۔ تو روٹھی ہوئی بہار چمن میں واپس آ سکتی ہے۔ یہاں لائبریری میں ہی تین پروفیسر حضرات سے ملاقات ہوئی جن کے اسماء گرامی ہیں۔ جناب ابوسلمان شاہجہانپوری، جناب امیر الاسلام صدیقی اور جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل۔ یہ حضرات نیشنل کالج میں مصروفِ عمل ہیں۔ اول الذکر سے غائبانہ تعارف تھا آج ملاقات بھی ہو گئی۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد سے آپ کو گہری مناسبت ہے۔ مولانا کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں جن میں سے کئی چیزیں تو چھپ چکی ہیں اور کئی کسی مسیحا کے انتظار میں ہیں لاہور کے معروف جریدہ "چٹان" میں اکثر و بیشتر لکھتے رہے ہیں۔ آغا شورش مرحوم سے بہت تعلق رہا ابھی مرحوم کے متعلق متعدد منصوبے ان کے ذہن میں ہیں۔ دوسرے حضرات بھی علم و اخلاق کا مجسمہ تھے اور میرے لئے یہ بات طمانیت کا باعث ہے کہ ان سب حضرات نے مجھے اپنی شفقتوں سے نوازا۔ آج شام کا پروگرام کراچی کی ابھرتی ہوئی شخصیت مولانا محمد زکریا کے پاس تھا۔ درمیانی واسطہ جناب فاروق قریشی تھے۔ مولانا کے پاس جمع ہونے کا وعدہ تھا۔ فاروق صاحب تو "دودھ کی دنیا" میں کھو گئے۔ اور مولانا کا ان کے گھر اور مدرسہ میں علم نہ ہو سکا۔ پریشانی کے عالم میں کان میں بھنک پڑی کہ مفتی محمود صاحب تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ وہاں سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن فون کیا تو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب واقعی تشریف لائے ہیں۔ اندازہ ہو گیا کہ مولانا محمد زکریا وہاں ہوں گے۔ وہاں جانا تو صحیح بھی تھا۔ اور ضروری بھی۔ لیکن چھوٹے درجہ کے مہمانوں کو بلاتے کے بعد اگلے کوئی ہدایت چھوڑ جاتے تو زیادہ انسب ہوتا۔ خیر عملی زندگی میں ایسی مجبوریاں سامنے آ جاتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب سے ملاقات

ہم بھاگم بھاگ وہاں سے واپس گئے اور مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو قاہرہ، انگلینڈ اور حرمین شریفین کے طویل سفر کے بعد

اچانک ہی واپس تشریف لائے تھے ورنہ شنید کے مطابق واپسی کا پروگرام چند دن بعد کا تھا۔ دراصل شدید بیماری کے پیش نظر واپسی جلدی ہوگئی۔ کوئی خاص بات نہ ہوسکی۔ اس لئے آپ کو کھانسی کی شدید تکلیف تھی۔ بولنا مشکل ہو رہا تھا کئی دن سے کچھ کھایا تک نہ تھا، نماز بڑی مشکل سے اور وہ بھی بہت مختصر طریق سے ادا فرماتے۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے لئے انہیں پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ نقاہت اور کمزوری بلا کی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اے اللہ اس مرد درویش کو تو صحت کاملہ عاجلہ نافعہ عطا فرما۔ یہ ملت کی حسین آرزوؤں کا مرکز ہے۔ اس نے اپنی بے لوث اور مخلصانہ قیادت سے پاکستانی عوام کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ میں یہ دعائیں کر ہی رہا تھا کہ مجھے ایک گونہ طمانیت نصیب ہوئی اور یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اس مرد درویش کو ملت کی رہنمائی کے لئے صحت و عافیت سے تادیر سلامت رکھے گا۔ راہ حق کے مسافروں کو بیماری اور دوسرے مراحل سے گذرنا ہی پڑتا ہے تاکہ عند اللہ ان کے درجات بلند ہوں۔ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو مفتی صاحب کی ذات ہے۔ وہ جو اقبال نے کہا نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز۔ مفتی صاحب اس کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے دشمن انہیں اپنے دل کا کانٹا سمجھتے ہیں لیکن وہ سراپا شفقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آنکھوں کے ساتھ دیکھنے والا دل بھی عطا فرما دیا ہے اور وسعت و کشادگی کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے مفتی صاحب پر مولانا کی رحلت کا شدید اثر تھا۔ ایک بزرگ ساتھی اور مخلص دوست جو ہمیشہ نیک مشورے دیتا اور جن کے ساتھ آپ کو قلبی لگاؤ تھا۔ یکایک دنیا سے رخصت ہوگیا۔ قاہرہ کی مؤتمر میں مولانا اور مفتی صاحب نے اکٹھے جانا تھا۔ لیکن اسلام آباد میں اسلامی مشاورتی کونسل کے اہم اجلاس کے پیش نظر مولانا نہ جا سکے اور پھر اتفاق یہ ہے کہ مفتی صاحب قاہرہ جانے کے لئے کراچی روانہ ہوئے تو مولانا کراچی سے اسلام آباد کے لئے رخصت ہوئے گویا آخری دور میں ملاقات بھی نہ ہوئی۔ قاہرہ میں جب مفتی صاحب نے اچانک یہ خبر سنی۔ تو جو ان پر بیتی۔ اس کا بیان کرنا چنداں آسان نہیں۔ آپ نے کراچی میں بس وہی ایک رات قیام فرمایا۔ مہمان خانہ کے ایک کمرہ میں وہ تھے۔ دوسرے میں ہم۔ درمیان میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ رات گئے ان کی کھانسی میرے لئے اضطراب و پریشانی کا باعث بنی رہی۔ اور میں مسلسل دعا و مناجات میں مشغول رہا۔ لیکن جب اضطراب بڑھتا، معاً کوئی غیبی قوت اطمینان کا سامان فراہم کر دیتی جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب سے ضرور کوئی کام لیں گے۔

صبح کی نماز کے موقعہ پر تکلیف کی شدت کے پیش نظر مسجد نہ جا سکے۔ کمرہ میں ہی مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ احقر کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اور اس کے بعد آپ براستہ ملتان ڈیرہ اسماعیل خان روانہ ہوگئے۔

یکم دسمبر

آج کا دن اس اعتبار سے عجیب دن تھا کہ ہمیں دو مقامات پر جانا تھا۔ اور دونوں شہر کے دو انتہائی سروں پر۔ ایک تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے دارالعلوم کورنگی دوسرے نیو کراچی بادو میر کے قریب ہم دارالعلوم کورنگی گئے۔ وہاں حضرت مفتی صاحب مرحوم کے جواں سال و باصلاحیت فرزند مولانا محمد تقی عثمانی سے ملاقات مقصود تھی جو ایک متند اور قابل ترین عالم و مدرس ہونے کے علاوہ لاء گریجویٹ بھی ہیں، مشہور علمی و دینی ماہنامہ "البلاغ" کے ایڈیٹر، متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم اور اسلامی مشاورتی کونسل کے ممبر ہیں۔ احقر کو ان سے خاص طور پر ان دنوں تعلق خاطر ہوا۔ جب انہوں نے مودودی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب "خلافت و ملوکیت" کے اس حصہ کا مسکت اور مدلل جواب لکھا جس کا تعلق امیر المؤمنین، کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا۔ تقی صاحب کا یہ قسط وار مقالہ "البلاغ" میں چھپا اور بہت سراہا گیا بلکہ بہت سے لوگوں کی اصلاح کا سبب بنا۔ مودودی صاحب کے ایک خصوصی معاون نے متعدد صفحات سیاہ کر کے اس اثر کو زائل کرنا چاہا۔ لیکن "مولوی مدن والی بات" کہاں سے آتی۔ جب کہ تقی صاحب کا نقطہ نظر ایک صحابی رسولؐ کا دفاع تھا۔ اور معاون صاحب کا مقصد مودودی صاحب کا دفاع۔ اگرچہ صحابی رسولؐ کا دامن داغدار ہو۔ تقی صاحب چونکہ اسلامی مشاورتی کونسل کے ممبر بھی ہیں۔ اس لئے میں ان سے کونسل کی کارکردگی، اس میں مولانا بنوری قدس سرہٗ کے کردار اور مولانا کے آخری وقت کے حالات پر گفتگو کرنا چاہتا تھا جہاں تک مولانا بنوری کے کردار کا تعلق ہے تقی صاحب کے علاوہ بھی ہر آدمی اسے سراہتا ہے۔ اور تقی صاحب تو ان کے عزیز ترین شاگرد رہے ہیں۔ تقی صاحب بڑے متاسف تھے ان کا کہنا تھا کہ ایسی مرنجاں و جامع شخصیت جو ادھر ادھر کے دلائل کے بعد حکم کا کردار ادا کر سکے۔ اور ان کی علمی وجاہت سب کو ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ کر دے۔ مولانا بنوری اس قسم کے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ جرأت و جوش ایمانی عطا فرمایا تھا اور ان کا احترام بھی بہت تھا۔ مولانا کی جگہ کونسل میں جو مختلف نام سامنے آئے ہیں ان میں مولانا شمس الحق افغانی کا اسم گرامی زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ابھی تک کسی بھی نام کا اعلان نہیں ہوا۔ کونسل کی کارکردگی کے متعلق بھی باتیں ہوئیں۔ مولانا بنوری کے قلم سے "بینات" کا آخری اداریہ جس میں کونسل کو بااختیار ادارہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق میں نے پوچھا تو تقی صاحب نے فرمایا ارباب اقتدار نے بھی تاثر دیا تھا جس کو مولانا نے نقل فرما دیا۔ رہ گئی عمل کی بات تو اس سلسلہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ جن کا اظہار فی الحال مناسب نہیں۔ "البلاغ" کے ایک اداریہ میں (غالباً جنوری ۷۸ء کا شمارہ) انہوں نے کونسل کے متعلق اس قسم کے تاثر کا اظہار کیا ہے کہ فی الحال نہ تو زیادہ اطمینان کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مایوسی کا۔ باقی مولانا قدس سرہٗ کے سلسلہ میں ان کے خیالات و تاثرات ایک مفصل مقالہ کی شکل میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔ دارالعلوم کی عمارات

کو ہم نے دیکھا تصنیفی اور تحقیقی شعبہ قابل قدر ہے۔ تقی صاحب کا وجود اور ان کے رفیق مولانا حسین احمد نجیب کا وجود غنیمت ہے۔ یہ حضرات بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں مفتی صاحب کا خلا تو بہرحال محسوس ہونا ہی تھا۔ لیکن یہ غنیمت ہے کہ ان کی متعین کردہ راہ پر کام ہو رہا ہے۔ دارالعلوم کی وسیع و عریض عمارات اور انتظامیہ کو حاصل شدہ سہولتوں کے پیش نظر یہ ادارہ اس قابل ہے کہ اس کو یونیورسٹی کی سطح کا ادارہ بنا دیا جائے اور ہمیں امید ہے کہ تقی صاحب اور دوسرے حضرات اس طرف توجہ کریں گے۔ دارالعلوم میں قابل ترین اساتذہ موجود ہیں جن میں سے ایک استاد مولانا شمس الحق سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ وہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان کا طریق تفہیم اور جدید مسائل پر نظر قابل تحسین ہے۔ یہاں مدرسہ میں ہی جناب اعجاز احمد صاحب سنگھانوی سے ملاقات ہوئی۔ جو کئی ایم اے کر چکے ہیں، بڑے صالح جوان ہیں۔ اپنے اکابر سے گہرا لگاؤ ہے۔ ان کی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں کئی مختلف مراحل میں ہیں۔ اس قسم کے صالح اور پڑھے لکھے نوجوانوں کو ایک اجتماعی نظام سے منسلک کر دیا جائے تو ہمارے ملک میں علمی و تحقیقی کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ دیکھیں کب کوئی مسیحا اس طرف توجہ کرے؟ شام کو نیو کراچی جانا ہوا۔ چوہدری امیر الدین قریشی صاحب کے مکان پر حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں مشاعرہ تھا۔ صدر مشاعرہ مشہور صاحب قلم و تحقیق جناب حکیم علی احمد عباسی تھے۔ احباب نے ایک مسافر و نو وارد کو "مہمان خصوصی" کی عزت سے نوازا جس کا پیشگی وعدہ لیا جا چکا تھا۔ احقر نے چند منٹ عظمت صحابہ کرام پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مادر پدر آزاد شاعری کے اس دور میں یہ محفل واقعی خوب تھی۔ تمام شعراء نے خلیفہ مظلوم کو جس طرح خراج عقیدت پیش کیا اس سے میں بہت متاثر ہوا سلسلہ لمبا چلا ایک بجے شب کے بعد واپسی ہوئی۔

۲۱ر دسمبر

یہ جمعہ کا دن ہے میرے کرم فرما حافظ غلام سرور صاحب خطیب سعیدیہ منزل کل مختصر وقت کے لئے تشریف لائے تھے اور جمعہ کا وعدہ لے گئے تھے۔ حافظ صاحب علاقہ چھچھ کے قصبہ "اصغر" کے رہنے والے ہیں۔ جب احقر حضرو میں تھا تو اس وقت ان سے تعارف ہوا۔ یہ اس وقت بھی کراچی میں مقیم تھے کبھی کبھار آتے۔ لیکن ان کے خلوص و محبت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اور اس سے زیادہ ان کا جذبہ عمل، جوش دینی اور خدمت علم نے متاثر کیا۔ ان کے آبائی گاؤں کے متصل دوسرا گاؤں ہے جس کا نام "سلیم خان" ہے، وہاں مدرسہ قائم کر رکھا ہے۔ جس کے ذریعہ قرآن عزیز کی اتنی خدمت ہو رہی ہے کہ بڑے بڑے دارالعلوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ صحیح معنوں میں قرآنی مکتب اور بچوں کی تربیت گاہ ہے۔ احقر کو اس مدرسہ کے سالانہ جلسوں اور امتحانات میں شریک ہونے کا موقعہ ملا اور ہر دفعہ میں پہلے سے زیادہ حسین تاثرات لے کر واپس آیا۔ مدرسہ میں کام کرنے والے رفقاء کا خلوص و محنت اس سلسلہ خیر کا قیمتی سرمایہ ہے۔
بہرحال وقت مقررہ پر مسجد پہنچ گئے۔ ایک گھنٹہ کے قریب احقر نے عظمت صحابہ و اصلاح معاشرہ پر خطاب کیا۔ الحمدللہ کہ اس کا اچھا اثر ہوا۔ نماز جمعہ کے بعد جمعیۃ طلباء اسلام کے دفتر جمشید روڈ میں کوئی پروگرام تھا۔ جمعیۃ کے مرکزی ناظم فاروق صاحب اور دوسرے احباب شہر کے معاملہ میں ایک مسافر کی ناواقفیت کو محسوس نہ کر سکے اس لئے ہم اس سے محروم رہے۔ ہمیں اپنی محرومی سے زیادہ طلبہ کا احساس تھا کہ وہ اکٹھے ہوں گے تو کیا محسوس کریں گے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے گل سرسبد اور خانقاہ امروٹ شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد شاہ امیر جمعیۃ علماء اسلام سندھ تشریف لائے اور انہوں نے طلبہ کو اپنی قیمتی "نصائح" سے نوازا۔ اور آج ہی عشاء کے بعد مسجد قدسیہ اور نگ آباد ناظم آباد میں "مقام صحابہ" پر مفصل خطاب کرنا پڑا۔ یہاں ہر جمعہ اہل سنت و جماعت کے محاذ پر کام کرنے والے مخلص رفقاء کی نشست ہوتی ہے، وقت صبح ۹ - ۱۰ بجے کا ہوتا ہے، عام طور پر حضرت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی درس قرآن دیتے ہیں۔ اور پھر احباب نے کوئی بات پوچھنا ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں، احقر اس مجلس میں بھی شریک ہوا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ اس قسم کے ہلکے پھلکے پروگرام ذہن سازی کے لئے بڑے فائدہ مند ہیں۔

۳۱ر دسمبر

جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، حضرت مولانا بنوری کے کراچی کے ابتدائی دور کے شاگرد اور مخلص ترین عقیدتمند ہیں۔ مولانا کے حکم سے ابتدائی دور میں طلبہ کو کچھ پڑھاتے بھی تھے۔ وہ تعلق ساری عمر قائم رہا متعدد اسفار میں مولانا کے رفیق و خادم کی حیثیت سے ساتھ تھے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت جب اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئی تو مولانا نے بیرونی دنیا کا طویل سفر کیا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب ہمراہ تھے۔
میں کراچی گیا تو وہ اپنے گھر (سرحد) سے واپس نہ آئے تھے۔ کل شام واپس تشریف لائے۔ احقر نے گھر پیغام بھیجا تو بکمال شفقت احقر کی قیام گاہ پر چلے آئے بھرپور خلوص و محبت کا مظاہرہ فرمایا اور صبح کے ناشتہ کی دعوت دی۔ یہ ناشتہ اس لحاظ سے قیمتی تھا کہ اس موقع پر خالص علمی گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب "جامعۃ الازہر"

کے پی ایچ ڈی میں مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کا وقیع اور قیمتی مقالہ علمی دنیا کا قابل قدر اضافہ ہے اسے دیکھنے اور کچھ ابحاث پڑھنے اور سننے کا اتفاق ہوا۔ امید کہ جلدی چھپ جائے گا۔ موصوف سے میں نے گزارش کی کہ مولانا کے بیرونی سفر کے متعلق آپ مقالہ لکھ کر عنایت فرمایئے تو انہوں کمالِ شفقت سے وعدہ فرمالیا۔ بلکہ میرے کراچی قیام کے دوران کسی حد تک لکھ بھی لیا۔ جو میری واپسی کے بعد جلدی مجھے مل گیا (جزاہم اللہ) اس کے علاوہ خدام الدین کے لئے انہوں نے ویسے بھی کبھی کبھار لکھنے کا وعدہ فرمایا۔ اور ایک مضمون متعلقہ حدود و تعزیرات فوری عنایت فرمایا جو خدام الدین میں چھپ بھی چکا ہے۔ آج سرسید کالونی میں ابو سلمان شاہ جہان پوری صاحب کے مکان پر ان سے ملنے کا وعدہ تھا۔ ہمیں ذرا تاخیر ہو گئی اس لئے محروم واپس آنا پڑا۔ اور پھر ہم ناظم آباد گئے۔ اور جناب حکیم محمد اختر صاحب سے طویل ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب قبلہ کے متعلق اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ موصوف ایک عارف انسان ہیں۔ مثنوی مولانا روم سے گہری مناسبت ہے۔ اصلاح و ہدایت خلق کے کام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ سے انہیں بہت لگاؤ تھا۔ اور مولانا بھی ان کے کام و محنت کی بے پناہ قدر فرماتے۔ ابھی حال ہی موصوف نے اکابر اہلِ حق کے تمام ارشادات بسلسلہ مودودی صاحب جمع فرماکر شائع کئے۔ تو مولانا مرحوم بڑے خوش تھے۔ موصوف سے حضرت مرحوم کے متعلق باتیں ہوئیں اور میں جسمانی و روحانی دوائیں لے کر نیز حضرت السید بنوری کے متعلق مقالہ کا وعدہ لے کر واپس چلا آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ کہ آپ نے اپنا مقالہ اپنے فرزند مظہر میاں کے ہاتھ دستی بھجوا دیا۔ جو لاہور تشریف لا رہے تھے۔ آج کی تاریخ میں احقر نے ضرورت کی کتابوں کے لئے بعض کتب خانوں پر حاضری دی۔ اور پھر شام کو حضرت مولانا محمد طاسین صاحب سے مدرسہ میں طویل ملاقات ہوئی۔

۴ دسمبر

آج پھر ہمیں خاصا جہاد کرنا پڑا۔ کیونکہ شہر کی مختلف اطراف کی انتہائی آبادیوں میں جانا پڑا۔ صبح کے وقت تو ہم مجاہد آباد گئے۔ تاکہ "دار التصنیف لمیٹڈ" مدرسہ تعلیم الاسلام اور تبلیغی کالج دیکھ سکیں۔ نیز حضرت مولانا محمد طفیل صاحب سے ملاقات کر سکیں۔ اس ملاقات کے سلسلہ میں جناب بیگ صاحب نے بڑی شفقت فرمائی موصوف عمر کے اعتبار سے بڑھاپے کی منزل میں ہیں۔ لیکن ذوق علمی اور شوق تجسس کے اعتبار سے جوانوں سے زیادہ جوان۔ انہی کی معیت میں کالج کی گاڑی سے جانا ہوا۔ جو شہر سے اساتذہ و طلبہ کو لے جاتی ہے۔ اس ادارہ کی کارکردگی کو دیکھنے کے علاوہ مولانا محمد طفیل سے ملنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ نے جب ٹنڈو الہ یار چھوڑا تو چند ماہ مولانا کے ساتھ مل کر کام کیا۔ مولانا محمد طفیل کی خواہش تھی کہ مل کر کام کریں علمی کام آپ سنبھالیں ضروریات کا انتظام میرے ذمہ اللہ برکت دے گا۔ موصوف باہمت آدمی ہیں۔ علیگڑھ سے بھی غالباً پڑھا ہے۔ مدرسہ دیوبند میں کام کرتے رہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ زیادہ عرصہ یہ کام نہ چل سکا اور مولانا کو الگ ہو کر نیو ٹاؤن ڈیرہ ڈالنا پڑا۔ یہ ادارہ وسیع و عریض قطعہ سرزمین پر مشتمل ہے۔ تمام سہولتیں یہاں میسر ہیں۔ اہل علم و فضل اور اہل دانش و بینش کی ایک بڑی جمعیت یہاں مصروفِ عمل ہے اکثر حضرات ریٹائرڈ شدہ ہیں اور یہاں محض خدمت دینی و علمی کے جذبہ سے جوانوں کی سی ہمت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ادارہ کے "انگریزی عربی مجلہ" "الیقین" کے ایڈیٹر جناب خلیق احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ واقعی خلیق ہیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ یہ لاہور سے آیا ہے۔ اور خدام الدین کا ایڈیٹر ہے تو اتنے خوش ہوئے کہ جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۶ء تک ان کی عمر کے ۱۸ سال لاہور میں گزرے۔ شیرانوالہ ہائی سکول میں میٹرک کیا۔ ان کے والد مرحوم ریلوے میں ملازم تھے۔ حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ سے بہت تعلق تھا۔ جب ۱۹۲۶ء میں خدام الدین کا معروف عالم جلسہ ہوا جس میں حضرت السید محمد انور شاہ کاشمیری علیہ الرحمۃ بھی آئے۔ اور حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت منتخب کر کے ان کی بیعت کی تو خلیق صاحب بچے تھے۔ بقول ان کے حضرت لاہوری نے مجھے گود میں لے کر حضرت السید انور شاہ صاحب کے سامنے پیش کیا جنہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ موصوف لاہور کے متعلق بہت کچھ پوچھتے رہے۔ ان کی خوشی دیدنی تھی۔ عربی لباس میں ملبوس یہ انسان اتنا خوبصورت اور بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ میں چاہتا تھا کہ یہ باتیں کرتا رہے اور میں سنتا رہوں۔ لیکن وہ مجھ سے لاہور کی باتیں سننے کے خواہش مند تھے۔ وہیں انہی کے کمرہ میں چائے تیار ہوئی۔ عجیب عالم تھا۔ کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ چائے کی تیاری میں مشغول ہیں۔ کوئی برتن صاف کر رہا ہے کوئی چائے پکا رہا ہے کوئی کسی کام میں مصروف ہے اس موقعہ پر دودھ ڈبہ کا استعمال ہوا۔ خلیق صاحب نے چھوٹی سی بوتل نکال کر دودھ استعمال کیا جو وہ روزانہ اپنے ہمراہ لاتے ہیں اور بتلایا کہ یہ بھینس کا دودھ ہے اور لاہور کی معاشرت کا اثر ہے کہ میں ڈبے کے دودھ کے بجائے یہ استعمال کرتا ہوں۔ "یقین" موصوف کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔ جو بڑا وقیع اور قیمتی رسالہ ہے اور اس سے ملک و بیرون ملک بڑا فائدہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ "دار التصنیف" کی وساطت سے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا ترجمہ اور مولانا عثمانی مرحوم کی تفسیر جرمنی میں چھپی۔ چار اقسام میں، کاغذ و جلد ایک کی ایک سے بڑھ کر، اور یہ واقعی بڑی خدمت ہے۔ اب اسی نسخہ کو رنگین شائع کرنے کا عزم ہے اور اس کے ساتھ ہی انگریزی ایڈیشن کی تیاری زوروں پر ہے، ایک پوری ٹیم جو قدیم و جدید علوم میں ماہر ہے۔ "انگریزی" کے کام میں لگی ہوئی ہے۔

بعض کتابیں بھی انگریزی میں چھپ چکی ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمہ کی "احسن الحدیث" اور "بشارۃ النبیین" اور حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مدظلہم کی فضائل رمضان شامل ہیں۔ کالج ۱۹۴۲ء میں قائم ہوا۔ ۱۹۶۰ء کے مطابق مدرسہ میں طلبہ کی تعداد ۶۰۸ ہے۔ جن کی تقسیم یوں ہے شعبہ حفظ و تجوید ۴۸، پرائمری ۲۳۰، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی ۲۰۲، دارالاقامہ میں مقیم طلبہ کی تعداد ۲۰۴ ہے، باقی شہر سے آتے ہیں۔ تعلیمی معیار بہت اچھا ہے اور قدیم و جدید کا عجیب امتزاج یہاں نظر آتا ہے۔ اساتذہ اور طلبہ کو شہر سے لانے کے لئے اپنی گاڑیاں ہیں اور ہر کام بڑے سلیقے سے ہو رہا ہے۔ عربی مدارس کے متعدد فارغ حضرات سے ملاقات ہوئی۔ جو یہاں جدید علوم بڑی محنت سے سیکھ رہے ہیں۔ آخر میں ہماری ملاقات جناب مولانا محمد طفیل صاحب سے ہوئی۔ جنہیں سب حضرات "حضرت صاحب" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سادگی و خلوص کا پیکر، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔ دیوبند کی یادیں تازہ کیں۔ اپنے مدرسہ و دارالعلوم کی بعض باتیں بتائیں۔ منصوبوں کا ذکر کیا۔ اور ہر بات میں اعتماد علی اللہ اور نام و نمود سے بچنے کی بات کی۔ حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ کی بات آئی تو فرمایا کہ "خواب میں ان سے ملاقات ہوئی اور اتنی ہی بات میں نے کہی کہ اللہ تعالیٰ تم سے بہت راضی ہو۔" اس کے علاوہ انہوں نے کچھ بتانا پسند نہیں کیا۔ اور ہم نے اصرار سے گریز کیا۔ شام کو پھر کورنگی جانا ہوا۔ آج جانے کا مقصد اعجاز صاحب سے مولانا بنوری کے بعض نوادرات کا حصول تھا۔ جن میں خاص طور پر وہ نظم شامل تھی۔ جو مولانا مرحوم نے شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کی وفات پر عربی میں لکھی اور دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوئی سودہ بھی ملی مضمون کا وعدہ ہوا جس کا الحمدللہ ایفا ہو چکا ہے۔

۵ دسمبر

صبح صبح جناب ابوسلمان شاہجہانپوری تشریف لائے۔ ہم اپنے طور پر معذرت کر رہے تھے کہ تاخیر سے پہنچے لیکن وہ معذرت کر رہے تھے کہ آپ آئے اور میں جا چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کا خلوص تھا ورنہ قصور ہمارا تھا کہ ہم بہت تاخیر کر کے پہنچے۔ بہرحال ان سے باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد وہ کالج چلے گئے اور ہم "صحرا نوردی" یا کوچہ گردی کے لئے نکل کھڑے ہوئے پہلی منزل "مجلس علمی" کی لائبریری تھی کہ مولانا محمد طاسین صاحب سے وعدہ ہو چکا تھا۔ وہاں گئے بیٹھک ہوئی۔ باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد ہم آئی۔ آئی چندریگر روڈ پر نکل کھڑے ہوئے۔ بلند و بالا اور فلک بوس عمارتوں کا علاقہ، مادیت کا ننگا ناچ ہمیں یہاں نظر آیا۔ طویل و عریض عمارتیں زنانٹے دار طمانچہ ہیں ان مراعات یافتہ طبقات پر جو ہر دور میں "شاہ کے وفادار" کا کردار ادا کرتے ہوئے ملک کے وسائل کو لوٹتے ہیں۔ اور ملک میں طبقاتی کشمکش کو جنم دینے کا باعث بن رہے ہیں مٹی گارے سے محبت کرنے والی یہ مخلوق جو کروڑوں روپیہ یوں برباد کر دیتی ہے خوفِ خدا مواخذہ آخرت اور انسانی قدروں سے بالکل عاری ہے۔ انہوں نے زندگی کی معراج اسی میں سمجھی ہے کہ اونچی اونچی بلڈنگیں کھڑی کر دیں نئے نئے ماڈل کی کاریں خریدیں۔ بیرونی دنیا کے صنعتی اداروں کے گماشتے بن کر کمیشن کے نام پر کروڑوں روپے کمائیں اور بس۔

یہ ظالم لوگ نہیں سمجھتے۔ کہ ہمارا یہ کردار پورے معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہا ہے۔ اور خدانخواستہ کوئی سٹالن و لینن اس ملک میں پیدا ہو گیا۔ تو ہمارا حشر کیا ہوگا؟ یہ لوگ صدر اول کے ان قدسی صفات لوگوں کی زندگیوں سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ جو کروڑوں کے مالک ہو کر اپنے آپ کو محض امین سمجھتے اور خلق خدا کی خدمت کر کے قرب الٰہی حاصل کرتے۔ یورپ کی مادیت نے ان کی آنکھیں چندھیا دی ہیں اور بھیانک مستقبل کی پرواہ کئے بغیر یہ شیطانی ناچ ناچ رہے ہیں۔ ہم نے یہاں سٹیٹ بنک اور نیشنل بنک کی لائبریریاں دیکھیں۔ سٹیٹ بنک کی لائبریری ایک مثالی لائبریری ہے، بنک اور اس کے متعلقات کے علاوہ اسلامیات پر کتابوں کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہے مجموعی طور پر ۵۴ ہزار کتابیں اور ۲۰ ہزار رسائل کے مجلدات موجود ہیں۔

آج کل لائبریرین سید ریاض الدین ہیں، خلیق، ملنسار اور علم دوست جب کہ ڈپٹی کی آسامی پر محمد شفیع خان صاحب تعینات ہیں۔ ان کے والد مرحوم جناب نور محمد خان صاحب ابتدائی لائبریرین تھے۔ ۱۹۴۸ء میں بنک قائم ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں لائبریری بنی۔ ابتدائی سرمایہ محض ۵۰۰ کتابیں تھیں۔ اس وقت زاہد حسین صاحب گورنر تھے۔ اور جب حسنی صاحب گورنر ہوئے تو انہوں نے بہت دلچسپی لی۔ الماریاں، کتابیں، عمارت ہر چیز سلیقہ کی ہے، فلم و فوٹو سٹیٹ کا معقول انتظام ہے۔ محمد شفیع خان صاحب نے ہمیں تمام شعبے دکھائے، قلمی قرآن مجید شیشے کے خوبصورت سٹینڈز میں سجا کر رکھے گئے ہیں، سید ریاض صاحب کو شکوہ تھا کہ قوم کا اجتماعی مذاق علم کے معاملہ میں روایتی نہیں رہا۔ استفادہ کی تمام سہولتیں حاصل ہونے کے باوجود کبھی کبھار کوئی صاحب آجاتے ہیں۔ اول تو آنے والے کم اور جو آتے ہیں۔ وہ ثانوی قسم کے لٹریچر کا پوچھتے ہیں۔ موصوف نے یہ باتیں بڑی دلسوزی سے کیں۔ اور وہ بجا طور پر اس کو علم کا زوال قرار دیتے تھے۔

نیشنل بنک کی لائبریری بھی خوب ہے۔ اتفاق سے نہ لائبریرین صاحب موجود تھے۔ اور نہ ہی تاریخ و اسلامیات کے حصہ کے انچارج۔ اس لئے ہم کم معلومات حاصل کر سکے۔

آج ہی ہم نے نفیس اکیڈمی اور کارخانہ نور محمد کو دیکھا۔ جو تاریخی اور درسی کتابوں کی اشاعت کے وقیع ادارے ہیں۔ نفیس اکیڈمی پر طارق میاں اور کارخانہ میں بشیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان حضرات نے خلوص و مروت کا مظاہرہ کیا اور بعض کتابیں دکھائیں اور ہمارے بعض سوالات کے جواب مرحمت فرمائے۔ حضرت مولانا عبیداللہ انور قبلہ کے خادم اور روزنامہ صداقت کراچی کے مالک و مدیر رانا بشیر صاحب سے مختصر ملاقات ہوئی۔ اس کے علاوہ روزنامہ جنگ کے دفتر میں جنگ کے مالک جناب میر خلیل الرحمٰن کے صاحبزادے میر شکیل الرحمٰن صاحب سے مختصر ملاقات ہوئی۔ یہ نوجوان پڑھے لکھے اور صالح ہیں۔ نماز روزہ کے پابند۔ مولانا بنوری قدس سرہٗ سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ بلکہ ایک وقت میں خطرہ ہو چلا تھا کہ یہ قادیانیت کے نرغے میں پھنس جائیں۔ مولانا کی دعائیں، توجہ اور مخلصانہ دعوت و تبلیغ ان کی سلامتی کا ذریعہ بنی۔ اس معاملہ میں مولانا کے خادم خاص اور بینات کے مدیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا کردار لائق تحسین ہے۔ شکیل صاحب مولانا کے بڑے قدردان ہیں۔ جنازہ کے دن آپ جذبات پر کنٹرول نہ کر سکے بہت روئے۔ اور اب بھی یاد آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ مغرب کے بعد ہم میٹرو ٹاؤن کے قریب خلیج روڈ پر جناب خلیق صاحب ایڈیٹر "یقین" کے مکان پر ملنے گئے۔ وعدہ ہو چکا تھا وہ بڑی محبت سے پیش آتے۔ مولانا پر لکھنے کا وعدہ فرمایا جس کا ایفا ایک طویل گرامی نامہ کی شکل میں ہوا جو اپنی جگہ بہت اہم ہے اور پھر آخر میں جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب (بی اے جامعہ) سے ملاقات ہوئی۔ مورخ اسلام سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے عاشق زار، بڑے اقربیکن مزاج میں رعونت نہیں انکسار ہے۔ لکھنے پڑھنے کا شوق ہے۔ متعدد کتابیں لکھیں جن میں "تذکرہ سلیمان" خوب کتاب ہے۔ بینات کے ایڈیٹر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے۔ مولانا پر مقالہ لکھنے کی بات تو ہوئی۔ معلوم نہیں کیوں نہ لکھ سکے۔

۶ر دسمبر

آج کا دن کراچی میں میرا آخری دن ہے کہ کل مجھے صبح دس بجے واپس ہونا ہے۔ سیٹ ریزرو ہو چکی ہے۔ کئی حضرات سے ملنا ہے بعض ادارے دیکھنے ہیں۔ طبیعت الگ خراب ہے اور بہت زیادہ۔ اس لئے کئی کام ادھورے رہ گئے۔ البتہ جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب سے ملاقات ضروری تھی وہ کی۔ ان کے مطب پر ملاقات ہوئی حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ پرانی قسم کے وضعدار بزرگ۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالغنی پھولپوری مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا بنوری کی نماز جنازہ انہوں نے پڑھائی۔ فرمانے لگے کہ ان حضرات کی نماز جنازہ میرے لئے باعث نجات و سرمایہ آخرت ہے۔ فرمانے لگے کہ کچھ لکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ حالات و صحت اس کے متحمل نہیں۔ البتہ اتنی بات ہے کہ ۲۰ سال سے مرحوم سے میرا نیاز مندانہ تعلق رہا۔ حضرت نے ہمیشہ میرے ساتھ شفقت و محبت اور خلوص کا معاملہ فرمایا جب ملنے جاتا تو بڑے تپاک سے معانقہ فرماتے خصوصی جگہ بٹھاتے واپسی پر موٹر تک پہنچانے تشریف لاتے۔ یہ وضعداری ہمیشہ قائم رہی۔ میری نظر میں حضرت مفتی صاحب کے بعد مرحوم کا کراچی میں بڑا مقام تھا۔ ظاہر و باطن پاکیزہ تھا۔ تواضع، انکساری، للہیت، صداقت، امانت اور علمی وقار ان جیسا میں نے نہیں دیکھا ان کی زبان و قلم حق کے اظہار سے کبھی نہ رکے۔ اور انہوں نے ہمیشہ دین کا وقار قائم رکھا۔ اہل اللہ سے انہیں بڑی محبت تھی اور ان کی عظمت کا بہت زیادہ خیال فرمانے والے تھے۔ ہمارے حضرت و مرشد تھانویؒ سے انہیں بڑی محبت تھی حضرت کے خطوط بھی بینات میں شائع فرماتے تھے ہمیشہ حج کے لئے جاتے اور فرماتے کہ تمہارے لئے خصوصی دعا کی ہے اور مواجہ شریف میں سلام عرض کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا کے مدرسہ اور اس کے انتظام کو بہت سراہا اور فرمایا کہ ہر اعتبار سے مثالی ہے آخر میں ڈاکٹر صاحب قبلہ نے دعا فرمائی مولانا عبیداللہ انور اور دوسرے حضرات کے لئے سلام کہا اور اس خصوصی نمبر کی خیر و خوبی سے اشاعت کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ ساتھ ہی اپنی کتاب "اسوۂ رسولؐ" کا ایک نسخہ عنایت فرمایا بلکہ اپنے قلم مبارک سے اس پہ میرا نام لکھ کر کرم فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ بلکہ میرے عزیز دوست متین چوہدری جب لا کرنے کے بعد عملی زندگی میں آئے۔ تو اس اجتماعی تقریب میں میں نے یہ کتاب انہیں دی۔ کتاب کیا ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ کی نقشہ کشی، زندگی کے ہر معاملہ میں نبی امی کے اقوال و اعمال کا ایسا حسین مجموعہ کم ہی دیکھا۔ حضرت محدث کبیر مولانا محمد زکریا دام بعدہم جیسے اکابر نے کتاب کی تعریف فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے کتاب دے کر مجھ پر جو کرم کیا۔ میں دل کی گہرائیوں سے اس پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اصلاح خلق کے لئے انہیں تا دیر سلامت رکھے اور ہمیں اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ دوپہر کے وقت وحید آباد جانا ہوا تاکہ مدرسہ سید احمد شہیدؒ کے بچوں کا امتحان لے سکوں اور مدرسہ کی حالت دیکھ سکوں۔ مجھے اطمینان ہوا کہ چند مخلصین کی خاموش خدمت رنگ لا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ہمت دے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی قسم کے قرآنی مکاتب ہماری اصلاح کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ عصر کے وقت ڈرگ روڈ گئے۔ تاکہ مولانا محمد سلیم اللہ صاحب سے ملاقات کر سکیں اور ان کا جامعہ فاروقیہ دیکھ سکیں۔ جامعہ تو دیکھا کہ خوب تعلیمی ادارہ ہے لیکن مولانا سے ملاقات نہ ہو سکی کہ وہ تشریف فرما نہ تھے۔ شام کو ابو سلمان صاحب کے یہاں جانا ہوا

علمی و تحقیقی کاموں کے سلسلہ میں ان سے مفید بات چیت ہوئی۔ ان کی لائبریری دیکھی بعض کتابیں انہوں نے مرحمت فرمائیں گفتگو کا بنیادی نکتہ اہل حق کی تاریخ کی ترتیب اور اس سلسلہ میں جو دانستہ غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں ان کی روک تھام تھی۔ خدا کرے کہ ہم اس سلسلہ میں کوئی خدمت کر سکیں۔

استدراک

درمیان میں بعض قابل قدر حضرات کی ملاقات کا ذکر رہ گیا۔ جس پر میں معذرت خواہ ہوں۔ ۲۰ کو ہم نے ۱۱ بجے کے قریب شاہ بلیغ الدین صاحب کے مکان پر ان سے ملاقات کی۔ کراچی کا بچہ بچہ انہیں جانتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی۔ وی پر ان کے پروگرام "روشنی" کی دھوم ہے۔ سیرت و تاریخ پر شاہ صاحب کا مطالعہ بڑا وسیع ہے تاریخی غلط بیانیوں پر گہری نظر ہے اور حقائق کو سامنے لانے میں کسی سے نہ ڈرتے ہیں نہ خوف کھاتے ہیں، صحابہ کرام علیہم الرضوان سے والہانہ تعلق ہے۔ بنو امیہ اور بعض کے ادوار کے اسلامی حکمرانوں کے خلاف شور و غوغا کی اصل حقیقت کو سمجھنے اور تقریر و تحریر کے ذریعہ اس شر انگیزی کا پردہ چاک کرنے میں شاہ صاحب ایک ادارہ کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہمتوں میں برکت دے۔ اور ۲۱ تاریخ کو ہم ناظم آباد گئے تاکہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب سے مل سکیں جو سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے گل سرسبد ہیں۔ حیات مجدد الف ثانی رحمۃ قدس سرہٗ جیسی دقیع کتاب کے مصنف ہونے کے علاوہ فقہ پر بے نظیر کام کر رہے ہیں۔ ان تک پہنچنے کے لئے جناب محمد علی صاحب کے یہاں حاضری ضروری تھی۔ جو خوش نویس ہونے کے ساتھ صاحب دل بھی ہیں۔ اور شاہ صاحب کے کام کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کراچی سے باہر ہیں۔ بہر حال محمد علی صاحب جیسے مخلص بزرگ سے مل کر اطمینان ہوا۔ ندوۃ المصنفین دہلی کا نئب آج کراچی میں مصروف عمل ہے اور اب تک وہ اعلیٰ سیرت کا مالک ہے ان کی مہمان نوازی اور کتابوں کا تحفہ ایک قیمتی یاد ہے۔

۲۰ دسمبر کو آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر جانا ہوا سید الطاف علی بریلوی اس کے روح رواں ہیں ان کا گرلز کالج تو سرکاری تحویل میں جا چکا ہے۔ بہر حال وہ اپنے ذوق کے مطابق علمی کام کر رہے ہیں متعدد کتابیں لکھیں، چھاپیں۔ اچھے اچھے تراجم چھاپے۔ سید صاحب کے نائب نے کمال شفقت سے کانفرنس کی معلومات پر مشتمل لٹریچر دیا جس سے اس ادارہ کا پروگرام سمجھنا آسان ہے۔ اور اسی تاریخ کو ۲۷ مسلم لیگ کوارٹر ناظم آباد کراچی ۱۸ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ جو افسوس کہ چند دن بعد انتقال بھی کر گئے۔ اسم گرامی تھا محمد سلیم عبداللہ امروتی (سی پی) کے رہنے والے، لاہور و کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں لاہور تھے۔ اورنٹیل کالج میں پڑھتے اس وقت ڈاکٹر محمد شفیع صاحب پرنسپل تھے۔ مولانا نجم الدین جیسے حضرات استاذ کی حیثیت سے مصروف عمل تھے۔ ان حضرات سے مرحوم نے استفادہ کیا اور خوب۔ ان کے ایک استاد ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی نارمل ٹریننگ سکول امروتی کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ انہوں نے وہاں بلا لیا۔ یہاں آپ نے ۲۸/۲۷ سال قیام کیا۔ یہیں سے "بہارستان" نامی رسالہ نکالا۔ تعلیمی رہنمائی کے سلسلہ کے مضامین ہوتے۔ ۷ سال تک رسالہ نکلتا رہا۔ افسوس کہ مجھے اس کا کوئی پرچہ نہ مل سکا۔ مولانا نے وہاں تحقیق کی کہ محض ۸۵۰ الفاظ سیکھ کر انگلش پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے اور ان کی یہ تحقیق تجربہ کے اعتبار سے بالکل درست نکلی۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں قرآن پر کام شروع کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآنی الفاظ سمٹ سمٹا کر ۱۶۰۰ ہوتے ہیں۔ جن میں سے ۸ سو اردو میں مستعمل ہیں۔ اس پر مفصل تیاری کی جو عنقریب چھپ کر آ جائے گی جون سنہ ۱۹۵۵ء میں یہ بزرگ کراچی تشریف لائے۔ ابتداء میں محکمہ تعلیم کے ایماء پر بعض درسی کتابیں لکھیں۔ الفوز الکبیر کا اردو ترجمہ کیا۔ جو اردو اکیڈمی سندھ نے چھاپا۔ علاوہ ازیں اشارات درسیہ اور "البینات" نامی کتابیں مطبوعہ ہیں۔ ثانی الذکر میں ان قرآنی آیات کا احصاء ہے جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔ ان کے صاحبزادے عبدالقدیر سلیم حکومت سندھ کے سیکشن آفیسر ہیں۔ جو خطبات بنوی پر قیمتی مواد جمع کر رہے ہیں۔ گویا علمی گھرانہ ہے۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر

حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہما کے مزارات مدرسہ نیو ٹاؤن کے قریب ہی اسلامیہ کالج میں واقعہ ہیں۔ وہاں حاضری نہ دیتے یہ ناممکن تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب وہاں گئے تو از حد رنج ہوا، اس لیے کہ ان دونوں بزرگوں نے دین و علم اور اس کے بعد پاکستان اور ملت پاکستان کی جو خدمت کی وہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن صلہ کیا ملا؟ یہی کہ آج ان کے مزارات زبان حال سے

ع — بر مزار ما غریباں نے چراغے نہ گلے

کا نوحہ پڑھ رہے ہیں۔

اس جگہ ہماری معلومات کے مطابق ایک مثالی درسگاہ بنائے جانے کا فیصلہ ہوا تھا لیکن بعض "ارباب تعلق"

کا کرم اس منصوبہ کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بنا اور یہاں کالج بن گیا۔ کالج بننے سے ہمیں اعتراض نہیں، ہم تو اکبر مرحوم کے الفاظ میں صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ :

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں پہ چڑھو اور چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

یہ ایک دوسرا موضوع ہے، ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ رنج دہ امر یہ ہے کہ حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ اور علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی آخری آرام گاہیں وہاں ہیں تو اتنا اہتمام نہ کیا گیا کہ کم از کم آنے جانے والے وہاں آسانی کے ساتھ فاتحہ پڑھ سکیں۔ سید صاحب کی قبر پہ جانے میں تو پھر کسی قدر آسانی ہے کہ کالج کی عقبی گلی میں اس کا مختصر سا راستہ ہے لیکن مولانا عثمانی کا معاملہ ایسا ہے کہ ان کی قبر پہ جانا مشکل ہے، جب تک کالج کا مین گیٹ نہ استعمال کیا جائے۔ جبکہ سید صاحب اور علامہ صاحب کی قبر کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں "دیوار" کھڑی کر کے ایک ظلم ڈھایا گیا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ کالج لڑکیوں کا ہے، گیٹ سے اندر جانا مشکل ہے، چونکہ بالکل نماز فجر کے بعد کا وقت تھا اس لیے ہم گیٹ کیپر سے کہہ سن کر اندر چلے گئے، افسوس ہوا اور بہت زیادہ۔

جس شخص نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مقدس مشغلہ ترک کر کے تحریک پاکستان میں بھرپور کام کیا اور اس کے کام کے پیش نظر آزادی کے بعد اس کے ہاتھوں کراچی میں پرچم لہرایا گیا، اس کے ساتھ پاکستان اور حکومت پاکستان کی یہ بدسلوکی؟ انتہائی شرم نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جن بعض افراد کی آخری آرام گاہوں پر بے حساب روپیہ خرچ کیا گیا مولانا عثمانی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑے ہیں۔ ہم ان کی پکی قبر اور اس پر مینار و گنبد کا مطالبہ نہیں کرتے کہ یہ شرعاً جائز نہیں، لیکن اتنی ضرور گذارش کریں گے کہ قبر تک پہنچنے کا راستہ کم از کم معقول ہونا چاہیئے۔ جو لوگ مولانا کے علمی رفقاء اور ساتھیوں کو پاکستان دشمنی کا طعنہ دیتے ہیں اور آئے دن ان پر الزام تراشی کرتے ہیں انہیں مولانا کی قبر کے ساتھ اس بدسلوکی پر توجہ دینی چاہیئے۔

یوں تو کراچی کی بہت سی چیزیں ہم نہ دیکھ سکے اور بہت سے افراد کے ساتھ ملاقات بھی نہ کر سکے، لیکن جس شخصیت سے عدم ملاقات کا سب سے زیادہ افسوس ہے، وہ ہیں پروفیسر

دینی، عربی، انگلش، ریاضی اور دیگر علوم کی مثالی درس گاہ
مدنی انگلش سکول
B/C/۸۵ نزد الفتح ہوٹل، ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

سرکولیشن منیجر
احسان الواحد
ضلع ساہیوال، ملتان کے دورہ پر ہیں احباب تعاون فرمائیں۔ (ادارہ)

محمد ایوب قادری ۔ پروفیسر صاحب انہی دنوں لاہور آئے تھے، علامہ اقبال مرحوم کے سلسلہ میں یونیورسٹی میں عظیم الشان کانگریس میں شرکت ان کا مقصد تھا، یہ کانگریس کئی دن چلی اور جب ہم واپس آتے تو موصوف عازم کراچی ہو چکے تھے ۔

پروفیسر صاحب متعدد قیمتی کتابوں کے مصنف ہیں، اَن گنت کتابوں کو ایڈٹ کرنے اور ان پر قیمتی اور طویل مقدمے لکھنے کا انہیں اعزاز حاصل ہے، تاریخ ان کا خاص موضوع ہے اور اس سلسلے میں ان کی کاوشیں مجتہدانہ ہیں ۔ برّصغیر کی تاریخِ آزادی پر قابلِ قدر کام کر چکے ہیں اور بہت کچھ کرنے کا عزم رکھتے ہیں ۔ اللہ رب العزت ان کے ارادوں اور عزائم میں برکت دے ۔:۔

حضرت مولانا —— بعض روایات

مولانا محمد طاسین نے بتایا کہ حضرت مولانا بنوری ٹنڈو الہ یار سے تعلق منقطع کرنے کے بعد کراچی تشریف لائے تو کچھ دن مولانا طفیل احمد صاحب کے ساتھ مل کر کام کیا رہیا کہ پہلے گذر چکا، اپنے مخلص رفقاء مولانا لطف اللہ صاحب آف جہانگیرہ اور مولانا محمد یوسف مردانی کو بھی بلایا۔ مولانا حرمین کے سفر پر تشریف لے گئے وہاں کے خصوصی صاحبِ تعلق حضرات مولانا عبدالغفور مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور پیر منظور حسین صاحب سندھی وغیرہ کے ذریعے استخارے شروع ہوئے ۔ لیکن بات بنتی نظر نہ آئی۔ اس سے قبل سیٹھی محمد یوسف صاحب اور عبدالحمید صاحب بوہری نے اپنے مل میں کام کرنے کی درخواست کی ۔ علاوہ رہائش اور طلبہ کی ضروریات کے، کئی سال کے خابرات پیشگی جمع کرانے کی پیشکش کی ۔ لیکن مولانا نے اس کو اعتماد علی اللہ اور توکل کے منافی سمجھ کر قبول نہ فرمایا ۔ علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک سے دعوت آئی لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا کہ نیو ٹاؤن مرکزِ علم بنے ۔ یہاں مسجد کا ابتدائی مرحلہ تھا، نیم پختہ اور مختصر۔ سید جمیل صاحب کے والد سید خلیل صاحب وغیرہ مسجد کے منتظم تھے ۔ بات چیت کر کے آپ نے ڈیرہ ڈال دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے برکت دی ، آپ کا خلوص رنگ لایا ۔ اس کام میں دوسرے حضرات کے علاوہ حاجی عبدالمجید صاحب اور مولانا عبدالقیوم صاحب نے (جو امام تھے) خدمت و تعاون کی مثال قائم کی ۔ مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے فرمایا کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلیفہ مولانا شفیع الدین نگینوی علیہ الرحمۃ سے آپ نے پہلے مکہ معظمہ میں بیعت کی ۔ وہ آثارِ مکہ کے ماہر عالم تھے ۔ مرحوم نے ہی مولانا سے یہ بات فرمائی تھی کہ تمہارے سلوک کا زیادہ دار و مدار حج وعمرہ کے مقدس افعال پر ہے ۔ اس لئے مولانا بکثرت حج وعمرہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے ۔ واپسی پر مولانا نگینوی مرحوم نے آپ کو حضرت تھانوی یا حضرت مدنی علیہما الرحمۃ میں سے کسی سے رابطہ کی توجہ دلائی (حضرت مولانا کو دونوں حضرات سے باقاعدہ اجازت تھی)

مفتی صاحب نے مزید بتلایا کہ مولانا نے ایک زمانہ میں سیاست کے میدان میں بہت کام کیا ۔ دارالعلوم دیوبند کے میاں سید اصغر حسین صاحب قدس سرہٗ جو طریقت میں مولانا کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید آدم بنوری قدس سرہٗ کے اخلاف میں سے تھے ، مولانا کو "مخدوم زادہ" سے یاد فرماتے ۔ سیاسی کام کی وجہ سے اخبارات میں تذکرہ آنا لازمی تھا ۔ اس لئے ایک موقعہ پر میاں صاحب نے لکھا کہ کبھی کبھار تمہیں اخباروں میں پڑھ لیتے ہیں ۔ (مولانا کے سیاست میں کام کا تذکرہ مولانا لطف اللہ صاحب آف جہانگیرہ کے مضمون میں ہے)

مفتی صاحب ہی کی روایت ہے کہ مولانا اپنی کتابوں کے معاملہ میں عجیب شان کے مالک تھے ۔ آپ کا شاہکار تو معارف السنن ہے ۔ اس لئے آپ نے ہزاروں صفحات کا مطالعہ فرمایا اور خوبی یہ تھی کہ دو دو صد صفحات پڑھ کر ان کا خلاصہ ایسے انداز سے فرماتے کہ دریا بکوزہ کی مثال صادق آتی ۔

آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا السید محمد انور شاہ قدس سرہٗ کی سیرت پر عربی میں جو کتاب لکھی "نفحۃ العنبر" اس کو آپ نے دوپہر کا قیلولہ اور شام کا تفریحی وقت قربان کر کے لکھا اور اپنے تمام معمولات علیٰ حالہ جاری رکھے ۔ اس کے باوجود کتاب کی نرالی شان ہے اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ آپ کو اپنے استاذ و شیخ کے ساتھ بے پناہ عقیدت و محبت تھی بلکہ کہنا چاہئے عشق تھا اس کا اظہار "نفحۃ العنبر" کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے ۔

مفتی صاحب نے مرحوم کی ایک کتاب "بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب" کا تذکرہ کیا اور بتلایا کہ یہ کتاب علامہ مشرقی کے جواب میں لکھی گئی ۔ مشرقی صاحب نے برصغیر کی تمام مساجد کے قبلہ کو غلط قرار دیا تو مولانا نے قلم اٹھایا ۔ حضرت تھانوی اور حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہما نے اس کو بہت پسند فرمایا ۔ علامہ مقریزی کی کتاب "خطط" سے آپ نے مسائل میں جس طرح استنباط کیا ، اس پر مفتی صاحب مرحوم بہت متعجب ہوتے اور متاثر بھی ۔ سب سے پہلے تو مولانا نے ایک استفتاء مرتب کر کے علماء کو بھیجا جس میں پوچھا گیا تھا کہ انحراف کس حد تک جائز ہے ؟ اس پر خود تبصرہ فرمایا اور قبلہ کے سلسلہ میں صحاح ستہ کی تمام احادیث کی بے نظیر شرح فرما دی ۔ حتیٰ کہ معارف السنن میں جہاں کہیں اس قسم کی احادیث آئی ہیں وہاں آپ نے اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے ۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت

یہ ہے کہ اس میں اصطرلاب (جیومیٹری) کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے، جس کو اس فن کے امام مولانا نافع گل مرحوم نے بہت پسند فرمایا۔

مولانا مرحوم جس بات کو قابل اعتراض سمجھتے اس پر بلا روک ٹوک تنقید فرماتے۔ اس سلسلہ میں آپ کا رسالہ "یتیمۃ البیان" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جس میں آپ نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ کے افکار پر تنقید فرمائی ہے۔ اس کے باوجود کہ آپ ان کی خوبیوں کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ لیکن جہاں سید بنوری کو کمزوری نظر آئی وہاں صاف کہہ بھی دیا اس رسالہ میں مسئلہ خلق قرآن پر مبسوط بحث ہے۔ بقول مولانا مفتی ولی حسن آپ نے متعدد کتابوں پر مقدمات لکھے۔ مثلاً فیض الباری نصب الرایہ، اوجز المسالک، لامع الدراری، الیاقوت والمرجان اور مقالات کوثری۔ ان میں سے پہلی کتاب مولانا بدر عالم مرحوم کی مرتب کردہ ہے جس میں علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقریر بخاری کو مرتب کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب احادیث ھدایہ پر معرکۃ الآراء چیز ہے۔ تیسری چوتھی محدث عصر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی کتابیں ہیں۔ اس میں خاص طور پر لامع کا مقدمہ بہت جلدی میں لکھا، لیکن اس کی تمام خصوصیات کا احاطہ کر دیا۔ پانچویں کتاب سندھ کے مشہور قادری بزرگ مولانا حماد اللہ ہالیجی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات پر مشتمل ہے اور چھٹی کتاب علامہ زاہد الکوثری کے مقالات پر مشتمل ہے۔

ان کے علاوہ بھی مقدمات و تقاریظ کا سلسلہ بہت ہے اور ہر جگہ حزم و احتیاط اور اعتدال کا دامن تھامے ہوتے نظر آتے ہیں۔ حضرت مولانا بنوری کا حافظہ اپنے استاذ محدث عصر کاشمیری قدس سرہٗ کی طرح خداداد تھا۔ آپ کے خاص شاگرد مولانا منظور احمد چنیوٹی کہتے ہیں کہ دوران اسباق شاہ صاحب کی طرح حوالے دیتے اور تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے کہ یہ کتاب آج سے ۳۰ سال پہلے ۲۵ سال پہلے ۲۰ سال پہلے (وغیرہ) دیکھی۔ فلاں لائبریری میں فلاں کتب خانہ میں۔

مولانا کی حق گوئی کا ایک واقعہ مولانا چنیوٹی نے بتلایا کہ اپنے استاذ محدث کاشمیری سے بے پناہ تعلق کے باوجود ایک دفعہ طلبہ کے اس سوال پر کہ "نور الایضاح قاہرہ میں شاہ صاحب نے دیکھی۔ پسند آئی، چھپوانے کے لئے مانگی تو اہل کتب خانہ نے معذرت کر دی اور پھر آپ نے ایک دفعہ دوبارہ پڑھ کر واپسی پر محض حافظہ سے لکھوا دی" اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا، "غلط بالکل غلط"، اور فرمایا کہ حضرت الاستاذ کا حافظہ بے پناہ تھا، اس سے زیادہ عجیب واقعات ہیں۔ لیکن یہ واقعہ غلط ہے۔

حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ کا یہ فرمان کہ "صحابہ کرام کا قافلہ چلا جا رہا ہے۔ انور شاہ بچھڑ گئے"، اس کی مولانا منظور احمد نے ذاتی طور پر تصدیق کی اور بتلایا کہ حضرت امیر شریعت نے مولانا کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بھائی یوسف کیا پوچھتے ہو۔ آج مودودی صاحب کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا اس پر ان کے حواری چیں بہ جبیں ہو رہے ہیں۔ اس پر مولانا چنیوٹی نے کہا کہ جس شخص نے دیانتداری کے ساتھ مولانا سندھی اور مولانا آزاد پر گرفت کی ہو اس سلسلہ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ تک کو توجہ دلائی ہو وہ مودودی صاحب کا کیوں لحاظ کریگا؟ ناک منہ چڑھانے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ مودودی صاحب اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ کیونکہ اس سے ان کا قد بلند ہوگا اور آخرت میں سرخروئی نصیب ہوگی۔

مولانا چنیوٹی نے چنیوٹ میں ادارہ مرکزیہ دعوت و ارشاد کی بنیاد رکھی تو حضرت کو سنگِ بنیاد کی تقریب کی دعوت دی، باوجودیکہ اہلیہ محترمہ شدید بیمار تھیں لیکن مسئلہ ختم نبوت سے بے پناہ تعلق کے سبب تشریف لائے اور چند گھنٹے بعد واپس چلے گئے۔ اور دو چار دن بعد اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ فرحمہا اللہ تعالیٰ۔

اسی موقعہ پر مولانا چنیوٹی نے سپاس نامہ پیش کیا جس میں محض واقعات کا ذکر تھا لیکن پہلے ہی جملہ پر روک دیا اور ہاتھ سے لیکر فرمایا کہ منہ پر تعریف خلافِ سنت ہے۔

حضرت مولانا ظرافت و مزاح بھی فرماتے کیوں کہ یہ چیزیں بھی اسوۂ پیغمبر سے ثابت ہیں۔ ایک موقعہ پر حضرت مولانا اور قاری سعید الرحمٰن صاحب (راولپنڈی) مسجد نیو ٹاؤن میں تشریف فرما تھے۔ مولانا چنیوٹی حاضر ہوئے تو فرمایا کہ تم لیڈر نظر آتے ہو۔ مولانا چنیوٹی آپ کے مجاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے بتلانے لگے کہ تحریک ختم نبوت ۷۴ء کے دوران خوراک برائے نام تھی اور اس پر ایسی گولیاں استعمال کرتے کہ حاجت کم سے کم ہو۔ چونکہ گھٹنوں میں تکلیف تھی، قضا حاجت کے لئے بیٹھنا مشکل تھا اور سفر میں سہولت کم، اس لئے یہ اہتمام رہتا۔ یہی گولیاں آئندہ چل کر عارضہ قلب کا باعث بنیں۔

تحریک اپنے انجام کو پہنچی اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو بیرونی ممالک کا سفر ضروری نظر آنے لگا کیونکہ بقول مولانا چنیوٹی اس سے قبل بیرونی سفر میں دشواری تھی۔ لوگ پاکستان کا حوالہ دیکر چیپ کرا دیتے۔ اب راہ ہموار ہوئی تو سفر کا عرض کیا گیا اور قیادت کی درخواست کی گئی تو فرمایا کہ صحت بھی نہیں ہمت بھی نہیں۔ لیکن ہے ضروری اس لئے جاؤں گا، چاہے جان چلی جائے۔

مولانا چنیوٹی فرماتے ہیں کہ میری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے استاذ محدث کاشمیری کے بعد جس شخص سے سب سے زیادہ تعلق تھا وہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی تھی۔ حضرت شاہ صاحب کے علم و فضل، حافظہ و ذکاوت اور حضرت مدنیؒ کی جامعیت کا اکثر تذکرہ فرماتے۔ ایک دن دوران تذکرہ مودودی صاحب کے کسی جملہ، گستاخانہ جملہ کا ذکر آیا جو اس نے مدنیؒ کے متعلق کہا تھا تو مولانا جلال میں آگئے اور پھر دیر تک حضرت مدنی کی خدمات، مجاہدانہ کارناموں کا

ذکر کرتے رہے اور آخر میں پورے جوش کے ساتھ فرمایا۔

جن کی پاکیزگی و طہارت کی فرشتے قسم کھاتے ہوں، ان کے متعلق یہ بات کرتا ہے؟

ذاتی یادیں

حضرت الشیخ المکرم بنوری کو احقر نے پہلی بار مدرسہ خیر المدارس ملتان میں دیکھا، ایوب خان کے مارشل لا کا دور تھا۔ احقر اپنے برادر مکرم مولوی حافظ محمد عزیز الرحمن سمیت وہاں پڑھتا تھا۔ وفاق المدارس العربیہ کے لئے میٹنگ تھی۔ متعدد اکابر تشریف لائے، ان کے ساتھ مولانا کی یہ پہلی زیارت تھی۔ عربی لباس، حسین چہرہ، گفتگو میں عربیت غالب، تعارف و شناسائی نہ ہونے کے باوجود جن بزرگوں نے از حد متاثر کیا ان میں مولانا کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ نے ایک دن وہیں صبح کی نماز بھی پڑھائی عجیب سماں تھا اور ہم لوگ "مالا بد منہ" جو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا سبق پڑھ رہے تھے، معائنہ کرتے کرتے مولانا پہنچ گئے، پوچھا کونسی کتاب ہے؟ عرض کیا، مالا بد منہ، فرمایا۔ لابد منہ، بچپن کا دور، ابتدائی تعلیم محض جملہ یاد رہا، لیکن آج جب بھی وہ جملہ یاد آتا ہے تو عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

آئندہ سال بھی وفاق کی میٹنگ ہوئی تو آپ تشریف لائے، اس کے بعد اکثر و بیشتر زیارت ہوتی رہتی۔ آپ کے متعدد درس گستہ جو علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوتے راولپنڈی قیام کے زمانہ میں بہت قریب سے آپ کو دیکھا کیونکہ میرے شفیق و مہربان استاذ حضرت مولانا محمد عثمان قدس سرہٗ مولانا کے انتہائی چہیتے شاگرد تھے۔ ان کے سبب حضرت والا مدرسہ فرقانیہ میں تشریف لے آتے۔ علم بکرم مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی نے جس واقعہ کا ذکر اپنے مضمون میں کیا ہے، وہ میرے سامنے پیش آیا۔ بلکہ حضرت کا قیام ہی مولانا محمد عثمان کے کمرے میں تھا۔ ماحول میں خاصی تلخی پھیل گئی۔ ہماری طبیعتوں پر بھی اثر تھا اور ہم نے اپنے استاذ محترم سے سبق میں پوچھا بھی کیونکہ وہ آپ کی بہت تعریف فرماتے۔ انہوں نے ہر چند مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن طالب علمانہ دور عجیب دور ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ بدگمانی سے اس نے محفوظ رکھا۔ تاہم اثر ضرور تھا۔ لیکن جب بعد میں خط و کتابت کے ذریعہ وہ مسئلہ حل ہو گیا جیسا کہ حافظ صاحب قبلہ کے مضمون میں آپ پڑھیں گے تو مولانا کی عظمت کا ایسا نقش قائم ہوا کہ اب پھر محبت سوا ہو گئی اب جب وہ یاد آتے ہیں تو دل مضطرب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنی خصوصی شفقت کا معاملہ فرمائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم سب کو یتیم فرما گئے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں مولانا کی عظمت، خدا ترسی، تعلق مع اللہ اور عجز و انکسار کا صحیح صحیح اندازہ ہوا۔ حوصلہ، تدبر، متانت اور گہری سوچ جو ایک قائد کے لئے ضروری ہے، اس کا اندازہ قدم قدم پر ہوا۔ وقت نہیں کہ اس داستان کو لکھا جائے۔ ویسے بھی میرے جیسا کم علم و کم سواد اس جبل علم و دانش کے متعلق کیا لکھ سکتا ہے ______ خدا کرے کہ کوئی باہمت آدمی سامنے آئے اور مولانا کی مفصل سوانح حیات لکھے تو دنیا کے علم میں یہ بات آجائے گی کہ مولانا کس درجہ کے آدمی تھے؟

میرے بڑے بھائی ایک زمانہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ تھے۔ مولانا نے اپنے دورِ امارت میں دس دس مبلغ حضرات کو کراچی میں بلایا تاکہ انہیں خاص اور اہم مسائل پر لیکچر دے سکیں۔

پہلے بیج میں بھائی جان بھی تھے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت مولانا کی اپنی طبیعت ٹھیک نہ رہی، اُدھر والد بزرگوار کی بیماری نے پریشانی کا ماحول پیدا کر دیا اور آپ "تبلیغ" کے سلسلہ میں بہت مختصر لیکچر دے سکے۔ تاہم آپ نے اپنے مہمانوں کی جس طرح خاطر تواضع کی، ان کی ضروریات کو فراہم کیا وہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔

مدرسہ نیوٹاؤن

آپ کا مدرسہ ملک کے مثالی مدارس میں سے ایک ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی بعض خصوصیات کے سبب اپنی مثال آپ ہے مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں جس خوش ذوقی کا مرحوم نے مظاہرہ کیا وہ تو آپ کے ذوقِ جمال کا آئینہ دار ہے۔ اور اللہ جمیل یحب الجمال کی حقیقت انہی بزرگوں کے اعمال سے نظر آتی ہے، جہاں تک تعلیم و تدریس کا تعلق ہے، اس کا بھی صحیح اندازہ وہیں جا کر ہو سکتا ہے۔

امسال سعودی عرب، انڈونیشیا، فلسطین، افغانستان، برما، ایران، ملائشیا، بنگلہ دیش، یوگنڈا، سیلون، جنوبی افریقہ موزمبیق، امریکہ، ریونین کینیڈا، ہالینڈ، انگلینڈ، گھیانا، فجی۔

اتنے ممالک کے طلبہ اس مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں، جن میں سے ۱۰۳ تو عربی کلاسز میں ہیں اور باقی درجہ حفظ میں، کل ایک سو تین ہیں۔

اتنے ممالک کے طلبہ تحصول علم کے لئے ایک ہی مدرسہ میں مشکل سے آپ کو ملیں گے۔ اور یہ سب کچھ مدرسہ کے بہتر نظم وانتظام کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ کو اتنی شہرت وعزت عطا فرمائی۔

مجموعی طور پر کل طلبہ امسال ۵۵۶ ہیں جن میں سے عربی درجہ میں ۳۱۱، درجہ حفظ میں ۱۰۵، اور متفرق درجات میں ۱۷ ہیں۔ تخصص ربی۔ ایچ۔ ڈی) میں ۹ طلبہ ہیں۔ تخصص حدیث، فقہ اور دعوت وارشاد میں تی الحال ہو رہا ہے۔ مزید مضامین کا اضافہ عنقریب ہو جائے گا۔

ناظرہ قرآن شریف پڑھنے والے بچے ۱۲۵ ہیں۔ ملکی طلبہ کی کل تعداد ۴۹۳ ہے۔ جن میں سے مدرسہ میں مقیم ۲۵۰ ہیں اور ۲۴۳ کی ضروریات مدرسہ کے ذمہ ہیں ۱۰۳ غیر ملکی الگ ہیں

امسال کل عملہ ۴۳ افراد پر مشتمل ہے۔ جن میں سے عربی درجات کے اساتذہ ۲۴، درجہ حفظ کے ۷، اور ناظرہ کے ۲ ہیں۔ علاوہ ازیں خدام ۳، مطبخ ۲ اور خاکروب ۲ مصر سے آئے ہوئے دو اساتذہ یعنی الاستاذ سعید زکریا (ادب وفقہ) اور الاستاذ سعدالدین قرأت کے معلم ہیں۔ ان اساتذہ کو الازہر کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

مدرسہ کے متعلق عربی زبان میں ایک معلوماتی کتابچہ حال ہی میں مولانا کی طرف سے چھپا جس کا ابتدائیہ مولانا کے قلم سے ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اس میں مولانا نے لکھا ہے کہ میری زندگی "علم" کے میدان میں گذری یا بحیثیت متعلم اور یا پھر بحیثیت معلم۔

آپ نے مدرسہ کی تاسیس کے وقت جس انداز سے کام شروع کیا اور جو مقاصد سامنے رکھے اس کا اس میں تفصیل سے ذکر ہے۔ جو ارباب مدارس کے لئے ایک واضح اور متعین شاہراہ عمل ہے۔

اس کے مطابق ۳ محرم ۱۳۷۴ھ کو یہ مدرسہ قائم ہوا اور اس حال میں کہ حکومت، اہل مناصب اور کسی بھی دوسرے کا سہارا نہ تھا محض اعتماد علی اللہ کی دولت تھی اور یہی ہمارا سرمایہ ہے۔

اس کتابچہ میں ان تمام ممالک کا ذکر ہے جن کے لڑکے مدرسہ میں زیر تعلیم رہے یا ہیں نیز نصاب تعلیم، مدت تعلیم وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔

گھر گھر ماتم

حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال پر گھر گھر ماتم ہوا۔ علماء، طلباء چھوٹے بڑے سب دم بخود رہ گئے۔ اخبارات وجرائد نے آپ کی خدمات پر آپ کو خراج تحسین پیش کیا کادیانی امت کو اہل اسلام سے جو بیر ہے وہ تو ظاہر ہے، اس لئے اس سے شکوہ بے جا، البتہ اس مرحلہ پر میں جماعت اسلامی کے ترجمان ہفت روزہ ایشیا کا ضرور ذکر کروں گا جس نے اپنی اشاعت ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے صفحہ ۶ پر "موت العالم موت العالم" کا عنوان قائم کر کے حضرت مولانا قدس سرہ اور ان کے گرامی مرتبت بزرگوں کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی۔

جماعت کے بانی مودودی صاحب کی فکری غلطیاں اس قدر ہیں کہ ان کو اکٹھا کیا جائے تو ایک مبسوط دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ علماء اہل حق نے کسی ذاتی منفعت و غرض کے بغیر محض خدمت دینی اور نصیحت شرعی کے پیش نظر مودودی صاحب کے افکار پر گرفت کی۔ لیکن موصوف کی نخوت، قبول حق کے سلسلہ میں ہمیشہ مانع ہوئی اور انہوں نے اور ان کے رفقاء نے ان نیک نفس نصیحت کنندگان کی نصیحت کو سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے ان کو رگیدنا اور برا بھلا کہنا ہی کار خیر سمجھا۔

جہاں تک ان اکابر کو کوسنے کا تعلق ہے تو یہ پرانی ریت ہے اور

اذا اتتک مذمتی من ناقص　　فہی الشہادۃ لی بانی کامل۔ کے مصداق ان اہل حق کے کامل ہونے کی دلیل۔

اس لئے ہم شرافت واخلاق سے گری ہوئی اس تحریر پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور یہی گذارش کریں گے کہ اے اللہ اب جب کہ مودودی صاحب عمر کی اس منزل میں ہیں جو عام طور پر چل چلاؤ کی منزل ہوتی ہے تو انہیں قبول حق سے سرفراز فرما۔ تاکہ وہ اپنی فکری غلطیوں کے سبب ایک طبقہ کی گمراہی کا جو باعث بنے تو اس کی پاداش سے وہ محفوظ رہ سکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی تحریروں کے پیش نظر ہمارا دل چھلنی ہے۔ لیکن اس کے یا وصف ہماری یہی دعا ہے۔ آگے مودودی صاحب کے مقدر کی بات ہے۔

آخر میں یہ ذکر کر دوں کہ مفتی مولانا مفتی احمدالرحمن صاحب، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مولانا کے صاحبزادے جناب محمد بنوری صاحب ان دنوں کراچی تشریف فرما نہ تھے۔ محمد میاں چند دن بعد واپس آئے۔ ان پر ابا بزرگوار کے سانحہ کا شدید اثر تھا۔ خدا انہیں اپنے عظیم باپ کا جانشین بنائے۔ اور مفتی صاحب کی واپسی اس دن ہوئی جب میں واپس آرہا تھا۔ انہوں نے کمال شفقت سے مجھے اپنی دعاؤں سے نوازا۔ اس سفر میں جن جن حضرات نے جس جس طرح بھی تعاون فرمایا، سب کو اللہ رب العزت بہتر اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

پریس کا خراج عقیدت

وفاة الشيخ البنوري خسارة للعلم والعلماء

اخبار العالم الاسلامی' مکۃ مکرمہ

***

انتقل الى رحمة الله تعالى يوم الاثنين الماضي الموافق ١٧ اكتوبر ١٩٧٧ م بالباكستان فضيلة العلامة المحقق الشاعر الشيخ محمد يوسف البنورى (بكسر الباء وضم النون مع التشديد) مؤسس ومدير المدرسة العربية الاسلامية بنيو تاون بكراتشي وعضو المجلس الاستشارى الاسلامي بالباكستان ، وذلك اثر نوبة قلبية حادة اودت بحياته - انا لله وانا اليه راجعون - وقد كان الشيخ محمد يوسف احد العلماء المجاهدين والمؤلفين المحققين والزعماء الإسلاميين فى تلك البلاد وصاحب تصانيف عديدة فى مختلف العلوم، وله جولات وصولات حازمة جريئة فى الدفاع عن الاسلام ورفع كلمته • وكان فضيلته قد ولد عام ١٣٢٦ھ فى بنور بيشاور واشتغل فى تحصيل العلم ومكث فى دار العلوم ديوبند من عام ١٣٤٥ ھ الى عام ١٣٤٧ ھ ، فاخذ العلوم الدينية عن اشهر فضلائها واساتذتها العلماء - ثم عين شيخا للتفسير فى دار العلوم الاسلامية فى بلدة تندوالله يار - ثم استقر فى كراتشى فاسس المدرسة العربية الاسلامية التى يتلقى فيها العديد من طلاب الدول العربية والاسلامية والاوروبية علومهم منذ ثلاث وعشرين سنة - والف رحمه الله شرحا لسنتي الترمذى اسماه « معارف السنن » الذى طبع فى ستة مجلدات من اصل اثنا عشر جزءا - و « نفحة العنبر » فى ترجمة شيخه العلامة الشيخ محمد انور شاه الكشميرى ، و « يتيمة البيان لمشكلات القران » بجانب ما كان يكتب من مواضيع ومقالات فى مجلته الشهرية « بينات » التى اصدرها تحت اشرافه وادارته من قبل مدرسته قبل خمس عشرة سنة وبجانب ما كان يقوم به من القاء مختلف الدروس فى مدرسته - واشتهر رحمه الله تعالى بشيخ الحديث وكان ضليعا فى اللغة العربية بجانب الاوردية ولغة اهل بشاور - كما كان فضيلته يتولى رئاسة مجلس تحفظ ختم النبوة واتفق العلماء بتعاونهم وقيادته الحكيمة على اعلان القاديانية اقلية غير مسلمة وصدر على ذلك القرار الفصل من قبل جمعية الشعب العمومية وكان فضيلته شاعرا عالما فاضلا خطيبا وينظر فى البلاد العربية والاسلامية نظرة فضل واحترام واشترك فى العديد من المؤتمرات والاجتماعات - وقررت الحكومة العسكرية العرفية الحالية بالباكستان تاسيس مجلس استشارى اسلامى فعين الشيخ محمد يوسف اول عضو به لما يتمتع به من افكار وآراء صائبة وحينما عقد المجلس المذكور دورته الاولى اصيب الشيخ بالنوبة القلبية ثلاث مرات فتوفى بعد الجلسة الثانية بمستشفى روالبندى وصلى عليه هناك ثم نقل جثمانه بالطائرة الى كراتشى فصلى عليه ثانية - ودفن فى فناء مدرسته التى أسسها وقام بادارتها والتدريس فيها وأفنى حياته فى سبيل النهوض بها - وحضر تشييع جثمانه عدد هائل من أهل العلم والفضل فى أرجاء باكستان - وقد اهتزت الباكستان بأسرها بوفاة هذا المجاهد المناضل والذى أمضى حياته فى خدمة الاسلام والعلم والسنة - رحمه الله تعالى وأسكنه فراديس جناته وعوض المسلمين خيراً - وعزاؤنا لأهله وأسرته وابنه - الاستاذ محمد - جعله الله خير خلف لخير سلف ، آمين ..

احمد سعيد رحمة الله

تازہ ترین مطبوعات

علمِ حدیث کا گرانقدر ذخیرہ

معارف الحدیث مع اردو تشریحات از مولانا محمد منظور نعمانی ۶ جلدیں کامل مجلد ۱۶۰/-

صرف جلد ششم ۳۲/-

حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت عکسی۔ مجلد ۱۲/-

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری از ابوالحسن علی ندوی ۲۱/-

مکتبہ رشیدیہ ساہیوال

*

۱۸ اکتوبر منگل کا دن تھا، صبح فجر کی نماز سے میں فارغ ہی ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ـــــــ ٹیلی فون کرنے والے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ ترجمان "تعمیر حیات" کے اڈیٹر عزیز مکرم مولوی محمد اسحاق جلیس ندوی تھے۔ انہوں نے بتلایا کہ

"مولانا علی میاں نے فرمایا ہے کہ میں آپ کو یہ اطلاع دے دوں کہ" رات یہاں دارالعلوم میں پاکستان ریڈیو سے مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے انتقال کی خبر سنی گئی ہے۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مولانا مرحوم "اسلامی مشاورتی کونسل" کے اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد تشریف لے گئے تھے، وہیں یہ حادثہ واقع ہوا۔

اس وقت صرف اتنی ہی بات معلوم ہو سکی ـــــــ ایسی کسی اطلاع کا پہلا حق یہی ہے کہ دل وجان سے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہا جائے اور جانے والے کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت ومغفرت کی استدعا کی جائے ـــــــ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور دعا نصیب ہوئی، آئندہ بھی اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے حق کے مطابق دعا کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے۔

۱۸ اکتوبر کی اس پہلی اطلاع کے بعد سے حادثہ کی تفصیل کا انتظار رہا، نومبر کے دوسرے ہفتہ میں "دارالعلوم اکوڑہ خٹک" (پشاور) کا ماہنامہ "الحق" آیا سب سے پہلے اسی سے واقعہ کی درج ذیل تفصیل معلوم ہوئی۔

پاکستان کے دارالحکومت "اسلام آباد" میں جنرل ضیاء الحق کی قائم کی ہوئی "اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا، مولانا مرحوم اس کے اہم رکن تھے، اجلاس کی شرکت کے لیے کراچی سے تشریف لائے ہوئے تھے، صاحبزادے مولوی محمد سلمہ ساتھ تھے، گورنمنٹ ہاسٹل کے ایک کمرہ میں قیام تھا ـــــــ ۱۴ اکتوبر (جمعہ) اور ۱۵ اکتوبر (شنبہ) کی درمیانی شب میں کونسل کے اجلاس سے ساڑھے نو بجے کمرہ پر تشریف لائے۔ رات اپنے معمول کے مطابق گزاری، ۱۵ اکتوبر (شنبہ) کی صبح غسل خانے میں تھے، اچانک ایک دھچکا سا لگا جس سے لگا کچھ کچھ سا گیا، ڈاکٹری معائنہ کے لیے پولی کلینک اسلام آباد تشریف لے گئے وہاں سے گیارہ بجے واپسی ہوئی۔

مولانا نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی، "البلاغ کراچی" کے مدیر مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا سمیع الحق صاحب (مدیر "الحق") کمرہ ہی پر موجود تھے مولانا ان حضرات سے بے تکلف باتیں کرتے رہے، ان حضرات نے اصرار بھی کیا کہ اس وقت آپ زیادہ بات نہ کریں آرام فرمائیں لیکن مولانا نے یہی فرمایا کہ نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔

ساڑھے بارہ بجے دوبارہ سخت اٹیک ہوا، جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا، چہرہ کا سرخ رنگ زرد پڑ گیا، فرمایا کہ اس وقت بالکل نئی کیفیت محسوس ہو رہی ہے، ـــــــ زبان پر استغفر اللہ استغفر اللہ کا ورد جاری ہو گیا مشاورتی کونسل کے چیئرمین جسٹس افضل چیمہ صاحب بھی موجود تھے۔ سی، ایم، ایچ پہنچانے کا پروگرام بنا، ایمبولنس آنے میں بہت دیر لگی، ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر آپ سی ایم ایچ کے آفیسرز وارڈ کے ایمرجنسی روم میں داخل کئے گئے، وہاں پہنچ کر طبیعت کافی بحال ہو گئی، سب لوگوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ایک درجہ میں اطمینان سا ہو گیا ـــــــ دوسرے دن اتوار اور اس کے بعد والی رات کو بھی آپ یہیں زیر علاج رہے۔ غالباً اتوار اور پیر کی درمیانی رات میں تیسرا اور آخری اٹیک ہوا اور پیر کی صبح ۵ بجے کے لگ بھگ واصل بحق ہو گئے (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین)

"الحق" کے مدیر مولانا سمیع الحق صاحب نے آگے لکھا ہے کہ

وفات اپنے اندر شان ابوذری لیے ہوئے تھی، ایسی حالت میں کہ ملت کا یہ غم گسار ملت کے دردوغم ہی کے سلسلے میں حالت سفر میں تھا، اور وفات کے وقت قریب کوئی عزیز بھی نہیں تھا، (کیونکہ ہسپتال کی طرف سے کسی عزیز کو ساتھ رہنے کی اجازت نہیں تھی) اسی حال میں آخرت کا یہ سفر ہوا .... (آگے لکھا ہے کہ) یہ امر بے حد افسوس اور حیرت کا باعث ہے کہ ہسپتال کی طرف سے کسی عزیز کو اطلاع نہیں دی گئی، پہلی اطلاع کئی گھنٹے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹر کو دی گئی۔ ان کے توسط سے چیئرمین اسلامی کونسل کو اور اس کے بعد عزیز واقارب کو۔

مولانا کی میت کو ہسپتال سے راولپنڈی مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب کی اقامت گاہ جامعہ اسلامیہ (کشمیر روڈ) لے آیا گیا، موصوف ہی کے اہتمام سے یہیں آخری غسل دیا گیا اور تجہیز وتکفین ہوئی، جامعہ اسلامیہ میں لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا ـــــــ اکوڑہ خٹک گیارہ بجے اطلاع ہوئی وہاں کے دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب (سابق استاد دارالعلوم دیوبند) نیز ان کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" اور دوسرے حضرات ۲ بجے جامعہ اسلامیہ راولپنڈی پہنچے، ظہر کے بعد ۳ بجے مولانا عبدالحق صاحب کی اقتداء میں نماز جنازہ ہوئی، اس کے بعد آپ کا تابوت ایئرپورٹ لے جایا گیا اور ہوائی جہاز سے کراچی پہنچ کر رات کو ۹ بجے کے بعد نیوٹاؤن میں آپ کے قائم کئے ہوئے "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" اور آپ کی بنوائی ہوئی جامع مسجد کے ایک جانب آپ کو خدا کی رحمت اور اس زمین کے سپرد کر دیا گیا جو بنی آدم کا آخری ٹھکانا ہے

کچھ احوال وصفات اور بعض خدمات

اب سے ۵۲ سال پہلے (۱۳۴۵ھ) دارالعلوم دیوبند میں راقم سطور کی تعلیم کا آخری سال تھا، اسی سال کے ختم پر کچھ واقعات قضا وقدر کے فیصلہ کے نتیجہ میں ایسے پیش آئے کہ دارالعلوم کے صدر المدرسین امام العصر حضرت الاستاد مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور دارالعلوم کے متعدد دوسرے اساتذہ کو دارالعلوم سے قطع تعلق کر لینا پڑا بظاہر یہ واقعہ بہت ہی نامبارک تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت

نے اس شرسے یہ خیر پیدا فرمایا کہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات) کے ایک معمولی سے "مدرسہ تعلیم الدین" کے ذمہ داروں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو ہندوستان کا دوسرا "دارالعلوم دیوبند" یا "جامعہ اسلامیہ" بنانے کا فیصلہ کر لیا اور ضروری انتظامات کر کے ان سب حضرات کو اجتماعی طور سے وہاں بلا لیا۔ ان حضرات کے ساتھ دارالعلوم کے مختلف درجات کے طلبہ کی بھی اچھی خاصی تعداد چلی گئی ——— اس طرح ۱۳۴۶ھ میں گجرات کے علاقہ میں یہ عظیم الشان "جامعہ اسلامیہ" قائم ہو گیا ——— مولانا بنوری بھی ان طلبہ میں تھے۔ جو دارالعلوم دیوبند چھوڑ کے ڈابھیل کے اس جدید "جامعہ اسلامیہ" میں چلے گئے۔ اس وقت وہ غالباً متوسطات پڑھ رہے تھے انہوں نے دورۂ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہی میں پڑھا ——— علمی استعداد کے لحاظ سے وہ طلبہ میں بہت ممتاز اور فائق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے طالب علمانہ شوق اور محنت کے ساتھ ذہانت اور قوت حافظہ کی نعمت سے بھی خوب نوازا تھا، مزید براں ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی خاص فضل تھا کہ حضرت الاستاذ الامام الکشمیری قدس سرہ کے ساتھ عام رشتہ تلمذ کے علاوہ ان کو گہرا قلبی تعلق بھی تھا اور حضرتؒ کی بھی ان پر خاص نظر عنایت تھی۔ پھر اس طالب علمی سے فراغت کے بعد بھی انہوں نے حضرت شاہ صاحب سے وابستہ اور حضرت ہی کی خدمت میں رہ پڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ایسا ہی کیا ———
راقم سطور کا اندازہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب سے جتنا علمی فائدہ مولانا بنوری نے حاصل کیا اتنا حضرت کے کسی دوسرے شاگرد نے حاصل نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت کی سوانح حیات عربی زبان میں "نفحۃ العنبر" کے نام سے لکھی، نیز قرآن مجید کے مشکلات سے متعلق آپ کے خاص افادات کو اپنے تفسیری مقدمے کے ساتھ "مشکلات القرآن" کے نام سے شائع کیا

فصیح عربی تحریر و تقریر پیان کو شروع ہی سے وہ قدرت تھی جو ہمارے حلقہ کے بہت کم اہل علم کو ہوتی ہے اور یہ بھی غالباً حضرت الاستاذ قدس سرہ کے فیضانِ خاص کا نتیجہ تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد وہ ڈابھیل بلا لیے گئے اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ "جامعہ اسلامیہ" کے وہی شیخ الحدیث اور صدر المدرسین، یعنی حضرت الاستاذ الامام الکشمیری قدس سرہ کے جانشین ہوئے۔

پاکستان منتقلی اور اس کے بعد

مولانا مرحوم کا اصل وطن قریہ بنور (پشاور) تھا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے جلیل القدر خلیفہ خواجہ سید آدم بنوریؒ کی آپ اولاد میں ہیں) ۱۹۴۷ء میں جب ایک ملک کے دو ملک (ہند اور پاکستان) بنے، اس وقت آپ "جامعہ اسلامیہ" ڈابھیل کے شیخ الحدیث تھے، آپ نے پاکستان منتقل ہونے کا فیصلہ نہیں فرمایا، یہیں رہے اور کئی برس تک رہے ——— بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ آپ کی وہاں زیادہ ضرورت ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ زیادہ کام لے گا تو آپ پاکستان منتقل ہو گئے پہلے کچھ عرصہ تک "دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار" (حیدرآباد سندھ) میں استاذ حدیث رہے۔ پھر طے کیا کہ خاص کراچی میں ایک ایسی دینی درسگاہ قائم کی جائے جو "دارالعلوم دیوبند" کا بدل اور اس کی بنیادی خصوصیات کی حامل ہو۔ پھر اللہ کی توفیق سے اس کی بنیاد ڈالی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنے عزم و ہمت اور جانبازی و قربانی سے بہت تھوڑی مدت میں (صرف ۲۰-۲۱ سال میں) ہر حیثیت سے اس کو وہاں پہنچا دیا جہاں تک آغاز میں اپنے تخیل کی پرواز بھی نہیں رہی ہو گی ——— راقم سطور کو اپنی اس رائے بلکہ اپنے اس علم کے ظاہر کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ کا قائم کیا ہوا اور پروان چڑھایا ہوا کراچی کا یہ "المدرسۃ العربیۃ الاسلامیہ" جس کی عمر ابھی ۲۵ سال بھی نہیں ہے علمی اور تعلیمی لحاظ سے اپنے سرچشمہ دارالعلوم دیوبند سے آگے جا چکا ہے اولاد اگر کمالات میں آگے بڑھ جائے تو ماں باپ کو رنج و حسد نہیں ہوتا خوشی ہی ہوتی ہے، اور گویا ان کی مراد پوری ہوتی ہے۔

مولانا مرحوم کا قیام جب تک "جامعہ اسلامیہ ڈابھیل" میں رہا ملاقات کے مواقع پیدا ہوتے رہتے تھے، پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد جہاں تک معلوم ہے وہ کبھی ادھر تشریف نہیں لائے، راقم سطور نے دو دفعہ ادھر کا سفر کیا اور ان ہی دفعہ بہت مختصر ملاقات کا موقع مل سکا۔ ہاں گذشتہ دس بارہ برس میں حجاز مقدس میں حج کے موقع پر یا رمضان مبارک میں قریباً ہر سال اللہ تعالیٰ نے بڑے اطمینان کی ملاقاتیں اور یکجائی کے مواقع میسر فرمائے وہ سفر حج کے علاوہ اکثر ماہ رمضان میں بھی عمرہ کے لیے اور مسجد حرام یا مسجد نبوی میں اعتکاف کی غرض سے حجاز مقدس کا سفر فرماتے تھے اور ۱۹۶۵ء کے بعد سے "رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ" کی رکنیت کے طفیل قریباً ہر سال اس بے مایہ اور سیہ کار کو بھی حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوتی رہی ——— مولانا کے ساتھ مبارک ترین طویل اجتماع اور یکجائی کا موقع اب سے دو سوا دو سال پہلے ۱۳۹۵ھ کے رمضان مبارک میں نصیب ہوا، جبکہ اس کے آخری عشرہ میں مولانا مرحوم اور اللہ کے اور بھی بہت سے نیک بندے مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کے ایک دالان میں معتکف تھے اور اس سیاہ کار نے بھی اسی دالان میں مولانا کے بستر کے قریب ہی رہ کر اس امید پر وہ عشرہ گزارا تھا کہ

اللہ تعالیٰ اپنے اچھے بندوں کے قرب کی برکات سے محروم نہ فرمائے گا۔

"اولئک قوم لا یشقی جلیسھم" ——— پھر اس کے دو ہی مہینے بعد اس سال کے حج میں بھی مکہ معظمہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کی مدرسہ صولتیہ کی سہ پہر کی مجلس میں کئی بار ملاقات ہوئی اور یہی آخری ملاقات تھی ——— اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کو باہمی حسن ظن اور اخلاص و محبت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی۔ اس لیے ہر ملاقات میں روح کو لذت و مسرت نصیب ہوتی تھی۔ میری نظر میں مولانا مرحوم علم میں اور خاص کر علم حدیث میں بہت بڑے تھے اس لیے میرا رویہ ان کے سامنے وہی رہتا تھا جو علمی اکابر کے سامنے رہنا چاہیے، لیکن اتفاق سے میری عمر مولانا سے کچھ زیادہ تھی[1] اور حضرت الاستاذ الامام الکشمیری قدس سرہ کے رشتۂ تلمذ کے لحاظ سے بھی مجھے قدامت حاصل تھی اس لیے مولانا کا معاملہ اور برتاؤ میرے ساتھ وہ تھا جو اہل علم کا ان معاصرین کے ساتھ ہوتا ہے جن کو وہ اپنا بڑا سمجھتے ہیں، حالانکہ میں ہرگز اس کا مستحق نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا میں بہت سے کمالات جمع کر دیے تھے لیکن علم کا کمال دوسرے کمالات پر غالب تھا ——— ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جامع ترمذی کی شرح "معارف السنن" ہے، جس کی ۶ ضخیم جلدیں اب سے کئی سال پہلے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ان ۶ جلدوں میں کتاب کے تقریباً صرف چوتھائی (۱/۴) حصے کی شرح ہوئی ہے۔ ۳ چوتھائی کے قریب کتاب باقی ہے، اس کی تکمیل کے لیے کم از کم اتنی ہی جلدیں اور لکھی جاتیں ——— لیکن ادھر کئی سال سے مولانا مرحوم عملی جدوجہد کے بعض ایسے کاموں میں مصروف اور منہمک ہو گئے جن کی وجہ سے "معارف السنن" کی تصنیف کا کام ان سالوں میں بالکل نہیں ہو سکا ——— میں نے کسی سے سنا تھا کہ مولانا کا خیال یہ ہے کہ جامع ترمذی کے اہم حصہ کی شرح کا کام پورا ہو گیا اس لیے کتاب کی تکمیل کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے ——— اب سے دو سال پہلے رمضان مبارک ۱۳۹۵ھ میں جب مدینہ منورہ میں پورا ایک عشرہ مولانا کے ساتھ رہنے کا موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) تو میں نے مولانا سے اس بارہ میں بھی گفتگو کی اور اصرار کیا کہ "معارف السنن" کی باقی جلدیں بھی ضرور لکھیں۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ فی الحال میں اس کا "مقدمہ" لکھ رہا ہوں، اس سے فارغ ہونے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کتاب کی تکمیل کی بھی کوشش کروں گا۔ ——— اس گفتگو کے بعد جو دو سال گزرے ان میں مولانا کی جو دوسری عملی مصروفیتیں رہیں ان کے پیش نظر راقم سطور کا اندازہ ہے کہ "معارف السنن" کا کام ان دنوں میں بالکل نہ ہو سکا ہوگا۔ خدا کرے کہ "مقدمہ" ہی پورا ہو چکا ہو۔

"معارف السنن" کے مطالعہ سے مولانا بنوری مرحوم کی علمی خصوصیات اور خاص کر فن حدیث میں ان کے رسوخ و تبحر اور وسعت مطالعہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت الاستاذ الامام الکشمیری قدس سرہ کی خاص تحقیقات سے واقفیت کا سب سے زیادہ مستند ذریعہ بھی اس عاجز کے نزدیک "معارف السنن" ہی ہے۔

مولانا کی مجاہدانہ مہمات اور عملی خدمات کے سلسلہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ، پاکستانی پارلیمنٹ اور حکومت پاکستان سے قادیانیوں کے "غیر مسلم اقلیت" قرار دیئے جانے کا فیصلہ کرا لینا ہے، مرحوم اس دینی مطالبہ کی تحریک کے مسلمہ اور متفقہ قائد اور امام تھے ——— جس ملک کی حکومت کا سب سے پہلا وزیر خارجہ قادیانیت کا کھلا علمبردار اور مبلغ سر ظفر اللہ خاں رہا ہو اس حکومت سے یہ منوا لینا اور ملک کے دستور میں شامل کرا دینا کہ ——— مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مسیح موعود ماننے والے اور اس پر ایمان لانے والے مسلمان نہیں ہیں بلکہ پاکستان کی دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی طرح ایک غیر مسلم اقلیت ہیں اور پاکستان میں ان کی قانونی حیثیت ایک غیر مسلم اقلیت ہی کی ہے" ——— اتنا عظیم کارنامہ ہے جس کو نصرت خداوندی کا "معجزہ" ہی کہا جا سکتا ہے ——— یہ محاذ مولانا مرحوم ہی کی قیادت میں فتح ہوا اور اس کا اثر پورے عالم اسلامی پر پڑا۔

جب سے مولانا سے واقفیت ہوئی اور ہندوستان و پاکستان یا حجاز مقدس میں جب بھی ملاقات ہوئی ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال علمی کے ساتھ علم کے مطابق عمل کے اہتمام، اخلاص ——— خشیت و انابت، ورع و تقویٰ اور ان سب کے ساتھ دین کا درد بھی بھرپور عطا فرمایا تھا ——— اور جس بندہ میں اللہ تعالیٰ یہ اوصاف جمع فرما دے بلاشبہ اس کو وراثت نبوت کا بڑا حصہ نصیب ہوا۔

مولانا نے اپنے اساتذہ اکابر کے طریقہ پر "مدرسہ" کے ساتھ "خانقاہ" سے بھی استفادہ کیا تھا۔ راقم سطور نے باوثوق ذریعہ سے سنا ہے کہ پہلے مولانا نے حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا شفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی۔ ایک زمانہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اصلاحی تعلق رہا تھا۔ غالباً اس کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور جیسا کہ معلوم ہوا ہے حضرت نے اجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

---

[1] مولانا بنوری مرحوم کی پیدائش ۱۳۲۶ھ کی بتلائی گئی ہے اور میری شوال ۱۳۲۲ھ کی ہے۔

مولانا کے مزاج میں "شدت فی امر اللہ" بھی بدرجۂ کمال تھی جس بات کو دین کے خلاف اور جس فکر و خیال کو ناقابل درگزر زیغ و ضلال سمجھتے اس کے خلاف جنگ کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتے، اور کوئی مصلحت اور کسی کی ملامت کا خوف اور اپنی شخصیت و مقبولیت کو سخت سے سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ بلکہ یقین بھی ان کو اس اقدام جنگ سے نہیں روک سکتا تھا۔ ان کا حال اس معاملہ میں وہی تھا جو مرحوم مولانا محمد علی جوہر نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا تھا

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

جن لوگوں کو مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے انہیں چاہیے ان کی بعض رایوں اور طرز و طریق کار سے اتفاق نہ ہو لیکن اس میں شک نہ ہوگا کہ وہ یہ سب کچھ ادائے فرض کی نیت سے اس احساس کے ساتھ کرتے تھے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو جرم مداہنت کا مجرم ہوں گا اور آخرت میں خداوند ذوالجلال کے سامنے مجھے اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام حسنات و خدمات کو قبول فرمائے۔ اور ہماری ان کی سب غلطیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ اللھم اغفر لنا وارحمنا وعاملنا بما انت اھلہ ولا تعاملنا بما نحن اھلہ، انت اھل المغفرۃ واھل الجود واھل الکرام واھل الاحسان

الفرقان لکھنو :

مولانا محمد منظور نعمانی

**

۱۹۲۷ء کا زمانہ تھا، میں اس وقت ندوہ میں پڑھتا تھا۔ درس کے دوران اور بحث و تحقیق کے سلسلہ میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوتا تھا۔ ہمارے استاد مولانا حیدر حسن خان صاحب شاہ صاحب سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی مجلس میں شاہ صاحب مرحوم کی وسعتِ علم، بے نظیر حافظہ، قدرت فکر اور دقتِ نظر کا ذکر آتا تھا۔ شاہ صاحب کے بعض شاگرد بھی کبھی کبھی آجاتے اور اپنے استاد کے علم و کمال کا والہانہ ذکر کرتے، گرمیوں کی چھٹی میں مولانا سید طلحہ پروفیسر اورینٹل کالج لاہور لکھنؤ آتے۔ مولانا حیدر حسن خان صاحب مرحوم ان کے شفیق استاد تھے، ٹونک ان کا وطن تھا، اس طرح تلمذ کے ساتھ وطن کی مشارکت بھی ان کو ندوہ لاتی اور بعض اوقات کئی کئی دن مولانا حیدر حسن خاں کے ہاں ان کا قیام رہتا، مولانا طلحہ کی عقیدت اور مولانا حیدر حسن خاںؒ کی شفقت قابلِ دید ہوتی۔

مولانا سید طلحہ صاحب نے مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ کو قریب سے دیکھا تھا اور ان کے حلقۂ درس میں کئی بار بیٹھے تھے، ان کی مخصوص صحبتوں میں بھی شریک ہوئے تھے، علوم اسلامیہ پر خود ان کی اچھی نظر تھی، خصوصاً تفسیر، حدیث اور رجال کا بہت اچھا مطالعہ تھا، حافظہ بھی غضب کا پایا تھا۔ لیکن بایں ہمہ وہ شاہ صاحب سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ان کی وسعتِ نظر حفظ و اتقان، مہارتِ علوم اور مجتہدانہ صلاحیت کے بیحد معترف تھے، ان کا تذکرہ بڑے کیف و وجد کے ساتھ کرتے، کہا کرتے تھے کہ اگر میں نے مولانا انور شاہ صاحب کو نہ دیکھا ہوتا اور ان کے حافظے کا ذاتی تجربہ نہ ہوتا، تو مجھے ان روایتوں کو تسلیم کرنے میں تامل ہوتا جو کتابوں میں سلف کے حافظے کے بارے میں درج ہیں۔ لیکن شاہ صاحب کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ جس امت کے پچھلوں کا یہ حال ہے، اس کے اگلوں کی کیا کیفیت ہوگی۔

یہ باتیں سن کر مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی، دیکھنے کا اتفاق تو اس کے کئی برس بعد ہوا، لیکن دل پر ان کی عظمت کا نقش اسی وقت سے قائم ہوگیا تھا۔ شاہ صاحب کے شاگردوں کے نام بھی کبھی کبھی کان میں پڑتے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا عتیق الرحمٰن، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا احمد رضا کے نام بار بار سننے میں آئے، پھر جب مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مرحوم کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند میں عظیم الشان اسٹرائک ہوئی اور مولانا انور شاہ صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ متعدد بزرگوں نے استعفا دے کر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی تو عرصہ تک اخبارات میں ان واقعات کا چرچا رہا۔ بعض اخبارات تو محض انہی مسائل پر بحث کے لئے نکالے گئے تھے۔ یہ اسٹرائک بڑی خطرناک تھی اور ڈر تھا کہ کہیں بزرگوں کی نصف صدی کی کمائی خاک میں نہ مل جائے۔ لیکن اللہ نے اس کے نقصان سے بڑی حد تک محفوظ رکھا۔ ایک طرف مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب کو سنبھال لیا اور دوسری طرف بعض اہل خیر نے ڈابھیل (گجرات) میں شاہ صاحب ان کے رفقاء اور شاگردوں کو بلا کر ایک نئے مرکز کی بنیاد رکھ دی۔ اساتذہ کی علمی شہرت، کارکنوں کی دل سوزی اور معاونین کی دریا دلی نے سارے ملک میں اس درسگاہ کا ایسا سکہ جما دیا کہ تشنگانِ علم دور دور سے کھنچ کر اس چشمۂ صافی کے گرد جمع ہوگئے اور ڈابھیل کے گلی کوچوں میں قال اللہ و قال الرسول کے ترانے گونجنے لگے۔ شاہ صاحب کی صحت پہلے ہی اچھی نہ تھی، ڈابھیل کی مرطوب آب و ہوا اور مضر ثابت ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کام میں لگے رہے اور جب تک صحت کی خرابی نے بالکل مجبور نہیں کر دیا وہ یہاں سے نہیں ہٹے، ان کا قیام اگرچہ زیادہ عرصہ نہیں رہ سکا مگر اس کے باوجود ڈابھیل

دیوبند کا ثانی سمجھا جانے لگا، شاہ صاحب کے بعد ان کے مشن کو ان کے شاگردوں نے نہ صرف جاری رکھا، بلکہ اس میں چار چاند لگا دیئے۔ ان اصحاب میں مولانا محمد یوسف بنوری خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے درس و تدریس کے علاوہ ڈابھیل میں نشر و اشاعت کی غرض سے ایک مجلس بھی قائم کی، جس کی طرف سے بہت سی بیش قیمت کتابیں شائع ہوئیں۔ شاہ صاحب کی سوانح عمری کے علاوہ ان کے افاداتِ درس بھی کئی ضخیم جلدوں میں مرتب کر کے شائع کئے گئے، ان میں بخاری کی شرح فیض الباری خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ قدماء کی کتابوں میں ہدایہ کی تخریج نصب الرایہ کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن پہلے یہ بہت ہی معمولی کاغذ پر چھپی تھی اور اس کے نسخے بھی بہت کمیاب تھے۔ مولانا بنوری کا حدیث و فقہ کے طلبہ پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مصری ٹائپ میں بہت اچھے کاغذ پر اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا اور اس کے ساتھ بڑے عالمانہ حواشی تحریر کئے، جن کی وجہ سے اس کتاب کا افادہ بہت بڑھ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی بعض نایاب کتابیں بھی ان کی توجہ سے شائع ہوئیں، ملک کی تقسیم کے بعد انہیں بھی پاکستان جانا پڑا، لیکن ان کی علمی اور تعلیمی سرگرمیاں وہاں بھی جاری رہیں، بلکہ ہندوستان سے بھی زیادہ وہاں انہوں نے علم دین کی خدمت کی۔ کراچی میں ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالی جس نے ان کی زندگی ہی میں بڑی مرکزیت حاصل کر لی۔ اس درس گاہ کے ساتھ ایک ماہنامہ "بینات" بھی جاری کیا جو اپنے وقیع علمی و دینی مضامین کی وجہ سے بہت ممتاز ہے۔ ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی عربی مدارس کے درمیان کوئی رشتہ، ارتباط نہیں تھا۔ وہاں کے سرکاری حلقوں نے اس انتشار سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ان مدارس کو سرکاری سرپرستی میں لے کر مشرقی امتحانات کا مرکز بنا دینے کی کوشش کی۔ لیکن مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم نے بڑی ہمت سے اس صورتحال کا مقابلہ کیا اور آزاد عربی مدارس کا ایک وفاق بنا دیا، جو بہت مفید ثابت ہوا۔ جو حضرات عربی مدارس سے تعلق رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل تھا۔ اس کامیابی سے ایک طرف ان کے اثر و رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں دینی اور علمی حلقوں میں کتنا اعتماد حاصل تھا، ان اہم کاموں کے علاوہ انہوں نے وہاں لامذہبیت اور بدعقیدگی کو بھی رد کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات انہیں حکومت سے بھی ٹکر لینی پڑی، لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی، ان کی اس ہمت اور استقامت کو دیکھ کر دوستوں نے بے ساختہ کہا کہ یہ کسی بنوری ہی کا دل گردہ تھا، ورنہ جنرل ایوب کے فوجی اقتدار کے زمانے میں ایسی جرأت کی توقع کسی سے مشکل ہی سے کی جا سکتی تھی۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی کے نامور خلیفہ شیخ آدم بنوری کی اولاد میں تھے اور ان کے اندر دینی حمیت، تجدیدی روح اور استقامت و ثباتِ قدمی انہیں کی وراثت کی بنا پر آئی تھی، جو شاہجہاں کے شان و شکوہ اور اس کے صاحب اثر وزیر سعد اللہ خاں کے جاہ و جلال کو خاطر میں نہیں لایا، اس کا نام لیوا ایوبی حکومت کی کیا پرواہ کرتا، ان کی ہمت و استقامت نے بہت سے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو سہارا دیا، الحاد و بے دینی کے اڈے ٹوٹ گئے اور ملحدین کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی، مسلم ممالک میں بھی ان کا بڑا اثر تھا اور اکثر اسلامی اور دینی کانفرنسوں میں انہیں شرکت کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کے علم و تجربہ سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ میرا ان سے ملنا جلنا زیادہ نہیں ہوتا تھا، مگر جب مل جاتے تو بڑی محبت سے پیش آتے ۱۹۶۷ء کے موسم حج میں ان کے والد صاحب بھی ساتھ تھے، مجھے ان سے خاص اہتمام سے ملایا اور میرا تعارف بڑی تعریف و توصیف کے ساتھ ان سے کرایا جب بھی ملاقات ہوتی بڑی خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ ملتے۔ آخری بار ۱۹۷۴ء میں مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی، اس وقت کمزور بہت تھے، پیدل چلنا دشوار تھا، اس لئے سعی گاڑی پر کر رہے تھے۔ آخری ملاقات وہیں مسعیٰ میں ہوئی پھر اس کے بعد ملنے کا موقع نہیں ملا کئی مہینہ سے ان کی بیماری اور کمزوری کی خبریں آ رہی تھیں۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ انہیں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے، ان کے مراتب بلند فرمائے اور ان کے جانشینوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انہوں نے علم دین کی خدمت کے لئے جو ادارے قائم کئے تھے، امید ہے کہ وہ برابر ترقی کرتے رہیں گے، اور ان کے دائرہ کار میں مزید توسیع ہوتی رہے گی۔ تصانیف کے جو مسودے مکمل ہو چکے ہیں ان کی تکمیل کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ اس بارے میں جامع ترمذی کی شرح خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ امید ہے کہ ان کے لائق جانشین اس کی تکمیل اور اشاعت کی خاص فکر کریں گے۔

"معارف" اعظم گڑھ

مولانا عبدالسلام قدوائی

**

دعائے صحت

جمعیۃ علماء اسلام تحصیل تلہ گنگ کے امیر اور مقامی درس گاہ دار العلوم عثمانیہ عربیہ کے سرپرست مولانا فضل احمد صاحب عرصہ دو ماہ سے علیل ہیں قارئین خدام الدین سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

*

***

تقسیمِ ہند سے قبل دیو بند کے علماء میں سب سے پہلے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کی تقریر قصبہ ڈبائی میں سننے کا اتفاق ہوا تھا ۔ میں ان دنوں کبیر ہائی اسکول (ڈبائی) کی ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا ۔ مولانا مرحوم اپنے نام کے ساتھ "ابنِ شیرِ خدا" لکھا کرتے تھے ۔ اس واقعہ کو اب پچپن برس ہو رہے ہیں ۔

۱۹۲۱ء میں تحریک موالات کا زور تھا اور ہمارے نواح میں "گاندھی کیپ" کا رواج تو تھا ہی ، مگر مسلمانوں میں "محمود کیپ" کا بھی رواج ہو چلا تھا ... حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن خاص وضع کی ٹوپی پہنتے تھے ۔ "محمود کیپ" ۔ "گاندھی کیپ" کی بالکل ضد تھی ۔ گاندھی کیپ کشتی نما تھی اور "محمود کیپ" گول تھی ۔

۱۹۲۹ء میں حیدر آباد میرا جانا ہوا تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی تقریریں سنیں اور ان سے خاصا ربط ضبط ہو گیا ۔

مالگزاری کے سب سے بڑے وکیل اور صاحبِ تقویٰ بزرگ مولوی فیض الدین صاحب کی کوٹھی پر علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھنے ، مصافحہ کرنے اور ان کی گفتگو سننے کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی حضرت شاہ صاحب کے ہمراہ حیدر آباد دکن تشریف لائے تھے مگر اس وقت تک ان کی شہرت نہیں ہوئی تھی ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم و مغفور سے ۱۹۴۶ء میں دلی کے کتب خانہ عزیزیہ میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا ۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب سے دسیوں بار ملاقاتیں رہیں اور ان کی معرکہ آرا تقریریں سنیں ۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سے بھی دہلی میں بارہا ملاقاتیں ہوئیں ۔ پاکستان بننے سے سال ڈیڑھ سال پہلے قاری زاہر قاسمی دلی سے مجھے دیو بند لے گئے ۔ وہاں بڑے دھوم کا مشاعرہ ہوا ۔ دوسرے دن شام کے وقت دیو بند ریلوے اسٹیشن پر حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے ملاقات ہو گئی ۔ مولانا مرحوم کانگریس کے کسی جلسہ میں شرکت کے لیے باہر تشریف لے جا رہے تھے ۔ قاری صاحب نے میرا تعارف کرایا ۔ اس پر حضرت مولانا مدنی نے فرمایا :

"ماہر القادری بدایونی"

میں نے عرض کیا ۔ "میں "بدایونی" نہیں ہوں ، ضلع بلند شہر کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں" ۔

اس تمہید و تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکابر دیو بند میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف پاکستان بننے کے بعد حاصل ہوا ۔ ہاں ، البتہ ، ان کا نام بارہا سنا تھا ۔ ان دنوں مولانا مرحوم مدرسہ عربیہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث تھے ۔

حضرت مولانا کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوتا تو بڑی محبت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ۔ ان کا موزوں اور متناسب قد ، خوب کھلتی ہوئی رنگت ،

اشفاق ہاشمی کے قلم سے

قائد قومی اتحاد کی سیاسی اور ملی خدمات پر ایک اچھوتا شاہکار

مولانا مفتی محمود

جمعیۃ کی قیادت سے قومی اتحاد کی صدارت تک

بصیرت افروز سیاسی دستاویز

قیمت فی کاپی -/۳ روپے ـــــ فی سینکڑہ -/۱۷۵ روپے
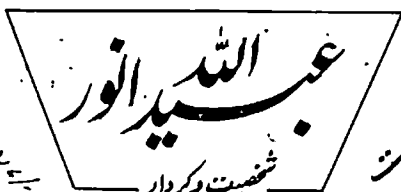
عبید اللہ انور

شخصیت و کردار

جانشین شیخ التفسیر رح مولانا عبید اللہ انور کے حالات زندگی

سیاسی اور دینی خدمات کا جائزہ

ہاشمی پبلی کیشنز ـــــ ۲۳۱ راوی پارک ، لاہور

خوشنما ڈاڑھی .... ان کے چہرے مہرے میں جاذبیت اور دلکشی تھی ۔

ایک بار میں حاضر ہوا تو مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کے اساتذہ بھی کرسیوں پر بیٹھے تھے ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اس آیت کے حاشیہ میں کس قدر شدید قابلِ اعتراض عبارت لکھ دی ہے

مولانا مرحوم نے وہ پوری عبارت توجہ کے ساتھ پڑھی ۔ اس کے بعد اس تفسیر کی تاویل کی ۔

میں نے تیز لہجہ میں عرض کیا ، آپ کی تاویل صحیح نہیں ہے ۔ میں مانتا ہوں ، حضرت شیخ الہند اور علماء دیوبند کا یہ عقیدہ نہیں ہوسکتا مگر ان کے قلم سے حیرت ہے ایسے جملے کیسے نکل گئے ۔

اس پر مولانا مرحوم نے فرمایا :

"حضرت شیخ الہند سے غلطی ہوئی ہے ۔"

ان کا یہ اعتراف حق پسندی کی دلیل تھا ، ورنہ اپنے اکابر کی غلطیاں کون تسلیم کرتا ہے ۔

ایک بار ان کے یہاں گیا تو معلوم ہوا کہ مدرسہ کی بالائی منزل کے کمرے میں تشریف فرما ہیں ۔ اس کمرے میں بڑے سلیقہ کے ساتھ کتابوں کی دیدہ زیب الماریاں رکھی تھیں ، قالین نما فرش جس کی آب و تاب دیدنی تھی ۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کمرے میں جو سامانِ آرائش آپ دیکھ رہے ہیں اس کا مدرسہ کی آمدنی سے کوئی تعلق نہیں ہے .... ایک صاحب خیر نے " دارالحدیث " کے لیے فرش فروش اور الماریاں خرید کر دی ہیں ۔

پھر مولانا مرحوم نے راقم الحروف کے لیے خنک مشروب منگوایا ۔ میں کوکا کولا کی بوتل پی رہا تھا ، اور گفتگو کا سلسلہ جاری تھا ۔

فرمایا ، کہ یہاں مہمانوں کی تواضع مدرسہ کی آمدنی سے نہیں کی جاتی ، یہ بوتل میں نے اپنے داموں سے منگوائی ہے ۔ پھر وہ مجھے نیچے لے گئے مدرسہ کا مطبخ دکھایا جس میں خمیری روٹیاں پک رہی تھیں ۔ اس سلسلہ میں پوری تفصیل بتائی کہ اس مدرسہ میں طلباء کو کھانا تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ دسترخوان پر کھلایا جاتا ہے ، ایک خمیری روٹی اتنے وزن کی ہے ۔

مدرسہ کا مطبخ بڑا صاف ستھرا تھا اور روٹیوں کی شکل و صورت بتا رہی تھی کہ آٹا اچھا ہی نہیں بلکہ بہت ہی اچھا ہے ۔ اس مدرسہ کا حسنِ انتظام مولانا مرحوم کی توجہ کا رہینِ منت تھا ۔

مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم ، علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص الخاص تلامذہ میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے ۔ مدرسہ دیوبند کے اکابر اساتذہ میں جب اختلاف ہوا اور ڈابھیل میں بعض چوٹی کے دیوبندی علماء نے نیا دارالعلوم آباد کیا تو مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں کئی برس مسندِ درس و تدریس پر فائز رہے ۔

مولانا مرحوم فنِ حدیث میں قابلِ ذکر بصیرت اور تبحر رکھتے تھے ، عربی ادب سے بھی غیر معمولی شغف تھا عربی میں بے تکلف گفتگو اور شستہ تقریر و تحریر پر قدرت تھی ۔ ترمذی شریف کی شرح عربی زبان میں کئی جلدوں میں لکھی ۔

نیشنل بنک کے چیئرمین ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم جو کئی زبانیں جانتے تھے اور سبعہ معلقات کے اشعار داغ کے شعروں کی طرح روانی کے ساتھ سناتے ، ایک دعوتِ ولیمہ میں وہ راقم الحروف سے کہنے لگے کہ "ولیمہ" کے اصل معنی کیا ہیں ، اس کا کیا مادہ ہے ؟ اس کی مجھے تلاش تھی ، مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ ہمارے پاکستان میں ایک ایسا عربی داں موجود ہے جس نے " ولیمہ " کے معنی پوری تفصیل سے اس کے مادہ ، مصدر اور اشتقاق کے ساتھ بتائے .... اس ضمیر کا مرجع ، مولانا یوسف بنوری کی شخصیت تھی ۔

مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم و مغفور کے اسلاف میں حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے شیخ طریقت گزرے ہیں ۔ مولانا مرحوم کے والد ماجد بھی صاحب علم و فضل اور دوسری عجیب و غریب خصوصیات کے حامل تھے ۔ طب میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور بڑے تجربہ کار اور جہاندیدہ تھے ۔ ان کی وفات کو تین چار برس ہوئے ہوں گے ۔

مولانا بنوری مرحوم کی پوری زندگی علم دین سیکھنے اور سکھانے میں گذری ہے۔ ان کا شمار پاکستان اور ہندوستان کے اجل علماء میں ہوتا ہے۔ مزاج میں حدت تھی جو بعض اوقات دین کی مدافعت میں شعلہ انگیز بن جاتی۔ ان کا علم تدبیر و رائے کے مقابلہ میں زیادہ وزنی تھا۔ قادیانیوں کو امتِ مسلمہ سے علیحدہ فرقہ اور غیرمسلم اقلیت قرار دینے کی جد وجہد کے وہ قائد و سربراہ تھے۔ جس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی، مگر اس مسئلہ کے دوسرے متعلقات پر عمل درآمد نہ ہو سکا یہاں تدبیر و حکمت کی ضرورت تھی۔

مولانا مرحوم نیو ٹاؤن کی جس دیدہ زیب مسجد کے متولی اور مدرسہ عربیہ کے مہتمم تھے، وہ مدرسہ اور مسجد دونوں عمارتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں نے ایک بار دیکھا کہ امریکہ کے سیاح مسجد کے فوٹو اتار رہے ہیں مگر پھر فوٹو کی ممانعت کر دی گئی۔

نیو ٹاؤن کا دارالعلوم مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی جد و جہد اور اخلاص کے سہارے پروان چڑھا۔ مولانا مرحوم کی دیانت، تقویٰ اور علم وفضل کے سب معترف اور مداح تھے۔

کئی برس سے مولانا کا یہ معمول تھا کہ رمضان المبارک حرمین شریف میں گذارتے اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعتکاف کی سعادت انہیں میسر آتی۔ ان کے گھٹنوں میں درد رہتا تھا، درد کی شدت ہوتی تو دوسرے آدمی کے سہارے چل کر مسجد میں آ کر جماعت میں شریک ہوتے۔

کشتہ سازی اور طرح طرح کی معجون اور خمیرے بنانے کا فن انہیں اپنے والدِ محترم سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو تقریباً ۶۷ برس کی عمر میں دوسری شادی کی اور سال ڈیڑھ سال کا بچہ آخری یادگار چھوڑا۔

ختم نبوت کے نام سے ٹرسٹ قائم کرنے کے سلسلہ میں بعض مسلمان حکومتوں میں ان کا آنا جانا رہتا تھا، سنا ہے کہ اس سلسلہ میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی!

ڈھائی تین مہینہ ہوئے جنرل ضیاء الحق نے انہیں اسلامی کونسل کا رکن مقرر کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں مولانا مرحوم اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ وہیں حرکتِ قلب بند ہونے سے موت واقع ہو گئی۔ انکی وفات پر دینی حلقوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ اخبارات نے تعزیت کے ساتھ زبردست خراجِ عقیدت بھی پیش کیا۔ اس قحط الرجال میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات علم و اخلاق کا بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں انکے مدارج بلند فرمائے۔ (آمین)

فاران کراچی

**

آہ! ۲ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ محدث کبیر، عالم شہیر، قائد زعیم، استاد عظیم شیخ الاسلام والمسلمین،

حضرت اقدس مولانا الحاج سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ، قدس سرہٗ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

فان للہ ما اعطیٰ ولہٗ ما اخذہٗ ولا نقول الا بما یرضیٰ بہٖ ربنا

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سرپرست تھے اور راقم، آثم، خادم ناظم نے حضرت والا کو بہت قریب سے دیکھا ہے خصوصاً حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کے اسفار مبارکہ میں اکثر رفاقت میسر آئی۔

بلا مبالغہ آپ جامع الکمالات والمحاسن، عجیب وغریب حسنات کے مالک عالم باعمل، حافظ الحدیث، مفکر اسلام قابل مصنف ولائق معلم، شفیق استاذ، اہل باطل کے مقابلہ میں مجاہد اعظم اور حسنِ یوسف وسیرۃ یوسفیؑ وسنت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل تھے اور بقول حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ "قرونِ اُولیٰ سے بچھڑے ہوئے قافلہ کے بقیۃ اسلاف" (او کما قال البخاری)

علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم میں آپ کو وہ مقام حاصل تھا کہ آج بھی پاکستان میں جملہ طبقات کے لئے آپ کی ذات ستودہ صفات معتمد علیہ اور جامع شخصیت پر مجمع اور قیادت پر پورا اعتماد۔

آپ، العلام العلوم القرآن، الامام فی الحدیث، حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے صحیح جانشین اور ان کے مشن کے کامل حامل۔

آپ کے شیخ واستاد حضرت علامہ انور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے دیوبند سے جس تحفظ ختم نبوت کے مشن کی تکمیل کے لئے تحریک چلائی تھی اور اس کے لئے تاکیداً "مجلس احرار اسلام" اور اس کے قائدین حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ، اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو قائم کیا

تھا۔ اور خصوصاً حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو دار العلوم دیوبند سے فراغت حدیث کے بعد قادیانیت کے خلاف جہاد کی وصیت فرمائی تھی اور مولانا جالندھریؒ نے تادمِ حیات اس کو خوب نبھایا۔

شکست و فتح تو قسمت سے ہے اے امیر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

اسی جھوٹی نبوت کے قلع قمع کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آقا سید بنوریؒ جیسے مجاہد کو کھڑا کر دیا۔ اور الحمد للہ جس استاذ اور مرشد نے دیوبند سے قادیان اور دیوبند سے بہاولپور اور پورے ملک میں غلام احمد کی جھوٹی نبوت کو ٹھکانے لگانے کے لئے جہاد شروع کیا تھا۔ اسی کے لائق و قابلِ رشک تلمیذ رشید نے پاکستان میں تحریک تحفظ ختم نبوت کی قیادت کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلاتے ہوئے اپنی جان تک کی بازی لگا دی

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت علامہ سید بنوریؒ بیک وقت:-

اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان کے رکن رکین
کل عالم، مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر محترم
آل پارٹیز، مجلس عمل تحریک تحفظ ختم نبوت پاکستان کے قائد متفقہ
رابطہ عالم اسلام کے ممبر
الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے مشیر
جامعہ ازہر، قاہرہ یونیورسٹی کے رفیق
عالم اسلام خصوصاً عرب ممالک کے تعلیمی اداروں کے مشیر خاص
پاکستان کے وفاق المدارس العربیہ کے امیر معظم
المدرسۃ الاسلامیہ کراچی کے بانی، شیخ الحدیث، معتمد اعلیٰ
اور علماء، طلباء، غرباء کے محسن، مربی، مشفق استاد تھے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ہمارے جامعہ رشیدیہ کے مبلغ اعظم، شہید فی سبیل اللہ حضرت قاری لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذِ گرامی تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی تربیت انہی کی مرہونِ منت تھی۔

جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور اس کے کارکنان اساتذہ و عملہ کو آپ سے بے حد عقیدت اور حضرت کو خصوصی تعلق خاطر، متعدد بار جامعہ تشریف فرما ہوئے۔ اور اپنی یادیں چھوڑتے گئے۔ آپ کے وصال پرملال سے علمی دینی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا مستقبل قریب میں تو دور دور تک نظر نہیں آتا ہے، آہ جہاں آپ کے نسبی پسماندگان یتیم ہو گئے۔ آپ کے حسب کے خدام بھی یتیم ہو گئے۔

حضرت مرحوم و مغفور کے وصال پرملال کی خبر وحشت اثر مجلس مرکزیہ ختم نبوت ملتان سے جامعہ رشیدیہ دس بجے فون کے ذریعہ ہوئی۔ جامعہ کے اساتذہ، طلبہ، عملہ نے جامعہ کے تمام مدارس میں کام بند کرتے ہوئے قرآن خوانی شروع کر دی۔ شام کو جامعہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب کی سرپرستی میں اساتذہ طلبہ عملہ و کارکنان کا تعزیتی اجتماع ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث و ناظم مدیر الجامعہ نے آں مرحوم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ایصال ثواب، دعاء مغفرت اور قرار داد تعزیت پیش کی اور حضرتؒ کے پسماندگان سے اظہارِ ہمدردی پر تار دیا۔ اور مفصل مکتوب تعزیت روانہ کیا۔ اگلے دن شام انجمن شہریان ساہیوال کی طرف سے جامع مسجد نور میں عظیم جلسہ عام بصدارت مفتی ضیاء الحسن صاحب لدھیانوی منعقد ہوا۔ جس میں اسلامیان ساہیوال کی طرف سے جملہ طبقات اور مختلف جماعتوں کے زعماء نے شرکت کی۔

فاضل رشیدی امیر جمعیۃ علماء اسلام ضلع ساہیوال نے حضرت علامہ سید بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات، خصوصیات، کمالات پر تقریر کرتے ہوئے قرار دادِ تعزیت پاس کی۔

الرشید
لاہور
ساہیوال

قدیم اسلامی کتب کی دوبارہ اشاعت
بذریعہ فوٹو آفسٹ
ہمارا دینی لٹریچر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا لیکن بے شمار دینی کتب ایسی ہیں جو آج کل نا پید ہو رہی ہیں۔ ان کی دوبارہ اشاعت بذریعہ فوٹو آفسٹ ممکن ہے۔ ہمارے ہاں قدیم و خستہ حال کتابوں کے بہترین فلم پازیٹو تیار کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی طباعت کا بھی انتظام ہے۔ نرخ نہایت مناسب لیے جاتے ہیں۔
خدمت کے لئے رجوع فرمائیے!
ڈیزائن، نیگٹو، پازیٹو اور طباعت کے ماہر
سہیل ری پرنٹس بک سروس
E/851 نواں محلہ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

تصانیف شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر

و

دیگر مطبوعات ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

تبرید النواظر - مسئلہ حاضر و ناظر پر مفصل کتاب - قیمت -/۹
دل کا سرور - مسئلہ مختار کل پر مدلل تصنیف ـــ قیمت -/۶
مقام ابو حنیفہؒ - امام اعظمؒ پر کئے گئے اعتراضات کے جواب
اور ان کی علمی شان پر ناقابل تردید دلائل ـــ قیمت -/۱۵
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ ـــ قیمت -/۴
البیان الازہر ترجمہ اردو فقہ اکبر ـــ " ۱/۲۵
عمدۃ الاثاث مسئلہ طلاق ثلاثہ ـــ " ۴/۲۵
تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین ـــ " -/۷
تجدید سبائیت بجواب خلافت و ملوکیت ـــ " ۳/۵۰

گلدستہ توحید ـــ قیمت ۳/۷۵
حکم الذکر بالجہر " -/۸
چہل مسئلہ حضرات بریلویہ ـــ ۱/۵۰
سماع الموتیٰ ـــ -/۱۲
آئینہ محمدی ـــ ۱/۲۵
نماز مسنون ـــ ۱/۲۵
چالیس دعائیں ـــ ۱/۲۵
راہ ہدایت ـــ ۴/۵۰
فیوضات حسینی ـــ -/۹

چراغ کی روشنی (مسئلہ معراج) ۲/۵۰ ـــ بانی دارالعلوم دیوبند ۲/۵۰ ـــ دلیل المشرکین -/۸ ـــ کیفیت مناظرہ تحریری ـــ ۴/۲۵
تشریحات سواتی علیٰ ایساغوجی ـــ منطق کی مشہور کتاب ایساغوجی کی مکمل و مفصل شرح ـــ ۶/۵۰

ہماری مطبوعات
ان مقامات سے بھی دستیاب ہیں

- مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ پھول چوک کراچی نمبر ۲
- نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ مدنیہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی معرکۃ الآرا تصانیف

- دمغ الباطل ـــ -/۵۰
- اسرار محبت ـــ ۴/۷۵
- الطاف قدس عربی مع اردو ترجمہ ـــ ۵/۲۵
- تکمیل الاذہان عربی ـــ ۵/۷۵

ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

***

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ رشید اور ان کے علوم کے وارث و امین مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے راولپنڈی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، جہاں وہ پاکستان کی عبوری حکومت کے سربراہ جنرل ضیاء الحق کی قائم کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کی میٹنگ میں شرکت فرمانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی علم اور دین کی خدمت میں گزری اور موت بھی اسی راہ میں ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا حادثۂ وفات علمی دنیا کا زبردست حادثہ اور دینی حلقوں کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان منتقل ہوئے۔ کراچی میں انہوں نے ایک دارالعلوم قائم کیا، جس نے اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر منفرد حیثیت حاصل کر لی۔

پاکستان کے علمی اور دینی حلقوں میں مرحوم کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ ۱۹۷۳ء (یہ صحیح نہیں بلکہ ۱۹۷۴ء ہے) میں تمام دینی جماعتوں نے متفقہ طور پر تحریک ختم نبوت کا صدر انہیں منتخب کیا تھا اور انہی کی سربراہی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں کامیابی ہوئی تھی۔

کئی کتابوں کے مؤلف اور مترجم تھے ترمذی شریف کی شرح کا سلسلہ جاری تھا جس کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اگر یہ شرح مکمل ہو جاتی تو اسلامی کتب خانوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہو جاتا۔ ایک وقیع علمی اور دینی رسالہ "بینات" (کراچی) مرحوم کی سرپرستی میں نکلتا رہا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جلسہ تعزیت میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی نے جس درد و اثر میں مرحوم کی زندگی اور ان کی علمی اور دینی خدمات پر روشنی ڈالی اس سے ان حضرات کے قلبی تعلق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات، لکھنؤ

اشاعت ۲۷ ذی قعدہ ۹۷ ہجری۔ ۱۰ نومبر ۷۷ء

**

اَن گنت عقیدتوں کے مرکز، ممتاز عالم دین، اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

موت العالِم موت العالَم، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و ملّی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر اور مدرسہ عربیہ کراچی کے بانی سربراہ کی حیثیت ہی سے جانے پہچانے متدین عالم تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ نے بیرونِ ملک کئی تبلیغی دورے کیے۔ سعودی عرب، لیبیا اور مصر میں موتمر عالم اسلامی کے اجلاسوں میں شرکت کی۔

آپ کی متعدد تصانیف دینی و علمی حلقوں میں احترام اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔ مرحوم نے پاکستان میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں ان سے ہر پاکستانی ہی نہیں بلکہ بیرونِ اسلامی دنیا بھی آگاہ ہے۔

مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے۔ خدا تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

ادارہ "چٹان" مرحوم کے پسماندگان اور عقیدتمندوں کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

چٹان

(۲۴ اکتوبر ۷۷ء)

**

مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے علم و عمل اور نیکی و راست بازی کی بناء پر ایک مینارۂ نور تھے ان کی علمی بصیرت و فراست بے مثال تھی وہ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ان چار شاگردوں میں سے ایک جن کو علامہ کے علم کا وارث کہا جاتا ہے علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے مقدمہ بہاولپور میں ختم نبوت کے متعلق وہ علمی بیان دیا تھا کہ جس کو سننے کے بعد عدالت بہاولپور نے اپنا تاریخی فیصلہ لکھا تھا اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو ان کی ختم نبوت کے ساتھ عشق ایسی لگن دیکھنے کے بعد مولانا احمد علیؒ کی مسجد شیرانوالہ میں پانچ سو علماء کی موجودگی میں امیر شریعت کا لقب دیکر بیعت کی تھی اور یہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہی تھے کہ جن کی وفات پر علامہ اقبالؒ نے یونیورسٹی ہال میں تعزیتی جلسے میں روتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اسلام کی گذشتہ پانچ صد سالہ تاریخ انور شاہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ پاکستان کی وہ واحد شخصیت ہے جو اپنے خالص علمی و تصنیفی مشاغل کی وجہ سے پورے عرب ممالک میں متعارف ہیں اور تمام عربی ممالک کے اکابر علماء کے ہاں آپ کے لئے عقیدت و احترام پایا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل جب مجلس عمل کا صدر منتخب کیا گیا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجلس عمل کے مطالبات پیش کرنے اور منوانے کے لئے ایک ایسے قائد کی ضرورت تھی جو علمی اعتبار سے نہ صرف پاکستان کی ممتاز ترین شخصیت ہو بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں بھی اس کا تعارف و شہرہ ہو۔ مولانا کے تبحر علمی کے لئے صرف ایک واقعہ بطور مثال پیش ہے۔ ماضی قریب میں مصر میں ایک مایۂ ناز عالم ہوئے جن کا نام علامہ طنطاوی ہے۔ انہوں نے عربی میں قرآن پاک کی ایک ضخیم تفسیر جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے، تحریر کی جس کا نام "جواہر القرآن،، ہے۔ اور اس تفسیر کو اس دور کی تفسیر کبیر (امام رازیؒ کی تفسیر کا نام) کہا جاتا ہے۔ اس میں علامہ طنطاوی مرحوم نے سائنسی اور مادی علوم نیز فلسفہ جدیدہ پر بحث کرتے ہوئے اکثر جگہ لکھا ہے کہ ان تمام علوم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور بعض بزرگوں کی طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ دنیا کا ہر علم قرآن مجید میں موجود ہے، مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے جب یہ تفسیر پڑھی تو ان کو علامہ صاحب کے ان تاثرات و محسوسات پر افسوس ہوا کہ اتنا بڑا آدمی ایسی فاش غلطی میں مبتلا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع انسانی ہدایت ہے اور وہ اپنی الہامانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ خلق و مخلوق کے اس تعلق اور رشتہ کے متعلق بحث کرتا ہے جو ایک عابد و معبود کے درمیان ہونا چاہیئے نہ کہ مادی علوم میں رہنمائی۔ اور اگر کائنات یا مشمولات کائنات کے متعلق آیات آتی ہیں۔ جن میں شمس و قمر اور کواکب و جبال یا بر و بحر کا تذکرہ آتا ہے تو اس سے بھی رب العالمین کی ربوبیت اور خالق و مالک ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے نہ کہ کچھ اور۔ . . .

مولانا نے قصد فرمایا کہ علامہ طنطاوی سے بالمشافہ گفتگو کر کے ان کے غلط نظریات سے انہیں آگاہ کیا جائے۔ ظاہر ہے ایک عجمی عالم کا عربی عالم اور وہ بھی علامہ طنطاوی جیسے کو سمجھانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مولانا پہلے مکہ معظمہ حاضر ہوتے اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر ملتزم سے لپٹ کر رو رو کر انشراح صدر کی دعا مانگی کہ یا اللہ تیرے قرآن کے بارے میں علامہ طنطاوی سے بات کرنے جا رہا ہوں، مجھے یہ صلاحیت و استطاعت عطا فرما۔ وہ اہل زبان اور بڑے عالم ہیں۔ مجھے یہ توفیق دے کہ انہیں صحیح بات سمجھا سکوں، چنانچہ مولانا نے قاہرہ پہنچ کر علامہ موصوف سے بات چیت کی اور اپنے تمام اعتراضات جو ان کی تفسیر پر تھے۔ وارد کئے علامہ طنطاوی مرحوم اپنے قصور فہم کا اعتراف کرتے ہوئے بحث کے دوران کبھی کبھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر بہت تعجب کے لہجے میں فرماتے۔

الآن افہم منک معنیٰ ہٰذا الحدیث

ترجمہ:۔ میں اس وقت آپ سے اس حدیث کا معنی سمجھا ہوں۔ آخر میں فرمایا کہ

ما انت عالمٌ ہندی انما انت ملک۔ نزل من السماء لاصلاحی

ترجمہ:۔ تم محض ایک ہندی عالم نہیں ہو بلکہ درحقیقت فرشتہ ہو جو آسمان سے میری اصلاح کے لئے اترا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہندوستان کے شاید سب سے بڑے عالم سے محو گفتگو ہوں۔ مولانا بنوری نے فرمایا کہ نہیں ہندوستان میں اتنے بڑے بڑے علماء موجود ہیں کہ میں ان کے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہوں۔ ان دنوں مولانا کے کئی اساتذہ بقید حیات تھے اور مولانا کا یہ قول باوجود انکساری کے صحیح بھی تھا۔

مولانا بنوری قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان چلے آئے اور ان کی یہ تشریف آوری شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مشورہ پر ہوئی تھی کہ شیخ الاسلام کا خیال تھا پاکستان میں ایک مرکزی دار العلوم قائم کیا جائے جس میں یگانہ روزگار اساتذہ حدیث کو جمع کیا جائے اور یوں ملک میں اسلامی تعلیم و تدریس کا سب سے بڑا مرکز قائم ہو۔ مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا سید محمد بدر عالم اور مولانا ظفر احمد عثمانی، ان حضرات کو علامہ صاحب نے اس مرکز میں تدریس حدیث کے لئے تجویز کیا اور یہ دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں قائم ہوا۔ شیخ الاسلام کی عمر نے وفا نہ کی۔ پھر وہ جلد خالق حقیقی سے جا ملے اور مولانا محمد یوسف صاحب نے بعض انتظامی امور میں اختلاف کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کر کے ایک نئے مدرسہ، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کی بنیاد رکھی ٹنڈو اللہ یار کے دار العلوم کے مہتمم مولانا احتشام الحق تھانوی ہیں، مولانا نے نیوٹاؤن میں جو مدرسہ قائم کیا آج وہ ملک میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ اور اپنے نظم و ضبط، درس و تدریس اور عمارت کی دلکشی و خوبی اور صفائی و پاکیزگی کے لحاظ سے تمام مدارس عربیہ پر فوقیت رکھتا ہے اگر کسی اسلامی ملک کے نامور سرکاری یا غیر سرکاری شخصیت کی پاکستان میں آمد ہوتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کی جانب سے ان کو مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کا معائنہ کرایا جاتا ہے اور اس سے یہ تاثر دینا مقصود ہوتا ہے کہ ہمارے

ملک میں بہت عمدہ دینی مدارس ہیں گویا یہ ہماری سرپرستی میں چل رہے ہیں اور ہر حکومت اس طرح اپنی کارکردگی ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں شیخ ابو ظبی کو جامعہ اشرفیہ کو مدرسہ عربیہ دکھایا گیا۔ حالانکہ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کا ساری خوبی مولانا محمد یوسف بنوریؒ تھے۔ ؎

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
وہ بات جو مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

چٹان لاہور

**

مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا انور شاہ کاشمیری، اور مولانا اشرف علی تھانوی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ کی آخری یادگاروں میں سے تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کے خاموش سپاہی تھے۔ نام و نمود اور آن بان سے کوسوں دور .... مگر اپنے کردار اور عمل کے لحاظ سے وہ دلوں کے بادشاہ تھے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انہوں نے نیو ٹاؤن کراچی کے دارالعلوم میں گذارا۔ مرحوم اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی تھے۔

زندگی لاہور ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء

**

کراچی ہی میں سکونت پذیر ایک اور صاحب علم و فضل بزرگ مولانا سید محمد یوسف بنوری بھی بعمر ۷۰ سال انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

مرحوم، علمائے دیو بند میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کے حامل تھے اور اپنے علم و فضل، زہد و ورع، دینی غیرت و حمیت اور دینی و علمی خدمات کی بناء پر ہر مکتب فکر میں قدر و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی کو انہوں نے اپنا مسکن بنایا اور نیو ٹاؤن میں جامعہ عربیہ کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو مرحوم کی ان تھک مساعی سے بہت جلد بام عروج پر پہنچ گیا، اور اس وقت وہ ایک منفرد مقام کا حامل ہے۔

عمر کا بیشتر حصہ تدریس و تصنیف میں گذارا، عملی سیاست سے کنارہ کش رہے، وہ اس وقت ضرور منظر عام پر آئے جب بھٹو حکومت میں

شربت فولاد چار دھاتہ ایک لاکھ!

ــــ ہمارے دواخانہ سے ــــ

ہر قسم کی جڑی بوٹیاں، موتی، عنبر، یاقوت، زعفران، کستوری، زمرد، تیزاب، عطریات

ــــ بارعایت خرید فرماویں ــــ

ہمارے ادارہ کا بنا ہوا شربت فولاد چار دھاتہ ایک لاکھ کثیر الفوائد کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل کر چکا ہے ــــ آج ہی منگوائیں۔

نسخہ جات احتیاط سے تیار کئے جاتے ہیں!

کرم پنسار دواخانہ، ریل بازار، عارف والا ــــ فون ۹۰۳ / ۸۲۰

تحریک ختم نبوت چلی، وہ اس تحریک کے سربراہ رہے۔ تحریک کی آئینی حد تک کامیابی کے بعد وہ پھر حسب سابق گوشہ نشین ہو گئے۔ آج کل وہ اسلامی نظریئے کی کونسل کے رکن تھے۔ اس نام کی کونسل تو اگرچہ ایوب خانی حکومت بلکہ اس سے بھی پہلے کی چلی آ رہی ہے لیکن ان ادوار میں اس کونسل کے قیام کا مقصد اسلامی نظام کی تدوین و نفاذ نہ تھا، بلکہ محض الفاظ کی شعبدہ بازی اور اصطلاحات کا مینا بازار سجانا مقصود تھا۔ تاہم آج کل اس کونسل سے مخلصانہ کام لینے کا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے اور اس لحاظ سے اس وقت ان کی بڑی ضرورت تھی۔ لیکن ان کا وقت پورا ہو چکا تھا اور وہ اپنے اللہ سے جا ملے۔ اللہ تعالٰے مغفرت فرمائے۔ اور ان کے پسماندگان اور تلامذہ کو پاکستان میں دین اسلام کے نفاذ کی جد و جہد میں اسی طرح بھرپور حصہ لینے کی توفیق سے نوازے جس طرح مرحوم حصہ لیتے رہے

الاعتصام لاہور

۲۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء

••••••••••••••

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس سانحہ پر برصغیر پاک و ہند کے مسلمان ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام تڑپ اٹھا ہے خصوصاً مسلم دُنیا کے علماء، عربی و دینی مدارس کے اساتذہ اور اہل قلم و اصحاب دانش کے حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی ہے۔ مولانا کا شمار صرف اس برصغیر ہی کے نہیں بلکہ عالم اسلام کے صف اوّل کے علماء میں ہوتا ہے اور پاکستان میں ان کی شہرت اور ہردلعزیزی علماء و فضلاء کی مجلسوں سے نکل کر عامۃ الناس تک پہنچ چکی ہے۔ خصوصاً ختم نبوّت کی تحریک میں مولانا نے جو اہم کردار ادا کیا اس نے پاکستانی عوام کے دلوں میں ایک گہرا نقش مرتسم کیا تھا۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ علم دین کی خدمت کرنے میں صرف کر دیا۔ انہوں نے علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مصلحِ اُمت کے حلقۂ ارادت سے وابستہ رہے اور ان کے خلفاء کی صفِ اوّل میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کے ان عظیم اساتذہ کے اس مشن کو جاری رکھا جس کا مقصد مسلمانوں میں دینِ اسلام پھیلانا اور علماء و فقہاء پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ وہ تقسیم ملک سے پہلے برصغیر میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) اور پھر قیام پاکستان کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر کی حیثیت سے دین کی خدمت سر انجام دیتے رہے۔ پھر کراچی نیو ٹاؤن میں مدرسہ العربیہ کی بنیاد رکھی اور آخری وقت تک یہیں رہے، یہ درسگاہ مرحوم کی علمی و تدریسی مشاغل کا مرکز بنی رہی۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ صرف عالم اور معلم ہی نہیں تھے بلکہ ایک اعلیٰ پائے کے محقق اور مصنف بھی تھے اور ان کی زیادہ تر تصانیف عربی زبان میں تھیں۔ خصوصاً علمِ حدیث کی مولانا نے زبردست خدمت کی۔ اور اس پر ان کی کتابوں کو پورے عالم اسلام میں شہرت حاصل ہوئی ان میں جامع ترمذی کی شرح "معارف السنن" کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ان علمی خدمات کے علاوہ مولانا مرحوم پاکستان میں اسلامی دستور اور اسلامی نظام کی کوششوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے تھے اور ان ۳۱ علماء میں تھے جنہوں نے اسلامی دستور کے لیے متفقہ سفارشات پیش کی تھیں۔

اسی طرح تحفظ ختم نبوّت کی تحریک کیلئے مولانا مرحوم نے اپنے قلم و زبان سے ان تھک جد و جہد کی اور مرکزی مجلسِ عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر کی حیثیت سے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ انتہائی مخلص عالمِ دین تھے۔ سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ ہمیشہ سیاست سے اور ہر طرح کے دنیاوی جھگڑوں سے اپنا دامن بچا کر بڑی خاموشی سے قرآن و حدیث کے علم کو پھیلانے اور علماء و فقہاء کی تیاری کے کام میں مصروف رہے۔ اس مرتبہ علمی و دینی خدمات کی بناء پر مولانا کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن منتخب کیا گیا تھا۔ اس وقت پاکستان کو اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالمِ دین کی شدید ضرورت تھی!

آہ! دین کا کیسا عالم اور اسلام کا کیسا سپاہی ہم سے جدا ہو گیا۔ آج ان کی خالی جگہ کو پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ جس دور میں مسند نشین و مصلحت بین علماء کی کثرت ہو اور قحط الرجال ہو، ایک ایسے بوریہ نشین عالم کی جدائی جس نے سادگی و حق گوئی کو اپنا شعار بنایا ہو اور جو اپنے قلم و زبان سے دین کی اشاعت میں مصروف رہا ہو، ایک بہت بڑا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازے، کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں اور ہم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمادیں۔ (آمین)

جنگ کراچی / راولپنڈی

*

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مکتبِ دیوبند کا ایک اور روشن چراغ بجھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ پیر کی صبح کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بڑے متبحر عالم اور سیرت و کردار کے لحاظ سے بہت بڑے انسان تھے۔ ہر بڑے آدمی کا دنیا سے اٹھ جانا نقصان دہ ہوتا ہے۔ خواہ موت کسی کی بھی ہو، کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت ہو، کسی بھی جگہ نقدِ جان کو نذرانہ حق تعالیٰ کے طور پر طلب کر لے۔ چنانچہ اس اعتبار سے مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا سفرِ حیات جب بھی ختم ہوتا اسے المیہ ہی سمجھا جاتا لیکن اس حقیقت کے احساس کے باوجود آج مولانا کا سانحہ ارتحال واقعتہً ناوقت اور ناقابلِ تلافی نقصان نظر آتا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ انہیں زندگی کی تھوڑی سی مہلت دیتا تو وہ جس عظیم الشان کام میں ہمہ تن مصروف تھے اس کی تکمیل میں ان کے تبحر علمی اور تعاون سے پوری قوم کو فیض پہنچتا۔

مولانا نے زندگی بھر اتنا علمی اور تبلیغی کام کیا ہے کہ وہ ان کے لیے بہت وافر زادِ آخرت ہے۔ تاہم مولانا کو اپنی زندگی میں جو سب سے بڑی سعادت نصیب ہوئی، وہ ہمارے خیال میں ان کی قیادت میں بے مثال تحریک ختمِ نبوت کا برپا ہونا اور اس کے نتیجے میں نوّے برس پرانے فتنہ قادیانیت کے بارے میں پہلی بار مؤثر انسدادی کارروائی کا عمل میں آنا یعنی قادیانیوں کا آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا ہے۔ اس تحریک کے سلسلے میں مولانا کی عالمانہ اور قائدانہ مساعی کو مناسب خراج ادا کرنا ممکن نہیں۔

آج مولانا نظریۂ اسلامی کی کونسل کے مشاورتی اجلاس میں بہت اہم ذمہ داری کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار اس کونسل کو حکومتی سطح پر غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور سنجیدگی سے اس ادارے کو نظامِ اسلامی کی تاریخ میں پہلی بار اس کونسل کو حکومتی سطح پر اس ادارے کو نظامِ اسلام کے تاریخی ارتقاء اور نفاذ کا وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ ادارہ ان دنوں غیر معمولی رفتار اور جانفشانی سے اس کام میں مصروف ہے جو اس ملک کے کروڑوں شہریوں کی آرزوؤں اور امنگوں کا محور ہے۔

اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے دوران مولانا کا یوں اچانک ہم سے علیحدہ ہو جانا، ایسا حادثہ جانکاہ اور عظیم سانحہ ہے کہ جس کی

تڑپ تو محسوس کی جا سکتی ہے، تاہم بیان نہیں کی
جا سکتی۔ خدا مولانا کے درجات بلند فرمائے اور
ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ نیز ان
کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں تلامذہ کو ان کی سیرت و
کردار کی خوبیاں اپنانے اور ان کے نقشِ قدم
پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

جسارت کراچی

*

اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور ممتاز عالم
دین مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ رحلت
فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔
ان کا شمار جید علماء، مفسرین اور محدثین میں ہوتا
ہے۔ ان کی ساری زندگی اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و
اشاعت، قرآنِ حکیم کی شرح و تفسیر اور درسِ
حدیث میں گذری وہ اتحادِ عالمِ اسلام کے پُرجوش
محرک اور داعی تھے۔ چنانچہ انہوں نے موتمر عالم
اسلامی کے اجلاسوں میں شرکت کی اور وہ اس سلسلے
میں سعودی عرب، لیبیا اور مصر گئے۔ دینِ متین کی
تبلیغ کی غرض سے یورپ کا بھی تفصیلی دورہ کیا۔ وہ
صاحب تصنیف و تالیف بھی بہت پائے کے تھے۔
انہوں نے ترمذی شریف کی شرح لکھی جو کہ چھ
جلدوں میں طبع ہوئی۔ مشہور مصری عالم علامہ طنطاوی
کی تفسیر پر آپ کا تبصرہ ایسا جامع اور مبسوط ہے
کہ خود علامہ نے ان کی بے حد تعریف کی ہے۔
مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند
سے فارغ التحصیل تھے۔ آپ نے عربی میں شعر
اور نعتیں بھی لکھی ہیں جو عربی رسالوں میں چھپتی رہتی تھیں۔
انہیں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری سے شرفِ تلمذ
حاصل تھا۔ آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے صدر مدرس
اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس پر مامور
رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ٹنڈو الہ یار (سندھ)
میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اور بعد میں نیو ٹاؤن
کراچی میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی اور اس
کے مہتمم کے فرائض سنبھالے رہے۔

آپ کی وفات پر ملک بھر کے علماء کرام نے
دلی رنج و الم کا اظہار کیا ہے اور صحیح کہا ہے کہ
ان کی رحلت سے قوم ایک عالم بے بدل سے محروم
ہو گئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی
مغفرت کرے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں
جگہ دے۔

امروز لاہور

*

ممتاز عالم دین، مجلس تحفظ ختم نبوت کے
صدر اور اسلامی نظریہ کی کونسل کے رکن مولانا سید محمد
یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ایک عظیم قومی
سانحہ ہے، مرحوم بلاشبہ علم و فضل کا بحرِ بے کراں
تھے۔ فقہی مسائل پر ان کی اتنی گہری نظر تھی کہ وہ
بین المسلمین اختلافی مسائل کو انتہائی خوش اسلوبی سے حل
کر دیتے تھے اور ہر فریق ان سے پوری طرح مطمئن و
خوش نظر آتا تھا، اور ان کی تشریح سے ہر فریق
مطمئن ہو جاتا تھا۔
مرحوم کا شمار ان معدودے چند علمائے دین میں
سے ہوتا تھا جنہیں بیرونِ ملک بھی مسلمہ حیثیت حاصل
رہی ہے۔ ان کی کتب اس وقت بھی مختلف عرب
ممالک کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہیں۔
انہیں عربی زبان پر عرب عالموں سے بھی زیادہ
عبور حاصل تھا۔ اسی لیے انہوں نے براہِ راست عربی
زبان میں تصنیف و تالیف کا گرانقدر کام سر انجام دیا۔
ان کی پوری زندگی دینی علوم کی تدریس میں گذری۔ اس
لیے دنیا بھر میں ان کے ہزار ہا شاگرد موجود ہیں جن
کا حلقہ بہت زیادہ وسیع ہے۔
مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک
ختم نبوت کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں
بڑا سرگرم کردار ادا کیا تھا اور اپنی رحلت سے قبل
وہ ملک میں نفاذِ شریعت کے ارفع مقصد کے لیے
اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل میں انتہائی قابلِ قدر
خدمات انجام دے رہے تھے۔ وہ اس کونسل کے اجلاس
میں شرکت کے لیے راولپنڈی آئے ہوئے تھے کہ
مختصر سی علالت کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے صدر مسٹر جسٹس محمد افضل چیمہ نے بجا طور پر ان کی رحلت پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ کونسل کو مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا متبادل مشکل ہی سے ملے گا۔ بلا شبہ دینی اور فقہی امور میں مرحوم کی رائے کو سند کی حیثیت حاصل تھی۔ اس صائب الرائے انسان کو ایک ایک موضوع پر سینکڑوں احادیث اور آیات ازبر تھیں اور وہ مشکل سے مشکل مسئلے کو آسان بنا دیتے تھے اور اس کو پوری شرح و بسط کے ساتھ ہر کسی کے لیے آسان بنا دینا ان ہی کا کام تھا۔ اس نابغۂ روزگار شخصیت کے رحلت کر جانے سے ملک کے دینی حلقوں میں جو خلأ پیدا ہو گیا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔

مشرق لاہور

*

مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ستر برس کی عمر میں بعارضہ قلب راہیٔ عالم آخرت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

ان ۷۰ برس میں مولانا مرحوم نے اپنی عمر عزیز کے پچاس سال سے زیادہ عرصہ علمی، تعلیمی اور اشاعت و تبلیغ دین کی نذر کیا، جن کا دینِ حق اور عشقِ رسول سے گہرا تعلق ہے، خصوصاً شرح حدیث میں انہیں نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ درویش اور درویش سیرت عالم تحفظ ختم نبوت کی تحریک ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آیا، جب ان کو مجلس کی سربراہی سپرد کی گئی اور جب تحریک کا مقصد حاصل ہو گیا تو یہ نمود و نمائش سے بھاگنے والا عالم چپ چاپ اپنے زاویۂ نگاہ کو تبلیغ و تدریس پر مرکوز کر کے یکسوئی میں چلا گیا، علمی خدمت ہو یا اشاعتِ دین، وہ ہر جگہ موجود ہیں۔ کوئی بھی دینی مجلس انکے نام سے خالی نہیں۔ انکے حسین نام کیطرح ان کے کردار میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے جمالِ کردار کی جھلک نظر آتی ہے اور انکے اٹھ جانے سے پوری دنیائے اسلام نے علمی و تحقیقی میدان میں ایک خلأ محسوس کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا علم و فضل کے اعتبار سے کیسے مقامِ بلند پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات آخرت میں بلند کرے اور ان کے سوگواروں کو صبر کی توفیق دے۔

نوائے وقت لاہور

سلف الصالحین کا نمونہ، علم و عمل کے پیکر، دینی و ملی روایات کے امین، ممتاز عالم دین اور منفرد استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے سربراہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی موت فی الواقع ایک عالم کی موت ہے، پاکستان میں مختلف مکاتیب فکر سے وابستہ اور ان کی رہنمائی کے مقام پر فائز متعدد علمائے کرام موجود ہیں اور ان سب کا فیض اپنے اپنے حلقے میں جاری و ساری ہے، لیکن مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ منفرد اعزاز حاصل تھا کہ ان کا احترام سب حلقوں میں کیا جاتا تھا۔ وہ کم ازکم متنازعہ مقام اور شخصیت کے حامل تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہے، اور وقتی اور ہنگامی مسائل و مشاغل و مراحل سے بہت کم واسطہ رکھا۔ لیکن جب کبھی مصالح دینی کا تقاضا ہوا تو رزم حق و باطل میں مثلِ فولاد معرکہ آرا ہونے سے کبھی گریز نہ کیا۔ چنانچہ تحریک ختم نبوت میں آپ کا کردار تاریخی اور بے مثل رہا۔ آپ نے پیرانہ سالی کے باوجود اس تحریک کی مؤثر اور بھرپور قیادت کی اور اسے کامیاب انجام تک پہنچایا۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن کی حیثیت سے منفرد اور ممتاز اسلامی خدمات کا بیڑہ انہوں نے اٹھایا تھا، لیکن خدا وند تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا، کہ کونسل کے غور و خوض کے موجودہ اہم مراحل میں وہ مزید اس کے ساتھ وابستہ رہیں۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین متوسلین اور شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے توقع کی جانی چاہیئے کہ یہ لوگ مولانا بنوری مرحوم کے جاری کردہ چشمۂ فیض کو جاری و ساری رکھیں گے اور ان کے فیوض و برکات کا سلسلہ وسیع تر کرنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین!

وفاق لاہور

*

مکتوبِ گرامی

*

ایڈیٹر: "انٹرنیشنل الیقین" کراچی

بنام

ایڈیٹر "خدام الدین" لاہور

*****

برادرِ مہربان! سلامت باکرامت

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ! مزاجِ گرامی

آپ کی دفتر میں تشریف آوری اور پھر غریب خانہ پر ملاقات کی یاد تازہ ہے اور جذبہ ایفائے عہد کا تقاضا ہے کہ عریضہ ارسال کر کے کیفیتِ حال سے مطلع کروں۔

جن صاحب کے بل بوتے پر میں نے چند گزارشات کا وعدہ کیا تھا انہوں نے بہت ہی زیادہ احتیاط سے کام لیا اور کچھ کہنے سننے اور بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ غالباً مجھے یہ نہیں بتانا چاہیے تھا کہ میں کسی مضمون کے مواد کا متلاشی ہوں، بہت ممکن ہے کہ اس وجہ سے گریز فرمایا کہ منہ سے نکلی تو کوٹھوں چڑھتی ہے، اخبار میں چھپتی تو غضب ڈھاتی ہے، حالانکہ ان کا صبح و شام کا اٹھنا بیٹھنا تھا اور روزانہ کی ملاقات!

بہرحال میں نے تو حضرت مولانا کو صرف دور دور سے ہی دیکھا اور وہ بھی کبھی کبھار، مگر نہ معلوم کیا وجہ کہ ان کی وفات حسرتِ آیات کا دل پر اس قدر اثر ہے کہ غم ہے کہ کسی لمحہ غلط نہیں ہوتا۔ بار بار لوٹ لوٹ کر ان کا متبسم چہرہ اور ان کی جاذبِ نظر شخصیت سامنے آتی رہتی ہے، ان کے حالاتِ زندگی کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو ایک طویل دفتر کے مصداق ہیں.... چنانچہ ان کا ذوقِ نفیس ہر شعبۂ زندگی میں جلوہ فرما تھا، چاہے وہ گفتگو ہو، افہام و تفہیم کے لیے یا تبشیر و تنذیر کے لیے، نہایت ہی پسندیدہ انداز میں کلام فرماتے کہ سننے والا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اور سراپا متوجہ اور ہمہ تن گوش! معیار اس قدر بلند و بالا کہ مدرسہ اس کی نظیر جو دینی مدارس میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس قدر حلیم اور فروتنی کے باوجود نظم و نسق اس قدر مضبوط کہ کیا مجال کہ کوئی کام ادھر سے اُدھر ہو جائے اور کوئی وقت ٹل جائے۔ ہمہ قسم کی مصروفیات کے باوجود خاطر تواضع، مہمانداری میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ ہر شخص اور ہر مذاق کی تسکین نامہ کا انتظام اور وہ بھی فی الفور۔ چائے اس قدر نفیس کہ برسوں اس کا مزہ منہ میں تازہ رہے۔ خود بھی ایسی ہی پسند فرماتے تھے اور تواضع بھی اسی قسم کی چائے سے فرماتے تھے۔

لباس اور خوراک میں شاہانہ نفاست اور مجاہدانہ سادگی تھی۔ عزیمت کا تو پوچھئے نہیں، یہ شاندار جامع مسجد اور عالی شان مدرسہ شروع میں ایک جھونپڑے سے بڑھ کر نہیں تھا۔ واقعتہ ایک احاطہ

کھینچ کر کچی زمین پر چھپر کی چھت ڈالی گئی، بارش سے زمین نم ہو جاتی تھی، وہاں ہی بندگانِ خدا اپنا سرِ تسلیم خم کرنا فخر سمجھتے تھے، اپنے پروردگارِ عظیم کے حضور میں!

مولانا پر عسرت کا وقت بھی آیا ہے یہی نہیں کہ اول سے آخر تک شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ مہیا رہے ہوں. نہیں، مہینوں ایسے گذرے کہ مشاہرہ سے بھی محروم رہے ہیں مگر خدمت میں ہمہ تن مصروف و محو۔ یہ اوصاف سچے اللہ تعالیٰ کے سچے بندوں میں ہوتے ہیں جن سے بڑے بڑے کام سرانجام کرانے ہوتے ہیں۔ علم و فضل کے لحاظ سے ہر محفل کے صدر نشین اور عجز و انکسار کے لحاظ سے ہر دل کے مکین! علومِ عقلیہ و نقلیہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، اسی لیے بڑے بڑے مقاصد اور مرحلوں میں بلا روک ٹوک آگے بڑھے۔ اور قادیانی جیسے دیرینہ فتنے کا سدِ باب بلکہ قلع قمع کس حسن و خوبی سے کیا۔ یہ فضل حق اللہ جل شانہٗ کا تھا جو ان کے ساتھ ہر حال میں شریک رہا۔

حضرت مولانا کی حیثیت ایک شفیق باپ، ایک شفیق استاذ اور ایک مخلص محب ہزاروں سینکڑوں گھروں، خاندانوں بلکہ شہروں اور صوبوں میں کار فرما ہو کر نورِ حق کی جلوہ پاشی کا حق ادا کرے گی، نہ صرف پاکستان بلکہ اسلامی دنیا اور ممالکِ اسلامیہ میں ان کے ذاتی احسانات کا چرچا ہے اور یہی وجہ ہے ان کی غیر معمولی مقبولیت اور محبوبیت کی، ورنہ یہ دنیا دار فانی ہے کون کس کو یاد کرتا ہے مگر اس میں چند ہستیاں مستثنیٰ بھی ہوتی ہیں، جن کی یاد باعثِ یاد حق ہوتی ہے اور اسی لیے تا دیر دل میں سمائے رہتی ہے۔

مجھ جیسے دُور افتادہ اور خانہ نشین شخص پر جب اس قدر اثر ہے تو ان حضرات کے جذبات کا اندازہ لگانا کیا مشکل ہے جن کا حضرت مولانا سے براہِ راست تعلق تھا۔

اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے! آمین،

فقط والسلام، خلیق احمد، صدیقیہ منزل
۱۱۴ مرزا کلیم بیگ روڈ۔ کراچی

محمد اشرف
پروفیسر شعبۂ عربی۔ پشاور یونیورسٹی

مکرم و محترم۔ دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کے دو ہمدردی بھرے نامے ملے شکر گزار ہوں۔ کہ جواب سے بیماری کیوجہ سے قاصر رہا کوئی دو ہفتہ ہوئے دل کی تکلیف ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام و سکوت کا مشورہ دیا ہے۔ اسلئے فی الحال کسی کام کو نہیں کر سکتا۔ دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ صحت و توفیق دے کہ اپنے حبیب و محبوب حضرۃ الاستاذ امام بنوری نور اللہ مرقدہٗ کی محبت... میں رفیق خدام الدین بنوری نمبر میں شریک ہو سکوں!

دل تو بس میں نہیں دوسری بیماری ہوتی۔ تو ہر طرح کوشش کرتا تاہم اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ فضل فرمائیں گے۔ آپ سے دعا کا امیدوار ہوں

والسلام ناچیز محمد اشرف
۸ محرم ۱۳۹۸ھ

بخدمت گرامی جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی
مدیر خدام الدین۔ شیرانوالہ گیٹ
لاہور

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

نمبر ——— مورخہ ———

بخدمت گرامی السلام ایڈیٹر صاحب خدام الدین

برادر مکرم جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ گذشتہ دنوں اچانک ملاقات بہت خوشی ہوئی۔ افسوس کہ تنگیٔ وقت اور مصروفیات کی بنا پر ملاقات نہ ہو سکی۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شدت جذبات میں ایک غزل بشکل نظم کہی تھی۔ اگر خدام الدین کے معیار کے مطابق ہو تو زہے قسمت ورنہ شامل ردی کر دیا جائے۔

امید ہے موصوف حضرات بخیر و عافیت ہوں گے۔ [illegible] قابل رشک [illegible] خدام الدین کی حیثیت سے بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ والسلام

[illegible]

عبدالحلیم [illegible] استاذ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بقیہ : مولانا بشیر احمد حامد

فرماتے اور پھر تجزیہ و تنقیح کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار فرماتے کہ عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ، عبارتی متعلقات میں سے ہر ایک اپنا صحیح صحیح مقام حاصل کر لیتا۔ اور ساتھ ہی مسئلہ زیر بحث اتنا صاف اور واضح ہو جاتا کہ مزید کسی وضاحت کی حاجت باقی نہ رہتی پھر متن کے دائرے سے باہر نکلتے اور تقریب الماخذ اور تقریب الفہم دلائل ذکر کرتے مسئلہ پہلے ہی واضح تھا اب اور زیادہ واضح ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بحث کے دائرے کو اور پھیلا دیتے اور اب کے جو دلائل شروع ہوئے تو پھر کیفیت دیدنی ہوتی بس ایسے ہوتا جیسے دریا کی طغیانی نے دامان طلاطم جھاڑ دیا ہو اندریں حال مضبوط سے مضبوط تر دماغ جو اخذ و ضبط کا خیال دل میں جمائے بیٹھا ہوتا اس کا دماغ تربیلا کی سرنگوں کی طرح لرزہ پذیر ہو کے رہ جاتا! نیز الیفاح و استدلال کے یہ تینوں مرحلے ایسے ہم آہنگی لئے ہوتے کہ عام طلبہ اس باریک لیکن واضح فرق کو محسوس نہ کر پاتے۔ اردو وہ واحد زبان تھی جس کو حضرت مولانا کے حلقہ درس کی زبان ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اگر کوئی طالب علم پشتو میں سوال کرتا تو جواب اردو میں دیتے ایک دفعہ تفسیر قرآن پڑھا رہے تھے کہ ایک عورت آکر بیٹھ گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں یورپ کا طویل ترین دورہ کر کے آئی ہے۔ اور اسلام پر اس کی سٹڈی (مطالعہ) بہت وسیع ہے۔ اور اب وہ دوبارہ یورپ کے تبلیغی دورے پر جانا چاہتی ہے۔ اس غرض سے اسلام کے بارے میں اپنے نالج (معلومات) میں اضافے کی خواہش سے آئی ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ ضرور آئیں لیکن پردے میں علیحدہ بیٹھیں وہ کہنے لگی ایسے تکلف کی کوئی بات نہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا تکلف نہیں، شریعت کا حکم ہے۔ اور ہم نے اسے یہ بھی بتایا کہ جوتوں سمیت مسجد میں آنا جانا آداب مسجد کے خلاف ہے آپ جوتے باہر اتار لیا کریں۔ دوسرے روز آئی تو کہنے لگی کہ کئی دوسری خواتین بھی شریک درس ہونے کا شوق رکھتی ہیں۔ اگر آپ اجازت فرمائیں؟ حضرت نے فرمایا بڑی خوشی سے تشریف لائیں۔ ہم آپ لوگوں کے لئے پردے کا انتظام کر دیں گے۔ ضرور استفادہ کریں ۔ ۔ ۔ وہ کہنے لگی پردے میں بیٹھنے کو وہ گوارا نہیں کرتیں تب فرمایا ہم انہیں اجازت دینے سے معذور رہیں۔ پھر وہ صاحبہ کئی روز تک آتی رہیں ایک روز ہم سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ بحث مسئلہ طلاق تک پہنچی تو وہ تعجب اور حیرت سے پوچھنے لگیں کہ واہ! اسلام میں کیا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ مرد کو طلاق دے سکے ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے! کہنے لگی یہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ اللہ کا حکم یہی ہے! حضرت نے پردے کی پھر تلقین فرمائی اس نے کہا کوئی حرج کی بات نہیں۔ فرمایا پھر آپ ذرا پیچھے ہو کر بیٹھا کریں۔ لیکن وہ تھی کہ مولانا کے دائیں طرف تپائی کے ساتھ لگ کر آبیٹھتی، مولانا کو سخت وحشت ہوتی۔ مولانا بائیں طرف سرک جاتے ساتھ ہی وہ بھی سرک جاتی! دوسرے روز عربی میں تقریر شروع فرما دی۔ فرمایا لنا ان نقول الیوم بالعربیۃ سے تسئم ھٰذہ المرءۃ وتستیاس ولعلّھا تترکنا و تذھب اذلا تفھم ما نقول۔ لیکن وہ بھی دھن کی پکی تھی۔ برابر آتی رہی آخر مولانا سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس کی دل شکنی نہ چاہتے تھے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ وہ آداب شریعت کو خاطر ہی میں نہیں لاتی تھی۔ چنانچہ ایک روز وہ آئی سبق شروع ہو چکا تھا حضرت عربی میں تقریر فرما رہے تھے۔ کہ اچانک خاموش ہو گئے۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہوں۔ ایک منٹ خاموش رہنے کے بعد سر اٹھایا اور تنبیہانہ لہجہ میں فرمایا! محترمہ آپ تشریف لے جائیں اور آئندہ ہمارے درس میں نہ آئیے گا۔ بہت اچھا کہکر وہ اٹھی اور "تنگ نظر ملا" کہتی بڑبڑاتی چلی گئی

ان چند دنوں کے علاوہ حضرت مولانا نے دوران تدریس عربی میں کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ طلبہ کے سوال کرنے پر بہت خوش ہوتے، سوال گو معمولی، اور سطحی بھی ہوتا اس کا جواب بھی بڑے اطمینان سے دیتے۔ طالب علم سے سوال سن کر لمحہ بھر کے لئے روح کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے اور بڑے اثر آفریں انداز میں کہتے "حسبنا اللہ" پھر جواب دینا شروع کرتے۔ درس حدیث کے دوران کوئی خارجی مداخلت طبیعت پر سخت ناگوار گزرتی۔ ایک روز بخاری شریف پڑھا رہے تھے۔ کہ ایک ہٹا کٹا تنومند شخص مانگنے کے لئے آکھڑا ہوا۔ حضرت کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور آنکھوں سے آگ برسنے لگی۔ ہم نے کہا اس کی کم بختی اسے کہاں چلا کرلے آئی۔ اب اس کی خیر نہیں! لیکن اس کیفیت کے چند لمحے بعد اک دم سر جھکا لیا اور ایک لمبے سانس کے ساتھ "حسبنا اللہ" کہتے ہوئے سر اٹھایا تو چہرے پر اطمینان و بشاشت کے ساتھ تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ اور پھر بڑے پیار سے لہجے میں فرمایا کہ بھئی دیکھو یہ مسجد ہے ہماری تعلیم میں خلل نہ ڈالو بازار میں جا کر سوال کرو ہم معذرت چاہتے ہیں۔)
ہنستے مسکراتے رہنا دوران سبق کا معمول تھا۔ لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں بسی ہوئی مسکراہٹیں اوقات اسباق میں ثقل اور گرانی کو ختم کر دیتی تھیں گھنٹوں پڑھاتے رہیں۔ طلبہ ان کے سبق سے اکتاتے نہیں تھے۔ بجا فرماتے تھے۔ کہ میرے مائدہ تدریس کی یہ اچار چٹنی ہے۔ منہ کا ذائقہ خراب نہیں ہونے دیتی۔ علماء سے زیادہ کسی کا احترام نہ فرماتے تھے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ احترام طلبہ کا ملحوظ رکھتے تھے۔ ہر طرح ان کی دل جوئی فرماتے تھے حضرت کی چائے بنانے کی خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ دونوں وقت سالن بھی میں ہی پکاتا تھا۔ روٹی تنور سے منگوائی جاتی، میں چائے بنا کے لاتا فرماتے بناؤ۔ میں بنا کے دیتا دو پیالی پینے کے بعد پیالی اور چائے دانی

خود پکڑ لیتے اور فرماتے کہ اب میں بناؤں گا اور تم پیو حالانکہ چائے میں بہت نفیس ذوق رکھتے تھے۔ اس لئے میں پیتا رہتا اور ساتھ ساتھ فرماتے رہتے دیکھو کیسی مزیدار ہے۔ کیوں کیسی مزیدار ہے! اور مسکراہٹ تھی کہ ہر وقت لبوں پر کھیلتی تھی۔ جبکہ رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ آنکھ بھر کر دیکھ لینا دشوار امر تھا۔ یہ تبسمہائے لب خنداں اور بشاش چہرے کی مسکراہٹیں ہی تھی جو بہمہ شانِ جلال و وقار طلبہ کو گفتگو کا حوصلہ بخشتی تھیں پھر بھی حجابات کا کلیتہً اٹھ جانا ممکن نہیں تھا۔ چہرہ مبارک پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ نگاہیں جھک جاتیں۔

ع " تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ

تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا! "

دوسرے سال میں بیمار ہو جانے کے سبب کوئی دو ہفتے تاخیر سے پہنچا میرے جانے سے پہلے ایک دوسرا طالب علم چائے اور سالن بنانے کی خدمت لے چکا تھا۔ میں نے اپنے حق کا حضرت سے مطالبہ کیا۔ فرمایا وہ شوق سے کر رہا ہے۔ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ کچھ روز ٹھہر جایئے۔ چند روز گزرے تھے کہ مجھے بلا کر فرمایا کہ آج بیمار ہیں کھانا نہیں پکا سکیں گے۔ اس لئے آج آپ پکائیں! اور ان سے کہا کہ آج آپ مکمل آرام کریں۔ ہرگز کوئی کام نہ کریں۔ وہ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ اور میں سالن پکانے لگا۔ اس نے جو دیکھا کہ میں سالن اس کی ترکیب کے خلاف پکا رہا ہوں تو اک دم بستر سے اٹھا اور کہنے لگا مولانا! یہ کیا کر رہے ہو۔ ایسے نہیں پکانا! میں نے کہا تو کیسے پکانا ہے۔ کہنے لگے لایئے میں بتاؤں میں سمجھا شاید حضرت مولانا نے انہیں کوئی خاص طریقہ تلقین فرمایا ہوگا۔ جو میں نہیں جانتا۔ میں دیکھ رہا ہوں اور اس نے ساری چیزیں دیگچی میں ملا کر کہا لو اب اسے پکنا رہنے دو۔ جب کھانے کے لئے دسترخوان بچھا تو مولانا عبدالحق نافع صاحب سے فرمانے لگے کہ لیجئے آج ہم آپ کو ایک عرصے کے بعد مزیدار کھانا کھلاتے ہیں وہ کہنے لگے کیوں کوئی خاص بات ہے؟ کہنے لگے ہاں حامد نے پکایا ہے۔ اور یہ بہت مزیدار پکاتا ہے۔ تب میں نے کہا حضرت! اس نے تو مجھے نہیں پکانے دیا فرمانے لگے کیوں؟ میں نے جو اسے آرام کرنے کے لئے کہا تھا! حضرت! آرام میں ہوتے ہوئے اس نے مجھے سالن پکانے سے روک دیا اور ساری چیزیں خود ملا کر کہنے لگا کہ اس طریقہ پر پکاؤ۔ میں سمجھا یہ طریقہ خاص آپ کی طرف سے بتایا گیا ہوگا جس پر وہ اس شدت سے کاربند ہے۔ اک دم ایسا ہوا جیسے کسی بہت بڑے صدمے کی افتاد نے نڈھال کر دیا ہو۔ پیشانی پر ہاتھ مارا اور فرمایا "انا للہ و انا الیہ راجعون! کافی عرصے کے بعد آج صبح سے خوش ہو رہا تھا۔ کہ آج مزیدار کھانا کھائیں گے۔ تم نے سارا پروگرام ہی غارت کر دیا! تم نے سختی سے کیوں نہ کہہ دیا کہ جاؤ تم آرام کرو میں اپنی مرضی کروں گا!۔ مجھے حضرت اس حقیقت کا علم نہیں تھا ورنہ میں ضرور ایسا ہی کرتا! فرمایا بلاؤ اسے! جب وہ طالب علم آیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی حد نہ رہی کہ لہجہ یکسر بدل گیا۔ اور بڑے پیار سے فرمانے لگے کیوں بھئی تمہیں آرام کرنے کو کہا تھا تم نے پھر اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیا۔ بخار میں آرام کا زیادہ خیال رکھا کرتے ہیں۔ ورنہ تکلیف بڑھ جاتی ہے! اس سے زائد کچھ نہیں کہا۔ لیکن کھانے کے بے مزہ ہونے پر کھانے کے اختتام تک برابر افسوس کرتے رہے۔ بعد میں میں نے عرض کیا حضرت مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے عرصے سے اس قدر بے مزہ کھا رہے ہیں جو طبیعت کو گوارا تک نہیں ہے۔ اب آپ مجھے اجازت دے دیں کہ کھانا میں ہی پکایا کروں گا! فرمایا بجا ہے۔ لیکن وہ سوچے گا کہ نہ جانے مجھ سے کیا قصور ہوا۔ اور یہ بھی کہ میں اپنے کام و دہن کی لذت کے لئے ایک مخلص طالب علم کی دل شکنی کیسے کروں۔ کیسے کہوں کہ تیرا پکایا ہوا کھانا ہمیں پسند نہیں لہذا چلنے دو جیسے چلتا ہے

ع " جب نام تیرا لیجئے تب چشم بھر آوے

اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے "۔

پیکرِ سنتِ نبوی

۷۔ فرماتے تھے کہ مشکوٰۃ شریف میں مذکورہ مسنون دعائیں طالب علمی ہی میں سب کی سب یاد کر کے معمول بنا چکا تھا۔ اس کے بعد کتب احادیث میں مروی جہاں کوئی دعا یا ذکر مسنون نظر سے گزرا۔ زیادہ نہیں تو کم از کم ایک دفعہ اس پر عمل کرنا میں نے ضروری سمجھا۔ اور فرماتے تھے کہ صوفیائے کرام اپنے نصاب تربیت میں اوراد و وظائف کے طور پر صرف اذکارِ مسنونہ کی تلقین کرتے تو یقیناً نتائج زیادہ بہتر ہوتے فرماتے تھے۔ کہ تسبیحات بعد از نمازِ فرض کو ۳۳، ۳۳، ۳۴ بار کے بجائے کوئی شخص سو سو بار پڑھنا شروع کر دے تو اس کا اجر اس شخص سے کہیں کم ہوگا۔ جو حدیث صحیح میں مذکور طریقہ کے مطابق صرف سو دفعہ ۳۳ ۳۳ اور ۳۴ کی تقسیم کے مطابق پڑھتا ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر نے صرف تسبیحات پڑھی ہیں اور موخر الذکر نے تسبیحات کی کمی بیشی سے قطع نظر کر کے سنتِ نبوی پر عمل کیا ہے۔ اور اتباعِ سنت کا جو درجہ و مقام ہے تسبیحات کی کثرت اس کی کمی کو پورا نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ کتنی ہی زیادہ بڑھا دی جائیں۔

فجر کی سنتوں کی تخفیف کے مسئلہ پر جب بحث آئی تو امام مالکؒ کا مسلک بتایا کہ ان کے ہاں تخفیف کا مفہوم یہ ہے کہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ نہ ملائی جائے۔ اس پر جمہور کے قولِ راجح کی وجوہ ترجیح بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے۔ کہ بحالت سفر میں امام مالک کے مسلک پر عمل کیا کرتا ہوں۔ کیونکہ طریق نبوی کی جب ایک تعبیر یہ بھی ہے تو اس سے محرومی کیوں ہو۔ کیوں نہ اس پر بھی عمل ہو جائے۔ آخر آئمہ اربعہ میں سے ایک امام کی رائے سے کم از کم یہ امکان تو ہوا کہ شائد عمل نبوی یہ ہو! اور فرماتے تھے کہ سفر کو اس بناء پر اس عمل کے لئے چنا کیوں کہ تخفیف کی رعایت اسی میں ہے اور وہی سبب تخفیف ہے۔ اسی طرح مفرد اقامت کے لئے بھی

یہی فرماتے تھے۔ کہ میں سفر میں اس پر اس نیت سے عمل کرتا ہوں کہ اقامت کے بارے میں منشاء نبوی کی اس تعبیر پر بھی عمل ہو جاتے۔ جو بہر حال اجر و ثواب سے خالی نہیں۔ زیارت حرمین کا شوق عشق کی حد تک تھا۔ ٹنڈوالٰہیار میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ پانچ حج کر چکا ہوں۔ اور ان شاء اللہ بیس پورے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن یہ تعداد غالباً بیس سے کہیں زیادہ ہو گئی! آخر عمر میں تو مسجد نبوی میں اعتکاف ایک طرح کا معمول ہی بن گیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مطالعہ و تحقیق اور تصنیف و تالیف کا دور اپنی تیس سال کی عمر تک پورا کر چکا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے تھے کہ کچھ لکھا جا سکا نہ کوئی خاص مطالعہ ہو سکا۔

اپنے علمی اسفار کے دوران مدینہ طیبہ میں ایک دفعہ سولہ روز تک صرف اس غرض سے قیام کیا کہ احادیث میں مدینہ طیبہ اور اس کے نواحی کی جن جگہوں کا نام مذکور ہوا ہے۔ اور بہت سے مسائل ان سے متعلق بھی ہیں۔ انہیں بچشم خود مشاہدہ کریں۔ مذاہب اربعہ کو "اختلاف امتی رحمۃ" کا مصداق بتاتے ہوئے فرماتے تھے۔ کہ قدرت نے سنت نبوی میں وسعت تعبیر کی اس گنجائش سے جو آئمہ اربعہ کے اجتہاد کی بنیاد بنی حالات و جغرافیہ کے اختلاف کی ضرورتوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کرنے کا انتظام فرمایا ہے اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے تھے۔ کہ مثلاً امام ابوحنیفہ کا مسلک انہی علاقوں میں پھلا پھولا کہ جہاں پانی کی بہتات کو دیکھیں تو دہ دردہ کی مقدار بھی بہت کم معلوم ہوتی ہے، تالاب کا تالاب ہی اگر نجس قرار دیا جائے تب بھی متبادل طور پر اس قدر وافر پانی میسر ہو گا کہ لوگوں کو کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر یہی مسلک افریقہ کے صحراؤں پر لاگو کر دیا جائے تو لوگ پیاسے تو مر سکتے ہیں پاک پانی انہیں کہیں میسر نہیں آسکے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مقبول بہ بننے کے اسباب پیدا فرمائے۔ تاکہ قلیل سے قلیل پانی جہاں کہیں میسر آئے وہ "الماء طہور لا ینجسہ شئ" کے دامان طہارت میں امان پاکر وجہ سیرابی تشنہ کامان قرار پائے۔ ایسے ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں جانوروں کی حلت کے بارے میں جو توسع ہے فرماتے تھے۔ آسان نہیں تھا۔ ہمیں فرمایا کرتے کہ تم اپنے بھیجے کو بچا بچا کر رکھتے ہو۔ تاکہ کہیں قبر میں بیچارے کیڑے بھوکوں نہ مریں۔ لیکن میں نے علوم نبوی میں اپنا دماغ خرچ کر ڈالا اور کیڑوں کے لئے کچھ بھی بچا کے نہیں رکھا۔ عربی کا یہ شعر معمولی تصرف کے ساتھ عام طور پر دہرایا کرتے تھے۔

"ومن مذہبی حب العلوم لاہلہا
وللناس فیما یعشقون مذاہب"

اسی لئے آپ کو عربی مدارس سے محبت تھی اور یہ محبت اس قدر والہانہ تھی کہ آپ ایک مثال سے خود ہی اس کا اندازہ کر لیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کے لئے وہ احاطہ الاٹ کرا لیا جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا مزار ہے یہ احاطہ بہت کشادہ وسیع اور ادارہ کے لئے موزوں ترین جگہ تھی۔ اور حضرت مولانا کے مدرسے سے ایک آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔ دارالعلوم کا بورڈ آویزاں کر دیا گیا۔ اور عمارت کے لئے کمروں کی بنیادیں کھودی جا چکیں اور بنیاد کا پہلا پتھر رکھنے کی تقریب میں ایک عظیم جلسہ منعقد کیا گیا۔ حضرت مولانا بھی مدعو تھے جلسہ خوب ٹھاٹھ کا ہوا۔ حضرت مولانا جب صبح درس بخاری میں تشریف لائے تو مسرت افزوں تھی۔ ہونٹوں پر تبسم رقصاں تھا آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں چہرہ پھول کی طرح تازگی لئے ہوئے تھا اور ہنس ہنس کے فرما رہے تھے۔ دیکھو کتنی خوشی کی بات ہے۔ ایک اور مدرسہ قریب ہی میں آ گیا! دیکھو کتنی خوشی کی بات ہے! کیوں! ہے ناں، خوشی کی بات! جو طالب علم اِدھر داخلہ کی گنجائش نہیں پائے گا اُدھر چلا جائے گا۔ اور اُدھر داخل نہ ہو سکے گا۔ اِدھر آ جائے گا۔ دیکھو طلبہ کے لئے کس قدر آسانی ہو جائے گی! ہے ناں خوشی کی بات! کتنی اچھی بات ہے! واہ! اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے ہم پر! دیکھو کتنی آسانی کر دی اس نے ہمارے لئے! ہے ناں! خوشی کی بات! دیکھو کتنا اچھا ہوا۔ ایک اور مدرسہ اللہ تعالیٰ نے پاس ہی کھلوا دیا۔ کتنی اچھی بات ہے۔ اب طلبہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوا کرے گی۔ کتنی اچھی بات ہے، کتنی خوشی کی بات ہے۔ غرض سبق کا بیشتر وقت اسی طرح اظہار خوشی میں گزر گیا۔ جب آپ کسی بات سے خوش ہوتے یا کوئی بات آپ کو پسند آتی تو اسے بتکرار بار بار دہراتے اور ہنس ہنس کے دہراتے رہتے۔ اگلے روز معلوم ہوا۔ کہ وہ ستم ظریف جو دارالعلوم کے لئے اس جگہ کے لئے جانے سے رکاوٹ ڈالنے کی تگ و دو میں تھا۔ اس کی ناروا کوششیں کامیاب ہو گئیں تو جب صبح سبق میں تشریف لائے تو طبیعت تھکی تھکی سی، چہرہ اداس، نڈھال، جسم جیسے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر فرمانے لگے دیکھو کتنی خوشی کی بات تھی کہ ہمارے قریب ہی ایک دوسرا مدرسہ کھل گیا تھا۔ ہمیں واقعی بڑی خوشی ہوئی تھی۔ لیکن شیطان اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اس نے سوچا یہ کیوں خوش ہوں۔ کتنے اچھے کام میں رکاوٹ ڈالدی یہ مدرسہ یہاں آ جاتا تو طلبہ کے لئے کتنی آسانی تھی۔ اور ہمیں کتنا فائدہ تھا۔ افسوس کہ شیطان کی تدبیر کامیاب ہو گئی۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ تنگ ظرفیوں کے اس زمانہ میں کوئی تصور بھی کر سکتا ہے۔ کہ کسی مدرسہ کے قریب کوئی مدرسہ کھلے اور مدرسہ کا سربراہ اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے؟ قریب تو قریب رہا مطلقاً اس شہر میں گوارا ہونا دشوار ہوتا ہے لیکن یہاں مدرسہ قریب آنے پر خوشی اور مسرت اور دور چلے جانے پر حزن و ملال تو کیوں نہ ان کی زبان حقیقت بیان پرسوز انداز میں پکارا کرتی۔

"ومن مذهبی حب العلوم لاهلها
وللناس فیما یعشقون مذاهب"

آپ کی نفسیات پر قوت غضبیہ کا غلبہ تھا۔ لیکن کمال یہ تھا کہ اپنی ذات کے لئے کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ کبھی بات دل میں نہیں رکھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ الحب للّٰہ والبغض للّٰہ کی صحیح اور موزوں تعبیر تھے۔ ڈنڈوالٰہیار میں جو صاحب وجہ اذیت و باعث پریشانی ہوئے ان کا نام زبان پر کبھی ایسے الفاظ میں نہیں آیا جن سے توہین و تحقیر مترشح ہوتی ہو۔ ہم نے کئی دفعہ ٹنڈو الٰہیار کے واقعات چھیڑنے کی کوشش کی، تو سرسری طور پر چند جملے زبان پہ لاتے اور پھر فرماتے خیر! چھوڑو بات گزر گئی، حالانکہ ابھی ان واقعات کا طبیعت پر اتنا اثر تھا کہ ذکر آتے ہی چہرے پر رنج والم کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ ایک دفعہ دو نوجوان آئے اور کہنے لگے کہ فلاں موصوف نے حرم کی سبیل سے پانی پینے کو شراب کے مانند قطعی حرام قرار دیا ہے حضرت مولانا نے فرمایا کہ سبیل لگانے والے کے فعل کو تو ناجائز کہہ سکتے ہیں لیکن اس کا پینا تو حرام نہیں ہے۔ وہ دونوں صاحب غالباً حضرت مولانا اور آں موصوف کے مابین تعلقات کی عدم خوشگواری سے کچھ واقف تھے۔ اس لئے ان کی یہ کوشش تھی کہ حضرت مولانا کی زبان پر مذمت کے الفاظ آ جائیں چنانچہ انہوں نے کئی اور نامناسب باتیں آں موصوف کی طرف منسوب کر کے حضرت مولانا کے گوش گزار کیں۔ ٹنڈو الٰہ یار کے پس منظر میں ہم بھی سمجھ رہے تھے۔ کہ حضرت مولانا آج ان پر ضرور برسیں گے۔ لیکن ہمیں تعجب ہوا کہ حضرت مولانا ان نوجوانوں کے الزامات کا اپنی طرف سے مناسب جواب دیتے ہیں۔ اور قابل اعتراض باتوں کی اپنی طرف سے مناسب تاویل کر کر کے صفائی پیش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ دونوں نوجوان جو آں موصوف کے لئے نفرت کے جذبات لے کر آئے تھے انہیں مطمئن کر کے بھیج دیا۔

میں نے اپنے ایک عزیز کو مولانا کی خدمت میں بھیجا کوئی بات تھی۔ وہ مولانا پوری نہ کر سکے۔ وہ صاحب گستاخی پر اتر آئے اور واپس آ کر اپنے گستاخانہ رویے کا مجھ سے ذکر کیا مجھے بہت رنج ہوا۔ اور میں نے انہیں مجبور کیا۔ کہ حضرت مولانا سے خواستگاری عفو کے لئے کراچی جائیں انہیں خود بھی پشیمانی ہوئی۔ چنانچہ وہ کراچی گئے۔ تو حضرت مولانا بڑے پُرتپاک انداز میں ملے۔ انہوں نے اپنی گستاخی کا ذکر کیا۔ بے ساختہ فرمایا! ارے! وہ تو اسی مجلس تک محدود تھی اور بس!! اور اسی وقت ختم ہو گئی تھی۔ مجھے تو یاد بھی نہیں آپ کے کہنے پر سوچتا ہوں۔ کہ ایسا ہوا ہوگا۔ لہٰذا جو ہوا وہ اسی وقت ختم بھی ہو گیا۔ حافظہ ایسا کہ علوم کے سمندر سینے میں محفوظ ہزاروں اسماء رجال ذہن میں متحضر لیکن حافظہ و دل میں کسی چیز کے لئے اگر کوئی گنجائش نہیں ہے تو وہ ایسی اذیتیں ہیں۔ ایسی المناکیاں ہیں۔ جو لوگوں کی طرف سے حساس دل میں نشتر بن کر چبھا کریں۔

~ "ذا جُودُ مَن لَیسَ مِن دھرِ علی ثقۃ
وزُھدُ مَن لَیسَ مِن دنیاہ فی وطنٍ"

میرا بھتیجا مولوی محمد حسین احمد نجیب تخصص فی الفقہ میں پڑھ رہا تھا بالکل آخری وقت میں حضرت الاستاذ کی شان میں سخت گستاخی کر کے وہاں سے آ گیا مجھے ناقابل برداشت حد تک اذیت پہنچی میں نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور مجھے کہا کہ جس راستے کی آپ مجھے تلقین کر رہے ہیں میرے نزدیک یہ شخصیت پرستی کا راستہ ہے میں نے اسے کہا یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی فہم کی گرفت میں میری بات نہ آئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک آپ نے بھی پڑھا ہے کہ "من اذیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب" (او کما قال) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو میرے کسی دوست کو ستاتا ہے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیتا ہوں اور چونکہ حضرت مولانا کے ولی اللہ ہونے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ان کی شان میں گستاخی تمہارے مستقبل کو برباد کر کے رکھ دے گی! وہ اب بھی کچھ نہ سمجھے، چنانچہ اسی روز سے ان کی نکبت و تیرہ نصیبی کا دن شروع ہو گیا۔ وہ علم و عمل بھول بھال گئے اپنا ماضی کھو بیٹھے اور مستقبل کے رخ پر اندھیرے چھا گئے۔ نفرت و بے زاری کے بھنور میں گھر گئے۔ ٹھیک ٹھیک "وضاقت علیھم الارض بما رحبت" کی کیفیت لاگو ہو گئی اور دیکھنے والوں کے لئے سامان عبرت بن کے رہ گئے بلکہ پورا گھر بار ان کی اس نحوست کی لپیٹ میں آ گیا۔ میں نے انہیں پھر لکھا کہ سوچو لو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کرو توبہ کرو اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کی درخواست کرو ورنہ اس عذاب سے کبھی نہیں نکل سکو گے! اب وہ چونکا! ایں ؟ واقعی یہ ساری افتاد میری اس لغزش کا نتیجہ ہی ہے ؟ میں نے ان کے والد اور ان کے بھائی سے بھی کہا کہ اگر وہ اپنی گستاخی پر پشیمان ہو کر حضرت مولانا سے معافی نہیں مانگے گا۔ تو سیاہ بختی کی ساعتیں اختتام پذیر نہ ہو سکیں گی۔ بلکہ نحوست کی کالک اور بھی بھیانک روپ دھارے گی۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی معیت میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معافی کی درخواست کی تو حسب مزاج و طبیعت حضرت مولانا کے حافظہ میں کوئی بات تھی ہی نہیں۔ یہاں کوئی خفگی کا سوال ہی نہ تھا۔ اپنی خوشنودی کا یقین دلایا اور دعا فرمائی! ہم نے دیکھا کہ اس کے معاً بعد ان کے حالات یکسر پلٹ گئے۔ کھویا ہوا ماضی دامان حاصل میں سمٹ آیا۔ مستقبل کے چہرے سے حجابات ظلمت چھٹ گئے غموں کی رات ڈھل گئی۔ مصائب کے ہجوم نے رخت سفر باندھ لیا۔ اور شخصیت پرستی کا مفہوم بھی ان کے بھیجے میں پیوست ہو گیا۔ الحمد للّٰہ کہ آج وہ اپنی راہ پر گامزن علم دین کی خدمت میں مصروف، حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب

کی سرپرستی میں کامرانیوں اور خوش بختیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے سوئے منزل رواں دواں ہیں۔

سہ "نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں"

فتن باطلہ کے خلاف جہاد ۔ "اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

فتنوں کے خلاف آپ کا انداز معذرت خواہانہ نہیں تھا جیسے کہ استشراقی، اسلوب بیان کے اثر سے بیشتر مسلمان اہل قلم کا ہوتا ہے میٹھی میٹھی سی تنقید، سخت الفاظ سے بچتے ہوئے، اسماء گرامی میں بڑے احترام و ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے جس اعتراض سے دل آزاری کا اندیشہ ہو اس اعتراض سے صرف نظر کرتے ہوئے۔ گفتگو کو غیر جانبدارانہ اور ثالث کا رنگ دیتے ہوئے جو اسلام کی حمایت اور فتنے کی مخالفت سے بالاتر ہو کر معاملے کی حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے بات کر رہا ہے۔ حضرت الاستاذ اس مداہنت کے روادار نہیں تھے۔ وہ فتنوں کے خلاف پوری جانبداری کے ساتھ اسلام کے حامی تھے۔ مؤید تھے۔ علمبردار تھے۔ اور حمایت حق کے لئے باطل کے خلاف پورا تعصب لئے ہوئے تھے۔ باطل کے لئے کوئی گوشہ نرمی کا ان کے دل میں نہ تھا۔ جب کسی شخص کے بارے میں ان پر یہ واضح ہو جاتا کہ وہ باطل کا حامی ہے۔ اس کا مسلک اسلام کے خلاف ہے۔ پھر خواہ وہ کیسے باشد۔ لوگوں کی نگاہ فریب خوردہ میں وہ پکا خادم اسلام کیوں نہ قرار پا یا گیا ہو اور لوگ اسے علمبردار اسلام کا نشان کیوں نہ سمجھتے ہوں۔ حضرت مولانا خم ٹھونک کے اس کے مقابلہ میں آ جاتے اور اس کا ذکر آتا تو بڑے حقارت آمیز لہجے میں بانکرار فرماتے مجھے اس سے بغض ہے۔ میں اس سے بغض رکھتا ہوں وہ خبیث ہے وہ ملحد ہے مجھے اس سے بغض ہے بغض عصر حاضر کے مذاق گفت گو کے نقطۂ نظر سے اظہار خیال کا یہ انداز سنجیدگی سے ہٹا ہوا۔ تعصب و تنگ نظری کا غماز ہے۔ لیکن عصر حاضر کے اس مذاق اور حضرت مولانا کے مذاق میں بنیادی فرق یہ تھا کہ حضرت مولانا کو دنیا کی "واہ! واہ!" سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ راضی صرف اللہ کو کرنا ہے اہل زمانہ کو نہیں! اجر صرف اللہ سے لینا ہے۔ اہل زمانہ سے نہیں! دل صرف آخرت میں اٹکا ہوا ہے۔ دنیا میں نہیں! جبکہ دور حاضر کا مذاق یہ ہے کہ بات کرتے وقت، کچھ لکھتے وقت زمانہ والوں کے میلان طبیعت کو پہلے جانچ لیا کرو۔ اور ان کی جبیں پر تیور پڑھ لیا کرو۔ ان کی خواہشات اور دلبستگیوں کا رخ دیکھ لیا کرو۔ اس کے بعد زبان ہلاؤ۔ یا قلم اٹھاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے دجالی فتنے اپنے عرض مدعا کی دل آویزیوں اور طبع نوازیوں کے باعث مسلمان عوام میں بہت جلد قبول عام حاصل کر لیتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ ہر فتنے نے اپنی دعوت کے سرورق پر اسلام، خدمت اسلام، اور نظام اسلام۔ ایسے صداقت نما اور حقانیت آسا عنوان چسپاں کر رکھے ہوں۔ ایسے میں کسی کا اسلام کے ان نام نہاد ہوا خواہوں کے خلاف لب کشائی کرنا گردن زدنی قرار پانے کے مترادف ہے۔ لیکن حضرت مولانا کے ذوق حق گوئی کے ہاں زمانے کی ان ابلہ مذاقیوں کا کوئی وزن نہیں تھا۔ جب گرفت فرماتے تو آپ کی گفتگو یا تحریر کسی ادنیٰ سی لچک۔ یا نرمی سے یکسر پاک پوری وضاحت اور صراحت لیئے ہوتی، مرزائیت، انکار حدیث، فضل الرحمانی الحاد، اور مودودیت جیسے عظیم اور وسعت پذیر فتنوں سے حضرت مولانا کو ٹکر لینی پڑی۔ ان میں سے ڈاکٹر فضل الرحمانی فتنے ضرب کلیمی کی تاب نہ لاتے ہوئے موت کی نیند سو گئے، مرزائیت جس نے موسم فرنگ کی بہار نشاط افزا سے فائدہ اٹھا کر چمن زار عالم کی ہر شاخ پر آشیاں بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی شاخ نشیمن پاکستان میں تو ٹوٹ کے لٹک گئی ہے اور دنیا کے باقی حصوں میں حضرت مولانا کی مجاہدانہ مساعی نے فرنگیانہ موسم کو یکسر بدل کے رکھ دیا اور ہر جگہ شاخ مرزائیت خزاں رسیدہ ہو کے رہ گئی ہے اور اس کا آشیانہ طوفان باد و باراں کے نرغے میں آ گیا ہے۔ اب کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں ابلیس کا یہ لخت جگر شیدایان ختم نبوت کی عقابی نگاہوں سے بچ کر امن و عافیت سے شیطان کے آغوش عاطفت میں پھل پھول رہا ہو۔ جنود ابلیس کے جلو میں ملت اسلامیہ کے خلاف اس فتنے کی یلغار نے ایک صدی بعد تک سماں باندھا کہ ختم نبوت کے پروانوں کو غزوۂ خندق کی سی کیفیت سے مقابلہ میں سربکف رہنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بالآخر حضرت مولانا کی سرفروشانہ للکار نے یہ حصار توڑ دیا۔ افواج شیطان کا طلسم ٹوٹ گیا اور معرکے کو ہار جیت کے مرحلے میں داخل کر کے اپنے فرض منصبی سے سبک دوش ہو گئے۔

سہ اس قافلہ میں بابا آ کے گو دہ سب کے بعد
اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا۔

فتنہ مودودیت کی طرف حضرت مولانا نے مذکورہ تین فتنوں سے نمٹ لینے کے بعد توجہ مبذول فرمائی جس کا سبب یہ تھا کہ داعیٔ فتنہ نے پاکستان بننے کے بعد اپنی تمام تر کج راہیاں اسلام کی زرنگار چادر میں لپیٹ دی تھیں۔ اور لوگوں کی مذاق اسلام سے بے گانگی اس رنگین پردے کے پس منظر میں جھانک لینے کی روادار نہیں تھی۔ اور جب کسی نے ضلالت و گمراہی کو اجاگر کرنے کے ارادے سے اس منقش چادر کو الحاد کے رخ سے سرکانا چاہا تو داعیٔ فتنہ کے ہوا خواہوں نے اس خوش رنگ چادر کو اسلام کے تقدس کی چادر قرار دیا اور داعی فتنہ کی غلطی پر گرفت براہ راست اللہ و رسول صلعم پر گرفت کے ہم معنی قرار پا گئی۔ ایک زبان کھلتی تو ہزار زبانیں الزامات، استہزاء، تمسخر اور طعن و تشنیع کے ترکش سنبھالے میدان میں صف بستہ ہو جاتیں۔ جبکہ دوسرے فتنوں نے خود کو اس طرح کے فریبانہ خول میں نہیں چھپایا تھا کسی حد تک کھلے میدان میں کھلے دعووں کے ساتھ مقابلہ پر اترے ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اس فتنے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کے لٹریچر کو پوری طرح دیکھنا ضروری ہے۔ تاکہ جب بات کرنے والی ایک زبان کے خلاف ہزار زبانیں دراز ہوں تو ان کے اس حربے

کو ناکام بنانے کے لئے ٹھوس دلائل اور واضح شواہد موجود ہوں۔ اور تاکہ تنقید و گرفت کو کسی فریب کاری کے ذریعے بے اثر یا ڈھیلا نہ کیا جا سکے۔ میں نے جب بھی اس فتنے کے بارے میں حضرت کی طرف رجوع کیا تو مجھے یہی فرمایا کہ ابھی انتظار کرو مودودیت پر لٹریچر جمع کرنے کے لئے میں ایک مستقل شعبہ قائم کرنے والا ہوں تاکہ جب گرفت ہو تو پوری ہو۔ اور ہماری گرفت کے جواب میں جب گوناگوں قسم کے شبہات فضا میں پھیلائے جائیں تو ان کا شافی علاج ہمارے پاس موجود ہو۔ چنانچہ مرزائیوں کے پاکستانی قانون میں اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد حضرت مولانا نے اس شعبہ کے لئے فرصت نکالی۔ اور مودودی نظریات کی اہم اور بنیادی کتب کا مطالعہ کیا۔ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" جو مودودی نظریات کا نچوڑ ہے اور مودودی صاحب نے خود بھی اسے اپنے نظریات کا نچوڑ ہی قرار دیا ہے۔ اور اسی کتاب کو اپنی جماعت کی بنیاد بتایا ہے "اور جماعت اسلامی" کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کے مطالعہ کو شرط قرار دیا ہے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد اس کتاب کو نایاب کر دیا گیا۔ جبکہ ان نظریات سے رجوع بھی نہیں کیا ورنہ سمجھا جاتا کہ مودودی صاحب اپنی ضلالت و گمراہی کے نظریات سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ اس کتاب کے بیشتر مندرجات الحاد و کفریات پر مشتمل ہیں۔ جماعت مذکورہ کے جدید حامیوں تک کو اس کتاب تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دستیاب نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے میرے ذمہ لگایا کہ یہ کتاب میں کہیں سے فراہم کروں۔ میں نے اپنا نسخہ پیش کیا فرمایا یہ تو تمہاری اپنی ضرورت کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نسخہ تلاش کرو۔ بالآخر بڑی جستجو اور تگ و دو کے بعد میں نے کتاب مذکور کا ایک نسخہ کہیں سے مہیا کر کے خدمت میں پیش کیا۔

غرض حضرت مولانا نے پہلے مودودی نظریات و عقائد کی اہم اور بنیادی کتب کا مطالعہ فرمایا اس کے بعد تنقید کیلئے علمی قدم اٹھایا۔ کیوں کہ حضرت مولانا سرسری اور ادھوری معلومات پر رائے قائم کرنے کے روادار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ طویل عرصے تک مودودیت کے بارے میں مثبت یا منفی کسی طرح کی کسی واضح رائے کا کبھی اظہار نہیں فرمایا۔ حالانکہ بکثرت اقتباسات لوگوں کی طرف سے حضرت کی خدمت میں پیش کئے گئے لیکن حضرت مولانا نے رائے کے تعین اور فیصلے کی بنیاد قرار پانے کے لئے اس مواد کو کافی نہیں سمجھا۔ جب تک کہ اصلی مآخذ کا براہ راست مطالعہ نہیں فرمایا اور الحاد کو بچشم خود اس کے حقیقی منبع میں نہیں دیکھ لیا۔

حضرت مولانا نے تنقید کا آغاز مودودی صاحب کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" سے کیا جس میں مودودی صاحب نے۔ اسلام کی چار بنیادوں (الٰہ، رب، دین اور عبادت) کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔ اور ان چاروں حقیقتوں کے جو معنی و مفہوم مسلمان امت میں قرون اولیٰ سے لیکر معلوم و متعارف چلے آرہے ہیں اور جن معنی و مفہوم پر اُمت کے ایمان و عقیدے کی بنیاد ہے۔ ان مفہوم و معنی کو مودودی صاحب نے سراسر غلط اور خلاف حقیقت قرار دیا اور اپنے پاس سے ان چاروں الفاظ کو اپنے حسب مرضی نئے معنی و مطلب کا لباس پہنا ڈالا! غور فرمایئے جب الٰہ کے معنی بدل گئے، رب کے معنی بدل گئے، عبادت کے معنی بدل گئے۔ دین کے معنی بدل گئے۔ تو اسلام کے سر سے پاؤں تک کلیتہً تبدیل و مسخ ہو جانے میں اور کس چیز کی کمی باقی رہ گئی چنانچہ ملک کی تقسیم سے پہلے ان کا قلم اور ان کا لائحہ عمل یہ بتانے ہیں کہ وہ جس پروگرام پر عمل پیرا تھے۔ وہ یہ تھا کہ اسلام کی پرانی اور بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے اس کے ملبے سے ایک جدید ترین طرز کی دیدہ زیب عمارت تیار کریں لیکن شومئ قسمت کہ پاکستان بن جانے پر ساری بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی۔ جس کے بعد سازگاری موسم کے انتظار میں مجبوراً اسی پرانے میلے کچیلے اسلام کا نقاب ڈال دینا پڑا۔ اور جب علمائے محققین کی نگاہِ حق آگاہ نے اس نقاب دجل آسا کے پس پردہ باطنیت کے چہرہ کو تاڑ لیا۔ تو ان کی شامت آ گئی اور اس فریب انگیز نقاب کی آبرو اسلام کی آبرو بن گئی کہ جونہی کسی نے اس دھوکے کی ٹٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اسلام کی آبرو داغدار ہو گئی۔

واہ صیاحاہ! کے شور و غوغا اور آہ و فغان سے بہی خواہانِ اسلام کو یوں چونکایا کہ جیسے واقعی کشتِ اسلام لٹ گئی ہو اور ایک عالمِ دین اپنی سادگی اور مخلصانہ نادانی سے اس کے خرمن کو آگ دکھانے کے درپے ہے اور اسلام کا سارا درد حفاظتِ اسلام کا سارا احساس اور ناموسِ اسلام کی ساری فکرمندیاں اسی ایک کو ہیں جو اسلام کا نقاب ڈالے ہوئے ہے اور اپنا اصلی چہرہ دکھانے سے گھبراتا ہے۔ ایسے میں ایسی حکیمانہ وضاحت ایسی مدلل و محققانہ تنقید اور ایسی عالمانہ گرفت جو اس باطنی طلسم کو توڑ دے ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔

یہ عظیم فرض امام الحدیث سید محمد یوسف بنوری جیسی شخصیت ہی کو نبھانا تھا۔ جو علمی دنیا کے بامِ ثریا سے بوسے اور تقویٰ و للہیت کا اتنا حسین لباس پہنے ہوئے ہو جیسے داعیٔ فتنہ کے ہوا خواہوں کی اشتراکی گالیوں کا دھواں اور غوغا آرائی کا غبار بآسانی میلا نہ دکھا سکے۔

حضرت مولانا کی تنقید میں تحقیق و احتیاط کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو حضرت الاستاذ کے بیان و اظہار کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اگر ملک و قوم کے لئے گذشتہ سال کے ناسازگار حالات فتنۂ مذکورہ کے لئے سازگار نہ بن گئے ہوتے تو اس دجل و الحاد کے رخ سے نقاب سرک چکا ہوتا اور فریب کا غازہ اتر جانے کے بعد لوگ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ اس نظر فریب میک اپ میں باطنیت کا چھپا ہوا چہرہ کتنا بدنما ہے۔ حضرت مولانا کی تصنیفی زبان عربی ہے اس لئے یہ سلسلۂ تنقید بھی عربی ہی میں شروع ہوا۔ حضرت مولانا کا قلم گوہربار زبانِ عربی میں جولانیاں دکھاتا ہے۔ وہ عربی زبان ہی کا حصہ ہے رہی اردو زبان تو اگرچہ حضرت مولانا کے اردو مضامین پورا ادبی جوبن لئے ہوتے ہیں۔ لیکن عربی عربی ہے۔ اس کی ہمسری کہاں! اور اسے اردو کا جامہ پہنانے والے حضرت مولانا کے خدام کی کمی نہیں ہے۔

نیز دیارِ عرب میں فتنہ کی تبلیغی و اشاعتی سرگرمیوں کے پیشِ نظر تنقید اردو

کی نسبت عربی زبان میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت نے اسی سلسلہ تنقید کی میری کتاب " ابوالاعلیٰ مودودی اور اسلامی نظام " کو بہت پسند فرمایا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اس کے بھی عربی ترجمے کا انتظام کروں گا خصوصاً اسکے اس حصہ کا جو عرب وفلسطین سے متعلق ہے۔

تنقید کے شروع ہوتے ہی ٹھیک حسب توقع حامیان فتنۂ مذکورہ کی طرف سے حضرت مولانا کے خلاف ان شبہات نے دخل گسترانہ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا جو ہر اس شخص کا مقدر ہیں۔ جو اس فتنے کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت کر ڈالے۔

بعض اکابر علماء کو ایسے بھی دیکھا ہے کہ فرائض منصبی کے ہجوم سے دل وار نکلتے ہوئے زندگی کے آخری لمحات میں " فسبح بحمد ربك واستغفره " کے قابل رشک مرحلے میں آجاتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا اپنی عمر عزیز کے ستر برس گذار کر بھی ایسے لگتا ہے جیسے فرائض نے ہجوم ابھی کیا ہو اور جیسے انہوں نے عالم جوانی ہی میں داغ مفارقت دیا ہو اور ان کے کرنے کے بے شمار امور و مسائل اپنی سرانجامی کے لئے زحمت کش انتظار ہوں۔

ع : زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاک راہ کو میں نے سکھایا رازِ الوندی

ع نہ بند ھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

ارمغانِ آزاد

مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری

ارمغان آزاد مولانا ابوالکلام آزاد کے ابتدائی متفرق مضامین اور اب تک ان کے تمام دستیاب شدہ کلام کا مجموعہ ہے۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب مولانا کی ۲۰ ویں برسی کے موقع پر ترمیم و تصحیح اور ایک مضمون کے اضافہ کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ الہلال سے پہلے کے تمام مضامین کو دو جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ یہ اس سلسلے کی پہلی جلد ہے۔ اس میں مولانا کے ۱۲ مضامین جو اس وقت کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے تھے شامل ہیں۔ یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے پہلے حصے میں کلام ہے جس کے شروع میں "مولانا آزاد کی شاعری" کے عنوان سے ان کی شعر گوئی کی تاریخ ہے۔ حصہ دوم مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کے شروع میں " مولانا آزاد کی نثر نگاری" کے الہلال (۱۹۱۲ء) سے قبل کے دور پر تفصیل سے بحث کی ہے پہلے حصے میں مولانا کے تقریباً تین سو اشعار ہیں۔ پہلی غزل ۱۸۹۹ء اور آخری شعر ۱۹۴۳ء کی یادگار ہے۔ دوسرے حصے میں پہلا مضمون ۱۹۰۲ء کا اور آخری مضمون ۱۹۱۰ء کا ہے۔ زیر نظر پہلی جلد کی اشاعت اول میں متعدد اغلاط کے علاوہ چند اشعار غلطی سے دوسروں کے بھی شامل ہوگئے تھے۔ اس ایڈیشن میں اغلاط کو درست اور اشعار غیر کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کا دیباچہ بھی از سر نو لکھا ہے تقریباً ۱۶ صفحوں میں مولانا کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے کلام کا عکس بھی شامل ہے۔

دوسری جلد میں مولانا ابوالکلام آزاد کے وہ مضامین شامل ہوں گے جو ان کے قلم سے خدنگ نظر لکھنؤ، لسان الصدق کلکتہ اور الندوہ لکھنؤ میں نکلے تھے۔

آزاد اکیڈمی پراچہ مینشن شارع محمد بن قاسم کراچی ۱

مخزنِ فضائل و مسائل

تالیف : ابوالمظفر ظفر احمد قادری

جو

اکابر علماء کرام خصوصاً مفتی عبداللہ صاحب ملتان، مفتی عبدالحمید صاحب جامعہ مدنیہ لاہور، مولانا عبدالرحمان جامعہ اشرفیہ اور مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی کی تقاریظ سے مزین ہیں۔

جس میں

تبلیغی اکابر کی چھ باتیں، فضائل و مسائل نماز روزہ، عشر، زکوٰۃ، حج وعمرہ، قربانی، درود شریف، ملفوظات حضرت اقدس رائپوری رح ایصال ثواب، فضائل شہود، تحفہ معراج شریف، شب برأت، فضائل صحابہ کرامؓ، خطبہ جمعۃ المبارک شامل ہے۔

صفحات ۲۴۰ ـــــ قیمت ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ

خطیب جامع مسجد واہگہ ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور

مکاتیب

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ

بنام : مولانا محمد یوسف بنوریؒ

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ دو والانامے باعث سرفرازی ہوئے ۔ میرا عرض کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مثل مشہور ہے "خاک ہم از تودہ بزرگ بگیر" اور یہ تو نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے ، حضرت تھانوی مدظلہم کا عظیم الشان مرتبہ تصوف اور علوم میں معلوم ہے ، ان کی موجودگی میں ہم جیسے ٹٹ پونجیوں کی طرف رجوع کرنا سخت غیر موزوں امر ہے ۔

آپ جب کہ مولانا کی بارگاہ میں رسوخ رکھتے ہیں تو کیوں نہ وہاں سے ہی اغتراف فرمائیں ۔ مولانا محمد شفیع الدین صاحب مرحوم کے پاس سے آئے ہوئے جناب کو عرصہ گذر گیا اور غالباً اس کے بعد دو یا تین دفعہ زیارت کی بھی نوبت آئی ہے مگر کبھی تذکرہ تک نہیں آیا تھا ۔ بہرحال اگر جناب کو مجھ نالائق اور ننگ اسلاف کے ساتھ حسن ظن ہے اگرچہ وہ غیر واقعی ہی ہے ، میں اپنی استطاعت اور لنگڑی قابلیت کے ساتھ خدمت کے لئے حاضر ہوں ۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کو حضرت سید آدم صاحب بنوری قدس اللہ سرہ العزیز سے بہت زیادہ مناسبت تھی ، اور سلوک میں انہیں کے طریقہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے ۔ اگرچہ مبتدی کے لئے چشتیہ کے اذکار اور اعمال کو زیادہ تر مفید فرماتے تھے ، مگر انتہا میں حضرت سید صاحب ہی کا طریقہ ان کو پسندیدہ تھا ۔ بہرحال عمدہ صورت تو یہ ہوتی کہ آنجناب سے بالمشافہ گفتگو ہوتی ۔ مگر اب اس وقت اس کا موقعہ نہیں ہے آپ روزانہ ذکر قلبی اسم ذات کا پانچ ہزار کر لیا کریں ۔ یعنی قلب کی طرف جو کہ بائیں پستان سے چار انگل نیچے ہے توجہ فرما کر یہ خیال باندھیں کہ قلب سے لفظ اللہ نکلتا ہے اور حسب قاعدہ "من احب شیئاً اکثر ذکرہ" قلب نہایت بے چینی اور محبت سے اوس محبوب حقیقی کا نام لیتا ہے ۔ یہ ذکر با وضو قبلہ رو ہونا چاہیئے ، ضروری نہیں ہے کہ یہ مقدار ایک ہی مجلس میں ہو جس طرح آسان ہو خواہ ایک مجلس میں یا متعدد مجالس میں کریں ۔ اگر آخر شب میں ہو تو بہت بہتر ہے ، مگر لازم نہیں جس وقت بھی آسانی سے ہو سکے ۔ البتہ اس وقت معدہ پُر نہ ہونا چاہیے ۔ یہ مقدار بروزانہ پوری ہو جانی چاہیے اور اس سے زائد جس قدر بھی آپ چلتے پھرتے اور لیٹتے بیٹھتے با وضو بے وضو کر سکیں اس میں کمی کیجئے اور اس قدر توغل کیجئے کہ طبیعت ثانیہ ہو جائے با وضو ہمیشہ رہنا اس کے لئے مفید تر ہے ۔ آئندہ بوقت ملاقات عرض کروں گا ۔ اگر خواب وغیرہ کوئی چیز معلوم ہو تو لوگوں سے تذکرہ نہ کریں ۔ دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو فراموش نہ فرمائیں ۔ والسلام

۳۰ شعبان ۵۹ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف والانامہ محررہ ۸ ر رمضان المبارک باعث سرفرازی ہوا کیفیات و احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی بہرحال آپ ذکر کی طرف توجہ فرمائیں اور بلا ناغہ ممکن درجہ تک مواظبت اور اکثار میں کوشاں رہیں اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا میں باوجود اپنی شدید نالائقیت کے اپنی خدمات کو جس درجہ بھی ممکن ہوں باعث شرف سمجھتا ہوں ۔ والسلام ۔

واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں

۱۷ ر رمضان المبارک ۵۹ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ وارد حال سلہٹ

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مزاج شریف والانامہ محررہ ۴ ذوالحجہ باعث سرفرازی ہوا ۔ کثرت مشغولیت کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیں ۔ امور مسئولہ کے متعلق حسب ذیل جوابات ہیں ۔

(۱) ذکر کے وقت دوزانو بیٹھنا شرط نہیں جس طرح آسان ہو عمل کریں ۔

یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم) نص ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی روز تکان وغیرہ کے سبب ترک ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں" اگر اس سے مراد دوزانو بیٹھنا ترک ہو جائے تو جواب کلام سابق سے معلوم ہو چکا اور اگر نفس ذکر کا ترک مراد ہے تو بے شک اس میں مضائقہ ہے اگر وقت مقرر پر ترک ہو جائے تو دن میں کسی دوسرے وقت میں انجام دے دیا کریں بجز عذر قوی و شدید ترک نہ فرمایئے ۔

(۲) جہاں تک ممکن ہو بوقت ذکر جمع خاطر حاصل کیجئے اور معانی ذکر کا خیال رکھئے اگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں اگر وساوس اور خطرات آتے اور غلبہ کرتے ہوں تو ذکر چھوڑ بیٹھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اگرچہ اس بارہ میں تشدد فرماتے ہیں، مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تشدد نہیں فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جس طرح سیل میں پانی بھی بہتا ہے اور خس و خاشاک بھی ساتھ ساتھ بہتے ہیں بلکہ پانی کے اوپر رہتے ہیں ان کی پرواہ نہیں کی جاتی اسی طرح ان خطرات اور وساوس کو سمجھنا چاہیے۔ بعض لوگوں نے زیادہ شکایت کی تو فرمایا کہ اگر قلب حاضر نہ ہوا تو زبان تو ذاکر رہی۔ جسمانی ذکر تو حاصل ہوا اگرچہ قلبی اور روحی نہ ہوا۔ بہرحال ذکر جس طرح بھی ہو غنیمت ہے۔ ہاں اعلیٰ درجہ کے حصول میں کوشش بلیغ ہونی چاہیے۔

(۳) جواب سابق سے معلوم ہو گیا کہ یہاں صرف توجہ مطلوب نہیں ہے ابھی آپ کے لئے جسمانی کدورتوں اور دوسرے لطائف کی کدورتوں کو بھی دور کرنا ضروری ہے وہ وقت انشاء اللہ آئے گا۔ جب کہ اس پر کفایت کی جاسکے۔ جس میں خاص خاص امور ملحوظ ہوں گے۔

(۴) خواب بحمد اللہ امید افزا ہے لطائف ابتدائیہ کے فنا کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور ترقی عطا فرمائے آمین فنائیت ظلی اور حقیقی دونوں ہوتی ہے اور تمام لطائف میں جاری ہوتی ہے۔

(۵) صحت کے لئے جسمانی ورزش کسی قسم کی ضروری ہے کم از کم علی الصباح دو تین میل چل لینا علی الدوام یہ ہی کافی ہوگا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ڈنڈ کرنا بہت مفید ہے۔ تھوڑے تھوڑے سے اکیس تک پہنچائیے اور یہاں پہنچ کر اکتفا کر لیجئے روزانہ بلا ناغہ کرنا بہت زیادہ کارآمد ہوگا۔ میں دعا کرتا ہوں اور آپ حضرات کی دعوات صالحہ کا بہت زیادہ محتاج ہوں۔

(۶) دلائل الخیرات کے یہ کلمات مجازیہ محمول ہیں حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز ان کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اکما تحب و ترضی عدد ما تحب و ترضی کو پسند فرماتے تھے، مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ اس قسم کے کمالات کو ناجائز قرار دیتے ہوں۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ جانتا ہے اور آپ سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہے اس لئے اس کی طرف تفویض کرنا زیادہ انسب ہوگا، مگر حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اس قسم کی قیود کو جن میں مبالغہ اور عدم الوقوف عند حد ملحوظ ہے جاری فرماتے ہیں۔ ولکل وجہۃ ہو مولیہا۔ عشق محمدی (علیہ الصلوۃ والسلام) کی یہ نیرنگیاں ہیں کسی پر ملامت نہیں کی جاسکتی۔ والسلام

واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۲ ذوالحجہ ۵۹ھ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ میں دیوبند میں ۱۹ - ۲۰ شوال تک پہنچوں گا۔ یہاں بحمد اللہ خیر و عافیت ہے حسب ارشاد دعا کرتا ہوں اور دعا کا آپ سے امیدوار ہوں۔ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام

۲۹ رمضان ۵۹ء از نئی سڑک سہلٹ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ یاد آوری کا شکر گذار ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اسہلٹ کے والانامہ کا جواب میں نے دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

خواب امید افزا ہے، ضرورت شدید ہے کہ ذکر کی طرف پوری توجہ ہو اور مداومت کی جائے۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

محترما! انسان کی اصلی زندگی کا وہی لمحہ ہے جو کہ ذکر محبوب حقیقی سے منور ہو ماسوا تو موت ہی میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق علمے کہ راہ حق نماید جہالت است

مثل الذی یذکر اللہ والذی لا یذکر اللہ مثل الحی والمیت او کما قال علیہ السلام اس وقت عزیز کو ضائع نہ کیجئے، من نکردم شما حذر بکنید۔ واللہ الموفق دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، عرصہ دراز کے بعد آپ کو خط لکھنے کا موقعہ ہاتھ آیا ہے۔ میری معذوریت ظاہر ہے۔ امیدوار ہوں کہ نظر عفو و کرم کو کام میں لائیں گے میں اس وقت شہر مظفر گڑھ میں بسلسلہ جلسہ جمعیۃ علماء ضلع آیا تو جناب نواب محمود خان آف چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خان سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کی دینداری اور اخلاق شریفانہ سے بہت خوشی ہوئی۔ موصوف مدرسہ عربیہ قصبہ چوٹی کو بڑے پیمانہ پر چلانا چاہتے ہیں۔ چند مدرس ان کے زیر نظر ہیں مگر صدارت تدریس کے لئے ان کی نظر انتخاب آپ پر واقع ہوئی ہے میں بھی اس کو متعدد وجوہ سے بہت مناسب خیال کرتا ہوں۔ موصوف آپ کے حسب منشاء ضروریات کا تکفل کرنے کے لئے آمادہ ہیں اس لئے میں پرزور الفاظ میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر کوئی سخت مانع نہ ہو تو اس موقعہ کو قبول فرمائیں اور ہاتھ سے ضائع نہ ہونے دیں مجھ کو قوی امید ہے کہ آپ اس جگہ پر خدمت علم دین بہت بڑے بڑے پیمانہ پر انجام دے سکیں گے۔ اگر مزید تعارف و تحریر کی ضرورت ہو تو مندرجہ ذیل پتہ پر نواب صاحب موصوف سے خط و کتابت کریں (ڈاکخانہ چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خاں جناب نواب

محمود خان صاحب) دعوات صالحہ سے اس ناکارہ کو فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں۔ والسلام

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

❀❀❀

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ عرصہ دراز کے بعد والا نامہ باعث سرافرازی ہوا، میرا مقصد اس عریضہ سے یہ ہرگز نہ تھا کہ خواہ مخواہ آپ اس جگہ کو چھوڑ کر نئی جگہ آجائیں مقتضیات اور موجبات اقامت محل قدیم ہوں یا نہ ہوں۔ معاذ اللہ۔ نواب صاحب موصوف نے مولانا عطا اللہ صاحب بخاری سے اپنی خواہش ذکر کی انہوں نے آپ کو پسند فرمایا اشارہ کیا کہ مولانا یوسف صاحب کو حسین احمد سے لکھوائے، چنانچہ منظفر گڑھ وہ تشریف لائے اور مجھ کو حکم کیا اور موجبات ترجیح بتلائیں اس بنا پر غیر حتمی طریقہ پر میں نے عریضہ لکھا۔ آپ خود فیصلہ کریں اور انسب واولی مقام کو اختیار کریں۔ استخارہ ضرور عمل میں لائیں بہر صورت راضی ہوں۔

الامر طماعیۃ العاذل ولا رای فی الحب للعاقل

آپ مصالح شرعیہ اور نفسیہ پر نظر ڈالیے اور بعد از استخارہ جو مناسب معلوم ہو اس پر عمل پیرا ہو جیسے صاحب الدار ادری بما فیہ۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں مولانا احمد رضا صاحب اور دیگر واقفین حال سے سلام مسنون کہہ دیجئے

صاحبزادہ محمد الیاس سلمہ کے تولد سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ طویل العمر مرضی السیرۃ والسریرۃ کرے آمین دعوات صالحہ سے خدمت کرنا ہم ناکاروں کا کام ہی ہے اس کے علاوہ ہم کس لائق ہیں بلغکم اللہ وایانا والامۃ المحمدیۃ علی المرادات فی الدارین۔ والسلام

۷ ذوالحجہ ۶۳ھ ننگ اسلاف حسین غفرلہ

❀❀❀

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ مزاج شریف۔ والا نامہ مورخہ ۱۰ ربیع الاول باعث سرافرازی ہوا۔ یاد آوری اور عزت افزائی کا شکر گذار ہوں مندرجہ مضامین سے مطلع ہوا جناب کا والا نامہ رمضان شریف میں لطلب اجازت وارد ہوا تھا۔ مگر چونکہ یہ حکمنامہ فی غیر موقعہ تھا کیونکہ میں حقیقت میں ننگ اسلاف اور بدنام کنندہ نکو نامے چند ہوں اور یہ کلمات تصنعاً نہیں ہیں بلکہ واقعہ یہی ہے اور بفضلہ تعالیٰ آپ کو مرحومین ذوی الفضائل والکمالات العالیہ سے شرف لقاء و تلمذ حاصل ہے اور خود بھی جامع کمالات ہیں اس لئے میں نے جواب نہ دینا صواب سمجھا۔ امید قوی تھی کہ آپ حقیقت پر غور فرما کر ایسی غلط طلب سے چشم پوشی فرمائیں گے اور جو کچھ عطایا خداوندی آپ کے پاس ... ئی عالیہ رکھنے والی ہیں اور انہیں پر قناعت کریں گے، مگر آپ نے حسن ظن سے لا یشبعان الحدیث پر عمل کیا اور اپنے حکم کے امتثال کا پھر مطالبہ فرمایا اس لئے منسلکہ ورق پر جلدی میں کچھ لکھ دیا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

میرے محترم! شہرت غیر واقعیہ سے دھوکا نہ کھانا چاہیے تھا۔ انما کبرنی موت الکبراء اگر وہ اکابر مرحومین زندہ ہوتے تو ہمارے جیسے پچھڑوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں چہ جائیکہ یہ درجہ دیا جائے۔ یہ صرف آپ کا حسن ظن ہے۔ شاید یہی مجھ جیسے بے بضاعت بلکہ بد بضاعت کے لئے کفارہ سیئات اور مخلصی کا ذریعہ بن جائے۔ آپ کے ارادہ انتقال مکانی سے صدمہ ہوتا ہے، مگر امتثال کے لئے امر والدین ماجدین ادام اللہ ظلالہما اور موجودہ مشکلات کی وجہ سے روکنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا فالخیر فیما اختارہ اللہ۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ آمین۔ دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں۔ مولانا عبد الرؤف صاحب اور دیگر اساتذہ واحباب پرسان حال سے سلام مسنون اور استدعا دعوات صالحہ عرض کر دیں۔ والسلام اہلیہ محترمہ اور متعلقین سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۸ ربیع الاول ۷۰ھ

❀❀❀

سند اجازت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین واتباعہ وتابعیہم الی یوم الدین اما بعد فان اخانا فی الدین حضرۃ العلامۃ محمد یوسف البنوری جعلہ اللہ من الخادمین العارفین آمین۔ استمن ذا ورم ونفخ فی غیر ضرم فاستجازمنی مرویاتی من المنقولات والمعقولات طلبا للبرکۃ ومعالی السندات وانی قصیر الباع فی العلوم کلہا وضعیف الادراک فی الفہوم جلہا لم اجترء علی اسعاف مرامہ برھۃ من الزمان فاصر علی ذلک کما ھو داب ارباب المعرفۃ والایقان فانبہم ھذا المیلان ولما لم اجد بدا من ذلک استخرت اللہ المنان واجزتہ بجمیع ما یجوز بحسنون الظن فی کل من تزیا بزی اھل العلم والعرفان وان لم یکن فی الحقیقۃ من فرسان لی روایتہ من کتب الحدیث والعلوم النقلیہ وسائر الفنون الالیۃ والمعارف العقلیہ حسب الشروط المعروفۃ لدی ارباب ھذا الشان کما زکی بہا الائمۃ من مشائخ الھند وافاضل الحرمین الشریفین فیما مضی من الزمان ھذا واوصیہ ونفسی بتقوی اللہ تعالیٰ فی السر والعلن وان لا ینسانی ومشائخی الکرام من الدعوات الصالحۃ عند صاحب الالطاف والمنن وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین تحریرا فی شہر الربیع الاول من ۱۳۷۰ھ من الھجرۃ! وانا افقر العباد الی رحمۃ ربہ الصمد عبد المرعوبین الانام بحسین احمد غفرلہ ولوالدیہ ومشائخہ واسلافہ الرؤف الاحد

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ والانامہ باعث عزت افزائی ہوا یاد فرمانے کا شکریہ ادا کرتا ہوں عرصہ کے بعد خیریت معلوم ہو کر خوشی ہوئی بالخصوص دارالعلوم کی نمایاں ترقی سے اور زیادہ خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو چشمہ فیض عالم کرے آمین۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

(مولانا حسین احمد)

توماکا الذی کانوا واتقین پریشان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ اگر مولانا عزیز گل صاحب سے خط وکتابت ہو تو ان کو سلام مسنون لکھ دیں۔ اور ان کے احوال سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

وارد حال قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عرصہ دراز کے بعد والانامہ مورخہ ۲۹ رمضان باعث سرفرازی ہوا یاد فرمائی کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ خیر وعافیت سے بہت خوشی ہوئی۔ دارالعلوم کے کارکنوں کے اختلافات سے بہت صدمہ ہوا۔ دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم سب کو مرضیات الٰہیہ پر چلائے اور احیاء وتقویت دین کی توفیق سے مالا مال کرے آمین۔

مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیروی کو بعد سلام مسنون لکھ دیں کہ وہ بارہ تسبیح اور پاس انفاس پہ ملاومت فرمائیں اور ناغہ نہ ہونے دیں۔ پاس انفاس کی اس قدر کثرت کریں کہ بلا ارادہ ہونے لگے اور دوامی صورت اختیار کریں، میں دعا کرتا ہوں مولانا نافع صاحب کی خدمت میں مہجوروں کا سلام عرض کر دیں۔ عسی الایام ان یرجعن

۸ شوال ۱۳۷۷ھ

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - والانامہ شرف صدور لایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تیسری مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہونے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ آپ کے مقاصد دارین پورے فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ آمین۔ آپ کا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند کو دہلی بھیج دیا ہے تاکہ وہاں حالات کے مطابق مناسب کارروائی کریں۔ امید ہے کہ گرامی مع ہوگا۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمایا جائے۔ والسلام

حضرت مولانا حسین احمد صاحب بقلم اصغر علی از دیوبند

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن مسجد نم والی کمالیہ، ضلع فیصل آباد

بیادگار حضرت مولانا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ زیر سرپرستی شیخ العصر حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہ، چک ۱۱ چیچہ وطنی والے

مدرسہ عرصہ تیس سال سے علاقہ بھر میں دینی، تدریسی، علمی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مدرسہ کمالیہ کی سب سے قدیم اور تاریخی درسگاہ ہے جس میں تقریباً تین صد طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ مسافر طلبہ کا مدرسہ کفیل ہے۔ مدرسہ میں حفظ وناظرہ، اردو اور دینیات کی چھ محنتی اور قابل اساتذہ تعلیم دیتے ہیں۔ مدرسہ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے مخیر حضرات تعاون فرماتے رہیں۔

الداعی الی الخیر

(مولانا عبدالحکیم صاحبزادہ پیر طریقت شیخ المشائخ پیر جی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ (چیچہ وطنی والے)

اکابرین کی رائے

حضرت مولانا محمد شریف کشمیری مدظلہ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان فرماتے ہیں۔

"مدرسہ میں پڑھنے والوں کی تعداد نہایت معقول ہے مدرسہ اپنے حسن انتظام اور سلیقہ کے لحاظ سے اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے منتظمین اور اساتذہ کے اخلاص کو قبول فرمائیں۔"

پیر طریقت حضرت مولانا خان محمد مدظلہ کندیاں شریف فرماتے ہیں:

"مدرسہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بچے اور بچیوں کی کثیر تعداد قرآن مجید اور ضروری تعلیم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ اساتذہ کرام نہایت محنت سے پڑھاتے ہیں اللہ تعالیٰ اساتذہ اور منتظمین کے اخلاص ومحبت میں ترقی عطا فرمائیں۔"

مہتمم مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن مسجد نم والی کمالیہ، ضلع فیصل آباد

مکتوب

****

محدث العصر حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری

بنام : مولانا بنوری

المخدوم المکرم حضرت الحاج مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدفیوضہم

بعد سلام مسنون، گرامی نامہ مورخہ ۹ رجب کو مولوی سلیمان صاحب افریقی کی معرفت ایسے وقت میں پہنچا کہ یہ ناکارہ میوات کے سفر سے نظام الدین واپس آیا تھا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے زمانے میں میوات کا سفر ہر ماہ میں ایک تو ضرور ورنہ دو تین بھی ہو جاتے تھے۔ عزیز مولوی یوسف مرحوم کے زمانے میں یہ افراط تو نہ رہی مگر دو چار ماہ میں ایک سفر ہو ہی جاتا تھا۔ شروع میں تو زیادہ رہے مگر ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کے بعد سے کم ہو گئے عزیز مولوی انعام الحسن سلمہٗ کے دور میں اس ناکارہ کے امراض کی کثرت نے گویا کالعدم کر دیا تھا عزیز ہارون مرحوم کے حادثہ کے بعد قاضی صاحب کا اصرار رمضان ہی میں ہوا تھا اس کے بعد مولانا انعام صاحب کے سفر حج پر، ان کا اور مولانا علی میاں کا اصرار یہ تھا کہ تیرا سفر ہند حج کے بعد ضرور ہے اس لئے مدینہ پاک میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میوات کے دو تین معروف قصبات کا سفر ہو اگرچہ مجبوری تو اس ناکارہ کی روز افزوں ہے پھر بھی ان احباب کے اصرار پر دس اگست کو سہارنپور سے چلا تھا ۱۱ر کو ایک جگہ اور ۱۲ر کو دوسری جگہ اور ۱۳ر کو تیسری جگہ ایک ایک شب قیام کر کے کل ۱۴ر کو نظام الدین واپس پہنچا چونکہ اس ناکارہ کو بہت دنوں میں جانا ہوا تھا اس لئے ۲۴ گھنٹے اس قدر ہجوم نے گھیرے رکھا کہ بعض جگہ تو مجھے یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ شائد میں زندہ واپس نہ جا سکوں مصافحوں میں اور قریب آنے پر اتنی دھکا بازی ہوتی تھی کہ جس کی وجہ سے بہت ہی دقتیں اٹھانی پڑیں پچاس ساٹھ آدمی تو مجھے گھیرے میں رکھتے تھے۔ مولوی سلیمان افریقی بجائے سہارنپور کے دہلی پہنچے اور معلوم ہوا کہ میں میوات گیا ہوا ہوں۔ اس لئے وہ وہیں پہنچ گئے مگر ڈاک وغیرہ نظام الدین میں چھوڑ گئے تھے جو واپسی پر مجھے ملی۔

آپ کے یہاں کے حالات کا بہت شدت سے انتظار رہتا ہے اخبار ریڈیو وغیرہ میں کوئی خبر کسی دوسرے ملک سے بھی نہیں آتی۔ خیال تھا کہ دستی خطوط جا رہے ہیں ان سے تفصیلات ملیں مگر وہ بھی بہت مجمل، متعارض سی مل رہی ہیں۔ بہت ہی شدت سے احوال کا انتظار رہتا ہے آپ کے گرامی نامے کا یہ فقرہ کہ مایوسی نہیں، اللہ کی ذات۔ قوی امید ہے" بہت ہی پر امید ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے[۲]۔ مگر دوسرے بعض خطوط میں یہ فقرہ کہ "علماء کے لئے سخت ابتلا پیش آ رہا ہے" بہت ہی دل پریشان کرنے والا تھا۔ اللہ ہی مددگار ہے اللہ جل شانہٗ آپ کو بہت زیادہ صحت و قوت اور ہمت کے ساتھ کامیابی عطا فرمائے۔ یقیناً آپ کے سابقہ مشاغل بہت ہی اہم تھے ختمات کا تو بہت زیادہ اہتمام رکھنے کی ضرورت ہے یہاں بھی ختم یٰسین اور ختم خواجگان کے بعد اہتمام سے دعاؤں کا سلسلہ شروع کرا دیا ہے تقریباً ۶۰ برس سے زائد ہوئے ایک صاحب منشی محمد یعقوب پٹیالوی نے ان مردودوں کے خلاف ایک رسالہ عشرۂ کاملہ لکھا تھا جس کے پہلے حصے میں تو بہت سے اعتراضات تھے اور دوسرے میں محمدی بیگم کے نکاح کا افسانہ تھا اور غالباً ایک دو ہزار انعام بھی اس کے جواب میں مقرر کیا تھا غالباً میں نے بھی اس کو طبع کرایا تھا اس کے بعد معدوم ہو گیا تھا اس سفر میں آنے کے بعد اس کو تلاش کرایا۔ مدرسہ سے ایک نسخہ ملا[۳]۔ آپ کے ہاں تو اس کی طباعت ناممکن ہے میں نے کوشش کی کہ یہاں طبع ہو جائے اور کسی کے ذریعے سے آپ کے پاس کچھ نسخے بھیجدوں مگر یہاں کاغذ کمیاب ہے اور طباعت کے وسائل مشکل ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہی مدد فرمائے یہ لفافہ تو جناب کی خدمت میں بھیجنے کا خیال تھا مگر آپ کے اسفار کی کثرت اور ڈاک پہنچنے کے اشکال کی وجہ سے بھائی یحییٰ کے نام بھیج رہا ہوں خدا کرے پہنچ جائے اہلیہ محترمہ اور والد صاحب کی خدمت میں سلام مسنون، عزیز محمد کا پرچہ بھی اس لفافے میں تھا۔ اس کا جواب بھی اس میں بھیج رہا ہوں۔ فقط والسلام

(حضرت شیخ الحدیث صاحب)

۲۵ر رجب ۱۳۹۴ھ ۔۔۔ بقلم عبدالرحیم

---

[۱] تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں [۲] الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا [۳] اس رسالہ کے قدیم نسخے یہاں دستیاب ہیں دوبارہ چھپوانے کی ضرورت ہے

بیادگار

حضرت قطب العالم مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ ہذا میں تقریباً دوصد طلبہ پاکستان کے مختلف اضلاع اور علاقوں سے دینی علوم کے حصول کے لیے ہمہ وقت مقیم رہتے ہیں جن کی تمام ضروریات مدرسہ کے ذمہ ہیں۔

مدرسہ ہذا ۳۴ سال سے مسلمانوں میں دینی و دنیوی علوم کی نمایاں خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ہزاروں طلبہ نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق اس سے فیض اٹھایا۔ اس کی تعلیم اور نظم و نسق سے ہر طبقہ کے اہل علم متاثر ہوئے اور قوم سے عدیم المثال خراج تحسین حاصل کیا۔

مندرجہ ذیل حضرات نے

مختلف اوقات میں مدرسہ میں قدم رنجہ فرمایا اور اپنی دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔

○ حضرت الامام مولانا احمد علی لاہوری ○ استاذ العلماء مولانا خیر محمد ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب
○ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ○ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری ○ حضرت قاری رحیم بخش صاحب
○ قاری اظہار احمد صاحب تھانوی ○ قاری عبدالوہاب صاحب مکی

حضرت علامہ محدث کاشمیری فرماتے ہیں: ـــــــ "تعلیم کا جیسا انتظام ہونا چاہیے تھا الحمدللہ کر دیا گیا ہے"۔

اساتذہ تجربہ کار، مستعد جو میسر آئے یک جا جمع کر دئیے گئے۔ زنانہ مردانہ دونوں حصوں میں دینی و دنیوی تعلیم کے ہمہ وقت اشتغال سے اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ کے طلباء کو نوازا ہے۔ مردانہ حصے میں قرآن پاک حفظ و ناظرہ، درس نظامی، تجوید و قرأت۔ زنانہ حصے میں حفظ و ناظرہ قرآن پاک اور عربی صرف و نحو، فقہ تفسیر، حدیث کا چارسالہ نصاب ہے۔ امسال اس درجہ سے ۱۱ لڑکیاں فارغ ہوئیں۔ ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کے کسی درجہ میں داخل فرما دیں۔ تمام درجات میں داخلہ کی گنجائش نکالی گئی ہے۔ سینکڑوں طلباء و طالبات کا ہجوم ۱۴ تجربہ کار معلمین و معلمات کو پورے طور پر گھیر رکھتا ہے۔ ذریعہ آمدنی محض توکلاً علی اللہ۔ جس کو اللہ تعالیٰ محض اپنے متوسط اور غریب لوگوں کی نیک کمائی کی صورت میں پورا کرتا ہے۔

احقر عبدالرحیم نعمانی

مہتمم دارالعلوم مدرسہ عربیہ اسلامیہ رجسٹرڈ منڈی بوریوالہ، ملتان

مکاتیب سید بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

بنام :- حضرت مولانا عبد الحق زید مجدہم اکوڑہ خٹک

جناب محترم ، زیدت معالیکم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ !
نامہ مکارم نے ممنون کیا۔ افتتاح[1] دار الحدیث کا تہنیہ قبول کر لیجئے۔ کاش میں حاضر ہوتا اور شامل ہو جاتا۔ لیکن اپنے واقعی موانع زبانی پیش کر چکا تھا۔
واللہ سبحانہٗ یوفقکم لخدمت العلم الصحیح بکل اخلاص۔
والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہٗ
۲۹ رجب ۸۴ھ

محترم المقام مولانا المحترم زادکم اللہ فضلاً و کرماً و نبلاً۔
تحیۃ و سلاماً و احتراماً ، نامہ مکارم نے مشرف فرمایا۔ محترما ، اتنی کاوش و کوشش کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ یتسر بآسانی ہو سکیں ، بہتر ورنہ اتنی حاجت نہیں۔ کسی[2] کے اصرار و تقاضے پر یہ ارادہ ہو گیا تھا۔ نہ معلوم کہ کب نکلیں گے اور کیسے ؟
دوبارہ طباعت کے لیے مختلف تدابیر ہو رہی ہیں۔ مجھے اگر یہ پہلے معلوم ہوتا کہ آپ کو اور مولانا لطف اللہ صاحب اور عبد الخالق صاحب کو اتنی تشویش لاحق ہو گی تو اس ارادے کو جرم سمجھتا۔ لو استقبلت من امری ما استدبرت ا لخ۔ بہر حال میرے لیے اور سب کے لیے یہ تشویش مقدر تھی۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے اور دنیا کے حرص و لالچ سے نجات دلاتے۔
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ والسلام۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہٗ
۳۰ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ۔

بخدمت جناب مولانا عبد الحق صاحب زید فضلہم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ
مروجہ طرز کا ایک نیا عربی مدرسہ جاری کر دینا دین کی کوئی ایسی خدمت نہیں جس سے عہد حاضر کے دینی تقاضے اور اصلاح و تربیت کی ضرورت پوری ہو سکے۔ نہ ہی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس کے وقت صرف یہ چیز پیش نظر تھی کہ قدیم طرز کا ایک اور عربی مدرسہ قائم کر دیا جائے۔ بلکہ یہ صرف پہلا قدم تھا۔ جو بحمد اللہ کامیاب ہوا — اور اس میں بھی نصاب تعلیم و نظام تعلیم میں کافی اصلاح و ترمیم کی جا چکی ہے اور بہت کچھ باقی ہے۔
درجہ تخصیص[1] اس سلسلہ کا دوسرا قدم ہے۔ اگر اللہ پاک اس کو بھی کامیاب فرما دیں تو انشاء اللہ یہ ایک ایسی دینی خدمت ہو گی جو کسی حد تک صیانت دین کے مذہبی فرض کو عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق پورا کر سکے گی لیکن اس مقصد میں کامیابی ذی استعداد اور محنتی طلبار کے یتسر آنے پر موقوف ہے۔ لہذا جناب والا سے استدعا ہے کہ اپنے حلقہ اثر میں سے مجوزہ طریق پر کام کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل طلبہ پر

---

[1] دار العلوم حقانیہ کی نئی عمارت بالخصوص دار الحدیث کی تکمیل کے بعد افتتاحی دعوت کا جواب۔

[2] مقیم جہانگیرہ ، ضلع مردان۔ عالم فاضل ، بہترین مدرس مرحوم مولانا بنوریؒ کے دیرینہ رفیق اور ساتھی۔

[1] مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں درجہ تخصیص کے سلسلہ میں مولانا مرحوم کے احساسات اس خط سے نمایاں ہیں۔

درجہ تخصیص کی اہمیت واضح فرماکر شائقین طلبہ سے درخواست بھجوائیں۔

امید ہے کہ جناب والا مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ساتھ اس تعاون میں دریغ نہ فرمائیں گے۔ والسلام۔

محمد یوسف بنوری شعبان ۸۳ھ

گرامی قدر محترم المقام۔ زادکم اللہ سیادۃ!

تحیۃ و سلاماً ــــ برادر محترم مولوی سمیع الحق صاحب[1] سلمہٗ کی بالخیر مراجعت پر اور زیارت حرمین شریفین پر طویل قیام و حج بیت اللہ الحرام سب پر تہنیت قبول فرماویں۔ خدمت کیا کی ہم نے۔ یہ آپ کا کرم ہے کہ معمولی بات سے نوازتے ہیں۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ کل پشاور سے وہ روانہ ہوں گے۔ والسلام

محمد یوسف بنوری

۲۹ محرم ۱۳۸۴ھ

گرامی مفاخر محترم جناب مولانا عبدالحق صاحب و برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب زادھما اللہ فضلاً و کرماً۔

تحیۃ و سلاماً۔ نامۂ تعزیت[2] نے ممنون فرمایا اور ہمدردی و محبت و اخلاص اور ایصال ثواب نے مزید شکر گزار فرمایا فاللہ یجزیکم احسن الجزاء۔ بلاشبہ اس عمر میں یہ حادثہ جانکاہ ہوتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بجز تسلیم و انقیاد کوئی راستہ نہیں فلا نقول الا ما یرضیٰ بہ ربنا تبارک و تعالیٰ۔ حق تعالیٰ اجر و صبر سے محروم نہ فرمائے۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرماویں۔ اسمبلی کی تقریر پر مبارک باد دیتا ہوں۔ حق تعالیٰ قبول فرماکر مزید خدمت دین کے مواقع میسر فرماویں۔ آمین

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہٗ

۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

---

[1] ۶۴ء میں حضرۃ مولانا عبدالحق زید مجدہم کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق زیارت حرمین کے لیے گئے۔ کراچی بعدہ حرمین میں مولانا بنوری کی شفقتوں کا شکریہ مولانا عبدالحق نے ادا کیا۔ اس کے جواب میں یہ خط ہے۔

[2] حضرت مولانا بنوریؒ کے والد ماجد قدس سرہٗ کی وفات کے جواب میں۔

گرامی قدر محترم زیدت مکارمکم الجزیۃ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! آپ کی تعزیت[1] اور توجہ پر آپ کا ممنون ہوں۔ دعوات کے لیے شکر گزار ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً! بجز صبر و تسلیم چارۂ کار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے محروم نہ فرماویں۔ والسلام۔

آپ کی ختمات کے لیے مزید شکر گزار ہوں۔ جزاکم اللہ۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہٗ

نیو ٹاؤن کراچی۔ ۳/۹/۹۵ھ

بخدمت مولانا عبدالحق صاحب[2] دامت فیضانکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ آمین۔

دارالعلوم دیوبند نے گذشتہ صدی میں اسلام اور مسلمانوں کی جو بےنظیر علمی اور اصلاحی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ آنجناب سے مخفی نہیں۔ اپنی عظیم خدمات کے تذکرے اور دنیا کو ان سے آگاہ کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے مارچ ۷۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب منانے کا ارادہ کیا ہے۔ جس میں اطراف عالم سے تمام فضلاء دارالعلوم کو مدعو کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام کے ممتاز اہل علم و فضل بھی انشاء اللہ اس مبارک اجتماع میں شرکت کریں گے۔ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی بہت بڑی تعداد چونکہ پاکستان میں ہے اس لیے اس تقریب کے بہت سے مسائل پاکستان سے وابستہ ہیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند آج کل پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور ان کی

---

[1] حضرت مولانا بنوریؒ کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر تعزیتی خط کا جواب۔

[2] دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے سلسلہ میں اس میٹنگ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کے داعی مولانا بنوری اور حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہما تھے۔ میٹنگ ہوئی، مشورے ہوتے لیکن جشن کا پروگرام ۷۷ء میں نہ ہو سکا۔ سال رواں میں انشاء اللہ جشن منایا جاتے گا۔ لیکن افسوس کہ اس میٹنگ کے دونوں داعی آج دنیا میں نہیں۔ تغمدھما اللہ بغفرانہٗ۔

خواہش پر ان مسائل کے سلسلہ میں بعض مخصوص اہل علم کی ایک مجلس مشاورت ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء بروز چہار شنبہ صبح ساڑھے نو بجے دارالعلوم کورنگی کے ایریا کراچی میں رکھی گئی ہے۔ جس میں خود حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہم بھی تشریف فرما ہوں گے۔ دارالعلوم دیوبند ہماری مادر علمی ہے۔ اور ہم سب پر اس کے حقوق ہیں۔ لہٰذا جناب سے گذارش ہے کہ مذکورہ تاریخ پر اس اجتماع میں ضرور تشریف لائیں۔ تاکہ اس تقریب سے متعلق ضروری مسائل باہمی مشورہ سے طے کیے جا سکیں۔ قیام و طعام کا انتظام دارالعلوم کورنگی میں تجویز کیا گیا ہے۔ تشریف آوری کی تاریخ اور وقت سے پیشگی مطلع فرماویں۔ تاکہ استقبال کے لیے آدمی پہنچ سکیں۔ والسلام۔ محمد یوسف بنوری، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

بندہ محمد شفیع صدر مجلس منتظم کراچی۔

گرامی مفاخر محترم مولانا عبدالحق صاحب احسن اللہ عزائکم فی مصابکم واجزل لکم الاجر الجزیل والھمکم الصبر الجمیل۔

السلام علیکم! یہ معلوم ہوکر افسوس ہوا کہ والدہ محترمہ[1] رحلت فرما گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحومہ کو اللہ پاک اپنی مغفرت و رضوان سے سرفراز فرمائے اور آپ کو اور تمام پسماندگان کو اجر و صبر سے نوازے، آمین۔ مجھے تو معلوم نہ تھا کہ اب تک آپ اس نعمت عظمیٰ سے متمتع اور ان کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بہرحال سب کو جانا ہے۔ بجز انقیاد اور چارہ کار نہیں۔ برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب سے ایک ملاقات ہوئی تھی دوسری ملاقات کا انتظار تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ برادر موصوف کو کراچی میں یہ خبر وحشت اثر پہنچی اور فوراً روانہ ہو گئے۔

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔

برادر محترم جناب مولانا سمیع الحق کو سلام و تعزیت پیش ہے۔ والسلام۔

محمد یوسف بنوری، ۲۳ ذی الحجہ ۹۶ھ۔

---

[1] حضرت مولانا عبدالحق کی والدۂ محترمہ کی وفات پر تعزیتی گرامی نامہ۔

***

آزما کر دیکھ لیجیے
ہماری مصنوعات
تہذیب انٹرلاک اور سمر کنگ بنیان
سب سے زیادہ معیاری اور مقبول عام ہیں۔
ایک دفعہ کا امتحان
ہمیشہ کا اطمینان
چوہدری ہوزری فیکٹری
جناح کالونی، فیصل آباد
فون نمبر ۲۳۶۶۴
(۲۲۱۴)

پیتل اور سٹین لیس سٹیل کے
خوشنما اور پائیدار
برتن
خریدنے اور پرانے برتن فروخت کرنے کے لئے
ہماری خدمات حاصل کریں
خالد برتن سٹور
پاکپتن بازار ساہیوال
فون ۳۱۲۰

فیصل آباد میں
معیاری اور پائیدار ہوزری
کا
مشہور و معروف مرکز
نورانی ہوزری فیکٹری
(جناح کالونی) فیصل آباد
فون نمبر ۲۵۷۳۲
۲۲۱۵

رفتی ولے نہ از دلِ ما

مولانا بنوری کی دل ہلا دینے والی تحریریں

حضرت السید مولانا محمد زکریا بنوری (والد مرحوم)

آہ میرے والد محترم! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

۲۴ رجادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ ۵ رجون ۱۹۷۵ء یوم الخمیس ما ادراک مایوم الخمیس کی تاریخ میری زندگی کا دوسرا بڑا عظیم حادثہ ہے۔ اس ستر سالہ زندگی میں پہلا حادثۂ کبریٰ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ ۳ صفر ۵۲ھ کا سانحۂ وفات تھا۔ یہ دوسرا حادثۂ کبریٰ میرے والد حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب کا وصال ہے۔ یوں تو زندگی میں بے شمار حوادث اور حوصلہ شکن واقعات، صبر آزما سوانح پیش آئے۔ لیکن دو عظیم حادثے بلاشبہ ایسے پیش آئے کہ شکیبائی جواب دے چکی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا کہ عالم شباب تھا، برداشت کی طاقت تھی، لیکن حضرت والد کے وصال کا یہ دردناک سانحہ اس وقت پیش آیا کہ جوانی کی طاقتیں جواب دے چکی ہیں۔ سیدہ فاطمہ مرحومہ (حضرت بنوری کی بچی) کی جدائی کے زخم مندمل نہ ہونے پائے تھے۔ نیز اس دو اڑھائی سال میں یکے بعد دیگرے مخلصین و احباب علماء و فضلاء کی رحلت رفیقۂ حیات کی جدائی غرض مسلسل صدمات نے نڈھال کر دیا تھا۔ حقائق اور وجدانی کیفیات کے لئے الفاظ و تعبیرات کا دامن بہت تنگ ہوتا ہے۔ حقائق کی تعبیرات سے الفاظ ہمیشہ قاصر رہتے ہیں۔ اور پھر اس مبالغہ آمیز دنیا میں کسی حقیقت کی صحیح ترجمانی کا حق ادا ہونا بے حد مشکل ہے۔

یوم الخمیس ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ دن کے پونے دس بجے چند روز کی شدید کرب و بے چینی کے بعد میرے والد محترم، میرے آقا میرے آغا جی، میرے مربی، دنیا میں میرے ہادی میرے ملجا دنیائے اسلام کا متاعِ گرانمایہ جہاں علم و عمل کے جوہر آبدار علم ایمان و عرفان کی عظیم ترین شخصیت اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئی جس کے لئے مہینوں سے بیتاب تھے۔ اور آخر چشم زدن میں عالم غیب کی طرف روح لطیف نے پرواز کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کا وجود ہمارے لئے سایہ رحمت الٰہی تھا وہ حق تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت تھی، دعوات نیم شبی اور نالہ ہائے سحری کا ایک سرچشمہ تھا جو خشک ہو گیا ہمارے سکون قلب کا ذریعہ تھا جس سے ہم محروم ہوگئے۔ والد محترم کی وفات حسرت آیات صرف ایک والد کی مرثیہ خوانی نہیں بلکہ علم و عرفان کا مرثیہ ہے ایک صاحب کرامات و خوارق عارف باللہ کا ماتم ہے۔ ایک محقق روزگار کا نوحہ ہے ایک فیلسوف عصر کا غم ہے۔ ایک اولوالعزم وجود کی جدائی پر اظہار حزن ہے۔ مجاہدات و ریاضات میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت کا درد و الم ہے ایک صاحب معبر کا نوحہ ہے ایک باخدا صاحب مکارم اخلاق جود و سخا، ہمت و شجاعت کا نالہ و شیون ہے۔ ایک گوشہ نشین صوفی صاحب صدق و صفا کی جدائی و فراق کا درد و غم ہے، ایک عاشقِ رسول کا درد و اضطراب ہے۔ اسرار کائنات کے دردِ راز و زاری ہے۔ گریہ الوہیت کے اسرار سے واقف، حقائق و معارف کے عالم کی مرثیہ خوانی ہے۔ شریعت اسلامیہ کے یگانۂ روزگار فاضل کے لئے نالہ و فریاد ہے۔ طریقت و حقیقت کے واقف رموز کا حزن و غم ہے۔

والد ماجد کیا تھے، ایک گمنام ہستی جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا۔ شفیق بلخی، ابراہیم ادھم، بایزید بسطامی، سری سقطی، معروف کرخی، جنید بغدادی کے احوال و مواجید تو دنیا نے پڑھے ہیں، لیکن اس فقیر بے نوا کی شاہانہ پرواز کی کس کو خبر؟ تقلیل کلام تقلیل منام تقلیل اختلاط مع الانام کے واقعات تو آپ سن چکے ہوں گے۔ لیکن اس مجاہد زمانہ کے احوال حیرت افزا کی دنیا کو کیا خبر! مرشد کامل کی تلاش و جستجو کے لئے جب استخارہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرت

رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جاؤ تلاش کرو چنانچہ ۱۹۰۶ء کے آخر میں یہ سفر شروع ہوا، بنوڑ و سرہند ہوتے ہوئے دہلی بارگاہ سلطان الاولیاء اور اجمیر خواجہ چشتی کی بارگاہ سے گذرتے ہوئے شاہ جیلان کے دربار بغداد پہنچے اور ہر جگہ ہر مقام پر چلے اور اعتکاف و مراقبات و مکاشفات کا سلسلہ جاری رہا۔ جنہوں اس طرح بادیہ پیمائی کی اس درمیان عجیب و غریب واقعات، حیرت انگیز بشارات پیش آتے رہے۔ واپس آکر تمام ہندوستان کی بادیہ پیمائی کر کے ناسک صوبہ بمبئی کے جنگل میں شیروں اور چیتوں کے درمیان تکمیل ریاضات کے لئے ڈیرہ ڈال دیا، ایک مرتبہ ۸ ماہ اور دوبارہ ۹ ماہ کی گوشہ نشینی اختیار کر کے چنوں اور پتوں پر گزارہ کیا۔

کبھی بندہ بارگاہ ربوبیت میں عبادت کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کان سے سنتا ہے اور اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث پڑھی ضرور تھی، لیکن اپنے زمانہ میں اس کا مصداق اپنے والد کو پایا۔ چنانچہ ان ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام سے مالا مال فرمایا۔ قلب میں بے پناہ قوت ودیعت کردی گئی۔ شدید بارش کے وقت قلب کی طرف توجہ فرماتے اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے، ایسا معلوم ہوتا کہ ایک مربع میل میں موسلا دھار بارش نہیں ہو رہی ہے، آفتاب کی شعاعوں کی تمازت جب ناقابل برداشت ہوتی قلب کی طرف توجہ فرماتے معلوم ہوتا کہ بادل سایہ فگن ہیں۔ شیروں اور چیتوں کی آوازوں سے جب جنگل گونجنے لگتا قلب کی توجہ کانوں کی طرف مبذول ہو جاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ کان کسی آواز کو نہیں سن رہے ہیں۔ ان مجاہدات و ریاضات نے دل کی دنیا یکسر بدل کر رکھ دی تھی علم و آگہی فکر و شعور کا ایک بحر بیکراں قلب میں موجزن تھا جب کسی مسئلہ پر غور شروع کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ میلوں طویل کاغذات سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ابتداء سے لے کر آخر تک ساری تحقیقات آنکھوں کے سامنے ہے۔ فرماتے تھے کہ ان دنوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل میرے شامل حال ہے۔ جو دعا قلب کی زبان سے نکلتی بارگاہ ایزدی سے خلعت قبول لیکر آتی مسائل کے سلسلہ میں جو حق ہوتا وہی دل میں راسخ ہو جاتا غرض فطرت کی اس تربیت گاہ میں جو حالات و واردات پیش آئے قلم کو یارائے بیان نہیں۔

جب علم توجہ اور علم استحضار ارواح "اسپریچوئلزم" میں قدم رکھا تو روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے اور عالم ارواح کے وہ عجائبات منکشف ہوئے کہ عقل حیرت میں ہے جب سلب امراض کا ارادہ کیا تو اس درجہ کمال حاصل ہوا کہ بمجرد ارادہ مریض بالکل تندرست ہو کر بیٹھ جاتا تھا کہ جیسے کوئی مرض ہی نہیں، جب علم اسرار الحروف و عملیات و تعویذات کی وادی میں قدم رکھا تو اس فن کی ادق کتابیں "شمس المعارف" وغیرہ ازبر تھیں۔ طب کی طرف جب توجہ ہوئی تو افغانستان ایسے محیر العقول علاج کئے کہ جرمنی فرانس، لندن و امریکہ سے مایوس العلاج مریض آتے اور ان کے علاج سے شفایاب ہوتے ________ پہنچے ہوئے مریضوں کا علاج کیا اور حیرت انگیز مسیحائی دکھائی، تجارت کا شوق ہوا تو چین سے سبز چائے اور جاپان سے بیناری گری اور کٹلری کا سامان منگوا کر پشاور شہر بازار گھنٹہ گھر میں ہول سیل کی دکان کر کے تاجروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ٹھیکیداری کا خیال ہوا تو کابل میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے، یہاں تک کہ امیر امان اللہ خاں والی افغان کے لئے سب سے پہلے جس نے ہوائی جہاز خریدے وہ حضرت والا ہی تھے۔ جس کا ۵ لاکھ روپیہ آج بھی ہمارا قرض افغان گورنمنٹ کے ذمہ باقی ہے جو امیر امان اللہ خان تخت سلطنت سے محروم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کی نذر ہوگئے۔ یہ واقعہ ۱۳۴۵ھ کا ہے۔

حیدرآباد دکن اور بہاولپور میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے، بہاولپور میں آج بھی متعدد نہروں کے پل ان کی یادگار ہیں۔ زراعت کا شوق ہوا تو افغانستان کے مشرقی علاقے مقام گجہ تو گیانی ضلع جلال آباد میں جہاں حضرت والد ماجد کی ننہال سرداران محمد زئی آباد تھے زمین خریدی اپنے ہاتھ سے انار بیدانہ کے شاخیں اور پودے لگائے جو بعد میں اس علاقے میں بیدانہ انار کا اعلیٰ ترین باغ شمار کیا گیا لیکن چھ ماہ کے اندر ہی سب کو ختم کر کے کابل میں اقامت گزیں ہوئے جب کبھی کچھ کمایا اور ہزاروں کمایا گھر آکر بیٹھ گئے۔ دو چار ماہ میں سب مال و دولت ٹھکانے لگا دیا کسی کا مکان بنوا دیا، کسی کی شادی کرادی جب سب کچھ خرچ ہوا دوبارہ فکر کرنے لگے۔ الغرض اتنی انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زندگی کسی کی نہ دیکھی نہ سنی اور کمال یہ ہے کہ ان کمالات میں سے کسی بھی کمال کو نہ پیشہ بنایا نہ ذریعہ معاش اور نہ کوئی اہمیت دی، سیلاب آیا اور گذر گیا، اکثر زندگی فقیرانہ گذاری، لیکن مہمانداری و مہمان نوازی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی جو ورثہ میں ملی تھی۔ ہزاروں لاکھوں کمائے، لیکن میرے علم میں نہیں کہ کبھی زکوٰۃ واجب ہونے کا موقع آیا ہو۔

قرار در کف آزادگان نگیرد مال۔ نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

بے شمار مخلوق خدا کے ساتھ احسانات کئے مگر کیا مجال کہ کبھی دل میں اس کا خطرہ بھی گذرا ہو یا زبان پر کبھی ذکر آیا ہو۔ ان سب کمالات و کرامات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو ایسا مٹا کے چھوڑا کسی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ آخری زندگی میں کوئی معاش کا ذریعہ اختیار نہیں کیا۔ سب چیزوں کو بالکلیہ ترک کر دیا اور یاد خدا میں مسلسل تیس برس گزارے اور حق تعالیٰ نے راقم الحروف کو خدمت کی سعادت نصیب فرمائی۔ ذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

اصحاب کمال کے بڑے قدردان تھے کسی کی بات پسند آجاتی اتنی داد دے دیتے کہ حیرت ہوتی تھی باوجودیکہ مزاج جلالی تھا، لیکن ہر وقت خوش مزاج خوش طبع نظر آتے تھے جس مجلس میں موجود ہوں سکون و وقار کے ساتھ پوری مجلس

کی رونق ان سے ہوتی تھی۔ مزاج آخر تک علمی رہا اور علمی موشگافیوں کی بڑی قدر دانی فرماتے تھے۔ ابتدائی عہد تعلیم سے ہی کتابوں پر تعلیقات و حاشیہ نویسی کا شغل رہا میر ایساغوجی جدیدہ اور شرح جامی گلستان بوستان پر ان کی تعلیقات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ خط اتنا پاکیزہ کہ موتی ٹنکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ خوشنویس ایسے کہ بسا اوقات ان کے خطوط پر خصوصاً ابتدائی دور کے خطوط پر کسی ایرانی خوشنویس کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ حساب میں اتنی مہارت کہ حیرت ہوتی تھی۔ حالانکہ تعلیم جدید مڈل سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن مہارت ایسی کہ آج کل کے ایم اے کو نہ ہو علمی مشغلہ عرصہ سے متروک و مہجور تھا۔ لیکن معلومات تازہ ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ میں دیوبند حضرت امام العصر مولانا انور شاہؒ کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے۔ ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب "ضرب الخاتم علی حدوث العالم" پڑھاتے تھے۔ درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے۔ اس وقت اتفاق سے علم کلام کا مسئلہ "خلق افعال عباد" جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سلجھاتے رہے۔ درمیان میں حضرت والد صاحب سوالات کرتے رہے حضرت شیخ جوابات دیتے رہے۔ فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا۔ حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا ۲۵ برس ہوئے۔ حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بارہا فرمایا کہ ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس برس سے متروک ہے۔ لیکن معلومات عمدہ اور تازہ، امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

امام غزالی و امام رازی کے عاشق تھے۔ ابن تیمیہ و ابن القیم کے قدر دان تھے۔ اور ان کی تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔ شیخ ابن عربی شیخ اکبر کے انتہائی مدح سرا تھے۔ مولانا روم کے مثنوی کی علمی مشکلات کی تمثیلات کے بے حد قدر دان تھے۔ اور کشف حقائق میں ان کو بے نظیر سمجھتے تھے۔

عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے۔ مطالع الانوار فی فضائل اہل بیت النبی المختار عربی میں اور ایضاح المشکلات اردو میں جس میں وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی۔ اپنے خوابوں کو جمع کیا ہے۔ "المبشرات" نام رکھا اور تعلیقات میں ان کی تعبیرات "عبیر المسرات" نام سے لکھی ہیں۔ روح و نفس کا مقالہ مجلس علمی نے طبع کرا دیا ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صرف تین چیزوں سے محبت ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (۳) اپنی خوابوں سے یہ فرماتے تھے کہ خوابوں سے اس لئے ہے کہ ان میں حق تعالیٰ کا دیدار یا ان کا کلام ہے اور یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہے۔ فرماتے تھے اگر شرعاً جائز ہوتا تو میں اپنے ان خوابوں کو اپنے ساتھ قبر میں دفن کرنے کا حکم دیتا پھر مجھے ان کی حفاظت کی انتہائی وصیت فرمائی۔ الغرض دنیا میں نہ کسی کمال کو چھوڑا نہ کسی پیشے کو چھوڑا

اور سب سے بڑا کمال یہ کہ کسی کمال کو کمال نہ سمجھا نہ دل اس میں لگایا۔ البتہ فرمایا کرتے تھے کہ جو احسانات حق تعالیٰ نے مجھ پر کئے وہ اس دور میں کس پر کئے ہیں وہ بہت سے ادوار میں۔ پہ سچ عربی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

أتزعم انك جرم صغير وفيك انطوى العالم الاكبر

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹے سے جسم ہو حالانکہ تم میں تمام عالم اکبر سمیٹ گیا ہے۔

کوئی اور عربی شاعر یوں گویا ہوا۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

ترجمہ: حق تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمام عالم کو کسی ایک فرد واحد میں جمع کرلے۔

بچپن سے دادی اور پھوپی سے سنا کرتا تھا کہ تمہارے والد کی عمر سو سال ہوگی عجب کہ راقم الحروف کی عمر پانچ برس کی تھی۔ یعنی اب سے ٹھیک ۶۵ برس قبل گھر میں سنا اور ایک دفعہ خود بھی فرمایا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ "مریم" نے ایک دفعہ جب اس پر حالت طاری ہوئی میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ذکر یا تمہاری عمر سو سال ہے سو سال۔ وہ صاحب خوارق و کرامات تھی۔ واردات و احوال غریبہ طاری ہوتے تھے۔ اس حالت میں جو بات کہتی تھی یقینی ہوتی تھی بچپن سے دونوں بھائی بہن کا آپس میں قوی رابطہ سے زیادہ روحانی رابطہ تھا مکاشفات و واردات میں جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی تو ایک دوسرے کے لئے سفارشیں کرتے تھے، ان کا معاملہ فطری تھا بغیر سابقہ ریاضات کے حالات طاری ہوتے تھے۔ والد صاحب کا معاملہ ریاضات کے بعد شروع ہوا۔ دوسری بڑی ہمشیرہ یعنی میری عمہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ شب قدر نصیب ہوئی اور اس کا علم بھی ہوا کہ شب قدر ہے، اٹھیں وضو کیا نماز پڑھی سب سے پہلے دعا اپنے بھائی کے لئے کی کہ ان کی عمر سو سال ہو، یہ باتیں میں سن چکا تھا۔ بہرحال اس انقلاب آفرین زندگی کے تمام نشیب و فراز دیکھ کر آخری حیات طیبہ یاد خدا میں بسر کی اور ٹھیک سو سال اپنی حیرت انگیز زندگی کے پورے کر کے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ مسکراتے ہوئے نور کے شعلوں میں داخل بحق ہوئے۔ بلاشبہ یہ صدمہ میری زندگی میں عظیم ترین صدمہ ہے۔ سید البشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن سے بڑھ کر استقامت و صبر کا پہاڑ مادر گیتی نے نہیں دیکھا نہ کبھی دیکھے گا۔ سیدنا ابراہیم اپنے جگر گوشے کی وفات پر یوں نغمہ سرا ہیں۔

العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی حالت جو صبر و استقامت کے پہاڑ تھے، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا کیفیتیں طاری ہوئی تھیں اے اللہ ہم تو ضعیف و ناتوان ہیں، ہمیں صبر عطا فرما اور اے اللہ اس حادثہ

بانگاہ اور رُوح فرسا میں ہماری اعانت فرما کر احسان فرما۔

اور اے اللہ میرے والد محترم کے مرقد مبارک کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا اور ان کی رُوح پاک کو اعلیٰ علیّین میں پہنچا کر اکرام و اعزاز فرما، اور اے اللہ ان کا مسکن و ماویٰ جنت الفردوس کو بنا اور اے اللہ ان سے وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایان شان ہو اور اے اللہ آپ کا معاملہ جو محبوبان بارگاہ رحمت سے ہے اور جو مقربین بارگاہ قدس سے ہے وہ معاملہ فرما۔ اے اللہ جس طرح آپ نے اپنی ذات سے اور اپنے حبیب پاکؐ سے دنیا میں جو نسبت ان کو عطا فرمائی تھی آخرت میں اسی کے شایان شان رفع درجات و علو مقامات نصیب فرما جن کے بارے میں یہی کہا جائے۔ "مالا عین رأت ولا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر"

اور اے اللہ جس طرح ان کا آپ پر حُسن ظن تھا اس کے مطابق معاملہ فرما۔

اور اے اللہ جس چیز کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ اسے اپنی جہل سے مانگ سکتے ہیں ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما کر سرفراز فرما۔

اور اے اللہ جس طرح آپ نے ہمیں ان کی حیات طیبہ میں دعوات سحری اور نالہ ہائے نیم شبی کے برکات سے سرفراز فرمایا تھا مفارقت کے بعد ان کی روح پر فتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری قدرت بہت محیط ہے اور اے اللہ پشاور سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے لے کر لندن و یورپ تک جن مخلصین و محبین نے ایصال ثواب کر کے احسان فرمایا ہے اور جو محبین ایصال ثواب فرما رہے ہیں، ان سب کو اجر عظیم عطا فرما کر احسان فرما اور جن کے بے شمار تعزیت کے ٹیلیگرام و بے شمار خطوط تعزیت آئے ہیں، ان سب حضرات کو رفع درجات نصیب فرما۔ اور اے اللہ ہمارے قلب حزیں اور پسماندگان کے قلوب محزونہ کو صبر و سکون عطا فرما کر احسان عظیم فرما۔

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر خطوط تعزیت میں سے دو تعزیت نامے شائع کردوں۔ ایک تعزیت نامہ برادرم محترم مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا تعزیت نامہ برادرم محترم مولانا عبدالقدوس صاحب قاسمی کا جو شعبہ اسلامیات کے سابق صدر پشاور یونیورسٹی کے ہیں۔ وجزاہما اللہ خیراً بحسن عزائہما۔

مخدومی و مطاعی حضرۃ الاستاذ المکرم رزقکم اللہ صبراً جمیلا و عافیۃ کاملا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ابھی ابھی حضرت آغاجی نوراللہ مرقدہ و اعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات کی خبر نوائے وقت میں پڑھی، جس بات کا اندیشہ تھا، آخر ہو ہی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وانزل علیہ شآبیب رحمتک وبرّد مضجعہ وادخلہ فی اعلیٰ الجنۃ جنۃ الفردوس وارزقنا وارزق اھلہ صبراً جمیلا۔

اللہ تعالیٰ اس حادثہ کبریٰ میں آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے، موت برحق ہے، آج وہ کل ہماری باری ہے۔ لیکن حضرت آغاجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موت ایک عصر کا خاتمہ، عالم کی موت، ایک گوشہ نشین محقق، ایک انتہائی بلند پایہ مصنف، ایک باخدا درویش، ایک مرتاض صوفی ایک عارف یگانہ اور ایک عظیم شخصیت کی موت ہے جسے زندگی میں زمانہ نے کما حقہ نہیں پہچانا اور نہ ان کی وہ قدر کی جیسا ان کا حق تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ علم و عرفان، عقل و ذوق کا ایسا آمیزہ مدتوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ان کے مجاہدات اور ان کی کرامات ان پر باری تعالیٰ کے مخصوص احسانات و خصائص تو دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہی رہیں گے کہ وہ اس جنس انمول کو دکھاوے سے گرد آلود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی مرنجان مرنج طبیعت، ان کے گوناگوں فضائل ان کی محبت، فقیر پر خصوصی نوازشیں، ہر ایک سے بزرگانہ شفقت، دلبرانہ عتاب جب یاد آتا ہے تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ بہرحال زمانہ نے ایک فرد وحید اور گوہر عجیب کو گم کردیا۔ جن لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ کو بے تکلفی کے عالم میں نہیں دیکھا وہ کیا جانے کہ عالم کس آفتاب نور و برکت سے محروم ہو گیا۔ نہ صرف پشاور نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اپنے ایک عظیم و بزرگ فرزند سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی ہر بشری لغزش و خطا کو ان کے جد امجد سید السادات شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور جنت میں اپنے دادا جان علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور آپ کو عزیزم محمد اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس حادثہ جانکاہ میں خود ہی آپ کا مونس و غمگسار ہو، اور ان کی برکات و فیوض اور ان کی روح پر فتوح کے فیضان سے آپ کو اور ہم سب کو ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین

دل روتا ہے آہ وہ شفقتیں، بزرگانہ محبتیں، دل نوازیاں، ہمت افزائیاں، عطا و وفا کہاں ملے گی، رخصت اے مرد درویش رخصت، آہ! الفراق الی یوم التلاق۔

؎ علوٌّ فی الحیاۃ وفی الممات
لحقٌّ انت احدی المعجزات
علیہ تحیۃ الرحمات تتریٰ
برحمات غوادر رائحات

صدمہ عظیم ہے یہ اشکبار اس بارے میں پورا شریک غم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی غمگساری فرمائے اور آپ کو اس صدمہ پر اپنی انتہائی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازے۔ انشاء اللہ کراچی میں حاضری پر تعزیت کی سعادت حاصل کر دوں گا۔

بندہ کے جملہ متعلقین اور آپ کے اور حضرت آغاجی مرحوم کے دسترخوان کرم بہت بہت تعزیت اور اظہار غم کرتے ہیں، میرے تمام عزیزوں کی طرف سے

پُرسۂ غم قبول فرمایئے۔

والسّلام

شریکِ غم خاکپائے بزرگان، محمد اشرف"

مخدومی المحترم عزی اللہ مصائبکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آغاجی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت آپ کے لئے تو مصائب عظیم ہے ہم سب منتسبین کو بھی علیٰ تفاوت الدرجات اس حادثۂ فاجعہ میں کچھ حصہ ضرور ملا۔ اس عاجز کے بس میں اور تو کچھ نہ تھا صرف دعا ہی تھی۔ اپنے گھر پر چند علما، اور احباب و مخلصین کو دعوت دی کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کریم پڑھا جائے۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک دعاؤں میں یاد جاری ہے۔

آغاجی رحمۃ اللہ علیہ میں خاندانِ سیادت کے بہت سے آثار نمایاں تھے، ان کی ذہانت، جرأت، شہامت، علم، سخا، تقویٰ، اخلاص، شفقت کس کس وصف کو انسان بھول سکتا ہے۔ چند دن کی صحبت جو کراچی میں میسر آئی۔ اس میں مجھے شفقتِ پدری کا سکون محسوس ہوتا رہا۔ یہاں کے مشاغل نے بہانہ بن کر آخری ایام کی دعاؤں سے محروم کردیا۔ ورنہ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اور کچھ نہ ہو تو کم از کم ایک ہفتہ کے لئے حاضری دے آؤں۔ ان کے وصال کے بعد بھی آج تک اسی حیص بیص میں رہا کہ عریضہ کی بجائے خود ہی حاضر ہو کر شریکِ تعزیت ہو جاؤں، مگر گرمی کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ اس لئے بالآخر اس عریضہ کی تقدیم لازمی نظر آئی۔

اخبارات میں تا حال روزانہ علما و طلبہ کی طرف سے ایصال ثواب کی اطلاعات چھپتی رہتی ہیں۔ یعنی ملک بھر سے تحائف ان کی رُوح مبارک کو برابر پہنچ رہے ہیں۔ ان کے اپنے اعمال خیر بھی عظیم تھے، ان تحائف کا ازدواج ان کے درجات کو مزید ارفع واعلیٰ کر دے گا۔ واللہ عندہ حسن الثواب۔

آغاجی رحمۃ اللہ علیہ ان آخری ایام میں (جب کہ میں کراچی میں تھا) آپ کا ذکر ہمیشہ بہت احترام و محبت کے لہجے میں کیا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جذباتِ محبت زیادہ ترقی پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان کے جذباتِ محبت کے ثمرات آپ کی ذات کو اور آپ کے جذباتِ شوقِ خدمت اور ادعیۂ اخلاص کے ثمرات ان کی رُوح کو احسن ما یجزی الوالد عن ولدہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ نے مولانا محمد ایوب بنوری کے والد مرحوم کی تعزیت کے موقع پر ان کو یہ شعر سنایا تھا۔ یہ عاجز بھی بزرگوں کی تقلید کے طور پر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ ؎

خیر من العباس اجرک بعدہ

واللہ خیر منک للعباس

والسّلام: دعا جو محمد عبدالقدوس (معرفت شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی)

زعیم ملّت جمال عبدالناصر مرحوم

گذشتہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں اردن میں جو خونچکاں اور روح فرسا واقعات پیش آئے، ان پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا یہ قتل عام بجا طور پر دورِ حاضر کا "تاریخی المیہ" کہلانے کا مستحق ہے۔ وہ طاقت جو اسرائیلی طاغوت کے مقابلے میں خرچ ہونی چاہیئے تھی، آپس میں خانہ جنگی کی نذر ہو کر رہ گئی۔ "جہاد" کے بجائے خانہ جنگی کی مکروہ ترین دردناک صورت سامنے آئی، اسباب کیا تھے؟ اور صحیح واقعات کیا ہیں؟ یہ ایک معمہ سا بن گیا ہے۔ خیر اسباب کچھ بھی ہوں، نتائج بہرحال ہمارے سامنے ہیں، اتنا ضرور ہے۔ کہ اعداءِ اسلام نے جانبین کی حوصلہ افزائی کے لئے نہ صرف ریشہ دوانیاں کیں، بلکہ دونوں طرف مادی تعاون بھی جاری رہا اور مسلمان اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹنے کے لئے اعداء کے آلۂ کار بن گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس المیہ کے ظاہری علل و اسباب کچھ بھی ہوں، مگر اس کا باطنی سبب تو بظاہر شامتِ اعمال ہی معلوم ہوتی ہے۔ خدا فراموشی، نسل پرستی، اعلائے کلمۃ اللہ کے تصور کا مفقود ہو جانا، جدید تمدن و تہذیب سے نہ صرف ملوث ہونا بلکہ اس میں مستغرق ہو جانا، قدم قدم پر عریانی اور فواحش و منکرات کے رُوح فرسا مناظر اور خود پسندی، خود غرضی اور بداعتمادی کے مظاہرے ــ یہ ہیں وہ چیزیں جنہوں نے عقلوں کو بیہوش بنا دیا تھا۔ ع

"شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت"

یہی دردناک صورتِ حال جمال عبدالناصر جیسی مضبوط اور آہنی شخصیت کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔ یہ ان کی زندگی کا بے مثال کارنامہ ہے کہ فریقین اور عرب ممالک کے سربراہوں کو بلا کر ان کی صلح کرائی اور ان کے تدبر سے آخر یہ گتھی سلجھ گئی۔ جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفیر جناب علی خشبہ سے معلوم ہوا کہ جمال ناصر مرحوم کو نو راتیں مسلسل نیند نہیں آئی۔ ڈاکٹروں کے اصرار پر خواب آور گولیوں کی مدد سے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل دو گھنٹے آرام کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ ان کی زندگی کا آخری کارنامہ، ان کے نامۂ اعمال کا زریں حصہ ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے حالات عرصہ سے پیچیدہ ہیں، اور اب جمال عبدالناصر کی وفات سے اور پیچیدہ ہو گئے۔ عرصہ دراز کے بعد عرب ممالک میں استعماری طاقتوں خصوصاً امریکہ، برطانیہ اور یہود کا مضبوط ترین مخالف پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی مقبولیت کا ٹھیک اندازہ دنیا کو ہوا۔ امریکہ و برطانیہ عرب ممالک میں جو ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں، ان کے لئے جمال ناصر کا وجود ایک آہنی دیوار تھا۔ ان کا سب سے بڑا وصف استعمار دشمنی تھا۔ جہاں کہیں استعماریت کے خلاف تحریک حریت شروع ہوئی، انہوں نے نہ صرف اس کی ہمنوائی کی، بلکہ ممکن سے ممکن اعانت سے بھی دریغ نہ کیا۔ الجزائر کی آزادی میں اوّل سے آخر تک جو محیر العقول اعانت کی وہ بجائے خود ایک عظیم کارنامہ ہے۔ برطانیہ، فرانس اور یہود کے سہ طاقتی حملے کو جس بہادری و تدبر سے پسپا کیا وہ قابلِ حیرت ہے . . .

. . . .

اس وقت بظاہر امریکہ و برطانیہ کی ملعون سازشوں کے لئے میدان خالی سا ہو گیا ہے، چنانچہ فوراً امریکہ نے تقریباً ۲۰ ارب ڈالر کا دفاعی بجٹ منظور کر کے اسرائیل کو ۵۰۰ کروڑ ڈالر قرض دینے کی تجویز پاس کر لی۔ اور وزیر اعظم اسرائیل نے فلسطین میں تعمیر کرانے کا منصوبہ بنا لیا، اس طرح عرب ممالک کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا اور یہود سے قدس اور مغصوبہ سرزمین کے استخلاص کی اُمید کھٹائی میں پڑ گئی۔

خیر یہ تو سیاسی مسائل ہیں، علمی و دینی مسائل ہمارے "بصائر و عبر" کا اصل میدان ہے۔ جامعہ ازہر کے میزانیہ کو ساڑھے نو ملین پونڈ تک پہنچا دیا۔ اس کے تعمیری سلسلہ کو اس قدر حیرت انگیز ترقی دی کہ عقل حیرت میں ہے۔ سات ہزار بیرونی ممالک کے طلبہ کے لئے وظائف مقرر کئے۔ اور "مدینۃ البعوث" میں ان سات ہزار طلبہ کے لئے رہائش کا انتظام کیا۔ عمدہ سے عمدہ غذائیں ان کے لئے فراہم کیں۔ ناشتے میں فول اور انڈے، دوپہر اور شام کے کھانے میں ہفتہ میں تین روز مرغ اور اتنی وافر مقدار میں کہ جتنا چاہئیں کھائیں اور اگر طلبہ کے مہمان بھی ہوں تو ان کے لئے الگ انتظام۔ مطبخ سے مزید جتنا چاہیں کھانا طلب کر لیں۔ دینی یا غیر دینی اداروں اور قومی یا حکومتی مدارس و جامعات میں تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سرکاری مناصب ازہریوں کے لئے اور دین و دنیا کی تفریق علوم و معارف میں جو قائم ہو گئی تھی۔ ناصر پہلا شخص ہے جس نے اسے ختم کر دیا اور تمام شعبوں میں خواہ انجینئرنگ ہو یا اکنامکس، دین کا اتنا حصہ شامل کر دیا کہ آدمی جاہل نہ رہے کلیہ الہندسہ (انجینئرنگ کالج) کا نصاب دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے یہاں اسلامیات کی تعلیم جو ایم۔ اے میں ہوتی ہے اس کے مقابل میں صفر ہے۔ الغرض دوسرے ممالک کے طلبہ کے لئے بھی آسائش حیرت انگیز ہے اور جیب خرچ کے لئے ۶ پونڈ کا وظیفہ دینا، اس پر مستزاد۔ خود مصریوں کے لئے تمام تعلیم مفت، یعنی کتاب پنسل اور کاپی تک حکومت دیتی ہے۔ اس لئے فوج کے علاوہ تمام وزارتوں سے وزارتِ تعلیم کا بجٹ زیادہ ہوتا ہے۔

ازہر کے زیرِ نگرانی ایک شعبہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کا قائم کیا، جس میں جدید مسائل کتاب و سنت کی روشنی میں حل کئے جائیں۔ اس کے لئے اکثر عرب ممالک سے مستقل ارکان و اعضاء کا انتخاب کیا۔ پھر یہ اہتمام کیا کہ یہ مسائل تمام عالم اسلام کے علماء کے سامنے پیش کئے جائیں، اس کے لئے موتمرات یعنی کانفرنسیں ہوتی ہیں اور ان کانفرنسوں میں ہر نمائندے کو ردّ و قدح کی اجازت ہوتی ہے۔ فیصلہ ہونے کے بعد کتابی صورت میں وہ مسائل و مقالات چھپتے ہیں۔

ازہر میں ایک شعبہ قائم کیا جس کے زیرِ اہتمام تمام عالم میں خواہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، عربی ادب، عربی علوم یا اسلامی دعوت کے لئے علماء بھیجے جائیں چنانچہ امریکہ سے پاکستان تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ کراچی، ڈھاکہ، لاہور، پشاور، تمام جگہ اساتذہ عربی سکھانے یا قرأت سکھانے یا بقیہ علوم سکھانے کے لئے موجود ہیں اور بعض ممالک میں اتنے علماء بھیجے کہ حد ہو گئی۔ سومالی لینڈ میں سو کے قریب عالم بھیجے۔ اس طرح ہزاروں کی تعداد میں "مبعوثین" باہر کی دنیا میں بھاری مشاہرات سے بھیجے جاتے ہیں اور اہل و عیال سمیت ان کے آنے جانے کیلئے ہوائی جہازوں تک کے تمام مصارف حکومت برداشت کرتی ہے۔

دینی و علمی کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے ایک مستقل ادارہ "المجلس الاعلیٰ للشؤن الاسلامیۃ" قائم کیا اور اس میں ایک شاخ "احیاء التراث الاسلامی" قائم کی، جس نے ان چند سالوں میں درجنوں اعلیٰ سے اعلیٰ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں علمی اداروں اور تمام اسلامی و غیر اسلامی ممالک کے مطالبے پر مفت اپنے خرچ پر بھیجتے بلکہ افراد و اشخاص کے نام ارسال کرتے ہیں۔ اور ان میں اسلامی اصول اور جدید انداز سے اسلامی علوم کی جو خدمت کی گئی عقل حیران ہے۔

محمود خلیل مصری کی تلاوت سے امام حفص کی قرأت کو ۸۴ بڑے ریکارڈوں میں تمام قرآن کریم کو ریکارڈ کر کے تمام ممالک اسلامیہ میں اس کے سیٹ بھیجدیئے تاکہ حکومتیں اسے ریڈیو پر نشر کرتی رہیں۔ اس طرح امام ورش کی قرأت کے ۶۵ ریکارڈ بنائے گئے اور مراکش اور افریقہ وغیرہ ممالک میں بھیجے گئے، وہاں عام طور سے لوگ مالکی مذہب کے ہیں اور وہ امام ورش کی قرأت پڑھتے ہیں۔ اسی طرح قاری عبدالباسط عبدالصمد کی تلاوت کو ریکارڈ کر کے محفوظ کر دیا اور وہ قاہرہ ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے۔ قاہرہ میں ایک مستقل ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا، جس کا نام "محطۃ اذاعۃ القرآن الکریم" رکھا ہے۔ اس اسٹیشن سے صرف قرآن کریم کی تلاوت روزانہ چودہ گھنٹہ ہوتی ہے، اس طرح دنیا میں حفاظِ قرآن کے لئے آسانی کی گئی اور قرآن کریم کے احترام کے لئے اور کوئی خبر اس اسٹیشن سے نشر نہیں کی جاتی۔

نماز سکھانے کے لئے چھوٹے چھوٹے پلاسٹک ریکارڈ بنائے گئے

اور تمام دنیا میں اس کو عام کر دیا۔ قرشوں سے اس کی قیمت رکھی اور مفت تمام ممالک میں بھیجے۔ قرآن کریم کے لاکھوں نسخے چھوٹے عمدہ سائز کے بہترین کاغذ پر طبع کرا کے افریقہ کے ان تمام ممالک کو بھیجے جو آزاد ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ سفارت خانوں کی معرفت تمام اسلامی ممالک میں بھیجتے ہیں تاکہ قرآن مطبعی اغلاط سے محفوظ رہے اور قرآن کی تلاوت عام ہو۔ پچھلے سالوں میں جب یہودیوں نے محرف قرآن شائع کیا تو اس کے جواب میں تمام عالم کے لئے قرآن چھاپ کر ناصر کی حکومت نے ہر ہر گوشے میں نسخے ارسال کئے۔ قرآن کریم کی اشاعت، قرأت، تلاوت، طباعت جتنی اس کے دور میں ہوئی کبھی نہیں ہوئی۔ ماہ رمضان المبارک میں تمام عالم اسلامی میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک قاری بھیجے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر سال پانچ یا تین قاری پاکستان بھی آتے ہیں۔ کیا اسلام کے دشمن ایسے کام کرتے ہیں؟ اگر بالفرض یہ سیاسی اغراض کے لئے ہیں تو دوسرے اسلامی ممالک کیوں ایسا نہیں کرتے؟

غالباً پانچ برس کی بات ہے کہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی مؤتمر کے زمانے میں راقم الحروف بھی مؤتمر میں مدعو تھا، اس وقت قاہرہ میں ہمارے پاکستان کے سفیر اے۔ کے دہلوی تھے (عبدالسمیع خان دہلوی) وہ مجھ سے اس دوران میں کچھ مانوس سے ہو گئے تھے۔ اپنی قیام گاہ پر (یہ دریائے نیل پر سر آغا خان کی ایک عظیم الشان کوٹھی تھی اور پاکستانی حکومت کو دی گئی تھی) مجھے استقبالیہ دعوت دی، فراغت کے بعد مجھ سے کہا کہ میرا ایک پیغام آپ ہمارے صدر مملکت جناب ایوب خان کو پہنچا دیجئے، ان کو بتائیں کہ دنیا میں حکومت ایسی ہونی ہے، جیسی صدر جمال عبدالناصر کرتا ہے، میں نے پوچھا وہ کیسی؟ فرمایا: اس کے بچے اسکول اور کالج سائیکل پر جاتے ہیں، ان کے لئے موٹر نہیں، کسی بنک میں اس کا کوئی کھاتہ نہیں، جتنی زمین ان کی ملکیت تھی، صدر بننے کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، جس وقت وہ کرنل تھے، اس وقت جس مکان میں رہتے تھے، بدستور اسی مکان میں رہتے ہیں گورنمنٹ ہاؤس میں نہیں رہتے، صرف ملاقات کے لئے وہاں آیا کرتے ہیں۔ اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں۔ ـــــــــــ میں نے کہا کہ آپ خود براہ راست یہ پیغام کیوں نہیں پہنچاتے؟ کہا، یہ ہمارا منصب نہیں، تم جیسے جرأت مند مولویوں کا کام ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اگر ایوب خان صاحب سے ملاقات ہو گی تو ضرور یہ پیغام ان کو پہنچاؤں گا۔

ناصر کا سب سے بڑا جرم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشتراکیت کی بنیاد ڈالی اور عرب قومیت کی علمبرداری کی ہمیں ان کی وکالت نہیں کرنی۔ ہر شخص قیامت کے روز اپنے اعمال کا مسئول ہو گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جمال عبدالناصر عہد حاضر کا فرمانروا تھا۔ وہ فاروق اعظمؓ نہ تھا کہ دین و دنیا کے تمام نظام میں اسلامی شریعت اور آسمانی قانون کے اتباع سے سر مو تجاوز نہ کرے، اس معیار پر نہ جانے بہ مشکل تاریخ اسلام میں کتنے افراد نکلیں گے۔ لیکن قابل غور یہ ہے کہ وہ اشتراکیت یا اشتمالیت جس کا سرا مارکس و لینن سے جڑتا ہے اور جو سراسر کفر و الحاد ہے۔ اسے ایک لمحہ کے لئے کوئی مسلمان تو درکنار ایک عاقل انسان بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن جو ملک غلط نظام معیشت کی وجہ سے عیش پرستی کا مرکز ہو، طبقاتی تفاوت زمین و آسمان کا ہو، ایک کو عیش پرستی کا ہیضہ ہو، اور ایک نان شبینہ کے لئے ترستا ہو، اخلاقی و دینی گرفتیں ڈھیلی ہو جائیں، ایسے نظام کی اصلاح کے لئے تدبیر کرنا تو جرم نہیں، البتہ تدبیر میں شرعی اصولوں سے نکلنا جرم ہے۔ تمام دنیا میں سرمایہ داری اور عیش پرستی کے رد عمل کے طور پر کمیونزم آ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہلک سیلاب کے روکنے کی تدبیر کرے اور صریح کفر سے بچائے تو کیا یہ قابل قدر کارنامہ نہ ہو گا؟ تمام یورپ کے عقلاء یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں مصر ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں روس کا کمیونزم نہیں آ سکتا جو اقتصادی نظام وہاں جاری ہے۔ اس نے کمیونزم کے سیلاب کو مصر میں آنے سے روک دیا ہے۔ یوں بھی وہاں کمیونزم اور قادیانیت دونوں خلاف قانون ہیں۔

بلاشبہ روسی اشتراکیت یا اشتمالیت دونوں کفر ہیں اور اگر کسی نے محض اسلام کے اقتصادی نظام کا نام اشتراکیت الاسلام یا "اسلامی سوشلزم" رکھ دیا تو بلاشبہ یہ بھی غلط ہے۔ اسلامی نظام اقتصاد کو اجنبی نام سے پکارنا بھی گناہ ہے۔ اسی طرح اسلام کے مالی نظام کے لئے دوسروں کے نظاموں سے استعارہ کر کے نام رکھنا بھی جرم ہے۔ یہ ذہنی مرعوبیت اور فکری غلامی کی دلیل ہے۔ کہ اسلامی ناموں کو چھوڑ کر غیر اسلامی نام رکھا جائے۔ حق تعالیٰ نے اسلام کے تمام نظام کو، خواہ اس کا اقتصادی شعبہ ہو یا سیاسی و معاشرتی شعبہ۔ دوسروں سے مستغنی کر دیا ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ روس یا چین کے ناموں سے اسلامی چیزوں کو پکاریں۔ لیکن واقعی سوشلزم لانا اور چیز ہے، اور صرف اسلامی مالی نظام کو سوشلزم سے تعبیر کرنا ایک دوسری چیز ـــ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک صریح کفر اور دوسرا گناہ ہے۔ اخوان المسلمین کے ایک مشہور رکن رکین مصطفی سباعی مرحوم نے اسلامی مالی نظام پر ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس کا نام "اشتراکیت الاسلام" رکھا، کیا نام رکھنے سے وہ کافر ہو گیا؟ العیاذ باللہ۔ ہاں اگر اسلامی نظام کے بالمقابل روس کی اشتراکیت کو سراہا جائے، جیسا کہ سید قطب کی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ" سے مترشح ہوتا ہے، تو بڑی خطرناک اور بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ بہرحال جو جرم اخوان المسلمین کے رکن نے کیا، یہی جرم ناصر نے بھی کیا ہے۔

یوں تو مصر کی سرزمین آزادی کے لئے تاریخی طور پر مشہور ہے۔ صدیوں پہلے حافظ بدرالدین عینیؒ نے "عمدہ" میں اس کی بڑی تلخ شکایت کی تھی مگر جب سے نپولین کا اقتدار قائم ہوا اور فرانسیسی نسلیں قاہرہ و اسکندریہ میں لا کر بسائی گئیں تو بے پردگی کا رواج عام ہوتا گیا، نئی نسل میں ـــ بالخصوص شہری آبادی میں "سفور" یعنی بے حجابی کی وبا پھیل گئی۔ تعلیمی مدارس کے تمام شعبوں میں

باقی ۴۰۲ پر

علوم و معارف

مولانا بنوری کی زندہ و یادگار تحریریں

نبوت ایک عطیۂ ربانی ہے جس کی حقیقت تک رسائی غیر نبی کو نہیں ہو سکتی، اس کی حقیقت کو یا تو حق تعالیٰ جانتا ہے، جو نبوت عطا کرنے والا ہے، یا پھر وہ ہستی جو اس عطیہ سے سرفراز ہوئی مخلوق بس اتنا جانتی ہے کہ اس اعلیٰ وارفع منصب کے لیے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے وہ:

(۱)۔ معصوم ہے، یعنی نفس کی ناپسندیدہ خواہشات سے پاک صاف پیدا کیا گیا ہے اور شیطان کی دسترس سے بالاتر عصمت کے یہی معنی ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور ناممکن ہے۔

(۲) آسمانی وحی سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے۔ اور وحی الٰہی کے ذریعہ ان کو غیب کی خبریں پہنچتی ہیں۔ کبھی جبریل امین کے واسطہ سے، اور کبھی بلا واسطہ، جس کے مختلف طریقے ہیں۔

(۳) غیب کی وہ خبریں عظیم فائدہ والی ہوتی ہیں، اور عقل کے دائرے سے بالاتر ہوتی ہیں، یعنی انبیاء علیہم السلام بذریعہ وحی جو خبریں دیتے ہیں ان کو انسان نہ عقل و فہم کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے، نہ مادی آلات و حواس کے ذریعہ ان کا علم ہو سکتا ہے۔

ان تین صفات کی حامل ہستی کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث و مامور کیا جاتا ہے۔ گویا حق تعالیٰ اس منصب کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو افرادِ بشر میں اعلیٰ ترین صفات کی حامل ہوتی ہے۔ اس انتخاب کو قرآن کریم کہیں اجتبار سے، کہیں اصطفاء سے اور کبھی لفظ اختیار سے تعبیر فرماتا ہے یہ عام صفات، خصوصیات تو ہر نبی و رسول میں ہوتی ہیں پھر حق تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما کر وہ درجات عطا کرتا ہے۔ جن کے تصور سے بھی بشر قاصر ہے گویا نبوت، انسانیت کی وہ معراج کمال ہے جس سے کوئی بالاتر منصب اور کمال عالم امکان میں نہیں۔ ان صفات عالیہ سے متصف ہستی کو ہدایت و اصلاح کے لیے مبعوث کر کے انہیں تمام انسانیت کا مطاعِ مطلق ٹھہرایا جاتا ہے، ارشاد ہے

ہم نے ہر رسول کو اسی لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے

پس حکم خداوندی یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ وہ مطاع اور واجب الاطاعت متبوع ہے، اور امت اس کی ہدایت کے تابع اور مطیع فرمان۔

ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

مودودی صاحب کی ایک تحریر کا نوٹس

عشقِ رسالت میں ڈوبی ہوئی تحریر

جب نبوت و رسالت کے بارے میں یہ صحیح تصور قائم ہو گیا کہ وہ ایک عطیہ ربانی ہے، کسب و محنت اور مجاہدہ و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ حق تعالیٰ اپنے علم محیط، قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے پاک اور معصوم و مقدس ہستی کو پیدا فرما کر اس کو وحی آسمانی سے سرفراز فرماتا اور مخلوق کی ہدایت و ارشاد کے منصب پر اسے کھڑا کرتا ہے تو اس سے عقلی طور پر خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی و رسول کی شخصیت انسانی کمزوریوں میں ملوث ہو تو وہ ہدایت و اصلاح کی خدمت کیسے انجام دے سکے گا" آنکہ خود گم است کرا رہبری کند"

چنانچہ سنت اللہ یہی ہے کہ نبی کا حسب و نسب، اخلاق و کردار صورت و سیرت خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن ایسا پاک اور مقدس و مطہر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کا دل و دماغ مطمئن ہو اور کسی کو انگشت نمائی کا بال برابر بھی موقعہ نہ مل سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص شقاوت ازلی کی وجہ سے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہے اور جحود و انکار میں مبتلا ہو کر ہدایت سے محروم رہ جائے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ بدتر سے بدتر دشمن بھی نبی میں کسی "انسانی کمزوری" کی نشاندہی کر سکے۔

قرآن کریم میں انبیاء کرام اور رسولان عظام۔ علیہم الف الف صلوٰۃ وسلام۔ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اور ان کے جن جن خصائص و کمالات اور اخلاق و صفات کی نشاندہی فرمائی ہے یہ جگہ ان کی تفصیل کے لیے کافی نہیں، یہاں اس سمندر کے چند قطرے پیش کیے جاتے ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں، اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور بشارت دینے والا، اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے۔ تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

یٰسین قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بے شک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں، سیدھے رستہ پر ہیں۔

نٓ، قسم ہے قلم کی، اور ان (فرشتوں) کے لکھنے کی، کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور بے شک آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں، اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے، اور کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔

تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کراویں، پھر آپ کے تصفیہ سے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کریں۔

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں، اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور فہم کی باتیں نازل فرمائیں، اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

ترجمہ آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و کمالات کا نقشہ سامنے آگیا ہو گا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ کا آفتاب عالم تاب بنایا ہے۔ تاکہ امت ان پر ایمان لائے ان کی توقیر کرے اور ان کی امداد کرے، بلاشبہ آپ سراسر صراط مستقیم پر ہیں۔ تاریخ عالم اس کی شہادت دیتی ہے کہ آپ خلق عظیم سے آراستہ ہیں، جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی توقیر و نصرت کریں اور جو آسمانی وحی کا نور الٰہی ان کے ساتھ ہے اس کا بھی اتباع کریں۔ آخرت کی فلاح انہی کے لیے ہے، ان کی اتباع سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کی سعادت عظمیٰ ہوتی ہے۔ انہی کی اطاعت سے ہدایت ملتی ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اور آخرت کے امیدوار ہیں وہ انہی کو اپنا مقتدا و پیشوا بنائیں گے، جو لوگ اپنے نزاعات و مخاصمات میں بھی ان کے فیصلوں کو دل و جان تسلیم نہ کریں خدا کی قسم کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ کا امت محمدیہ پر بڑا احسان ہے جن میں ایسی ہستی مبعوث فرمائی کہ حق تعالیٰ کی آسمانی وحی ان کو پڑھ کر سنائیں، ہر قسم کے شرک و کفر معصیتوں اور جاہلیت کی رسموں سے ان کا تزکیہ کریں، ان کو کتاب و سنت کی تعلیم دیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا کہ کتاب و حکمت کے وہ تمام علوم ان کو سکھائے جو نہ جانتے تھے۔ چند آیات بینات کا یہ سرسری خاکہ ہے حق تعالیٰ کی اس آسمانی شہادت کے بعد کیا کوئی کمال اب ایسا باقی ہے۔ جو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیا گیا ہو؟ اسی آسمانی وحی ربانی میں تمام امت کو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و درود بھیجتے ہیں، اس لیے تمہیں حکم ہے کہ تم بھی ان پر درود بھیجو پانچوں وقت اذان میں ان کی رفعت و بلندی مقام کا اعلان ہوتا ہے، ہر نماز میں ان پر درود و سلام کا مخصوص انداز میں حکم ہے، گویا کوئی نماز جو حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص عبادت ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مناجات ہے آپ کے ذکر خیر اور درود و سلام سے خالی نہیں بلکہ اسی پر نماز کا اختتام ہوتا ہے۔ اس لیے تمام امت اور آسمانی کتابوں کا بھی فیصلہ ہے ع " بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" بہر حال یہ مسلمات میں سے ہے کہ افراد بشر میں جن نفوس قدسیہ کو حق تعالیٰ نے اصلاح نفوس اور ہدایت و ارشاد عالم کے لیے منتخب فرمایا ہے ان سب کے سرتاج سید الانبیاء والمرسلین امام المتقین خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے، اگر ان میں کوئی کوتاہی اور کمی رہ جائے تو پھر سارے انبیاء کرام کوتاہیوں سے مبرا کیسے ہو سکتے ہیں اور امت کی ہدایت کے لیے وہ کیسے اسوہ و قدوہ بن سکتے ہیں، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ذات اقدس نے ہدایت و ارشاد کے لیے ان کی بعثت فرمائی ہے نعوذ باللہ قاصر ہے، اور ان کی قدرت سے ایسے افراد کا انتخاب بالاتر ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، پھر نہ تو خدائی رہی، نہ نبوت و رسالت، نہ آسمانی وحی، نہ دین، سارا معاملہ ہی ختم ہو گیا۔ ان حقائق کی روشنی میں "ترجمان القرآن" جلد ۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء میں بعنوان "اسلام کس چیز کا علمبردار ہے" مودودی صاحب کا مقالہ مطالعہ کیجیے، صفحہ ۳۰ پر موصوف یوں رقم طراز ہیں "وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نہ فوق البشر ہے، نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے" کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے ہاں تمام اولین و آخرین اور حق تعالیٰ جو خالق الانبیاء والمرسلین ہیں ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اتقی البشر ہیں — سید البشر ہیں، تمام نسل انسانی میں سب سے بڑھ کر متقی اور کامل ترین افراد بشر میں سے ہیں۔ آفتاب عالمتاب اور بدر منیر کے انوار کو ان کے انوار سے کیا نسبت؟ آسمان ہو یا زمین، چاند ہو یا سورج حتیٰ کہ عرش رحمٰن بھی آپ کی منزلت سے قاصر ہے، تمام مخلوقات خداوندی میں افضلیت و کمال کا تاج آپ ہی کے سر باندھا گیا ہے "نہ فوق البشر ہے" یہ جملہ بھی جو غمازی کرتا ہے کہ فوق البشر کہنا بھی ناقابل برداشت ہے لیکن "نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے" کے فقرے سے جو کچھ دل میں تھا ابھر کر آ گیا، جو شخص بشری کمزوریوں میں ملوث ہے وہ بشر کی ہدایت کے لیے کیسے موزوں ہو سکتا ہے؟ اردو کے عرف میں اور عام تعبیرات کے پیش نظر بشری کمزوریوں کا اطلاق ان صفات بشریہ پر ہوتا ہے جو صفات ذمیمہ اور قبیحہ ہیں، لوازم بشریت مراد ہو ہی نہیں سکتے لوازم بشریت کھانا پینا سونا جاگنا خوشی، غم صحت و مرض وفات وغیرہ بلا شبہ یہ لوازم بشریت ہیں خواص بشریت ہیں اور صفات بشریہ ہیں، عرف میں اس کو کوئی بشری کمزوریوں سے تعبیر نہیں کرتا، لوازم بشریت سے تو ملائکۃ اللہ اور حق تبارک و تعالیٰ منزہ ہیں، کہنا یہ ہے کہ یہ جملہ خطرناک حقیقت کی غمازی کر رہا ہے، اسلام کی پوری بنیاد منہدم ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ تو ان کو یہ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کہ کلمۂ اسلام میں کلمۂ شہادت میں اذان و اقامت میں حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام آئے، نماز میں درود و سلام بھیجنے کا حکم ہو، اور اس انداز سے ہو کہ چونکہ حق تعالیٰ اور ان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو، بارگاہ قدس سے اتنا اونچا منصب عطا کیا گیا ہو، اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، جو شخصیت بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو کیا وہ اس منصب جلیل کی مستحق ہو سکتی ہے؟ بظاہر تو یہ ایک جملہ ہے لیکن اس ایک جملہ سے ان کے تمام کمالات اور منصب نبوت پر پانی پھر جاتا ہے، اور ہر ناقد کے لیے تنقید کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ بشری کمزوری میں جھوٹ بولنا خود غرضی لقیا یا جاہلیت کے آثار کا نمایاں ہونا، مصلحت اندیشی کا کارفرما ہونا، بنی عبد مناف اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دینا، قریش و مہاجرین کو وہ مقام عطا کرنا جس سے انصار محروم تھے، وغیرہ وغیرہ کونسی کمزوری ہے، جو اس اجمال میں نہیں آ سکتی؟ کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب ان کمزوریوں کی نشاندہی خود فرما دیتے کہ وہ کون سی کمزوریاں ہیں جو آپ کی ذات گرامی میں موجود ہیں، اس قسم کے نظریات یا قلمی طغیانی اس شخص کا شیوہ ہے جو نہ اہل اللہ کا صحبت یافتہ ہو، نہ اسے علم دین میں کمال حاصل ہو، عجب و کبر میں مبتلا ہو، اعجاب بالرائی کی وبا عظیم میں ملوث ہو۔ جس ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم ہو حق تعالیٰ پر ایمان کے بعد جس پر ایمان کا مرتبہ ہو، جسے ہدایت امت کے لیے سراجاً منیرا بنایا گیا ہو، جو دعوت الی اللہ پر مامور ہو، جس کی شخصیت کو امت کے لیے اسوہ بنایا گیا ہو، جس کی صفات و کمالات اور خصائص و اخلاق عظیمہ کا اعلان کیا گیا ہو مودودی کی نگاہ میں ان کی شخصیت اتنی شدید مجروح ہو کر بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں۔ اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ مودودی صاحب سلف صالحین کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں، صحابہ کرامؓ کی شخصیت کو مجروح کرتے چلے آئے ہیں، اور انبیاء کرام کی شخصیت پر بھی کچھ نہ کچھ اشارات جرح کے موجود تھے، یونس علیہ السلام سے فریضہ نبوت میں تقصیر ہوئی جیسے تفہیم القرآن میں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک حضرت سید المرسلین خاتم النبیین امام المتقین کی ذات گرامی باقی رہ گئی تھی وہ بھی اب مجروح ہو گئی۔ تعجب کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے ہر پیراگراف کو قرآنی حوالہ دے کر بیان کیا، اور شاید مقالہ اور اس کی تعلیمات کو پڑھنے والے کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ جملہ بھی بقیہ قرآنی حوالوں

سے معمور ہوگا لیکن بغیر جوڑ کے قرآنی تعبیرات کے درمیان سطر ۱۲ اشارہ ۲ صفحا پر بیرون کی بات قلم سے نکل گئی۔ قرآن کریم میں جہاں یہ حکم ہوا کہ آپ اعلان کریں کہ میں بشر ہوں ساتھ ہی "یوحیٰ الی" کا وصف لگایا گیا تاکہ کوئی قاصر الفہم قاصر العقل بشر کے ساتھ بشری کمزوریوں کا خیال نہ کرے، چنانچہ ارشاد ہے۔

قل انما بشر مثلکم یوحی انما الٰھکم الٰہ واحد کہف ۱۱۰ "

سورہ اسراء میں ہے قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً

بشر کے ساتھ رسول کی صفت لگائی گئی ہے۔ جہاں محض بشریت کا ذکر کیا ہے یا صفات بشریت کا ذکر ہے وہ تمام تر مشرکین و کفار کے قول کی نقل ہے

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا (ابراھیم) ھل ھذا الا بشر مثلکم (الانبیاء) ماھذا الا بشر مثلکم (المومنون) ما انتم الا بشر مثلنا (یٰس) ما نراك الا بشرا مثلنا (ھود)

کفار نے بلاشبہ طعنے کے طور پر کہا کہ یہ ہم جیسے بشر ہیں بلکہ ان کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ جرم بھی عائد کر سکیں کہ بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام کی پاکیزگی اخلاق، کرامت و شرافت اتنی بدیہی اور واضح ہے کہ انکار کی مجال نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ طعنہ دیا کہ کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں جاتا ہے، گویا فرشتہ نہیں کہ ان چیزوں سے بالاتر ہو۔ کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ موصوف کے دل میں اس سے بھی زیادہ کچھ ہے لیکن خوف مانع ہے پوری دل کی بات کا اظہار نہ کر سکے، (وما تخفی صدورھم اکبر)

اور زیغ و ضلال سے بچائے۔ بشری کمزوری دو راستوں سے ہوتی ہے (۱) نفس (۲) شیطان۔ جب نبی و رسول نفس کی غیر مستحسن اور ناپسندیدہ خواہشات سے مبرا ہے اور پاک ہے تو اس کے عواطف و رجحانات ناپسندیدہ نہیں ہو سکتے۔ ان کا نفس نفس مطمئنہ ہے، نفس ملکی ہے۔ نفس کی صفات رذیلہ سے یکسر بالاتر ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ رذیلۂ نفسانی کا وہاں گذر نہیں، اور نفس کے جتنے صفات کمال ہیں تقویٰ و طہارت، شکر و صبر، عفت و رأفت، رحمت و جود اور سخا و کرم وغیرہ وغیرہ تمام کے تمام وہاں موجود ہوتے ہیں اور شیطان لعین کے وساوس سے یکسر حفاظت ہوتی ہے، شیطان نبی و رسول کو کبھی بھی غلط کام پر آمادہ ہی نہیں کر سکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا شیطان مجھے خیر ہی کا حکم دیتا ہے۔ بہر حال جب دونوں راستوں سے حفاظت ہو گئی تو بشری کمزوری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں تو یہ آیا ہے کہ آپ کے اخلاق کریمہ قرآن کا مرقع ہے، گویا آپ کی حیات مقدسہ زندہ قرآن ہے۔ آپ کا وجود مقدس زندہ قرآن ہو اور یہی

تمام عالم کا فیصلہ ہے۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ بشری کمزوریوں سے آپ بالاتر نہیں پھر سنت اللہ جاری ہے کہ انبیاء کرام کے عام قویٰ بشری بھی عام انسانوں سے بالاتر ہوتے ہیں، ان کی جسمانی صلاحیتیں جسمانی قوتیں برتر اور عام افراد بشر سے بالاتر ہوتی ہیں، بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس افراد جنت کی قوت عطا فرمائی گئی ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ہر فرد بشر کو سو اشخاص کی قوت عنایت کی جاتی ہے۔ بلکہ قاضی عیاض شفاء میں اور سیوطی کے خصائص کبریٰ میں حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

یعنی ہمارے اجساد میں ارواح اہل جنۃ کی ہیں ان تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے بہر حال نہ معلوم کہ اتنی صاف اور واضح حقیقت کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کوئی شخص بشری کمزوریوں میں مبتلا ہو وہ کیونکر ہادی و رہنما بنے گا، اور اس کی دعوت و تبلیغ کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم تو صاف اعلان فرماتا ہے۔

کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو اور تم کتاب اللہ پڑھتے ہو کیا اتنا بھی تم نہیں جانتے کہ اس کا کیا اثر ہوگا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو سب سے بڑی خصوصیت۔ یہی ہے کہ جو کیا اسی کا حکم دیا تاکہ قول و عمل میں کوئی تضاد نہ ہو، مقام افسوس ہے کہ مودودی صاحب کو اتنی واضح اور صاف بات بھی سمجھ میں نہیں آتی، بہر حال جہاں مودودی صاحب کے بہت سے قابل شدید اعتراض مباحث ہیں یا تعبیرات ہیں اور ان کی تصنیفات میں بکھری پڑی ہیں یہ جملہ اور مضمون بھی نہایت گوشے سلفت سے گیا ہے۔ مودودی صاحب اپنی تفسیر سورۂ آل عمران میں حضرات صحابہ کے بارے میں رقمطراز ہیں "سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والے میں حرص و طمع بخل خود غرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض حسد احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا" اسی سورۂ آل عمران کے آخر میں ان صحابہ کے بارے میں حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں۔

سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں، اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔"

حق تعالیٰ نے تو ان کو یہ داد دی ہے اور مودودی صاحب کی نگاہ میں وہ حریص طامع بخیل خود غرض ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بغض و حسد رکھنے والے اور ان بیماریوں میں مبتلا تھے ساں میں جہل و عناد کی بھی انتہا ہو گئی۔ غزوۂ

احد کے بعد غزوہ بنی النضیر میں جو سورۃ حشر نازل ہوئی اس میں حق تعالیٰ شانہٗ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

ان فقراء مہاجرین کا حق ہے، جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں، اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں، اور لوگوں کا حق ہے جو دارالاسلام میں ان (مہاجرین) کے آنے سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں، اور جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں، اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حق تعالیٰ تو ان مہاجرین و انصار کو صادقین و مفلحون جیسے شاندار الفاظ میں اس عجیب انداز سے یاد دیں اور مودودی صاحب ان کو طامع و حریص ایک دوسرے سے متنفر بتلائیں اس وقت تو بطور مثال ایک سرسری اشارہ کر دیا گیا اور یہ موضوع ابھی بہت کچھ لکھنے کا محتاج ہے۔ اسی مضمون و مقالہ کے شروع میں جو تحقیق فرمائی گئی کہ "ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں جس کو سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہو اور اس بنا پر آپ کو بانی اسلام کہنا صحیح ہو۔ انبیاء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت در اصل یہ ہے کہ (۱) وہ خدا کے آخری نبی ہیں (۲) ان کے ذریعہ خدا نے اسی اصل دین کو پھر تازہ کر دیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا الخ" اس مضمون میں بھی ان کو ٹھوکر لگی ہے اور غلط موڑ پر پہنچ گئے جو نہایت خطرناک ہے۔ اب دیانت اور دین کی خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے کہ ان مضامین پر بے لاگ تبصرہ ایسا کیا جائے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آجائے جو ایک دو مولوی ان کی ہم نوائی کرتے چلے آئے ہیں ان کے ایمان کا امتحان کا وقت بھی آگیا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کا کیا کہنا، آپ کی صحبت، فیض خدمت اور توجہات مبارکہ سے صحابہ کرام جس مقام پر پہنچ گئے ہیں اس کا ادراک بھی ہم جیسوں کے لیے ناممکن ہے قرآن کریم کی سورۃ فتح میں ارشاد ہے

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہرے سے نمایاں ہیں۔

جہاں تک لکھ چکا تھا کہ آج "ترجمان القرآن" بابت ماہ جون ۷۶ء میں "رسائل و مسائل" کے عنوان سے اس کے جواب کی کوشش کی گئی، ظاہر بات ہے کہ بات ناقابل برداشت تھی اور اس میں پوری رسوائی ہو رہی تھی، اس لیے موصوف کے حواریوں میں سے کسی نے موصوف کو متنبہ کیا اور اس کا جواب دیا گیا، کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کرتے اور اعلان کرتے کہ میں نے یہ بات غلط کی ہے، لیکن مودودی صاحب کی تاریخ زندگی میں اس بات کا امکان نہیں، یہ تو ہوا کہ جب کسی ہمدرد حواری نے کسی غلطی پر متنبہ کیا تو دوسرے ایڈیشن میں وہ بات بدل دی گئی، لیکن اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اعتراف کرکے غلطی کا اعلان ہوتا، اور غلط بات سے رجوع کرتے، تاکہ وہ لوگ جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہے وہ بدستور گمراہ نہ ہوتے، مثلاً تفسیر تفہیم القرآن کے پہلے ایڈیشن میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرائض نبوت میں تقصیر کا مرتکب مانا تھا، لیکن اعتراض کے بعد دوسرے ایڈیشن میں اس عبارت کو حذف کر دیا گیا، کیا یہ دیانت ہے؟ اور کیا یہ حق ہے؟ اور کتنی مثالیں ہیں، مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء کرام ایسے معصوم نہیں ہیں کہ غلطی نہ ہو سکتی تھی۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ بشریت کے اظہار کے لیے کوئی وقت ایسا ضرور ہے تو کیا مودودی صاحب معصوم ہیں کہ ان کی عصمت انبیاء کرام سے بھی زیادہ ہے۔

بہر حال جب عذر کرکے جواب دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی بالکل لچر اور بے معنی ہے۔ اردو محاورات میں کوئی نکلے کہ لوازم بشریت کو بشری کمزوریوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟!

مودودی صاحب بشری کمزوریوں سے عیوب و نقائص ہی مراد لیتے ہیں اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی تفسیر میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان میں سود خوری کی وجہ سے دو قسم کی بیماریاں تھیں، حرص و طمع بخل و خود غرضی۔ اور حسد و نفرت بغض اور غزوہ احد کی شکست میں دونوں کو دخل ہے اس کے ثبوت میں قرآن کے لفظ کا ترجمہ "بعض کمزوریوں" سے کیا گیا جس کی تنقید نہایت عالمانہ و محققانہ انداز سے حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی فرما چکے ہیں (ملاحظہ ہو بینات بابت ماہ جون ۷۶ء) مودودی صاحب کی اس تفسیر و تشریح سے واضح ہے کہ کمزوریوں سے مراد وہ بیماریاں لیتے ہیں جو عیوب اور بدترین عیوب ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

*

از استاذ العلماء مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

علمی دنیا میں ایک ٹھوس نظریہ کی حامل کتاب حق و صداقت کے تاریخی شواہد سے معمور تاریخ اسلام کا سنجیدہ مطالعہ کرنے والے ذہنوں کیلئے روشنی کا مینار آج بھی پہلے بھی اور آئندہ بھی مشکوک و الحاد میں بھی ہمیشہ ایک ابھرنے والے سوال

دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا؟

کا متین علمی اور ٹھوس شواہد پر مبنی تجزیہ

یہ کتاب ایک عرصے سے ناپید تھی علمی دنیا میں ایک خلا تھا جسے اپنی پوری محنت و عرق ریزی سے پر کیا گیا الحمدللہ یہ مشہور کتاب چھپ گئی اور ہند و پاک کے سابقہ ایڈیشنوں سے ہر طرح سے بہتر معیار پر چھپی۔ ولایتی کاغذ بہترین طباعت مضبوط خوبصورت گرد پوش گولڈن جلد اور بہترین صحت و مزید حواشی کے ساتھ چھپ کر مارکیٹ میں آچکی ہے صفحات ۶۵۰ سائز ۲۲×۱۸ قیمت صرف ۴۰ روپے

کتاب ہذا کے متعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا ارشاد | اشاعت اسلام کتاب کا بغور مطالعہ کریں تاکہ متعصب پادریوں، نادان و ہٹ دھرم آریوں، کمینوں سنگٹھنوں کی دروغگوئی و افترا پردازی کا پول کھلے اور اسلام کی جہانگیر صداقت کا پتہ چلے۔

ملنے کا پتہ: مدرسہ ابلاغ القرآن ○ اندرون لوہاری گیٹ لاہور
سبحانی اکیڈمی ○ ۱۹۔ اردو بازار لاہور

کوہ طور ہوزری

کی تیار کردہ

بنیانیں اور دیگر مصنوعات

ہر جگہ مشہور ہیں

بنیان خریدتے وقت "کوہ طور" ضرور دیکھ لیجئے

خدمت، محنت، دیانت ہمارا اصول ہے۔

کوہ طور ہوزری فیکٹری

جناح کالونی، فیصل آباد

فون نمبر ۲۶۸۳۲

۲۲۱۳

خدام الدین میں

اشتہار

دے کر

اپنی تجارت کو فروغ دیں

طلباء کی امنگوں کا ترجمان

عزم نو

ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے

تعاون و سرپرستی کے لیے ہاتھ بڑھائیں

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان ۴۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

* یہ تحریر ۲۲ برس پہلے کی ہے مگر اب تک چھپی نہ تھی، اس کی حیثیت مکمل مضمون کی نہیں بلکہ ایک گرانقدر تمہید کی ہے بکاش حضرت مصنف کے قلم سے اس کی تکمیل ہو سکے (رغ،م) *

نبوّت کی حقیقت

نبوّت کی حقیقت

نبوت کی اصلی حقیقت تو اسی رب العزت تقدسا وسبوح وجل ذکرہ کو معلوم ہے جس نے نظام عالم کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے اس ربانی عطیہ کی سنت عالم میں جاری کر دی تھی، یا پھر اس کو جو اس عطیۂ الٰہی سے سرفراز کیا گیا ہو کسی اور پر اس کی پوری حقیقت کا روشن ہونا حقیقت سے بعید ہے اس لئے کہ انسان کے پاس حقائق "اشیاء" کے معلوم کرنے کے لئے عقل ہے اور نبوت ایک ایسی حقیقت ہے جو عقل سے وراء الورا ہے۔ عقل و عقلیات کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے لیکن محققینِ اسلام نے اور اکابر امت نے قرآن کریم کی روشنی میں اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے آثار و احوال کے مشاہدہ و علم کے بعد جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ یقیناً ایک حد تک اس حقیقت کبریٰ کی جلوہ نمائی کے لئے کافی ہیں اور ان کی عقول سلیمہ نے اس حقیقت کی تفہیم میں عقلی پیرائے اختیار کئے ہیں اور نظائر و شواہد سے اس کو سمجھایا ہے وہ ہمارے "علم کلام" کا اہم ترین جز ہیں، امام ابوالحسن اشعری، ابن حزم ظاہری، قاضی ابوبکر باقلانی ابواسحاق اسفرائینی، ابویعلی، ابوالمعالی امام الحرمین عبدالکریم شہرستانی، امام غزالی، فخرالدین رازی، سیف الدین آمدی، ابن خلدون، عزالدین عبدالسلام، ابن تیمیہ وغیرہ وغیرہ محققینِ اسلام نے تیسری صدی ہجری کے وسط سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک اس موضوع پر گرانبہا علمی جواہرات کا ایک نادر ترین ذخیرہ چھوڑا ہے، محققین ہند اور متاخرین علماء اسلام میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی دیوبندی کے اسمائے گرامی اس سلسلہ کی صف اوّل میں درج ہونے چاہئیں اور سچ تو یہ ہے کہ اس موضوع پر جو جواہر پارے شاہ دہلی نے پیش کئے ہیں اسکی ہمسری کرنے کے لئے قدماء میں سوائے حجۃ الاسلام غزالیؒ کے کوئی دوسری ہستی زیادہ نمایاں نظر نہیں آتی یا تو یہ واقعہ ہے یا ہماری نظر کا قصور ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک ہزار برس کی تحقیقات کا عطر ان کے سامنے موجود تھا اور ان کی تحقیقات کی تیز شعاعوں میں منزل مقصود کی رہنمائی آسان ہوگئی۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے حقائق کی تفہیم و افہام کے لئے جس سرچشمہ کی ضرورت تھی شاہ دہلی خود اس سے سرشار تھے۔ امام غزالی کی کتابوں میں یہ بحث "المنقذ من الضلال"، "معارج القدس" میں سب سے عمدہ شکل میں موجود ہے۔ امام رازی کی "تفسیر کبیر"، "مطالب عالیہ" میں کافی سامان ہے شاہ دہلی نے چند کتابوں میں اس کی پوری تحلیل اور کامل تجزیہ کیا ہے: بالخصوص اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی جلد کے مختلف ابواب میں نبوت کی حقیقت، منصب نبوت کی تشریح، نبوت کے خواص و لوازم، انبیاء و مصلحین کے فروق وغیرہ کو خوب واضح کیا ہے۔ امیر یمانی کے ایثار الحق علی الخلق میں اس موضوع پر کافی لمبی بحث موجود ہے ابن تیمیہ کی اس موضوع پر "کتاب النبوات"، تقریباً تین سو صفحات میں موجود ہے لیکن حق یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے باوجود علمی تبحر و تدقیق اور باوجود جلیل القدر محقق ہونے کے اس موضوع کا حق نہیں ادا کیا، غزالی کے چند صفحے اور شاہ دہلی کے چند ورق کو میں اس ساری کتاب پر ترجیح دیتا ہوں چند ضمنی فوائد و نکات کے سوا اس میں کوئی اہم بات یا علمی تحقیق اس موضوع پر نہیں جس کی ان سے توقع تھی۔ مجھے اس وقت نبوت کی عقلی تشریح کرنی منظور نہیں کیونکہ اس کی تشریح سے پہلے "روح" کی حقیقت سمجھانی ہوگی جو بجائے خود ایک مستقل دقیق و غامض علمی مضمون ہے جس میں ارسطو نے کتاب النفس لکھی ہے اور اس کی تلخیص و تراجم و شروح ثامسطیوس، لامقیدوروس، استیلوتس اسکندر افرودوسی، ابن بطریق وغیرہ وغیرہ نے کی ہیں۔

اسلامی دور میں ابوالعباس احمد سرخسی (المتوفی ۲۸۶ھ) صدقہ بن منجا الدمشقی (۶۲۰ھ) مورخ مشہور مسعودی (۳۴۶ھ) امام غزالی (۵۰۵ھ) امام رازی (۶۰۶ھ) ابن القیم (۷۵۲ھ) برہان الدین بقاعی (۸۸۵ھ) وغیرہ وغیرہ متکلمین اسلام نے اور علماء امت نے "روح" پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے معارج القدس غزالی کی اور کتاب الروح ابن القیم کی اور سر الروح بقاعی اور کتاب الفتوح لمعرفۃ احوال الروح بعض علماء عصر کی اور الطاف القدس شاہ ولی اللہ کی ہمارے سامنے مطبوعہ موجود ہیں، کہنا یہ ہے کہ حقیقت نبوت کی تشریح کے لئے "حقیقت روح" بیان کرنا ضروری ہوگی اس وقت ان غامض و دقیق علمی موضوعات کی طرف جانا نہیں اور نہ فیصلہ کرنا ہے، صرف اپنے سلف صالحین کے چند علمی کارناموں سے طلبہ کو واقف کرانا تھا، کوئی مشکل سے مشکل و دقیق سے دقیق علمی موضوع اور خصوصاً جس کا تعلق دین اسلام سے ہو ایسا نہیں ہوگا، جس پر کہ ہمارے اکابر نے اپنی بیش بہا تحقیقات کا ذخیرہ جمع نہ کیا ہو، اس وقت مقصود صرف اتنا ہے کہ بتلایا جائے کہ "نبی" (پیغمبر) کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن کریم میں انبیاء اور "نبوت" کے کیا کیا خواص بتلائے گئے ہیں؟ تاکہ آیات بینات کی روشنی میں ایک مسلمان صحیح عقیدہ کو سمجھ سکے اور جب کسی کی نبوت ثابت ہو جائے مسلمان کے لئے ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا اور جب ایمان لایا گیا اس وقت "نبی" ایک امتی کے لئے ایک برگزیدہ مقدس واجب الاطاعت ہستی ہوگی اس کے احکام اس کے مرضیات اس کے اوضاع و اطوار اس کے اخلاق و عادات غرض کل نظام حیات میں اس کی سنت ہر فرد کے لئے افراد امت میں سے دلیل راہ ہوگی پھر وہاں کیوں؟ اور کیوں کر؟ کا سلسلہ ہی

ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تسلیم وانقیاد واطاعت وفرمانبرداری کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی، اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے، اس کی رضامندی خدائے تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔ ہاں عبادت بہرحال اللہ تعالیٰ کی ہوگی رسول کی اطاعت سے اس کی اطاعت سے اس کی عبادت لازم نہیں آتی عبادت وبندگی اور چیز ہے اطاعت وتسلیم اور چیز ہے دونوں میں خلط نہ کرنا چاہیے، مقصد صرف اتنا ہے کہ رسول کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت وبندگی کی جائے۔ اب وہ رہنمائی مختلف صورتوں میں ہوگی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا لیکن لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت نہیں ہوگی، کبھی ان کے اتباع ان کے طرز وطریقہ کو دیکھ کر رہنمائی حاصل کریں گے غرضیکہ رہنمائی حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوں گے۔

نبی ورسول یا پیغمبر

لغت عرب میں "نَبَاء" اس خبر کو کہتے ہیں جسمیں فائدہ ہو اور فائدہ بھی عظیم اور اس خبر سے سننے والے کو علم واطمینان بھی حاصل ہو غرض کہ تین چیزیں اس میں ضروری ہوں (۱) خبر فائدے کی ہو (۲) فائدہ بھی عظیم الشان ہو (۳) سننے والے کو یقین کامل یا اطمینان قلب حاصل ہو جائے قرآن کریم نے اسی لغت سے "نبی" کا لفظ ایک ایسے انسان کے لئے استعمال کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فائدے اور نفع کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائیں جن سے ان کی عقول قاصر ہیں صرف اپنی عقل نارسا سے وہاں تک رسائی نہیں کر سکتے ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوں گی اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم جب حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا صرف اس کی زندگی ہی اتنی پاکیزہ اتنی اعلیٰ ومقدس ہو کہ اس پر جھوٹ کا وہم وگمان بھی نہ ہو سکے، اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آجائے اب صرف "نبی" کا لفظ ہی لغت عرب کے مطابق ان سب حقائق پر روشنی ڈالتا ہے۔ جس کی تفصیل وتحقیق کے لئے صفحات بھی ناکافی ہیں، شیطانی وساوس یا طبعی جحود وعناد اگر قبول سے مانع آجائے یہ دوسری بات ہے۔

"رسالۃ" لغت عرب میں "رسالت" کے معنی ایک پیغام کے ہیں اور "رسول" کہتے ہیں پیغام پہنچانے والے کو قرآن کریم نے اس لفظ کو اس پیغام پہنچانے والے کے لئے استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ شانہ کی جانب سے دین ودنیا کے مصالح کے بارہ پیغامات اس کے بندوں تک پہنچائے

اب خلاصہ یہ ہوا کہ "اسلام" کی زبان میں "نبی ورسول" وہ سفیر ہے جس کا خود اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہو، خدائے تعالیٰ کے پیغامات اس کے بندوں تک پہنچاتا ہو، دین ودنیا کے مصالح ومنافع کے لئے ایک "قانون حیات" "ایک نظام العمل" "ایک دستور اساسی" پیش کرتا ہو، ایسے احکام ایسے حقائق ایسے امور ان کو ارشاد کرتا ہو جن سے ان کی عقول قاصر ہوں، ایسے دقیق وغامض باتوں کی اطلاع دیتا ہو جہاں ان کا طائر عقل پرواز نہ کر سکتا ہو، ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا ہو، نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی وعذاب سے ڈراتا ہو، جو حکم دیتا ہو وہ خود کرتا ہو خود ان کے لئے مجسم پیکر عمل ہو، اس قانون حیات ونظام العمل کے لئے اس کا وجود آئینہ ہو، یہ ہے اسلام کی زبان میں شریعت کی لغت میں "رسول ونبی" کے معنی، اسی کو ہم اپنی زبان میں پیغمبر کہتے ہیں "رسول" و "نبی" میں فرق کیا ہے یہ ایک محض علمی چیز ہے، ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن اجمالاً اتنا واضح رہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے کتاب النبوات میں جو فرق بیان کیا وہ ہمیں سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ صرف اتنا ہے "کہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف غیب کی خبروں سے قوم کو اطلاع دیتا ہو، ان کو نصیحت کرتا ہو، ان کی اصلاح کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو وحی ہوتی ہو وہ "نبی" کہلاتا ہے۔ اگر ان اوصاف کے ساتھ وہ کفار کی طرف اور نافرمان قوم کو تبلیغ پر مامور بھی کیا جائے تو وہ "رسول" بھی ہوگا۔

اب ہم قرآن کریم کی روشنی میں "انبیاء ورسل" کے خواص ولوازم پیش کرتے ہیں لیکن اتنا معلوم رہے کہ "انبیاء ورسل" کے عام خصائص بحیثیت نبوت ورسالت سب مشترک ہیں، قرآن کریم نے جتنے کمالات اور اوصاف انبیاء ورسل کے بیان کر دیے ہیں وہ سب حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بوجہ کمال موجود ہیں کیونکہ آپ سب انبیاء ورسل سے افضل ہیں آپ سید الانبیاء ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ نصوص قطعیہ کا مفاد ہے اور امت مرحومہ کا "اجماعی عقیدہ" ہے اور تاریخ عالم کی "حقیقت ثابتہ" ہے اور اسلامی دور کے حیرت انگیز کارنامے اس کے شاہد عدل ہیں۔

قرآن کریم نے بہت سے انبیاء ورسل کے خصائص وکمالات بیان کرنے کے بعد آپ کو حکم دیا اور فرمایا۔ اولٰٓئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ (الانعام) یعنی "یہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے آپ بھی انہیں کے طریقہ پر چلئے۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے جتنے علمی وعملی کمالات تھے آپ ان سے مالا مال تھے۔ اس لئے ہم جتنی آیات کریمہ مختلف انبیاء ورسل کے خصائص واوصاف میں پیش کریں گے مقصود ان سے صرف نبوت کے کمالات وخصائص ہوں گے جو اصل نبوت کی وجہ سے قدر مشترک سب میں موجود ہیں۔

*

آفتاب نبوت کے غروب ہوتے ہی ایمانی روشنی میں اضمحلال وضعف رونما ہونا شروع ہو گیا تھا عہد نبوت میں ایمان ویقین کی جو تابانی وشدت تھی وہ روز بروز زوال پذیر ہوتی رہی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں صحابہ کی جو ایمانی کیفیت تھی وصال کے بعد اس میں اضمحلال شروع ہوا بلکہ حیات مقدسہ میں حضور وغیبت کا فرق نمایاں تھا صحابی رسول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا کہاں جا رہے ہو جواب دیا کہ کیا پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہو گیا صدیق اکبر فرمانے لگے سبحان اللہ، خیر تو ہے، کیا کہتے ہو، جواب دیا کہ ہم جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں آپ جب جنت دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ

رہتے ہیں لیکن گھر آکر دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوکر اور بیوی بچوں میں مصروف ہو کر یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے، حضرت صدیق اکبرؓ سن کر فرمانے لگے کہ اگر یہ نفاق ہے تو پھر ہم بھی اسمیں مبتلا ہوں دونوں بارگاہِ نبوت میں پہنچے، حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو منافق ہو گیا، آپ نے فرمایا کیا بات ہے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے صورت حال بیان کی، سننے کے بعد آپ نے فرمایا

اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمھاری یہ حالت جو میری مجلس میں ہوتی ہے یا ذکر اللہ کی حالت میں ہوتی ہے ہر وقت باقی رہتی تو (تم) اتنے اونچے ہوتے) کہ فرشتے تم سے تمہارے گھروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے اور ملتے لیکن اے حنظلہ ایسی کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے (ہمیشہ باقی نہیں رہتی)

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں حاضری اور غیر حاضری کا فرق نمایاں تھا ایمان و یقین کی کیفیات کے اندر تفاوت ہوتا تھا، پھر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو ظاہر ہے کہ یہ تفاوت بہت نمایاں ہو گیا، جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں انس بن مالک صحابی رسول سے مروی ہے

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد ہر چیز میں تغیر آگیا کوئی چیز بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی بجز نماز اور پھر فرمایا۔

وھذہ الصلاۃ قد ضیعت اور یہ نماز بھی ضائع ہو گئی۔

مطلب یہ کہ نماز بھی ایسی نہیں حقوق و آداب اور خشوع سے جس طرح پہلے ہوتی تھی وہ بات اب نہیں رہی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ترجمہ: بخدا میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا جن کا زیادہ تر لباس صوف کا ہوتا تھا اور وہ صحابہ ایسے تھے کہ تم اگر اُن کو دیکھتے تو تم اُن کو دیوانہ کہتے اور اگر وہ تمہارے بہترین لوگوں کو دیکھتے تو کہہ دیتے کہ اُن لوگوں کے لیئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر وہ تمہارے بُرے لوگوں کو دیکھتے تو فرما دیتے کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۳۴)

حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان

ترجمہ: جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کی ہر چیز روشن ہو گئی لیکن جس دن آپ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی۔ اور فرمایا، ہم نے آپؐ کو دفن کر کے ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے دلوں میں فرق محسوس کرنے لگے

تاریخ ابن کثیر میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، سنن ابن ماجہ میں حضرت اُبی بن کعب سے ایک حدیث اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جن کا حاصل یہ ہے

عہد نبوت میں نماز ایسے خشوع سے ہوتی تھی کہ نمازی کی نگاہ قدموں سے آگے۔ متجاوز نہیں ہوتی تھی۔

عہد صدیقی میں اس قدر فرق ہو گیا کہ نگاہوں سے آگے بڑھ کر سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

عہد فاروقی میں قبلہ کے رُخ سے نگاہ ہٹ کر دائیں بائیں نہیں جاتی تھی لیکن جب عہد عثمانی آیا اور فتنوں کا دورہ شروع ہوا تو نمازی کی نگاہ دائیں بائیں جانے لگی

سبحان اللہ کیا ٹھکانا! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذکاوت حس اور اس دقیق محاسبہ کا کہ کس طرح اپنی عبادات کا جائزہ لیتے تھے اور اپنے قلوب کی کیفیات اور اعمال کا کیسا محاسبہ کرتے تھے، ٹھیک جس طرح ہم اپنے معمولی سی جسمانی کیفیت کے فرق کو محسوس کرتے ہیں اور اس کی تدبیر میں لگ جاتے ہیں اسی طرح حضرات صحابہ کرام روح و قلب کے تغیرات کا جائزہ لیا کرتے تھے اور اس کی فکر کرتے تھے اور اصلاح حال کی تدبیر اختیار فرماتے تھے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ اور بالخصوص بدری صحابہ آخرت کے کاموں اور اللہ و رسول کی مرضیات میں ایسے منہمک تھے جس کی وجہ سے اُن کو نہ اپنی جان کی فکر تھی نہ اپنی اولاد کی نہ دنیا کے عیش و آرام کا خیال بہرحال ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ یہ تو دیوانے ہیں اور تمہارے صلحاء اور بہترین اشخاص بھی اپنی جان اپنی اولاد کی فکر کو مقصود بنائے ہوئے ہیں اس لیئے ان کو دیکھ کر کہا جائے گا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور تمہارے شریر اور بدکار لوگوں کو دیکھکر کہا جائے گا یہ لوگ آخرت پر ایمان و یقین نہیں رکھتے۔

حسن بصری سے آپ اندازہ لگائیں ان کی وفات ہوئی اور آج اُن کی کو ۱۲۷۷ برس گذر گئے خیر القرون کے آدمی ہیں جس کی فضیلت زبان نبوت ثابت ہے حسن بصری آج اگر زندہ ہو جائیں اور ہماری حالت دیکھیں تو ہم پر کیا فتویٰ دیں گے۔

ان حقائق سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرام کے یقین و ایمان کا کیا حال تھا اگر عہد تابعین میں صحابہ کرام کی قوت ایمانی کا اندازہ لگانا مشکل تھا تو آج کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کا اندازہ لگا سکیں جو جنس مارکیٹ میں ہی نہ ہو اس کے حسن و خوبی کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ آپ نے فرمایا۔

وہ جہاد جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ شریک تھے اُس جہاد کے غبار کا وہ حصہ جو امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا ہے وہ بھی ابن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔

یہ کوئی شاعری نہیں ہے، ابن المبارک اُمت محمدیہ کے فقیہہ و محدث امام ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں ابن المبارکؒ کے اس فتویٰ کو شیخ ابن حجر ہیتمی نے تطہیر الجنان میں نقل کیا ہے۔

صحابہ کرام کی فضیلت فوق العادہ ہے جس سے ان نفوس قدسیہ کی قوت ایمانی اور قرب عند اللہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات کمال ایمان و کمال تقویٰ پر فائز تھے جس کا نام قرآن کریم میں " ولایت" ہے ارشاد ہے۔

سنو اللہ تعالیٰ کے اولیا، جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ وہ لوگ ہیں جو کامل طور پر ایمان لائے اور جنہوں نے کمال و تقویٰ اختیار کیا

ایمان کے بعد مدار قرب و کرامت عند اللہ تقویٰ ہے جو حضرات سراپا تقویٰ بن جاتے ہیں ان کی صحبتیں اُن کی مجلسیں اُن کی ملاقات اصلاح حال میں عجیب تاثیر رکھتی ہے یہی ہیں وہ پاکباز نفوس جن کی صحبت سے دل و دماغ پر ایسے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔ جو تنہا عبادت و ریاضت سے سالہا سال میں ممکن نہیں اسی کو کہا گیا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حدیث نبوی میں ایک واضح علامت ولی اللہ کی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے فرمایا گیا:۔

وخیار عباد اللہ اذا رؤا ذکر اللہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں۔ کہ جب اُن کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

تاریخ ابن کثیر میں حضرت حسن بصری کے بارے میں امام یونس بن عبید سے منقول ہے۔

کان الرجل اذا نظر الی الحسن انتفع بہ وان لم یر عملہ ولم یسمع کلامہ،

حضرت حسن بصری کو صرف دیکھنے سے نفع ہوتا تھا اگرچہ اُن کا عمل دیکھا نہ جائے اور اُن کی گفتگو سُنی نہ جائے۔

یہی وہ جلیس صالح ہے جس کی مثال حدیث میں کحامل المسک بیان کی گئی ہے۔ یعنی صالح ہم نشیں کی صحبت سے ایسا فائدہ ہوتا ہے جیسے مُشک اُٹھانے والے کو مُشک سے صحبت کی یہی تاثیر ہے جس کی وجہ سے سلاسل صوفیہ میں سے سلسلہ نقشبندیہ میں صحبت شیخ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ جذب کرنے کا یہ متوارث سلسلہ ہے، اسی لئے شیخ سے عقیدت، ربط و محبت ضروری ہے۔ اگر شیخ باکمال ہے اور مرید کا یہ حال ہے تو غیر شعوری طور پر خود بخود محب

جان نثار اپنے محبوب کا نمونہ ہوگا، اور جتنی محبت اور صلاحیت ہوگی اس کے مطابق یہ نقشہ تیار ہوگا، بعض عشاق منازل عشق منٹوں میں طے کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے سالہا سال میں اس سے محروم رہتے ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ عشق و محبت، پاکیزگی کی یہ داستانیں اب کہاں تلاش کی جائیں، معرفت و قرب الٰہی کے یہ خم خانے کہاں سے لائے جائیں یہ گلستان اب خزاں کی زد میں آچکا ہے اور اس گلشن کی ویرانی آنکھوں کے سامنے ہے مشام دماغ کو معطر کرنے کے لئے معرفت کے پھولوں کی مہک کہاں سے لائی جائے،

مادیت کے اس دور میں بے حیائی و فواحش و منکرات کے زمانے میں یہ افسانے پارینہ نہیں تو کیا ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح مادرزاد نابینا سیاہ و سفید میں فرق نہیں کر سکتا۔ اس طرح مادیت کے دور میں اس کا امکان نہیں ہے کہ عہد نبوت و عہد صحابہ اور قرون مشہود لہا بالخیر کی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جائے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن دو چار ہستیوں کو ہم نے دیکھا ہے اور پایا ہے آج اُن کے ایمانی ملکات اور اپنے رب سے تعلق کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور اُن حضرات کا اپنے بزرگوں کے بارے میں یہی نظریہ تھا یہ تنزل عہد نبوت سے شروع ہو چکا ہے۔ اور چودہ سو سال سے جاری ہے چونکہ اس دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لئے اس تنزل کے باوجود دین سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور دین کے مختلف گوشوں میں کام ہو رہا ہے بسا غنیمت ہیں وہ حضرات کہ مادیت کے اس تاریک دور میں بھی ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ سے گلشن معرفت کی آبادی میں لگے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ یہ بقایا صالحین سُرعت سے آخرت کی طرف جا رہے ہیں۔

*

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ صاحب کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کر لیا جائے۔ معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کیلئے بھی کسی استاذ و رہنما کی ضرورت مسلّم، بغیر استاد کے نری عقل و ذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ انجینئری ہو، یا ڈاکٹری اور طبابت ہو۔ ہر صنعت و حرفت کیلئے ابتداءً عقل کی رہنمائی کیلئے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے۔ جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون و علوم کے حاصل کرنے کے لئے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارف انبیاء اور حقائق شریعت کے لئے استاذ و رہنما سے کیسے استغنا ہو سکتا ہے! کیونکہ یہ علوم و معارف تو عقل و ادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربانی کے ذریعہ سے اُمت کو پہنچے ہیں۔ آسمانی تربیت اور ربانی ہدایت و ارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ

مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہوتی ہے اس لئے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی و رہنما جتنا باکمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ ہوگا اور کمال حاصل ہوگا پھر ان علوم نبوت کی غرض و غایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوق خدا کی رہنمائی ہے اس لئے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت و اضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لئے حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں شیطان بیچارہ رہتا۔ اس کو دخل کی حاجت ہی نہیں نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں آخرت و عقبیٰ اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لئے بے تاب ہوتا ہے۔ مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد و ہدایت ضلالت میں تبدیل ہو جائے اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے یعنی حق و باطل میں ایسا التباس ہو جائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے پھر نفس انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں۔ انسانی فطرت میں کبر و عُجب ہے۔ ریاکاری و حُبِ شہرت ہے۔ حُبِ جاہ کا مرض ہے اور ایسے شدید و قوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا۔ اس لئے نفس و شیطان کے اثرات سے بچنے کے لئے مدتوں کسی کامل کی صحبت ضروری ہوتی ہے اور جب فضلِ الٰہی شامل ہو تو اصلاح ہو جاتی ہے ورنہ یونہی انسان علم و عقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ دُنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوتے ہیں سب اذکیاء اور طباع حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدت ذکاوت کی وجہ سے جمہور اُمت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار و نظریات کا شکار ہو گئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحر و ذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرائی کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے۔ ہمارے اس دور میں بھی اس کے بہت نظائر موجود ہیں

ہو جاتے ہیں اور ان کے امت سے مختلف شواذ اور جدید افکار و نظریات کے بھی حامی ہو جاتے ہیں اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہے جو شخصیت اُمت کی ہدایت و ارشاد کے کام آ سکتی تھی وہ امت میں زیغ و ضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ امام غزالیؒ نے "مقاصد الفلاسفہ" میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے علوم حساب، ہندسہ، عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ ان کے تمام علوم کے معتقد ہو گئے۔ طبعیات و الٰہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہو کر گمراہ ہو گئے۔ امام غزالیؒ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے۔ شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے۔ بہرحال جب انتہائی علمی قابلیت والے انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو۔ صحبتِ اربابِ کمال سے یکسر محروم ہوں۔ طباع و ذہین ہوں وہ تو بہت جلد اعجاب بالرائی کی خطرناک بلا میں مبتلا ہو کر تمام امت کی تحقیر اور تمام تحقیقات امت کا استخفاف اور تمام سلف صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لے کر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ہے جو بچپن ہی سے طباع و ذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ابتداء میں اخبار "مدینہ" بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار "مسلم" سے وابستہ رہے۔ پھر چند سالوں کے بعد اخبار "الجمعیۃ" دہلی میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا دہلی سے نکلتا تھا غالباً سہ روزہ تھا۔ "تاریخ کے جواہر پارے" کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب و تاب سے نکلتے تھے اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعہ ہوتی گئی۔ والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل کر سکے بلکہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے۔ پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور

مودودی صاحب

دوستی بکم، دشمنی بزبان

اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں اس لئے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد

انگریزی سے کچھ مناسبت ہو گئی اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلات و جرائد سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی۔ بدقسمتی سے نہ صرف کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے نہ جدید علوم

کے گریجویٹ بن سکے نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہو سکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مراد آبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا بلکہ بدنصیبی سے نیاز فتحپوری جیسے ملحد و زندیق کی صحبت نصیب ہوئی۔ ان سے دوستی رہی ان کی صحبت و رفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات و میلانات پیدا ہو گئے۔ حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" جاری کیا۔ آب و تاب سے مضامین لکھے۔ بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی و قلمی چیزیں ابھرنے لگیں۔ ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی۔ تحریک آزادی ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی۔ ہندوستان کے بہترین دماغ اس کی طرف متوجہ تھے۔ مودودی صاحب نے سب سے ہٹ کر "اقامت دین" اور حکومت الہیہ کا نعرہ لگایا اور تحریک آزادی کی تمام قوتوں پر بھرپور تنقید کی۔ ان کے بھولے بھالے مداح یہ سمجھے کہ شاید دین قیم کا آخری سہارا بس مودودی صاحب کی ذات رہ گئی ہے چنانچہ بہت جلد مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اور عبدالماجد دریابادی کے قلم خراج تحسین وصول ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مودودی صرف ایک شخص کا نام تھا نہ اس وقت اس کی دعوت تھی۔ نہ جماعت تھی۔ نہ تحریک تھی۔ ان کی تحریرات اور زوردار بیانات سے بعض اہل حق کو ان سے توقعات وابستہ ہوئیں۔ ان کی آمادگی اور چوہدری محمد نیاز کی حوصلہ افزائی سے پٹھانکوٹ میں "دارالاسلام" کی بنیاد ڈالی گئی۔ لیگ و کانگریس کی رسہ کشی شروع ہو گئی تھی۔ ان کے قلم سے ایسے مضامین نکلے اور سیاسی کشمکش کے نام سے ایسی کتاب وجود میں آگئی کہ ہم نوا حضرات سے اس کو خراج تحسین حاصل ہوا اور سیاسی مصالح نے اس کو پروان چڑھایا۔ لاہور میں اجتماع ہوا اور باقاعدہ امارت کی بنیاد ڈالی گئی اور ان کی ایک لکھی تقریر پڑھی گئی جس میں بتایا گیا کہ امیر وقت کے لئے کیا کیا امور ضروری ہیں۔ ارباب اجتماع میں مشہور شخصیتیں جناب مولانا محمد منظور نعمانی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی بھی تھے۔ بڑے امیر خود منتخب ہو گئے اور چار امراء یہ حضرات امیر ماتحت منتخب ہو گئے۔ جماعت اسلامی وجود میں آگئی۔ اس کا دستور آیا اس کا منشور آیا۔ لوگوں کی نگاہیں اٹھیں۔ ہر طرف سے امیدیں وابستہ ہو گئیں لیکن ۶ ماہ کا عرصہ نہیں گزرا ہوگا کہ مولانا نعمانی، مولانا علی میاں مستعفی ہو گئے اور انکو انکی علمی کمزوریاں اور اخلاص کا فقدان نظر آیا ساتھ نہیں دے سکے۔ لیکن ان حضرات نے پھر بھی پردہ پوشی کی اور امت کے سامنے صاف و صریح وجہ علیحدگی ظاہر نہیں فرمائی۔ میں اسوقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیتا تھا میں نے ان دو بزرگوں سے جدائی کے وجوہ دریافت کئے بہت کچھ کہا لیکن کوئی صاف بات نہیں بتلائی لیکن میں سمجھ گیا مولانا مسعود عالم مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی کو بہت کچھ معتقدات و طریقہ کار میں موافقت تھی اور یہ دونوں بزرگ عرصہ تک مودودی صاحب کے دست و بازو بنے رہے۔ مولانا مسعود عالم مرحوم نے عربی ادب کے ذریعہ خدمات انجام دیں اور مودودی صاحب کی تحریرات اور کتابوں کے آب و تاب

سے عربی تراجم کئے اور ادبی تربیت کر کے چند شاگردوں کو بھی تیار کر دیا مولانا اصلاحی نے اپنے خاص علمی ذوق و انداز سے مودودی صاحب کی تحریک کو پروان چڑھایا۔ اچھے اچھے رفقاء کار، ارباب قلم اور ارباب فن شامل ہو گئے۔ کیمونزم کے خلاف اور بعض دینی مسائل پر عمدہ عمدہ کتابیں لکھی گئیں۔ سود خوری۔ شراب نوشی اور پردہ وغیرہ پر اچھی کتابیں آگئیں۔ تفہیمات و تنقیحات میں بعض اچھے اچھے مضامین آئے۔ جدید نسل کی اصلاح کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں۔ عرب ممالک میں خصوصاً سعودی عرب کو متاثر کرنے کے لئے اور وہاں کے شیوخ کو ہم نوا بنانے کے لئے مختلف انداز سے کام کیا اور کامیاب تدبیریں اختیار کیں اور جو رفقاء کار کے قلم سے معرض اشاعت میں آیا اسے اس انداز سے پیش کیا جاتا رہا کہ یہ سب کچھ مودودی صاحب کی نوجوان کا رہین منت ہیں اس سے ان کی شخصیت بننی شروع ہو گئی اور تمام جماعت کے افراد کی تالیفات سے خود وجاہت کا فائدہ اٹھایا۔ خود عربی لکھنے سے معذور انگریزی لکھنے سے معذور ہے نہ عربی لکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے۔ یہی انگریزی کا حال بھی ہے لیکن جو کتابیں ترجمہ کی گئیں ان کے سرورق پر بھی لکھا گیا "تالیفات مودودی" کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ ترجمہ مسعود عالم کا ہے یا عاصم حداد کا ہے۔ لوگ یہ سمجھے کہ اردو کا یہ ادیب کیا ٹھکانا عربی ادب کا بھی امام ہے لیکن چند دن گزرے تھے کہ مولانا گیلانی مرحوم اور حضرت سید سلیمان مرحوم متنبہ ہو گئے کہ یہ تحریرات جدید فتنہ انگیزی کا سامان مہیا کر رہی ہیں جو کچھ خطابات تھے اور متکلم اسلام وغیرہ القاب تھے اس کو روک دیا اور مولانا گیلانی نے "صدق جدید" میں "خارجیت جدیدہ" کے عنوان سے تنقیدی مضمون لکھا۔ علماء کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی رفتہ رفتہ علماء امت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔

حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کو مطالعہ فرما کر ایک مبسوط رسالہ مرتب فرمایا لیکن افسوس کہ طبع نہ ہو سکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرس مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب مودودی صاحب کی طرف مائل ہو گئے تھے ان کی اصلاح کے پیش نظر ایک مکتوب لکھا جو "فتنہ مودودیت" کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا ہے"۔

مودودی صاحب کی بہت سی چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سی ناپسند بھی۔ لیکن عرصہ دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید انداز بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے اگرچہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں ناقابل برداشت باتیں بھی آئیں لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالمگیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بڑی صورت اختیار کرے گا

اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے۔ صحابہ کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ

الفاظ استعمال ہوں گے۔ آخر "تفہیم القرآن" اور "خلافت و ملوکیت" اور "ترجمان القرآن" میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات و تالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آگئیں ہیں واثمهما اكبر من نفعهما والی بات ہے اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آگیا ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم الف سے یا تک ان کی تالیفات و تحریرات کو مطالعہ کرکے جو حق و انصاف و دین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہٗ ولی التوفیق

***

الاستاذ المودودی کا مقدمہ

ترجمہ : اے، آر بھٹی

حکومت برطانیہ کے آخری دور میں اس صدی کے گزشتہ نصف میں کچھ سیاسی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں، جن کی وجہ سے غیر منقسم اور متحدہ ہندوستان سے برطانیہ کو اپنی بساطِ حکومت لپیٹنا پڑی۔ اور ملک میں حکومت اسلامیہ کی نشاۃ اور اس غاصب حکومت کی پیدا کردہ چیزوں کو زائل کرنے اور ان کے منحوس نشانات کو مٹانے کی جانب نظریں مرکوز ہوگئیں۔ اور افکار و آراء متوجہ ہوگئیں تاکہ اس کے بجائے مسلمانوں کے لئے اسلامی نظام لایا جائے۔ جو انسانوں کی اجتماعی ترقی کا ذریعہ بنے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایسے نظام کی تحریک کا سبب بنے جو دینی اور سیاسی قومی اور ملکی سطح پر درست اور صحیح ہو۔

چنانچہ انہی حالات میں سرزمین ہند پر جناب ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک اٹھی۔ اور ان کی جماعتِ اسلامی کی تشکیل ہوئی جس کا دعوٰی یہ تھا کہ وہ اپنی تمام تر کوشش حکومتِ صالح اور نظام صالح کے لئے خرچ کرنے گی۔ تجدید و احیائے دین کے نام سے ابتداء ہوئی۔ حسین و جمیل ناموں سے جنہوں نے افکار اور نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور بہت جلد قوم نے اس کی دعوت پر لبیک کہی کیونکہ ان کے خیال میں ان کی پیاس و تشنگی کے لئے شفا اور اس واضح و حقیقی خلاء کو پُر کرنے کے لئے سامان ہے۔ اور اس کی دعوت و پکار کی تعریف شروع کردی۔ اور بعض اکابر کی تعریف اور حسن ظن سے بعض کی تائید اور ایک گروہ کی شرکت سے یہ تحریک آگے بڑھنے لگی یہاں تک کہ یہ تحریک بھرپور طریقے سے ابھری۔ طاقت ور ہوئی۔ آگے بڑھی اور مضبوط ہوگئی۔

لیکن افسوس کہ اس کے قلم سے وہ چیزیں ظاہر ہوئیں جنہوں نے ایمانی فراست والوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور انہوں نے اپنے روشن ضمیر دل کی نورانیت اس کے افکار میں کجروی اور انحراف کے خطرات بھانپ لئے۔ اور اس نے ابتدائی ادوار سے لے کر آج تک کے بزرگان و اسلاف پر طعنہ زنی کی جیسا کہ ملحدین ہر دور میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ اسلام اپنے پیروکاروں کی بداعمالی کی وجہ سے اجتماعی ترقی میں ناکام ہوچکا ہے اور یہ مبارک گھڑیاں صرف چند گنے چنے سال میں رہیں۔ اور ان کی خوشی کمزور و ضعیف تھی۔ سبحان اللہ! وہ دین جس کے بارے میں اللہ نے اعلان فرمایا ہے۔ کہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے گا اور اُسے قیامت بپا ہونے تک باقی رکھے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت کے بپا ہونے تک ایک جماعت حق پر قائم رہے گی۔" اور یہ کہ آپ کی اُمت ہی بہترین اُمت ہے۔" اور یہ کہ امت گمراہی اور ضلالت پر مجتمع نہیں ہوگی۔" اور امت کی مثال بارش جیسی ہے کہ معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر اور بھلائی والا ہوگا یا آخری حصہ"۔ اور یہ کہ اس دین کو ہر پہلے شخص سے پیچھے آنے والے عادل لوگ وصول کریں گے جو اس سے غالی لوگوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی جھوٹی نسبت کو دور کریں گے"۔

اور اس قسم کے دوسرے اعلانات جن پر آیاتِ بینات دلالت کرتی ہیں اور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشاں و تاباں اقوال جو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ بھلائی (دین) اس امت کی ہر نسل میں باقی رہے گی۔ لہذا جو شخص اس کے برعکس آواز اٹھاتا ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ مودودی صاحب جیسی شخصیت کوئی ہے۔ جو اسے نئے سرے سے اٹھائے اور وہ چیز لے کر اُٹھے۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے۔ چنانچہ ان لمبے چوڑے دعاوی پر بعض یکتائے روزگار اکابر آگاہ ہوئے۔ اور جو حسن ظن وہ کر چکے تھے اس نے

انہیں پریشان کیا اور وہ دین کے دفاع اور اس غلط فکر کو جاری رہنے سے روکنے کے لئے جس نے علاقے کو تاراج کر دیا۔ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہی اکابر میں سے جناب محدث، برکۃ العصر مولانا محمد زکریا کاندھلوی صدیقی ہیں۔ جنہوں نے حدیث میں بہترین کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور جن کی زندگی علم کی تدریسی و تالیفی خدمت میں ہمہ تن معروف رہتے میں گزر چکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان بعض علماء کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ جنہیں اس کے کردار نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا تھا اور آپ کا یہ مکتوب طبع ہوا تو اس کا دیباچہ لکھنے کے لئے مجھے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ میں نے اس دعوت مبارکہ پر لبیک کہتے ہوئے آئندہ صفحات میں مذکور دیباچہ لکھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیق کے مالک ہیں۔

قانونِ الٰہی سے انحراف کے نتائج

حکومت و سلطنت اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو ان کا طرز عمل کیا ہوگا اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلہ میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے اقامتِ صلوٰۃ (نمازوں کی پابندی) ایتاء زکوٰۃ (نظام زکوٰۃ کا قائم کرنا) امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا) نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا) چنانچہ ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ، وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (الحج ع ۶)

وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں، اور زکوٰۃ دیں، اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں، اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے (بیان القرآن)

یہی وہ "بنیادی نکات" ہیں جن پر اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ مرتب ہوگا۔ یہی وہ محور ہے جس کے گرد مسلمانوں کا نظم مملکت گردش کرے گا۔ یہی وہ روح ہے جو اسلامی حکومت کے ایک ایک شعبہ میں جاری و ساری ہوگی، اور یہی وہ اساسی مقاصد ہیں جنہیں اسلامی حکومت اپنے لئے نصب العین قرار دے گی۔ بلاشبہ اسلامی حکومت کو سینکڑوں قسم کے سیاسی مصالح، معاشرتی مسائل اور دقیق تقاضوں کا سامنا کرنا ہوگا لیکن وہ اس امر کی شدت سے پابند رہے گی کہ اس کا کوئی اقدام ان بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ مختصر یہ کہ ایک مسلمان حکمران کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خود صالح، متقی اور خدا ترس ہو، اور کتاب و سنت کے اصولوں کے مطابق تمام معاشرے کی اصلاح کر کے انہیں صالح اور خدا ترس بنائے۔ خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول — اس کی عملی تفصیلات کتاب و سنت میں محفوظ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور خلافتِ راشدہ کے بابرکت اور زرّیں عہد میں اس کا مثالی نمونہ عملی طور پر ظہور پذیر ہوا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا۔

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (النساء ع ۸)

(اے ایمان والو) حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔ (شیخ الہندؒ)

لفظ "منکم" میں بتلا دیا گیا کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کا مسلمان اور مومن ہونا شرط ہے یعنی اس کی اطاعت اس وقت لازم ہوگی جب کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کا مطیع اور فرمانبردار ہو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہو جائے اس کے احکام سے سرتابی کرے اور اسلام کا زریں تاج اپنے سر سے اتار پھینکے تو اس کی اطاعت کا سوال باقی نہیں رہتا۔ (لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق)۔

اولی الامر کا اصل مصداق تو خلفاء راشدین ہیں جن میں صفاتِ جہانبانی کے ساتھ تفقہ فی الدین کا وصف بھی موجود تھا۔ وہ خلفاء بھی تھے اور فقہا بھی، حاکم بھی تھے اور عالم بھی۔ اس لئے اولی الامر کی تنقیح میں علماء تفسیر کا اختلاف ہوا کہ اس سے مراد اُمراء و خلفاء ہیں یا علماء

نفقہا۔ بظاہر ہے علمی و دینی اعتبار سے فقہاء و علماء اس کا مصداق ہیں اور احکام خداوندی کو جاری اور نافذ کرنے کی طاقت و قوت ارباب اقتدار کے پاس ہوتی ہے اب اگر کسی شخصیت میں تفقہ فی الدین اور اقتدار کی دونوں طاقتیں جمع ہوجائیں ـــ جیساکہ خلفاء راشدین میں جمع تھیں ـــ تو اس کا وجود سراپا رحمت ہے لیکن جب یہ دونوں صفات کسی ایک ہستی میں جمع نہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ حکومت دونوں قسم کے رجال کو جمع کرے جن میں مقتدر حکام بھی ہوں اور دین کی صحیح بصیرت رکھنے والے اصحاب تفقہ بھی۔

خلافت راشدہ کا بابرکت دَور علم و عمل، صلاح و تقویٰ، فقر و زہد، ایثار و قربانی، اور اخوت و مساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا جس کے آثار و برکات نے عرصۂ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔

بعد کے دور میں مسلمان حکمرانوں کی عملی زندگی اگرچہ مجروح ہوتی چلی گئی تاہم اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا اور امت کی اصلاح اور دینی تقاضوں کی بجاآوری کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی اپنے صحیح طریق کار اور تسلسل کے ساتھ جاری رہا آج بھی۔ جبکہ اسلامی حکومت کے دھندلے نقوش بھی تدریجاً مٹتے چلے جا رہے ہیں "ھیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر" کے ادارے تھوڑا بہت کام کر رہے ہیں مسلم حکمرانوں کی عملی زندگی سے قطع نظر یہ بات بالکل صاف ہے کہ اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اسلامی قوانین سے عداوت اور بغض و عناد کا کہیں پتہ نہیں چلتا، البتہ آخری دور میں اس کا ظہور ترکی میں ہوا۔ خلافتِ اسلامیہ کے الغاء کے بعد جو قیادت اُبھری اس نے اسلامی احکام سے اعلانیہ عداوت کا مظاہرہ کیا ـــ یہاں اس ناخوشگوار بحث کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس کا اثر پھیلتا گیا، تاہم بہت سے شعائر اسلام کا احترام اب تک بیشتر ممالک میں باقی ہے ان ممالک کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ امر بالمعروف کے اداروں کی سرپرستی مدارس و معابد کی تاسیس اور مساجد کی تعمیر حکمرانوں کے فرائض میں شامل سمجھی جاتی تھی اور عامۃ المسلمین اس فریضہ سے سبکدوش ہوچکے تھے جب ان حکمرانوں نے دین اور دینی مسائل سے غفلت یا عداوت کا رویہ اختیار کیا تو ان ممالک میں دین بے سہارا ہو کر رہ گیا، اس کی بنیادیں گرنے لگیں اور کوئی موثر قوت ایسی نہ رہی جو آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیتی۔

البتہ متحدہ ہندوستان اس خصوصیت میں منفرد ہے ـــ جو محض حق تعالےٰ کی عنایت کا ثمرہ ہے ـــ کہ یہاں جب مسلمان حکمران ختم ہوئے اور نظام اقتدار کفر کے ہاتھ آیا، تو اس موقعہ پر اکابر امت کی فراست نے محسوس کیا کہ شعائر دین کی بقاء، دینی اداروں کی تاسیس، مساجد و مدارس کی تعمیر کے لئے اگر عام مسلمانوں کو تربیت نہ دی گئی، اور تعلیم و تربیت، فتویٰ و قضاء اور امامت و خطابت کے مناصب کا بطور خاص انتظام نہ کیا گیا تو اس میں اسلام باقی نہیں رہے گا حق تعالےٰ نے انکی مبارک توجہات کو بارآور فرمایا، عام مسلمانوں میں حفاظتِ دین کا جذبہ بیدار رہا، اور اعداء دین کی دسیسہ کاریوں کے علی الرغم دین جوں کا توں محفوظ رہا۔

تقسیم ہند کے بعد بھی یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ آگے بڑھا۔ ہند و پاک کے دین پسند عوام کی توجہ سے دینی فضا قائم رہی۔ قیام پاکستان کے بعد اگر یہاں کے حکمران اخلاص سے دینی نظام کو نافذ کرنے کا تجربہ کرنا چاہتے تو اس کے لئے ماحول کافی حد تک سازگار تھا اور یہ تجربہ پورے عالم میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا ذریعہ ثابت ہوتا اور آج کی دکھی انسانیت کے لئے رحمت کا پیغام بنتا۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں کے حکمرانوں کو صحیح رُخ اختیار کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ ان کا طرزِ عمل بتدریج بگڑتا چلا گیا، دین سے انحراف کا راستہ اختیار کر لیا، موجودہ حکومت کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس نے لادینی نظام کو جہل یا عناد کی بنا پر تمام قوم پر مسلط کر دینے کی کوشش کی "ملّا" لوگ تو خیر ان حقائق کو واشگاف کرنے میں ہمیشہ مصروف رہے مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ اب سرکاری مسلم لیگ کی ہائی کمان نے بھی امت کی ہمنوائی کی ہے روزنامہ جنگ ۷، فروری کی اطلاع کے مطابق مسلم لیگ

نرخنامہ اشتہارات

			نصف صفحہ	
آخری صفحہ ٹائیٹل مکمل	-/۶۰۰	روپیہ	-/۳۳۰	روپیہ
اندرونی ٹائیٹل مکمل صفحہ	-/۵۰۰	"	-/۲۷۰	"
عام صفحہ اندرونی مکمل	-/۴۰۰	"	-/۲۲۰	"

فی انچ فی کالم بالترتیب -/۲۳ ، -/۱۹ ، -/۱۵ روپیہ

نوٹ: ۱۷ مارچ سے پرچہ کا ہر صفحہ تین کالموں پر مشتمل ہوگا۔ امید ہے کہ احباب حسب سابق تعاون جاری رکھیں گے۔ (سرکولیشن مینجر)

عائلی کمان کی پارلیمانی پارٹی کی مقرر کردہ ۲۵ رکنی جائزہ کمیٹی نے اعتراف کیا ہے کہ:
"عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے ایکٹ نے عوام کے مختلف طبقات میں حکومت سے منافرت پیدا کی، عوام حکومت سے دُور ہو گئے۔ اور علماء کے احساسات و جذبات ان قوانین سے مجروح ہوئے" علمائے امت پہلے دن سے یہ واضح کرتے رہے کہ یہ قوانین کتاب وسنت کے منافی ہیں ان سے معاشرتی الجھنیں ختم نہیں ہوں گی بلکہ ان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا لیکن ارباب اقتدار اسے "چند ملاؤں کا شور و غوغا" کہہ کر ٹالتے رہے، مقام شکر ہے کہ اب پاکستان مسلم لیگ نے بھی بزعم خود پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ــ تسلیم کر لیا، کہ ملاؤں کا اندیشہ غلط نہیں تھا ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

دینی اعتبار سے ہمارے ارباب اقتدار کے غلط رُخ اختیار کرنے کی یہ صرف ایک مثال ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:۔

یا اباعبیدة! اذا طلبت العزة با الله اعزک الله واذا طلبت العزة بغیر الله اذلک الله۔

ابو عبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ کے ذریعہ عزت چاہو گے تو اللہ تمہیں باعزت کرے گا اور جب تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کے ذریعہ عزت طلب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے گا۔

موجودہ حکومت نے اپنے خیال میں عوام کی رضامندی کے لئے اللہ کے قانون سے انحراف کیا تھا اس کے تکوینی نتائج ظاہر ہو کر رہے،

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء، وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔

خط وکتابت

کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں
ورنہ
تعمیل نہ ہو سکے گی۔ (مینجر)

بقیہ: ناصر مرحوم

لڑکیاں تعلیم پانے لگیں۔ تاہم ازہر میں دینی تعلیم کے دروازے لڑکیوں کے لئے بند تھے۔ ناصر کے عہد میں پہلی بار یہ پابندی اٹھائی گئی، ازہر کے دروازے لڑکیوں کے لئے کھول دیئے گئے اور ان کے لئے لڑکوں سے الگ انتظام کر دیا گیا۔

ہمارے نزدیک بے حجابی ایک لعنت ہے، خواہ مصر میں ہو یا شام میں افغانستان میں ہو یا پاکستان میں، اور بے پردگی لعنت ہے خواہ وہ تعلیم کے لئے ہو یا پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے، جدید تعلیم کے لئے ہو یا قدیم کے لئے، میڈیکل کالجوں میں ہو یا پولیس تھانوں کی خدمات کے لئے، کرسی عدالت پر ہو یا مسند تدریس پر ــ ہم کسی موقعہ پر بھی سفور (بے پردگی) کی حوصلہ افزائی برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ صرف فطرت سے انحراف اور تقاضائے انسانیت سے بغاوت ہے بلکہ انسانیت کے مظلوم طبقہ (عورتوں) پر مزید ظلم ڈھانے اور اُسے نشانۂ ہوس بنانے کے لئے ایک شیطانی حربہ ہے۔ دَورِ جدید کی بے پردگی، مغرب کی بے خدا، بے دین اور بے غیرت قوموں اور تہذیبوں کا لایا ہوا تحفہ ہے ــ ناپاک اور نجس تحفہ ــ اسلام کی نظر میں عورت سراپا "ستر" ہے اور جو اس "ستر" کو برہنہ کرے وہ ملعون ــ عورت کو برہنہ کر کے مغرب، جس گرداب میں پھنس چکا ہے، کاش ہمارے مسلمان بھائی اسی سے عبرت پکڑتے، اور خدا و رسولؐ کی مخالفت کر کے، شرفِ انسانیت کو یوں رُسوا نہ کرتے۔

بقیہ: حافظ ارشد

رات حاجی کیمپ میں آئے، آج حاضری دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم کل چائے پی کر گئے ہو... باتیں ہوئی ہیں....

مولانا مقبول سمجھ گئے کہ ارشد آیا ہو گا کیونکہ ایسے ہی کئی ایک واقعات پہلے بھی پیش آ چکے تھے وہ مسکرائے اور عرض کیا کہ بھائی آیا ہو گا۔ بات آئی گئی ہو گئی....

ایک دن ہم کیمپ میں کھانا کھا رہے تھے کہ دیکھا حضرت مولانا چلے آ رہے ہیں۔ آتے ہی ہم دونو کو اکٹھے دیکھا تو فوراً فرمایا، عجیب بات ہے!

اذا اجتمعا افترقا و اذا افترقا اجتمعا

"جب یکجا ہوتے ہیں تو علیٰحدہ علیٰحدہ نظر آتے ہیں اور جب علیٰحدہ علیٰحدہ ہوتے ہیں تو ایک نظر آتے ہیں"۔

ہماری دعوت پر کھانے میں شریک ہو گئے اور کھانے کی اتنی تعریف فرمائی کہ ہم شرمندہ ہوئے جاتے تھے، لیکن حضرت بار بار تعریف فرماتے جاتے تھے۔

مسجد کا ایک خوبصورت طائرانہ جائزہ

مسجد کا خوبصورت فضائی منظر